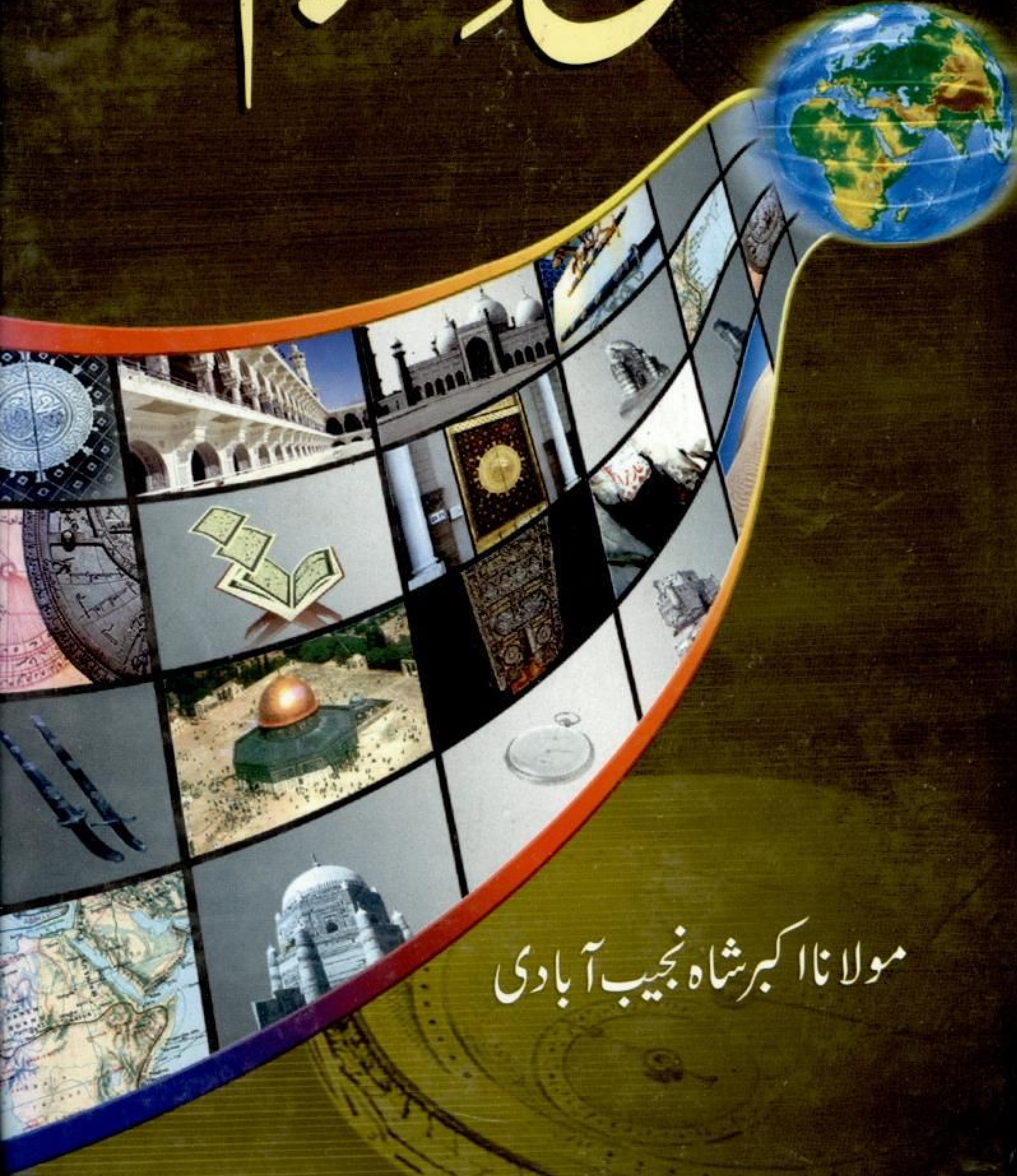
تاریخِ اسلام



مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

تاریخِ اسلام

(جلد سوم)

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار لاہور فون: 7321118

نام کتاب	....	تاریخ اسلام (جلد سوم)
مصنف	....	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی
ناشر	....	مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7321111
مطبع	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز لاہور
سرورق	....	**فراز گرافکس**
سنِ اشاعت	....	جنوری 2004ء
قیمت فی جلد	....	روپے
مکمل سیٹ	....	روپے

☆...... ملنے کے پتے ......☆

- علم و عرفان پبلشرز۔ 34- اردو بازار لاہور فون: 7352332
- کتاب گھر۔ کمیٹی چوک، راولپنڈی فون:5552929
- اشرف بک ایجنسی۔ کمیٹی چوک، راولپنڈی فون:5531610
- رحمٰن بک ہاؤس۔ اردو بازار، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

(پہلا باب)

مسلمانوں سے پہلے اندلس کی حالت

جغرافیہ اندلس یورپ کے نقشے میں جنوب و مغرب کی جانب ایک نمایاں جزیرہ نما ہے جس کے ذریعہ یورپ کا برّ اعظم افریقہ کے برّ اعظم سے ملتا یعنی اس جزیرہ نما کا جنوبی گوشہ مراقش کے شمالی گوشہ سے بغل گیر ہو کر ایک خاکنائے بنانا چاہتا تھا کہ بحر روم یا بحرِ متوسط نے بحرِ ظلمات یا بحر اطلانطک سے مصافحہ کرنے میں سبقت کی اور یورپ و افریقہ کے درمیان قریباً دس میل کا فاصلہ رہ گیا بحرِ متوسط اور خلیج بسکی ایک دوسرے کی طرف بڑھ کر اس جزیرہ نما کو جزیرہ بنانا چاہتے تھے مگر جبل البرتات یا کوہ پیری نیز کے سلسلے نے ایک دیوار اٹھا کر اس جزیرہ نما کو فرانس سے جدا تو کر دیا۔ لیکن جزیرہ نہ بننے دیا یورپ کے اس جنوبی و مغربی جزیرہ نما کو آئی بیریا، اسپین، ہسپانیہ، اندلس وغیرہ ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا رقبہ دس لاکھ مربع میل سے زیادہ ہے۔

پیداوار و آب وہوا:

آب وہوا یورپ کے تمام ملکوں سے بہتر یعنی معتدل، زمین زراعت کے لئے زیادہ موزوں اور زرخیز ہے۔ شادابی و سرسبزی اور کثرت پیداوار میں یہ ملک شام و مصر سے مشابہ ہے۔ چاندی کی کانیں خاص طور پر مشہور اور دوسری قیمتی دھاتیں بھی اس ملک میں پائی جاتی ہیں۔

وادی الکبیر اور ٹیکس دو مشہور بڑے دریا بہتے ہیں۔ ان دریاؤں اور ان کے معاونوں نے اس جزیرہ نما کو تختہ گلزار بنانے میں کمی نہیں کی۔ اس جزیرہ نما کی شمالی سرحد پر خلیج بسکی اور جبل البرتات ہے۔ مشرق میں بحرِ روم یا بحر متوسط ہے۔ جنوب میں بحر متوسط آبنائے جبل الطارق اور بحرِ ظلمات اور مغرب میں بحر ظلمات ہے۔

صوبوں اور ولایتوں کی تفصیل:

اس جزیرہ نما کے مشہور صوبوں اور ولایتوں کی تفصیل اس طرح ہے۔ گوشہ جنوب و مغرب میں پرتگال شمال و مغرب میں جلیقیہ کا صوبہ ہے۔ شمال میں استوریہ، قسطلہ، ارغوان کے صوبے ہیں شمال و مشرق میں قطلونیہ، مشرق میں اندلوسیہ کے صوبے ہیں، طلیطلہ اندلس یا ہسپانیہ کے وسط میں ہے۔ قرطبہ اور غرناطہ کے مشہور شہر صوبہ اندلوسیہ یعنی جزیرہ نما کے جنوبی حصہ میں واقع ہیں۔ اشبیلیہ بھی جنوبی و مغربی علاقہ میں مشہور تھا۔ اس جزیرہ نما کا سب سے زیادہ زرخیز و آباد اور قیمتی علاقہ جنوبی حصہ یعنی صوبہ اندلوسیہ

ہے اور یہی جنوبی حصہ زیادہ عرصہ تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا جیسا کہ آگے بیان ہونے والا ہے۔

اہل فونیشیا، قرطاجنہ، رومی، گاتھ حکومت اندلس میں

فونیشیا کی حکومت:

فنیشیا یا فونیشیا یا کنعان اس ملک کا نام ہے جو ملکِ شام کا مغربی حصہ کہلاتا ہے اور بحر روم کا مشرقی ساحل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئی سو سال پیشتر اس حصہ ملک میں ایک بڑی زبردست اور تجارت پیشہ قوم رہتی تھی جو کل مورخین میں اہل فونیشیا کہلاتی ہے۔ اہل فونیشیا کے جہازات تمام بحر روم میں تجارتی مال ادھر سے ادھر لے جانے میں مصروف تھے مال و دولت کی فراوانی نے ان کو ایک خاص تہذیب اور خاص تمدن کا بانی بنایا فلسطین پر قبضہ کر کے انھوں نے بحرِ قلزم کے راستہ ہندوستان و چین تک اور ادھر آبنائے جبل الطارق سے گزر کر انگلستان و بحرِ شمالی تک اپنی تجارت کا سلسلہ قائم کیا۔ بحر روم کے شمالی اور جنوبی بندرگاہوں پر انہیں کا قبضہ تھا اور ان کی بحری طاقت دنیا میں سب سے بڑی بحری طاقت تھی انھوں نے جا بجا اپنی نو آبادیاں قائم کر لی تھیں انہیں نو آبادیوں میں شمالی افریقہ (ٹیونس) کا شہر قرطاجنہ اُن کا آباد کیا ہوا تھا جو بعد میں ایک مستقل حکومت و سلطنت کا پایۂ تخت بنا۔

انہیں آبادیوں میں ملک اندلس کے ساحلی مقامات پر ان کے آباد کئے ہوئے شہر و قصبے اور بندرگاہ تھے۔ رفتہ رفتہ ملک اندلس ان کی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا اور اہل فنیشیاؔ یہاں حکومت کرنے لگے۔ جب اہل فنیشیاء کی سلطنت و حکومت میں زوال پیدا ہوا تو انھیں کے بعض افراد نے قرطاجنہ یعنی ٹیونس میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ اور اندلس بھی سلطنت قرطاجنہ کا ایک صوبہ بن گیا۔ اہل قرطاجنہ نے سیکڑوں برس تا قوس انا و لا غیری بجایا۔ یہ لوگ آتش پرست و ستارہ پرست تھے ان کی تہذیب اپنے زمانہ میں لانظیر سمجھی جاتی تھی اہل فنیشیا کے مقابلہ میں اندلس پر اہل قرطاجنہ کا زیادہ اثر پڑا اس لئے کہ ساحل شام کی نسبت قرطاجنہ اندلس سے زیادہ قریب تھا۔

اندلس میں رومی حکومت کا قیام

جب اٹلی کے شہر روم میں رومتہ الکبریٰ کی سلطنت قائم ہوئی تو اہل قرطاجنہ اور اہل روم کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہوا آخر رومیوں نے سلطنت قرطاجنہ کو برباد کیا اور اندلس میں رومیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ رومیوں نے پانچ سو سال تک اندلس میں حکومت کی۔ شہر روم سے اندلس کا حاکم بطور وائسرائے مقرر ہو کر آتا تھا اور سالانہ خراج اس ملک سے وصول کر کے دارالسلطنت روم میں بھیجتا

تھا۔ جس طرح بحر روم اور اس کے ساحلی ملکوں کی حکومت اہل فنیشیا کے ہاتھ سے نکل کر اہل قرطاجنہ کے ہاتھ میں آئی تھی اسی طرح اہل قرطاجنہ سے اہل روم کے قبضے میں پہنچی۔

گاتھ کی حکومت

سلطنت روم پر عیسوی مذہب قبول کر لینے کے بعد 40ء کے قریب دو مصیبتیں نازل ہوئیں۔ اول یہ کہ قوم گاتھ نے جو مغلوں سے مشابہ تھی وسطی و مشرقی یورپ سے خروج کر کے حملے شروع کر دیئے۔ رومیوں کی عیش پرستی قوم گاتھ کی جفاکشی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس لیٹرے گروہ نے رومی سلطنت کے چول ڈھیلے کر دیئے۔ انھیں ایام میں رومی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک دارالسلطنت تو شہر روم ہی رہا اور دوسری مشرقی سلطنت کا دارالحکومت قسطنطنیہ مقرر ہوا۔ گاتھوں کے اس لٹیرے گروہ نے دین عیسوی کو اسی طرح قبول کیا جیسے ترکوں کے ایک گروہ بنی سلجوق نے اسلام قبول کر لیا تھا بنی سلجوق جس طرح اسلام قبول کر لینے کے بعد ہی بہت جلد اپنی حکومت قائم کر سکے تھے اسی طرح قوم گاتھ نے عیسوی مذہب قبول کرنے کے بعد فرانس کی جانب سے کوہ برطات یا کوہ پیرنیز کو عبور کر کے جزیرہ نما ہسپانیہ پر قبضہ کیا۔ گاتھوں کے ایک حصے نے مشرق میں اپنی حکومت قائم کی اور ایک حصہ کی حکومت مغرب میں اندلس کے اندر قائم ہو گئی۔

جس طرح رومی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو کر مشرقی روم اور مغربی روم کی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں اسی طرح گاتھوں کی بھی دو سلطنتیں مشرقی گاتھ اور مغربی گاتھ کے نام سے قائم ہوئیں۔ مغربی گاتھ کو چونکہ حکومت اور مذہب ساتھ ہی ساتھ ملے تھے اس لئے انھوں نے عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو روم کے مذہبی پیشوا کا ماتحت و محکوم نہیں رکھا بلکہ اندلس کے عیسائی پوپ روم کی سیادت سے آزاد اور اپنے مذہبی معاملات میں خود مختار رہے۔ حکومت گاتھ مذہب کی کچھ زیادہ پابند نہ تھی اور اس نے عیسویت کو سیاسی مصلحت سے ہی قبول کیا تھا لیکن رفتہ رفتہ عیسائیت کو جس طرح یورپ کے دوسرے ممالک میں فروغ ہوتا گیا اسی طرح اندلس میں بھی پیشواؤں کا اثر و اقتدار ترقی پذیر رہا آخر چند روز کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ پادری لوگ بادشاہ کے انتخاب اور تخت نشینی کے مراسم ادا کرنے میں خوب دخیل ہو گئے اور ان کی طاقت کا توڑنا بادشاہ کے لئے آسان کام نہ رہا۔ حکومت گاتھ اندلس میں 500ء کے قریب مکمل طور پر قائم ہوئی تھی۔ دو سو سال تک گاتھ حکومت اندلس میں قائم رہی۔ اس عرصہ میں اندلس کے اندر گاتھیوں کی جنگ جوئی، خوں خواری، عیش و راحت اور زیب و زینت کے شوق سے تبدیل ہو گئی تھی۔ اہل فونیشیا اور قرطاجنہ دونوں آتش پرست اور ستارہ پرست تھے دونوں میں عیش و راحت ظاہری زیب و زینت کا شوق موجود تھا۔ لہٰذا اہل اندلس اپنے حکمرانوں سے متاثر ہوئے اور یہ چیزیں ان

میں موجود ہو گئیں اس کے بعد رومیوں کی حکومت میں عیش و نشاط کے رواج نے خوب ترقی کی گاتھ حکومت اگرچہ خود اپنے ساتھ سپاہیانہ اور جنگ جویانہ خصائل لائی تھی۔ لیکن اہل ملک کے اثر نے گاتھوں کو چندروز کے بعد اپنے رنگ میں تبدیل کر لیا چونکہ گاتھ خود اپنا کوئی تمدن، اخلاق اور اعلیٰ معاشرت نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ جب اہل اندلس سے متاثر ہوئے تو عیش و نشاط سے بھی بے بہرہ نہ رہے۔ بہرحال اندلس بہت سی تہذیبوں کا مجموعہ تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ہر قسم کی ترقیات اور اس زمانے کے علوم سے بے بہرہ نہ تھا۔ مذہب عیسوی کے رواج اور نشوونما نے بھی اپنا کافی اثر اس ملک پر ڈالا تھا۔

700ء کے بعد گاتھ حکومت کا بھی اس ملک میں خاتمہ ہو گیا اور ایک مشرقی قوم نے ایرانیوں، رومیوں، شامیوں، مصریوں، یونانیوں کی حکومتوں ہی کو نہیں بلکہ ان ملکوں کی مشہور تہذیبوں اور مذہبوں کو بھی پامال کرتے ہوئے اس ملک میں داخل ہو کر بت پرستی اور عیسویت کی جگہ توحید کا علم بلند کیا اور اسلامی حکومت قائم کی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

گاتھ حکومت کا خاتمہ:

گاتھ سلطنت میں امتداد زمانہ کے ساتھ ہی ساتھ مذہبیت ترقی کرتی گئی۔ وہاں علیحدہ مذہبی مرکز یعنی چرچ قائم تھا۔ قانونِ سلطنت میں تنگ دلی خوب داخل ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اندلس کے یہودی دم بدم ذلیل ہوتے گئے۔ یہودیوں کو عیسائی اپنا غلام سمجھتے تھے۔ ان کی جائیدادیں زبردستی چھین لی جاتی تھیں۔ ان سے ہر قسم کی خدمت لی جاتی تھی اور ان کا مرتبہ حقوق کے اعتبار سے چوپایوں کے قریب پہنچا دیا گیا تھا۔ حالانکہ گاتھوں کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں یہودیوں کی ایسی ذلیل و مستقیم حالت نہ تھی۔ بت پرستی کے تمام اوہام باطلہ اندلس کے عیسائیوں میں موجود تھے تہذیب و شائستگی، علوم و فنون اور تجارت کے اعتبار سے یہودیوں کو عیسائیوں پر فضیلت حاصل تھی۔ عیسائی عام طور پر عیش پسند اور تن آسان تھے مگر یہودیوں میں جفاکشی موجود تھی۔ چونکہ یہودی تعداد میں کم تھے اور حکومت بھی عیسائیوں کی تھی۔ لہٰذا وہ اپنی نجات کے لئے کوشش نہیں کر سکتے تھے پادری لوگ معاملات سلطنت میں اس قدر زیادہ دخیل ہو گئے تھے کہ بادشاہ ان کے خلاف کوئی کام کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ بڑی بڑی جاگیریں اور زرخیز علاقے پادریوں کے قبضے میں تھے۔ خود پادریوں کے مکان پری خانے بنے ہوئے تھے۔ عیش و عشرت کے تمام سامان اور بدمستیوں کے تمام نظارے پادریوں کی مجلسوں میں دیکھے جاتے تھے لیکن کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ ان کے مذہبی اقتدار کا مقابلہ کر سکے۔ پادریوں کے فتوے بڑے بڑے عالی جاہ اور صاحب سطوت لوگوں کو سرنگوں کر سکتے تھے۔ ایک ایک پادری کے پاس سو سو اور دو دو سو بربری غلاموں کا موجود ہونا تو معمولی بات تھی۔ ان کے احکام کا کہیں اپیل نہ ہو سکتا تھا۔ گاتھ سلطنت کا

دارالحکومت طلیطلہ تھا۔ طلیطلہ میں اسقفِ اعظم لاٹ پادری جو چرچ ہسپانیہ کا صدرِ اعظم تھا رہتا تھا۔ اسقفِ اعظم کے حقوق میں یہاں تک ترقی ہو چکی تھی کہ وہ بادشاہ کی معزولی کا فرمان بھی صادر کر سکتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اندلس میں خالص عیسوی حکومت قائم تھی۔

لرزیق کی تخت نشینی

ساتویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں اپنی شان و شوکت اور وسعتِ سلطنت کے اعتبار سے گاتھ سلطنت اپنے عروج کمال کو پہنچ چکی تھی۔ تمام بحرِ روم پر ان کی سیادت مسلّم تھی۔ جزیرہ نمائے ہسپانیہ کے سوا بحرِ روم کے اکثر جزائر بھی انہیں کے زیرِ اقتدار اور زیرِ حکومت تھے۔ افریقہ کے شمالی ساحل پر بھی ان کا قبضہ بعض مقامات پر قائم تھا۔ بحرِ روم کے مشرقی ساحل پر بازنطین یعنی رومی حکومت بڑے شان و شوکت کے ساتھ قائم تھی۔ جس زمانے میں مسلمانوں نے رومیوں کو ملک شام و فلسطین و مصر سے خارج کر دیا تھا اس زمانے میں گاتھ قوم کا بادشاہ وٹیزا طلیطلہ میں برسرِ حکومت تھا۔ وٹیزا نے جب یہ دیکھا کہ پادریوں نے تمام سلطنت پر اپنا اثر و اقتدار قائم کر کے مخلوقِ خدا کو ستانے میں بڑی قساوتِ قلبی کا اظہار کیا ہے اور یہودیوں کے ساتھ ان کا ظالمانہ برتاؤ انسانیت کے خلاف ہے تو اس نے عیسائیوں یعنی پادریوں کے اقتدار کو توڑنے اور کم کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ پادریوں نے اس بات سے واقف ہو کر وٹیزا کے معزول کرنے کی تجویز کی اور اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ یہودیوں کا خیر خواہ ہے۔ یہودیوں کی خیر خواہی ایسا ناقابلِ عفو جرم تھا کہ پادریوں کو وٹیزا کے معزول کرنے میں بہت زیادہ دقت پیش نہ آئی۔ انھوں نے وٹیزا کو معزول کر کے ایک فوجی سردار لرزیق نامی کو جو شاہی خاندان سے تھا تخت نشین کیا۔ اس طرح گاتھوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر لرزیق کی حکومت آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں شروع ہوئی۔ لرزیق ایک کارآزمودہ سپہ سالار اور ستر اسی سال کا تجربہ کار شخص تھا۔ چونکہ پادریوں کی حمایت بھی اس کے شاملِ حال تھی لہٰذا قدیم شاہی خاندان کے محروم کرنے اور لرزیق کی حکومت کے قائم ہونے میں کوئی دقت اور پریشانی بھی رونما نہ ہوئی۔ لرزیق نے تخت نشین ہو کر نہایت اطمینان اور پوری طاقت کے ساتھ حکومت شروع کی اور پادریوں کے اقتدار میں کسی قسم کا فرق نہ آنے پایا۔

اندلس پر مسلمانوں کے حملے کے محرکات

افریقہ (مراکو) کے شمالی ساحل پر قلعہ سبطہ یا سوطا ابھی تک عیسائیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس قلعہ کا قلعہ دار ایک شخص کونٹ جولین نامی تھا جس کو عربی مورخ بالیان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جولین ایک یونانی سردار تھا اور قیصر قسطنطنیہ کی طرف سے مامور تھا۔ قیصر کے تمام مقبوضات افریقہ

مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے صرف یہی ایک قلعہ باقی تھا جو صلح کے ذریعہ جولین کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ جولین نے اندلس کی عیسائی سلطنت سے حسب منشائے قیصر قسطنطنیہ اپنے تعلقات قائم کر لئے تھے کیونکہ قسطنطنیہ کے مقابلہ میں اندلس مقام سبطہ سے قریب تھا اور اندلس کی حمایت میں آ جانے سے اس عیسائی مقبوضہ کے قیام و بقا کی زیادہ توقع تھی۔ اس طرح کونٹ جولین حکومت اندلس کے گورنروں میں خیال کیا جاتا تھا اور سبطہ حکومت اندلس کی ایک ماتحت ریاست بن گیا تھا جس کا تعلق برائے نام حکومت قسطنطنیہ سے بھی تھا اندلس کے آخری گاتھ فرماں روا مسمی وٹیزا نے اپنی بیٹی کی شادی جولین سے کر دی تھی جب وٹیزا تخت سلطنت سے معزول کیا گیا تو جولین کو بالطبع وٹیزا کے معزول اور لرزیق کے تخت نشین ہونے سے ملال ہوا مگر چونکہ لرزیق کی تخت نشینی پادریوں کے حسب منشا عمل میں آئی تھی لہٰذا جولین کو بھی مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ جولین کی ایک بیٹی فلورنڈا نامی تھی جو بادشاہ وٹیزا کی نواسی یعنی قدیمی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی گاتھ حکومت کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ امیروں، گورنروں، سپہ سالاروں اور بلند مرتبہ لوگوں کے چھوٹے لڑکے بادشاہ کے پاس بطور پیش خدمت رہتے تھے۔ آداب دربار سیکھتے اور شائستگی حاصل کرتے تھے۔ بادشاہ بھی مثل اپنی اولاد کے ان کے رنج و راحت کا خیال رکھتا اور جب وہ جوان ہو جاتے تو اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت پاتے تھے۔ اسی طرح امراء کی لڑکیاں بادشاہ بیگم کے پاس محل میں بھیج دی جاتی تھیں اور وہاں محلات شاہی میں پرورش پا کر جوان ہوتی تھیں۔ بادشاہ اور بادشاہ بیگم ان لڑکیوں کو مثل اپنی بیٹیوں کے سمجھتے تھے۔ اسی رسم قدیم کے موافق کونٹ جولین کی بیٹی فورنڈا بھی شاہی محلات میں موجود تھی یہ لڑکی جوان ہو گئی تھی اور اس کو اب اس کے والدین کے پاس ہونا چاہیے تھا مگر اندلس کے بادشاہ لرزیق نے باوجود اس کے کہ وہ بوڑھا شخص تھا اس لڑکی کی جبریہ طور پر عصمت دری کی۔ لڑکی نے بمشکل اپنی اس بے عزتی کے حال سے اپنے باپ کو اطلاع دی۔ اس خبر کو سن کر جولین کے دل میں طیش و غضب کی آگ مشتعل ہوئی اور گاتھ قوم کے جس شخص کو بھی اس کا حال معلوم ہوا اس نے اپنی قوم اور قدیم شاہی خاندان کی اس بے حرمتی کو گراں محسوس کیا۔ کونٹ جولین نے اپنی ناراضگی کو پوشیدہ رکھا اور فوراً سبطہ سے روانہ ہو کر طلیطلہ (ٹالیڈو) میں پہنچا۔ شاہی دربار میں حاضر ہو کر اپنی بیوی یعنی فلورنڈا کی ماں کے بیمار ہونے اور مرنے سے پہلے بیٹی کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے کا حال بیان کر کے فلورنڈا کے لے جانے کی اجازت چاہی یہ ایک ایسا بہانہ تھا کہ لرزیق کسی طرح اس کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ جولین اپنی بیٹی کو لے کر سبطہ میں آ گیا۔ قدیمی شاہی خاندان کے حامیوں میں سے اشبیلیہ کا اسقف بھی جولین کے پاس آیا اور لرزیق کی حکومت کے درہم برہم کرنے کی تدابیر سوچنے میں یہ دونوں مصروف ہوئے۔

موسیٰ بن نصیر:

اس زمانے میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی جانب سے شہر قیروان میں موسیٰ بن نصیر خلیفہ کے مقبوضات غربی کا وائسرائے تھا موسیٰ بن نصیر کی طرف سے طارق بن زیاد اس کا ایک بربری النسل غلام شہر طنجہ کی حکومت پر مامور اور ملک مراقش کی افواج اسلامیہ کا سپہ سالار۔ طارق اگرچہ جولین سے قریب تھا لیکن جولین نے بجائے طارق سے گفتگو کرنے کے موسیٰ بن نصیر سے اپنا مقصد ظاہر کرنا مناسب سمجھا۔ وہ اشبیلیہ کے اسقف اعظم اور چند عیسائی سرداروں کو ہمراہ لے کر قیروان پہنچا اور موسیٰ بن نصیر کی خدمت میں اپنے آنے کی اطلاع پہنچائی موسیٰ بن نصیر اس عیسائی سے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ملا۔ جولین اور اس کے ہمراہیوں نے عرض کیا کہ آپ اندلس پر فوج کشی کریں فتح و نصرت یقیناً آپ کے شامل حال ہوگی موسیٰ یہ سن کر متامل ہوا اور کوئی تسکین بخش جواب نہ دیا تب جولین اور اسقف اشبیلیہ نے کہا آج کل اندلس مین ایک شخص غاصبانہ طور پر مسلط ہے۔ موجودہ حکومت اندلس رعایا کے لئے ایک قہر الٰہی ہے بنی نوع انسان کے حقوق جو محض انسان ہونے کی وجہ سے آپ پر عائد ہوتے ہین آپ ان کو ادا کریں اور اہل اندلس کو اس جہنم سے جس میں وہ آج کل مبتلا ہیں نجات دلائیں بجز آپ کے دنیا میں اور کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جس کے پاس ہم اپنی فریاد لے کر جائیں اور اس کے ذریعہ اس مصیبت سے آزادی پائیں۔ موسیٰ بن نصیر نے جولین کے اس اصرار کے بعد اندلس کے حالات اور حکومت اندلس کی فوجی طاقت کے متعلق سوالات کئے اور خلیفہ دمشق ولید بن عبدالملک سے اجازت طلب کرنا ضروری سمجھ کر ایک عریضہ دمشق کی جانب روانہ کیا۔

طریف کی سرکردگی میں ساحل اندلس پر پہلا اسلامی دستہ

ادھر جولین کے ہمراہ اپنے ایک سردار طریف یا طارق کو پانچ سو آدمیوں کے ساتھ بھیج کر مامور کیا کہ جولین کے جہازوں میں سوار ہو کر ساحل اندلس پر اتریں اور وہاں کے حالات سے خود واقفیت حاصل کر کے واپس آئیں۔ چنانچہ طریف اپنے ہمراہیوں کے ساتھ 92ھ میں اندلس کے ساحل پر یعنی اندلس کی جنوبی راس کے مشرقی کنارے بندرگاہ جزیرہ پر اترا اور معمولی لوٹ مار کے بعد سالماً غانماً واپس آیا تھوڑے ہی دنوں میں خلیفہ کے دربار سے اجازت آگئی جس میں کمال حزم و احتیاط کے ملحوظ رکھنے کی تاکید تھی۔

طارق بن زیاد کو اندلس پر حملہ کرنے کا حکم

جب موسیٰ بن نصیر کو جولین اور ان کے ہمراہیوں کے بیان کی تصدیق طریف کی زبانی ہوگئی تو اس نے طنجہ کے گورنر طارق بن زیاد کے نام حکم بھیج دیا کہ تم اپنی فوج لے کر اندلس پر چڑھائی کرو طارق اپنا سات ہزار لشکر کشتیوں میں سوار کر کے آبنائے جبل الطارق کے پر اندلس کی جنوبی راس پر اترا۔ طارق اپنی اس سات ہزار فوج کو چار کشتیوں میں سوار کر کے لے گیا تھا۔ اس سے اس زمانے کے جہازوں کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتنے بڑے تھے۔ طارق کی فوج میں زیادہ تر بربری نومسلم اور کمتر عربی لوگ تھے مغیث الرومی نامی ایک مشہور فوجی افسر بھی اس فوج میں شامل تھا جو طارق کا ماتحت تھا اور اس کا نائب سمجھا جاتا ہے۔ طارق ابھی آبنائے وسط میں تھا اور ساحل اندلس تک پہنچا تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہوئی اور اس نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اس سے فرماتے ہیں تمہارے ہاتھ پر اندلس فتح ہو جائے گا اس کے بعد فوراً طارق کی آنکھ کھل گئی اور اس کو اپنی فتح کا کامل یقین ہو گیا۔

(دوسرا باب)

اسلامی حکومت اندلس میں اندلس کے ساحل پر

طارق کا ایک عجیب حکم

طارق اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اندلس کے ساحل پر اترا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن جہازوں میں سوار ہو کر آئے تھے ان کو آگ لگا کر سمندر میں غرق کر دیا طارق کی یہ حرکت بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ذرا غور و تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو طارق کی انتہائی بہادری اور قابلیت سپہ سالاری کی ایک زبردست دلیل ہے۔ طارق اس بات سے واقف تھا کہ یہ مٹھی بھر فوج ایک عظیم الشان سلطنت کی افواج گراں کے مقابلہ میں بے حقیقت نظر آئے گی۔ ممکن ہے بربری نومسلموں کو گھر یاد آنے لگے اور ماتحت فوجی افسر اس بات پر زور دینے لگیں کہ جب تک بڑی اور زبردست فوجیں نہ آئیں اس وقت تک لڑائی کا چھیڑنا مناسب نہیں ہے اور بہتر یہی ہے کہ طنجہ کو واپس چلیں ایسی حالت میں یہ پہلی مہم ناکام رہے گی اور طارق کے خواب کی تعبیر مشتبہ ہو جائے گی طارق کو اپنے خواب پر ایسا کامل یقین تھا کہ وہ اندلس کا اسی فوج سے فتح کر لینا یقینی سمجھتا تھا کہ وہ اندلس کا اسی فوج سے فتح کر لینا یقینی سمجھتا تھا۔ اس نے جہازوں کو غرق کر کے اپنے ہمراہیوں کو بتا دیا کہ واپس جانے کا اب کوئی راستہ نہیں ہے ہمارے پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن کا ملک ہے بجز اس کے اور کوئی صورت نجات کی باقی نہ رہی کہ ہم دشمن کے ملک پر قبضہ کرتے اور اس کی فوجوں کو پیچھے دھکیلتے چلے جائیں۔ اس کام میں ہم جس قدر زیادہ چستی، ہمت اور جفاکشی سے کام لیں گے ہمارے لئے بہتر ہوگا، سستی، پست ہمتی اور تن آسانی کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

اسلامی لشکر کی پہلی منزل:

طارق جس مقام پر اترا تھا اس کا نام لائنز راک یا قلعۃ الاسد تھا اس کے بعد سے اس کا نام جبل الطارق مشہور ہوا۔ اور آج تک جبل الطارق یا جبرالٹر ہی کہلاتا ہے۔

عیسائی جنرل تدمیر کا پہلا حملہ اور شکست:

شاہ لرزیق کا سپہ سالار تدمیر ایک زبردست فوج لئے ہوئے اسی نواح میں اتفاقاً موجود تھا طارق کے ہمراہی ابھی پورے طور پر اپنے حواس بجا کرنے بھی نہ پائے تھے کہ تدمیر نے ان

نوواردوں کی خبر سن کر ان پر حملہ کیا تدمیر ایک نہایت تجربہ کار اور مشہور سپہ سالار تھا۔ وہ بہت سے معرکوں میں ناموری حاصل کر چکا تھا۔ تدمیر نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ حملہ کیا مگر طارق نے اس کو شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ تدمیر نے طارق سے شکست کھا کر اور ایک محفوظ مقام میں پہنچ کر بادشاہ لرزیق کو اطلاع دی کہ:

> ''اے شہنشاہ! ہمارے ملک پر ایک غیر قوم نے حملہ کیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور پوری ہمت وشجاعت سے کام لیا۔ لیکن مجھ کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی اور میری فوج ان لوگون کے مقابلہ میں قائم نہ رہ سکی ضرورت ہے کہ آپ بنفسِ نفیس زبردست فوج اور طاقت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ حملہ آور کون ہیں کہاں سے آئے ہیں آیا آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں۔''

شاہ لرزیق کی تیاریاں:

اس وحشت انگیز خبر کو سن کر لرزیق نے تمامتر توجہ فوجوں کے فراہم کرنے میں صرف کردی لرزیق طلیطلہ سے روانہ ہو کر قرطبہ میں آیا اور یہیں ملک کے ہر حصہ سے فوجیں آ آ کر فراہم ہونے لگیں۔ لرزیق نے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور بڑی مستعدی اور ہمت کے ساتھ ایک لاکھ کے قریب فوج لے کر قرطبہ سے طارق کی طرف روانہ ہوا۔ تدمیر بھی اپنی فوج لے کر ہمراہ رکاب ہوا۔ اس عرصہ میں طارق بیکار نہیں رہا اس نے شہروں اور قصبوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور الجزیرہ وشدونہ کے علاقوں کو فتح کر کے وادی لکہ تک پہنچ گیا لرزیق کی فوج میں ایک لاکھ سپاہیوں کے علاوہ ملک اندلس کے تمام بڑے بڑے تجربہ کار سپہ کا ! راور ہر صوبہ کے نامور سردار موجود تھے۔

پہلی جنگ:

شہر شدونہ کے متصل لاجنڈا کی جھیل کے قریب ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے 28 رمضان المبارک 92ھ مطابق ماہ جولائی 711ء کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق کے روانہ ہونے کے بعد افریقہ سے پانچ ہزار فوج بغرض کمک روانہ کردی تھی یہ پانچ ہزار فوج بھی طارق کے پاس اس مقابلے سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا طارق کی فوج اب بارہ ہزار ہوگئی تھی۔ ایک طرف بارہ ہزار مسلمان تھے۔ دوسری طرف ایک لاکھ عیسائی تھے مسلمان اس ملک کے حالات سے ناواقف اور بالکل اجنبی تھے۔ عیسائی لشکر اسی ملک کا رہنے والا تھا اور اپنے ملک وسلطنت کے بچانے کو میدان میں آیا تھا

ادھر اسلامی لشکر کا سردار گورنر افریقہ موسیٰ بن نصیر کا آزاد کردہ غلام طارق بن زیادؒ تھا جو کوئی غیر معمولی قدردانی نہیں کر سکتا تھا۔ ادھر ملک اندلس کا شہنشاہ عیسائی لشکر کی سپہ سالاری کر رہا تھا جس کے قبضہ میں ملک کے تمام خزانے اور ہر قسم کی عزت افزائی وقدردانی کے سامان تھے۔ ادھر فوج میں اکثر نو مسلم بربری تھے ادھر عقیدت مند عیسائیوں کی فوج تھی جن کو لڑائی پر ابھارنے اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دینے کے لئے تمام بڑے بڑے اور نامور پادری اور بشپ موجود تھے اس معرکہ میں طارق کی مٹھی بھر فوج جو اپنے حریف کی فوج گراں کا بمشکل آٹھواں حصہ تھی اگر شکست کھا جاتی تو یہ معرکہ بہت ہی معمولی اور نا قابلِ تذکرہ معرکہ ہوتا۔ لیکن چونکہ بارہ ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ باساز وسامان عیسائیوں کے لشکر جرار کو شکست فاش دی لہٰذا یہ لڑائی دنیا کی عظیم الشان لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے۔ ایسے عظیم الشان معرکہ کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت ہی کم اور اور صرف چند دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ایک ہفتہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے بمقابل خیمہ زن رہیں۔ طارق نے جس وقت لرزیق شہنشاہ ہسپانیہ کے لشکر عظیم کے مقابل اپنی مٹھی بھر فوج کی صفیں درست کیں تو اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جو ایمان باللہ کو استوار اور پائے استقلال کو مضبوط کرنے والی تھی طارق کی اس تقریر نے مسلمان بہادروں کے دوران خون کو بڑھا دیا اور شوق شہادت نے الفتِ دنیا اور محبت زن وفرزند کو دلوں سے مٹا دیا۔ اس کے بعد معرکہ کارزار گرم ہوا۔ ادھر سے ہائے وہو کا شور وغل تھا ادھر سے تکبیر کی آواز تھی جو دشمنوں کے دل کو ہلاتی اور مسلمانوں کے دلوں کو بڑھاتی تھی۔

بہ پیکار کاریکہ تکبیر کرد
نہ شمشیر کرد ونے تیر کرد

عیسائی لشکر کا بڑا حصہ زرہ پوش سواروں پر مشتمل تھا۔ لیکن اسلامی فوج سب پیدل تھی۔ عیسائی سواروں کی صفیں طوفانی سمندر کی لہروں کی طرح جب حملہ آور ہوئی ہیں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ فیل پیکر گھوڑوں اور دیو نژاد سواروں کے پرے مسلمانوں کو کچلتے اور ان کی لاشوں کو سموں کی ضربوں سے قیمہ بناتے ہوئے گزر جائیں گے اور نیزہ وشمشیر کے استعمال کا موقع نہ پائیں گے لیکن جس وقت یہ آہن پوش متلاطم سمندر جمیعت اسلامی کے پہاڑ سے ٹکرایا ہے تو معلوم ہوا کہ بھیڑوں کی کثرت شیروں کی قلت پر غلبہ پانے کے لئے حملہ آور ہوئی تھی اسلامی تلواروں کی بجلیاں چمکیں اور عیسائی افواج کی گھٹائیں کچھ تو خاک وخون میں لتھڑی ہوئی لاشوں کی شکل میں تبدیل ہو گئیں اور اکثر لکہ ہائے ابر کی طرح پاش پاش ہو کر متحرک ومفرور نظر آنے لگیں۔ تکبیر کے پر ہیبت نعرے دم بدم میدان کے شور وغل پر غالب ہوتے جاتے تھے کہ شمشیر زنوں کی تیز دستی اور نیزہ بازوں کی چستی نے اس معرکہ کی عظمت کو مورخین عالم کے لئے ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا کہ ربع مسکون کے ہر حصہ اور دنیا کی ہر ایک قوم نے

حیرت کی نگاہوں سے اسلامی جوش کے اس نظارے کو دیکھا۔

میدان جنگ سے لرزیق کی فراری:

شہنشاہ لرزیق یعنی عیسائی افواج کا سپہ سالار اعظم اپنی تمام تجربہ کاری، بہادری اور شہرت کو عیسائی مقتولوں کے ساتھ خاک وخون میں ملا کر اور اپنی جان کو عزت سے زیادہ قیمتی سمجھ کر طارق کے مقابلہ پر اپنے دیوہیکل سبزے گھوڑے کو قائم نہ رکھ سکا پیٹھ پھیر کر سراسیمگی کے عالم میں بھاگا۔ چند ساعت پیشتر جو شخص جزیرہ نما ہسپانیہ کا شہنشاہ، ایک لاکھ جرار فوج کا سپہ سالار اور تمام پادریوں کا محبوب تھا وہ سراسیمگی کی حالت میں اس طرح بھاگتا ہوا نظر آیا کہ دوسرے فراریوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا اور آپ دھاپ میں کسی کو اتنا ہوش نہ تھا کہ اپنے شہنشاہ کے لئے فرار میں سہولت پیدا کرے۔

عیسائی فوج کے شکست کے اسباب:

خلاصہ کلام یہ کہ عیسائی لشکر کو شکست اور قلیل التعداد مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی عیسائیوں کی اس شکست فاش کا سبب عیسائی لشکر کی بزدلی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ مسلمانوں کی غیر معمولی اور حیرت انگیز بہادری وجفاکشی اصل سبب تھا اگر عیسائی لشکر کی بزدلی اس شکست کا سبب ہوتا تو بڑے بڑے سردار، شہزادے اور پادری اور کثیر التعداد مقتولوں کی لاشوں میں شامل نظر نہ آتے ہنگامہ جنگ کی زود خورد کے فرد ہونے کے بعد تمام میدان جنگ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ عیسائی مقتولوں کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس لڑائی کے ختم ہوتے ہی تمام اسلامی لشکر جس کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا سواروں کے رسالوں کی شکل میں تبدیل ہو گیا تھا۔ یہ گھوڑے جو تمام مسلمانوں کے لئے کافی تھے انھیں عیسائی سواروں کے تھے جو میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے اگر یہ سوار چاہتے تو مقتول ہونے سے پیشتر فرار ہو سکتے تھے۔ ایک ہفتہ تک میدان جنگ میں مسلمانوں کی قلت تعداد عیسائی لشکر سے پوشیدہ نہ تھی اس عرصہ میں عیسائیوں کو ہر قسم کا سامان بھی پہنچ رہا تھا ان کی تعداد بھی ترقی کر رہی تھی۔ لیکن مسلمانوں کی حالت اس اجنبی ملک میں اس کے بالکل برخلاف تھی عیسائیوں کی ہمتوں میں یقیناً مسلمانوں کی قلت تعداد نے اضافہ کیا ہوگا یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی تھی اس عرصہ میں طرفین کو اپنے حوصلے پورے کرنے اور پورا پورا زور صرف کر دینے کا بخوبی موقعہ ملا تھا۔ مگر نتیجہ نے بتا دیا کہ جس طرح مسلمانوں نے آٹھ گنی تعداد کے دشمنوں کو نیچا دکھایا اسی طرح دس گنی تعداد کو بھی شکست فاش دے سکتے ہیں۔

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ج وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ (انفال)

ہسپانیہ کی گاتھ سلطنت ایک طرف فرانس اور دوسری طرف اٹلی کی رومی سلطنت کو جنگ آزمائی میں نیچا دکھاتی رہتی تھی۔ براعظم یورپ پر اس کا رعب طاری تھا۔ ہسپانیہ کے سپہ سالاروں نے ہمیشہ میدانوں میں بہادری و فتح مندی کے گھوڑے دوڑائے تھے لیکن غازیان اسلام کے مقابلہ میں وہ اسی طرح مغلوب و کمزور ثابت ہوئے جس طرح یرموک کے میدان میں ان کے ہم مذہب قلیل التعداد مسلمانوں سے شکست یاب ہو کر مفرور یا مغلوب ہوئے تھے۔

مسلمانوں کو یہ فتح مبین 5 شوال 92ء مطابق 711 ء میں حاصل ہوئی اسی تاریخ سے اندلس میں اسلامی حکومت کی ابتدا سمجھنی چاہیئے۔ طارق نے اسی روز فتح کی خوشخبری پہنچانے کے لئے امیر موسیٰ بن نصیر کے پاس قاصد روانہ کیا اور خود لشکرِ اسلام کے دستوں کو اردگرد روانہ کر کے صوبہ اندلسیہ کی فتح کے مکمل کرنے میں مصروف ہوا موسیٰ بن نصیر اسی فتح عظیم کا حال سن کر بہت خوش ہوا اور خلیفہ کی خدمت میں بشارت نامہ دمشق کی جانب بھیج کر خود اندلس کی جانب روانہ ہونے کا تہیہ کیا۔ ایک خط طارق بن زیاد کے نام روانہ کیا کہ تم جس قدر حصہ ملک کو فتح کر چکے ہو اسی پر قابض رہو اور پیش قدمی ترک کر دو۔ اس کے بعد موسیٰ بن نصیر اٹھارہ ہزار کا لشکر لے کر قیروان سے روانہ ہوا۔ قیروان میں اپنی جگہ اپنے بیٹے کو حاکم مقرر کیا۔ جب امیر موسیٰ کا خط طارق کے پاس پہنچا ہے تو وہ جزیرہ نما کا جنوبی صوبہ یعنی اندلسیہ فتح کر چکا تھا۔ لیکن جزیرہ نما کے بڑے بڑے مرکزی شہر اور دارالسلطنت طلیطلہ عیسائی افواج کی چھاؤنیاں بنے ہوئے تھے اور اندیشہ تھا کہ عیسائی سردار متحد ہو کر اپنی طاقت سے طارق پر حملہ آور ہونے والے ہیں طارق کے لئے سب سے زیادہ ضروری کام یہ تھا کہ وہ بلا تامل شمال کی جانب پیش قدمی کرے اور یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح کر کے اس رعب و ہیبت کو جو جنگ وادی لکتہ کے بعد عیسائیوں کو دلوں پر طاری ہے کم نہ ہونے دے طارق نے سردارانِ لشکر کو جمع کیا امیر موسیٰ کا حکم سنایا، سب نے یہی رائے دی کہ اگر امیر موسیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی گئی تو اندیشہ ہے کہ عیسائی ہر طرف سے ہم پر حملہ آور ہو کر فتح اندلس کے کام کو بے حد دشوار نہ بنا دیں۔ کونٹ جولین بھی طارق کے ہمراہ موجود تھا اس نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اس وقت ملک کے فتح کرنے میں تامل نہ کیا جائے ورنہ کام دشوار ہو جائے گا۔

طارق کی قرطبہ کی جانب پیش قدمی:

چنانچہ طارق نے قرطبہ کی جانب پیش قدمی کی۔ قرطبہ کا حاکم اندلس کے شاہی خاندان کا ایک شخص تھا۔ اس کے پاس وادی لکتہ کی لڑائی کے مفرورین بھی آ کر جمع ہو گئے تھے۔ اس شہر کا قلعہ بہت زبردست تھا اور اس کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ طارق نے آ کر اوّل شہر والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ تم صلح

کے ساتھ ہمارا قبضہ شہر پر تسلیم کرلو، جب جواب انکار میں ملا تو شہر کا محاصرہ کیا گیا۔ اس محاصرہ میں زیادہ وقت صرف کر دینے کو مناسب نہ سمجھ کر طارق نے مغیث الرومی کو قرطبہ کے محاصرہ پر چھوڑا اور خود طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا۔

طلیطلہ کی فتح:

طلیطلہ کو طارق نے بڑی آسانی سے ربیع الثانی 93ھ میں فتح کرلیا۔ طلیطلہ کے شاہی خزانے میں شاہان گاتھ کے پچیس عدد تاج طارق کو ملے۔ ہر ایک تاج پر بادشاہ کا نام اور مدت سلطنت لکھی ہوئی تھی۔ یعنی اس وقت تک پچیس بادشاہ یکے بعد دیگرے گاتھ خاندان کی حکومت کر چکے تھے۔ ہر ایک بادشاہ کے لئے نیا تاج بنایا جاتا تھا اور فوت شدہ بادشاہ کا تاج خزانہ میں رکھ دیا جاتا تھا طلیطلہ میں بھی طارق نے قیام نہیں کیا، بلکہ وہ اندلس کے انتہائی شمالی صوبہ تک شہروں کو فتح کرتا ہوا چلا گیا۔ ادھر مغیث الرومی نے چند روزہ محاصرہ کے بعد قرطبہ اور اس کے نواح کو فتح کرلیا۔ اس طرح طارق نے جنوب سے لے کر شمال تک جزیرہ نما اندلس کا درمیانی حصہ فتح کرلیا مشرق اور مغرب کی جانب کے صوبے باقی رہ گئے تھے۔

موسیٰ بن نصیر اندلس میں:

اسی اثنا میں امیر موسیٰ بن نصیر اندلس میں معہ اپنی فوج کے داخل ہوا۔ کونٹ جولین کو طارق صوبہ اندلوسیہ کے انتظام پر چھوڑ گیا تھا۔ سب سے پہلے کونٹ جولین نے امیر موسیٰ کا استقبال کیا اور اس کو طارق سے اس لئے ناراض دیکھ کر کہ طارق نے حکم کے خلاف پیش قدمی کیوں کی مؤدبانہ عرض کیا کہ ابھی بہت سے ضروری شہر اور مغربی صوبے باقی رہ گئے ہیں۔ آپ طلیطلہ جانے کے لئے مغربی جانب کا راستہ اختیار کریں۔ اور راستے کے تمام شہروں کو فتح کرتے ہوئے جائیں تو خطرہ بالکل دور ہو جائے گا۔ موسیٰ بن نصیر نے اسی رائے پر عمل کیا اور طلیطلہ تک شہروں کو فتح کرتا ہوا چلا گیا۔ امیر موسیٰ کے وارد اندلس ہونے کی خبر سن کر طارق بھی طلیطلہ کی جانب واپس ہوا۔ اور طلیطلہ میں موسیٰ و طارق کی ملاقات ہوئی۔ موسیٰ نے طارق کو حکم کی تعمیل نہ کرنے پر زجر و توبیخ کیا اور چند روز کے لئے طارق کو قید بھی کر دیا۔ مدعا یہ تھا کہ نہ صرف طارق بلکہ سرداروں کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ماتحت کے لئے افسر کے حکم کی تعمیل کرنا کس قدر ضروری ہے۔ اس تنبیہ کے بعد امیر موسیٰ بن نصیر نے طارق کو ایک زبردست فوج دے کر آگے روانہ کیا اور خود طارق کے پیچھے روانہ ہوا۔ امیر موسیٰ ان معاہدوں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔ طارق و موسیٰ اندلس کے شمالی و مغربی شہروں کے فتح کرنے میں مصروف ہوئے اور موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز بن موسیٰ نے جنوبی و مشرقی علاقے کو فتح کرنا شروع کیا۔ شاہ لرزیق کا سردار تدمیر جنوبی و مشرقی علاقے میں فوج

جمع کر کے عبدالعزیز کے مقابلہ پر آیا بہت سی لڑائیاں ہوئیں مگر تدمیر کھلے میدان میں عبدالعزیز کا مقابلہ نہ کر سکا وہ پہاڑوں میں چھپتا چھپاتا پھرتا تھا اور موقعہ پا کر کمین گاہ سے حملہ آور ہوتا تھا۔ آخر عبدالعزیز اور تدمیر کے درمیان صلح ہوگئی۔ عبدالعزیز نے ایک چھوٹا سا علاقہ تدمیر کو دے دیا جس پر وہ حکومت کرنے لگا۔ یہ شرط قرار پائی تھی کہ تدمیر حکومت اسلامیہ کے دشمنوں کو اپنے یہاں پناہ نہ دے گا اور مذہبی آزادی کو بہر طور قائم رکھے گا ادھر طارق اور موسیٰ نے بھی ہر ایک شہر سے نہایت آسان شرائط پر معاہدے کیے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ عیسائیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی ان کے گرجاؤں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے تمام معاملات انھیں کی مذہبی کتابوں اور مذہبی عدالتوں کے ذریعہ طے ہوں گے۔ جو شخص اسلام قبول کرنا چاہے اس کو کوئی عیسائی منع نہ کر سکے گا۔ عیسائیوں کے جان و مال اور املاک کی حفاظت کی جائے گی۔ طارق و موسیٰ نے اپنے لشکریوں کو یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ غیر مصافی لوگوں سے قطعاً تعرض نہ کریں بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ صرف ان لوگوں کو قتل کیا جائے جو مسلح ہو کر میدان جنگ میں آجائیں اور مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔

طارق و موسیٰ شمالی و مغربی صوبوں کو فتح کرتے ہوئے جبل البرتات تک پہنچے جبل البرتات کو عبور کر کے ملک فرانس میں داخل ہوئے۔ فرانس کا جنوبی علاقہ فتح کرنے کے بعد لشکر اسلام موسم سرما کی شدت اور سامانِ رسد کی نایابی کے سبب واپس جبل البرتات پر آیا اور موسیٰ بن نصیر نے ارادہ کیا کہ سال آئندہ میں ملک فرانس کو فتح کر کیا آسٹریلیا و اٹلی و بلقان کو فتح کرتا ہوا قسطنطینہ پہنچوں گا واپس آکر شمال و مغربی سوبہ جلیقیہ یا گلیشیا جو ابھی تک مفروروں کے لئے جائے امن تھا فتح کیا۔

اندلس پر مکمل اسلامی قبضہ:

موسیٰ بن نصیر نے اندلس میں وارد ہو کر اور دارلسلطنت طلیطلہ سے شمال کی جانب روانہ ہونے سے پہلے مغیث الرومی کو تحفہ وہدایا اور ملک اندلس پر قبضہ ہونے کی خوشخبری دے کر دارالخلافہ دمشق کی جانب روانہ کیا۔ مغیث الرومی دارالخلافہ سے اس وقت واپس آیا جب کہ صوبہ جلیقیہ کو موسیٰ بن نصیر فتح کر چکا تھا اور ملک اندلس پر قبضہ مکمل کر کے یورپ کے بقیہ ملکوں کو فتح کرنے کی تدابیر میں مصروف تھا مغیث الرومی خلیفہ کے پاس سے موسیٰ کے نام جو حکم لے کر آیا اس نے موسیٰ بن نصیر کی اولوالعزمیوں کو افسردگی سے تبدیل کر دیا۔

خلیفہ ولید کا حکم اور موسیٰ بن نصیر کی طلبی:

خلیفہ نے موسیٰ بن نصیر کو فتح یورپ سے روک دیا اور بلا توقف حاضر دربار خلافت ہونے کا حکم دیا، اس حکم کی تعمیل میں امیر موسیٰ بن نصیر طارق و مغیث کو ہمراہ لے کر اور اندلس کی حکومت اپنے بیٹے

عبدالعزیز کے سپرد کر کے اندلس سے معہ ساز و سامان روانہ ہوا۔ موسیٰ کے ساتھ اندلس کے خزانے۔ طلائی ظروف وزیورات یعنی مال غنیمت کا خمس اور بہت سے لونڈی غلام بھی تھے۔ اندلس سے موسیٰ مراقش ہوتا ہوا قیروان پہنچا اور قیروان سے مصر ہوتا ہوا دارالخلافہ دمشق کے قریب پہنچ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک مرض الموت میں گرفتار ہو گیا۔ موسیٰ بن نصیر دو برس اندلس میں رہا اور شروع ماہ جمادی الآخر 96ھ میں ملک شام کی حدود میں داخل ہوا۔ ولید بن عبدالملک کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہونے کی والا تھا۔ سلیمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ ولید کی اس مرض سے جاں بری دشوار ہے اور موسیٰ بن نصیر قریب پہنچ گیا ہے تو اس نے موسیٰ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم ابھی دارالخلافہ میں داخل ہونے کی عجلت نہ کرو۔ غالباً سلیمان بن عبدالملک ولی عہد خلافت کا یہ منشا ہو گا کہ اگر خلیفہ ولید فوت ہونے والا ہے تو میری تخت نشینی کی ابتداء شاندار سمجھی جائے۔ ولی عہد خلافت کی اس خواہش کا پورا کرنا موسیٰ بن نصیر کے لئے بھی کچھ مضر نہ تھا کیونکہ اگر موسیٰ کے انتظار اور تامل کرنے میں خلیفہ کی بیماری دور ہو جاتی تو حالت صحت و تندرستی میں ولید کی خدمت میں حاضر ہونا زیادہ اچھا تھا اور اگر خلیفہ فوت ہو جاتا تو سلیمان بن عبدالملک موسیٰ بن نصیر سے خوش ہوتا کہ اس کی منشا کو موسیٰ نے پورا کیا۔ اس طرح نئے خلیفہ سے عنایت و مہربانی کے سوا اور کسی چیز کی توقع نہ تھی مگر موسیٰ بن نصیر نے ولی عہد خلافت کے پیغام پر مطلق توجہ نہ کی اور دمشق میں جلد از جلد داخل ہو کر اپنے آپ کو خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں پیش کیا۔ خلیفہ ولید نے حالت بیماری میں موسیٰ کے تحائف و ہدایا اور مال غنیمت سے وہ مسرت حاصل نہ کی جس کی موسیٰ کو توقع تھی۔ موجودہ خلیفہ کی علالت کو خطرناک دیکھ کر امراء وزراء۔ ولی عہد خلافت کی نگاہ میں اپنے آپ کو محبوب بنانے کی عام طور پر کوشش کرتے ہیں لہٰذا موسیٰ بن نصیر کی اس حرکت کو موسیٰ کے مخالفوں یا حاسدوں نے اور بھی محل اعتراض بنایا ہوگا اور موسیٰ کی مخالفت میں لوگوں کی زبانیں ضرور تیز ہو گئی ہوں گی اور سلیمان بن عبدالملک کے روبرو موسیٰ بن نصیر کی ایک ایک غلطی بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی ہو گی اور اس طیش و غضب کو اور زیادہ بھڑکایا ہو گا۔

سلیمان بن عبدالملک کی تخت نشینی اور موسیٰ بن نصیر پر عتاب

آخر اسی ہفتے ولید بن عبدالملک نے وفات پائی اور 12 ماہ جمادی الثانی 96ھ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ سلیمان بن عبدالملک نے تخت نشین ہو کر موسیٰ بن نصیر سے سختی کے ساتھ محاسبہ کیا اور جب ممالک مغربیہ کے اخراج کی بقایا۔ جو موسیٰ بن نصیر کے ذمہ واجب الادا تھی موسیٰ ادا نہ کر سکا تو خلیفہ نے اس کو معتوب بنا کر اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا اور دو لاکھ اشرفیاں جو اس کے ذمہ باقی رہ گئی تھیں ان کے عوض موسیٰ کو قید کر دیا۔ طارق اور مغیث الرومی کو بھی جو موسیٰ بن نصیر کے مشہور سردار اور فتح

اندلس میں سب سے زیادہ کارہائے نمایاں انجام دینے والے تھے۔ اندلس پر فوج کشی کا حکم دربار خلافت سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ موسیٰ کی درخواست فوج کشی کو دربار خلافت نے صرف منظور کیا تھا۔ لہٰذا فتح اندلس کا کارنامہ موسیٰ بن نصیر ہی سے زیادہ تعلق رکھتا تھا اور موسیٰ اور طارق ہی کی شہرت کا باعث ہوا تھا۔

طارق کا انجام:

خلیفہ سلیمان نے جب موسیٰ سے ناراض ہو کر اس کو قید کر دیا تو طارق پر بھی جو موسیٰ کا آزاد کردہ غلام اور موسیٰ ہی کا تربیت کردہ تھا اس کا اثر پڑا اور کوئی غیر معمولی قدر دانی طارق کی نہیں کی گئی نہ اس کو اندلس یا مراکش کی حکومت پر واپس بھیج گیا کیونکہ تمام ممالک مغربیہ موسیٰ بن نصیر کے بیٹوں کے قبضہ میں تھے۔ یعنی اندلس میں عبدالعزیز بن موسیٰ اور قیروان میں عبداللہ بن موسیٰ اور مراقش میں مروان بن موسیٰ حکمران تھے۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے لئے ضروری تھا کہ وہ موسیٰ کے خاندان کی طرف سے غافل نہ ہو اور طارق کو جو موسیٰ کے خاندان کا ایک شخص سمجھا جاتا تھا۔ کوئی ذمہ داری کا عہدہ نہ دے۔ چنانچہ طارق کو ایک معقول پنشن دے کر ملک شام کے کسی شہر میں قیام پذیر ہونے کی پروانگی عطا ہوئی اور موسیٰ کو قید کر دیا۔ امیر ابن المہلب نے موسیٰ کی سفارش کی تو سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ کو قید سے آزاد کر دیا اور جس قدر روپیہ اس سے وصول ہو سکتا تھا وصول کر کے وادی القریٰ میں سکونت پذیر ہونے کا حکم دیا۔

موسیٰ بن نصیر کی وفات:

موسیٰ بن نصیر اس ناکامی و نامرادی کے عالم میں اگلے ہی سال یعنی 97ھ میں اٹھتر سال کی عمر پا کر فوت ہوا موسیٰ بن نصیر 79ھ میں افریقہ کا گورنر مقرر ہوا تھا۔

مورخین نے اس موقعہ پر موسیٰ و طارق کے اس مجہول انجام کو دیکھ کر سلیمان بن عبدالملک کو نشانہ اعتراض بنایا ہے کہ اس نے ان ملک گیر و فتح مند سپہ سالاروں کی قدر دانی نہیں کی لیکن غور و تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس معاملہ میں سلیمان بن عبدالملک اس قدر خطاوار ہرگز نہیں ہے جس قدر ظاہر کیا گیا ہے۔ جس طرح ملک گیری ایک قابل قدر اور موجب عزت چیز ہے اس سے بڑھ کر ملک داری کا مرتبہ ہے۔ ضرورت ملک داری کا یہی تقاضا تھا جو سلیمان بن عبدالملک سے ظہور میں آیا۔ دنیا میں عام طور پر بہادر سپہ سالار اور ملک گیر فتح مند مالی معاملات میں بہت کمزور اور بے پروا ثابت ہوئے ہیں۔ اسی بے پروائی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا تھا۔ فاروق اعظم کا یہ فعل ہرگز محل اعتراض نہیں بن سکتا بلکہ عین ثواب اور راستی پر مبنی تھا۔ بالکل یہی صورت موسیٰ بن نصیر کے معاملہ کی ہے۔ موسیٰ بن نصیر سولہ سترہ سال سے افریقہ

کی گورنری پر مامور تھا۔ موسیٰ بن نصیر کے ذمہ جو ملک افریقہ کے اخراج کی بقایا تھی اور وہ بیت المال کا جس قدر مقروض تھا اگر اس کو محض اس لئے چھوڑ دیا جاتا کہ موسیٰ کے زیر اہتمام ملک اندلس فتح ہوا ہے تو یہ بات دوسرے گورنروں کے لئے بدنما مثال ہوتی اور موسیٰ بن نصیر کی جرأت ایک غلطی یا غفلت یا خیانت میں اور بھی زیادہ ترقی کر جاتی ہے۔

پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ موسیٰ بن نصیر اور طارق کے معاملے میں سلیمان بن عبدالملک کے وزیروں، مشیروں، درباریوں میں سے کسی نے سلیمان بن عبدالملک کے متعلق سلیمان کی وفات کے بعد کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔ مسلمان مؤرخین نے اس معاملے میں کسی حیرت اور افسوس کا اظہار نہیں کیا جو دلیل اس بات کی ہے کہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ کوئی غیر معمولی برتاؤ نہیں ہوا جو کچھ ہوا وہ عدل و انصاف کے خلاف نہ تھا۔ خلفائے بنوامیہ کے مصائب بیان کرنے والے اور ان کی ہر ایک بات کو ناروا ثابت کرنے میں مستعدی دکھانے والے سب سے زیادہ بنوعباس تھے لیکن بنوعباس نے بھی اس خاص معاملہ میں سلیمان کو بدنام نہیں کیا اور سلیمان کی اس ناقدر شناسی کا تذکرہ زبان پر نہیں لائے۔

ہمارے زمانے میں جب کہ یورپین مورخین کی تصانیف بھی مسلمانوں کے مطالعہ میں آئیں اور بھی زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ یورپین مورخین فتح اندلس کے حالات لکھتے ہوئے ایک تو اس بات کے ثابت کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں کہ لرزیق کی سلطنت غیر معمولی طور پر کمزور ہو گئی تھی پھر بلا دلیل یہ کہتے ہیں کہ لرزیق کی رعایا اس سے باغی ہو کر مسلمانوں سے مل گئی تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کو دیکھ کر اندلس کی رعایا ضرور مسلم فاتحین کو قدر و محبت کی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی لیکن رعایائے اندلس نے لڑائی اور مسلمانوں کی چڑھائی میں بجز اس کے کہ کونٹ جولین نے ذاتی طور پر انتقام لینے کے لئے مسلمانوں کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دی اور ایک پادری نے اس معاملہ میں جولین کی تائید کی اور کوئی امداد مسلمانوں کو نہیں پہنچائی۔ نیز یہ کہ مسلمان اپنی ایمانی قوت اور اپنے قلب کی قوت کے ہوتے ہوئے ایسی سازشوں اور باغیوں کی امداد کے محتاج بھی نہ تھے۔ عیسائی مؤرخ مسلمانوں کی اس غیر معمولی جرأت و بہادری کے مرتبے کو کم کرنے کے لئے عجیب در عجیب افسانے تراشتے ہیں لیکن آخر میں مجبور ہو کر طارق و موسیٰ اور سلیمان تینوں کی اخلاقی صفات پر حملہ آور ہو کر اپنے دل کا بخار نکال لیتے ہیں۔

ایک جھوٹی کہانی اور اس پر تنقید:

چنانچہ انھوں نے ایک جھوٹی کہانی تصنیف کر کے اس کو خوب فروغ دیا ہے وہ کہانی یہ ہے کہ طارق جب طلیطلہ سے شمالی جانب روانہ ہوا ہے تو اس کو طلیطلہ کے مفرورین کی ایک جماعت ملی جن کے

پاس حضرت سلیمان علیہ السلام تک کی ایک میز یا چوکی تھی وہ زر و جواہر سے مرصع اور کروڑوں روپے کی قیمتی تھی۔ طارق نے اس کو چھین لیا۔ جب موسیٰ اندلس پہنچا تو موسیٰ نے طارق سے اس چوکی کو طلب کیا طارق نے اس چوکی کا ایک پایہ اکھیڑ کر چھپا لیا اور تین ٹانگ کی چوکی موسیٰ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ یہ اسی حالت میں ملی تھی۔ موسیٰ نے چوتھا پایا سونے کا بنوا کر نصب کرا لیا مگر وہ ویسا نہ بن سکا جیسے باقی تین پائے تھے جب موسیٰ نے خلیفہ ولید یا سلیمان کی خدمت میں اس چوکی کو پیش کیا تو عرض کیا کہ چوکی میں نے مال غنیمت میں حاصل کی تھی۔ خلیفہ نے اس کے ایک پائے کو ناقص دیکھ کر پوچھا کہ یہ پایہ باقی پایوں کی مانند کیوں نہیں ہے۔ موسی نے عرض کیا کہ یہ مجھ کو عیسائیوں سے اسی حالت میں ملی تھی۔ طارق بھی اس وقت موجود تھا اس نے فوراً اپنی بغل سے وہ چوتھا پایہ نکال کر خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا کہ یہ چوتھا پایہ موجود ہے خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ موسیٰ ابن نصیر نے طارق کی کارگزاری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے تو وہ سخت برہم ہوا اور اس نے موسیٰ کو قید بھی کیا اور جرمانہ بھی اتنا سخت کیا جو موسیٰ سے ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی کہانیاں عیسائی مورخوں نے تراشی ہیں۔ افسوس ہوتا ہے کہ ان مورخین نے جو ہمارے زمانے میں اندلس کی تاریخیں لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے ایسی لغو اور بیہودہ کہانیوں کی لغویت کا پردہ فاش نہیں کیا طارق کا اپنے قریبی افسر اور آقا سے اس طرح چالا کی اور دھوکہ بازی کے ساتھ پیش آنا اور برسوں پہلے سے موسی کو چوکی یا میز کا چوتھا پایہ بنوانا پڑا اور موسیٰ سے کسی ایک شخص نے بھی یہ نہ کہا کہ یہ میز جب ہم نے عیسائی مفرورین سے چھینی ہے تو اس کے چاروں پائے سالم تھے اس چوتھے پائے کو تلاش کریں مگر یہ طارق کی ایسی سازش تھی کہ ہزارہا آدمی اس سے واقف تھے اور موسیٰ تین سال تک بے خبر رہ کر یہی سمجھتا رہا کہ چوکی اسی طرح عیسائیوں سے چھینی گئی تھی۔ موسیٰ جیسا اولوالعزم شخص جو تمام یورپ کو فتح کرتا ہوا قسطنطنیہ پہنچنے کا عزم رکھتا تھا تعجب ہے کہ ایسی دنائت اور پست ہمتی پر کیسے آمادہ ہو سکتا تھا کہ دوسرے کی کارگزاری کو دربار خلافت میں جھوٹ بول کر اپنی طرف منسوب کرے پھر لطف یہ کہ عیسائی مفرورین سے اس میز یا چوکی کا چھین لینا کوئی بہادری کی بات نہ تھی خواہ کوئی شخص اس میز کو حاصل کرتا وہ بہر حال خلیفہ کی خدمت میں پیش ہونا چاہیے تھی پھر خلیفہ دمشق کے دربار میں طارق کا اس طرح حاضر ہونا کہ اس کی بغل میں میز کا پایہ دبا ہوا ہے اور بھی حیرت انگیز ہے۔

طارق و موسیٰ کی ان مضحکہ خیز حرکات پر خلیفہ سلیمان کا اس قسم کی سزائیں تجویز کرنا بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اندلس اور ممالک مغربیہ کی تاریخ لکھنے والوں میں ہم کو سب سے زیادہ اعتماد ابن خلدون پر کرنا چاہیے مگر وہ اس کہانی کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔ ابن خلدون کا بیان یہ ہے کہ جب موسیٰ بن نصیر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوا تو خلیفہ نے موسیٰ کے اس ارادے پر اظہار ناراضی کیا کہ وہ یورپ کے ملکوں کو فتح کرتا ہوا قسطنطنیہ پہنچنا چاہتا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کو وہ خطرہ اور ہلاکت میں

ڈالنے کی جرات کرتا نیز یہ کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے موسیٰ کو اندلس سے یہی خبر سن کر طلب کیا تھا کہ وہ بلا اجازت یورپ کے ملکوں پر حملہ آور ہونے کا قصد کر چکا ہے اسی لئے خلیفہ سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کو زجر و توبیخ کیا کہ تو نے خودرائی اور خودسری کی راہ سے مسلمانوں کی فوج کو کیوں خطرہ میں مبتلا کرنا چاہا تھا ابن خلدون کا یہ بیان بالکل قرین قیاس ہے اس میں اس میز والی کہانی کا کچھ تذکرہ نہیں ہے۔

موسیٰ بن نصیر اندلس کی حکومت اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اور افریقہ و مراقش کی حکومت بھی اپنے بیٹوں عبداللہ و مروان کو سپرد کر آیا تھا۔ یعنی ممالک مغربیہ سب موسیٰ کی اولاد کے تصرف و قبضے میں تھے اس لئے موسیٰ بن نصیر سے سختی کے ساتھ خلیفہ کا محاسبہ کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا اور اسی لئے ممالک مغربیہ میں بھی کسی قسم کی برہمی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ خلیفہ سلیمان نے ایک طرف موسیٰ کو ایسی سخت تنبیہ کی دوسری طرف موسیٰ کے بیٹوں کی معزولی کو ضروری نہ سمجھا۔ ہاں چند روز کے بعد خلیفہ سلیمان نے محمد بن یزید کو تمام ممالک مغربیہ کا وائسرائے مقرر کر کے قیروان بھیج دیا تھا کہ وہ ممالک مغربیہ کی نگرانی کرے۔ مگر اندلس کی حکومت بدستور عبدالعزیز بن موسیٰ کے قبضہ میں رکھی۔

اندلس کا پہلا حکمران:

طارق و موسیٰ دونوں ملک اندلس کے فتح کرنے والے تھے اور یہ دونوں جتنے عرصہ اندلس میں رہے ملکوں، شہروں اور قلعوں کو فتح کرنے اور عیسائی امراء سے عہد نامے لکھوانے اور اسلامی حکومت کے تسلیم کرانے میں مصروف رہے ان دونوں کو فاتح اندلس کہا جا سکتا ہے۔ اندلس کا پہلا حکمران موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کو سمجھنا چاہیے۔ اس کے بعد اندلس کے حاکم یا گورنر یکے بعد دیگرے دربار خلافت سے کبھی ممالک مغربیہ کے وائسرائے حاکم قیروان کے دربار سے اور کبھی مسلمانان اندلس کے انتخاب سے مقرر ہوتے رہے۔ اندلس کے ان حاکموں کو امیران اندلس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

(تیسرا باب)

امیرانِ اندلس

عبدالعزیز بن موسیٰ

موسیٰ بن نصیر کے اندلس سے رخصت ہونے کے بعد اندلس کے اکثر ان شہروں نے جو اطاعت کا اظہار کر چکے تھے بغاوت کی۔ ان بغاوتوں کے فرد کرنے اور دوبارہ عیسائیوں کو مطیع و منقاد بنانے میں امیر عبدالعزیز نے پوری مستعدی اور ہوشیاری کا ثبوت دیا مسلمانوں پر جن افسروں کو مقرر کیا گیا تھا ان کے پاس امن وامان قائم رکھنے کے لئے حسب ضرورت فوج نہیں رکھی جاسکتی تھی اس لئے عیسائیوں کو جرأت ہوگئی تھی کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔ مگر ان کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کو اندلس سے نکالنا آسان کام نہیں ہے۔ ساتھ ہی ان کو اس بات کا احساس تھا کہ نئی اسلامی حکومت پرانی گاتھ حکومت سے بدر جہا بہتر اور اس کے مقابلہ میں خدائے تعالیٰ کی ایک رحمت ہے۔

مذہبی آزادی:

مسلمانوں نے سب سے پہلے مذہبی آزادی کا اعلان کیا تھا اور عیسائیوں کو اپنے معاملات مذہبی ودینوی میں ہر قسم کی آزادی عطا کردی تھی بشرطیکہ وہ اسلام اور حکومت اسلامیہ سے متعرض نہ ہوں اب امیر عبدالعزیز نے اسی سلسلہ میں اعلان کیا کہ جو غلام اسلام قبول کرلے گا وہ مسلمان ہوتے ہی اپنے غیر مسلم آقا کی غلامی وقید سے آزاد سمجھا جائے گا۔ عیسائیوں کے پاس غلاموں کی بڑی تعداد تھی اور وہ ان غلاموں سے اس طرح خدمات لیتے تھے جیسے چوپایوں سے خدمات لی جاتی ہیں۔ امیر عبدالعزیز کے اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہزارہا غلاموں نے آزادی حاصل کرنی شروع کی اور انسانی حریت سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔ اس طرح نوع انسان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی گئی اور ساتھ ہی قلت تعداد کی شکایت بھی مسلمانوں کو نہ رہی۔

امیر عبدالعزیز نے لرزیق کی بیوہ اجیلونا سے خود شادی کی اور اس کو اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہنے دیا۔ امیر کی تقلید میں دوسرے مسلمانوں نے بھی عیسائی عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کر دیں۔ شہروں کے ان مکانات میں جو لڑائیوں میں عیسائیوں کے مفرور ومقتول ہونے سے خالی اور

ویران ہو گئے تھے مسلمانوں نے اقامت اختیار کی اور عیسائیوں کے ساتھ مل کر شہروں اور قصبوں میں رہنے سہنے لگے۔ امیر عبدالعزیز نے یہی نہیں کہ عیسائیوں کو مذہبی آزادی عطا کی بلکہ عیسائیوں کو شہروں اور قصبوں کا ناظم بھی مقرر کیا۔ تدمیر سابق سپہ سالار لرزیق کو صوبہ مرسیہ حکومت میں پہلے ہی دے دیا تھا عبدالعزیز کی عیسائی بیوی ایجلیونا نے جوام عاصم بھی کہلاتی تھی بہت جلد امیر عبدالعزیز کے مزاج پر حاوی ہو کر امور سلطنت میں دخل دینا شروع کر دیا۔ یہ بات عربی سرداروں کو گراں گزرتی مگر وہ اپنے امیر کی اطاعت کو ضروری سمجھتے تھے اور مغلوب ومحکوم عیسائیوں کو اپنا ہمرتبہ اور ہمسر دیکھ کر کچھ نہ کر سکتے تھے۔

انھیں حالات میں خبر پہنچی کہ نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر کو خراج کے بقایا کے مطالبہ میں ماخوذ کیا اور جدید ملکی فتوحات کی کوئی قدر نہیں کی اس خبر کا اثر عبدالعزیز کے دل پر جو کچھ ہوا ہو گا ظاہر ہے۔ مگر وہ خلیفہ کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ایجلیونا اور دوسرے عیسائی اہل کاروں نے اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کمی نہیں کی اور عبدالعزیز کی ذات کے ساتھ ان کی محبت وہمدردی نے ترقی کی عبدالعزیز کو چونکہ اپنے باپ کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا تھا لہٰذا وہ ایجلیونا کے ذریعہ عیسائیوں کے طاقتور بنانے اور خلیفہ دمشق کی حکومت سے اندلس کو آزاد کرنے کی تدبیر میں مصروف ہو گیا۔ امیر عبدالعزیز نے خلیفہ سلیمان کو اپنی طرف سے غافل رکھنے کے لئے اندلس کے خراج کی ایک معقول رقم اور تحف و ہدایا دمشق کی جانب روانہ کئے خلیفہ کو امیر عبدالعزیز کے منصوبوں کا علم اپنے پرچہ نویسوں کے ذریعہ ہو چکا تھا۔ اب جو لوگ اندلس سے یہ خراج اور ہدایا لے کر گئے۔ انھوں نے خلیفہ کو امیر عبدالعزیز کے خطرناک عزائم اور نامناسب طرز عمل سے آگاہ کیا۔

امیر عبدالعزیز کا قتل:

اس جرم بغاوت کی تصدیق کے لیے دربار خلافت سے جو مناسب حکم جاری ہو سکتا تھا وہی جاری ہوا۔ یعنی خلیفہ سلیمان نے انھیں لوگوں کے ہاتھ جو خزانہ اور تحفے لے کر آئے تھے اندلس کے پانچ مسلمان سرداروں کے نام حکم بھیجا کہ اگر عبدالعزیز کی نیت بد ہے تو اس کو بلا توقف قتل کر دو۔ امیر عبدالعزیز نے اپنا دارالحکومت اشبیلیہ میں قائم کیا تھا جس وقت خلیفہ کا یہ حکم سب سے پہلے حبیب بن عبیدہ کے پاس پہنچا ہے تو اس نے باقی چار شخصوں کو بھی بغرض مشورہ دعوت دی آخر پانچوں سرداروں کا یہی مشورہ ہوا کہ امیر عبدالعزیز کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ان سرداروں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں عبدالعزیز کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اس کا جسم اشبیلیہ میں دفن کر کے سر دمشق کی جانب بھیج دیا اور موسیٰ بن نصیر کے ہمشیر زادے یعنی امیر عبدالعزیز کے پھوپی زاد بھائی ایوب بن حبیب لخمی کو اندلس کا امیر بنایا۔

خلیفہ سلیمان نے چونکہ عبدالعزیز کے مجرم یا بے گناہ ہونے کی تحقیق اندلس ہی کے پانچ سرداروں کو سپرد کردی تھی۔ لہٰذا خلیفہ کے نزدیک ابھی تک یہ امر مشتبہ تھا کہ عبدالعزیز قتل ہوگا یا نہیں اس لئے اس نے امیر عبدالعزیز کی جگہ کوئی امیر مقرر کر کے روانہ نہیں کیا تھا بلکہ انہی سرداروں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ جس کو مناسب سمجھیں اپنا امیر مقرر کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا اندلس مذکورہ پانچ سردار اگر عبدالعزیز کو مجرم نہ پاتے تو ہرگز قتل نہ کرتے۔ خلیفہ نے عبدالعزیز کے قتل میں جس حزم واحتیاط سے کام لیا اس سے زیادہ احتیاط ممکن نہ تھی ان معزز سرداروں کی تعداد بھی اس قدر کافی تھی کہ ان سب کے متفقہ طور پر غلطی کرنے کا امکان نہ تھا ان سے زیادہ اور کوئی ذریعہ تحقیق بھی نہیں ہوسکتا تھا یہ سردار کس قدر بے نفس اور منصف مزاج تھے اس کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ انھوں نے عبدالعزیز کو قتل کرنے کے بعد اسی خاندان کا ایک شخص امارت اندلس کے لئے منتخب کیا جو عبدالعزیز کا نہ صرف پھوپی زاد بھائی تھا بلکہ وہ رشتہ میں اس کا چچازاد بھائی بھی تھا۔ یعنی ایوب بن حبیب کا باپ موسیٰ بن نصیر کا چچازاد بھائی اگر یہ لوگ کسی ذاتی عداوت کی بنا پر عبدالعزیز کو قتل کرتے تو اسی خاندان میں حکومت اندلس کو باقی نہ رہنے دیتے۔
اس واقعہ کو یورپی مورخین نے کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے جس سے خلیفہ سلیمان کی انتہائی ناانصافی اور ظلم کا تصور ہوتا ہے وہ عبدالعزیز بن موسیٰ کی تعریف وتوصیف میں خوب مبالغہ کرتے ہیں۔ جس کو پڑھ کر مسلمان بہت خوش ہوتے ہیں پھر جب اس کے مظلوم و بے گناہ مقتول ہونے کا حال پڑھتے ہیں تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی نفرت سے قلب لبریز ہوجاتا ہے اور یہی عیسائی مورخوں کا منشا ہوتا ہے۔
عبدالعزیز بن موسیٰ **98ھ** میں مقتول ہوا۔

ایوب بن حبیب:

خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرنے والے پانچوں سرداروں نے عبدالعزیز کے قتل سے فارغ ہوکر تمام فوجی وملکی سرداروں کو جمع کر کے ایک مجلس انتخاب منعقد کی اور ایوب بن حبیب کا نام پیش کر کے سب سے منظوری حاصل کی چنانچہ ایوب بن حبیب کو اس شرط کے ساتھ امیر تسلیم کیا گیا کہ محمد بن یزید حکمران قیروان اور خلیفۃ المسلمین سے منظوری حاصل کی جائے اگر اس انتخاب کو خلیفہ یا وائسرائے نے منظور نہ کیا تو پھر امیر وہ ہوگا جس کو خلیفہ یا وائسرائے مقرر کریں گے۔

اشبیلیہ سے قرطبہ میں دارالامارت کی منتقلی:

امیر ایوب بن حبیب نے یہ دیکھ کر کہ اشبیلیہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کی بڑی آبادی ہے اور وہ امیر عبدالعزیز کے مخصوص طرز عمل سے زیادہ قابو یافتہ ہو چکے ہیں اشبیلیہ کو ترک کر کے قرطبہ کو

دارالامارت بنایا۔امیر ایوب کے کارناموں میں قرطبہ کودارالسلطنت بنانا بھی ایک عظیم الشان اور قابل تذکرہ کارنامہ اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے بعد عرصہ دراز تک قرطبہ ہی مسلمانوں کا دارالحکومت اور پھر دارالخلافہ رہا اور قرطبہ کی شہرت نے تمام دنیا کا احاطہ کر لیا اس کے بعد امیر ایوب نے افریقہ ومراقش سے بربری اور عربی قبائل کو اندلس کے مختلف شہروں اور قصبوں میں آباد کیا اس طرح عیسائیوں کی بغاوت کا اندیشہ ایک حد تک دور ہو گیا سرحدوں پر قلعے بنائے گئے وہاں حفاظتی فوج رکھی گئی۔امیر ایوب نے ملک کا دورہ کر کے حالات سے واقفیت حاصل کی اور جہاں جس قسم کی ضرورت دیکھی اس کا انتظام کیا امیر ایوب اپنی امارت کے صرف چھ ہی مہینے پورے کرنے پایا تھا کہ اس کی معزولی کا حکم لے کر حرب بن عبدالرحمٰن ثقفی پہنچ گیا۔بات یہ تھی کہ امیر ایوب بن حبیب کی مستعدی و جفاکشی کا حال سن کر محمد بن یزید حاکم قیروان کو شبہ پیدا ہوا چونکہ ایوب بھی عبدالعزیز وموسیٰ ہی کے خاندان کا شخص ہے ممکن ہے کہ وہ کسی وقت موجب تکلیف ثابت ہو لہٰذا اس نے باختیار خود حرب بن عبدالرحمٰن بن عثمان کو سند حکومت دے کر اندلس روانہ کیا کہ ایوب کو معزول کر کے خود اندلس پر قبضہ وحکومت کر وا پنے اس انتظام کی اطلاع دربار خلافت میں بھیج کر منظوری حاصل کر لی۔

حرب بن عبدالرحمٰن ثقفی:

حرب بن عبدالرحمٰن نے اندلس میں پہنچ کر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور موسیٰ وعبدالعزیز وایوب کے زمانے کے تمام اہل کاروں کو بدگمانی کی نظر سے دیکھ کر ان پر سختی وتشدد شروع کیا نیز عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سخت برتاؤ کیا۔عیسائی اور یہودی اس سے پیشتر اپنے لئے مسلمانوں کے حکمرانوں کو بہت ہی رحیم وکریم دیکھ چکے تھے۔انھوں نے اپنا ایک وفد قیروان روانہ کیا کہ محمد بن یزید سے گزارش کر کے اس امیر کو تبدیل کرائے۔محمد بن یزید نے اس طرف توجہ نہ کی کیونکہ حرب بن عبدالرحمٰن کو اسی نے مقرر کر کے بھیجا تھا۔اس وفد نے ہمت سے کام لے کر دمشق کا راستہ لیا یہ وہ زمانہ تھا خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز تختِ خلافت پر متمکن تھے چنانچہ یہ وفد خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حرب بن عبدالرحمٰن کو اندلس کی حکومت سے تبدیل کر دیجئے اور کسی رحم دل حاکم کو مقرر کیجئے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حرب بن عبدالرحمٰن کو حکومت اندلس سے معزول کر کے سمع بن مالک خولانی کو جو صوبۂ افریقیہ کی افواج کا سپہ سالار تھا۔اندلس کی حکومت پر مامور فرمایا سمح بن مالک نے اندلس پہنچ کر حرب بن عبدالرحمٰن کو معزول کیا اور خود زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔حرب بن عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی نے اندلس میں دو برس آٹھ مہینے حکومت کی۔

سمح بن مالک:

امیر سمح بن مالک خولانی اگرچہ ایک فوجی آدمی اور طارق بن زیاد کے ہمراہیوں میں سے تھا لیکن اس نے اندلس کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے عدل وداد اور رعایا کی خوش حالی کے سامانوں کی فراہمی شروع کی۔ امیر سمح کی حکومت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کا عکس تھا

اندلس کی مردم شماری:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے اس امیر نے ملک اندلس کی مردم شماری کرائی جس سے ہر قوم ہر قبیلے اور ہر ایک مذہب کے لوگوں کی الگ الگ تعداد معلوم ہوگئی بربری لوگوں کو امیر سمح نے غیر آباد علاقوں میں آباد کر کے زراعت وحرفت کی طرف رغبت دلائی جس میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی ملک اندلس کا ایک جغرافیہ تیار کرایا جس میں ہر شہر اور ہر قصبہ کی آبادی اس کا محل وقوع اور ضروری حالات درج تھے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ، دریا اور پہاڑ وغیرہ سب حالات درج کیے۔ ملک کی تجارتی اشیاء کی فہرست، بنادر کے حالات، معدنی اشیاء کی کیفیت غرض نہایت مکمل ومشرح جغرافیہ ملک اندلس کا تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا ایک نقشہ بھی ملک اندلس کا تیار کرا کر بھیجا۔ تجارت وزراعت میں سہولت پیدا کی جزیہ وعشر وخمس وخراج وغیرہ کے پختہ قانون رائج کیے۔ پھر شہر سرقسطہ میں ایک مسجد اور قرطبہ میں دریائے وادی الکبیر کا مشہور ومعروف پل تیار کرایا اس کے علاوہ جابجا اور بھی مسجدیں اور پل تعمیر کرائے غرض چند روز میں اس امیر نے اندلس کو امن وامان اور عدل وانصاف سے پر کر دیا۔ امیر سمح کو امرائے اندلس میں وہی مرتبہ اور وہی نسبت حاصل ہے جو تمام خلفائے بنوامیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حاصل تھی۔

جنوبی فرانس پر پیش قدمی:

اس امیر کے ابتدائی عہد حکومت کو دیکھ کر یہ خیال بھی نہیں آتا تھا کہ وہ کوئی جنگ جو اور شمشیر زن سپہ سالار بھی بن سکتا ہے۔ لیکن ملک اندلس کے اندرونی انتظام واستحکام سے فارغ ہو کے خلیفہ کی اجازت کے موافق امیر سمح نے فوج لے کر جبال البرتات کی طرف توجہ کی اس پہاڑ کی گھاٹیوں کو طے کر کے وہ اس ملک میں داخل ہوا جو آج کل جنوبی فرانس کہلاتا ہے فرانس کے اس جنوبی حصے میں دو زبردست حکومتیں قائم تھیں ایک سلطنت یا ریاست وہ تھی جو اندلس کے گاتھ لوگوں نے فرار ہو کر اور یہاں آ کر قائم کر لی تھی اس ریاست کا دارالحکومت شہر ناربون تھا اور چونکہ تمام ملک اندلس کے خزائن جس قدر گاتھ لوگ لا سکتے تھے یہیں لے آئے تھے اور تمام وہ لوگ بھی یہیں آ کے جمع ہو گئے تھے جو مسلمانوں کے

دشمن تھے لہٰذا یہ حکومت خوب طاقتور اور اپنے محل وقوع کے اعتبار سے نا قابل تسخیر سمجھی جاتی تھی دوسری زبردست سلطنت قوم گال کی تھی جس کا دار السلطنت طولوز تھا امیر سمح نے جبل البرتات سے گزر کر ناربون پر حملہ کر کے اس شہر کو فتح کر لیا اور تمام ریاست مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ اسلامی لشکر کو یہاں سے بہت کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ناربون سے آگے بڑھ کے طولوز پر حملہ کیا گیا بڑی خونریز جنگ ہوئی آخر اس شہر کا محاصرہ مسلمانوں نے کر لیا۔ مسلمانوں کی فوج بہت تھوڑی تھی اور عیسائیوں کا لشکر ہر ایک آئندہ لڑائی میں زیادہ ہی برسر مقابلہ آتا تھا شہر طولوز فتح ہی ہونے والا تھا کہ ایک فرماں روا ڈیوک آف اکیوٹین ایک عظیم الشان فوج لے کر پہنچ گیا امیر سمح کے ساتھ جس قدر فوج آئی تھی اس کا ایک حصہ ان کو ناربون وغیرہ مفتوحہ علاقہ میں چھوڑنا پڑا تھا اس لئے ان کے ہمراہ بہت تھوڑے آدمی تھے صحیح تعداد تو اسلامی لشکر کی نہیں بتائی جا سکتی۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ جب فرانسیسیوں کا لشکر عظیم میدان میں آ کر صف آرا ہوا ہے تو امیر سمح نے بجائے اس کے کہ وہ حواس باختہ ہو جاتے اپنی صفوں کو درست کر کے ایک ہمت بڑھانے اور جوش دلانے والی تقریر کی۔ ادھر پادریوں نے فرانسیسی لشکر کو قتال پر آمادہ کرنے والی تقریریں سنائیں۔ لڑائی شروع ہوئی اور طارق اور لرزیق کی لڑائی کا نقشہ ایک مرتبہ پھر جنوبی فرانس میں نمودار ہوا کئی گھنٹے تک تیر و شمشیر اور برچھیوں کی بجلیاں چمکتی رہیں قریب تھا کہ فرانسیسیوں کا لشکر عظیم ان مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ میں لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کے میدان جنگ سے پیٹھ پھر کر بھاگے اور تمام ملک فرانس اسلامی لشکر کے پاؤں سے روندا جائے۔

امیر سمح کی شہادت:

عین اس وقت جبکہ مسلمان عیسائیوں کو پیچھے دھکیل کے آگے بڑھ رہے تھے ایک تیر امیر سمح کے گلے میں آ کر لگا اور ترازو ہو گیا اپنے امیر کو اس طرح جام شہادت نوش کرتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور جوش شمشیر زنی سرد پڑ گیا مگر پھر بھی وہ اس طرح حواس باختہ نہیں ہوئے جیسی کہ ایسے موقع پر توقع ہو سکتی تھی مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔ عیسائی یکلخت چیرہ دست ہو گئے مسلمانوں نے فوراً امیر سمح کی جگہ عبدالرحمٰن غافقی کو اپنا سپہ سالار اور امیر مقرر کر لیا۔ عبدالرحمٰن غافقی نہایت ہوشیاری اور استقلال کے ساتھ اسلامی لشکر کو لے کر پیچھے ہٹا۔ عیسائیوں کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ اسلامی کا تعاقب کریں۔ میدان جنگ میں ایک تہائی مسلمان شہید ہو چکے تھے باقی دو تہائی لے کر عبدالرحمٰن غافقی پسپا ہوا۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی:

عبدالرحمٰن غافقی جس شجاعت و بہادری اور احتیاط کے ساتھ اپنے لشکر کو قتل و برباد ہونے سے

بچا کر شہر ناربون تک لایا ہے اس کی تعریف عام طور پر مؤرخین نے لکھی ہے جنگ طولوز جس میں امیر سمح شہید ہوئے 102ھ میں وقوع پذیر ہوئی میدان طولوز سے ناربون تک آتے ہوئے راستہ میں عیسائی آبادیوں نے جا بجا اس لشکر کو لوٹنا اور قتل کرنا چاہا۔ ان عیسائیوں کا خیال تھا کہ جس طرح ہزیمت خوردہ لشکر کو گنوار لوٹ لیا کرتے ہیں اسی طرح ہم اس کے تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے مگر ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ فرانسیسیوں کی دس گنی جرار فوج بھی اس پر حملہ آور ہونے اور تعاقب کرنے کی جرأت نہ کر سکی تھی۔ چنانچہ راستے میں کئی جگہ لڑائیاں ہوئیں اور ہر جگہ عیسائیوں کو فرار ہونا پڑا شہر ناربون میں پہنچ کر امیر عبدالرحمٰن غافقی نے اپنی حالت کو درست کیا اور اس صوبہ سے خراج اور مال غنیمت لے کر جبل البرتات کے ان کوہی قبائل کی سرکوبی کی جو امیر سمح کے شہید ہونے اور طولوز سے مسلمانوں کے واپس ہونے کی خبر سن کر بغاوت و شرارت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ان کوہی قبائل کو درست کر کے امیر عبدالرحمٰن اندلس میں واپس آئے۔

جس وقت امیر سمح ملک فرانس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو اپنی جگہ عنبسہ بن سحیم کلبی کو اندلس کا حاکم مقرر کر گئے تھے۔ عنبسہ نے یہ سن کر کہ عبدالرحمٰن گافقی کو ہی قبائل سے جنگ کرنی پڑی ہے فوراً اندلس سے کمک روانہ کی مگر اس کمک کے موافق عبدالرحمٰن غافقی ہی کو امیر اندلس تسلیم کیا گیا

عبدالرحمٰن کی معزولی:

مگر چند ہی روز کے بعد بشر بن حنظلہ بن صفوان کلبی حاکم افریقہ نے عبدالرحمٰن غافقی کی یہ شکایت سن کر کہ انھوں نے فوجیوں کے اقتدار و اختیار کو بڑھا دیا ہے عبدالرحمٰن کو معزول کر کے عنبسہ بن سحیم کلبی کو امیر اندلس بنایا عنبسہ بن سحیم کی امارت کو عبدالرحمٰن نے بخوشی تسلیم کر کے بیعت کی اور امیر عنبسہ نے عبدالرحمٰن کو مشرقی اندلس کا عامل بنایا جہاں وہ پہلے بھی عامل تھے۔

عنبسہ بن سحیم کلبی:

عنبسہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی نہایت قابلیت کے ساتھ ملک کا انتظام کیا اور رعایا کو انواع و اقسام کے فائدے پہنچائے۔ امیر عنبسہ کے ابتدائی عہد حکومت میں بلائی نامی ایک عیسائی نے جس کو انگریزی میں پلیو کہتے ہیں ایک پہاڑی علاقہ میں بغاوت کی اور بہت سے عیسائیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ خبر سن کر اسلامی لشکر نے اس طرف توجہ کی اور تمام عیسائیوں کو قتل و گرفتار کر کے اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ پلیو فرار ہو کر تیس آدمیوں کے ساتھ پہاڑوں میں جا چھپا

مسلمانوں نے اُن تیس آدمیوں کی قلیل جماعت کو بے حقیقت سمجھ کر کوئی التفات نہ کیا۔ اگر مسلمان چاہتے تو ان کا تعاقب کر کے جہاں کہیں بھی وہ جاتے گرفتار کر کے قتل کر دیتے۔ مگر انھوں نے اس کے

استیصال کو مطلق ضروری نہ سمجھا یہ تمیں آدمی لوٹ مار پر آمادہ رہ کر پہاڑوں میں سکونت رکھتے اور ڈاکہ زنی سے بعض مواضعات کو نقصان پہنچاتے۔ مسلمانوں نے چونکہ ان کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور نہ کبھی کوئی دستہ فوج ان کے استیصال پر مامور ہوا اس لئے یہ آئندہ زمانے میں اپنے اس جتھے کو مضبوط کرتے گئے اور عیسائی آ آ کر ان میں شریک ہوتے گئے۔ اس طرح اندلس میں ایک عیسائی ریاست کی بنیاد قائم ہوئی جس کا ذکر آگے انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

جنوبی فرانس کی فتح:

امیر عنبسہ نے ملک کے انتظام سے فارغ ہو کر ملک فرانس پر چڑھائی کی۔ علاقہ ناربون مسلمانوں کے قبضہ میں موجود تھا اس لئے جبل البرتات سے گزرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ امیر عنبسہ نے تمام جنوبی فرانس کو فتح کر لیا اور فرانس کے وسط میں پہنچ کر مشرق و مغرب کی جانب فوجیں پھیلا دیں اس وقت مال غنیمت کی کثرت سے مسلمان بہت بوجھل ہو گئے تھے فرانسیسیوں نے اپنی تمام فوجوں کو فراہم کر کے اپنے نصف سے زیادہ ملک کی پامالی کا تماشا دیکھا آخر ایک مناسب اور موزوں وقت و مقام پر انھوں نے اپنی پوری طاقت سے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا اس مرتبہ بھی مسلمانوں نے اپنی انتہائی بہادری کا ظبوت دیا اور فرانسیسیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

امیر عنبسہ کی شہادت:

امیر عنبسہ نے بداحتیاطی سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا یعنی صف قتال میں سب سے آگے بڑھ کر عیسائیوں پر بذات خود حملہ کیا۔ اور عیسائی صفوں کو چیرتے ہوئے اندر گھس کر جام شہادت نوش کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ طولوز کی طرح اس مرتبہ بھی مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا امیر عنبسہ نے اپنی شہادت سے پہلے ہی عروہ بن عبداللہ فہری کو اپنا قائم مقام تجویز کر دیا تھا۔ لہٰذا جس طرح امیر سمح کی شہادت کے بعد عبدالرحمٰن غافقی مسلمانوں کو واپس لے کر آئے تھے اسی طرح عروہ بن عبداللہ فہری لشکر اسلام کو واپس اندلس لایا۔ یہ واقعہ 107ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

عروہ بن عبداللہ فہری

عروہ بن عبداللہ اندلس کے نامور سرداروں میں سے تھا۔ اس کی قوم اور خاندان کے لوگ اندلس میں بہ تعداد کثیر موجود تھے۔ یہ نہایت دیانت دار اور بہادر و سنجیدہ مزاج شخص تھا مگر اندلس کے بعض لوگ اس سے ناراض ہو گئے اور حاکم افریقہ بشیر بن حنظلہ بن صفوان سے شکایت کی بشیر بن حنظلہ بن صفوان نے بجائے اس کے یحیٰی بن سلمٰی کو اندلس کی امارت پر مامور فرمایا عروہ صرف چند مہینے اندلس کا امیر رہا۔

یحییٰ بن سلمیٰ:

یحییٰ بن سلمیٰ کلبی نے 107ھ کے آخر میں اندلس کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یحییٰ بن سلمہ کے مزاج میں تشدد اور ضد کا مادہ تھا اس لئے رعایائے اندلس اس سے بھی ناراض ہوگئی اور والیٔ افریقہ کی خدمت میں شکایتیں پہنچیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس چند ماہ کے بعد یحییٰ بن سلمہ بھی معزول کیا گیا اس کی جگہ امیر عثمان بن ابی عبیدہ لخمی حاکم اندلس مقرر ہو کر آیا۔

عثمان:

امیر عثمان کو 110ھ میں عبدالرحمٰن والیٔ افریقہ نے مقرر کر کے بھیجا تھا۔ بشیر بن حنظلہ کے بعد عبید بن عبدالرحمٰن والیٔ افریقہ مقرر ہو چکا تھا۔ امیر عثمان نے صرف پانچ ہی مہینے حکومت کی اس بعد حذیفہ بن الاحوص قیسی کو امیر اندلس مقرر کر کے بھیجا گیا۔

حذیفہ بن الاحوص:

امیر حذیفہ بن الاحوص نے 110ھ کے آخر تک اندلس میں حکومت کی اس کے بعد محرم 111ھ میں گورنر افریقہ نے بجائے حذیفہ کے ہثیم بن عبید کلابی کو اندلس کا حاکم مقرر کر کے بھیجا بعض روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ دمشق نے خود ہثیم کو مقرر کر کے بھیجا تھا۔

ہثیم بن عبید:

ہثیم بن عبید کلابی شامی الاصل تھا اور اس میں سخت گیری اور تشدد کا مادہ زیادہ تھا ہثیم کا طرز عمل اہل اندلس کو ناگوار گزرا۔ اندلس کے مسلمان اور عیسائی دونوں ہثیم سے ناخوش ہوگئے نتیجہ یہ ہوا کہ پرانے تجربہ کے موافق اندلس سے ایک وفد شکایت لے کر افریقہ پہنچا گورنر افریقہ نے اس فرار کی شکایت پر کوئی توجہ نہیں کی اور امیر اندلس کو معزول نہ کیا ممکن ہے کہ گورنر افریقہ نے ہثیم کو اس لئے معزول کرنے کی جرأت نہ کی ہو کہ اس کو خود امیر المومنین نے دمشق سے مقرر فرما کر بھیجا تھا۔ بہر حال افریقہ یعنی قیروان میں یہ وفد ناکام رہا تو وہاں سے شام کی طرف روانہ ہو کر دمشق پہنچا اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دربار میں حاضر ہو کر تظلم کناں ہوا۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے محمد بن عبداللہ اشجعی کو اندلس کی طرف روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ اندلس جا کر ہثیم کے افعال و اعمال کی تحقیق و تفتیش کرو اور اول اپنے آپ کو بھیس بدل کر چھپائے رہو اور تحقیق حالات میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھو اگر عندالتحقیق یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی ہثیم خطا کار ہے اور اس کے طرز عمل سے خلافت اسلامیہ اور ملت مسلمہ کو نقصان پہنچ رہا ہو تو فوراً معزول کر دو اور خود حکومت اندلس کا چارج لے لو ورنہ ہثیم کو بدستور حکومت اندلس پر قائم چھوڑ کر واپس چلے جاؤ۔

ہثیم کی معزولی:

ہثیم بن عبید نے سرزمین مقرشہ پر جہاد کیا اور اس علاقے کو فتح کر کے دس مہینے وہاں ٹھہرا رہا اپنی حکومت کے دو برس بعد ہثیم معزول ہوا۔

محمد بن عبداللہ اشجعی:

محمد بن عبداللہ اشجعی نے وارد اندلس ہو کر بہت جلد ہثیم کے خلاف حالات تحقیق کر لئے اور ہثیم کی خطا کاری کا مکمل ثبوت بہم پہنچ جانے کے بعد اپنے آپ کو اور خلیفہ کے حکم کو لوگوں پر ظاہر کر کے ہثیم کو معزول اور گرفتار کرا کر پا بجولاں خلیفہ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور خود کئی مہینے اندلس میں قیام کر کے وہاں کے انتظامات اور بگڑے ہوئے حالات کو درست کر کے عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی کو اندلس کا امیر بنا کر دمشق کی جانب روانہ ہو گیا یہ واقعہ 113ھ کا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی بار دوم:

عبدالرحمٰن غافقی نے اندلس کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اول ملک کے اندرونی انتظام کو درست اور مکمل کیا اکثر شہروں اور قصبوں میں مدرسے مسجدیں اور پل تعمیر کرائے اس کے بعد فوجی تیاری کر کے ملک فرانس پر حملہ کرنے اور گزشتہ مہموں کی ناکامی کی تلافی کے لئے تیاری شروع کی۔

عثمان لخمی کی بغاوت:

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عثمان لخمی نے بھی پانچ مہینے اندلس کی حکومت کی تھی۔ حکومت و امارات اندلس سے معزول ہو کر عثمان کو اندلس کے ایک شمالی صوبہ کی حکومت مل گئی تھی یہ صوبہ وہی تھا جس میں جبل البرتات اور اس کے شمال کا وہ حصہ ملک جو مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ عثمان چونکہ تمام ملک اندلس کا حاکم ہو کر اب ایک چھوٹے سے حصہ ملک کا عامل اور حاکم اندلس کا ماتحت تھا لہٰذا وہ اپنی اس حالت میں قانع نہ تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح اپنی خود مختار حکومت قائم کروں عثمان چونکہ بربری قبائل سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا اس کو عربوں اور شامیوں سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ ان کو رقابت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ڈیوک آف ایکیوٹین جو ملک فرانس کے ایک بڑے حصہ پر قابض و متصرف اور گاتھ قوم کا بادشاہ تھا۔ جنگ طولون کے بعد ملک فرانس کے شمالی بادشاہ چارلس مارٹل کے مقابلے میں طاقتور بنانے کے لئے اس بات کا خواہش مند ہوا کہ اپنے ہمسایہ مسلمان عامل کو اپنا ہمدرد بنا کر اپنے رقیب مارٹل کو نیچا دکھائے۔ چنانچہ ڈیوک آف ایکیوٹین نے عثمان سے خط و کتابت اور تحائف کے ذریعہ صلح و دوستی کی بنیاد قائم کی اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ڈیوک آف ایکیوٹین نے اپنی نہایت حسین و جمیل اور شہرہ

آفاق لڑکی کی شادی عثمان کے ساتھ اس شرط پر کر دی کہ لڑکی اپنے آبائی دین عیسوی پر قائم رہے گی اور عثمان سے یہ عہد نامہ بھی لکھوا کیا کہ عثمان اپنی فوجوں کو کبھی ڈیوک کے خلاف استعمال نہ کرے گا۔

عثمان لخمی کا قتل:

اب جب کہ امیر اندلس عبدالرحمٰن غافقی نے فرانس پر حملہ آور ہونے کے لئے فوجی تیاری کر کے جبل البرتات کو عبور کرنا چاہا تو عثمان کے پاس حکم بھیجا کہ اپنی متعلقہ فوج کو ہماری رکاب میں شامل ہونے اور اپنے علاقے میں سامان رسد کی فراہمی کے کام کے لئے مستعد رکھو۔ عثمان نے اس حکم کی تعمیل میں عذر کیا اور اول حیلے بہانے کرتا رہا لیکن جب عبدالرحمٰن غافقی پہنچا تو عثمان جبل البرتات کے دروں میں اسلامی لشکر کے روکنے اور مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالرحمٰن نے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ عثمان شکست کھا کر بھاگا اور پہاڑ کے دشوار گزار مقامات میں جا چھپا اس سردار نے تعاقب جاری رکھ کر عثمان کو قتل کیا اور اس کی عیسائی بیوی کو گرفتار کر کے عبدالرحمٰن کے پاس لے آیا۔

اس طرح جبل البرتات کی اس رکاوٹ کو دور کر کے اسلامی لشکر فرانس کے ہموار میدان میں داخل ہوا شہر ناربون تک اسلامی حکومت کی سرحد تھی اس شہر سے آگے بڑھ کر اسلامی لشکر نے شہروں کو فتح کرنا شروع کیا۔ فرانس کا مشہور بندرگاہ اور نامور شہر بورڈیو بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا اس زمانہ میں ڈیوک آف ایکیوٹین مجبور ہو کر چارلس مارٹل کی سیادت کو تسلیم کر چکا تھا وہ اپنی تمام فوجوں کو لئے ہوئے چارلس مارٹل کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلامی لشکر کے اس سیلاب کی روک تھام کے لئے اس کو آمادہ کیا۔ چالس مارٹل نے بڑی مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جس قدر افواج اور سامان جنگ فراہم کر سکتا تھا فراہم کیا۔ عیسائیوں کا جم غفیر اور یورپ کے نامور شجیع و بہادر لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور اس جنگ کو مذہبی جنگ سمجھ کر پادریوں کے عیسائیوں کو خوب پر جوش تقریروں کے ذریعہ اُبھارا۔ مسلمان نے دریائے گرون کو عبور کیا۔ اور دریائے واردون کے کنارے پہنچے۔ یہاں عیسائی لشکر نے مقابلہ کیا۔ مگر مسلمانوں کے مقابلے میں اس کو شکست فاش حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے شہر پائی ٹیرس پر قبضہ کیا۔

شہر ٹورس پر لڑائی:

پائی ٹیرس پر قبضہ کر کے مسلمان شہر ٹورس کی طرف بڑھے جو میدان ملک فرانس کے مرکز میں واقع ہے۔ شہر ٹورس کے قریب ایک میدان میں عیسائیوں کی مجموعی تعداد اور پورے لشکر نے اسلامی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس میدان میں پہنچ کر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل سات روز تک خیمہ زن

رہیں اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مسلمانوں کی فوج بالکل غیر اور اجنبی ملک میں تھی عیسائی اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جمع ہوئے تھے چارلس مارٹل اور ڈیوک آف اکیوٹین جیسے نامور اور تجربہ کار سپہ سلار کے علاوہ اسی حیثیت کے اور بھی کئی سردار عیسائیوں کی افواج کے مختلف حصوں کی سپہ سالاری کر رہے تھے ہر طرف سے عیسائیوں کی فوجیں امڈی چلی آ رہی تھیں اور دم بدم ان کی جمعیت بڑھ رہی تھی پادریوں کی پر جوش مذہبی تقریروں سے عیسائیوں کا جوش بھی ترقی کر رہا تھا اس مرتبہ مسلمانوں کی فوج تعداد میں پہلے کی نسبت شاید زیادہ ہوگی۔ لیکن چونکہ عیسائی لشکر بھی بہت زیادہ تھا اور ملک فرانس مدافعت پر مستعد ہوگیا تھا لہٰذا مسلمانوں کی نسبت اس مرتبہ بھی وہی تھی جو پہلی لڑائیوں میں ہوتی تھی۔ یعنی مسلمان عیسائیوں سے دسواں حصہ بھی نہ تھے اس مرتبہ مسلمان مال غنیمت کے سبب پہلے سے زیادہ بوجھل تھے اپنے ملک سے بہت دور نکل آئے تھے اور چاروں طرف دشمنوں سے گھیرے ہوئے تھے آخر آٹھویں روز مسلمانوں کے امیر عبدالرحمٰن غافقی نے زیادہ انتظار کو مناسب نہ سمجھ کر اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا لڑائی شروع ہوئی اور شام تک میدان کارزار گرم رہا۔ رات کی تاریکی نے حائل ہو کر فیصلہ جنگ کل پر ملتوی کر دیا۔ رات کو مسلمان اپنی قلت تعداد کے سبب اور عیسائی مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری کا تجربہ کر کے بہت متفکر رہے۔ اگلے دن صبح سے ہنگامہ دار و گیر پھر شروع ہوا اس روز ڈیوک آف اکیوٹین نے جو اس سے پہلے بھی مسلمانوں کی لڑائی کا تجربہ کر چکا تھا یہ چالاکی کی کہ اپنی فوج کو لے کر رات ہی سے ایک کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھا رہا۔ ٹھیک اس وقت جبکہ عیسائی مسلمانوں کے مقابلے میں میدان چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے تھے ڈیوک آف اکیوٹین نے عقب سے آ کر اسلامی لشکر پر حملہ کیا اس غیر مترقبہ حملہ کا اثر یہ ہوا کہ اگلی صفیں پیچھے سے آنے والے دشمن کی طرف متوجہ ہوگئیں اور عیسائیوں کا لشکر عظیم جو فرار پر آمادہ تھا یک لخت اپنے آپ کو سنبھال کر حملہ آور ہوا۔ مٹی بھر مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ مجتمع نہ رہ سکا۔

امیر عبدالرحمٰن کی شہادت:

اس دار و گیر میں امیر عبدالرحمٰن غافقی نے اپنے پیشرووں کی سنت پر عمل کیا اور شمشیر بکف دشمنوں میں گھس کر سیکڑوں کو تہ تیغ کیا اور جسم پر سیکڑوں زخم کھا کر جام شہادت نوش کیا اس روز بھی صبح سے شام تک ہنگامۂ کارزار گرم رہا تھا اور عبدالرحمٰن غافقی کی شہادت کے بعد ہی رات کی تاریکی نے لڑائی کو روک دیا تھا۔ بظاہر آج بھی عیسائی فتح مند تھے اور باوجود اس کے کہ انھوں مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا تھا۔ مگر شام کی شمشیر زنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود ہی سست کر پھر ایک طرف ہوگئے تھے اور مسلمانوں کو ان کی جگہ سے نہ ہٹا سکے تھے مگر خاتمہ جنگ مسلمانوں کے لئے سخت اندوہناک اور عیسائیوں کے لئے بے حد

مسرت انگیز تھا۔ مسلمانوں نے اپنے سپہ سالار اور امیر کے شہید ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو میدان جنگ میں قائم رکھنا مناسب نہ سمجھا اور وہ رات ہی کو وہاں سے کوچ کر گئے۔ صبح کو جب عیسائیوں نے مسلمانوں سے میدان جنگ کو خالی دیکھا تو انھوں نے بھی وہاں قیام مناسب نہ سمجھا اور مسلمانوں کا تعاقب کرنا تو بڑی بات تھی چارلس مارٹل نے اپنے دارالحکومت کی طرف واپس جانے میں میں اس لئے زیادہ عجلت سے کام لیا کہ مسلمان کمین گاہ میں نہ چھپے بیٹھے ہوں اور ایسا نہ ہو کہ ہم پر حملہ آور ہو کر قیامت برپا کر دیں۔ اس لڑائی میں عیسائیوں کے لاتعداد آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ان کا سپہ سالار کام آیا بہر حال اس لڑائی کے بعد اس مہم کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمان زیادہ ملک فتح نہ کر سکے اب چاہو تو اس کو مسلمانوں کی شکست تصور کر لو چاہو برابر کی زور آزمائی قرار دے لو اور چاہو تو عیسائیوں کی شکست تصور کر لو۔ یہ لڑائی 114 ھ میں واقع ہوئی۔

عبدالملک بن فہری:

اس لڑائی کے انجام اور عبدالرحمٰن کی شہادت کا حال جب گورنر افریقہ عبید بن عبدالرحمٰن کو معلوم ہوا تو اس نے عبدالملک بن قطن فہری کو اندلس کا امیر مقرر کیا اور حکم دیا فرانسیسیوں سے عبدالرحمٰن غافقی کا انتقام ضرور لینا چاہئے۔ عبدالملک بن قطن فہری نے اندلس میں داخل ہو کر 115 ھ میں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور ملک کے اندرونی انتظامات سے فارغ ہو کر فرانس کے ملک پر حملہ کی تیاری کی۔

عبدالملک بن قطن ایک مسن تجربہ کار اور ہوشیار شخص اس لئے اس بڑی بڑی توقعات تھیں وہ اپنے ساتھ کچھ فوج افریقہ سے بھی لایا تھا مگر عبدالملک سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے موسم برشگال میں فرانس کی جانب کوچ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبل البرتات سے گزرتے ہی ندی نالوں اور دریاؤں نے فوج کے عبور کو دشوار بنا دیا۔ اس کی حالت کو دیکھ کر عیسائی قزاقوں نے چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ فوج کو دریاؤں اور ندی نالوں میں گھرا ہوا دیکھ کر عبدالملک نے واپسی کا ارادہ کیا اور بمشکل نقصان اُٹھا کر فوج کو واپس لایا اس ایاب وذہاب میں وقت بھی ضائع ہوا اور آدمیوں کا بھی نقصان ہوا اور کام بھی کچھ نہ ہوا۔

عبدالملک کی معزولی:

گورنر افریقہ نے ناخوش ہو کر عبدالملک کو امارت اندلس سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ عتبہ بن حجاج سلولی کو امیر اندلس بنا کر بھیجا۔

عتبہ بن حجاج سلولی:

عتبہ بن حجاج نے 117 ھ میں وارد اندلس ہو کر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور عبدالملک

قطن فہری کو کسی چھوٹے سے علاقہ کا عامل مقرر کر دیا۔ یہ عتبہ کی غلطی تھی کہ اس نے ایک ایسے شخص کو جو تمام ملک اندلس کا فرماں روا تھا ایک چھوٹے سے عامل کی حیثیت سے اپنی ماتحتی میں رکھا اسی قسم کی غلطی عثمان لخمی کے متعلق اس سے پہلے سرزد ہو چکی تھی۔ مناسب یہ تھا کہ بعد میں آنے والے امیر عثمان لخمی کو یا تو بالکل بے دست و پا کر کے رکھتے یا اس کو اندلس میں نہ رہنے دیتے بلکہ واپس بھیج دیتے اسی طرح عتبہ کو چاہیئے تھا کہ عبدالملک کو واپس افریقہ بھیج دیتا اور کم سے کم کسی حصہ ملک کی حکومت ہرگز سپرد نہ کرتا۔ بہر حال عتبہ نے ایک سیاسی غلطی ضرور کی۔

عتبہ کے کارنامے:

عتبہ بہت ہوشیار اور منصف مزاج شخص تھا۔ عتبہ کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک یہ ہے اس نے اندلس میں وامان قائم رکھنے کی غرض سے بڑے بڑے معقول انتظامات کئے پولیس کا ایک خاص اور الگ محکمہ راستوں کی حفاظت اور امن وامان کے لئے قائم کیا اس محکمہ میں سوار بھرتی کئے گئے جو گشت و گرداوری کر کے راستوں کی حفاظت کرتے تھے یہی گویا جندرمہ پولس کی ایجاد تھی عتبہ نے ہر ایک گاؤں اور ایک ہر بستی میں ایک ایک عدالت قائم کر دی تا کہ مرکزی عدالتوں میں کام کی کثرت نہ ہو اور لوگوں کو انفصال خصومات میں سہولت رہے۔ عتبہ نے یہ بھی انتظام کیا کہ ہر ایک گاؤں اور ہر ایک بستی میں کم از کم ایک ایک مدرسہ قائم ہو ان مدارس کے مصارف کو پورا کرنے کیلئے ملک کے خراج کا ایک حصہ مخصوص کر دیا۔ جہاں جہاں مساجد کی ضرورت تھی وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں اور مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی لازمی طور پر قائم کیا گیا۔ اندلس میں بربریوں کی کثرت ہوگئی تھی اور ان میں ان کی جبلی وحشت و بربریت کے علامات مشاہدہ ہوتے ہوئے رہتے تھے۔ عتبہ نے ان سب کو اس طرح مصروف کر دیا کہ ان میں شائستگی و تہذیب نے ترقی کی۔ ممالک کے محاصل اور خراج میں بھی ایسی نرمی اور رعایت مرعی رکھی کہ عام طور پر تمام طبقات ملک خوش اور مسرور نظر آنے لگے۔ ملک کے عاملوں اور والیوں کو عدل و دیانت پر قائم کر کے اندلس کو بہترین ملک بنا دیا۔

اس کے بعد ملک فرانس کے اس حصہ پر جس کو مسلمان فتح کر چکے تھے اور وہاں برائے نام مسلمانوں کی حکومت یا سیادت تسلیم کی جاتی تھی توجہ مبذول کی۔ شہر بونیہ کو مضبوط کیا۔ دریائے رون کے کنارے متعدد قلعے تیار کرائے تا کہ موجودہ مقبوضہ ملک کی سرحد مضبوط رہے اور آئندہ پیش قدمی اور فتوحات میں آسانی ہو فرانسیسیوں سے کئی مرتبہ مقابلہ ہوا اور ہر مرتبہ ان کو مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔

121ھ میں افریقہ کے اندر بربریوں نے بغاوت کی اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے

امیر عتبہ سے بہتر اور کوئی آدمی نہ تھا چنانچہ گورنر افریقہ نے اندلس سے امیر عتبہ کو طلب کیا عتبہ نے افریقہ پہنچ کر بربریوں کو خوب اچھی طرح سزا دی اور یہ بغاوت فرد ہوگئی۔ امیر عتبہ کی غیر موجودگی میں اندلس کے اندر بدنظمی پیدا ہوگئی اور جابجا سازشیں اور قومی رقابتیں بیدار ہوگئیں۔ ادھر جبل البرانات سے شمال کی جانب کا صوبہ دار جس کا دارالحکومت شہر ناربون تھا۔ اس زمانے میں یوسف بن عبدالرحمٰن تھا مارسلیس فرانس کا ایک مشہور شہر تھا۔ وہ ایک زبردست ریاست کا دارالحکومت تھا ڈیوک آف ماریسں جو مشرقی فرانس یعنی اس ریاست کا فرماں روا تھا اور جس کا نام مورون شی اس تھا۔ یوسف بن عبدالرحمٰن والی ناربون سے خواہان امداد ہوا۔ چونکہ چارلس مارٹل سے اس کو خوف تھا لہٰذا اس نے یوسف بن عبدالرحمٰن کی اطاعت قبول کر لی اور مسلمانوں کا باج گزار ہوگیا چارلس مارٹل نے یہ سن کر اس پر حملہ کیا۔ چونکہ امیر عتبہ اندلس میں موجود نہ تھا لہٰذا والیٔ ناربون کو کسی قسم کی کمک نہ پہنچائی گئی چارلس مارٹل نے مارسلیس کو تو لوٹ کر اور جلا کر خاکستر کر دیا لیکن جس وقت وہ شہر ناربون پر حملہ آور ہوا تو یہاں سے ناکام و نامراد اس کو واپس جانا پڑا۔

امیر عتبہ کی وفات:

امیر عتبہ افریقہ کے کاموں سے فارغ ہو کر 122ھ میں اندلس واپس آیا تو یہاں اس کے خلاف بغاوت کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا۔ عبدالملک بن قطن کی نسبت اوپر تحریر ہو چکا تھا کہ اس کو عتبہ نے کسی علاقہ کا عامل بنایا تھا۔ عتبہ کی غیر موجودگی میں عبدالملک نے رعایائے اندلس کے ایک بڑے حصے کو اپنے ساتھ بغاوت میں شامل کر لیا اور خود حکومت اندلس کا مدعی ہوا۔ امیر عتبہ نے آ کر اس بغاوت و سرکشی کے مٹانے کی تدابیر شروع کیں مگر اس کو موت نے زیادہ مہلت نہ دی۔ ماہ صفر 123ھ میں امیر عتبہ نے دارالسلطنت قرطبہ میں انتقال کیا اور عبدالملک بن قطن بڑی آسانی سے تمام ملک اندلس پر قابض و متصرف ہوگیا۔

عبدالملک بن قطن باردوم:

عبدالملک بن قطن فہری سو برس کی عمر کا بوڑھا شخص تھا لیکن اس کا جسم جوان کی طرح چست اور اس کی عقل ہر طرح سالم اور ہمت نوجوانوں کی طرح بلند تھی۔ عبدالملک مدینہ کا باشندہ اور واقعہ حرہ میں شریک تھا اس نے مدینہ، شام، مصر، عراق، افریقہ اور اندلس کی بہت سی لڑائیوں میں شرکت کی تھی۔ اس کا جسم اپنے اندر زخموں کے سینکڑوں نشان رکھتا تھا۔ شامیوں اور حجازیوں میں جو منافرت چلی آتی تھی عبدالملک جنگ حرہ کے سبب اور بھی زیادہ اس منافرت میں حصہ رکھتا تھا۔ ادھر افریقہ و مراقش میں بربریوں کو ان کی بربریت کے سبب عرب لوگ جو ان کے فاتح تھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

بنواُمیہ کی خلافت وسلطنت خالص عربی حکومت وسلطنت تھی اس نفرت وحقارت کو جوان کے فاتحین میں تھی بربری خوب محسوس کرتے تھے یہی سبب تھا کہ بربری لوگ عربوں کا اپنا حاکم وفاتح تو سمجھتے تھے لیکن اصول اسلام سے واقف ہونے کے بعد جب وہ عربوں میں قومی غرور وعلو کے حرکات کا معائنہ کرتے تھے تو ان کے دل میں انقباض پیدا ہوتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب ان کے اندر بنواُمیہ یعنی موجودہ خلافت کے خلاف کوئی تحریک شروع کی جاتی تھی تو وہ فوراً متاثر ہوتے اور بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تھے اور یہی سبب تھا کہ حکومت عبیدیین کی بنیاد اسی بربری قوم میں بڑی آسانی سے رکھی جا سکی اور اسی وجہ سے عربی حکومت کے خلاف ہر ایک سازشی شخص بربری قوم کو نہایت موزوں قوم سمجھتا رہا۔ بربری لوگوں کو اپنی شجاعت پر ناز تھا اور وہ عربوں کی رقابت پر ہمیشہ کمر بستہ رہے۔ اسی زمانے میں افریقہ کے اندر بربریوں کی بغاوت پھر از سر نو برپا ہوگئی تھی۔ گورنر افریقہ بربریوں کی اس بغاوت کے سبب بہت فکرمند اور مصروف ومنہمک تھا اس نے عبدالملک بن قطن کی حکومت پر اعتراض پر نہیں کیا۔

افریقہ کی گورنری پر کلثوم بن عیاض کا تقرر:

دربار خلافت سے ایک شامی سردار کلثوم بن عیاض عبید بن عبدالرحمٰن کی جگہ گورنر افریقہ مقرر ہو کر آیا۔ یہاں بربریوں کے سردار میسرہ نامی نے مغرب الاقصیٰ میں لوٹ مار سے سخت بدامنی پیدا کر رکھی تھی۔ کلثوم بن عیاض نے بربریوں کو ایک حقیر قوم سمجھ کر بے پروائی سے مقابلہ کیا مگر بربری لوگ جو شروع میں بھی بلا جنگ وجدال عربوں کے محکوم نہ ہوئے تھے اب سو برس کے عرصہ میں اسلام کی بدولت بہت کچھ ترقی کر چکے تھے ان کی شجاعت وتہذیب میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ عربوں کے ساتھ بہت سی لڑائیوں میں شریک ہو ہو کر عربوں کی ہمسری کرنے لگے تھے بربریوں نے شامیوں کو شکست دی۔

کلثوم بن عیاض کی قلعہ سبطہ میں محصوری:

کلثوم بن عیاض اپنی بہت سی فوج کو کٹوا کر دس ہزار شامیوں کے ساتھ قلعہ سبطہ میں محصور ہو گیا یہ قلعہ جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے آبنائے جبل الطارق کے جنوبی ساحل پر واقع ہے اہل اندلس اگر چاہتے تو کلثوم بن عیاض کو امداد پہنچا سکتے تھے اس قلعہ کا فتح کرنا بربریوں کی طاقت سے باہر تھا لیکن چونکہ قلعہ میں سامان رسد نہ تھا اس لئے محصورین کو فاقہ کی مصیبت کا مقابلہ کرنا پڑا اور سب سے بڑی امداد ان کی یہی تھی کہ کھانے پینے کا سامان ان کو پہنچایا جاتا۔ کلثوم بن عیاض نے عبدالملک بن قطن حاکم اندلس سے سامان رسد کی امداد طلب کی اپنی حالت زار سے مطلع کیا عبدالملک نے بوجہ اس نفرت کے جو اس کو شامیوں سے تھی عبدالملک اور اس کے ہمراہیوں کو کسی قسم کی امداد نہ پہنچائی اندلس کے ایک امیر

سوداگر زید بن عمرو کو سبطہ کی محصور فوج کا یہ حال معلوم ہوا تو اس نے کئی جہازوں میں سامان رسد بار کرا کر قلعہ سبطہ کی طرف روانہ کیا اس کا حال جب عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے زید بن عمرو کو گرفتار کرا کر نہایت ذلت کے ساتھ قتل کرا دیا۔

گورنر افریقہ پر حنظلہ کا تقرر:

خلیفہ دمشق یعنی ہشام بن عبدالملک کو جب لشکر شام کی اس تباہ حالی کا علم ہوا تو اس نے فوراً امیر حنظلہ کا کو ایک زبردست فوج دے کر مغرب الاقصیٰ کی جانب روانہ کیا حنظلہ نے یہاں پہنچ کر بربریوں کو شکست دے کر درست کر دیا اور محصور فوج کو قلعہ سبطہ سے آزاد کیا انھیں ایام میں کلثوم بن عیاض کا انتقال ہو گیا اور حنظلہ نے افریقہ کی حکومت و گورنری اپنے ہاتھ میں لی۔

عبدالملک بن قطن کا قتل:

ادھر اندلس میں جب یہ خبر پہنچی کہ افریقہ میں بربریوں کو خوب قتل کیا گیا ہے تو اندلس کے بربریوں نے متفق و متحد ہو کر عبدالملک بن قطن پر حملہ کیا۔ بربری لوگ صوبہ جلیقیہ اور اراگون میں بکثرت آباد تھے۔ صوبہ جلیقیہ شمال و مغرب میں تھا اور اراگون میں یا ارغون شمال و مشرق میں دونوں طرف سے بربریوں نے قرطبہ پر حملہ کیا اور عبدالملک بن قطن کئی شکستیں دیں۔ بربریوں کے اس فتنہ کا فرو کرنا جب امیر عبدالملک بن قطن نے اپنی طاقت سے باہر دیکھا تو مجبوراً بلج بن بشر بن عیاض قشیری نے جو کلثوم بن عیاض کا بھتیجا اور کلثوم کے بعد مذکورہ دس ہزار شامی فوج کا افسر تھا امداد طلب کی اور لکھا کہ اندلس آ کر ان بربریوں کے فتنے کو فرو کرانے میں ہماری امداد کرو تو اس کا کافی صلہ تم کو دیں گے۔ بلج بن بشر نے افریقہ کے جدید گورنر حنظلہ کے پاس رہنے کی نسبت اندلس میں جانا مناسب سمجھا۔ وہاں پہنچ کر بربری لشکروں کو شکستیں دے کر چند روز میں اس فتنے کو فرو کیا اب اس شامی لشکر نے جب اندلس کے عربوں سے قلعہ سبطہ میں اپنی فاقہ کشی اور عبدالملک بن قطن کی سنگ دلی کا حال سنایا تو عام طور پر لوگ عبدالملک کے خلاف ہو گئے بلج بن بشر نے اہل اندلس کو اپنے موافق دیکھ کر عبدالملک بن قطن کو گرفتار کر لیا۔ بلج عبدالملک کو قید رکھنا چاہتا تھا مگر اس کے ہمراہیوں اور عبدالملک کے دشمنوں نے بلج کو دھمکیاں دے کر مجبور کر دیا اور یہ سو برس کا بوڑھا شخص قتل کیا گیا۔ یہ واقعہ 123ھ کے آخر ایام کا ہے۔

آپس کی پھوٹ:

بلج بن بشتری یا بلج بن بشر کے اندلس پر قابض ہونے کے بعد عبدالملک بن قطن فہری کے دو بیٹوں امیہ بن عبدالملک اور قطن بن عبدالملک نے خفیہ طور پر اپنی قوم کے لوگوں کو بلج بن بشر کے خلاف

مجتمع کرنا شروع کیا یوسف بن عبدالرحمٰن عامل ناربون بھی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے عبدالملک کے بیٹوں کا شریک ہو گیا۔ یوسف بن عبدالرحمٰن کی شرکت اور شامیوں کی حکومت کے آئندہ خطرناک تصور کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے بربری لوگ بھی جو چند روز پہلے عبدالملک کی مخالفت پر آمادہ ہوئے تھے عبدالملک کے بیٹوں اور فہریوں کے ساتھ آ کر شامل ہو گئے اور قرطبہ کی طرف بڑھے۔ ادھر بلج بن بشر بھی اپنی فوج کو فراہم کر کے مقابلہ پر مستعد ہوا یہاں مسلمانوں کی دو زبردست فوجیں وسط اندلس میں ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں وہاں عیسائی لوگ ملک فرانس میں یہ تدبیریں سوچ رہے تھے کہ مسلمانوں سے اپنے ملک کو آزاد کرایا جائے۔ غرض لڑائی میں امیر بلج خطرناک طور پر زخمی ہوا۔ اور گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ مگر شامیوں کی اس بے سردار فوج نے آخر دشمنوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اگلے روز امیر بلج نے زخموں کی اذیت سے وفات پائی یہ واقعہ 124ھ کا ہے۔ امیر بلج نے اندلس میں گیارہ مہینے حکومت کی۔ امیر بلج کے بعد شامیوں اور عربوں نے مل کر ثعلبہ بن سلامہ کو امارت اندلس کے لئے منتخب کیا۔

ثعلبہ بن سلامہ:

ثعلبہ بن سلامہ چونکہ یمنی تھا اس لئے اس نے اندلس پر قابض و متصرف ہو کر اہل یمن کی طرف داری میں مبالغہ کیا۔ پسران عبدالملک بن قطن جو شکست کھا کر فرار ہو گئے تھے وہ ابن سلامہ کے مطیع نہ ہوئے اور ملک میں ادھر ادھر لوٹ مار مچاتے پھرنے لگے ادھر اہل یمن پر بے جا احسانات اور دوسرے عربوں پر تشدد کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عربی قبائل ابن ثعلبہ سے ناراض ہو گئے اور مجبوراً حنظلہ بن صفوان گورنر افریقہ سے ابنِ سلامہ کی شکایت اور کسی نئے امیر کے بھیجنے کی درخواست کی۔

ابنِ سلامہ کی معزولی:

حنظلہ بن صفوان نے ابوالخطاب حسام بن ضرار کلبی کو سند امارت دے کر اندلس بھیجا۔ اہل اندلس نے ابوالخطاب حسام کا استقبال کر کے اطاعت قبول کی۔ حسام نے ابنِ سلام کو معزول کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی یہ واقعہ 125ھ کا ہے۔

ابوالخطاب حسام بن ضرار کلبی:

ابوالخطاب ہر طرح حکومت کی قابلیت رکھتا تھا۔ ادھر اندلس کی تمام رعایا خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی روز روز کی خانہ جنگی سے تنگ آ گئی تھی۔ سب نے اس نئے امیر کا بڑی دھوم دھام سے قرطبہ کے باہر استقبال کیا اور اطاعت پر مستعد ہو گئے۔ پسران عبدالملک نے بھی حاضر ہو کر بیعت اطاعت کی۔ حسام نے نہایت عدل و داد محبت و سخاوت کے ساتھ اپنی حکومت کو شروع کیا۔ اس امیر نے اسباب

خانہ جنگی کو نہایت غور وفکر کے ساتھ تحقیق و متعین کیا اور پھر ہر ایک قوم اور ہر ایک قبیلہ کے لئے اندلس میں جدا جدا مقام سکونت کے لئے تجویز کئے اور اس طرح تمام اہل شام کو جو قرطبہ میں بہ تعداد کثیر جمع ہو کر جب مشکلات ہو سکتے تھے منتشر کر دیا اور دار الحکومت میں امیر کے لئے انتظام میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

ابوالخطاب کی ایک سیاسی غلطی:

لیکن اس امیر سے یہ غلطی کہ اس نے اپنے ہم وطن اور ہم قوم یمنیوں کی زیادہ روایت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ قوم یمانیہ کی طرف داری نے ابوالخطاب کو قبایل مضریہ کی نگاہ میں دشمن بنادیا۔ قبیلہ قیس بھی اس سے برہم ہو گیا۔ ایک روز امیر ابوالخطاب کے چچازاد بھائی اور ایک کنعانی عرب میں لڑائی ہوئی۔ مقدمہ امیر کی عدالت میں گیا۔ امیر نے باوجود اس کے کہ اس کا چچازاد بھائی خطاوار تھا اس کی رعایت کی اور فیصلہ اسی کے حق میں کیا اس فیصلہ سے ناراض ہو کر کنعانی بخر د ضمیل بن حاتم بن شمر ذی الجوشن سردار قبیلہ قیس کے پاس گیا اور امیر کی شکایت کی۔ ضمیل بن حاتم ایک زبردست سردار اور عربوں کے اندر معزز و ہر دلعزیز تھا۔ وہ امیر ابوالخطاب کی خدمت میں آیا اور اس نے نامناسب طرز عمل کی شکایت کی امیر نے اس کو کچھ جواب دیا جس کے جواب میں ضمیل بن حاتم نے کوئی سخت و نامناسب یقینا کہا۔ امیر نے حکم دیا کہ اس کو نکال دو۔ دربانوں نے قصر امارت سے نکالتے ہوئے اس کی گردن پر چند دھولیں بھی رسید کیں۔ جس سے ضمیل کا عمامہ ایک طرف کو لٹک گیا وہ اسی حالت میں قصر سے باہر آیا تو ایک شخص نے کہا آپ اپنا عمامہ تو درست کر لیجئے۔ اس نے جواب دیا کہ میری قوم اگر چاہے گی تو میرے عمامہ کو درست کر دے گی۔ ضمیل بن حاتم نے مکان پر پہنچ کر اپنی قوم کے سرداروں اور دوسرے عرب لوگوں کو بلایا اور تمام واقعہ سنایا سب نے ضمیل بن حاتم کی حمایت کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد ضمیل بن حاتم قرطبہ سے چل دیا اور ملک کے مختلف صوبوں میں جا کر وہاں کے امراء سے ملا اور سب کو اپنا حال سنایا۔ چونکہ عربوں میں عام طور پر ابوالخطاب سے نفرت پیدا ہو چکی تھی سب نے ضمیل کی حمایت پر آمادگی ظاہر کی۔ جب ضمیل کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ ابوالخطاب سے عام طور پر روسائے اندلس ناخوش ہیں تو اس نے شہر سدونہ کو اپنا مستقر بنا کر اپنی قوم اور دوستوں کو وہاں بلایا۔ جب سب سدونہ میں فراہم ہو گئے تو ان کو لے کر قرطبہ کی جانب بڑھا۔ ثعلبہ بن سلامہ جو پہلے امیر اندلس بھی رہ چکا تھا اور یمنی تھا وہ بھی ضمیل بن حاتم کے ساتھ آملا۔ دریائے الکتہ کے کنارے امیر اندلس نے اس فوج کا مقابلہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابوالخطاب کی فوج نے شکست کھائی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ ضمیل نے

ابوالخطاب کو قرطبہ میں لے جا کر ایک مضبوط قلعہ میں قید کر دیا۔ اور ثعلبہ وضمیل دونوں اندلس پر قابض ہو گئے۔ یہ واقعہ ماہ رجب 127ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ ابوالخطاب دو سال حکومت کرنے کے بعد گرفتار ہوا مگر گرفتار و مقید ہونے کے بعد چند ہی روز میں عبدالرحمٰن بن حسن کلبی کی سعی و کوشش سے ابوالخطاب حسام بن ضرار قید سے رہا ہو گیا۔ اس نے قید سے آزاد ہو کر اور قرطبہ سے نکل کر اپنے ہم وطن یمنی قبائل کو اپنے گرد فراہم کرنا شروع کیا چنانچہ یمنی قبائل بہ تعداد کثیر ابوالخطاب کے گرد جمع ہو گئے ادھر ضمیل اور ثعلبہ بن سلامہ بھی مقابلہ پر مستعد ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلافت دمشق عباسیوں کی سازش کا شکار بن کر درہم برہم ہو رہی تھی۔ آخری اموی خلیفہ مروان الحمار عباسی لشکر کے مقابلے میں شکست کھا کر آوارہ ہو چکا تھا۔ اندلس کی طرف توجہ کرنے کا کسی کو ہوش ہی نہ تھا افریقہ و مصر وغیرہ بھی خاندان خلافت کی اس بربادی کے سلسلے میں نقش حیرت بنے ہوئے تھے۔ اندلس میں 127ھ سے 129 تک ابوالخطاب دشمنوں کے ہاتھ میں دوبارہ گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ 128ھ میں ثعلبہ بن سلامہ اندلس سے افریقہ عبدالرحمٰن بن حبیب والیٔ افریقہ کی خدمت میں چلا گیا۔ ابوالخطاب کے مقتول ہونے کی خبر سن کر گورنر افریقہ نے ثعلبہ بن سلامہ کو اندلس کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ 119ھ میں ثعلبہ بن سلامہ اندلس میں آیا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ثعلبہ بن سلامہ باردوم:

ماہ رجب 129ھ میں ثعلبہ بن سلامہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور ضمیل بن حاتم چونکہ اس کا دوست تھا اور قابو یافتہ تھا وہ مہمات امارت کے انجام دینے میں سب سے زیادہ دخیل اور بطور وزیر رہا۔ ثعلبہ بھی چونکہ یمنی تھا اس لئے ضمیل بن حاتم نے کوشش کر کے یمنی اور دوسرے قبائل میں صلح کرا دی۔ چند ہی روز کے بعد ثعلبہ بن سلامہ کا انتقال ہو گیا۔ اہل اندلس چونکہ پہلے ہی سے اپنے لئے خود امیر منتخب کر لینے کے عادی تھے جیسا کہ چند امیروں کا ذکر اوپر آ چکا ہے آج کل چونکہ مرکز خلافت میں بدنظمی تھی اس لئے انھوں نے اپنی امارت کے لئے خود کسی شخص کا انتخاب کر لینے میں تامل نہیں کیا اور یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کو جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اپنا امیر بنا لیا۔ یوسف کی پرانی خدمات اور شہرت نے اس کی سفارش کی اور کسی کو اس انتخاب میں تامل نہ ہوا۔

یوسف بن عبدالرحمٰن فہری:

چونکہ ملک اندلس کو مرکز خلافت سے آجکل کوئی خصوصی تعلق نہ رہا تھا نیز یہاں ہر قوم اور ہر قبیلے کے مسلمان آباد تھے اس لئے چند ہی روز کے بعد اندلس میں کش مکش اور ہلچل سی پیدا ہونے لگی۔ یوسف بن عبدالرحمٰن نے ضمیل بن حاتم کو جو سب سے زیادہ طاقتور شخص تھا اور یوسف کے انتخاب پر دل

ہی دل میں کبیدہ خاطر معلوم ہوتا تھا۔ صوبہ طلیطلہ کا حاکم بنا دیا۔ عیسائیوں نے صوبہ اربونیہ کے حاکم عبدالرحمٰن بن علقمہ کو بغاوت پر ابھار دیا مگر عبدالرحمٰن بن علقمہ قبل اس کے کہ مخالفت کے لئے نکلے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے صوبہ دار ابن الولید کو عیسائیوں نے ابھارا اور ایک بڑی تعداد عیسائیوں کی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی چنانچہ اس نے شہر اشبیلیہ کو فتح کر کے قرطبہ کا رخ کیا۔ امیر یوسف نے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اس کے بعد ایک اور سردار عمر بن عمرو نے علم بغاوت بلند کیا۔ وہ بھی ناکام رہا۔

اندلس کی صوبوں میں تقسیم:

ان بغاوتوں کے فرو کرنے کے بعد یوسف نے ملک کا اندرونی انتظام درست کیا۔ خاص ملک اندلس کو چار صوبوں میں تقسیم کیا اور پانچواں صوبہ اس حصہ ملک کو قرار دیا جو سرزمین فرانس میں مسلمانوں کے قبضہ میں تھا صوبوں کے نام یہ تھے۔

نمبر	صوبہ کا نام	صوبے کے مشہور شہر
1	اندلوسیہ	قرطبہ، قرمونہ، اشبیلیہ، شدونہ، ملقون، البیرہ، جیان
2	طلیطلہ	عبیدہ، بیسہ، مرسیہ، دینیہ، بلنسیہ
3	مریدہ (جلیقیہ)	مریدہ، بشونہ، بیجستہ، سلامنکا
4	سرقسطہ	سرقسطہ، ترکونہ، برشلونہ، لریدہ
5	اربونیہ (جنوبی فرانس)	ناربون، طلون، بن بلونہ، لیوگو، ٹوٹی

مرکزی حکومت کی تبدیلی کا اندلس پر اثر:

امیر یوسف بن عبدالرحمٰن فہری اگرچہ خود کسی فریق میں شامل نہ تھا لیکن اندلس کے اندر جب بنوامیہ کی خلافت کے ختم ہونے اور عباسیوں کی خلافت کے قائم ہونے کی خبر پہنچی تو جابجا شامیوں اور ان امیروں کے خلاف ہوا خواہان بنوعباس مستعد ہو گئے جو بنوامیہ کے خیر خواہ تھے ضمیل بن حاتم کو بنوامیہ کا خیر خواہ سمجھ کر چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آخر قبیلہ قیس کے لوگوں نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔ بہر حال ابن حاتم نے اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجے سے بچا لیا۔ اسی طرح جابجا ملک میں ہنگامہ آرائیاں شروع ہو گئیں۔ ملک اندلس میں جو لوگ بنوامیہ کے ہوا خواہ تھے ان میں دو شخص ابوعثمان عبیداللہ بن عثمان عبداللہ بن خالد خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ یہ دونوں آپس میں رشتہ دار بھی تھے یعنی ابوعثمان خسر اور عبداللہ بن خالد اس کا داماد تھا یہ دونوں صوبہ اندلوسیہ کے شہر البیرہ میں حکمران تھے۔ اس شہر میں اہل شام کی زیادہ

آبادی تھی۔ان کے علاوہ یوسف بن بخت اور حسین بن مالک کلبی بھی مشہور سردار تھے۔ضمیل بن حاتم کو جب امیر یوسف بن عبدالرحمٰن نے مدد نہ دی تو ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد اس کی مدد کے لیے گئے ان دونوں کی روانگی سے پہلے عبدالرحمن الداخل (جس کا حال آگے آئے گا) کا غلام بدر ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔انہوں نے ضمیل بن حاتم کو عبدالرحمٰن الداخل کے اندلس بلانے کے خیال میں شریک کرنیا۔ضمیل نے یوسف بن عبدالرحمٰن سے بظاہر بگاڑ کرنا مناسب نہ سمجھ کر یوسف کی رفاقت اور ہمدردی کے اظہار میں کوتاہی نہیں کی ضمیل سے رخصت ہو کر ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد دونوں البیرۃ میں واپس آئے اور بتدریج اپنے دوستوں اور ہواخواہوں میں اس خیال و ارادے کی اشاعت خفیہ طور پر شروع کر دی۔بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ ضمیل بن حاتم اپنے وعدے اور ارادے پر قائم نہیں ہے۔ بلکہ وہ یوسف بن عبدالرحمٰن ہی کی حکومت کو پسند کرتا ہے اس طرح قبیلہ قیس اور قبیہ فہر کے آدمیوں سے امید حمایت منقطع ہوگئی۔مگر ابوعثمان نے یہ ہوشیاری کی کہ ان دونوں قبیلوں کے خلاف یمنی قبائل میں مخالفت کا جوش بلند کر دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ یمنی سرداروں نے جابجا علم بغاوت بلند کئے اور امیر یوسف بن عبدالرحمٰن اور ضمیل بن حاتم دونوں ان کی سرکوبی اور مدافعت میں مصروف ہو گئے۔

عبدالرحمٰن الداخل اموی کی حکومت کا قیام:

جب ابوعثمان نے یہ دیکھا کہ یمنی قبائل مصروف قتال وجدال ہو گئے تو فوراً عبدالرحمٰن الدخل کے غلام بدر کو گیارہ آدمیوں کے ساتھ ایک جہاز میں سوار کرا کے افریقہ کی جانب روانہ کیا کہ بلاتوقف عبدالرحمن الداخل کو جو افریقہ میں مقیم ہے اپنے ہمراہ لے آؤ چنانچہ عبدالرحمٰن الداخل ربیع الثانی 138ھ میں اندلس پہنچا اور بندر ضقات علاقہ البیرۃ میں جہاز سے اترا اس کے استقبال کو ابوعثمان اور تمام ہوا خواہان بنوامیہ موجود تھے۔ابوعثمان عبدالرحمٰن الداخل کو البیرۃ میں اپنے مکان پر لے گیا اور لوگوں کو فراہم کر کے ایک معقول جمیعت بہم پہنچائی۔ یوسف بن عبدالرحمٰن اس وقت صوبہ سرقسطہ کی جانب باغیوں سے نبرد آزما تھا عبدالرحمٰن الداخل کے داخل اندلس ہونے کی خبر سن کر اور باغیوں کو شکست دے کر طلیطلہ کی جانب آیا۔ یہاں آکر ضمیل بن حاتم سے ملا اور غلطی یہ کی کہ ان تمام قیدیوں کو جن کو جان کی امان دے چکا تھا قتل کرا دیا۔اس سے اس کی فوج کے بہت سے سردار برہم ہوئے اور یوسف کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر البیرۃ کی جانب جہاں عبدالرحمٰن الداخل مقیم تھا روانہ ہو گئے۔اس خبر کے مشہور ہوتے ہی جابجا سے عرب سردار بالخصوص یمنی قبائل جو یوسف کے خلاف تھے عبدالرحمٰن الدخل کے جھنڈے کے نیچے آگئے اب یوسف اور ابن حاتم صرف فہری اور قیسی لوگوں کے ساتھ باقی رہ گئے۔شامی لوگوں کی ہمدردی تو عبدالرحمٰن الداخل کے ساتھ ہونی ہی چاہیے تھی مگر یمنی لوگ جو شامیوں کے حریف اور مخالف تھے اس

لئے شامل ہو گئے کہ وہ یوسف کے مخالف تھے اور عبدالرحمٰن الداخل یوسف سے اندلس کی حکومت چھیننے آیا تھا اس طرح فہری اور قیسی لوگوں کے سوا تمام عرب قبائل عبدالرحمٰن الداخل کے ہمدرد بن گئے فہری اور قیسی بھی صرف یوسف اور ابن حاتم کی زبردست شخصیتوں کے سبب ان کے ساتھ تھے ورنہ وہ بھی خاندان بنی امیہ کے اس شہزادے کو پسند کرتے تھے ایک یہ سبب بھی عبدالرحمٰن الداخل کی قبولیت کا ہوا کہ اس کے اعلیٰ اخلاق کی شہرت پہلے سے اندلس میں ہو چکی تھی اور عبدالملک بن قطن کے عہد امارت میں بعض شخصوں نے دمشق آ کر وہاں کے جو حالات بیان کئے تھے ان میں عبدالرحمٰن کو بنوامیہ کے اندر سب سے بہتر نوجوان بتایا اور یہ بھی بیان کیا کہ اس کو حجازی اور یمنی عربوں سے بہت ہمدردی ہے اس شہرت نے اس وقت بڑا کام دیا اور لوگوں نے بھی جو بنوامیہ کے مخالف تھے۔ عبدالرحمٰن کو محبت کی نگاہوں سے دیکھا۔

آخر ابن حاتم اور یوسف دونوں طلیطلہ سے قرطبہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ادھر سے عبدالرحمٰن الداخل اپنی جمعیت کو لے کر قرطبہ کی طرف بڑھا دریائے۔ وادی الکبیر کے کنارے قرطبہ کے متصل میدان مصارت میں دونوں فوجوں کا مقابلہ عیدالاضحیٰ کے روز یعنی دس ذی الحجہ 138ھ مطابق 14 مئی 756ء کو ہوا۔ بڑی خونریز جنگ صبح سے شام تک رہی آخر عبدالرحمٰن الداخل کو فتح ہوئی۔ امیر یوسف بن عبدالرحمٰن کا بیٹا عبدالرحمٰن اور دوسرے سردار گرفتار ہوئے مگر ابن حاتم اور یوسف دونوں بچ کر نکل گئے۔ ابن حاتم نے مریدہ میں اور یوسف نے جیان میں پناہ لی۔ عبدالرحمٰن الداخل اس میدان سے رخصت ہو کر قرطبہ میں داخل ہوا اور اعلان کیا کہ جو شخص اطاعت کا اقرار کرے گا اس کو کوئی آزار نہ پہنچایا جائے گا۔ لوگوں نے بطیب خاطر اطاعت قبول کی۔ ابن حاتم اور یوسف نے پھر فوجیں فراہم کیں۔ مگر آخر اطاعت ہی پر رضامند ہو گئے۔ عبدالرحمٰن الداخل نے ان کو اس شرط سے امان دی کہ وہ قرطبہ ہی میں سکونت اختیار کریں اور روزانہ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن الداخل کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی صورت دکھایا کریں۔ بس اس کے بعد سے عبدالرحمٰن الداخل اور اس کی اولاد کی حکومت اندلس میں شروع ہوئی اور عہد امارت یعنی اندلس کی اسلامی حکومت کا پہلا دور ختم ہو گیا۔

اسلامی حکومت کے دور اول پر ایک نظر:

اندلس کا ملک مرکز خلافت یعنی دمشق سے بہت زیادہ فاصلہ پر واقع تھا اندلس تک پہنچنے کے لئے مسلمانوں کو قبطیوں، بربریوں وغیرہ کی کئی قوموں کو زیر کرنا پڑا تھا مہینوں میں دربار خلافت کا کوئی حکم اندلس پہنچتا تھا اور اندلس کا کوئی پیغام دربار خلافت تک آتا تھا اندلس جس زمانہ فتح ہوا ہے۔ اس زمانے میں دربار خلافت اور مسلمانوں کے نامور سپہ سالاروں اور مدبروں کی توجہ خانگی جھگڑوں میں بہت کچھ

صرف ہو رہی تھی عراق و شام ایران کے صوبوں نے مرکز خلافت کی توجہ کو اپنی طرف زیادہ مبذول کر رکھا تھا۔ اس لئے اندلس کی طرف کوئی خصوصی توجہ کبھی مبذول نہ ہو سکتی تھی۔ اندلس عام طور پر گورنر افریقہ ہی کے ماتحت رہا۔ مگر چونکہ اندلس کی سرسبزی و شادابی اور خوش سوادی کی شہرت عام طور پر ممالک اسلامیہ میں ہو گئی تھی۔ اس لئے فتح اندلس کے بعد اندلس میں وہ لوگ جن کو حجاز و شام و عراق میں کوئی اہم خدمت سپرد نہ تھی اندلس چلے گئے اور برابر جا کر وہاں آباد ہوتے گئے ان نو وارد عربوں کو اندلس میں ایک فاتح قوم کی حیثیت سے عزت و تکریم کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اور ان کو معزز عہدے بھی بآسانی مل جاتے تھے اس لئے جو گیا وہیں کا ہو رہا۔ افریقہ کے بربری قبائل شروع ہی میں زیادہ پہنچ گئے تھے اور بعد میں بھی وہاں جاتے اور آباد ہوتے رہے۔ لہٰذا اندلس چندروز میں مسلمانوں کی ایک نو آبادی بن گیا۔ عیسائی لوگ جنھوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اس ملک کے باشندے تھے جن میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی اس طرح اندلس کی مخلوط آبادی میں مختلف عناصر شامل تھے پچاس سال کے عرصہ میں بیسوں حاکم تبدیل ہوئے۔ حکام کے اس جلد جلد تغیر و تبدل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان اندلس کے دلوں میں آزادی و خودسری بھی قائم رہی اور شان جمہوریت برابر ترقی کرتی ہوئی نظر آئی۔ عیسائی آبادی کو کسی وقت بھی کوئی آزار نہیں پہنچا۔ ان کے لئے صرف اقرار اطاعت ہی ہر قوم کے مصائب سے نجات کا باعث ہو گیا اور ان کو اقتصادی و علمی ترقیات کا خوب موقعہ ملتا رہا۔

اول اول مسلمانوں میں فتوحات کا جوش غالب رہا اور وہ ملک فرانس کے مرکز تک فاتحانہ پہنچ گئے۔ ابھی اسلامی حکومت کو قائم ہوئے کچھ زیادہ دن گزرے نہ تھے کہ خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان خانہ جنگیوں نے مسلمانوں کی فتوحات کو روک دیا اور فرانس کے ان عیسائیوں کو جو مسلمانوں کی حملہ آوری کے خوف سے ترساں و لرزاں تھے سوچنے سمجھنے اور اپنی حالت پر غور کرنے کا موقعہ مل گیا اس پچاس سالہ دور حکومت میں مختلف قبیلوں اور مختلف قابلیتوں اور مختلف دل و دماغ کے لوگ اندلس کے امیر و فرماں روا ہوتے رہے۔ تاہم اندلس کی آبادی، سرسبزی اور علوم و فنون میں بہت کچھ ترقیات ہوئیں سب سے بڑھ کر رعایائے اندلس کو یہ فائدہ پہنچا کہ فاتحین نے مفتوحین کی عورتوں سے شادیاں کرنا شروع کر دیں۔ جب مسلمانوں کے گھر عیسائی عورتوں سے آباد ہو گئے تو وہ ذلت اور حقارت کا خیال جو عیسائی مفتوحین کی نسبت مسلم فاتحین کے دلوں میں ہونا چاہیے تھا خود بخود معدوم ہو گیا۔ مسلمانوں کو عیسائیوں سے ہمدردی پیدا ہو گئی اور وہ ان کو تعلیم و تربیت اور اعلیٰ خلاق کی ترغیب دینے لگے۔ یہاں تک کہ ملک فرانس کے بعض حکمران جب آپس میں لڑتے تو اپنے مسلمان ہمسایوں سے فوجی امداد حاصل کر سکتے تھے۔

جب اول اول مسلمان اندلس میں داخل ہوئے اور عیسائیوں کی گاتھ سلطنت کا چراغ گل ہوا

تو بہت سے پادری اور پادری مزاج عیسائی اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے والے فوجی سپہ سالار بھاگ بھاگ کر شمال کی طرف چلے گئے۔ اندلس کا جنوبی حصہ گرم، زرخیز اور خوش سواد زیادہ تھا۔ مسلمان جنوب ہی کی طرف سے اس ملک میں داخل ہوئے تھے۔ لہٰذا وہ جنوبی صوبوں میں کثرت سے آباد ہو گئے شمالی حصہ پہاڑی اور سرد زیادہ تھا عربوں کو یہ شمالی حصہ پسند نہ آیا اور بہت ہی کم مسلمان شمالی شہروں میں سکونت پذیر ہوئے۔ پہاڑی علاقہ زیادہ قیمتی اور زرخیز بھی نہ تھا۔ مسلمانوں نے اس کو فتح کر کے اپنی حکومت تو قائم کی مگر زیادہ محبوب اور قیمتی نہ سمجھا۔ جبل البرتات کے دروں میں وہ مفرورین کا تعاقب کرتے ہوئے پہنچے تھے۔ لیکن جب گاتھ سرداروں کی جمعیت اور مفرورین کے اجتماع نے جبل البرتات کے شمالی میدان یعنی فرانس کے جنوبی حصہ میں مسلمانوں کو دعوت دی تو ایک اور نئے ملک میں سلسلہ جنگ جاری ہوا۔ جس کا نتیجہ ابھی اسی قدر ظاہر ہونے پایا تھا کہ صوبہ اربونیہ اور شہر ناربون اور اس کے شمالی میدانوں پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی نے اس کام کو آگے ترقی کرنے نہ دی۔

اندلس کے شمالی کوہی سلسلہ میں عیسائیوں کی ایک خودمختار ریاست کا قیام

پلیو:

یہ سب کچھ ہوا لیکن اسی حملہ آوری اور پیش قدمی کے سلسلے میں ایک معمولی سی فروگذاشت نے مسلمانوں کو انجام کار سخت نقصان پہنچایا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ امیر عنبسہ نے پلیو نامی ایک عیسائی لٹیرے کو جبل البرتات میں ناقابلِ التفات سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ پلیو نامی غارت گر نے جب جبل البرتات میں اپنی قیام گاہ قائم کر لی تو وہ عیسائی جو مسلمانوں کے خوف سے آوارہ پھر رہے تھے اور وہ پادری جو اپنے ساتھ اندلس کے گرجاؤں سے تبرکات لے کر بھاگتے تھے پلیو کے پاس آ آ کر فراہم ہونے لگے اس طرح پلیو کی جمعیت نے ترقی کی اور وہ پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت سخت دشوار گزار مقام میں مضبوط ہو کر بیٹھ گیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ پہاڑ کے جس چند میل مربع رقبہ میں پلیو مقیم تھا اس کے چاروں طرف اسلامی حکومت تھی شمال کی جانب فرانس کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا جنوب و مشرق کی جانب بھی اسلامی حکومت قائم تھی۔ مغرب کی جانب بھی اسلامی علاقہ تھا۔ پہاڑ کے اس جزیرے میں ان عیسائی متمردین کا استیصال کر دینا کوئی بھی بڑی بات اور دشوار کام نہ تھا۔ مگر مسلمانوں کے ہر ایک سردار اور ہر

ایک سپہ سالار نے اس عرش کو ہی پر فوج لے جانا اور حملہ آور ہونا اپنی بے عزتی سمجھی اور اس کو اس حال پر یہ سمجھ کر رہنے دیا کہ اس سے کوئی نقصان کسی مسلمان کو کبھی نہیں پہنچ سکتا حقیقت بھی یہ تھی کہ پلیو کو پہاڑ سے نیچے اترنے اور میدانی علاقہ میں نکلنے کی کبھی جرأت بھی نہیں ہوئی اور نہ ایسی جرأت عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ ہوسکتی تھی۔ مگر ان پادریوں نے جو اپنے مذہبی تبرکات لے لے کر پلیو کے پاس پہنچ گئے تھے پلیو کو ایک مذہبی سردار اور عیسوی تبرکات کا محافظ قرار دیا۔ بارہ تیرہ سال تک وہ اسی چھوٹے سے پہاڑی علاقہ میں رہا اور اطراف و جوانب کے عیسائیوں سے اس کو سامان رسد کی امداد پہنچتی رہی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا عیسائیوں میں پلیو کی عظمت و محبت ترقی کرتی گئی اور بہت سے عیسائی تکالیف برداشت کر کے بھی پلیو کے پاس پہنچتے اور تبرکات کی زیارت کرنے کو ضروری سمجھتے رہے مسلمان ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ چند عیسائی وحشی پہاڑ کی کھوہ میں ہمارے خوف سے اپنی جان بچا کر چھپ گئے ہیں ہماری صورت دیکھ کر فرار ہوتے اور خوف کے مارے ہمارے سایہ سے بھاگتے ہیں ان کو پڑا رہنے دو اس بے پروائی اور کم التفاتی نے ان عیسائیوں میں بتدریج جرات پیدا کر دی اور وہ اپنی چھوٹی سی پہاڑی جائے پناہ کو ایک سلطنت سمجھنے لگے۔ پلیو کو اپنا بادشاہ اور محافظ دین عیسوی قرار دیا۔

الفانسو:

پلیو کے انتقال پر اس کے بیٹے کو اپنا بادشاہ بنایا اور دو تین سال کے بعد وہ بھی فوت ہو گیا تو پلیو کے داماد الفانسو نامی کو عیسائیوں نے اپنا افسر اور بادشاہ قرار دیا۔ ادھر مسلمانوں کی خانہ جنگی اور آپس کے کشت و خون نے مسلمانوں کو شمالی صوبوں اور جبل البرتات کے متصلہ علاقوں کی طرف مطلق توجہ نہ کرنے دی اس فرصت میں الفانسو نے جلیقیہ، ارگوان، اربونیہ کے علاقوں سے عیسائیوں کو اس پہاڑی علاقہ میں آنے اور آباد ہونے کی دعوت دی۔ جب عیسائیوں نے اپنے سرسبز کھیتوں اور میدانی علاقوں کو چھوڑنا اور زاہدانہ زندگی بسر کرنا پسند نہ کیا تو الفانسو نے اردگرد کے علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کیے اور ڈاکہ زنیوں میں وہ صرف لوٹ مار ہی پر اکتفانہ کرتا تھا بلکہ عیسائی آبادیوں پر چھاپہ مار کر عیسائیوں کو پکڑ پکڑ کر لے جاتا اور اپنے پہاڑی علاقوں میں سکونت پذیر کرتا تھا ان عیسائیوں کی نظر بندوں کی طرح نگرانی بھی ہوتی تھی اور وہ کسی طرح اس پہاڑ سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے۔

عیسائی خودمختار ریاست کا دارالحکومت:

اس طرح جبریہ طور پر ایک آبادی پہاڑ کے اندر قائم کی گئی۔ جو ایسٹریاس کے نام سے موسوم ہوئی اور یہی الفانسو کا دارالحکومت بنا۔ یہاں پادریوں کے رات دن کے وعظ و تقریر نے ان گرفتار شدہ عیسائیوں کو بتدریج اس پہاڑی زندگی پر رضامند کر دیا اور رفتہ رفتہ اس قدر آدمی جمع ہو گئے کہ وہ تنگ

مامن ان کے لئے کافی نہ رہا اب الفانسو نے جبل البرتات کے شمالی دامن کی طرف اس علاقے میں لوٹ مار مچائی جو مسلمانوں کے قبضے میں تھا مگر وہ میدان میں جم کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ تاہم اس نے بتدریج جبل البرتات کے جنوبی دامن سے شمالی دامن تک کا پہاڑی علاقہ سب اپنے قبضے میں کر لیا اور ایک چھوٹی ریاست قائم کر کے عیسائیوں کا امید گاہ بن گیا۔ مسلمان اگرچہ آپس میں چھری کٹاری ہو رہے تھے۔ لیکن اگر ان کا کوئی ایک سردار چاہتا تو جبل البرتات کے پہاڑی سلسلے میں سے اس کانٹے کو بڑی آسانی سے نکال کر پھینک سکتا تھا۔ مگر وہ اس حالت میں بھی عزم و ارادہ کرتے تو صوبہ اربونیہ سے آگے ملک فرانس کی فتح کا ارادہ کرتے تھے۔ درمیان کے اس عیسائی کوہی جتھے کو قابل التفات ہی نہیں جانتے تھے۔ جس میں مذہبی تعصب کے دریا موج زن تھے اور جس کو عیسائیوں کے پادریوں نے مسلمانوں کی نفرت سے مخمور و مدہوش بنانے میں انتہائی جوش و سرگرمی سے کام لیا تھا۔ اس طرح اندلس کے دور امارت میں اندلس کے شمالی کوہی سلسلہ میں عیسائیوں کی ایک خود مختار ریاست کی بنیاد قائم ہوگئی جس کا دارالحکومت ایسٹریاس تھا۔ اس عیسائی ریاست کو نہ تو فرانس کی عیسائی سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا نہ اٹلی کے پوپ سے، مگر اس کا مذہبی تعصب سب سے بڑھا ہوا تھا اور آئین حکمرانی پادریوں کے ہاتھ میں اور پادریوں کا مرتب کردہ تھا۔ 138ھ میں عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس میں داخل ہو کر اندلس کے دور امارت کا خاتمہ کیا اور اسی سال ریاست ایسٹریاس کا حاکم الفانسو اول فوت ہوا۔

چوتھا باب

خلفائے اندلس

عبدالرحمٰن بن معاویہ اموی

عادات وخصائل:

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مردان بن حکم 113ھ میں پیدا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن کا باپ معاویہ عین عالم نوجوانی میں بعمر 21 سال 118ھ میں جب کہ عبدالرحمٰن کی عمر پانچ سال کی تھی فوت ہوگیا تھا اس زمانے میں عبدالرحمٰن کا دادا ہشام بن عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن تھا خلیفہ ہشام نے اپنے اس پوتے کی تعلیم وتربیت کی جانب خصوصی توجہ مبذول رکھی۔ ہشام بن عبدالملک کا ارادہ تھا کہ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ کو ولی عہد بناؤں گا۔ اسی لئے وہ چاہتا تھا کہ عبدالرحمٰن میں ہر قسم کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ عبدالرحمٰن کی عمر صرف بارہ سال کی ہوتے پائی تھی ہشام بن عبدالملک فوت ہوا اور اس کے بعد ہشام بن عبدالملک کا بھتیجا ولید بن یزید تحت خلافت پر بیٹھا۔ عبدالرحمٰن کے اندر ابتداہی سے علامات سرداری موجود تھے۔ وہ عادات بد اور خصائل رذیلہ سے بالکل پاک وبے تعلق رہا علاوہ علوم و مروجہ کے درباری اور آئین جہاں بانی سے اس کو پوری واقفیت حاصل تھی۔ علماء اور امرائے سلطنت کی صحبتیں اس کو میسر رہی تھیں جوان ہونے کے بعد فنون سپہ گری اور جنگی قابلیت سے وہ بے بہرہ نہ تھا۔ بری صحبتوں سے اس کو ہمیشہ نفرت اور اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے کا ہمیشہ شوق رہا۔ ارا کین سلطنت اور علمائے دمشق اس کی عزت وحرمت کو ملحوظ رکھتے اور اس کو خاندان خلافت میں ایک بہترین شخص تصور کرتے تھے۔

ترک وطن:

132ھ میں جب خلافت بنوامیہ کا خاتمہ ہو کر خلافت عباسیہ شروع ہوئی تو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔ دریائے فرات کے کنارے عبدالرحمٰن کی ایک جاگیر تھی۔ جب عباسی لشکر ملک شام میں داخل ہو کر دمشق پر قابض ومتصرف ہوا اور بنوامیہ کا قتل عام ہونے لگا تو اس زمانے میں عبدالرحمٰن بن معاویہ دمشق میں موجود نہ تھا۔ بلکہ اپنی جاگیر کے گاؤں میں آیا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بنوامیہ اور ان کے ہمدردوں کو چن چن کر قتل کیا جارہا ہے تو وہ احتیاط کی

نظر سے گاؤں کے باہر درختوں کے کنج میں خیمہ نصب کر کے رہنے لگا۔ کیونکہ گاؤں پر اگر کوئی آفت آئے تو خطرہ سے واقف ہو کر اپنی جان بچانے کی فکر کر سکے۔

ایک روز وہ اپنے خیمے میں بیٹھا تھا کہ اس کا تین چار سال کا لڑکا جو باہر کھیل رہا تھا خوف زدہ ہو کر خیمہ کے اندر آیا عبدالرحمٰن اس کے خوف زدہ ہونے کا سبب معلوم کرنے کے لئے خیمے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ عباسیوں کا سیاہ جھنڈا ہوا میں لہرا رہا ہے اور اس کی جانب آ رہا ہے تمام گاؤں میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر عباسی لشکر بنوامیہ کو قتل کرنے کو پہنچ گیا ہے وہ اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا کر دریا کی طرف بھاگا۔ ابھی وہ دریا تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ دشمنوں نے اس کا تعاقب کیا اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ تم بھاگو مت ہم تم کو کوئی آزار نہ پہنچائیں گے اور ہر طرح تمہاری امداد و اعانت بجالائیں گے عبدالرحمٰن کے پیچھے پیچھے اس کا بھائی تھا عبدالرحمٰن نے دشمنوں کی ان باتوں کی جانب مطلق التفات نہ کیا اور دریا کے کنارے پہنچتے ہی دریا میں کود پڑا عبدالرحمٰن کا بھائی تشفی آمیز باتوں سے فریب کھا کر دریا کے کنارے کھڑا ہو کر اور رک کر کچھ سوچنے اور پیچھے کو دیکھنے لگا۔ دشمنوں نے فوراً پہنچتے ہی اس کا سر تلوار سے اڑا دیا عبدالرحمٰن نے مطلق پس و پیش نہ کیا اور دریا میں تیرتا ہوا اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگائے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا دشمنوں نے دریا میں تیرنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ اسی کنارے پر کھڑے ہوئے تماشا دیکھتے رہے۔

عبدالرحمٰن افریقہ میں:

عبدالرحمٰن یہاں سے چھپتا چھپاتا چل کھڑا ہوا۔ کبھی کسی گاؤں میں مسافر بن کر ٹھہر جاتا کبھی جنگل میں کسی درخت کے نیچے پڑا رہتا۔ غرض بھیس بدلے اور بیٹے کو لئے ہوئے بڑی بڑی منزلیں طے کرتا ہوا فلسطین کے علاقہ میں پہنچ گیا وہاں اس کو اتفاقاً اس کے باپ کا غلام بدر نامی مل گیا۔ وہ بھی اسی حالت میں اپنی جان بچاتا اور چھپتا ہوا مصر کی طرف جا رہا تھا۔ بدر کے پاس عبدالرحمٰن کی ہمشیرہ کے کچھ زیورات اور روپیہ بھی تھا جو اس نے عبدالرحمٰن کی خدمت میں پیش کر دیا اس طرح عبدالرحمٰن کی عسرت اور خرچ کی تکلیف رفع ہو گئی۔ اب اس نے اپنا بھیس بدل کر اور معمولی سوداگروں کی حالت بنا کر بدر کی معیت میں سفر شروع کیا۔ مصر میں پہنچ کر بنوامیہ کے ہمدردوں سے ملاقات کی۔ یہاں کے چند روزہ قیام کے بعد افریقہ کا قصد کیا۔

عبدالرحمٰن کا افریقہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ اور فراری:

گورنر افریقہ کو عبدالرحمٰن کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ عزت و محبت کے ساتھ پیش آیا لیکن اس کو چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن افریقہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کی فکر میں مصروف ہے ادھر اس

نے عباسیوں کی خلافت کے مستحکم ہو جانے کا حال سنا اور عبدالرحمٰن کو گرفتار کر کے عباسی خلیفہ سفاح کے پاس بھیج دینے کا ارادہ کیا۔ عبدالرحمٰن کو عین وقت پر اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ اپنے غلام بدر اور اپنے بیٹے کو لے کر فوراً روپوش اور پھر وہاں سے فرار ہوا۔ گورنر افریقہ نے عبدالرحمٰن کی گرفتاری کے لئے ایک گراں سنگ انعام مشتہر کیا۔ جا بجا عبدالرحمٰن کی تلاش شروع ہو گئی۔ لہٰذا عبدالرحمٰن کو اپنی جان بچانے کے لیے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں وہ کئی کئی روز تک بھوکا رہا۔ صحرا کے گوشوں میں ہفتوں اور مہینوں روپوش رہنا پڑا۔

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن نے کسی بربری عورت کی کٹی میں پناہ لی اور گرفتار کرنے والے متلاشی پہنچے تو بوڑھی عورت نے ایک کونے میں عبدالرحمٰن کو بٹھا کر اس کے اوپر اپنے بہت سے کپڑے ڈال دیئے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کونے میں پرانے کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اس طرح متلاشی لوگ دیکھ بھال کر چلے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا دستیاب ہونا بھی دشوار ہو گیا۔ غرض اسی پریشانی اور تباہ حالی میں چار پانچ سال تک عبدالرحمٰن افریقہ میں رہا آخر وہ بربری قوم کے قبیلہ زنانہ کی ایک شاخ بنونفوسہ میں پہنچا۔ ان لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن کی ماں ہمارے ہی قبیلہ کی ایک عورت تھی تو انہوں نے عبدالرحمٰن کو مثل اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں کے اپنے یہاں مہمان رکھا اور اس کو اطمینان دلایا کہ ہم تمہاری ہر طرح اعانت و حفاظت کے لیے تیار ہیں۔ عبدالرحمٰن نے سبطہ میں جہاں قبیلہ بنونفوسہ کی آبادی زیادہ تھی قیام کیا اس چار پانچ سال کے تجربہ سے عبدالرحمٰن کو معلوم ہو گیا تھا کہ گورنر افریقہ سے ملک افریقہ کا چھیننا اور یہاں کوئی حکومت قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ سبطہ میں آ کر اس کو اندلس کے حالات سے زیادہ واقفیت حاصل ہوئی۔ کیونکہ یہ مقام جزیرہ نمائے اندلس سے بہت ہی قریب اور قوی تعلق رکھتا تھا۔ جب عبدالرحمٰن کو یہ معلوم ہوا کہ اندلس میں بدامنی اور خانہ جنگی موجود ہے اور وہاں کا حاکم یوسف باغیوں کی سرکوبی میں مصروف اور پریشان ہے تو اس کی اولوالعزم طبیعت اور ہمت بلند میں ایک تحریک پیدا ہوئی اس نے فوراً اپنے غلام بدر کو اندلس روانہ کیا اور ان لوگوں کے نام جو خلافت بنوامیہ میں سرداری اور عزت کا مرتبہ رکھتے اور بنوامیہ کے ہمدرد تھے خطوط لکھے۔

عبدالرحمٰن اندلس میں:

بدر نے اندلس میں پہنچ کر ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ ان کو اپنی خواہش کے موافق آمادہ کر لیا۔ ابوعثمان نے شامی اور عربی سرداروں کو جمع کر کے یہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا اور وہ سب شہزادہ عبدالرحمٰن کو اندلس بلانے اور اس کی مدد کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بدر کو جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اپنے گیارہ آدمیوں کے ہمراہ ایک کرایہ کا جہاز لے کر سبطہ

کی جانب روانہ کیا کہ شہزادہ عبدالرحمٰن کو ہماری طرف سے اطمینان دلاؤ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں لے آؤ یہ بھی ایک خوش قسمتی کی بات ہے یہ لوگ جو بنوامیہ کے ہمدرد ہو سکتے تھے زیادہ تر اندلس کے جنوبی و مشرقی ساحل کی طرف آباد تھے اس لیے عبدالرحمٰن کو اندلس پہنچنے میں اور بھی آسانی ہوئی۔ اندلس سے آنے والا یہ جہاز جس میں بدر معہ اندلس کے آدمیوں کے آ رہا تھا جب ساحل سبطہ کے قریب پہنچا ہے تو اس وقت عبدالرحمٰن نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ لوگ جہاز سے اتر کر بدر کی رہبری میں عبدالرحمٰن کے سامنے گئے سب سے پہلے اندلس کے گیارہ آدمیوں کے امیر وفد ابو غالب التمام نے آگے بڑھ کر عبدالرحمٰن کو سلام کیا اور کہا کہ اہل اندلس آپ کے منتظر ہیں۔ عبدالرحمٰن نے اس کا نام دریافت کیا جب نام سنا تو عبدالرحمٰن خوش ہو گیا اور جوش مسرت میں بے اختیار کہہ اٹھا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ضرور غالب ہوں گے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے مطلق تامل نہ کیا۔ فوراً جہاز میں سوار ہو گیا اپنے چند جاں نثاروں کو سبطہ میں موجود اور اس سے محبت و ہمدردی کا تعلق رکھتے تھے ہمراہ لیا اور اندلس کے ساحل پر جا اترا۔ وہاں پہلے سے ہزار ہا لوگ استقبال کے لیے موجود تھے جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔

قرطبہ پر عبدالرحمٰن کا قبضہ:

عبدالرحمٰن کے اندلس پہنچتے ہی ہوا خواہان بنوامیہ اور اہل شام سن سن کر دوڑے اور عبدالرحمٰن کی اطاعت و فرماں برداری کے حلف اٹھائے اس کے بعد ارد گرد کے شہروں اور قصبوں پر قبضہ شروع ہوا موسم برسات کے آ جانے کے سبب یوسف جلد قرطبہ نہ آ سکا۔ اس لیے عبدالرحمٰن کو یوسف کی فیصلہ کن جنگ کے لیے سات مہینے کی مہلت مل گئی۔ آخر عیدالاضحیٰ کے روز لڑائی ہوئی اور دارالسلطنت قرطبہ پر عبدالرحمٰن کا قبضہ ہوا۔ جب اس لڑائی میں فتح حاصل ہوئی تو یمنی لوگوں کے ایک سردار ابوالصباح نامی نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یوسف سے ہم بدلہ لے چکے ہیں۔ اب موقعہ ہے کہ اس نوجوان یعنی عبدالرحمٰن کو قتل کر دو اور بجائے اس کے یہاں امویوں کی حکومت قائم ہو اپنی قوم کی حکومت قائم کرو۔ مگر چونکہ عبدالرحمٰن کے لشکر میں شامیوں اور بربریوں کی تعداد کافی تھی۔ اس لیے علانیہ یمنی لوگ کوئی مخالفت یا بغاوت نہ کر سکے اور خاموش ہو کر خفیہ طور پر عبدالرحمٰن کی ذات پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ اتفاق سے عبدالرحمٰن کو بھی ان لوگوں کے ارادے کا حال معلوم ہو گیا اس نے صرف یہ کیا کہ اپنا ایک باڈی گارڈ یعنی محافظ دستہ قائم کر لیا اور بظاہر چشم پوشی اور درگزر سے کام لیا۔ اور چند مہینے کے بعد ابوالصباح کو اس کی غلطی کی سزا میں قتل کرا دیا۔

عبدالرحمٰن کے عہدیدار:

عبدالرحمٰن بن امیہ چونکہ نوعمر اور اس ملک میں ایک اجنبی شخص تھا لہٰذا یہاں کے امراء یہاں

کے عمال، یہاں کی رعایا، یہاں کے قبائل اوران کی خصوصیات سے اس کو پوری پوری واقفیت اور آ گاہی نہ تھی۔ عبدالرحمٰن کی حکومت کے شروع ہوتے ہی حکومت و سرداری کے عہدوں پر جو لوگ مقرر و مامور ہوئے ان میں بعض ایسے بھی تھے جو اہل اندلس کی ناراضی کا باعث ہوئے۔ بعض ایسے اشخاص تھے جن کو توقع کے موافق وہ عہدے نہیں ملے۔ اس طرح ایک بڑی تعداد ملک میں ایسی پیدا ہوگئی جو عبدالرحمٰن کی حکومت سے بھی کبیدہ خاطر اور ملول ہوئی۔ علاوہ ازیں یوسف فہری سابق امیر اندلس اور ضمیل بن حاتم کے دوست احباب اور متعلقین تو ناخوش تھے ہی۔

بغاوتیں:

عبدالرحمٰن بن معاویہ اگرچہ کسی گروہ اور کسی فریق سے خصوصی تعلق نہ رکھتا تھا اور وہ سب سے یکساں برتاؤ کرنا چاہتا تھا مگر جو پہلے سے اندلس میں رونما تھے ان کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمٰن کو اپنی حکومت کے شروع میں بغاوتوں اور سرکشیوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یوسف فہری سابق امیر اندلس معاہدہ کے موافق قرطبہ میں مقیم یا یوں کہیے کہ نظر بند تھا قرطبہ پر قابض ہونے کے بعد عبدالرحمٰن کو دو سال تک ملک کے صوبوں پر تسلط قائم کرنے اور سرکشوں کو اطاعت پر مجبور کرنے پر صرف کرنے پڑے۔ اسی دوران میں عبدالرحمٰن کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے ہم قوموں کو جہاں کہیں وہ بنو عباس کی تلوار سے بچ گئے ہوں اپنے پاس بلوائے اور بربریوں کی ایک فوج مرتب کرے جن سے حمایت و ہمدردی کی اس کو توقع تھی۔ خاندان بنو امیہ کا ایک شخص عبدالملک بن عمر بن مروان بن حکم اور اس کا بیٹا عمر بن عبدالملک عباسیوں کی تلوار سے بچے ہوئے ابھی تک مصر میں موجود تھے۔ انہوں نے جب اندلس پر قبضہ کا حال سنا تو مصر سے روانہ ہوئے اور بنو امیہ کے دس اور آدمی بھی جو ادھر ادھر چھپے ہوئے تھے ان کے ساتھ شامل ہوگئے اس طرح یہ بارہ آدمیوں کا قافلہ اندلس میں عبدالرحمٰن کے پاس پہنچ گیا۔ عبدالرحمٰن اپنے ان رشتہ داروں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ عبدالملک بن عمر کو اشبیلیہ کی اور عمر بن عبدالملک کو مورور کی حکومت پر مامور کیا۔ اس اجنبی ملک میں عبدالرحمٰن بالکل تنہا اور مسلمانان اندلس کے مختلف فرقوں اور گروہوں سے اس کو یہ توقع نہ تھی کہ وہ سب کے سب عباسیوں کی مخالفت پر آمادہ ہو سکتے تھے اس لیے اس نے اول اول اپنے آپ کو اسی طرح ایک امیر اندلس کی حیثیت میں رکھا جیسا کہ اس سے پہلے بھی اندلس کے امیر ہوتے رہے تھے خطبہ میں وہ خلیفہ عباس ہی کا نام لیتا تھا حالانکہ دل سے عباسیوں کا دشمن تھا اور ان کو اپنا دشمن جانتا تھا۔ ان ہم قوم اور ہم قبیلہ بلکہ قریبی رشتہ داروں کو اس نے اپنے لیے بہت ہی غنیمت سمجھا اور ان کو بڑے بڑے عہدے جو وہ بلا تامل دے سکتا تھا دیئے۔ اندلس کے اندر عبدالرحمٰن کی حکومت قائم ہونے کے بعد ہی بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو چکے تھے جو بدل

عبدالرحمٰن کی حکومت سے خوش نہ تھے اب جب عبدالرحمٰن نے ۱۴۱ھ میں عبدالملک اور اس کے بیٹے عمر کو اشبیلیہ وغیرہ کی حکومت عطا کی تو ان لوگوں کو آزادانہ اور پہلے سے زیادہ چہ می گوئیوں کا موقع مل گیا اور غدر و بغاوت کی تحریک جلد جلد نشو ونما پا کر خطرناک صورت اختیار کر گئی۔

یوسف بن عبدالرحمٰن سابق امیر اندلس کا قتل

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یوسف بن عبدالرحمٰن سابق امیر اندلس کو لوگوں نے ابھارا۔ وہ قرطبہ سے چھپ کر بھاگ نکلا مگر اس کے دونوں بیٹے ابوزید عبدالرحمٰن اور ابوالاسود قرطبہ سے نہ نکل سکے وہ قرطبہ ہی میں رہ گئے۔ ضمیل بن حاتم یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کا وزیر بھی قرطبہ سے نہ نکل سکا۔ یہ تینوں نظر بند اور قید کر لیے گئے۔ یوسف فہری قرطبہ سے بھاگ کر طلیطلہ پہنچا۔ قرارداد کے موافق ہر طرف سے لوگ آ کر اس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ اور بہت جلد بیس ہزار آدمیوں کا لشکر اس کے جھنڈے کے نیچے طلیطلہ میں مرتب ہو گیا۔ یوسف بن عبدالرحمٰن اس لشکر کو لے کر اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا اور عبدالملک بن عمر کا محاصرہ کر لیا۔ عبدالملک مدافعت پر آمادہ ہو گیا یوسف نے اشبیلیہ کی فتح میں زیادہ وقت صرف کرنا مناسب نہ سمجھ کر محاصرہ اٹھا لیا اور قرطبہ کی جانب روانہ ہوا۔ ادھر عبدالملک کا بیٹا عمر اپنے باپ کے محصور ہونے کی خبر سن کر اشبیلیہ کی جانب روانہ ہو گیا تھا دونوں باپ بیٹوں نے مل کر یوسف بن عبدالرحمٰن کی فوج کا تعاقب کیا ادھر امیر عبدالرحمٰن کو جب یہ معلوم ہوا کہ یوسف بیس ہزار فوج لیے ہوئے قرطبہ کی جانب آ رہا ہے تو وہ قرطبہ سے نکل کر خود یوسف کی طرف بڑھا۔ راستے میں مقابلہ ہوا سامنے سے عبدالرحمٰن نے حملہ کیا پیچھے سے عبدالملک اور عمر آ گئے۔ یوسف کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور یوسف شکست کھا کر بے سروسامانی کے ساتھ طلیطلہ کی جانب بھاگا۔ طلیطلہ کے قریب پہنچا تھا کہ اس کی فوج کے یمنی لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر یوسف کو ہم قتل کر دیں اور اس کا سر امیر عبدالرحمٰن کے پاس لے جائیں تو وہ اس خدمت کے صلے میں ہم سے خوش ہو جائے گا اور ہماری اس خطا کو کہ ہم نے بغاوت میں شرکت کی ہے معاف کر دے گا چنانچہ یمنیوں نے یوسف کو طلیطلہ میں داخل ہونے سے پہلے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر عبدالرحمٰن کی خدمت میں پہنچ گئے۔

یوسف فہری بڑا بہادر اور نامور سپہ سالار تھا وہ اندلس کا امیر رہ چکا تھا۔ اس میں سخاوت و مروت کا مادہ بہت تھا مگر لوگوں کے دھوکہ دینے سے دھوکہ کھا جاتا تھا۔ اس مرتبہ بھی یوسف نے فریب کھایا اور لوگوں کی باتوں میں آ کر اس طرح اپنی جان کو گنوایا۔ اس تلخ تجربہ کے بعد امیر عبدالرحمٰن کے لیے یہ جائز ہو گیا تھا کہ وہ ضمیل بن حاتم اور یوسف کے بیٹوں کو قتل کرا دے۔ چنانچہ ابن حاتم اور ابوزید بن یوسف تو قتل کیے گئے مگر ابوالاسود کو بوجہ اس کے کہ اس کی عمر تھوڑی تھی قرطبہ کے متصل ایک پہاڑی قلعہ میں نظر بند

کردیا گیا۔ فتنہ یوسف کے فرو ہو جانے کے بعد باغیوں اور سرکشوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور بظاہر امیر عبدالرحمٰن کا تسلط پورے طور پر قائم ہو گیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے فہری خاندان کے سرکشوں کی لاشوں کو جو اس بغاوت میں مقتول ہوئے تھے لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے قرطبہ کے باہر صلیب پر لٹکوا دیا تھا۔ بظاہر لوگوں پر ہیبت طاری ہوئی لیکن اندر ہی اندر فہریوں کی ہمدردیوں کے جذبہ بھی ترقی کرتا رہا۔

ابوالاسود بن یوسف فہری جو قرطبہ کے باہر ایک قلعہ میں قید تھا اس نے ایک عرصہ کے بعد اپنے آپ کو نابینا ظاہر کیا اور کہا کہ میری بصارت جاتی رہی ہے۔ محافظوں نے اس کو اندھا سمجھ کر نگرانی میں بے احتیاطی برتنی شروع کر دی۔ وہ صبح کو قلعہ سے باہر ندی کے کنارے پیشاب پاخانے کے لیے لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا۔ اور وہاں سے فارغ ہو کر کہتا کہ کوئی خدا کا بندہ اندھے کو راستہ بتا دے اور قلعہ تک پہنچا دے۔ اسی وقت اس طرف بہت فوج کے سپاہی بھی حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے لیے جایا کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص اس مصنوعی اندھے کا ہاتھ پکڑ کر قلعہ کے دروازے تک پہنچا دیا کرتا تھا۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی نگرانی کرنے والے بالکل بے فکر اور مطمئن ہو گئے کہ یہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ ابوالاسود کے پاس اس کا ایک غلام ندی کے کنارے آنے لگا۔ اس کی معرفت ابوالاسود نے اپنے ہمدردوں کو سلام و پیام بھیجنے شروع کر دیئے اور ایک روز گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر ۱۶۴ھ میں اس قید سے آزاد ہو کر نکل بھاگا اس کا ذکر آگے انشاء اللہ آئے گا۔

اندرونی انتظام:

یوسف فہری سے فارغ ہو کر امیر عبدالرحمٰن نے ملک کے اندرونی انتظام کی طرف توجہ کی اور ہر قسم کی شاہانہ علامات فراہم کرنے کے بعد ۱۴۶ھ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے عباسی خلیفہ کا نام خطبہ سے خارج کر دیا۔ عباسیوں کی خلافت مشرق میں ابھی نئی نئی قائم ہوئی تھی اور ابھی تک مشرق کے جھگڑوں اور فتنوں سے پورے طور پر فارغ و مطمئن نہ ہوئے تھے اس لیے عبدالرحمٰن کے اندلس پر قابض و متصرف ہونے کا حال سن کر وہ رنجیدہ تو ضرور ہوئے لیکن اس قدر دور دراز علاقہ میں وہ کوئی مہم نہیں بھیج سکے اور یہ سمجھ کر کہ عبدالرحمٰن کا اندلس سے بے دخل کرنا آسان کام نہیں ہے اسی کو غنیمت سمجھتے رہے کہ ہمارے نام کا خطبہ وہاں پڑھا جاتا ہے۔

عباسی حکومت کا عبدالرحمٰن کے خلاف اقدام

اب جبکہ یہ معلوم ہوا کہ امیر عبدالرحمٰن نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے خطبہ سے خلیفہ کا نام خارج کر دیا ہے تو عباسی خلیفہ منصور کو سخت صدمہ ہوا۔ اس نے علاء بن مغیث یحصبی سپہ سالار افریقہ کو

ایک خط لکھا اور ایک سیاہ جھنڈا بھی اس کے پاس بھیجا کہ وہ فوج لے کر اندلس پر چڑھائی کرے۔ چنانچہ علاء بن مغیث نے افریقہ سے اندلس کا قصد کیا۔ ادھر اندلس میں یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کا ایک رشتہ دار ہاشم بن عبدربہ فہری جو شہر طلیطلہ کا رئیس سمجھا جاتا تھا فہریوں کی اس تباہی سے بے حد افسردہ خاطر تھا۔ اس نے بہت سے بربریوں کو جو اس کے قریب آباد تھے لالچ دے کر اپنے ساتھ شریک کر لیا اور وہ لوگ جو فہریوں کی عبرتناک تباہی سے زیادہ متاثر تھے خود آ کر ہاشم کے پاس جمع ہونے لگے۔

ہاشم الفہری نے علاء بن مغیث کے پاس افریقہ میں پیغام بھیجا کہ آپ فوراً اندلس پر حملہ کریں۔ ادھر ہم پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ پر نکلتے ہیں۔ اس پیغام نے علاء بن مغیث کے حوصلے اور بھی بلند کر دیئے۔ عبدالرحمٰن افریقہ کی جانب سے ہونے والے حملہ کی مطلق اطلاع نہ رکھتا تھا۔ ۱۴۶ھ میں ہاشم نے علم بغاوت بلند کیا اور شمالی اندلس پر قابض و متصرف ہو گیا طلیطلہ کو خوب مضبوط کر لیا۔ امیر عبدالرحمٰن قرطبہ سے فوج لے کر اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا اور جا کر طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ طلیطلہ کے باغیوں نے خوب مستعدی سے مقابلہ کیا۔ اس محاصرہ نے کئی مہینے تک طول کھینچا اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ادھر علاء بن مغیث اپنی فوجوں کو لے کر براہ دریا علاقہ باجہ میں آ اترا اس کے پاس خلیفہ منصور عباسی کا بھیجا ہوا سیاہ جھنڈا اور فرمان موجود تھا۔

رعایائے اندلس علاء بن مغیث کو خلیفۃ المسلمین کا قائم مقام سمجھ کر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے اور عبدالرحمٰن کو باغی سمجھنے لگی۔ امیر عبدالرحمٰن نے جب یہ خبر سنی تو سخت پریشان ہوا۔ یہ نہایت ہی نازک موقع تھا کیونکہ شمالی اندلس کے باغی ابھی تک قابو میں نہ آئے تھے کہ جنوبی اندلس میں ایک ایسا طاقتور دشمن داخل ہو گیا اور رعایا اس کی طرف متوجہ ہونے لگی۔ امیر عبدالرحمٰن نے طلیطلہ سے محاصرہ اٹھایا اور نو وارد دشمن کی طرف متوجہ ہوا۔ اشبیلیہ کے قریب مقام قرمونہ میں پہنچا تھا کہ علاء بن مغیث اپنی افواج جرار لیے ہوئے مقابلہ پر آ پہنچا۔ علاء کے قریب پہنچنے پر خود عبدالرحمٰن کی فوج کے بہت سے آدمی علاء بن مغیث کی فوج میں جا کر شامل ہو گئے۔ ادھر باغیان طلیطہ نے محاصرہ سے آزاد ہوتے ہی علاء بن مغیث کی فوج میں شامل ہونے کے لیے ایک حصہ فوج بھیج دیا اور اس طرح اپنی ہوا خواہی کا یقین دلایا۔ عبدالرحمٰن کو مجبوراً قلعہ قرمونہ میں محصور ہونا پڑا۔

عبدالرحمٰن کا جرأت مندانہ اقدام:

علاء بن مغیث نے قرمونہ کا محاصرہ کر لیا اور اپنی فوج کے دستوں کو لوٹ مار کے لیے ادھر ادھر بھیجنا شروع کر دیا۔ اندلس کے بربری اور دوسرے لوگ یہ رنگ دیکھ کر لوٹ مار پر جا بجا چل پڑے۔ تمام ملک اندلس میں قتل و غارت اور بدامنی کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ امیر عبدالرحمٰن دو مہینے تک قلعہ قرمونہ میں

محصور رہا۔ سامان رسد کے ختم ہو جانے سے لوگ بھوک کے مارے مرنے لگے اور کشود کار کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ اس حالت یاس و ناامیدی میں امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم لوگ بجائے اس کے کہ بھوک کی شدت سے مریں یا زندہ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں لڑ کر مر جائیں اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیں۔ چنانچہ اسی وقت ایک بڑا الاؤ آگ کا روشن کر کے سات سو آدمیوں نے اپنی تلواروں کے میان اس میں ڈال کر جلا دیے۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ دشمن سے لڑتے لڑتے مر جائیں گے یا فتح حاصل کریں گے۔ اس کے بعد قلعہ کا دروازہ کھول کر یکایک دشمن پر جا پڑے۔ محاصر فوج دو مہینے سے قلعہ کو گھیرے ہوئے پڑی تھی۔ اس کو یہ معلوم تھا کہ محصورین کی تعداد بہت قلیل ہے اس لیے وہ غافل اور بے فکر تھی یکایک ان سات سو بھوکے شیروں نے نکل کر اس طرح قتل کا بازار گرم کیا کہ محاصر دشمن اپنی سات ہزار لاشیں قلعہ کے سامنے چھوڑ کر میدان خالی کر گئے اور ذرا سی دیر میں ملک اندلس کی سلطنت جو امیر عبدالرحمٰن کے قبضہ سے نکل چکی تھی پھر اس کے قبضہ میں آ گئی۔

عجیب قسم کی دل لگی:

اس موقعہ پر امیر عبدالرحمٰن نے منصور عباسی کے ساتھ عجیب قسم کی دل لگی کی یعنی علاء بن مغیث اور لشکر عباسی کے تمام بڑے بڑے سرداروں کے سر کاٹ کر ہر ایک کے کان میں سوراخ کر کے ایک ایک پرچہ باندھ دیا جس میں اس سردار کا نام معہ عہدہ درج تھا۔ پھر ان سروں کو صندوقوں میں بڑی احتیاط کے ساتھ بند کرا کر حاجیوں کے قافلوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اس طرح یہ صندوق مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں سے ایک حجازی نے ان کو خلیفہ منصور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ خلیفہ منصور نے جب ان صندوقوں کو کھولا تو جس صندوق میں علاء بن مغیث کا سر تھا۔ اسی میں وہ خط بھی تھا جو منصور نے علاء بن مغیث کے نام اندلس پر حملہ کرنے کے لیے لکھا تھا۔ ساتھ ہی اس سیاہ علم کے پرزے اور دھجیاں بھی تھیں جو منصور نے ابن مغیث کے پاس بھیجا تھا۔ منصور نے ان سروں کو دیکھا اور صرف یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے اور عبدالرحمٰن کے درمیان سمندر حائل ہے۔ پھر ایک روز کہا کہ مجھ کو عبدالرحمٰن کی جرأت، دانائی اور حسن تدبیر پر حیرت ہے کہ اس نے کس بے سروسامانی کے عالم میں اتنے دور دراز اور دشوار گزار ملک میں جا کر اپنی حکومت و سلطنت قائم کی۔ جنگ قرمونہ ۱۴۶ھ کے آخری حصہ میں ہوئی۔

باغیوں کا استیصال:

فتح قرمونہ کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے اپنے خادم بدر اور تمام بن علقمہ کو فوج دے کر طلیطلہ کی جانب آیا۔ ایک سخت اور خونریز جنگ کے بعد بدر اور تمام کو باغیان طلیطلہ پر فتح مبین حاصل ہوئی۔ ہشام

بن عبدربہ فہری، حیوۃ بن ولید تحصبی، عثمان بن حمزہ بن عبید اللہ بن عمر بن خطاب وغیرہ باغیوں کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے۔ ان سرداروں کو لے کر جب بدر اور تمام قرطبہ کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر ان باغی سرداروں کو سر و ریش مونڈ کر اور ذلت کے ساتھ گدھوں پر سوار کرا کر شہر کے اندر لے گئے جہاں امیر عبدالرحمٰن کے حکم سے ان کو قتل کر دیا گیا۔

علاء بن مغیث کے ساتھ بہت سے یمنی قبائل شامل ہو گئے تھے اور ان میں سے اکثر آدمی جنگ قرمونہ میں عبدالرحمٰن اور اس کے ہمراہیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ یمنی لوگوں کو اپنے ان مقتولین کا قصاص لینے کی خواہش تھی۔ چنانچہ اسی سال یعنی ۱۴۷ھ میں سعید تحصبی نے جو مطری کے نام سے مشہور تھا خروج کیا اور شہر لبلہ میں فوجیں فراہم کر کے اشبیلیہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ امیر عبدالرحمٰن یہ خبر پا کر قرطبہ سے فوج لے کر مطری کی سرکوبی کے لیے اشبیلیہ کی جانب روانہ ہوا۔ مطری نے اشبیلیہ کے ایک قلعہ میں بند ہو کر مدافعت شروع کی اور عبدالرحمٰن نے اشبیلیہ کا محاصرہ کر لیا۔ عتاب بن علقمی شہر شدونہ میں تھا۔ وہ مطری کے ساتھ اس بغاوت میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا۔ چنانچہ مطری کے محصور ہونے کی خبر سن کر عتاب بن علقمی شدونہ سے فوج لے کر روانہ ہوا۔

امیر عبدالرحمٰن نے یہ خبر سن کر اپنے خادم بدر کو ایک حصہ فوج دے کر روانہ کیا کہ عتاب کو مطری تک نہ پہنچنے دیا جائے اور دونوں کے درمیان خود حائل رہے۔ ادھر سعید معروف بہ مطری مارا گیا۔ اہل قلعہ نے ایک شخص خلیفہ بن مردان کو اپنا سردار بنا لیا۔ مگر آخر مجبور ہو کر امن کی درخواست دی۔ عبدالرحمٰن نے اس درخواست کو منظور کر کے قلعہ کو مسمار کرا دیا۔ اور خود قرطبہ کی جانب واپس آیا اس کے بعد ہی علاقہ جیان میں عبداللہ بن خراشہ اسدی نے علم بغاوت بلند کیا اور امیر عبدالرحمٰن کے مقابلہ کو فوجیں جمع کیں۔ امیر عبدالرحمٰن نے فوراً ایک فوج اس طرف روانہ کی۔ عبداللہ کے ہمراہیوں نہ یہ سن کر کہ عبدالرحمٰن کی فوج آ رہی ہے عبداللہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ عبداللہ اسدی نے امیر عبدالرحمٰن سے معافی کی درخواست کی۔ امیر نے اس کو معافی دے دی۔ ۱۵۰ھ میں غیاث بن میر اسدی نے علم بغاوت بلند کیا ولایت باجہ کے عامل نے فوجیں فراہم کر کے اس کا مقابلہ کیا۔ معرکہ کارزار میں غیاث مارا گیا۔ اس کی فوج شکست کھا کر منتشر ہو گئی۔ عامل باجہ نے غیاث کا سر کاٹ کر بشارت نامہ کے ساتھ عبدالرحمٰن کی خدمت میں بھیج دیا۔ اسی سال یعنی ۱۵۰ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے شہر قرطبہ کی شہر پناہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

۱۵۱ھ میں ایک شخص شقنہ بن عبدالواحد نے جو بربر کے قبیلہ مکناسہ سے تعلق رکھتا تھا اور تعلیم یافتہ ہونے کے وجہ سے معلمی کا پیشہ کرتا تھا۔ یہ دعویٰ کیا کہ میں حضرت حسینؓ بن علیؓ کی اولاد سے ہوں اور میرا نام عبداللہ بن محمد ہے۔ اس شخص کو عباسیوں کی سازشی کارروائیوں اور کامیابیوں کا علم تھا۔ نیز علویوں کے دعاۃ مکناسہ اور علاقہ بربر میں آتے رہتے تھے جن کا اس کو علم تھا۔ لہٰذا اس نے اندلس کی حکومت کو

درہم برہم کرنے کی جرأت و جسارت کی۔ اس کی یہ اولوالعزمی کچھ زیادہ عجیب نہ تھی کیونکہ بہت جلد بربریوں کی ضعیف الاعتقادی قوم اس کے گرد جمع ہوگئی بربریوں کے علاوہ بعض اور لوگ بھی اس کے معتقد ہوگئے۔ ابن الواحد نے اپنی کرامت اور خرق عادات باتوں کا بھی ان لوگوں کو یقین دلا دیا۔ ایک مجمع کثیر جب اس کے معتقدین کا فراہم ہوگیا تو اس نے علم بغاوت بلند کیا اور اندلس کے مشرقی صوبہ بلنسیہ کے مقام شیطران پر قابض و متصرف ہوگیا۔ امیر عبدالرحمٰن یہ خبر سن کر اس کی سرکوبی کے لیے قرطبہ سے روانہ ہوا۔

ابن عبدالواحد امیر عبدالرحمٰن کی آمد کا حال سن کر اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑوں میں جا چھپا اور مقابلہ نہیں کیا۔ امیر عبدالرحمٰن قرطبہ کی جانب واپس لوٹ آیا۔ طلیطلہ کی حکومت پر حبیب بن عبدالملک کو مامور کر کے ابن الواحد کی سرکوبی کی ہدایت کی۔ حبیب بن عبدالملک نے اپنی طرف سے سلیمان بن عثمان بن مروان بن عثمان بن ابان بن عثمان بن عفان کو ابن الواحد کی گرفتاری و سزا دہی پر مامور کیا۔ سلیمان فوج لے کر ابن عبدالواحد کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ ابن عبدالواحد نے مقابلہ کیا اور سلیمان کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اور اطراف قوریہ پر قابض و متصرف ہوگیا۔

یہ حالت سن کر ۱۵۲ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے قرطبہ سے کوچ کیا۔ ابن عبدالواحد امیر کی خبر سن کر فوراً پہاڑوں میں بھاگ گیا اور امیر عبدالرحمٰن پریشان ہو کر پھر واپس چلا آیا۔

۱۵۳ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے اپنے خادم بدر کو ایک فوج دے کر روانہ کیا اور بدر جب قلعہ شیطران کے قریب پہنچا تو ابن عبدالواحد شیطران کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ ۱۵۴ھ میں پھر امیر عبدالرحمٰن خود گیا مگر حسب سابق شقنہ بن عبدالواحد ہاتھ نہ آیا۔

۱۵۵ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے ابوعثمان عبیداللہ بن عثمان کو ایک زبردست فوج دے کر روانہ کیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی کوئی نتیجہ حسب مراد پیدا نہ ہوا۔ بلکہ ابن الواحد نے ابوعثمان کی فوج کے ایک بڑے حصے کو دھوکہ دے کر قتل کر ڈالا اور کئی شہروں کو لوٹ لیا۔ مجبور ہو کر امیر عبدالرحمٰن ۱۵۶ھ میں پھر قرطبہ سے خود ہی فوج لے کر روانہ ہوا اور قرطبہ میں اپنے بیٹے سلیمان کو بجائے اپنے حاکم بنا گیا۔ جب قلعہ شیطران کے قریب پہنچا تو خبر پہنچی کہ یمنی قبائل اور اہل اشبیلیہ نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ مجبوراً امیر عبدالرحمٰن شیطران اور ابن عبدالواحد کو ان کے حال پر چھوڑ کر اشبیلیہ کی طرف متوجہ ہوا اور عبدالملک بن عمر کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر اشبیلیہ پر حملہ کرے۔

عبدالملک نے اشبیلیہ کے قریب پہنچ کر اپنے بیٹے امیہ بن عبدالملک کو اہل اشبیلیہ پر شب خون مارنے کے لیے بطور ہراول آگے روانہ کیا۔ امیہ نے اہل اشبیلیہ کو ہوشیار پا کر حملہ نہ کیا اور باپ کے پاس واپس آیا۔ عبدالملک نے واپسی کی وجہ پوچھی تو امیہ نے کہا کہ اہل اشبیلیہ ہوشیار تھے اور حملہ

کرنے کا موقعہ نہ تھا ب۔ عبدالملک نے کہا تو نے موت سے ڈر کر حملہ نہیں کیا تو بڑا بزدل ہے میں بزدل کو محبوب نہیں رکھتا۔ یہ کہہ کر اس نے اسی وقت اپنے بیٹے امیہ کی گردن اڑا دی اور اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم جانتے ہو ہم لوگ کس طرح قتل کیے گئے اور اپنے وطن سے بے وطن ہوئے۔ اتفاق سے اس قدر دور دراز فاصلہ پر زمین کا ایک ٹکڑا یعنی ملک اندلس ہاتھ آیا جو یہ مشکل ہماری گزران کے لیے کافی ہے بزدلی کے ساتھ اس کو بھی ہاتھ سے دینا اور ضائع کرنا کسی طرح شایان شان نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو موت پر ترجیح نہ دیں۔ اور بہادری کے ساتھ لڑ کر مارے جائیں۔ سب نے اس کی تائید کی اور مارنے مرنے کی قسمیں کھائیں اشبیلیہ میں یمنی قبائل کی نہایت زبردست جمعیت اور پوری طاقت فراہم تھی اور یہ ان کی طاقت وقوت کی گویا آخری نمائش تھی۔ لہٰذا اشبیلیہ کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ عبدالملک بن عمر نے حملہ کیا۔ اور اس کی فوج نے اس حملہ میں متفقہ طور پر اس کا ساتھ دیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی آخر اہل اشبیلیہ کو ہزیمت ہوئی عبدالملک کے جسم پر کئی زخم آئے مگر اس نے دشمنوں کے قتل کرنے میں حیرت انگیز طور پر تیز دستی اور بہادری دکھائی۔ لڑائی کے خاتمہ پر جب عبدالملک نے تلوار ہاتھ سے رکھنی چاہی تو اس کی انگلیاں نہیں کھل سکیں اور تلوار ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ اسی حالت میں امیر عبدالرحمٰن بھی پہنچ گیا اس نے عبدالملک کے ہاتھ میں خون آلود تلوار دیکھ کر اور لڑائی کی روئداد سن کر کہا کہ بھائی عبدالملک میں اپنے لڑکے ہشام کی شادی آپ کی لڑکی سے کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے عبدالملک بن عمر کو اپنا وزیر بنا لیا۔

یمنی قبائل یعنی اشبیلیہ کے دو سردار عبدالغفار بن حامد حاکم شہر بنیلہ اور حیوۃ بن ملامش حاکم اشبیلیہ اور عمرو حاکم بیجہ اس معرکہ سے بچ کر فرار ہو گئے تھے انہوں نے پھر اپنے گرد عربی قبائل کو جمع کیا ۱۵۷ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے ان پر حملہ کیا اور شکست دے کر ان کو اور ان کے ہوا خواہوں کو قتل کر ڈالا۔ ان واقعات سے امیر عبدالرحمٰن کو عرب قبائل کی طرف سے بڑی بدگمانی اور بے اعتباری ہو گئی۔ چنانچہ اس نے عجمیوں اور غلاموں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا تا کہ ان لوگوں یعنی عرب قبائل کی بغاوتوں اور سرکشیوں سے امن مل سکے۔ یہی مجبوریاں غالباً خلفائے عباسیہ کو بھی پیش آئی ہوں گی جن کی وجہ سے انہوں نے باوجود اس کے کہ وہ خود عرب تھے عربوں پر دوسری قوتوں کو ترجیح دی اور عربوں کی غداری سے ہمیشہ ڈرتے ہی رہے۔ ۱۶۰ھ میں عبدالرحمٰن نے ایک لشکر ابن عبدالواحد کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر نے جا کر قلعہ شیطران کا محاصرہ کیا اور ایک مہینے تک محاصرہ کیے رہنے کے بعد بلا نیل ومرام واپس آیا۔ آخر ۱۶۲ھ میں ابن عبدالواحد قلعہ شیطران سے نکل کر علاقہ شنت بریہ کے ایک گاؤں میں آیا۔ اس کے ہمراہیوں میں سے دو شخص ابو معین اور ابو مریم نے اسے قتل کر ڈالا اور اس کا سر لے کر امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس طرح اس فتنہ کا عرصہ دراز کے بعد خاتمہ ہوا۔

ابھی ابن الواحد قتل نہ ہوا تھا کہ ۱۶۱ھ میں عبدالرحمٰن بن فہری معروف بہ صقلبی نے افریقہ میں فوجیں آراستہ کر کے اندلس پر قبضہ کرنے کے ارادے سے چڑھائی کی اور تدمیر کے میدان میں پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں اندلس کے بہت سے بربری آ کر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن حبیب نے سلیمان بن یقظان والی برشلونہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم خلافت عباسیہ کی اطاعت قبول کر لو۔ ورنہ مجھ کو اپنے سر پر پہنچا ہوا سمجھو۔ سلیمان نے انکار کیا اور عبدالرحمٰن بن حبیب نے سلیمان پر حملہ کیا۔ مقابلہ ہوا اور سلیمان نے عبدالرحمٰن بن حبیب فہری کو شکست دے کر بھگا دیا۔ عبدالرحمٰن بن حبیب نے میدان تدمیر میں آ کر دم لیا۔ امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ قرطبہ سے فوج لے کر میدان تدمیر کی طرف روانہ ہوا۔ امیر عبدالرحمٰن کے آنے کی خبر سن کر عبدالرحمٰن بن حبیب کوہ بلنسیہ میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اشتہار دے دیا کہ جو شخص عبدالرحمٰن بن حبیب کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو اسقدر انعام دیا جائے اس انعام کے مشتہر ہوتے ہی ایک بربری کی جو عبدالرحمٰن بن حبیب کے ہمراہیوں میں تھا نیت بگڑی اس نے موقع پا کر عبدالرحمٰن بن حبیب کا سر کاٹ لیا اور امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ پھر انعام وصول کر کے چل دیا۔ اس طرح ۱۶۲ھ میں عبدالرحمٰن بن حبیب کے مارے جانے پر اس مہم کا خاتمہ ہو گیا اور امیر عبدالرحمٰن قرطبہ کی طرف واپس آیا۔

چند ہی روز کے بعد ۱۶۲ھ میں وحیہ غسانی نے علاقہ البیرہ کے ایک قلعہ میں جا گزیں ہو کر علم بغاوت بلند کیا امیر عبدالرحمٰن نے شہید بن عیسیٰ کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ شہید بن عیسیٰ نے اس باغی سردار کو شکست دے کر قتل کر ڈالا۔ اس کے چند روز بعد بربریوں نے سر اٹھایا اور ابراہیم بن شجرہ کی سرکردگی میں علم بغاوت بلند کیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے ابراہیم بن شجرہ کی سرکوبی پر بدر کو مامور کیا۔ بدر نے ابراہیم کو قتل کر کے بربریوں کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ انہیں دنوں سلمٰی نامی ایک سپہ سالار نے قرطبہ سے فرار ہو کر طلیطلہ کا رخ کیا اور طلیطلہ پر قبضہ کر کے علم بغاوت بلند کیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے حبیب بن عبدالملک کو سلمٰی کی سرکوبی پر مامور کیا۔ حبیب نے جا کر طلیطلہ کا محاصرہ کیا اور عرصہ دراز تک یہ محاصرہ جاری رہا آخر سلمٰی کا بحالت محاصرہ انتقال ہو گیا اور اس کے ہمراہی منتشر ہو گئے۔

بغاوتوں کے اسباب:

اندلس کی ان پیہم اور مسلسل بغاوتوں کا کوئی خاص سبب ہم کو ضرور تلاش کرنا چاہیے جنہوں نے امیر عبدالرحمٰن کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا اس میں شک نہیں کہ اندلس میں کچھ اسی قسم کے لوگ جمع ہو گئے تھے اور اندلس کی تمام اسلامی آبادی کا مزاج کچھ ایسا واقعہ ہوا تھا کہ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے

کے رقیب تھے اور ساتھ ہی کسی کے زیر حکومت رہنا نہیں چاہتے تھے۔ موجودہ حاکم چونکہ ایک غریب الوطن شخص تھا جس کے خاندان کی حکومت وعظمت مشرق میں تباہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا وہ امیر عبدالرحمٰن کی حکومت کو بھی دیر تک رکھنے کے خلاف تھے یہ تو وہ اسباب ہیں جن کا اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور بالکل پیش پا افتادہ ہیں لیکن اس کے سوا ایک اور سبب خاص بھی ہے اور در حقیقت عبدالرحمٰن کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا اصلی سبب وہی ہے۔ عباسی خلفاء جنہوں نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا امیر عبدالرحمٰن سے فاصلے پر تھے ان کی حدود حکومت اور ملک اندلس کے درمیان سمندر حائل تھا۔

وہ عبدالرحمٰن کی حکومت اور طاقت کے حالات کو تو سنتے تھے لیکن دور دراز فاصلے پر اس کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے۔ عباسیوں نے دو مرتبہ فوج کشی کی اور ان دونوں مرتبہ کے سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتارنا اور عباسی مہم کو ذلت کے ساتھ ناکام رہنا نصیب ہوا۔ علویوں کی سازشوں اور ممالک مشرقیہ کی پیچیدگیوں نے ان کو فوجی مہم کے اور زیادہ تجربہ کرنے کا موقعہ نہیں دیا اور اس معاملہ میں ان کی ہمت پست ہوگئی لیکن انہوں نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی مخالفت میں اسی سازشی طریقہ کو استعمال کیا جس کو وہ بنوامیہ کی بربادی اور خلافت دمشق کا تختہ الٹنے میں استعمال کر چکے تھے انہوں نے خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ ملک اندلس کے عرب قبائل اور غدارانہ خصائل رکھنے والے بربریوں میں عباسیوں کی حمایت اور خلافت عباسیہ کی اعانت پر آمادہ کرنے کا اشاعتی سلسلہ جاری کیا۔ غیر معلوم اور غیر محسوس طریقہ پر عباسی بلاد اندلس میں آنے جانے اور انواع واقسام کے طریقوں سے اپنا کام کرنے لگے۔ اس طرح اکثر عرب سردار اور بربری نومسلم امیر عبدالرحمٰن کی حکومت مٹانے اور عباسی خلیفہ کی نگاہ میں اپنی عزت بڑھانے کے لیے مستعد ہو گئے۔ ان لوگوں نے بار بار بغاوتیں کیں اور خود ہی نقصانات اٹھائے کیونکہ دربار بغداد سے کوئی فوجی امداد اندلس کے باغیوں کو نہیں بھیجی جاسکتی تھی۔

اندلس کے ان ناعاقبت اندیش باغیوں اور سرکش سرداروں نے ایک طرف امیر عبدالرحمٰن کو ملک کی بغاوتیں فرد کرنے کے کام میں الجھائے رکھا اور دوسری طرف ایسٹریاس کے عیسائیوں کو جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور جو جبل البرتات میں اپنی ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم کر چکے تھے اس وسیع فرصت میں اپنی طاقت بڑھانے اور دامن کوہ اور پہاڑ کے علاقے میں اپنے محدود حکومت کو وسیع کرنے کا موقع مل گیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جس سال عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اندلس میں قدم رکھا ہے اسی سال عیسائی ریاست کے حاکم الفانسو کا انتقال ہو گیا تھا۔ الفانسو کی جگہ اس کا بیٹا فرولیز یا فردیا علی رائی ریاست کا حاکم بن گیا تھا۔ فرویلہ نے اپنی ریاست کے حدود بڑھانے۔ عیسائیوں کو اپنے گرد جمع کرنے اور اپنا ہمدرد بنانے اور آئندہ کے لیے ترقیات کے منصوبے سوچنے کا خوب موقعہ پایا۔ ادھر جنوبی فرانس کا صوبہ جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اس کی طرف متوجہ ہونے اور وہاں کے مسلمانوں کو امداد پہنچانے کا

دربار قرطبہ کو موقعہ ہی نہیں ملا۔ کیونکہ اگر اس طرف فوجیں بھیجی جاتیں اور فرانسیسیوں سے سلسلہ جنگ شروع کیا جاتا تو ملک اندلس کا بچانا امیر عبدالرحمٰن کے لیے محال تھا۔

اب جب کہ عباسیوں کے ہمدردوں نے آئے دن بغاوتیں شروع کر دیں تو فرانسیسیوں نے شہر ناربون پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ چھ سال تک بلا امداد غیرے شہر ناربون کے مسلمانوں نے فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ جاری رکھا اور آخر نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس سال سے زیادہ جنوبی فرانس مسلمانوں کے قبضے میں رہنے کے بعد پھر فرانسیسیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

خلیفہ بغداد کے سپہ سالار عبدالرحمٰن بن حبیب کے مارے جانے کے بعد ملک فرانس میں جو لوگ عباسی سازش کے موئید و ہمدرد تھے ان میں حسین بن عاصی اور سلیمان بن یقظان خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ یہ دونوں سرقسطہ اور اس کے نواح میں عامل و حکمران تھے۔ شہر سرقسطہ جبل البرتات کے جنوبی دامن میں تھا ان دونوں نے خلیفہ مہدی عباسی سے خط و کتابت کی خلیفہ مہدی بڑا نیک اور باخدا خلیفہ تھا مگر یہ انسانی فطرت کا تقاضا تھا کہ اس کو بنو امیہ سے نفرت اور عبدالرحمٰن کے اندلس میں برسر اقتدار ہونے سے ملال تھا۔ دربار بغداد سے ان لوگوں کی ہمت افزائی ہوئی اور ان دونوں نے فرانس کے بادشاہ شارلیمین سے خط و کتابت کر کے اس کو ملک اندلس پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور یہ بھی بتایا کہ خلیفۃ المسلمین مہدی عباسی جو تمام عالم اسلام کے دینی و دنیوی پیشوا ہیں ان کا بھی یہی منشا ہے کہ عبدالرحمٰن اور اس کی حکومت کو مٹا دیا جائے لہٰذا اور اکثر مسلمانان اندلس آپ کے شریک حال اور ہر طرح معاون و مددگار رہوں گے۔ شارلیمین کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی زریں موقع اندلس کی فتح کا نہ ہو سکتا تھا اور اندلس کی فتح سے بڑھ کر کوئی دوسرا کارنامہ اس کی شہرت و عظمت کے لیے ممکن نہ تھا۔ مگر وہ صوبہ اربونیہ اور شہر ناربون کے مٹھی بھر بے یار و مددگار مسلمانوں کی ہمت و استقلال اور شجاعت و بہادری سے خوب واقف تھا اس لیے اس نے اندلس پر حملہ کرنے میں عجلت و شتاب زدگی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اچھی طرح اپنی فوجی تیاریاں کیں اور ساتھ ہی اندلس کے ان باغیوں اور غداروں سے خط و کتابت جاری رکھ کر ہر قسم کی واقفیت بہم پہنچائی۔ اس سلسلے میں مناسب سمجھا گیا اندلس کے سابق امیر یوسف فہری کے بیٹے ابوالاسود کو جو قرطبہ کے متصل ایک قلعہ میں نظر بند ہے آزاد کرایا جائے تا کہ اس کی وجہ سے مسلمانان اندلس کی توجہ امیر عبدالرحمٰن کی مخالفت میں زیادہ کام آسکے ابوالاسود کی رہائی کا حال اوپر تحریر ہو چکا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو نابینا ظاہر کر کے قید سے رہائی حاصل کی تھی ابوالاسود بھی ۱۶۴ھ میں آزاد اور فرار ہو کر باغیان سرقسطہ میں جا کر شامل ہو گیا ادھر شاہ فرانس شارلیمین لاکھوں کی تعداد میں فوج فراہم کر کے کیل کانٹے سے درست ہو گیا اور اپنی اس فوج کشی کا مقصد اندلس سے مسلمانوں کا اخراج اور عیسائیوں کی حکومت کا قائم کرنا قرار دیا جس سے اس کو ہر قسم کی امداد حاصل ہو سکی اور عیسائیوں میں امیر عبدالرحمٰن

کے خلاف بڑا جوش پیدا ہو گیا۔ شارلیمین نے خود حملہ کرنے سے پہلے باغیان سرقسطہ کو علم بغاوت بلند کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کے لیے یہ سب سے زیادہ نازک اور خطرناک موقع تھا کہ اس کی بربادی کے لیے دربار بغداد کا اخلاقی اثر مسلمانان اندلس کی عظیم ترین سازش و بغاوت اور عیسائیوں کی عظیم الشان فوجی تیاریاں سب متحد و متفق تھیں اور عبدالرحمٰن اس خطرہ کی پوری پوری کیفیت سے ناواقف و بے خبر تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ایک سپہ سالار ثعلبہ بن عبید کو سرقسطہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ متعدد لڑائیاں ہونے کے بعد ثعلبہ کو سلیمان بن یقظان نے گرفتار کر لیا اور اس بات کے ثبوت میں کہ ہم کس قدر طاقتور آپ کے ہوا خواہ ہیں۔ ثعلبہ کو شارلیمین کے پاس بھجوا دیا۔ ثعلبہ کی گرفتاری کے بعد اس کی بقیۃ السیف فوج بھاگ گئی اور قرطبہ میں عبدالرحمٰن کے پاس پہنچی اور باغیوں کی قوت و طاقت سے اس کو مطلع کیا۔

ثعلبہ کی گرفتاری کے بعد ہی شاہ فرانس جو اپنی لاتعداد فوج لیے ہوئے جبل البرتات کے اس طرف جنوبی فرانس میں پڑا ہوا تھا روانہ ہوا۔ فوج اس قدر زیادہ تھی کہ جبل البرتات کے ایک درہ میں ہو کر نہیں گزر سکتی تھی لہٰذا اس کے دو حصے کیے گئے اور پہاڑ کے دو مختلف راستوں سے عبور کر کے شہر سرقسطہ کی فصیل کے نیچے دونوں طرف آ کر جمع ہو گئی۔ اس عیسائی لشکر کی کثرت اور اندلس سے اسلامی اثر کے محو کر دینے کی شہرت جب سرقسطہ کے مسلمانوں نے سنی تو انہوں نے سلیمان بن یقظان کو ملامت کی بالخصوص حسین بن عاصی نے بھی اس انجام کو بہت ہی گراں محسوس کیا اور شہر سرقسطہ کے دروازے بند کر لیے شارلیمین کو جب یہ محسوس ہوا کہ مسلمانان سرقسطہ میری امداد و اعانت میں پہلو تہی کریں گے اور امیر عبدالرحمٰن کے آنے پر ممکن ہے کہ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں تو وہ سرقسطہ سے بے نیل و مرام فرانس کی جانب واپس ہوا۔

شارلیمین کے آنے کے وقت ایسٹر یاس کی عیسائی ریاست بھی اس کی حامی و معاون بن گئی تھی۔ اوران پہاڑی عیسائیوں نے شارلیمین کو عیسائیوں کا نجات دہندہ سمجھ کر اس کی فوج کے گزارنے میں مدد کی تھی لیکن جب وہ خوف زدہ ہو کر فرانس کی جانب واپس ہونے لگا تو ان پہاڑی عیسائیوں نے اس کی فوج کے پچھلے حصہ پر چھاپے مارنے شروع کیے اور شمالی میدان میں پہنچنے تک اس کے کئی مشہور و معروف سپہ سالاروں اور فوج کے ایک بڑے حصہ کو قتل کر دیا ان پہاڑی عیسائیوں نے جو پہاڑوں کے اندر خود مختارانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور طاقت کو دم بدم بڑھا رہے تھے شارلیمین کو اس بات کی سزا دی کہ وہ کیوں مسلمانوں سے ڈر کر واپس ہوا۔

جب شارلیمین واپس ہوا تو حسین بن عاصی نے سلیمان بن یقظان کو قتل کر کے خود سرقسطہ کی حکومت اور باغی افواج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے بعد ہی امیر عبدالرحمٰن بھی قرطبہ سے

فوجیں لیے ہوئے سرقسطہ کے سامنے آ پہنچا اور فوراً سرقسطہ پر محاصرہ ڈال دیا حسین بن عاصی نے اظہار اطاعت اور صلح کی درخواست کی۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ سرقسطہ سے فارغ ہو کر امیر عبدالرحمٰن نے شاہ فرانس کے اندلس کی طرف آنے کے جواب میں فرانس کا قصد کیا اور پہاڑی دروں کو باآسانی عبور کر کے فرانس کے میدان میں پہنچ گیا۔ اس موقع پر ایسٹریاس والے عیسائی اپنے پہاڑوں کے گوشوں میں چھپے اور سہمے ہوئے بیٹھے رہے اور انہوں نے اسی کو بہت غنیمت سمجھا کہ امیر عبدالرحمٰن ہماری طرف ملتفت ہی نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے بھی کوئی امیر ان کی طرف ملتفت نہ ہوا تھا حالانکہ اس مرتبہ ان پہاڑی عیسائیوں نے جن کو پہاڑی قزاق سمجھا جاتا تھا شارلیمین کا بہت سا سامان لوٹ لیا اور اس کی فوج کو نقصان پہنچایا تھا۔ اس لیے امیر عبدالرحمٰن نے ان کی طرف متوجہ ہونے یا ان کو نقصان پہنچانے مطلق خیال نہیں کیا۔ بلکہ ان کے وجود کو جو اندلس کے شاہی لشکر کے لیے اب تک موجب تکلیف نہ ہوا تھا غنیمت سمجھا۔

فرانس کے میدانوں میں پہنچ کر امیر عبدالرحمٰن نے فرانس کے نصف جنوبی حصے کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ بہت سے قلعوں کو مسمار کر ڈالا بہت سے شہروں کی شہر پناہیں ڈھادیں اور نہایت عجلت کے ساتھ بہت بڑے رقبے میں تاخت و تاراج کر کے واپس چلا آیا۔ شارلیمین فرانس کی شمالی حدود کی طرف بھاگا تھا وہ اپنے ملک کے اس جنوبی حصے کو حریف کی تاراج سے مطلق نہ بچا سکا۔ امیر عبدالرحمن فرانس میں زیادہ دنوں نہیں ٹھہر سکتا تھا کیونکہ اس کو اپنے ملک کا حال معلوم تھا کہ وہاں بغاوت و سرکشی کا کس قدر سامان موجود ہے۔ لہٰذا وہ فوراً ہی ملک فرانس سے واپس چلا آیا اور قرطبہ میں پہنچ کر مشکل سے چند مہینے گزرے ہوں گے کہ ۱۶۵ھ میں سرقسطہ سے حسین بن عاصی کے باغی ہونے کی خبر آئی۔ عبدالرحمٰن نے غالب بن تمامہ بن علقمہ کو اس بغاوت کے فرو کرنے کے لیے روانہ کیا۔ غالب اور حسین میں قریباً ایک سال تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور یہ ہنگامہ فرو نہ ہوا۔ تب مجبوراً امیر عبدالرحمٰن نے ۱۶۶ھ میں خود قرطبہ سے سرقسطہ کی جانب کوچ کیا اور حسین بن عاصی کو گرفتار کر کے قتل کیا اور سرقسطہ کے باغیوں میں سے بہت سوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور بظاہر اس بغاوت کا خاتمہ کر دیا۔ ان ہنگاموں میں جو کئی سال سے برپا تھے ابوالاسود بوجہ اپنی ناتجربہ کاری کے امارت و سرداری کا مرتبہ باغیوں میں حاصل نہ کر سکا تھا وہ بچ بچا کر کہیں چھپ رہا اور سیاست شاہی سے محفوظ رہا۔ اگرچہ بظاہر باغی سرداروں میں سے اب کوئی ایسا باقی نہ رہا تھا جو علم بغاوت بلند کر سکتا تھا اور عباسی سازشوں کو بھی پورے طور پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ تاہم وہ لوگ جن کے عزیز و اقارب جرم بغاوت اور عبدالرحمٰن کے مقابلے میں مقتول ہو چکے تھے۔ اپنے سینوں کے اندر اپنے مقتول عزیزوں کی یاد اور عداوت کا جوش ضرور چھپائے ہوئے تھے۔ بعض واقعہ پسند لوگوں نے ابوالاسود کو جو مقام قطلونہ میں روپوش تھا۔

خروج پر آمادہ کیا۔ اور ۱۶۸ھ میں اس کے گرد اسی قسم کے ہنگامہ پسند لوگوں کا ایک جم غفیر فراہم ہو گیا عبدالرحمٰن نے اس کو وادیٔ احمر میں شکست دے کر بھگا دیا اور وہ پہاڑوں میں جا چھپا۔ ۱۶۹ھ میں ابوالاسود پھر میدان میں نکلا اور عبدالرحمٰن کے مقابلے میں چار ہزار ہمراہیوں کو قتل کرا کر بھاگ گیا اگلے سال ۱۷۰ھ میں ابوالاسود فوت ہو گیا اور اس کے ہمراہیوں نے جو لٹیروں اور ڈاکوزنوں کی حالت میں تھے اس کے بھائی قاسم بن یوسف کو اپنا سردار بنایا اور بہت جلد ایک عظیم الشان فوج اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی امیر عبدالرحمٰن نے اس پر چڑھائی کی اور سخت پریشانی اور معرکے آرائی کے بعد قاسم بن یوسف کو گرفتار کر کے قتل کیا۔

اسی سال یعنی ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون الرشید تخت نشین ہوا۔ شارلیمین امیر عبدالرحمٰن کے عملوں سے محفوظ رہنے کے لیے امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں صلح کی درخواست کی اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرنی چاہی۔ امیر عبدالرحمٰن نے شارلیمین کی درخواست صلح تو منظور کر لی مگر اس کی بیٹی کو اپنے محل سرا میں داخل کرنے سے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ شارلیمین کی بیٹی حسن و جمال میں بے نظیر اور شہرہ آفاق تھی۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس کو اپنی بیوی بنانے سے غالباً اس لیے انکار کر دیا ہو گا کہ جس طرح شاہ لرزیق کی بیوی انجیلونا نے امیر عبدالعزیز کی حرم سرا میں داخل ہو کر حکومت اسلامیہ کو نقصان پہنچایا تھا۔ کہیں یہ عیسائی شہزادی بھی حرم سرا میں داخل ہو کر موجب خطر ثابت نہ ہو۔ امیر عبدالرحمٰن کی عمر بھی اب ۵۷ برس کی قریب تھی۔ اس عمر میں نئی شادیاں کرنے کا شوق عبدالرحمٰن جیسے ملک گیر و ملک دار اور مصروف الاوقات سلطان کو نہیں ہو سکتا تھا اور ممکن ہے کہ بعض مورخین کا یہ خیال بھی صحیح ہو کہ عبدالرحمٰن کی ران میں جنگ سرقسطہ کے موقع پر ایک ایسا زخم لگا تھا کہ وہ عورت کی مقاربت کے قابل نہ رہا تھا۔ بہر حال عبدالرحمٰن نے شارلیمین کی خطا معاف کر دی اور اس سے صلح کر لی لیکن شارلیمین کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ خلیفہ بغداد عبدالرحمٰن کا دشمن ہے اس لیے باوجود اس کے کہ اس کو خلیفہ بغداد سے کسی امداد کی توقع نہیں ہو سکتی تھی تاہم وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ خلیفہ بغداد عبدالرحمٰن کے سر پر فوجی مہم بھیج سکتا ہے لہٰذا اس نے بغداد کے نئے خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں ایک سفارت روانہ کر کے تعلقات پیدا کرنا چاہے ان دوستانہ تعلقات کے پیدا ہو جانے کی اس کو اس لیے بھی توقع تھی کہ وہ اس سے پہلے ہارون الرشید کے باپ مہدی کی منشاء کے موافق ایک مرتبہ اندلس میں فوج لے کر جا چکا تھا اور اس بات کو جانتا تھا کہ ہارون الرشید ضرور میری دوستی کے لیے محبت کا ہاتھ بڑھائے گا چنانچہ شارلیمین کا خیال صحیح ثابت ہوا اور خلیفہ ہارون الرشید نے شارلیمین کے سفیروں کی بڑی آؤ بھگت کی اور ایک گھڑی شارلیمین کے پاس ہدیتہً بھجوائی۔ شارلیمین کے تعلقات اپنے پڑوسیوں یعنی یورپ کے عیسائی بادشاہوں سے زیادہ گہرے نہ تھے اگر وہ ایسا ہی صلح جو اور الفت پرست ہوتا تو سب سے پہلے یورپ کے عیسائی سلاطین سے محبت و

دوستی کے تعلقات ہی بڑھاتا۔لیکن اتنے دور دراز یعنی بغداد میں سفارت بھیجنے سے اس کی غرض صرف یہ تھی کہ کسی طرح اندلس کی اسلامی سلطنت کے خلاف کوئی تدبیر کارگر ہو سکے اسی طرح ہارون الرشید نے بھی شارلیمین سے دوستی کے تعلقات پیدا کرنے میں سلطنت کی مخالفت مدنظر رکھی تھی۔مگر ان دونوں کے مقاصد پورے نہ ہوئے اور عبدالرحمٰن یا اس کی اولاد کو نہ ہارون الرشید کوئی نقصان پہنچا سکا نہ شارلیمین سے کچھ ہو سکا۔

عبدالرحمٰن کی وفات:

شارلیمین سے صلح ہو جانے کے بعد امیر عبدالرحمٰن کے لیے اب کوئی کام باقی نہ رہا تھا۔کیونکہ بظاہر ملک میں اس کا رعب واقتدار بخوبی قائم ہو چکا تھا اور سرکشوں کو اچھی طرح مسل دیا گیا تھا لیکن پھر بھی امیر عبدالرحمٰن کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔۱۷۱ھ میں اس کے خادم بدر اور اس کے رشتہ داروں اور ہم قوموں نے اس کے خلاف ایک سازش کی اور تخت اندلس پر خود قبضہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے ممکن ہے کہ خلافت عباسیہ کی کسی خفیہ تحریک کا یہ اثر ہو یا اندلس کی روایات قدیمہ نے ان مخلصین کو غداری پر آمادہ کیا ہو بہر حال امیر عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کو یہی سزا دینی مناسب سمجھی کہ ان کو اندلس سے خارج کر کے افریقہ کی طرف بھیج دیا۔اس کے بعد عبدالرحمٰن تمام ان کاموں سے جو جس اس کے ہاتھ سے ہونے والے تھے فارغ ہو چکا تھا۔ربیع الثانی ۱۷۲ھ میں تینتیس سال چار مہینے حکومت کرنے کے بعد ۵۸ یا ۵۹ سال کی عمر میں فوت ہوا۔اور اس کی وصیت کے موافق اس کا بیٹا ہشام تخت نشین ہوا۔

عبدالرحمٰن کی زندگی پر تبصرہ

عبدالرحمٰن بن امیہ کی زندگی کے حالات نہایت مختصر اور مجمل طور پر بیان ہو چکے ہیں لیکن اس عجیب وغریب اور دنیا کے عظیم الشان شخص کی زندگی کا صحیح تصور کرنے کے لیے یہ حالات کافی نہیں ہیں۔ بیس سال کی عمر تک اس کا غالب شغل کتب بینی اور علمی مجالس کی شرکت تھی فنون سپہ گری سے واقف ہونا ضروری ولازمی سمجھا جاتا تھا۔بیس سال کی پر راحت زندگی کے بعد اس زندگی کا ایک ایسا دور آیا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح اپنے آپ کو چھپاتا پھرتا تھا اور روئے زمین کا ہر ایک انسان جو اس کو نظر آتا ہے اپنا قاتل اور خون کا پیاسا جلاد ہی معلوم ہوتا تھا۔اس کے پاس کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تک نہ تھا۔چند سال اس حالت میں گزارنے اور جنگلوں،صحراؤں اور ملکوں میں آوارہ رہنے کے بعد وہ ایک ملک کا مالک اور بادشاہ بن جاتا ہے۔لیکن یہ بادشاہت کوئی تر لقمہ یا شربت کا گھونٹ نہ تھا۔بلکہ

مصیبتوں اور محنتوں کی ایک پوٹ تھی جو اس کے سر پر رکھ دی گئی تھی۔ اگر عبدالرحمٰن کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ شروع ہی میں ناکام ہو کر برباد ہو جاتا۔ مگر عبدالرحمٰن نے عجیب طاقتور دل اور عجیب پست نہ ہونے والی ہمات پائی تھی۔ وہ اندلس میں ایک تنہا اجنبی شخص تھا اس کے ساتھ کسی قوم کو کوئی خصوصی محبت نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس نے جس دانائی مآل اندیشی دور بینی اور ہوشیاری سے کام لیا ہے یہ اسی کا حصہ تھا۔

ساتھ ہی وہ اعلیٰ درجہ کا سپہ سالار اور شمشیر زن سپاہی ثابت ہوا۔ حالانکہ اندلس میں داخل ہونے سے پہلے اس کو سپہ سالاری اور تیغ زنی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اس نے کسی میدان اور کسی لڑائی میں کوئی بھی ایسی غلطی نہیں کی جس پر کوئی تجربہ کار سپہ سالار اعتراض یا نکتہ چینی کر سکے۔ جن لڑائیوں میں اس کے بڑے بڑے تجربہ کار سپہ سالار ناکام رہ جاتے تھے ان مہموں کو عبدالرحمٰن جا کر فوراً سر کر لیتا تھا کسی موقع پر اس کے ہاتھ پاؤں نہیں پھولے اور وہ حواس باختہ نہیں ہوا۔ حالانکہ بارہا اس پر ایسی مصیبتیں نازل ہوئیں اور اس کے خلاف ایسی بغاوتیں مسلسل ہوئیں کہ دوسرا شخص اس کی جگہ ہوتا تو عقل و مذہب کی پابندی میں نہ رہ سکتا۔ یا تو احمقوں کی طرح اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا یا بزدلوں کی طرح ذلیل ہو کر بھاگ جاتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عبدالرحمٰن نے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا کہ اس کی ہمت کی انتہا اور اس کے استقلال کی آخری سرحد کا کسی کو اندازہ ہو سکے اس نے بڑی سے بڑی ہمت دکھائی۔ لیکن اس کے معتدل انداز اور متانت آمیز طرز عمل سے ہمیشہ یہی ظاہر ہوا کہ وہ اس سے بھی بہت بڑھ کر ہمت دکھا سکتا ہے۔

اس نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے اس کی بے وقوفی ثابت ہو سکے بلکہ اس کے ہر ایک کام میں اس قدر دانائی اور دور اندیشی پائی گئی کہ اس سے بڑھ کر دانائی اور دور اندیشی کی کسی سے توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس کی تمام زندگی یعنی مدت حکمرانی ہم کو جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے پر نظر آتی ہے اور کسی کا خیال بھی اس طرف نہیں جا سکتا کہ امیر عبدالرحمٰن نے ملک اندلس میں کوئی ایسا کام بھی کیا ہوگا جس کی ایک پر امن و امان سلطنت کے سلطان سے توقع ہو سکتی ہے۔ مگر جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن نے اندلس میں علوم و فنون کے رواج دینے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی اور اس ملک کے اندر اپنے خاندان کی حکومت کو مستقل بنانے کے لیے علم کے رواج دینے اور تمام ملک میں مدارس قائم کرنے کو سب سے زیادہ ضروری سمجھا تو انسان حیران رہ جاتا ہے اور اس مدبر و مآل اندیش شخص کی فہم و فراست پر عش عش کرنے لگتا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن نے شہر قرطبہ اور اکثر شہروں کی شہر پناہیں تعمیر کرائیں۔ اندلس کے بہت سے شہروں اور قصبوں میں جہاں ضرورتیں تھیں مسجدیں بنوائیں اور شہر قرطبہ میں ایک ایسی مسجد بنوائی جس کا ثواب روئے زمین پر دستیاب نہ ہوا تھا اس مسجد کی تعمیر اگرچہ امیر عبدالرحمٰن اپنی زندگی میں پوری نہیں کر

سکا اور ناتمام ہی چھوڑ کر فوت ہو گیا مگر اس کی بنیاد جس وسیع پیمانے اور خوبصورت طریقے پر اس نے رکھوائی تھی ختم ہونے کے بعد اس کے بانی ہی کی علو ہمت اور بلند نظری پر دلیل ہوئی۔ مسجد قرطبہ کی خوبصورتی اور حسن تدبیر نے بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کی نگاہ میں اس مسجد کو خانہ کعبہ کی طرح باعظمت و مقدس بنا دیا تھا۔ حالانکہ تمام مسجدیں ایک ہی مرتبہ رکھتی ہیں شوق عمارات میں امیر عبدالرحمٰن کا مرتبہ ہندوستان کے شاہجہان سے بڑھ کر ہے تو رائے تدبیر میں وہ ارسطو کا ہمسر نظر آتا ہے۔ ملک اندلس میں اپنی سلطنت قائم کر لینا تیمور و نپولین کی فتوحات سے بہت بڑھ چڑھ کر مرتبہ رکھتا ہے۔

علوم و فنون کی سرپرستی میں وہ ہارون الرشید مامون الرشید سے کم نہ تھا بلکہ ہارون و مامون کے بعد خاندان عباسیہ میں علوم و فنون کے ایسے قدر دان پیدا نہ ہو سکے۔ لیکن عبدالرحمٰن کی اولاد میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جو ہارون و مامون سے بہت بڑھ کر علوم و فنون کے خادم ہوئے اور اسی لیے قرطبہ نے بغداد سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ ابن حیان لکھتا ہے کہ عبدالرحمٰن بڑا رحم دل اور شائستہ مزاج شخص تھا۔ اس کی تقریر نہایت فصیح و بلیغ۔ اس کی قوت مدرکہ نہایت تیز اور نکتہ رس تھی معاملات میں اپنی رائے جلدی قائم نہ کرتا تھا۔ مگر قائم کر لینے کے بعد پورے استقلال اور مضبوطی کے ساتھ اس کی تکمیل و تعمیل کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ مگر اہم معاملات درپیش ہونے پر سلطنت کے تجربہ کار اہل کاروں اور مشیروں سے مشورہ کرتا تھا۔ عبدالرحمٰن جانباز دلاور اور صف شکن بہادر تھا۔ میدان جنگ میں سب سے پہلے خود حملہ آور ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ دوست اور دشمن دونوں کے لیے یکساں ہیبت و جلال ظاہر کرتا تھا۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں خطبہ پڑھتا بیماروں کی عیادت کو جاتا اور عام خوشی کے جلسوں اور شادیوں میں شوق سے شریک ہوتا۔

(تم کلامہ) امیر عبدالرحمٰن کے عہد حکومت میں حسب ذیل اشخاص یکے بعد دیگرے حاجب مقرر ہوئے تھے۔ تمام بن علقمہ۔ یوسف بن بخت۔ عبدالکریم بن محران۔ عبدالرحمٰن بن مغیث۔ منصور خواجہ سرا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اگرچہ بعض اشخاص کو وزارت پر نامزد کیا مگر اس کا کوئی ایک وزیر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس نے اسی کے مشوروں پر عمل کیا ہو۔ اس نے ایک مجلس امراء مقرر کر رکھی تھی جس سے انتظام ملکی میں مشورے لیتا تھا۔ اس مجلس مشورت کے ارکان یہ تھے ابوعثمان، عبداللہ بن خالد، ابوعبیدہ، شہید بن عیسیٰ، ثعلبہ بن عبید، آثم بن مسلم۔

حلیہ اور اولاد:

عبدالرحمٰن نہایت خوبصورت کشیدہ قامت اور چھریرے بدن کا آدمی تھا۔ رنگ بہت صاف اور بال بھورے رنگ کے تھے۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس کی قوت شامہ کمزور تھی۔ مرتے وقت

اس نے نو بیٹیاں اور گیارہ بیٹے چھوڑے۔ جن میں سلیمان سب سے بڑا تھا۔ مگر اس نے ولی عہد اپنے دوسرے بیٹے ہشام کو بنایا تھا۔ سلیمان وہی بیٹا تھا جس کو فرات کے کنارے سے بغل میں لے کر بھاگا تھا مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اندلس میں آنے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا بہر حال مرتے وقت جو بیٹے موجود تھے ان میں سلیمان سب سے بڑا تھا۔ ہشام اپنے بھائی سلیمان سے زیادہ لائق اور تاج و تخت سلطنت سنبھالنے کی زیادہ قابلیت رکھتا تھا۔ اسی لیے عبدالرحمٰن نے اس کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔

نظم و نسق:

ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن کی طبیعت میں مروت و فیاضی کا جوہر تھا لیکن غداروں اور باغیوں نے اس کو سختی و سزادہی پر مجبور کیا اس کا طبعی میلان علم و ادب کی طرف تھا مگر ضرورت نے اس کو نہایت محتاط اور تجربہ کار سپہ سالار بنا دیا تھا۔ عبدالرحمٰن کی ابتدائی عمر دمشق کے انتہائی تکلفات میں گزری تھی مگر مصیبت آئی اور افلاس و غریبی سے پالا پڑا تو اس نے نہایت خوشی اور بلند ہمتی سے سب سب کچھ برداشت کیا۔ ابھی پوری طرح اس کی سلطنت قائم نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے مشرق کے دور دراز علاقوں سے بنو امیہ اور اس کے متوسلین کو اپنے خرچ سے اندلس بلوایا اور ان میں سے ہر ایک اس کے مرتبے کے موافق عہدے اور عزتیں عطا کیں۔ عبدالرحمٰن کی ذکاوت و مآل اندیشی کے دشمن بھی مداح تھے۔ عبدالرحمٰن تمام مصائب و آلام کو خاموشی سے برداشت کر لیتا تھا۔

عبدالرحمٰن نے اپنے ملک مقبوضہ کو چھ صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر ایک صوبہ میں ایک فوجی سپہ سالار رہتا تھا۔ اس سپہ سالار کے ماتحت دو عامل اور چھ وزیر ہوتے تھے ان حکام کے مددگار قاضی اور دیگر حکام ہوتے تھے۔ صدر دفتر قرطبہ کو یہ لوگ تمام ضروری اطلاعات بھیجتے رہتے تھے۔ عبدالرحمٰن ہمیشہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا اس نے ایسے قوانین جاری کیے تھے کہ رعایا خوش حال ہو اور اپنے املاک پر آزادی کے ساتھ بلا مداخلت غیرے قابض و متصرف رہے۔

عبدالرحمٰن کو تعلیم اور علم و ادب کی اشاعت کا خاص طور پر شوق تھا۔ تمام ملک اندلس میں عبدالرحمٰن نے سڑکیں بنوائیں۔ ڈاک کا انتظام کیا ہر پڑاؤ پر گھوڑے رکھے تا کہ جلد از جلد ملک سے دارالخلافہ قرطبہ میں اطلاعات پہنچ سکیں۔

عبدالرحمٰن نے لٹیروں اور ڈاکوؤں کا طاقت و سطوت کے ساتھ بکلی انسداد کر دیا تھا۔ بربری لوگ جو اپنی عادت سے کبھی باز نہ آتے تھے۔ پہلی مرتبہ امیر عبدالرحمٰن ہی کے زمانے میں وہ خاموش ہو کر بیٹھے۔ عبدالرحمٰن اپنے ملک محروسہ کا ہمیشہ دورہ کرتا رہتا تھا۔ تا کہ اپنے عاملوں کا اندازہ کرے کہ وہ اس کی رعایا پر کس طرح حکومت کرتے ہیں۔ جہاں جہاں امیر کا گزر ہوتا وہاں کے محتاجوں اور عسیر الحال

لوگوں کی دستگیری کرتا اور لوگوں کی اصلاح اور فائدے کے کام جاری کرتا۔

امیر عبدالرحمٰن کی فیاضیاں عام تھیں اور سب ان سے مستفیض ہوتے تھے اگر چہ عبدالرحمٰن نے ہر جگہ مسجدیں اور رفاہ عام کی عمارتیں بنوائیں۔ لیکن دارالحکومت قرطبہ کی شان و شوکت بڑھانے کے لیے اس نے خوبصورت عمارتیں بنانے میں زیادہ ہمت و توجہ صرف کی۔ محل شاہی کے صحن میں ایک باغ رصافہ کے نام سے لگایا جو اپنے دادا ہشام کے باغ رصافہ کے نام پر تھا قرطبہ میں ایک ٹکسال قائم کی۔ جس میں دینار و درہم اسی نمونے کے مسکوک کرائے جیسے کہ شام میں رائج اور دمشق میں مسکوک ہوتے تھے۔ دنیا کے ہر حصے سے علماء و فضلاء کو بلایا اور ان کی خوب قدردانی کی۔ علمی تحقیقات اور فلسفیانہ موشگافیوں کے لیے مجلسیں مقرر کیں۔ اپنے بیٹوں کو بہترین طریقہ پر تعلیم دلائی اور ان کو حکم دیا کہ وہ دفتر شاہی اور قاضیوں کی کچہریوں میں حاضر ہو کر معاملات کو دیکھا کریں۔ اہم مقدمات اور سرکاری معاملات کے فیصلے بھی ان شہزادوں کے سپرد کیے جاتے تھے۔

عام لوگوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کے لیے مشاعرے اور مناظرے کی مجلسیں مقرر ہوتیں۔ اچھی نظموں اور علمی مناظروں کی کامیابی پر انعامات دیے جاتے تھے۔ امیر عبدالرحمٰن ان تمام علمی مجلسوں میں خود بھی شریک ہوتا تھا۔ اندلس کی عیش پسند آب وہوا اور مال و دولت کی فراوانی نے امیر عبدالرحمٰن کے سپاہیانہ اخلاق میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا تھا۔ اس کے اتقا اور پرہیزگاری میں کسی وقت تغیر اور کمی محسوس نہیں ہوئی قرطبہ کی مشہور آفاق مسجد کے لیے جو مقام سب سے زیادہ موزوں اور مناسب تھا وہ عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس پر زبردستی قبضہ مناسب نہیں سمجھا۔ جب خود ہی عیسائیوں نے اس کو فروخت کرنا چاہا تو امیر نے اس کو قیمت دے کر خریدا اور شہر کے متعدد مقامات میں ان کو گرجا تعمیر کرنے اجازت دی۔

امیر عبدالرحمٰن میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو ایک عقلمند، سیاست دان اور روشن دماغ بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ جس تاریخ سے امیر عبدالرحمٰن نے تخت اندلس پر قدم رکھا اسی تاریخ سے ملک اندلس خلافت مشرقیہ اسلامیہ کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا لیکن امیر عبدالرحمٰن نے نہایت دانائی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے آپ کو امیر ہی کہلایا اور خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ دس برس کے بعد خطبہ میں اپنا نام داخل کیا عبدالرحمٰن اس بات کو جانتا تھا کہ ملک اندلس میں بہت سے ایسے مسلمان موجود ہیں جو بنوامیہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور عباسیوں سے محبت رکھتے ہیں اور عام طور پر اسلامی سلطنت کا ایک ہی مرکز سمجھتے ہیں جو مشرق میں موجود ہے اگر عبدالرحمٰن اپنے آپ کو خلیفہ کہلاتا تو یقیناً اس کے خلاف تمام مسلمان شمشیر بدست ہو جاتے اور عبدالرحمٰن کو گستاخ اور بے ادب قرار دیتے اندلسی مسلمانوں کی اس حالت کو بتدریج اصلاح پذیر کیا گیا اور عبدالرحمٰن ثالث نے مناسب وقت پر اپنے آپ کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین

کہلایا ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ عبدالرحمٰن کی تقریر نہایت شستہ اور دل آویز تھی۔ نہایت سنجیدہ اور معاملہ فہم اور منتظم شخص تھا۔ کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرتا تھا لیکن جس کام کا ارادہ کر لیتا پھر اس کو بغیر ختم کیے نہیں چھوڑتا تھا۔ لہو ولعب اور ضرورت سے زیادہ آرام کو اپنے پاس تک نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔ سفید لباس اکثر پہنتا حاجت مندوں کو اپنے پاس پہنچنے کے لیے آسانی بہم پہنچانے کی غرض سے دربانوں کو موقوف کر دیا تھا کوئی حاجت مند اگر کھانے کے وقت اپنی درخواست لے کر آجاتا تو اپنے ساتھ ہی دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ دنیا کے ان عظیم الشان انسانوں میں ہے جنہوں نے قوموں کے زندہ کرنے سلطنتوں کے بنانے اور روئے زمین کے حالات میں تغیر عظیم پیدا کرنے میں ایسی محیر العقول طاقتوں کا اظہار کیا ہے کہ آسمان شہرت پر ان کے نام ستارہ بن کر چمک رہے اور زندہ جاوید بن گئے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے حالات پر جو اوپر مذکور ہوئے ہیں پھر ایک مرتبہ غور کرو اور سوچو کہ اس نے کیسا غیر معمولی دل ودماغ پایا تھا سب سے بڑھ کر قابل تعریف چیز امیر عبدالرحمٰن کی سپاہیانہ زندگی تھی کہ مسجد قرطبہ کی تعمیر کے وقت وہ امیر اندلس ہونے پر بھی معمولی مزدوروں کی طرح ان کے ساتھ کام کرنے اور پتھر ڈھونے کو عیب نہیں جانتا تھا۔

ہشام بن عبدالرحمٰن

امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ المعروف بہ عبدالرحمٰن الداخل اگرچہ اپنے آپ کو امیر ہی کہلاتا رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اندلس کا پہلا خلیفہ تھا۔ معنوی طور پر اس کے اندر وہ تمام صفات وشرائط موجود تھے جو ایک خلیفہ کی ذات میں ہونی چاہئیں۔ اس کی اولاد میں عبدالرحمٰن ثالث نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا تھا۔ مگر ہم کو چاہیے کہ ہم اب ہشام اور اس کے جانشینوں کو سلطان یا خلیفہ کے لقب سے یاد کریں۔

ولادت:

سلطان ہشام بن عبدالرحمٰن اپنے باپ کے اندلس میں داخل ہونے کے بعد ۱۳۹ھ میں شوال کے مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ ہشام کی ماں حلل نامی ام ولد کو اندلس کے سابق امیر یوسف فہری نے عارضی صلح کے وقت امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس کو آزاد کر کے نکاح کیا تھا اور اس سے بہت ہی محبت رکھتا تھا۔

تخت نشینی:

۳۲ یا ۳۳ سال کی عمر میں اپنے باپ کی وصیت کے موافق ۱۷۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ جس وقت عبدالرحمٰن بن معاویہ کا انتقال ہوا ہے تو ہشام شہر مریدہ میں بطور گورنر موجود تھا۔ وہیں اپنے باپ کی وفات کا حال سن کر تخت نشین ہوا۔ اور عام طور پر ملک اندلس میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ قرطبہ میں اس کا بھائی عبداللہ موجود تھا۔ اس نے باپ کے بعد محل سرائے شاہی اور دارالسلطنت قرطبہ پر ہشام کے خلاف قبضہ کرلیا۔ ادھر صوبۂ طلیطلہ کا گورنر اس کا بھائی سلیمان تھا۔ ہشام مریدہ سے قرطبہ کی جانب متوجہ ہوا اور معمولی سے مقابلہ کے بعد عبداللہ کو گرفتار کر قرطبہ پر قابض ہوا اور دوبارہ رسم تخت نشینی ادا کی۔ اس موقعہ پر اس نے اپنے بھائی کی خطا معاف کر کے اس کو اپنے مشیروں اور وزیروں میں شامل کرلیا اور اس کی بڑی جاگیر مقرر کردی۔

بھائیوں کی بغاوت:

ملک اندلس میں اگر چہ متضاد عناصر کے لوگ آباد تھے اور اس موقعہ پر کہ امیر عبدالرحمٰن فوت ہوگیا تھا۔ ملک کے اندر بغاوتیں پیدا ہوسکتی تھیں۔ مگر امیر عبدالرحمٰن نے اپنی زندگی میں سرکشوں کو اس طرح زیر کردیا تھا کہ وہ اب اس قابل ہی نہ رہے تھے کہ سر اٹھائیں مگر بجائے ان غیر کف باغیوں کے خود ہشام کے بھائیوں نے علم بغاوت بلند کر کے سلطان ہشام کے عنوان سلطنت ہی میں مشکلات پیدا کر دیں اور بہت جلد لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ولی عہد کے انتخاب میں مطلق غلطی نہیں کی تھی۔ سلیمان نے جو طلیطلہ کا گورنر تھا بغاوت اور اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ ادھر عبداللہ قرطبہ سے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس پہنچ گیا۔ سلطان ہشام نے دونوں بھائیوں کی سرکشی کا حال سن کر درگزر سے کام لیا اور سمجھا کہ چند روز کے بعد یہ خود ہی راہ راست پر آجائیں گے۔

جنگ:

طلیطلہ میں سلیمان کا وزیر غالب ثقفی تھا جو امیر عبدالرحمٰن کا وفادار سردار تھا اس نے ان دونوں بھائیوں کو سمجھایا اور بغاوت سے باز رکھنا چاہا۔ سلیمان و عبداللہ نے غالب ثقفی کو عہدہ وزارت سے معزول کر کے قید کردیا۔ غالب ثقفی کے قید ہونے کی خبر سن کر ہشام نے قرطبہ سے ایک خط لکھا تھا کہ ایسے قدیمی وفادار اور نمک حلال شخص قید کرنا مناسب نہ تھا۔ سلیمان و عبداللہ نے اس سفیر کے سامنے غالب ثقفی کو قید خانے سے بلوا کر قتل کردیا اور کہا کہ جاؤ اس خط کا یہی جواب ہے۔ سلطان ہشام اس جواب کو سن کر قرطبہ سے بیس ہزار فوج لے کر طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا، ادھر سلیمان و عبداللہ دونوں ایک

زبردست فوج لے کر طلیطلہ سے قرطبہ کی جانب روانہ ہوئے، طلیطلہ سے تھوڑے فاصلے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیمان و عبداللہ شکست کھا کر طلیطلہ میں واپس ہو کر قلعہ بند ہو بیٹھے۔ قلعہ طلیطلہ اپنی مضبوطی کے لیے مشہور تھا، اس کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، ہشام نے طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلیمان نے اپنے بیٹے اور عبداللہ دونوں کو طلیطلہ میں چھوڑ کر اور ایک حصہ فوج لے کر قرطبہ کا رخ کیا۔ قرطبہ میں عبدالملک بطور گورنر مقیم تھا۔ عبدالملک نے سلیمان کے آنے کی خبر سن قرطبہ سے کچھ فاصلے پر سلیمان کا استقبال تیر و شمشیر سے کیا۔ سلیمان شکست کھا کر مرسیہ کی طرف بھاگ گیا اور ملک میں جا بجا لوٹ مار مچاتا ہوا پھرنے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان ہشام نے طلیطلہ کے محاصرہ پر ایک سردار کو چھوڑ کر دارالسلطنت قرطبہ کا عزم کیا تاکہ قرطبہ میں بیٹھ کر سلیمان کی نقل و حرکت کی نگرانی اور اس کا بندوبست باآسانی کیا جا سکے۔

بھائیوں کی معافی:

عبداللہ جب طول محاصرہ سے تنگ آ گیا تو اس نے بلاشرط اور بلا جان کی امان طلب کیے ہوئے اپنے آپ کو سلطان ہشام کے قبضہ میں دے دینا گوارا کر لیا۔ چنانچہ وہ محاصرین کی ایک معتمد کی نگرانی میں قرطبہ آ کر دربار سلطانی میں حاضر ہوا۔ سلطان ہشام نے خطا معاف کر دی اور بڑی عزت و محبت کا برتاؤ کیا اور اس بات کے ثابت کرنے کے لیے عبداللہ کی طرف سے سلطان کا دل صاف ہے اس کو طلیطلہ ہی میں جاگیر دے کر رخصت کیا۔

سلیمان نے مرسیہ میں بہت سے آدمیوں کو جمع کر لیا۔ سلطان نے اپنے نوعمر بیٹے حکم کو فوج کا سردار بنا کر مقابلہ پر بھیجا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو سلیمان حکم سے شکست کھا کر بھاگا۔ اس کی تمام جمعیت مقتول و منتشر ہو گئی۔ آخر مجبور ہو کر دو برس تک آوارہ و سرگرداں رہنے کے بعد ۱۷۴ھ میں سلیمان نے سلطان ہشام سے معافی کی درخواست کی۔ سلطان ہشام نے فوراً اس کی درخواست منظور کی۔ اور بھائی کو اپنے دربار میں نہایت عزت و تکریم کے مقام پر جگہ دی۔ سلیمان نے کہا کہ میں ملک اندلس میں اب رہنا پسند نہیں کرتا مجھ کو افریقہ جانے کی اجازت دی جائے۔ ہشام نے بخوشی اس کو اجازت دے دی اور اس کی جاگیر جو اندلس میں تھی ستر ہزار مثقال سونے کے عوض خرید لی۔ سلیمان افریقہ میں پہنچ کر مقیم ہوا اور وہاں عباسیوں کا ایجنٹ بن کر اندلس کو ہمیشہ خط و کتابت کے ذریعہ بغاوت پر آمادہ کرتا رہا۔

فرانس پر حملہ:

بھائیوں کے فتنہ سے فراغت پا کر سلطان ہشام نے چالیس ہزار فوج مرتب کر کے ملک فرانس پر حملہ کیا اور تمام جنوبی فرانس اور شہر ناربون کو جو عرصہ تک صوبہ بونیہ کے مسلمان گورنر کا دارالحکومت رہ چکا تھا اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے امیر عبدالرحمن کے زمانہ میں فرانسیسیوں کے

قبضہ میں تھا پھر فتح کر لیا۔ یہاں سے بے قیاس مال و دولت ہاتھ آیا۔ واپسی میں جبل البرتات کے عیسائیوں سے گستاخانہ حرکات معائنہ ہوئیں۔ یہ عیسائی ریاست مسلمانوں کی کم التفاتی اور عیسائیوں کی چالاکی کے سبب پہاڑ کے گوشہ میں قائم ہو گئی تھی، آج تک اس عیسائی ریاست نے کبھی اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کیا تھا۔ اسی لیے مسلمانوں نے بھی اس کے وجود کو اپنے لیے مضر نہ سمجھ کر اس کو باقی رکھا تھا، اب جبکہ اسلامی لشکر ملک فرانس کو فتح کر کے اور شارلیمین کو مقابلہ سے بھگا کر مع مال غنیمت واپس ہو رہا تھا تو ایسٹریاس کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی فوج کے عقبی حصہ کو اسی طرح چھیڑنا اور لوٹنا چاہا جس طرح انہوں نے شارلیمین کی فوج جبل البرتات میں لوٹ کر اس کے ایک بڑے حصہ کو برباد کر دیا تھا۔ مگر شارلیمین اور ہشام کو فوجوں میں بڑا فرق تھا۔

پہاڑی عیسائیوں کی سرکوبی

سلطان ہشام نے قرطبہ پہنچ کر ۱۷۵ھ میں اپنے وزیر یوسف بن بخت کو ان پہاڑی عیسائیوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ یوسف بن بخت نے ریاست ایسٹریاس پر حملہ کر کے تمام ریاست کو تہ و بالا کر ڈالا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایسٹریاس کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابل ہونا پڑا، مگر وہ بہت بری طرح ہلاک و برباد گئے اور ان کا حاکم برمیوڈر گرفتار کر لیا گیا۔ فتح کے بعد اس پہاڑی علاقہ کو مسلمانوں نے اپنی سکونت کے ناقابل پا کر پھر اسی حاکم دے دیا اور اس سے اطاعت و فرماں برداری اور ادائے خراج کا اقرار لے لیا۔

جنوبی فرانس کے مال غنیمت کے خمس سے مسجد قرطبہ کی تعمیر

جنوبی فرانس اور عیسائی صوبوں سے جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس کا خمس جو سلطان ہشام کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ ۴۵ ہزار اشرفیاں تھیں۔ سلطان ہشام نے یہ تمام روپیہ مسجد قرطبہ کی تعمیر و تکمیل پر خرچ کیا۔

صوبہ اربونیہ کی بغاوت کا استیصال:

عبدالملک نے اس مہم میں ایک اور عجیب حرکت کی جلیقیہ ایسٹریاس، اربونیہ اور جنوبی فرانس کے سرکش عیسائیوں کو جو میدان جنگ میں مسلمانوں نے گرفتار کیے تھے، شہر ناربون میں یہ حکم سنایا کہ تمہاری رہائی اس طرح ہو سکتی ہے کہ شہر ناربون کی شہر پناہ کو گرا کر اس کے پتھر شہر قرطبہ میں پہنچاؤ، چنانچہ

اس عیسائیوں نے شہر کی فصیل کے پتھروں کو قرطبہ پہنچایا، قرطبہ اور ناربون کے درمیان کئی سوکوس کا فاصلہ تھا۔ راستے میں بہت سے دریاؤں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں کو عبور کرنا تھا، ایک ایک قیدی نے ایک ایک چھوٹا پتھر اپنے کندھے پر رکھ لیا جو بڑے تھے ان کو گاڑیوں میں لاد کر قیدیوں نے کھینچا۔ بعض متوسط درجہ کے پتھروں کو دو آدمیوں نے ڈولی کی طرح باندھ کر اور ایک بانس یا لکڑی میں باندھ لٹکا کر اٹھایا۔ اس طرح شہر ناربون کی فصیل کے جس قدر پتھر یہ قیدی اٹھا سکتے تھے اٹھائے اور کوچ و مقام کرتے ہوئے شاہی دستہ فوج کی نگرانی میں قرطبہ تک لائے، ان پتھروں سے مسجد قرطبہ کی مشرقی دیوار کا ایک حصہ تعمیر ہوا عبدالملک نے ان قیدیوں سے یہ مشقت لے کر ان کو حسب وعدہ رہا کر دیا۔ اور عیسائی ریاستیں سزادہی کے بعد اقرار اطاعت لے کر پھر عیسائیوں کے سپرد کر دی گئیں کیونکہ ان شمالی اور پہاڑی علاقوں کو عرب سردار سرد آب و ہوا کے سبب پسند نہ کرتے تھے اور زیادہ قیمتی نہ جانتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان شمالی صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی بہت ہی کم تھی۔ جنوبی اندلس میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی اور یہیں کے عیسائی باشندے بھی زیادہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

مسجد قرطبہ کی تکمیل اور وادی الکبیر کے پل کی از سر نو تعمیر

سلطان ہشام نے اپنے باپ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی مسجد قرطبہ کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے خصوصی توجہ صرف کی۔ ۱۷۵ھ میں سلطان ہشام نے اپنے بیٹے حکم کو صوبہ طلیطلہ کا گورنر مقرر کیا۔ ۱۷۶ھ میں قرطبہ میں دریائے وادی الکبیر کا پل از سر نو تعمیر کرایا۔ یہ امیر سمح نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں تعمیر کرایا تھا۔ اب سلطان ہشام نے اس کو پہلے سے زیادہ وسیع اور مضبوط اور خوبصورت بنوا دیا۔ جب یہ پل بن کر تیار ہوا تو سلطان کے کان میں کسی شخص نے یہ آواز پہنچائی کہ سلطان نے یہ پل اس لیے بنوایا تھا کہ اس کو شغل میں جانے آنے کے لیے آسانی ہو، یہ سن کر سلطان نے مرتے وقت تک اس پر قدم نہیں رکھا، چونکہ عباسی ایجنٹ پوشیدہ طور پر اندلس میں اپنا کام کرتے ہی رہتے تھے، ادھر سلطان ہشام کا بھائی سلیمان افریقہ (مراکش) میں بیٹھا ہوا مسلمانوں اور عیسائیوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ شمال کی جانب شارلیمین جو ہارون الرشید سے دوستی پیدا کر چکا تھا، اسی قسم کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ جلیقیہ کی نوزائیدہ عیسائی ریاست نے فرانسیسیوں اور اندلسی واقعہ پسندوں کی پشت پناہی پر علامات سرکشی ظاہر کرنا شروع کیے۔ سلطان ہشام نے بلا توقف عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث کو بلا کر جلیقیہ کی جانب روانہ کیا۔ لشکر اسلام نے جلیقیہ میں پہنچ کر سرکشوں کو نیچا دکھایا اور ان سے اقرار اطاعت لے کر واپس آیا، ابھی یہ بغاوت فرو نہ ہوئی تھی کہ بربریوں نے متحد ہو کر علم بغاوت بلند

کیا۔ سلطان ہشام نے ان کی سرکوبی پر عبدالقادر بن ایان بن عبداللہ خادم امیر معاویہ کو روانہ کیا۔ عبدالقادر نے سخت معرکہ کے بعد بربری جمعیت کو منتشر اور ہزار ہا کو خاک وخون میں ملایا۔ یہ واقعہ ۱۷۸ھ کا ہے، ۱۷۹ھ میں اہل جلیقیہ نے فرانسیسیوں کے ابھارنے سے پھر سرکشی کا اظہار کیا۔ سلطان نے عبدالملک بن عبدالواحد بن مغیث کو معہ فوج اس طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ علاقہ جلیقیہ میں ہوتے ہوئے ملک فرانس کے اندر داخل ہو کر اس اسلامی لشکر سے ملو جو دوسری طرف سے فرانس میں داخل ہو گا۔ چنانچہ ایک لشکر دوسرے راستہ سے فرانس میں بھیجا گیا، جلیقیہ کے عیسائی رئیس اوفونش نے اسلامی لشکر کی آمد کا حال سن تمام راستے اور شہر خالی کر دیئے اور خود اسلامی لشکر کے آگے آگے پہاڑوں میں بھاگتا اور چھپتا پھرا، چونکہ عبدالملک جلیقیہ میں زیادہ دنوں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ باغی سردار کو مفرور دیکھ کر فرانس کی حدود میں داخل ہوا اور دوسرے اسلامی لشکر سے مل کر ملک فرانس کے اکثر شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے مسمار کیا اور فتح وفیروزی کے ساتھ قرطبہ کی جانب واپس آیا۔

وفات:

ماہ صفر ۱۸۰ھ میں سلطان ہشام بن عبدالرحمٰن نے سات سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد چالیس سال چار ماہ کی عمر میں وفات پائی۔

ہشام کی زندگی پر تبصرہ

مسجد قرطبہ کی تعمیر میں اسی ہزار دینار، امیر عبدالرحمٰن نے صرف کیے تھے اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار سلطان ہشام نے اس مسجد کی تعمیر و تکمیل میں خرچ کیے۔ سلطان ہشام اپنے باپ کی طرح سفید مگر نہایت سادہ اور کم قیمت لباس پہنتا تھا۔ اس کو شکار کا شوق تھا۔ لیکن نہ ایسا کہ امور سلطنت اور دین و ملت کا کاموں میں حارج ہو۔ آخر ایام حیات میں اس کو بھی ترک کر دیا تھا۔ حاجت مندوں کے لیے اس کا دربار ہمیشہ کھلا ہوا تھا۔ مظلوموں کو اپنی دادرسی میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی تھی محتاجوں کی خبر گیری میں وہ خود راتوں کو اپنا آرام ترک کر دیتا تھا، مسافروں کو خود لے جا کر کھانا کھلاتا، اندھیری راتوں میں شہر کے گلی کوچوں میں گشت کرتا اور محتاجوں، بیواؤں، مسکینوں کی دستگیری میں بڑا لطف پاتا۔ چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں سے جو زر جرمانہ وصول کرتا وہ سرکاری خزانہ میں داخل نہ ہوتا بلکہ رعایا ہی کے بہبود کے کاموں میں صرف کیا جاتا، لڑائیوں میں جو لوگ اتفاقاً عیسائیوں کی قید میں چلے جاتے ان کو سرکاری خزانے سے فدیہ دے کر آزاد کرایا جاتا۔

سلطان ہشام نے قسم کھانے کو ایک بھی مسلمان عیسائیوں کی قید میں باقی نہ چھوڑا سب کو آزاد کرالیا تھا۔ اندلس میں ایک مسلمان نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ اس کے ترکہ سے ایک مسلمان قیدی عیسائیوں کی قید سے آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ تمام عیسائی ممالک کو چھان مارا مگر کوئی مسلمان عیسائیوں کی قید میں نہ ملا کیونکہ سلطان ہشام نے تمام مسلمانوں کو پہلے ہی آزاد کرادیا تھا۔

سلطان ہشام ایک مکان خریدنا چاہتا تھا اور اس مکان کے مالک سے گفتگو ہو رہی تھی، اسی اثناء میں سلطان کو معلوم ہوا کہ اس مکان کے قریب رہنے والا ایک شخص اس مکان کو خریدنا چاہتا ہے مگر وہ سلطان کی وجہ سے اس مکان کی خریداری کے ارادہ کو ترک کر چکا ہے۔ یہ سن کر سلطان ہشام نے ایسے تجربہ کار اور دین دار لوگ مقرر کیے تھے جو صوبوں کے عاملوں کے طرز حکومت، عدل و انصاف اور دفاتر کی جانچ پڑتال کرتے اور ہر ایک صوبہ میں جا کر وہاں کی رعایا سے وہاں کے حاکموں کے متعلق شکایات سنتے تھے۔

سلطان ہشام کے عہد حکومت میں قرطبہ کے اندر وہاں کے امیروں اور مالدار لوگوں نے بڑی بڑی خوبصورت اور عظیم الشان عمارتیں بنوائیں جس سے شہر کی رونق اور خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اور علمی مجالس کا سلسلہ تو امیر عبدالرحمٰن ہی کے زمانے سے خوب زور و شور کے ساتھ اندلس میں جاری تھا۔ لیکن سلطان ہشام نے اس علمی ترقیات کے سلسلے کو ترقی دینے کے علاوہ سب سے بڑا یہ کام کیا کہ

مدارس میں عربی زبان کو لازمی قرار دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز میں اندلس کے عیسائی عربی زبان سے واقف ہو کر قرآن مجید اور دین اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کے قابل ہوئے اور بڑی کثرت سے بطیب خاطر اسلام میں داخل ہونے لگے، اور عیسائیوں کی وہ وحشت اور نفرت جو مسلمانوں سے تھی یکسر دور ہو کر اس کی جگہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں تعلقات محبت و مودت قائم ہونے لگے۔ عربی زبان کے لازمی قرار دینے کا اثر اشاعت اسلام کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا۔ عیسائیوں کے اندر مسلمانوں کا احترام پیدا ہوا اور وہ اپنے عقائد و خیالات کی نادرستی و غلطی سے واقف ہونے لگے۔ دونوں قومیں ایک دوسرے کی رعایت کرنے لگیں اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان عام طور پر عیسائی عورتوں سے شادیاں کرنے لگے۔ عیسائیوں نے خود ہی اسلامی لباس پہننا شروع کر دیا۔ سلطان ہشام کے عادات و خصائل اور طرز زندگی میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ بہت مشابہت تھی۔ اندلس کی تمام رعایا نے ہشام کو سلطان عادل کا خطاب دیا، اور اسی نام سے اس کا ہر جگہ ذکر کیا جاتا تھا۔

سلطان ہشام اپنے باپ عبدالرحمٰن سے زیادہ عابد، زاہد اور مذہبی شخص تھا۔ امیر عبدالرحمٰن کی سطوت اور بانیٔ سلطنت ہونے کی حیثیت سے مولویوں اور مولوی مزاج لوگوں کو دربار شاہی میں ایک درجے تک اقتدار حاصل کرنے کا موقعہ دیا تھا لیکن سلطان ہشام کے عہد حکومت میں فقہاء کا اقتدار سب پر فائق تھا۔

اسی زمانے میں فقہا کے الگ مذاہب کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ حضرت امام مالک بن انس رحمتہ اللہ علیہ کی مدینہ میں بڑی شہرت تھی اور حجاز میں فقہ مالکی کی پیروی عام طور پر لوگ کرنے لگے تھے۔ حضرت مالکؒ کی خدمت میں اندلس کے بعض مسلمان آئے اور کچھ عرصہ رہ کر اندلس واپس گئے۔ حضرت مالکؒ نے سلطان ہشام کے حالات سن کر بڑی محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی شخص اگر خلیفۃ المسلمین ہونے کا مستحق ہے تو وہ صرف ہشام بن عبدالرحمٰن ہے۔ امام مالکؒ کا یہ خیال بالکل درست اور بجا تھا کیونکہ ہشام علاوہ عابد و زاہد ہونے کے عقلمند و مدبر اور بہادر بھی تھا، وہ بہادری اور قابلیت، سپہ سالاری میں اپنے باپ کا ہمسر اور زہد و عبادت میں باپ سے بڑھ کر تھا۔

امام مالک کے یہ کلمات عباسیوں کو سخت ناگوار گزرتے تھے اور اسی لیے عباسیوں کے ہاتھوں سے انہوں نے اذیتیں برداشت کیں۔ ہشام کے ابتدائی عہد حکومت میں فرعون بن عباس، عیسیٰ بن دینار اور سعید بن ابی ہند جو ملک اندلس کے مشہور فقہاء اور علماء میں سے تھے حج کے ارادے سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے، ان کے ساتھ اور علماء اور اکابر تھے۔ ان لوگوں کی جب حضرت امام مالک بن انس سے ملاقات ہوئی تو وہ بہت متاثر ہوئے چند روز ان کی صحبت سے مستفیض ہو کر اندلس واپس گئے اور

حضرت امام مالک کے خیالات وعقائد کی اشاعت کرنے لگے۔ ان کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ اندلس کے قاضی القضاۃ ابوعبداللہ زید نے بھی مالکی مسلک کو پسند کیا۔ سلطان ہشام انہیں لوگوں کی سب سے زیادہ قدر ومنزلت کرتا اور انہیں لوگوں کو زیادہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔ لہٰذا سلطان نے بھی حضرت امام مالک کے مذہب کو قبول کر کے حکم دیا کہ ہر سال سرکاری خزانہ سے ان لوگوں کے مصارف برداشت کیے جائیں جو حضرت امام مالک کی خدمت میں فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جائیں چنانچہ نومسلم عیسائیوں اور نومسلموں کی اولاد نے اس طرف زیادہ توجہ کی اور حقیقت یہ ہے کہ ان نومسلموں میں دینی احکام کی پابندی اور عبادات کا زیادہ شوق تھا۔ سلطان ہشام اور شیخ الاسلام ابوعبداللہ کے مالکی مسلک اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کا مذہب مالکی ہو گیا اور تمام ملک میں مالکی فقہ کے موافق قاضیوں کے فیصلے صادر ہونے لگے، ہشام کے عہد حکومت میں صدقات وزکوۃ کتاب وسنت کے بالکل موافق وصول کیے جاتے تھے۔

ولی عہد:

سلطان ہشام نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے حکم کو اپنا ولی عہد بنایا، اور ارکین سلطنت سے حکم کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ اس موقع پر حکم کو مخاطب کر کے ہشام نے مندرجہ ذیل کلمات بطور وصیت فرمائے۔

"تم عدل وانصاف کے قائم رکھنے میں امیر وغریب کا مطلق امتیاز نہ کرنا۔ اپنے ماتحتوں سے رعایت اور مہربانی کا برتاؤ کرنا۔ اپنے صوبوں اور شہروں کی حفاظت وحکومت پر وفادار اور تجربہ کار لوگوں کو مامور کرنا، جو عامل رعایا کو بلاوجہ ستائے اس کو سخت سزا دینا۔ فوج پر اپنا اقتدار مضبوطی اور اعتدال کے ساتھ قائم رکھنا۔ اور اس بات کا بھی لحاظ رکھنا کہ فوج کا کام ملک کی حفاظت کرنا ہے، ملک کو تباہ کرنا نہیں۔ فوج کو تنخواہ ہمیشہ وقت پر دینا اور جو وعدہ کرو اس کو ضرور پورا کرنا۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرنا کہ رعایا تم کو محبت کی نگاہ سے دیکھے، رعایا کو زیادہ ڈرانا اور خوف زدہ بنا کر رکھنا استحکام سلطنت کے لیے مضر ہے۔ اسی طرح رعایا کا بادشاہ سے متنفر ہونا نقصان رساں ہے۔

کاشت کاروں کے حال سے کبھی بے خبر نہ ہونا۔ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ فصلیں تباہ اور خراب نہ ہونے پائیں اور چراگاہیں برباد نہ ہو جائیں تمہارا مجموعی طرز عمل ایسا ہو کہ تمہاری رعایا تم کو دعائیں دے اور تمہارے زیر سایہ خوشی اور خرمی سے اپنی زندگی گزارے۔ اگر تم نے ان باتوں کو ملحوظ رکھا تو تم شاندار بادشاہ کی فہرست میں شامل ہو سکو گے۔

سلطان ہشام کا تمام عہد حکومت لڑائیوں اور چڑھائیوں میں گزرا لیکن جب اس کے مذہبی،

علمی، اخلاقی، معاشرتی کارناموں پر غور کیا جائے تو اس بات کا تصور دشوار ہو جاتا ہے کہ سلطان ہشام نے جنگی کارنامے بھی کیے ہوں گے اور بڑے بڑے بادشاہوں کو نیچا دکھایا ہوگا، کثیر التعداد بغاوتوں کو فرو کیا ہوگا، اور ہر ایک میدان میں فتح پائی ہو گی۔ بہر حال ملک اندلس میں خاندان بنوامیہ کی حکومت و سلطنت وخلافت کے قائم ہونے اور قائم ہو کر تین سو برس تک باقی رہنے کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ ہے کہ امیر عبدالرحمٰن بانیٔ حکومت اندلس کے بعد ہشام جیسا ہمہ صفت موصوف سلطان تخت اندلس کا وارث و مالک ہوا۔ اگر سلطان ہشام کی جگہ کوئی دوسرا کم قابلیت والا سلطان ہوتا تو خاندان عبدالرحمٰن بن معاویہ میں سلسلہ سلطنت کا قائم ہونا بے حد دشوار تھا۔ افسوس ہے کہ سلطان ہشام کی مدت سلطنت بہت تھوڑی رہی یعنی صرف سات برس اور آٹھ مہینے اس نے حکومت کی۔ تاہم اس کی تلافی اس طرح ہو گئی کہ ہشام کے بعد حکم بن ہشام بھی ایک نہایت موزوں شخص تھا جو تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔

حکم بن ہشام

حکم بن ہشام اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۸۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی بہت بڑی بغاوت نے سر ابھارا۔

حکم کے چچا سلیمان اور عبداللہ کی بغاوت

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلطان ہشام کا بھائی سلیمان افریقہ (مراکش) میں مقیم تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سلیمان خط و کتابت کے ذریعہ اندلس کے اندر بھی مادہ بغاوت پیدا کرنے میں مصروف تھا۔ ہشام کا دوسرا بھائی عبداللہ طلیطلہ کے متصل اپنی جاگیر میں مقیم تھا۔ سلطان ہشام کی وفات کا حال سن کر عبداللہ فوراً طلیطلہ سے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس گیا جو مراقش کے شہر تنجیر میں مقیم تھا۔ اور اس کے پاس بربریوں اور ڈاکہ زنوں کی ایک کافی تعداد موجود تھی۔ وہاں کے علاقے کو ان لوگوں نے اپنی لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا جولاں گاہ بنا رکھا تھا۔ تنجیر میں دونوں بھائیوں نے سلطنت پر قبضہ کرنے کا مشورہ کیا۔ شارلیمین بادشاہ فرانس سے اور دوسرے سرحدی رئیسوں سے پہلے ہی سلیمان نے ساز باز کر رکھا تھا۔ اب تجویز یہ قرار پائی کہ عبداللہ خود شارلیمین کی خدمت میں فرانس جائے اور اس کو اندلس پر حملہ کرنے کی ترغیب دے۔ یعنی بادشاہ فرانس کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اندلس پر فوج کشی کر کے اس بغاوت کو جو ہم اندرون ملک میں برپا کریں گے کامیاب بنا دے۔ عبداللہ شارلیمین کے پاس گیا۔ وہاں شارلیمین نے وعدہ کیا اور ایک جرار فوج مرتب کر کے اپنے بیٹے کی سپہ سالاری میں سرحد

اندلس پر روانہ کر دی۔ عبداللہ نے واپس آ کر طلیطلہ کے عامل کو اپنے حسب منشا بغاوت پر آمادہ کر کے طلیطلہ پر خود قبضہ کر لیا۔ طلیطلہ اندلس کا قدیمی دارالسلطنت یعنی شاہان وزیگاتھ کا دارالحکومت تھا، یہاں عیسائیوں کی آبادی بہت زیادہ تھی اور مسلمان بھی وہ نومسلم تھے جو اپنے عیسائی بزرگوں اور قدیمی عیسائی بادشاہ کے افسانوں کو فخریہ بیان کرنے اور یاد رکھنے کے عادی تھے۔ اس لیے طلیطلہ کے عیسائیوں اور عیسائیوں کے ہم قوم نومسلموں کو بڑی آسانی سے بغاوت پر آمادہ کیا جا سکتا تھا، یہاں امیر عبدالرحمٰن کو بھی بہت عزت ومحبت کے ساتھ یاد کیا جاتا اور عبدالرحمٰن کے بیٹے عبداللہ کو بمقابلہ عبدالرحمٰن کے پوتے حکم کے زیادہ مستحق تکریم سمجھا جاتا تھا۔ غرض ایسے بکثرت اسباب موجود تھے کہ عبداللہ کو طلیطلہ پر قبضہ کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ ادھر سلیمان بن عبدالرحمٰن نے مراقش سے اندلس کے صوبہ بلنسیہ میں پہنچ کر اپنے آپ کو خاندان سلطنت میں سب سے زیادہ مستحق اور بڑی عمر کا شخص ہونے کی وجہ سے مستحق سلطنت بتا کر اپنی امارت وسلطنت کا اعلان کر دیا، اور اس صوبہ میں اپنا عمل دخل بٹھا دیا۔

سلیمان وعبداللہ کے اعلان بغاوت کے متصل ہی حسب قرارداد شارلیمین کے بیٹے نے جبل البرتات سے گزر کر اندلس کے میدان میں قدم رکھا اور کئی شہروں کو فتح کرنے کے بعد برشلونہ کا محاصرہ کر لیا۔ برشلونہ کے عامل زید نے شارلیمین کی اطاعت قبول کر لی مگر قلعہ کے اندر فرانسیسی فوج کو داخل نہیں ہونے دیا، ادھر ایکیوٹین کی ریاست کے فرماں روا مسمی لوئی نے جبل البرتات کے مغربی حصہ کو عبور کر کے اندلس کے شمالی ومغربی علاقے کو تاخت وتاراج کر ڈالا اور لاردہ ووشقہ پر قابض ہو گیا۔ اندرون ملک سلیمان وعبداللہ نے ملک کے نہایت اہم اور مرکزی شہروں اور صوبوں پر قبضہ کر لیا اور شمال کی جانب سے عیسائیوں نے زبردست حملہ کر کے شمالی اندلس کو تہ وبالا کر دیا۔ یہ خطرات معمولی نہ تھے اور اندلس کے ہاتھ سے نکل جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔

حکم کی مدافعت:

سلطان حکم بن ہشام نے سب سے پہلے طلیطلہ کی بغاوت کا حال سنا اور فوراً فوج لے کر طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں عبداللہ نے مدافعت میں مستعدی دکھائی۔ ابھی اس محاصرہ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا کہ شمالی اندلس کے قبضہ سے نکل جانے اور عیسائیوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع پہنچی۔ سلطان حکم نے عیسائی حملہ کو اپنے چچاؤں کی بغاوت سے زیادہ اہم اور خطرناک سمجھ کر طلیطلہ سے محاصرہ اٹھا کر فوراً شمال کی جانب کوچ کر دیا۔ حکم کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر شارلیمین کی افواج برشلونہ اور نواح برشلونہ سے نہایت عجلت کے ساتھ فرار ہو گئیں اور اس طرح فرار ہوئی کہ راستے میں کسی جگہ انہوں نے ٹھہرنا اور دم لینا مناسب نہیں سمجھا بلکہ فرانس ہی میں جا کر دم لیا۔ اس کے بعد سلطان حکم وشقہ اور لاردہ کی جانب متوجہ

ہوا۔ وہاں کی عیسائی افواج بھی قتل و غارت کے ہنگامے برپا کرنے کے بعد سلطان کا علاقہ عیسائیوں سے خالی کرا کر کوہ پیری نیز جبل البرتات کے شمال میں پہنچ کر فرانس کے جنوبی حصہ کو تاخت و تاراج کیا اور شہر ناربون کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ ادھر حکم عیسائیوں کے تعاقب میں فرانس تک پہنچ گیا۔ ادھر عبداللہ اور سلیمان نے موقعہ پا کر اندلس کے شہروں پر قبضہ کرنا اور سلطان حکم کے عاملوں کو بے دخل کرنا شروع کیا۔ یہ دونوں بھائی فتوحات کرتے ہوئے دریائے ٹیکس پر ایک دوسرے سے آ ملے مگر اس کے بعد انہوں نے اپنی فتوحات کو جاری نہیں رکھا۔ بلکہ دونوں اس بات کے خواہشمند تھے کہ فرانسیسی حکم پر غالب آ جائیں اور حکم کا وہیں خاتمہ ہو جائے تو ہم تمام ملک اندلس پر قابض و متصرف ہو کر اپنی حکومت شروع کریں، اسی طرح حکم کے عامل بھی اسی انتظار میں اپنی اپنی جگہ خاموش اور متامل تھے کہ دیکھیے حکم کے اس عاجلانہ حملہ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر خدانخواستہ حکم فرانس میں مارا جاتا تو تمام عامل بخوشی سلیمان و عبداللہ کی اطاعت قبول کر لیتے۔ کیونکہ یہ دونوں امیر عبدالرحمٰن کے بیٹے تھے۔ مگر فرانس میں جب حکم داخل ہوا تو وہاں کی افواج پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اس کے آگے ہر مقام پر بھاگتی ہوئی نظر آئیں ممکن تھا کہ حکم اس ملک کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کرتے اور اپنے عامل مقرر کرنے کی کوشش کرتا اور کچھ روز فرانس میں گزارتا۔ لیکن اس کو معلوم تھا کہ اندلس کے اندر کیسے طاقتور دشمن موجود ہیں اور وہاں اس کی غیر موجودگی کس قدر مضر ثابت ہو سکے گی چنانچہ وہ عیسائیوں کو خوف زدہ بنا کر فوراً ہی اندلس کی جانب لوٹا۔

سلیمان و عبداللہ کا انجام

سلیمان و عبداللہ نے اپنی طرف سے عبیدہ بن عمیرہ کو طلیطلہ کا گورنر مقرر کر کے اور خود فوجیں لے کر حکم کو آگے بڑھ کر روکا۔ حکم کے فتح مند واپس آنے سے ان دونوں کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں۔ مقابلہ ہونے پر دونوں نے شکست کھائی اور فرار ہو کر اندلس کے مشرقی کوہستان میں جا کر پناہ لی۔ سلطان حکم نے عمرو بن یوسف اپنے ایک سردار کو تو طلیطلہ کے محاصرہ پر مامور کیا اور خود سلیمان و عبداللہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ کئی مہینے تک سلیمان و عبداللہ پہاڑوں میں حکم کو پریشان کرتے ہوئے پھرے اور کہیں مقابلہ نہ ہوا۔ آخر وہ مرسیہ کے اسی میدان میں نکلے۔ جہاں چند روز پہلے بحالت شہزادگی حکم نے سلیمان کو شکست دی تھی۔ ادھر سلطان حکم بھی مقابلہ پر پہنچ گیا۔ دونوں فوجوں نے خوب جم کر اور جی توڑ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ آخر ایک تیر سلیمان کے آ کر لگا اور اس کا کام تمام ہو گیا، سلیمان کے مارے جاتے ہی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے عبداللہ نے فرار ہو کر بلنسیہ میں جا کر قیام کیا اور سلطان حکم کے پاس عفو تقصیرات کی درخواست بھیجی۔ حکم نے چچا کی اس درخواست کو فوراً منظور کر کے یہ شرط پیش کی کہ آپ

اپنے دونوں بیٹوں اصبغ اور قاسم کو میرے پاس بطور ترغمال چھوڑ دیں اور اندلس سے روانہ ہو کر مراقش کے مقام تنجیر میں جائیں اور وہیں قیام کریں۔ عبداللہ نے فوراً اس کی تعمیل کی تنجیر میں جا کر مستقل سکونت اختیار کی۔ حکم اپنے دونوں چچازاد بھائیوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتا رہا، اور چھوٹے بھائی کو شہر مریدہ کا عامل مقرر کر کے بڑے کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ ادھر سلطان حکم سلیمان وعبداللہ کے تعاقب میں مصروف تھا، ادھر عمر بن یوسف نے شہر طلیطلہ کو فتح کر کے عبیدہ بن عمیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اپنے بیٹے یوسف بن عمر کو طلیطلہ کا حاکم مقرر کر کے خود عبیدہ کا سر لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بعد سرقسطہ میں بغاوت نمودار ہوئی۔ عمر بن یوسف اس طرف گیا اور وہاں کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر اس بغاوت کو فرو کیا۔ ان تمام خطرناک بغاوتوں کا سلسلہ ۱۸۱ھ میں شروع ہوا تھا، اب تین برس کے بعد ۱۸۴ھ میں فرو ہوا اور تمام ملک اندلس میں امن واطمینان اور سکون نظر آنے لگا۔

عیسائیوں کی ایک منظّم سازش

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ان بغاوتوں کے شروع میں امیر حکم عیسائیوں کو سزا دینے کے لیے فرانس میں داخل ہوا تھا، اور عیسائی افواج اس کے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکی تھیں۔ اس تین سال کے عرصہ میں کلیساؤں نے اپنی یتیم وزبوں حالت کو محسوس کر کے مسلمانوں کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے نہایت موزوں اور صحیح تدابیر سوچیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلسلۂ جبل البرتات کے مغربی حصہ میں جہاں خلیج بسکی، صوبہ جلیقیہ اور فرانس کی حدود ملتی ہیں۔ ایک ریاست عیسائیوں کی ریاست ایسٹریاس کے نام سے قائم ہو چکی تھی، یہ ریاست پہلے کی نسبت صوبہ جلیقیہ کے میدانوں تک وسیع ہو چکی تھی۔ ایک زبردست ریاست جبل البرتات کے مشرقی حصے کے شمال اور فرانس کے جنوب میں گاتھ قوم کے سرداروں نے اندلس سے خارج ہو کر قائم کر لی تھی، یہ ریاست خوب طاقتور تھی اور ریاست ایکیوٹین کے نام سے مشہور تھی۔ ادھر ملک فرانس میں سب سے زیادہ وسیع ملک پر ایک قدیمی سلطنت قائم تھی جس کا بادشاہ شارلیمین تھا۔ اس کے علاوہ صوبہ برشلونہ، اراگون، اربونیہ اور خلیج بسکی کے جنوبی ساحل یعنی جلیقیہ وغیرہ میں سرکش عیسائیوں کی غالب آبادی تھی۔ مسلمان برائے نام اس طرف کہیں کہیں آباد نظر آتے تھے، ان شمالی علاقوں کی حکومت ہمیشہ معرض خطرہ میں رہتی تھی اور عیسائی قبائل جب کبھی اپنے مسلمان حاکموں کو کمزور دیکھتے تھے تو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے یا آمادہ کیے جا سکتے تھے۔

سلطان حکم کو اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے میں مصروف دیکھ کر عیسائیوں نے ایک زبردست کونسل یا مجلس مشورت شہر ٹولور میں منعقد کی۔ اس مجلس میں مذکورہ بالا تمام عیسائی ریاستوں اور

حکومتوں کے سردار، اندلس کے شمالی حصوں کے عیسائی امراء سب جمع ہوئے اور ایک زبردست عیسائی اتحاد مسلمانوں کے خلاف قائم کیا گیا۔ ایکیوٹین اور فرانس کے بادشاہوں میں صلح قائم ہوئی، اسی طرح ایسٹریاس کی ریاست نے جواب تک سب سے الگ اور بے تعلق تھی اس اتحاد میں شرکت کی اور جبل البرتات کے جنوب اور اندلس کے شمال میں جہاں سرکش اور جنگ جو عیسائیوں کی غالب آبادی تھی۔ عیسائی ریاستیں قائم کرنے کی تجاویز سوچی گئیں۔ مسلمانوں نے بارہا جبل البرتات کو طے کیا اور فرانس کے میدانوں میں اپنے گھوڑے دوڑائے۔ لیکن فرانسیسیوں کو جبل البرتات کا عبور کرنا ہمیشہ دشوار اور نقصان رساں ثابت ہوا۔

مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ایک جدید ریاست کا قیام

شارلیمین شہنشاہ فرانس نے جنوبی فرانس کا ایک ٹکڑا جو جبل البرتات کے دامن میں تھا الگ کر کے ایک چھوٹی سی جدید ریاست قائم کی اور وہاں کا حاکم فرانس کا ایک رئیس بوریل نامی مقرر کیا گیا۔ اس ریاست کا نام "گاتھک مارچ" رکھا گیا، اور اس کے رئیس کو خود مختار حاکم قرار دے کر اس امر کی ہدایت کی گئی کہ وہ مسلمانوں کے لیے جبل البرتات کو ناقابل گزر بنائے اور ان کے روکنے کے لیے ہمیشہ مستعد و تیار رہے۔ اس ریاست کو بادشاہ ایکیوٹین کی سرپرستی میں دے دیا گیا۔ جبل البرتات کے دامن میں جابجا مناسب موقعوں پر زبردست قلعے تعمیر کیے گئے اور اندلس کے شمالی عاملوں کے ساتھ تعلقات اور دوستی پیدا کرنے کے ذرائع اس امید پر سوچے گئے کہ ان کو بغاوت پر باآسانی آمادہ کیا جا سکے۔ ان تمام عزائم اور تیاریوں کی اطلاع خلیفہ بغداد کو بھی دی گئی اور ہارون الرشید کی طرف سے دوستی بڑھانے اور تحف و ہدایا بھیجنے کے ذریعہ ہمت افزائی ہوئی۔ اس نئی ریاست گاتھک مارچ نے جبل البرتات کے مشرقی و جنوبی حصے پر قبضہ جما لیا اور شمالی اندلس کے عیسائیوں نے اس کے لیے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی۔ غرض یہ نئی ریاست ایسٹریاس کی ریاست کے نمونہ پر ایک پہاڑی ریاست بن گئی اور اسی طرح اس ریاست کے طاقتور بنانے کو بھی مذہبی کام قرار دیا گیا۔ وہ عیسائی جو ایکیوٹین، ایسٹریاس یا فرانس کی حکومتوں اور حاکموں سے کسی سبب سے ناراض و ناخوش تھے وہ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کی حکومت میں آ کر آباد ہوتے، اس نئی ریاست میں آ کر آباد ہونے لگے اور کوہی علاقہ جو بالکل ویران و غیر آباد پڑا ہوا تھا، آباد اور پر رونق ہونے کے علاوہ طاقتور بھی خوب ہو گیا۔

غدار مسلم عاملوں کی عیسائیوں کی ہمت افزائیاں

۱۸۴ھ کے آخر میں حکم کو مشکل سے اطمینان حاصل ہوا تھا کہ چند ہی روز کے بعد ۱۸۵ھ میں عیسائیوں نے شمالی اندلس میں پھر ہلچل پیدا کر دی۔ اور بعض شمالی شہروں کے عاملوں نے شارلیمین کو خلیفہ بغداد کا دوست اور ایجنٹ سمجھ کر اور اس کی حمایت واعانت کو جائز جان کر سلطان حکم کے خلاف آمادہ ہو جانا ہی ثواب کا کام سمجھا۔ کیونکہ سلطان حکم کی مذہبیت اور دین داری پر عام لوگوں کو شک تھا اور اکثر اس پر اعتراضات ہوتے رہتے تھے اس موقع پر ان جاسوسوں نے بھی جو خلیفہ بغداد کی طرف سے اندلس میں مامور تھے، کام کرنے کا خوب موقع پایا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ وشقہ، گیرون، لون، لریدہ، اور ترکونہ وغیرہ شمالی شہروں کے عاملوں نے شہنشاہ فرانس کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر کے سلطان حکم کی فرماں برداری سے انکار اور شارلیمین کے احکام کی اطاعت کا اقرار کیا۔ اس طرح یکا یک ریاست گاتھ مارچ اندلس کے شمالی میدانوں میں وسیع ہو کر اور ان مسلمانوں کو مطیع پا کر خوب طاقتور اور مضبوط ہو گئی۔

اسی طرح جلیقیہ اور ساحل بسکی کے عاملوں نے جس میں حاکم سرقسطہ بھی شامل تھا۔ عیسائی سلاطین کی اطاعت کا اعلان اور حکم سے بغاوت کا اظہار کیا۔ اس نئی مصیبت کے مقابلے کو سلطان حکم خود اس لیے قرطبہ سے حرکت نہ کر سکا کہ یہاں دارالحکومت کی بھی ہوا خراب ہو رہی تھی اور ضرورت تھی کہ سلطان دارالحکومت میں مقیم رہ کر بغاوت وسرکشی کے ان جراثیم کا علاج کرے جو ملک کے گوشہ گوشہ میں سرایت کر گئے تھے اور جن کو خود سلطان کے رشتہ داروں اور مسلمانوں نے تقویت پہنچائی تھی۔ سلطان نے شمالی حصہ ملک کے بچانے اور عیسائیوں کے قبضے سے نکالنے کے لیے اپنے سپہ سالار ابراہیم کو روانہ کیا۔ ابراہیم نے اول جلیقیہ وسرقسطہ کی جانب فوج کشی کی اور اس علاقے کو بہت سی لڑائیوں اور خوں ریزیوں کے بعد عیسائیوں سے واپس چھینا۔ باغی عامل عیسائی فوج اور عیسائی باشندوں کے ساتھ بھاگ بھاگ کر شارلیمین کے پاس فرانس پہنچے اور ان کو اندلس پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ ابراہیم بھی جلیقیہ وسرقسطہ وغیرہ کی طرف اس طرح مصروف ہوا کہ اندلس کے شمالی ومغربی حصے کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ ان مسلمان عاملوں نے جو شارلیمین کے پاس پہنچ گئے تھے، اس کو مشورہ دیا کہ اندلس کے قدیمی گاتھک دارالسلطنت کو آپ باآسانی قبضہ میں لا سکتے ہیں، اور ہم اس کام میں آپ کی رہنمائی اور امداد کرنے کو موجود ہیں۔ مسلمان عاملوں کی اس ہمت افزائی نے عیسائیوں کے حوصلوں کو بہت بلند کر دیا۔ چنانچہ ایک مجلس مشورت فرانس میں منعقد ہو کر یہ قرار پایا کہ ریاست گاتھک مارچ کی حدود میں برشلونہ کی بندرگاہ کو بھی ضرور شامل کر لیا جائے۔ برشلونہ کا عامل زید بھی شارلیمین اور کونٹ لوئی سے خط وکتابت رکھتا

اور ان کی طرف داری کا اقرار کر چکا تھا۔ چنانچہ ۱۸۸ھ کے آخر ایام میں عیسائی فوجیں گاتھک مارچ کی فوجوں کے ساتھ شامل ہو کر اندلس کے شمالی و مشرقی صوبہ کو پامال کرتی ہوئی برشلونہ تک پہنچیں، یہاں کے عامل زید نے ان فوجوں کے آنے پر برشلونہ کے دروازوں کو بند کر لیا اور عیسائیوں کے قبضے میں دینے سے صاف انکار کر دیا۔ عیسائی افواج نے برشلونہ کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائیوں نے برشلونہ کے مضافات کو تباہ و برباد کر کے محاصرہ میں سختی سے کام لیا۔ زید کو کوئی امداد کسی طرف سے نہیں پہنچی۔ آخر برشلونہ پر عیسائیوں نے اس شرط کے ساتھ قبضہ پالیا کہ وہ مسلمانوں کو وہاں سے اپنے اسباب منقولہ کے ساتھ نکل جانے دیں گے۔ مسلمانوں نے برشلونہ کو خالی کر دیا، عیسائی فوجیں اس میں داخل ہوگئیں اور شاہ ایکیوٹین نے قلعہ برشلونہ کو خوب مضبوط کر کے وہاں ایک گورنر مقرر کر دیا۔ یہ نو مفتوحہ تمام علاقہ گاتھک مارچ کی ریاست میں شامل ہو گیا۔ اسلامی فوجوں کے لیے شمالی اندلس میں اب دو محاذ جنگ قائم ہو گئے ایک ریاست ایسٹریاس اور صوبہ جلیقیہ کی سرکش عیسائی آبادی کا جن کو فرانس کی جانب سے برابر امداد پہنچتی رہتی تھی، دوسرا گاتھک مارچ اور برشلونہ کے علاقے کی باغی عیسائی رعایا کا جن کو ابھی فرانس کی جانب سے امداد پہنچ رہی تھی۔ ادھر جنوب میں سازشوں کا جال پھیلا ہوا تھا اور مسلمان مولویوں نے نہایت سخت مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ فوجیں جو عیسائیوں کی مدافعت کے لیے روانہ کی گئیں وہ کسی ایک ہی محاذ پر عیسائیوں کے مقابلہ میں مصروف رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ صوبہ جلیقیہ کی طرف جا کر انہوں نے عیسائیوں کو ہزیمت دی تو دوسرا محاذ خالی رہا اور برشلونہ قبضہ سے نکل گیا۔ اسی طرح اگر وہ برشلونہ کی طرف متوجہ ہوتیں تو سرقسطہ وغیرہ پر عیسائیوں کا قبضہ قائم رہتا اور وہ مزید پیش قدمی کرتے۔

۱۸۹ھ میں اندلس کے مسلمان باغی عاملوں نے عیسائیوں کو ترغیب دے کر طلیطلہ پر حملہ کرایا، عیسائیوں نے برشلونہ اور شمالی شہروں سے طلیطلہ کی طرف حرکت کی، ادھر یوسف بن عمر نے مدافعت پر مستعدی ظاہر کی، آخر عیسائیوں نے طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا اور شہر طلیطلہ اور اس کے نواح کی عیسائی آبادی نے حملہ آوروں کے لیے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچا کر یوسف بن عمر طلیطلہ کو عیسائیوں کے ہاتھ میں گرفتار اور عیسائیوں کا طلیطلہ پر قبضہ کرا دیا۔ عیسائیوں نے یوسف بن عمر کو صخرہ قیس میں قید کر دیا اور ملک اندلس کے قدیمی دارالسلطنت پر قابض ہو کر بے حد مسرور ہوئے۔ طلیطلہ کی خبر یوسف عمر کے باپ عمر بن یوسف کو پہنچی تو وہ سرقسطہ کی جانب سے ایک جرار فوج لے کر طلیطلہ کی جانب چلا۔ یہاں آ کر معرکہ عظیم کے بعد طلیطلہ کو فتح کیا، یوسف بن عمر کو آزاد کرایا اور عیسائیوں کو وہاں سے مار بھگایا۔ طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ کرانے میں باشندگان طلیطلہ نے جن میں زیادہ تر عیسائی ہی تھے۔ زیادہ موثر کوشش کی تھی۔ لہٰذا سب سے زیادہ عتاب وعذاب دمستحق عیسائیانِ طلیطلہ ہی تھے، جنہوں نے طلیطلہ کی حکومت کو بے حد مخدوش بنا رکھا تھا۔ مگر عمر بن یوسف نے دوراندیشی اور ہوشیاری سے کام لے کر ان غداروں کو کچھ نہیں کہا اور جو

جو عذرات باردہ پیش کیے سب کو منظور کر کے ان کو مطمئن بنا دیا۔

حکم کی مخالفت کے اسباب:

سلطان حکم اگر چہ بہادر شخص تھا مگر جب سے اس کی حکومت شروع ہوئی تھی، لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری تھا اور اندلس کی سلطنت کے بعض حصے کٹ کٹ کر عیسائیوں کے قبضے و تصرف میں جا رہے تھے۔ عیسائی طاقتور اور مسلمان کمزور ہوتے جاتے تھے، اس کا سب سے بڑا سبب خود مسلمانوں کی خانہ جنگی اور ناعاقبت اندیشی تھی۔ حکم کے رشتہ داروں نے حکم کی مخالفت اور خود حکومت حاصل کرنے کی کوشش میں تیغ و تیر سے کام لینے میں جس طرح تامل نہیں کیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے خفیہ سازشوں اور بغاوتوں کے برپا کرانے کی کوشش میں بھی دریغ نہیں کیا۔ اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ عیسائیوں کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی۔ دوسرے دشمن عیسائی تھے جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اندلس کی اسلامی سلطنت کو کمزور کرنے کے لیے آپس میں متحد ومتفق ہو چکے تھے۔ تیسرے دشمن عباسی تھے جن کی طرف سے حکم کے رشتہ داروں اور عیسائیوں دونوں کی ہمت افزائی ہوتی رہتی تھی خود اندلس کے اندر ان کے حامی موجود تھے جو حکم کو نقصان پہنچانے اور اس کی حکومت کے مٹانے کی تدبیروں میں مصروف رہتے تھے۔ ان تینوں دشمنوں کے علاوہ ایک چوتھا زبردست دشمن اور پیدا ہو گیا تھا، یہ مالکی گروہ کے فقہاء وعلماء تھے جن کا سلطان ہشام کے زمانے میں سلطنت و حکومت میں بڑا اثر واقتدار تھا، وہی سلطان ہشام کے مشیر ووزیر اور وہی تمام محکموں کے مالک و مہتمم تھے۔ مذہبی پیشواء ہونے کے سبب عوام اور بھی زیادہ ان کے زیر اثر تھے۔ سلطان حکم نے تخت نشین ہو کر ان مولویوں کے بڑھے ہوئے اقتدار کو کم کرنے کی کوشش کی، اور ان کی صحبت کو اپنے لیے ضروری نہ سمجھا۔ سلطان کی یہ خودرائی یا خود آرائی ان کو سخت ناگوار گزری۔ وہ سلطان کے خلاف نکتہ چینی اور عیب شماری میں مصروف ہو گئے۔ یحییٰ بن یحییٰ قرطبہ کے قاضی القضاۃ اور اندلس کے شیخ الاسلام بنا دیے گئے تھے، وہ اپنے اثر واقتدار اور احترام واختیار کو کم دیکھ کر اور بھی زیادہ سلطان کے اعمال و افعال پر رائے زنی کرنے میں مصروف ہوئے۔ اس قسم کے تمام مشہور علماء جو مالکی مذہب میں داخل اور سلطان ہشام کے عہد میں حکومت و سلطنت میں دخیل تھے، فتویٰ بازی پر اتر آئے۔ اندلس میں یہ فقہی مذہب نیا جاری ہوا تھا۔ اس سے پیشتر کوئی مسلمان ان فقہی مذاہب کی تخصیص وتفریق سے واقف نہ تھا، لہٰذا تمام وہ لوگ جو مالکی مذہب میں داخل تھے، خاص طور پر سلطان حکم کے دشمن اور مخالف ہو گئے، اس چوتھے دشمن کی مخالفت کے نتائج سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے اور اسی کی وجہ سے سلطان حکم باقی تینوں دشمنوں کا قرار واقعی انسداد نہ کر سکا اور عیسائیوں کو طاقت ور بننے اور اسلامی حکومت کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ بہر حال سلطان حکم کے زمانے میں مذکور بالا چاروں

مخالف طاقتوروں نے مل کر عیسائیوں کو طاقت ور ہونے کا خوب آزاد موقع دیا، اس معاملے میں سلطان حکم کی بد احتیاطی اور آزاد مزاجی کو بھی ملزم قرار دیا جا سکتا ہے مگر نہ اتنا کہ جس قدر کہ عام طور مورخ اس سلطان کو مجرم اور ملزم قرار دیتے ہیں۔

۱۹۰ھ میں مولویوں کے گروہ نے اپنی سازشوں اور کوششوں کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کیا۔ قاضی القضاۃ یحییٰ بن یحییٰ اور فقیہ طالوت وغیرہ علمائے قرطبہ نے اپنے ہم خیال علماء و امراء کو مجتمع کر کے حکم کی معزولی کا مشورہ کیا۔ یحییٰ کی سرکردگی میں ایک وفد قاسم بن عبداللہ سلطان حکم کے چچیرے بھائی اور داماد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے کہا کہ آپ کو ہم تخت اندلس بٹھانا اور بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ قاسم نے کہا کہ پہلے مجھ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کون کون لوگ ہیں جو اس کام پر آمادہ ہیں اگر ان کی جمعیت اور طاقت اس قابل ہے کہ وہ سلطان حکم کو معزول کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو میں بخوشی آپ کے مشورے میں شریک ہو سکتا ہوں لہٰذا کل آپ ان لوگوں کے ناموں کی فہرست میرے سامنے لائیں۔ قاضی یحییٰ اس فہرست کا وعدہ کر کے واپس آئے۔ اگلے دن جب فہرست لے کر پہنچے تو قاسم بن عبداللہ نے سلطان حکم کو پہلے ہی اپنے مکان میں بلا کر اور پس پردہ چھپا کر بٹھا لیا تھا، قاضی یحییٰ نے ان لوگوں کے نام قاسم کے منشی کو لکھوانے شروع کیے۔ ادھر پس پردہ سلطان حکم کا منشی بھی سلطان حکم کے پاس بیٹھا ہوا ان لوگوں کے نام لکھ رہا تھا حکم کے منشی کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں میرا نام نہ لے دیا جائے۔ اس لیے اس نے قلم کو کاغذ پر اس طرح چلانا شروع کیا جس سے صریر قلم یعنی قلم کی آواز نکلنے لگی۔ پس پردہ لکھنے کی آواز سن کر قاضی صاحب اور ان کے ہمراہیوں کو شبہ ہوا کہ کوئی چھپا ہوا بیٹھا ہے اور ان ناموں کو لکھ رہا ہے، اس شبہ کے پیدا ہوتے ہی۔ یہ لوگ وہاں سے اٹھ اٹھ کر بھاگے۔ کچھ تو نکل گئے باقی اسی مکان میں گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے جن کی تعداد ۷۲ تھی، اس کے بعد بغاوت کا علم علانیہ بلند کر دیا گیا۔ قرطبہ کے جنوب کی جانب دریائے وادی الکبیر کے پار ایک محلہ میں عام طور پر یہی لوگ رہتے تھے جوان مولویوں کے زیر اثر اور زیادہ عیسائی قوم کے نومسلم تھے۔ ان لوگوں نے ہجوم کر کے سلطان حکم کے محل پر حملہ کر کے محاصرہ کر لیا۔ مگر حکم نے سب کو منتشر کر دیا اور معمولی کشت وخون کے بعد یہ ہنگامہ فرو ہو گیا۔

اسی سال یعنی ۱۹۰ھ میں سلطان حکم نے مراقش کی نئی خود مختار حکومت ادریسیہ سے مصالحت اور دوستانہ تعلق پیدا کیا۔ مراقش میں سلطنت ادریسیہ کا خلافت بغداد سے آزاد ہو جانا حکومت اندلس کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا اور ملک اندلس عباسیوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے اثر سے بہت کچھ محفوظ ہو گیا۔ سلطنت اندلس کے لیے مراقش کی خود مختاری ایک تائید غیبی تھی اور سلطان حکم نے مراقش کی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ سلطان حکم نے ۱۹۱ھ تک علمائے

قرطبہ کا زور کم کرنے اور حکومت مراقش کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے سے فارغ ہو کر کسی قدر اطمینان حاصل کیا اور شمالی صوبوں کی جانب متوجہ ہو کر اس کے تدارک میں معروف ہوا۔

طلیطلہ کے باغیوں کا استیصال:

۱۹۱ھ میں حکم نے حالات و واقعات پیش آمدہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ عیسائی سازشوں کو کامیاب بنانے کا سب سے زیادہ سامان طلیطلہ میں موجود ہے اور وہاں کے عیسائی زیادہ ہنگامہ پسند اور طاقتور رہونے کی وجہ سے مسلمان اور عیسائی دونوں قسم کے سازش کنندوں کا ملجاو ماویٰ بنے رہتے ہیں۔ اگر طلیطلہ کو اس کثافت سے پاک کر دیا جائے اور بغاوت و سرکشی کے اس مرکز کو توڑ دیا جائے تو پھر شمالی صوبوں کے انتظام میں آسانی پیدا ہو سکے گی۔ اس سازشی مرکز کو توڑنے لیے ایک سازش کی گئی کہ ''آہن با آہن تواں کوفتن'' حکم نے عمر بن یوسف کو بلا کر مشورہ کیا اور اس کے مشورہ کے موافق اس کے بیٹے یوسف بن عمر کی جگہ اس کو طلیطلہ کی سند حکومت عطا کی گئی۔ عمر بن یوسف نے طلیطلہ پہنچ کر اہل طلیطلہ سے رعایت و مروت کا برتاؤ شروع کی اور وہاں کے بعض امراء سے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ موجودہ خاندان سلطنت یعنی بنوامیہ کو تخت حکومت سے معزول کر دینا چاہیے۔ یہ سنتے ہی طلیطلہ والے بہت خوش ہوئے اور بہت جلد تمام باشندگان طلیطلہ نے عمر بن یوسف کو اپنی جانثاری اور حمایت کا یقین دلایا۔ اس طرح اہل طلیطلہ کے اصلی خیالات سے واقف ہونے کے بعد عمر بن یوسف نے ان سے کہا کہ موجودہ سلطنت کے مٹانے اور درہم برہم کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ ہم طلیطلہ کے متصل ایک اور قلعہ تعمیر کریں تاکہ طلیطلہ کا محاصرہ کرنا آسان کام نہ رہے، اہل طلیطلہ نے کہا کہ اس قلعہ کی تعمیر کے تمام مصارف ہم خود ادا کریں گے۔ چنانچہ باشندوں نے خود ہی چندہ کر کے کافی روپیہ عمر بن یوسف کی خدمت میں حاضر کر دیا اور بہت جلد ایک مختصر قلعہ بن کر تیار ہو گیا اس کے بعد سرحدی عامل نے قرارداد کے موافق سلطان حکم سے فوجی امداد طلب کی کہ اب عیسائی حملہ کا خطرہ ہے۔ سلطان حکم نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کی سرداری میں ایک زبردست فوج اس طرف روانہ کی۔ یہ فوج راستے میں طلیطلہ ہو کر گزری۔ جب طلیطلہ کے قریب پہنچی تو عمر بن یوسف عامل طلیطلہ نے استقبال کیا۔ اور مراسم مہمانی بجالایا اس جدید قلعہ میں ٹھہرایا اور اہل طلیطلہ سے کہا کہ شہزادہ عبدالرحمٰن یعنی ولی عہد سلطنت چونکہ تمہارے شہر میں آیا ہے لہٰذا تم اس کی مہمانی اور مدارات میں خوب شوق اور جوش کا اظہار کرو۔ تاکہ اس کے دل میں تمہاری وفاداری اور محبت کا نقش بیٹھ جاوے اور وہ تمہاری طرف سے غافل اور مطمئن رہے۔ اہل طلیطلہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور ان تمام لوگوں نے جو فساد و بغاوت کے نمبردار اور انقلاب حکومت کے خواہاں تھے

شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور سلام کرنے کی اجازت چاہی۔ شہزادے نے بخوشی ان کو اجازت دی اور وقت مقررہ پر سب کو طلب فرمایا۔ اس طرح طلیطلہ کا تمام مواد فاسد جب قلعہ کے اندر پہنچ گیا تو سب کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا گیا اور ایک خندق میں جو قلعہ کے اندر کھودی گئی تھی سب کی لاشوں کو مٹی ڈال کر برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد طلیطلہ سے شر و بغاوت کا استیصال ہو گیا۔ باقی لوگ انقلابی لوگوں کے اس انجام کو دیکھ کر سہم گئے اور پھر کسی کو بغاوت و سرکشی کی جرأت نہ ہوئی۔

عیسائیوں سے جھڑپیں:

آئے دن اس بغاوت و سرکشی اور ہنگامہ آرائی کو دیکھ کر اور باغیان طلیطلہ کی اس سزادہی سے فارغ ہو کر سلطان حکم نے عیسائیوں کے خلاف جو شمالی اندلس پر قابض اور دامن جبل البرتات پر برشلونہ تک مصرف ہو چکے تھے۔ معمولی فوجی دستے بھیجے۔ لیکن پوری طاقت سے اس طرف متوجہ ہونا مناسب نہ سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ شمال میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی مسلمان عیسائیوں کو شکست دیتے اور کبھی خود ان سے شکست کھا جاتے۔ سات آٹھ برس تک یہی سلسلہ جاری رہا چونکہ مسلمانوں کی پوری اور بڑی طاقت عیسائیوں کے مقابلے پر نہیں بھیجی گئی تھی۔ بلکہ صرف عیسائیوں کی پیش رفت کا روکنا مدنظر تھا۔ لہٰذا ان معرکہ آرائیوں کا نتیجہ عیسائیوں کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا ان کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب جاتا رہا۔ عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ مسلسل مصروف جنگ رہ کر لڑائیوں میں خوب مشاق اور چست ہو گئے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ سلطان حکم کے فوجی دستوں نے عیسائیوں کی ریاست گاتھک، مارچ، ریاست ایسٹریاس اور سرکشان جلیقیہ کو نہایت شوق و تن دہی کے ساتھ فوجی مشق کرائی اور ان کو میدان جنگ میں لڑنے کی تعلیم دے کر زبردست سپاہی بنا دیا۔ مگر سلطان حکم اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کو باشندگان اندلس کی نسبت بدظنی پیدا ہو گئی تھی۔

جدید فوج کی بھرتی:

اس عرصہ میں اس نے دارالسلطنت قرطبہ میں رہ کر ایک جدید فوج مرتب کرنے کی کوشش کی، اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ ان عیسائیوں کو فوج میں بھرتی کیا جو اندلس کے جنوبی علاقے میں سکونت پذیر اور شمالی سرکش عیسائیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے نیز اسلامی حکومت سے بہت خوش اور بافراغت زندگی بسر کرتے تھے گویا ان عیسائیوں کو مشتبہ مسلمانوں کے مقابلے میں حکومت وقت کا زیادہ وفادار اور معتمد سمجھا گیا۔ عیسائیوں کی یہ فوج تمام ملک اندلس کو قبضے میں رکھنے اور ہر قسم کے باغیوں کا سر کچلنے کے لیے کافی نہ تھی لہٰذا سلطان نے ملک حبش، وسط افریقہ، ایشیائے کوچک، اور ممالک ایشیا کے

غلاموں اور حربی قیدیوں کی خریداری شروع کی اور اپنے اہل کاروں کے ذریعے دور دور سے غلاموں کو خرید کرا کر منگایا۔ان غلاموں کی ایک زبردست فوج تیار ہوگئی یہ لوگ چونکہ عربی زبان سے ناواقف تھے لہٰذا عجمی کہلاتے اور اپنے آقا یعنی حکم کی حفاظت کرنے اور میدان جنگ میں لڑنے کے سوا اور کچھ نہ جانتے تھے نہ وہ کسی سازش میں شریک ہوسکتے تھے نہ کسی سے تعلقات محبت قائم کر سکتے تھے۔ان غلاموں کو اعلیٰ درجہ کی فوجی قواعد وسکھائی گئی اور حکم نے بذات خود ان کی تعلیم و تربیت کی جانب اپنی توجہ مبذول رکھی۔حکم درحقیقت غلاموں کی ایسی فوج مرتب کرنے اور اس کے ذریعہ سلطنت کے قائم رکھنے کی تدبیر کا موجد ہے۔اسی کی تقلید مصر کے خاندان ایوبی نے کی تھی اور مملوکوں کی فوج مصر میں قائم ہوکر آخر سلطنت کی مالک بن گئی تھی جب سلطان حکم کو اس عیسائی اور عجمی فوج کی ترتیب و تکمیل سے اطمینان حاصل ہوا تو اب وقت آ گیا تھا کہ وہ شمال کی طرف عیسائی سرکشوں کی سرکوبی اور فرانسیسیوں پر فوج کشی کرنے کے لیے روانہ ہو مگر قضا وقدر نے ابھی اس کے لیے اندرونی بغاوتوں کے سلسلے کو ختم نہیں کیا تھا۔

اصبغ بن عبداللہ حاکم مریدہ نے ایک غلط فہمی کی وجہ سے علم بغاوت بلند کیا سلطان کو اس طرف خود متوجہ ہونا پڑا۔اصبغ بن عبداللہ سلطان حکم کا چچازاد بھائی بھی تھا اور بہنوئی بھی آخر اصبغ محصور و گرفتار ہوا۔مگر سلطان کی بہن نے درمیان میں پڑ کر غلط فہمی کو رفع کرا دیا۔اور سلطان نے اصبغ کو آزاد کر کے اس کی خطا کو معاف اور دارالسلطنت قرطبہ میں رہنے کا حکم دیا۔اس بغاوت سے سلطان ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ ایک اور عظیم الشان خطرہ رونما ہوا جس سے یکا یک قصر حکومت منہدم ہی ہوا چاہتا تھا۔تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے۔

مالکیوں کی مخالفت:

۱۹۸ھ میں مالکی گروہ نے پھر سر اٹھایا۔ایک مرتبہ پہلے ان لوگوں کی کوششوں اور سازشوں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا مگر اب جب کہ عیسائی اور عجمی لوگوں کی فوج تیار ہونے لگی تو مولویوں نے سلطان کے خلاف پھر فتویٰ بازی شروع کر دی اور عجمیوں کے وجود کو شہر قرطبہ کے لیے ایک لعنت قرار دیا گیا۔ پچھلی سازش میں قاضی یحییٰ پیش پیش تھے اور ان کی نسبت اہل اندلس بہت عقیدت رکھتے اور ان کو ولیٔ کامل بھی جانتے تھے اسی لیے حکم نے قاضی یحییٰ کو ماخوذ نہیں کیا تھا اور ان کی ہر ایک مخالفت سلطنت کوشش سے چشم پوشی اور درگزر کا سلوک ہوا تھا۔اس مرتبہ بھی انہیں کے ذریعہ طبقہ علماء اور ان کے معتقدین میں جذبات نفرت نے ترقی کی اور قرطبہ والوں نے یہاں تک مبارزت کی کہ جہاں کہیں کوئی اکیلا عجمی مل جاتا اس کو قتل کر دیتے۔اس لیے عجمی لوگ شہر میں اور شہر کے بازاروں میں جب بھی نکلتے تو کئی کئی مل کر نکلتے ورنہ اپنے فوجی کیمپ ہی میں رہتے۔

مخالفت کے شعلے قصر سلطانی تک:

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ایک عجمی اور ایک مالکی صیقل گر میں کسی بات پر ہشت مشت کی نوبت پہنچ گئی۔ شہر والے بالخصوص شہر کے جنوبی محلہ والے جو وادی الکبیر کے دوسری جانب آباد تھے اور سب کے سب مالکی مذہب کے پیرو تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے مل کر قصر سلطانی پر حملہ کیا اور سلطان حکم کی معزولی کا اعلان کر دیا اور بھی واقعہ پسند لوگ ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سرائے سلطانی کے دروازے کو توڑ کر اندر گھس گئے اور قصر سلطانی کے محافظ دستے کو قتل کرتے اور پیچھے ہٹاتے ہوئے دوسری ڈیوڑھی پر پہنچ گئے اور قصر سلطانی میں ایک تلاطم اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ سلطان حکم نے اپنے خدمت گار حسن نام کو آواز دی اور کہا کہ سر میں لگانے کا خوشبودار تیل لاؤ۔ خدمت گار نے تیل حاضر کیا۔ سلطان نے سر میں تیل لگایا۔ حسن نے جرأت کر کے پوچھا کہ اس وقت سخت خطرہ کا مقام ہے۔ باغیوں نے سرائے سلطانی کے کواڑوں کو آگ لگا دی ہے اور لوگوں کو قتل کرتے اور مارتے ہوئے بڑھے چلے آتے ہیں اور آپ کو تیل لگانے اور اپنی زینت کرنے کی سوجھی ہے سلطان نے جواب دیا کہ احمق اگر میں اپنے بالوں میں خوشبودار تیل نہ لگاؤں تو باغیوں کو میرا سر کاٹتے وقت یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ یہ بادشاہ کا سر ہے۔

سلطان حکم کی حاضر دماغی:

اس حکایت کو مورخین نے اس بات کے ثبوت میں نقل کیا ہے کہ سلطان حکم سخت سے سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے موقع پر بھی مستقل مزاج رہتا اور حواس باختہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد سلطان نے اپنے چچازاد بھائی اصبح کو بلا کر حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو تم اپنے آپ کو باغیوں کے اس محاصرے سے باہر نکالو اور فوراً وادی الکبیر کے اس طرف جا کر جنوبی محلّہ میں آگ لگا دو۔ اصبح نے اس حکم کی تعمیل کی اور ایک چور دروازہ کے ذریعہ اپنے آپ کو باغیوں کے محاصرے سے باہر نکال لینے میں کامیاب ہو کر اور چند ہمراہیوں کو ساتھ لے کر قرطبہ کی ایک نواحی چھاؤنی میں خبر بھیجی کہ فوراً مسلح ہو کر جنوبی محلہ میں پہنچو، اور خود وہاں پہنچ کر متعدد مکانات میں آگ لگا دی۔ اتنے میں چھاؤنی سے فوج بھی وہاں پہنچ گئی۔ قصر سلطانی کا محاصرہ کرنے والے باغیوں نے جب آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل جنوبی محلّہ سے اٹھتے ہوئے دیکھے تو وہ لوگ جو اس محلّہ میں رہتے تھے اور وہی زیادہ تعداد میں اور اس بغاوت کے سرغنہ بھی تھے۔ اپنے مکانوں کو بچانے کے لیے اس طرف دوڑے اور فوراً قصر سلطانی باغیوں سے خالی ہو گیا۔ سلطان حکم نے اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھانے میں مطلق کوتاہی نہیں کی، فوراً اپنے محافظ دستے کو لے کر ان باغیوں کے پیچھے قصر سے روانہ ہوا۔ ادھر سے اصبح بن عبداللہ نے ادھر سے سلطان حکم نے حملہ

کر کے ان باغیوں کو خوب قتل کیا اور پھر قتل کی ممانعت کا حکم دے کر باغیوں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ بہت جلد چھاؤنیوں سے فوجیں آ گئیں اور ہزارہا باغی گرفتار کر لیے گئے۔

مالکیوں کی جلاوطنی:

اب مجبور ہو کر حکم نے حکم دیا کہ مالکی مذہب کے جس قدر پیرو قرطبہ اور اس کے نواح میں موجود ہیں، سب کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ جلاوطنی کا حکم صرف ان لوگوں کے لیے تھا جو علم و فضل سے بہرہ نہ رکھتے تھے۔ ان میں اکثر نو مسلم عیسائی شامل تھے۔ قاضی یحییٰ اور دوسرے علماء کو بوجہ ان کے علم و فضل کے معاف کیا گیا اور باوجود اس کے کہ اصل موجب فساد انہیں لوگوں کا وجود ہوا تھا۔ سلطان حکم نے یہی کافی سمجھا کہ ان کے معتقدین کو جلاوطن کر کے ان کی طاقت کو توڑا اور ان کے علم و فضل سے خود فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ معلوم ہو کر تعجب ہوتا ہے کہ یہی قاضی یحییٰ چند سال کے بعد سلطان حکم کے مصاحب اور بے تکلف مشیر خاص تھے۔ ان مالکی لوگوں کی جلاوطنی کے حکم کی تعمیل بڑی سرگرمی سے عمل میں لائی گئی۔ یہ لوگ جب ساحل اندلس پر پہنچے تو ان میں سے آٹھ ہزار آدمی جو اپنے ساتھ زن و فرزند بھی رکھتے تھے۔ مراقش میں جانے پر آمادہ ہوئے اور وہاں کے حاکم ادریس نے ان کے آنے کو اس لیے غنیمت سمجھا کہ اس کے دارالسلطنت شہر فیض یا تبخیر کی آبادی اور رونق میں اضافہ ہوگا۔ جہاں یہ بڑے شوق سے آباد ہو گئے اور پندرہ ہزار مالکی جہازوں میں سوار ہو کر اسکندریہ (مصر) پہنچے اور اسکندریہ پر قابض ہو گئے آخر وہاں سے بھی نکالے گئے اور جزیرہ اقریطش (کریٹ) پر قابض ہوئے، وہاں انہوں نے اپنی حکومت قائم کی جو سو برس تک ان کی اولاد کے قبضے میں رہی۔ جیسا کہ جلد دوم میں ان کا ذکر آ چکا ہے۔

اس کے بعد ہی خرم بن وہب نے مقام باجہ میں علم بغاوت بلند کیا اور اس بغاوت کا انجام یہ ہوا کہ خرم نے سلطانی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی اور عفو تقصیرات کا خواہاں ہوا۔ سلطان نے اس کی خطا معاف کر دی۔ اب اور بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ ملک کی حالت ابھی تک قابل اطمینان نہیں اور بغاوت کے جراثیم جابجا موجود ہیں۔

فرانس پر حملہ:

سلطان حکم کو تخت نشین ہوئے قریباً بیس سال ہو گئے تھے۔ اس بیس سال کے عرصہ میں اس کو مسلسل ملک کی اندرونی بغاوتوں اور عیسائیوں کے بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ زیادہ وقت اس کا بغاوتوں ہی کے فرو کرنے میں صرف ہوا، عیسائیوں پر حملہ آور ہونے کی فرصت و مہلت نہ پا سکا۔ اب بظاہر ملک میں خموشی دیکھ کر حکم نے ایک جرار فوج تیار کی اور اپنے حاجب عبدالواحد کی سرداری میں شمالی سمت کو عیسائیوں کے مقابلے کے لیے روانہ کی، حاجب عبدالکریم نے ریاست ایسٹریاس سے صرف

اظہار فرماں برداری ہی کو غنیمت سمجھا اور سیدھا ملک فرانس میں جبل البرتات کے اس طرف پہنچ کر قتل و غارت اور فتوحات میں مصروف ہوا۔ یہ مہم ۲۰۰ھ میں ملک فرانس کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ ۲۰۳ھ تک عبدالکریم نے ملک فرانس میں جنگ و پیکار کے سلسلے کو جاری رکھا۔ سلطان حکم اور اس کے سپہ سالاروں کی یہ غلطی تھی کہ وہ صرف شارلیمین کی سلطنت کو اپنا حریف سمجھتے اور اسی کے حدود حکومت میں پہنچ کر وہاں کے شہروں کو فتح کرتے تھے۔ گاتھک مارچ کی ریاست جو جبل البرتات سے اس کے جنوبی و مغربی میدانوں تک وسیع ہو چکی تھی ان کے لیے ناقابل التفات تھی۔ ان ریاستوں کو نہ انہوں نے مٹانا چاہا، نہ ان کے رقبہ کو کم کرنا ضروری سمجھا۔ وہ صرف اسی بات کو کافی سمجھتے تھے کہ یہ عیسائی ریاستیں ہماری فرماں برداری کا اقرار کرتی رہیں اور وہاں کی عیسائی آبادی پر خود ہی حکومت کریں۔ فرانس کے ملک پر وہ اس لیے حملہ آور ہوتے تھے کہ اگر فرانس کی سلطنت کو مٹا دیا گیا تو خطرہ کا وجود باقی نہ رہے گا اور یہ پہاڑی عیسائی ریاستیں شاہ فرانس سے مل کر اور اس کی سازش میں شریک ہو کر ہمارے لیے مشکل پیدا کرنے کا موقع نہ پا سکیں گی۔ لیکن سلطان حکم ان دونوں سرحدی ریاستوں کو بالکل مٹا کر جبل البرتات پر اپنی زبردست فوجی چوکیاں قائم کر دیتا تو آئندہ کے لیے ملک اندلس خطرات سے محفوظ رہ سکتا اور ممکن تھا کہ کسی وقت ملک فرانس اور یورپ کے دوسرے ممالک بھی مستقل طور پر مسلمان فتح کر لیتے ان پہاڑی سرحدی ریاستوں نے اندلس کی اسلامی سلطنت کو جو نقصانات پہنچائے اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ آنے والا ہے۔

سلطان حکم ہی کے عہد حکومت میں ایسٹریاس کے ایک پادری نے ریاست ایسٹریاس اور صوبہ جلیقیہ کی سرحد کے ایک جنگل میں بتایا کہ یہاں سینٹ جیمس رسول کی قبر ہے اور مجھ کو خواب میں فرشتے نے اس قبر کا پتہ بتایا ہے۔ چنانچہ وہاں حاکم ایسٹریاس نے ایک گرجا تعمیر کرا دیا گرجا نہ صرف ایسٹریاس اور صوبہ جلیقیہ کے عیسائیوں کی زیارت گاہ بنا۔ بلکہ یورپ کے دور دراز مقامات تک اس کی شہرت ہو گئی اور عیسائی لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہاں آبادی قائم ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ ریاست ایسٹریاس کا حاکم نشین شہر اور دارالسلطنت بن گیا اور اپنے محل وقوع کے اعتبار سے تمام صوبہ جلیقیہ کو بھی قدرتاً اپنے زیر اثر لے آیا۔

سپہ سالار عبدالکریم کئی سال کے بعد ۲۰۳ھ میں سالماً غانماً ملک فرانس سے واپس ہوا اور یہ مہم بڑی کامیاب سمجھی گئی کہ فرانسیسیوں کو ان کی گستاخی کی اچھی طرح سزا دے دی گئی مگر افسوس ہے کہ اس طرف مطلق توجہ نہ ہوئی کہ ریاست گاتھک مارچ اور ایسٹریاس کا نام و نشان مٹایا جاتا بلکہ ان دونوں عیسائی ریاستوں کے وجود کو بہت ہی غنیمت سمجھا گیا کہ ان کے ذریعہ باقاعدہ حکومت اس علاقہ میں قائم ہے جہاں مسلمان جانا اور رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ملک فرانس میں رہنے کے لیے بھی کوئی عرب سردار

رضا مند نہ تھا اور اسی خیال سے مسلمانوں نے بار بار فرانس کو فتح کیا مگر اس کی قدر و قیمت اس کی سرد آب وہوا کے سبب کچھ نہ سمجھی۔ وہاں سے مال غنیمت کے حاصل ہونے اور وہاں کے رئیسوں سے خراج وصول کر لینے ہی کو کافی سمجھتے رہے۔ ہر ایک عربی نژاد سردار جب ناربون، جلیقیہ اور جبل البرتات کے متصلہ سرد علاقے میں، عامل مقرر کر کے بھیجا جاتا تو وہ کبیدہ خاطر ہوتا اور جنوبی گرم و معتدل میدانی علاقوں میں رہنے اور جنوبی شہروں کا عامل مقرر ہونے کو اپنی خوش نصیبی جانتا۔

قحط و خشک سالی کی مصیبت اور اس کا انسداد

۲۰۳ھ کے بعد اندلس میں حکم کے لیے اطمینان اور امن و امان کا زمانہ شروع ہوا تھا کیونکہ اب ملک میں نہ کوئی بغاوت تھی نہ کسی عیسائی حملہ آور کو روکنا تھا۔ نہ اور کسی حملہ کا اندیشہ لیکن قضا و قدر نے یہ تجویز کر دیا تھا کہ حکم کا تمام عہد حکومت مصروفیت اور ہنگامہ آرائی میں بسر کیے۔ چنانچہ اب جبکہ ہر ایک قسم کے حملے ختم ہو چکے تو اندلس پر قحط و خشک سالی کا حملہ ہوا۔ یہ نہایت عظیم الشان تھا اور قحط کی وجہ سے ملک میں چوری و ڈاکہ زنی کی وارداتیں بھی بڑی کثرت سے ہونے لگیں۔ حکم نے جس طرح اب تک اپنے آپ کو ہر ایک موقع پر مستقل مزاج اور با حوصلہ ظاہر کیا تھا، اسی طرح اس نے اس مصیبت میں بھی اپنی شاہانہ ہمت کا اظہار کیا۔ قحط زدہ لوگوں کی پرورش کے لیے اس نے ہر شہر و قصبے میں محتاج خانے کھلوا دیئے۔ غلہ کے باہر سے منگوانے کا اہتمام کیا جابجا راستوں اور آبادی کی حفاظت کے لیے زائد پولیس اور فوجی دستے مقرر کیے۔ اس حالت میں جہاں کہیں کسی بدامنی کی خبر پہنچی خود مع فوج اس طرف پہنچا اور امن و امان قائم کیا۔ غرض اس نے اپنی رعایا کی اس قحط کے زمانے میں ایسی دست گیری اور مدد کی کہ رعیت کا ہر ایک طبقہ اس سے محبت کرنے لگا اور وہ نفرت بھی جو مولویوں اور مولوی مزاج لوگوں نے اس کے متعلق پھیلا دی تھی دور ہو گئی جو لوگ اس پر اس کی آزاد مزاجی کی وجہ سے زبان طعن دراز کرتے تھے اس کے مداح نظر آنے لگے۔

سلطان حکم کی وفات اور اولاد:

سلطان حکم کی نسبت خوں خواری اور قتل کے عیب و الزام کو خاص طور پر بیان کیا جاتا ہے لیکن اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو اس میں شک نہیں کہ حکم نے بہت سے لوگوں کا قتل کرایا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں کو قتل کرایا گیا وہ مستحق قتل تھے یا نہیں اور سلطان حکم نے مجبوراً ان کو قتل کرایا یا صرف تفریح طبع کے لیے۔ سلطان حکم نے ۲۵ ذیقعد ۲۰۶ھ بروز پنجشنبہ بعمر ۵۲ سال چند ماہ وفات پائی اور بیس لڑکے بیس

لڑکیاں چھوڑیں۔ سلطان حکم کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی یا عبدالرحمٰن اوسط تخت نشین ہوا۔

حکم کی سیرت و کردار پر تبصرہ:

سلطان حکم بہادر، فیاض اور عاقبت اندیش شخص تھا۔ یہ مکاروں اور خفیہ سازشیں کرنے والوں کا دشمن اور اپنے دوستوں کے لیے بہت بامروت اور ہمدرد تھا۔ علماء و فضلاء کا قدردان اور شعراء کا مربی تھا۔ میدان جنگ میں مستقل مزاج اور جہاں کہیں معاف کرنے سے اصلاح کی توقع ہو فوراً خطا کار کو معاف کر دیتا تھا۔ وہ اندلس کا ایک جلیل القدر اور عظیم الشان بادشاہ تھا۔ سلطان حکم کے دین دار اور باخدا ہونے کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز اپنے کسی خادم پر ناراض ہو کر حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ اتفاقاً اس وقت زیاد بن عبدالرحمٰن جو ایک عالم شخص تھے آ پہنچے اور سلطان حکم کو مخاطب کر کے فرمایا "مالک بن انس نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جو شخص اپنے غیظ و غضب کے باوجود قدرت ضبط کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قلب کو امن و اطمینان سے پر کر دے گا" اس کلام کے ختم ہوتے ہی سلطان کا غیظ و غضب کافور ہو گیا اور خادم کی خطا معاف کر دی۔

سلطان حکم کا ۲۷ سالہ عہد حکومت ہنگامہ آرائی اور بے اطمینانی کے عالم میں گزرا۔ اس بے اطمینانی اور بدامنی کے اسباب حکم کے پیدا کیے ہوئے نہ تھے بلکہ قدرتی وارد ہونے والی افتادیں تھیں اس زمانے میں اگر حکم سے کسی قدر کم مستقل مزاج شخص تخت اندلس پر ہوتا تو یقیناً بنو امیہ کی حکومت اندلس سے مٹ جاتی اور وہاں کے مسلمانوں کا انجام خطرناک ہوتا۔ سلطان حکم کا امتحان قدرت نے لیا اور وہ اس امتحان میں بظاہر کامیاب ہوا۔

عبدالرحمٰن ثانی:

سلطان عبدالرحمٰن ثانی ماہ شعبان ۱۷۲ھ میں بمقام طلیطلہ پیدا ہوا اور ۲۰۶ھ میں اپنے باپ سلطان حکم کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا سلطان عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی کے وقت بظاہر ملک میں امن و امان تھا اندرونی و بیرونی فتنوں کو فرو کیا جا چکا تھا۔ مگر اس سلطان کو تخت نشین ہوتے ہی اپنے خاندان والوں کی بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اہل خاندان کی مخالفت:

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ سلطان حکم کا چچازاد عبداللہ اندلس سے مراقش کے شہر تنجیر میں جا کر سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ عبداللہ اس وقت بہت بوڑھا اور ضعیف ہو چکا تھا۔ مگر اپنے بھتیجے سلطان حکم کی وفات کا حال سن کر وہ تنجیر سے چلا اور اندلس میں وارد ہو کر اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ عبداللہ کے تین بیٹے اس

وقت اندلس میں موجود اور صوبوں کی گورنری پر مامور تھے۔ عبداللہ کو توقع تھی کہ میرے بیٹے ضرور میری بادشاہت کے قائم کرانے میں مددگار ہوں گے۔ مگر یہ عبداللہ کی حماقت تھی اور کہا جاسکتا ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل کمزور ہوگئی تھی۔ شاہی فوجوں نے فوراً عبداللہ کا مقابلہ کیا اور وہ شکست کھا کر بلنسیہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اس کے بیٹے بجائے اس کے کہ باپ کی مدد کرتے اور اس بغاوت میں اس کے شریک ہوتے، انہوں نے عقل و دانائی اور مآل اندیشی سے کام لے کر عبدالرحمٰن ثانی کی حمایت کی اور باپ کو سمجھایا کہ اس خیال خام سے باز رہو اور آتش فساد کو مشتعل نہ کرو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ نے اپنے پوتے عبدالرحمٰن ثانی سے عفو تقصیرات کی درخواست کی اور عبدالرحمٰن نے اس درخواست کو منظور ہی نہیں کیا بلکہ عبداللہ کو صوبہ مرسیہ کا والی بنا دیا، جہاں وہ تین سال یعنی مرتے دم تک برسر حکومت رہا۔

علی بن نافع ماہر موسیقی کی قدر افزائی:

تخت نشینی کے پہلے ہی سال یعنی ۲۰۶ھ میں ابراہیم موصلی کا شاگرد علی بن نافع معروف بہ فاریاب وارد اندلس ہوا۔ علی بن نافع موسیقی میں استاد کامل تھا۔ نیز علوم مروجہ اور بعض دوسرے علوم غریبہ میں ماہر یکتا تھا۔ سلطان حکم نے یہ سن کر کہ ملک عراق و شام میں اس کے مرتبہ کے موافق قدردانی نہیں ہوئی اس کو اندلس میں اپنے پاس طلب کیا تھا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سلطان حکم فوت ہو چکا تھا جب سلطان عبدالرحمٰن کو اس حکیم و فلسفی کے وارد اندلس ہونے کا حال معلوم ہوا تو اس نے شہروں کے عاملوں کے نام احکام جاری کر دیئے کہ قرطبہ تک پہنچنے میں علی بن نافع کو جس جس شہر میں ہو کر گزرنا پڑے اس شہر کا حاکم اس کا شاہانہ استقبال کرے اور متعدد غلام اور گھوڑے اور ہدیئے پیش کرے غرض بڑی عزت و احترام سے یہ شخص قرطبہ تک پہنچا اور بادشاہ کا مقرب خاص اور ندیم باختصاص بن گیا۔

علی بن نافع کی معاشرتی اصلاحیں:

اس نے اندلس میں بڑی بڑی اہم معاشرتی اصلاحیں کیں اور تکلفات و زینت کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کیے جو بہت جلد مقبول ہوئے۔ اس کی کوششوں سے قرطبہ کے اندر آب رسانی کے نل لگائے گئے اور بہت جلد اندلس کے دوسرے شہروں میں بھی نلوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ نئے نئے اور پر تکلف اور لذیذ مقوی کھانے اور خوبصورت لباس اسی کی ایجاد ہیں۔ غرض اس ایک شخص کی کوششوں اور ایجادوں نے نہ صرف تمام ملک اندلس بلکہ تمام یورپ پر اپنا اثر ڈالا۔ چھری کانٹے کے ساتھ کھانا کھانا بھی اسی کی ایجاد ہے اور یورپ والوں نے اندلس کے مسلمانوں ہی سے چھری کانٹے کا استعمال سیکھا تھا۔ علی بن نافع کو سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے مزاج میں بخوبی رسوخ حاصل تھا اور سلطان اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مگر اس نے کبھی کسی سیاسی معاملہ میں دخل نہیں دیا بلکہ اپنی تمام تر توجہ کو اصلاح معاشرت

ہی کی جانب مبذول کر رکھا تھا۔اس لیے وہ تمام ملک میں ہر دل عزیز ومحبوب تھا اور کوئی اس کا دشمن و مخالف کبھی پیدا نہیں ہوا۔اندلس والوں نے جہاں اس شخص کی وجہ سے لباس وغذا ومکان کے تکلفات سیکھے،وہاں انہوں نے موسیقی کا شوق بھی اس سے حاصل کیا۔دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ علی بن نافع نے اندلس پہنچ کر وہاں کے سپاہی پیشہ مسلمانوں کو عیش پسند اور نازک مزاج بنانے کی موثر کوشش کی۔

اندلس میں مالکی مذہب کا فروغ:

قاضی یحییٰ بن یحییٰ مالکی کا اوپر ذکر آچکا ہے۔انہیں قاضی صاحب کی کوششوں سے سلطان حکم کے زمانے میں قرطبہ کے اندر ایک خطرناک بغاوت ہوئی جس کے نتیجے میں قرطبہ کی آبادی کا پانچواں حصہ یعنی ایک دریا پار کا جنوبی بالکل ویران ہوگیا اور بیس پچیس ہزار آدمیوں کو اندلس سے جلاوطن ہونا پڑا تھا۔مگر قاضی صاحب آخر میں سلطان حکم کے مصاحبوں اور مشیروں میں داخل تھے،اب سلطان عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی کے بعد وہ سلطان عبدالرحمٰن کے مزاج میں بہت کچھ دخیل تھے۔ان کو قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام کا عہدہ سلطان عبدالرحمٰن نے دینا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا اور اس انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قاضی القضاۃ کے بھی افسر سمجھے جانے لگے،عوام ان کے بے حد معتقد تھے اور مذہبی معاملات میں ان کا فیصلہ سب سے آخری سمجھا جاتا تھا۔قاضی صاحب بہت بڑے کثیر التصانیف شخص تھے وہ امام مالکؒ کے شاگرد رشید تھے،انہوں نے کئی سال تک حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں رہ کر علم دین کو حاصل کیا تھا۔اب سلطان عبدالرحمٰن کے عہد حکومت میں انہوں نے اپنے طرز عمل کے اندر بہت بڑی تبدیلی پیدا کر لی تھی۔اب وہ اپنے اثر اور رسوخ سے نہایت قابلیت کے ساتھ کام لے رہے تھے۔وہ جس کسی شخص کی سفارش محکمہ قضا میں کر دیتے تھے وہ کبھی رد نہ ہوتی تھی،لہٰذا ان تمام علماء نے جو کسی شہر یا قصبے کے قاضی بننا چاہتے تھے مالکی مذہب اختیار کیا اور اس طرح قاضی یحییٰ کی نگاہوں میں عزت ومحبت کا مقام پیدا کر کے کہیں نہ کہیں کے قاضی بن گئے۔اس غیر محسوس طرز عمل نے چند روز میں تمام ملک اندلس کو مالکی مذہب کا پیرو بنا دیا۔سلطان عبدالرحمٰن ثانی اپنے باپ کے زمانے سے امور سلطنت میں دخیل اور تمام حالات سے خوب واقف وتجربہ کار تھا،لہٰذا اس نے احتیاط سے کام لیا اور اس بات کی کوشش کی کہ مولویوں اور مولوی مزاج لوگوں کو اس کے خلاف لوگوں کے برانگیختہ کرنے کا کوئی موقع نہ ملے۔

بغاوتوں کا استیصال:

عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی کے وقت اندلس کا تمام شمالی حصہ جس میں خلیج بسکی کا جنوبی ساحل اور جبل البرتات کا جنوبی دامن شامل تھا۔عیسائیوں کے قبضے میں تھا مگر یہ تمام عیسائی رؤسا

سلطنت اسلامیہ کے باج گزار اور دربار قرطبہ کی سیادت کو تسلیم کرتے تھے۔ دربار قرطبہ بھی اندلس کے اس شمالی حصے سے اس کے سوا اور کچھ نہ چاہتا تھا۔ برشلونہ کا علاقہ بھی عیسائیوں کے قبضہ میں عرصہ سے پہنچ چکا تھا اور وہاں ریاست "گاتھک مارچ" کے فرماں روا کی طرف سے ایک نائب الریاست مامور تھا۔ اس طرح اندلس کے مشرقی و شمالی ساحل کا بھی ایک حصہ عیسائیوں کے تصرف میں تھا۔ ریاست ایسٹریاس لیون و جلیقیہ تک وسیع ہو گئی تھی اور اس کا جدید شہر کیسٹل یا قسطلہ دارالریاست یا دارالسلطنت بن چکا تھا۔ مسلمان ان شمالی عیسائی ریاستوں کو مٹانا ہرگز نہ چاہتے تھے مگر ان کو اپنی طاقت سے محض اس لیے مرعوب رکھنا ضروری جانتے تھے کہ وہ فرانس کے عیسائیوں یعنی سلطنت فرانس وغیرہ سے ساز باز کر کے اندلس کے ملک پر چڑھائی نہ ہونے دیں۔ اسی غرض کے لیے وہ خلیج بسکی کو عبور کر کے اور کبھی جبل البرتات کو طے کر کے فرانس کے ملک پر حملہ کرتے تھے کہ شمالی ملکوں کے عیسائی اندلس کی جانب اقدام نہ کر سکیں۔ اندلس کی شمالی سرحد پر شہر البیرہ تھا جہاں دربار قرطبہ سے سرحدی عامل مقرر کیا جاتا تھا۔

البیرۃ کے اس سرحدی عامل نے وہاں کی رعایا پر ظلم کیا اور عیسائیوں سے ساز باز رکھا اس کی پاداش میں سلطان حکم نے اس کو قتل کرا کر اس کا تمام مال و اسباب ضبط کرا لیا تھا۔ اس کے چند ہی روز بعد سلطان حکم کا انتقال ہو گیا تھا۔ جدید سلطان کی تخت نشینی پر سرحدی عیسائیوں نے موقع پایا اور البیرۃ کی فوج اور رعایا کو بہکا کر قرطبہ میں بھیجا کہ وہ اس مال کا مطالبہ کریں جو مقتول عامل کا سرکاری خزانہ کے حق میں ضبط ہوا ہے کیونکہ وہ مال درحقیقت رعایا کا مال ہے جو عامل نے زبردستی چھین لیا تھا۔ یہ احتجاجی لوگ قرطبہ میں ۲۰۷ھ میں پہنچ کر قصر سلطانی کے دروازے پر گستاخانہ حرکات کے عامل ہوئے، ان کی تادیب کے لیے شاہی محافظ دستے کو حکم ہوا، ان لوگوں نے مقابلہ کیا بہت سے مارے گئے بہت سے بھاگ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرحد پر عیسائیوں کو اور بھی زیادہ شورش پھیلانے کا موقع مل گیا۔

اسی سال یعنی ۲۰۷ھ میں علاقہ تدمیر کے اندر عربوں کے قبائل مضریہ اور قبائل یمانیہ میں جنگ چھڑی، اس خانہ جنگی کو فرو کرنے کے لیے شاہی فوج بھیجی گئی اور آتش فساد فرو ہوئی مگر جب شاہی فوج واپس ہوئی تو یہ قبائل پھر آپس میں لڑنے لگے۔ پھر شاہی فوج گئی۔ غرض کہ قبائل کی اس خوں ریزی کا سلسلہ قریباً سات سال تک جاری رہا اور ملک اندلس کے اندر قبائل عرب نے عرب جاہلیت کی سیرت خونخواری کی خوب نمائش کی۔

۲۰۸ھ میں عیسائی ریاست ایسٹریاس جلیقیہ نے باج و خراج کی ادائیگی سے انکار کر کے علم بغاوت بلند کیا اور سلطنت اسلامیہ کی حدود میں داخل ہو کر شہروں کو لوٹا۔ اس خبر کو سن کر سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے اپنے سپہ سالار عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث کو مع فوج اس طرف روانہ کیا۔ اس بہادر سپہ سالار نے وہاں پہنچ کر ماہ جمادی الآخر ۲۰۸ھ میں عیسائیوں کو شکست پر شکست دے کر بھگا دیا اور ان کی

فوجیں بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپیں، عبدالکریم نے عیسائیوں کے سرحدی قلعوں کو مسمار کر کے عیسائی فرماں روا کو مجبور کیا کہ وہ خراج ادا کرے اور آئندہ فرماں بردار رہنے کا اقرار کر کے معافی چاہی۔ اس کامیابی کے بعد عبدالکریم واپس آیا، اور فوراً یہ فوج اس سپہ سالار کی سرکردگی میں برشلونہ کی طرف روانہ کی گئی۔ جہاں سے بغاوت اور جنگی تیاریوں کی خبر پہنچی تھی۔ شاہی فوج نے جاتے ہی برشلونہ کا تمام علاقہ فتح کر کے عیسائیوں کو بھگا کر پہاڑوں کے اندر چھپنے پر مجبور کر دیا اور جلیقیہ والوں کی طرح ان سے بھی اقرار اطاعت لے کر تمام ملک مفتوحہ کو پھر انہیں کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا۔

قیصر قسطنطنیہ کی سفارت:

۲۰۹ھ میں قیصر قسطنطنیہ کی طرف سے عبدالرحمٰن ثانی کی خدمت میں ایک سفارت حاضر ہوئی اس سفارت کے ذریعہ قیصر نے اندلس سے محبت و دوستی کے تعلقات پیدا کرنے چاہے۔ دربار بغداد نے فرانس کے بادشاہ سے تعلقات محبت قائم کر لیے تھے۔ قیمتی تحف و نذرانے فرانسیسیوں کے لیے پہنچتے رہتے تھے، اور دربار بغداد سے ہمیشہ اس بات کی کوشش ہوتی رہتی تھی کہ فرانسیسی ملک اندلس پر حملہ آور ہوں۔ ان باتوں سے دربار قرطبہ واقف تھا۔

ادھر قیصر قسطنطنیہ نے سلطان اندلس کی بہادری اور مسلمانان اندلس کی شہرت سن کر دربار قرطبہ کو اپنا ہمدرد بنانا چاہا، سلطان اندلس کو قدرتی طور پر قیصر قسطنطنیہ سے ہمدردی ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ دربار بغداد کا دشمن تھا۔ قیصر قسطنطنیہ کے اس سفیر کی عبدالرحمٰن نے بڑی آؤ بھگت کی۔ سفیر نے بڑے بڑے قیمتی تحفے پیش کیے، اور قیصر قسطنطنیہ کی عظیم الشان طاقت اور زبردست افواج کے حالات مبالغہ کے ساتھ سنا کر اس بات کا یقین دلایا کہ اگر آپ قیصر قسطنطنیہ کے ساتھ دوستی کے تعلقات پیدا کر لیں گے تو بڑی آسانی سے آپ اپنی آبائی خلافت اور شام و عراق و عرب وغیرہ کی حکومت عباسیوں سے واپس لے سکیں گے۔ عبدالرحمٰن نے اس موقع پر بڑی دانائی اور مآل اندیشی سے کام لے کر صرف اس قدر وعدہ کیا کہ اگر مجھ کو اپنے ملک کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا تو میں قیصر کی امداد کر سکتا ہوں۔ لیکن فی الحال مجھ کو اپنے ہی ملک میں بہت سے ضروری اور اہم کام درپیش ہیں۔ پھر جواباً بہت سے قیمتی تحفے اس سفیر کے ہمراہ اپنے ایلچی یحییٰ غزال کے ہاتھ قیصر کے لیے روانہ کیے۔

امیر عبدالرحمٰن کی حمیت اسلامی:

یحییٰ الغزال نے قسطنطنیہ میں وارد ہو کر نہایت غور و تعمق کی نگاہ سے وہاں کے حالات کا معائنہ کیا اور اپنے سلطان کی دوستی کا یقین قیصر کو دلا کر واپس ہوا۔ سلطان عبدالرحمٰن نے ایک مسلمان فرماں روا کے خلاف گو وہ عبدالرحمٰن کا دشمن عباسی خلیفہ ہی کیوں نہ ہو ایک عیسائی بادشاہ کی روپیہ یا فوج سے مدد کرنی

کسی طرح مناسب نہ سمجھی اور زبانی وعدہ وعید پر ہی ٹال دیا، ورنہ عبدالرحمٰن قیصر کی درخواست کو پورا کرنے کی طاقت ضرور رکھتا تھا۔ کیونکہ قیصر نے عبدالرحمٰن ثانی سلطان اندلس سے فوج اور روپیہ مانگا تھا۔ ایک یا چند ہزار فوج اور ایک یا چند لاکھ دینار کا بھیج دینا عبدالرحمٰن ثانی کے لیے بالکل معمولی بات تھی اور اندلس کی فوج یا خزانہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا مگر عبدالرحمٰن کو حمیت اسلامی نے اس کام سے باز رکھا۔

پرتگالیوں کی بغاوت:

اسی سال اندلس کے جنوب و مغرب میں اس علاقے کے اندر جس کو آج کل ملک پرتگال کہا جاتا ہے اور جہاں عیسائیوں کی آبادی زیادہ تھی، شہر مریدہ والوں کی سربراہی میں بغاوت کا فتنہ پیدا ہوا، اس فتنے کو فرو کرنے کے لیے عبیداللہ بن عبداللہ کو بھیجا گیا۔ سخت معرکوں کے بعد باغیوں کو شکست ہوئی، اور شہر پناہ کو منہدم کر کے عبیداللہ ۲۱۰ھ میں واپس آ گیا۔ چند روز کے بعد باغیوں نے پھر سر اٹھایا اور عبیداللہ کو پھر اس طرف جانا پڑا اس مرتبہ بھی بغاوت فرو ہو گئی۔

اس بغاوت کا سبب وہ پادری تھے جو جلیقیہ اور قسطلہ سے یہاں آ کر بغاوت کی ترغیب دینے میں مصروف تھے، کیونکہ شمالی عیسائیوں بالخصوص جلیقیہ والوں کو یہ محسوس ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا اندرونی بغاوتوں اور آپس کی لڑائیوں میں مصروف رہنا ہی ہماری ترقی اور کامیابی کا باعث ہے اور جب تک ہم جنوبی علاقوں میں ہنگامے برپا نہ کرا دیں۔ اس وقت تک ہم کو مسلمانوں کے خلاف کوئی کوشش اور بغاوت نہیں کرنی چاہیے۔ اہل مریدہ کی سرکشیوں اور گستاخیوں کی اب کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے عامل کو بغاوت کر کے اپنے شہر سے نکال دیا تھا اور شاہی فوجوں کا دو مرتبہ مقابلہ کر چکے تھے۔ لہٰذا ۲۱۳ھ میں سلطان عبدالرحمٰن نے حکم دیا کہ شہر مریدہ کی منہدم شدہ فصیل کے پتھروں کو دریا میں ڈال دو۔ جب اس حکم کی تعمیل عامل مریدہ نے کرنی چاہی تو وہاں کے لوگ پھر باغی ہو گئے انہوں نے اس مرتبہ پھر شہر پر قبضہ کر لیا، اور عامل کو وہاں سے خارج ہونا پڑا۔ اہل شہر نے شہر کی منہدم شدہ فصیل کو پھر تعمیر کر لیا اور مقابلہ کے لیے مضبوط ہو بیٹھے۔ یہ سن کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ بغاوت صرف عیسائیوں تک محدود نہیں تھی بلکہ بڑا حصہ مسلمانوں کا اس میں شریک تھا اور باغیوں کی سرداری محمود بن عبدالجبار کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مسلمان عیسائیوں کے ترغیب دینے سے کیوں بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تھے اس کا سبب آگے بیان ہونے والا ہے۔ بہرحال ۲۱۷ھ تک مریدہ کے مقابل شاہی سپہ سالار مصروف جنگ رہے اور کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

آخر ۲۱۸ھ کے ابتدا میں سلطان عبدالرحمٰن نے خود مریدہ پر فوج کشی کی مگر اس مرتبہ ابھی شہر

فتح نہ ہونے پایا تھا کہ سلطان کو محاصرہ اٹھا کر فوراً کسی ضرورت سے قرطبہ کی جانب واپس آنا پڑا۔ ۲۲۱ھ میں پھر خاص اہتمام سے حملہ کیا گیا اور یہ شہر سات سال تک ملک اندلس کے درمیانی علاقہ میں خود مختار رہنے کے بعد مفتوح ہوا اور سلطان کی طرف سے یہاں عامل مقرر ہوا۔ اہل مریدہ کی اس خطرناک بغاوت سے بڑھ کر بغاوت ملک اندلس میں نہ ہوئی تھی۔ چالیس ہزار جنگ جو پورے طور پر مسلح اہل شہر کے پاس موجود تھے۔ ان باغیوں کو ہر قسم کی امداد ریاست ایسٹریاس وجلیقیہ سے خفیہ طور پر پہنچ رہی تھی۔ آخر ۲۲۰ھ میں جب یہ شہر فتح ہوا اور اس بغاوت کا خاتمہ ہو گیا تو محمود بن عبدالجبار مریدہ سے فرار ہو کر سیدھا ریاست ایسٹریاس ہی میں پہنچا اور وہاں اس کو ایک قلعہ کا قلعہ دار بنا دیا گیا جہاں وہ پانچ سال تک زندہ رہا۔

عیسائیوں کو مسلمانوں کے باغی بنانے میں دو وجہ سے آسانی ہوئی۔ اول تو یہ کہ اندلس میں عیسائی عورتیں عام طور پر مسلمانوں کے گھروں میں تھیں، مسلمان مذہبی آزادی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی ان عیسائی بیویوں کو تبدیل مذہب کے لیے مجبور نہیں کرتے تھے۔ شمالی عیسائی ریاستوں کو چھوڑ کر کہ ان عیسائیوں کو مسلمانوں سے عداوت ونفرت تھی، باقی تمام اندلس کے عیسائی مسلمانوں کے ساتھ نہایت گہرے اور ہمدردانہ تعلقات رکھتے تھے۔ ان عیسائیوں کے ذریعہ شمالی ریاستوں کے عیسائی مسلمانوں میں ہر ایک خیال کی باآسانی اشاعت کر سکتے تھے۔ اس مرتبہ یہ مشہور کیا گیا تھا کہ سلطان عبدالرحمٰن نے زکواۃ کے علاوہ جو اور کوئی ٹیکس لگایا ہے، یہ ابتدا ہے اس ظلم وستم کی جو سلطان اپنی رعایا کے تمام اموال پر قبضہ کرنے کے لیے کرنے والا ہے اس معمولی سی بات نے وہ صورت اختیار کر لی جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔

طلیطلہ میں بغاوت:

مریدہ کی بغاوت چونکہ جلدی فرو نہ ہو سکی تھی اور مسلمان باغیوں کی پامردی نے لشکر کے لیے مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ لہٰذا ملک کے اندر سرکش لوگوں کی ہمتیں پھر چست اور بلند ہونے لگیں اور طلیطلہ میں جہاں عیسائی آبادی زیادہ تھی عیسائیوں اور مسلمانوں نے مل کر ہاشم ضراب نامی ایک شخص کی سرداری میں علم بغاوت بلند کر کے وہاں کے عامل کو خارج کر دیا اور خود طلیطلہ میں ہر قسم کی مضبوطی کر لی۔ عیسائی ریاست گاتھک مارچ اور اردگرد کے لوگوں نے ہر قسم کی امداد ہاشم ضراب کو پہنچانی شروع کر دی۔ واقعہ پسند اور بدچلن لوگ جوق در جوق آ کر طلیطلہ میں داخل اور باغی فوج میں شامل ہونے لگے۔ طلیطلہ پہلے ہی نہایت مضبوط اور ناقابل فتح شہر تھا۔ اب ہاشم نے سامان مدافعت اور افواج کی فراہمی سے اس کو خوب ہی مضبوط بنا لیا۔ یہ دیکھ کر سرحدی عامل محمد بن وسیم بھی ہاشم کا شریک ہو گیا، ادھر سلطان عبدالرحمٰن

ثانی نے اپنے بیٹے امیہ کو ایک زبردست فوج دے کر طلیطلہ کی جانب روانہ کیا۔ امیہ نے ہر چند کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر امیہ اپنی فوج لے کر واپس ہوا اور ہاشم نے طلیطلہ سے نکل کر شاہی فوج کا تعاقب کیا۔ شاہی فوج ایک جگہ کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ جب اہل طلیطلہ زد پر پہنچ گئے تو ان پر حملہ کیا، اس حملہ میں طلیطلہ والوں کا بڑا نقصان ہوا مگر وہ بھاگ کر طلیطلہ میں واپس چلے گئے اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ بار بار اس شہر کے محاصرہ کو فوجیں بھیجی گئیں مگر یہ شہر فتح نہ ہوا۔ ایک مرتبہ ہاشم نے طلیطلہ سے نکل کر شنت بریہ کو خوب لوٹا اور اس پر قبضہ کر لیا۔

آخر سلطان عبدالرحمٰن نے اپنے بھائی ولید کو ۲۲۲ھ میں ایک زبردست فوج دے کر طلیطلہ کی مہم پر روانہ کیا، ولید نے طلیطلہ کے چاروں طرف فوجیں متعین کر کے ہر طرف سامان رسد کی آمد کو بند کرنے میں مبالغہ سے کام لیا اور اپنی کوشش کو استقلال کے ساتھ جاری رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل طلیطلہ سخت مجبور ہوئے اور ولید نے ۲۲۳ھ میں طلیطلہ کو فتح کیا، ہاشم ضراب لڑائی میں مارا گیا اور محمد بن وسیم وہاں سے بھاگ کر شہر میں چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے گرد باغیوں کی ایک جمعیت فراہم کی اور چند روز کے بعد طلیطلہ میں اچانک پہنچ کر قابض و متصرف ہو گیا۔

۲۲۴ھ میں سلطان عبدالرحمٰن نے خود چالیس ہزار فوج لے کر طلیطلہ پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کیا اور باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر امن و امان قائم کیا اور یہیں سے ایک فوج عبیداللہ بن عبداللہ کو دے کر مقام البہ اور قلاع کی جانب روانہ کیا۔ عبیداللہ نے اس نواح میں پہنچ کر عیسائیوں کو جنہوں نے بغاوت و سرکشی شروع کر دی تھی، متعدد شکستیں دے کر مطیع و منقاد بنا دیا۔ ابھی یہ لشکر شمالی حدود میں اپنا پورے طور پر ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ فرانسیسیوں کی فوجوں نے جو سرحد پر عرصہ سے جمع ہو رہی تھیں اور ممالک اسلامیہ کی اندرونی بغاوتوں سے فائدہ اٹھانے کی خواہاں تھیں سرحد پر حملہ کیا اور حدود سلطنت اسلامیہ میں داخل ہو کر شہر سالم کو لوٹ کر برباد کیا۔ عبیداللہ نے اس طرف کے عامل ابن موسیٰ کو ہمراہ لے کر عیسائی فوجوں پر حملہ کیا اور ان کے سپہ سالار لرزیق نامی شاہ فرانس کو شکست دے کر بھگا دیا۔

۲۲۵ھ میں سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے خود بلاد جلیقیہ پر حملہ کر کے وہاں کے عیسائیوں کو سزائیں دے کر مطیع و منقاد بنایا۔ ریاست ایسٹریاس کے حاکم سے باج و خراج وصول کر کے اس سے اطاعت و فرماں برداری کا اقرار لیا اور اسی کی ریاست میں اپنا فوجی کیمپ قائم کر کے ملک فرانس پر خشکی کے راستے بھی اور سمندر کے راستے بھی فوجیں روانہ کیں۔ ان فوجی مہموں کا نتیجہ مال غنیمت اور کثیر التعداد قیدیوں کی شکل میں ظاہر ہوا اور سلطان عبدالرحمٰن سالماً غانماً قرطبہ کی جانب واپس آیا۔

قیصر قسطنطنیہ کی دوسری سفارت:

اسی سال طوفیلس قیصر قسطنطنیہ کی جانب سے قرطبہ میں ایک سفارت اسی طرح وارد ہوئی جیسا کہ قیصر میکائیل کی جانب سے اس سے پہلے سفارت آئی تھی۔ عبدالرحمٰن نے اس سفیر کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو پہلے سفیر سے کر چکا تھا۔ اس مرتبہ قیصر قسطنطنیہ خلیفۂ بغداد سے بہت مجبور ہو گیا تھا اور اس نے پہلے قیصر سے زیادہ الحاح واصرار کے ساتھ عبدالرحمٰن سے مدد طلب کی تھی اور پہلے سے زیادہ توقعات دلائی تھیں۔ ممکن تھا کہ خلیفہ بغداد کی مخالفت کو مدنظر رکھ کر اس نے فرانسیسیوں کو اپنی ہر ایک حملہ آوری پر جو وہ اندلس پر کرتے تھے دربار بغداد سے شہ ملتی ہو۔ اس مرتبہ عبدالرحمٰن قیصر قسطنطنیہ کی مدد کو فوج روانہ کر دیتا مگر اتفاق کی بات انہیں ایام میں یورپ کے شمالی علاقے کی قوم نارمن نے جو ابھی تک عیسائیت سے متنفر اور آتش پرستی و بت پرستی میں مبتلا تھی جرمن واسکینڈی نیویا سے اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر اور انگلش چینل میں سے گزر کر اندلس کے جنوبی ومغربی ساحل پر اتر کر یکایک قصبوں اور شہروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ شہر فادیس کو خوب لوٹا اور پھر مضافات اشبیلیہ تک پہنچ گئے۔ یہ حملہ ایک غیر معروف اور اجنبی قوم نے اندلس پر اسی طرح کیا تھا جس طرح مسلمانوں کا ابتدائی حملہ طارق بن زیاد کی سرداری میں ہوا تھا۔

اس وحشت انگیز خبر کو سن کر امیر عبداللہ نے خشکی کے راستے ان کے مقابلے کو فوجیں روانہ کیں۔ اور دوسری طرف اندلس کے مشرقی ساحل کے بندرگاہوں میں حکم بھیجا کہ جہازوں کو آبنائے جبل الطارق کی طرف بھیج دو۔ تاکہ ان حملہ آوروں کے جہازوں پر قبضہ کر کے ان کے لیے راہ فرار مسدود کر دیں۔ نارمنوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ پندرہ جہاز مسلح سپاہیوں سے بھرے ہوئے ہمارا راستہ روکنے کے لیے آ رہے ہیں تو وہ اندرون ملک سے بے تحاشا ساحل کی جانب بھاگے اور اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر غائب ہو گئے۔ اور پھر عرصہ دراز تک ان کو اندلس پر چھاپہ مارنے کی جراءت نہ ہوئی۔

موسیٰ بن موسیٰ سپہ سالار کی بغاوت:

ابھی یہ فتنہ فرو ہی ہوا تھا کہ شمال کی جانب سے خبر پہنچی کہ موسیٰ بن موسیٰ جو عبدالرحمٰن ثانی کا مشہور سپہ سالار اور سرحد شمالی کا محافظ مقرر کیا گیا تھا۔ باغی ہو کر عیسائیوں سے مل گیا ہے اس کی سرکوبی کے لیے حرث بن بدیع کو بھیجا گیا، موسیٰ مع عیسائی لشکر کے مقابلہ پر آیا مگر حرث نے شکست دے کر بھگا دیا۔ موسیٰ نے مقام طلیطلہ میں قیام کیا اور حرث سرقسطہ میں واپس ہو کر مقیم ہوا۔ عرصہ تک لڑائیاں ہوتی رہیں آخر موسیٰ طلیطلہ چھوڑ کر مقام ربط میں چلا گیا اور طلیطلہ پر حرث نے قبضہ کیا۔ آخر عیسائی بادشاہ غرسیہ فوج لے کر موسیٰ کی کمک کو پہنچا اور جنگ وجدل کا ہنگامہ خوب زور شور سے جاری ہوا۔ ان ہنگامہ آرائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقام البہ میں ایک لڑائی کے اندر موسیٰ نے حرث کو گرفتار کرا دیا اور بادشاہ فرانس کے پاس ۲۱۸ھ میں بھیج دیا۔ عبدالرحمٰن ثانی کو اس خبر کے سننے سے سخت صدمہ ہوا، اس نے اپنے بیٹے منذر کو ایک

زبردست فوج دے کر موسیٰ کی طرف روانہ کیا، اس عرصہ میں موسیٰ نے طلیطلہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ منذر نے ۲۲۹ھ میں غرسیہ نامی سردار والئ نبلونہ کو جو موسیٰ کی حمایت و امداد کے لیے آیا تھا ایک لڑائی میں قتل کر دیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے کو بطور ترغمال منذر کے پاس بھیج کر صلح کی درخواست کی۔ سلطان نے درخواست منظور کر لی اور موسیٰ کو طلیطلہ کی حکومت پر مامور کر دیا۔

شمالی سرحدی اندلس کے عیسائیوں کی بغاوت

ادھر شمالی سرحد پر یہ ہنگامہ برپا تھا۔ ادھر شمال و مشرق کی جانب عیسائیوں نے بغاوت و سرکشی کی تیاریاں بڑے زور شور سے شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ ۲۳۰ھ میں اہل برشلونہ نے اسلامی حدود میں لوٹ مار شروع کر دی اور وہاں کی اسلامی فوج کو قتل کر کے جنوب و مغرب کی جانب پیش قدمی کی۔ سلطان عبدالرحمٰن نے اپنے مشہور سپہ سالار عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث کو ۲۳۱ھ میں برشلونہ کی جانب روانہ کیا۔ عبدالکریم نے برشلونہ اور اس کے نواح کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر ریاست گاتھک مارچ کو تہ و بالا کر ڈالا مگر پھر اقرار اطاعت لے کر یہ ریاست اس کے والی کو سپرد کر دی اور فرانس کی حدود میں داخل ہو کر فرانس کے شہر جرندہ تک برابر تاخت و تاراج کرتا ہوا چلا گیا۔ اسلامی فوج ملک فرانس میں زیادہ دیر تک نہیں رہی بلکہ فرانسیسیوں کو اپنی طاقت و صولت دکھا کر جلد واپس چلی آئی۔

عیسائیوں اور بنوامیہ کے دشمنوں کو اب تک اپنی ہر ایک تدبیر اور ہر ایک سازش میں بظاہر ناکامی ہی حاصل ہوتی رہی تھی۔ اب جبکہ تمام ہنگامے فرو ہو گئے اور تمام باغی تھک کر بیٹھ رہے تو فرانس اور اندلس کی شمالی سرحدی ریاستوں کے عیسائیوں نے مل کر ایک مجلس مشورت منعقد کی اور ایک عرصہ دراز تک دربار قرطبہ کی سرحدات کی طرف توجہ کرنے سے باز رکھنے کا ذمہ جلیقیہ کے پادریوں نے لیا کہ اس عرصہ میں عیسائی طاقتیں متحدہ طور پر فوجی تیاریاں کر سکیں۔ نئے قلعے بنا سکیں۔ شمالی عاملوں کو اپنے ساتھ ملائیں اور حکومت اسلامیہ پر ایک ایسی ضرب لگانے کے لیے تیار ہو جائیں کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہے پھر وہی گاتھک سلطنت کا زمانہ واپس آ جائے۔ اس کوشش کو خالص مذہبی عبادت قرار دیا گیا۔ پادریان جلیقیہ نے ایک نہایت پر جوش پادری کو قرطبہ میں اس لیے مامور کیا کہ وہ خاص دارالسلطنت قرطبہ اور دوسرے شہروں میں پادریوں اور عیسائیوں کو دین عیسوی کی خدمت کے لیے قربان ہونے اور جان دینے پر آمادہ کرے۔ اندلس میں مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ اپنے گرجوں میں گھنٹے بجاتے اور اطمینان سے عبادت بجا لاتے تھے۔ مذہبی معاملات اور مقدمات کو عام طور عیسائی جج فیصلہ کرتے اور گرجوں کے مصارف شاہی خزانے سے عطا ہوتے تھے۔

مسلمان عیسائیوں کے تہواروں میں اور عیسائی مسلمانوں کے تہواروں میں شریک ہوتے اور تجارت و زراعت وغیرہ میں دونوں قومیں بلا امتیاز یکساں حقوق رکھتی تھیں۔ کوئی ایسی وجہ پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ عیسائیوں میں مسلمانوں کے خلاف مذہبی جوش پیدا کیا جا سکے۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کے اصلی اخلاق کا معائنہ کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ کیونکہ ان اطراف میں زیادہ تر وہی لوگ سمٹ کر جمع ہو گئے تھے جو گاتھک سلطنت کے ارکان اور مسلمانوں کی آمد کو اپنی ذلت کا موجب جانتے تھے۔ یہیں پادریوں کے وعظ و تقریر کے ذریعہ مخالفت کے شعلے بلند ہوتے رہتے تھے اور مسلمان بھی اسی نواح میں بار بار حملہ آور ہوتے اور قتل و غارت کے ہنگامے برپا کرنے کا موقع پاتے رہتے تھے۔

جنوبی و شمالی اندلس کے عیسائیوں کا نیا فتنہ:

تاہم جنوبی اندلس میں شمالی اندلس کے فدائی عیسائی آ کر منتشر ہو گئے۔ انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ علانیہ بازاروں اور مجمعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتے۔ قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے اور مسلمانوں کو جوش دلاتے تھے۔ ان عیسائی بدزبانوں کو اول گرفتار کر کے قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا، وہاں بھی انہوں نے بدزبانی کا اعادہ کیا، قاضی نے قتل کا حکم دیا۔ جب اس طرح ایک شخص کا قتل ہوا تو دوسرے نے خود قاضی کے دربار میں پہنچ کر علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیں، قاضی نے اس کو بھی قتل کرا دیا۔ ان عیسائیوں نے جو اپنے آپ کو قتل ہی کرانے کے لیے مستعد ہو کر آئے تھے یکے بعد دیگرے اپنے آپ کو مستحق قتل قرار دینا اور قتل ہونا شروع کیا تو قاضی اور سلطان کی طرف سے درگزر اور چشم پوشی کا برتاؤ شروع ہوا۔ عام عیسائیوں میں یہ خیال بڑی آسانی سے یہ لوگ پھیلا سکے کہ جو لوگ اس طرح مقتول ہوتے ہیں وہ ولی کامل اور شاہ ولایت بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ان مقتولوں کی قبروں کو زیارت گاہ بنایا گیا اور قرطبہ اور دوسرے مقامات کے جاہل عیسائیوں کی ایک تعداد ان قتل ہونے والے عیسائیوں کی قبروں کو عزت و تکریم کی نگاہوں سے دیکھنے اور ان کی زیارت کرنے کو ثواب سمجھنے لگی۔ شمالی ریاستوں کے عیسائی ان شہیدوں کے مزاروں کی زیارت کو آتے اور خود بھی اسی نامعقول حرکت کا ارتکاب کر کے گرفتار ہو جاتے۔ جب ان شریروں کو مقتل میں لے جایا جاتا تو ہزارہا آدمی ان کو ولی کامل سمجھ کر ان کا آخری دیدار دیکھنے کو جمع ہو جاتے۔ اس طرح یہ سلسلہ کئی برس تک جاری رہا اور سلطان سخت شش و پنج میں مبتلا رہا کہ اس طوفان بدتمیزی کو کس طرح فرو کیا جاوے۔

آخر قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ کے بڑے بڑے سنجیدہ مزاج پادریوں اور اسقفوں نے ایک عظیم الشان مذہبی مجلس منعقد کی اور ملک اندلس کے تمام بڑے بڑے پادریوں کو اس میں بلا کر یہ مسئلہ پیش کیا کہ آیا مذہب عیسوی کی رو سے مسلمانوں کے پیغمبر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی مذہبی

کتاب قرآن مجید کو گالیاں دینا ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس طرح مقتول ہو رہے ہیں وہ شہید یا شاہ ولایت کہلانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اس پر پادریوں نے خوب تقریریں کیں اور اس حرکت کو مذہب عیسوی کے بالکل خلاف قرار دے کر ان لوگوں کو جو اس طرح اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتے اور مقتول ہوتے تھے۔ گناہ کا مرتکب قرار دیا اور یہ عجیب فیصلہ کیا کہ جو لوگ اب تک مقتول ہو چکے ہیں وہ تو شہید اور شاہ ولایت سمجھے جائیں گے لیکن جو عیسائی اس کے بعد اس حرکت ناشائستہ کا مرتکب ہوگا۔ وہ بدمعاش سمجھا جائے گا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ پادریوں کی کونسل کے اس فیصلے نے اندلسی عیسائیوں کو متاثر کیا۔ لیکن شمالی ریاستوں کے پادری جو اسی غرض کے لیے اپنے آپ کو ایک ولی کامل کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اپنی ان حرکات سے باز نہ آئے۔

ایک طرف مسلمانوں کی شکایت تھی کہ سلطان ان عیسائی بدزبانوں کو سزا دینے میں لیت ولعل اور غفلت کرتا ہے۔ اسی لیے ان کے حوصلے بڑھتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف عیسائیوں کا جاہل طبقہ اپنے ان پادریوں کو برا کہنے لگا۔ جنہوں نے ان مذہبی شہیدوں کو بدمعاش قرار دیا تھا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے جو خوش گوار تعلقات ملک میں قائم تھے اور ان میں کوئی مذہبی منافرت نہیں پائی جاتی تھی وہ کمزور ہونے لگے اور عیسائی مسلم نااتفاقی پیدا ہونے لگی۔

عیسائیوں کے اس فتنے نے سلطان عبدالرحمٰن کو اس کی عمر کے آخری پانچ چھ سال میں بہت پریشان اور غمگین رکھا۔ اور اس کی زندگی میں اس عجیب وغریب قسم کے فتنے کا بکلی سد باب نہ ہو سکا بلکہ اس کا کم وبیش سلسلہ جاری رہا۔

عبدالرحمٰن کی وفات:

آخر ماہ ربیع الآخر ۲۳۸ھ میں اکتیس سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد عبدالرحمٰن ثانی نے وفات پائی اور اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔

عبدالرحمٰن کے عہد حکومت پر تبصرہ

سلطان عبدالرحمٰن ثانی کا عہد حکومت اگرچہ لڑائی جھگڑوں سے خالی نہیں رہا تاہم اس سلطان نے رفاہ رعایا اور علوم وفنون کی طرف سے غفلت نہیں برتی۔ عبدالرحمٰن خود نہایت اعلیٰ درجہ کا عالم اور فلسفہ وشریعت کا خوب ماہر تھا۔ جامع مسجد قرطبہ میں متعدد کمرے تعمیر کرا کر اس میں اضافہ کیا۔ بہت سی مسجدیں، پل اور قلعے تعمیر کرائے، نئی سڑکیں نکالیں۔ مسافروں اور تاجروں کی سہولت کے سامان بہم پہنچائے۔ سررشتۂ تعلیم کی طرف اس کی توجہ ہمیشہ مبذول رہی۔ کسی قصبے اور گاؤں کو بلا مدرسہ نہیں چھوڑا۔

ہر ایک شہر اور قصبے میں اپنے عاملوں اور مجسٹریٹوں کے لیے دفتروں اور کچہریوں کے شان دار مکانات تعمیر کرائے۔ ہر ایک شہر اور قصبے میں حمام بھی تعمیر کرائے۔

عبدالرحمن ثانی کو آرائش اور شان وشکوہ کا بڑا شوق تھا۔ رعایا کے سامنے عام منظروں میں کم نکلتا اور اکثر رعایا کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا تھا۔ اس کی طبیعت میں رحم وکرم کا مادہ زیادہ تھا۔ سخت سزائیں دینے اور قتل کرانے میں ہمیشہ تامل کرتا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کا خزانہ بہت ترقی کر گیا تھا۔ اس نے پہلے سے زیادہ خوبصورت سکے مسکوک کرائے۔ دریائے وادی الکبیر کے دونوں کناروں پر قرطبہ کے متصل متعدد میووں کے لگائے اور ان کو عوام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یونانی فلسفوں کی کتابوں کے ترجمے کرائے علمی مجالس مقرر کیں۔ ایک مرتبہ ٹڈی دل کی کثرت نے کھیتوں کو کھا کر صفاچٹ کر دیا اور امساک باراں کے سبب ملک میں عام طور پر قحط پڑ گیا۔ سلطان نے اس موقع پر رعایا کی بڑی مدد کی اور پھر یہ قاعدہ مقرر کیا کہ غلہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ شاہی خزانہ سے خرید کر مہیا رکھا جائے تاکہ کسی ایسے قحط کے موقع پر رعایا کے کام آسکے۔

ولی عہدی:

سلطان عبدالرحمن کی ایک بیوی طروب نامی تھی جس کے ساتھ اس کو محبت تھی، اس کے پیٹ سے عبدالرحمن کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا تھا۔ طروب کی یہ خواہش تھی کہ سلطان اپنے بعد عبداللہ کو تخت وتاج کا مالک قرار دے۔ لیکن سلطان کا بیٹا محمد اپنے بھائی عبداللہ سے زیادہ قابل اور مستحق سلطنت تھا۔ طروب نے ایک مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ محمد کو زہر دے کر قتل کرا دیا جائے، اس کام کے لیے نصر نامی خواجہ سرا کو راز دار بنایا گیا۔ نصر نے ایک شاہی طبیب کو بڑا بھاری لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دوا میں زہر ہلاہل ملا کر محمد کو پلا دے جوان دنوں اس طبیب کے زیر علاج اور کسی معمولی مرض میں مبتلا تھا۔ شاہی طبیب نے نصر کی اس فرمائش کو منظور کر لیا مگر پوشیدہ طور پر سلطان کو بھی اطلاع دے دی کہ آج دوا کا پیالہ شہزادے کے لیے آئے گا اس میں زہر ہلاہل شامل ہوگا۔ چنانچہ زہر آلود پیالہ آیا، بادشاہ نے نصر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس دوا کو آج تم ہی پی جاؤ، نصر کو دوا پنی پڑی اور پیتے ہی فوراً مر گیا۔ جو گڑھا اس نے شہزادہ محمد کے لیے کھودا تھا خود ہی اس میں گرا۔ اس کے چند روز بعد سلطان عبدالرحمن کا انتقال ہوا اور شاہی محافظ فوج کی مدد سے جو سلطان حکم کے زمانے سے قائم تھی شہزادہ محمد تخت نشین ہوا اور عبداللہ مع اپنی والدہ طروب کے ناکام رہا۔

عبدالرحمن بن معاویہ یعنی عبدالرحمن اول یا عبدالرحمن الداخل کے زمانے میں محاصل ملکی کی تعداد تین لاکھ دینار تھی۔ سلطان حکم کے زمانے میں یہ تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ عبدالرحمن ثانی کے

زمانے میں محاصل ملکی جو خزانہ شاہی میں داخل ہوتے تھے دس لاکھ دینار سالانہ تھے کل آمدنی کے تین حصے کیے جاتے تھے۔ ایک حصہ فوج کی تنخواہوں میں ایک حصہ حکام اور عہدہ داران سلطنت کی تنخواہوں میں صرف ہوتا تھا۔ ایک حصہ خزانہ عامرہ میں غیر مترقبہ ضرورتوں کے لیے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اسی میں رفاہ رعایا کے کام اور تعمیرات وغیرہ کے مصارف پورے کیے جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن ثانی نے بعض تجارتی سامان اور دوسری چیزوں پر محصول لگا کر آمدنی کو بڑھایا تھا اسی لیے اس کے خلاف ملک میں مخالفت کا جذبہ با آسانی پیدا کیا جاسکا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن کی اولاد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی یعنی سو سے زیادہ بیٹے اور پچاس کے قریب بیٹیاں تھیں۔ عبدالرحمٰن بہت قیافہ شناس شخص تھا۔ اس کو اس کی رعایا نے المظفر کا خطاب دیا تھا۔ اس کا سجع اور نقش ''راضی برضا'' تھا۔ اس کا رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں گہری، دراز ریش، لحیم و شحیم آدمی تھا۔ داڑھی میں حنا کا خضاب کرتا تھا۔ وفات کے وقت ۴۵ لڑکے زندہ تھے۔

عبدالرحمٰن ثانی کے عہد حکومت میں عیسائیوں کو سلطنت کے بڑے بڑے ذمہ داری کے عہدے دے جاتے تھے اور عیسائی جو عام طور پر عربی زبان بولتے اور لکھتے تھے دفتروں پر قابض و متصرف ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر فوجی خدمات کی طرف تھی۔ دفتری اہل کاریوں کو انہوں نے عیسائیوں کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

محمد بن عبدالرحمٰن کی تخت نشینی:

سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں عیسائیوں کا اثر و اقتدار دفاتر شاہی میں بہت بڑھ گیا تھا مسلمان فقہا اس حالت کو خاموشی کے ساتھ معائنہ کر رہے تھے اور سلطان حکم کے زمانے کا تجربہ کرنے کے بعد اب خاموش تھے مگر عیسائیوں کے اس رسوخ و اقتدار نیز ان شرارتوں اور گستاخوں کو دیکھ دیکھ کر کبیدہ خاطر ضرور تھے۔

سلطان محمد کا پہلا کام:

سلطان محمد نے جو ربیع الآخر ۲۳۸ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا تھا تخت نشین ہوتے ہی ذمہ داری کے عہدوں پر مسلمانوں کو مامور کیا اور عمال و حکام کو جو اسلامی احکام و اعمال کی پابندی میں ناقص تھے معزول کیا۔ سلطان محمد کی یہ پہلی کارروائی علماء اسلام کو بہت ہی پسند آئی۔ اسی عرصہ میں اندلس کے اندر بعض علماء کے ذریعہ جو حج کی غرض سے عرب و شام کے ملکوں میں آئے تھے حنبلی مذہب داخل ہوا۔ قرطبہ کے اندر حنبلی اور مالکی مولویوں کے مباحثے اور مناظرے شروع ہوئے اور مسلمانوں کے دو گروہ ہو کر آپس میں چھری کٹاری ہونے پر مستعد ہو گئے۔ سلطان محمد بن عبدالرحمٰن نے

اس مباحثے اور مناظرے میں خود دخل دے کر فیصلہ کیا اور اس برپا ہونے والے فتنے کو فرو کیا۔ اس خیال سے کہ مسلمانوں کی توجہ کو دوسری جانب منعطف کر دینے سے آپس کی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں کا خطرہ دور ہو جائے گا۔ جہاد کے لیے فوجی بھرتی شروع کی گئی، اور ایک زبردست فوج تیار کر کے شمالی عیسائی ریاستوں کے خلاف مہم روانہ ہوئی۔

اس زمانے میں ریاست ایسٹریاس یعنی سلطنت قسطلہ کے حاکم نے اسلامی علاقے کے متعدد شہروں پر قبضہ کر لیا تھا اور ہر طرف سے ایک عیسائی رئیس اسلامی رقبہ کو دباتا چلا جاتا تھا۔ اس فوج نے اول شاہ اردونی والیٔ قسطلہ کے خلاف پیش قدمی کی۔ اس فوج کی سرداری سلطان محمد نے موسیٰ بن موسیٰ کو سپرد فرمائی۔ یہ موسیٰ بن موسیٰ گاتھ قوم سے تعلق رکھتا تھا اور نو مسلم تھا۔ مثل اس کے اور بھی کئی نو مسلم شاہی فوج کی سرداریوں اور صوبوں کی گورنروں پر مامور تھے۔ آخر نتیجہ اس مہم کا کچھ زیادہ مفید نہ نکلا اور معمولی معرکہ آرائیوں کے بعد اس طرف سے فوج واپس آ گئی۔ اب اس فوج کو برشلونہ کی جانب بھیجا گیا کیونکہ وہاں بھی عیسائیوں نے جادہ اطاعت سے قدم باہر رکھا تھا۔ وہاں سے بھی معمولی مال غنیمت لے کر یہ فوج واپس آ گئی۔

بغاوتوں کا استیصال:

۲۳۹ھ میں باشندگان طلیطلہ نے یہ محسوس کر کے کہ دربار قرطبہ پر فقہا کا قبضہ و اثر زیادہ ہو گیا ہے اور عیسائی فدائیوں کو بلا تامل قتل کیا جانے لگا ہے اپنے آپ کو خطرہ محسوس کر کے یا شمالی عیسائیوں کی قرارداد کے موافق سلطنت اسلامیہ کے لے مشکلات پیدا کرنے کی غرض سے بغاوت کی تیاری کی۔ یہ واضح رہے کہ سلطان محمد نے تخت نشین ہو کر جب عیسائی شہداء کی تعداد میں بے دریغ اضافہ کرنا شروع کر دیا تو عیسائیوں نے اپنی اس حرکت ناشائستہ کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ اس کے عوض اب طلیطلہ کی بغاوت کا اہتمام ہونے لگا۔ اہل طلیطلہ نے اپنے عربی النسل گورنر کو گرفتار کر کے دربار قرطبہ میں پیغام بھیجا کہ سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے ہمارے جن لوگوں کو بطور یرغمال قرطبہ میں لے جا کر زیر نگرانی رکھا تھا ان کو واپس کر دو ورنہ ہم تمہارے گورنر کو قتل کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیں گے۔

سلطان محمد نے اہل طلیطلہ کی درخواست کو منظور کر کے ان لوگوں کو جو بطور یرغمال قرطبہ میں موجود تھے طلیطلہ بھیج دیا۔ اہل طلیطلہ نے بجائے اس کے کہ وہ اب راہ راست پر آ جاتے سلطان محمد کی کمزوری کا یقین کر کے علانیہ علم بغاوت بلند کر دیا اور طلیطلہ کو ہر طرح مضبوط کر کے شمالی عیسائی سلاطین سے امداد طلب کی۔ اہل طلیطلہ بار بار بغاوت کر چکے تھے مگر تعجب ہے کہ اب تک کسی بادشاہ نے بھی طلیطلہ کے قلعہ اور شہر پناہ کو منہدم کرنا ضروری نہیں سمجھا، اس کا سبب بھی مسلمانوں کی وہی بلند نظری ہے جس نے

ان کو شمالی سرحدی ریاستوں کے استیصال سے باز رکھا۔ ورنہ یہ کام اس سے پہلے ان کے لیے نہایت ہی آسان اور معمولی تھا۔

سلطان محمد خود فوج لے کر ۲۴۰ھ میں قرطبہ سے طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی سلطان محمد طلیطلہ تک نہیں پہنچنے پایا تھا کہ ریاست ایسٹریاس کی فوج اور پہاڑی جنگ جو اہل طلیطلہ کی امداد کے لیے طلیطلہ میں داخل ہو گئے۔ سلطان نے طلیطلہ کی فتح کو دشوار دیکھ کر یہ ترکیب کی کہ اپنی فوج کے بڑے حصے کو پہاڑیوں، ٹیلوں اور جھاڑیوں میں چھپا کر ایک چھوٹے سے حصے کو میدان سلیط میں جوان ٹیلوں اور جھاڑیوں کے درمیان تھا خیمہ زن کیا۔ اہل طلیطلہ نے جب یہ دیکھا کہ سلطان کے ساتھ بہت ہی تھوڑی سی فوج ہے اور اسی لیے وہ طلیطلہ کے محاصرے کی جرأت نہیں کر سکا تو وہ خود طلیطلہ سے نکل کر سلطانی لشکر پر حملہ آور ہوئے جب لڑائی شروع ہو گئی تو چاروں طرف سے سلطانی لشکر نکل کر حملہ آور ہوا، اس غیر مترقبہ آفت سے پہاڑی عیسائی اور اہل طلیطلہ حواس باختہ ہو کر بھاگنے لگے مگر سلطانی لشکر نے اس میدان میں بیس ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اس شکست سے اہل طلیطلہ کی ہمت پست ہو گئی اور سلطان محمد نے با آسانی طلیطلہ پر قبضہ کر کے وہاں ایک معمولی دستہ فوج متعین کیا۔

اس لڑائی میں اس قدر عظیم الشان کشت وخون ہوا تھا کہ اہل طلیطلہ کے باغی ہونے اور سرکشی اختیار کرنے کی توقع نہ رہی تھی، لیکن اہل طلیطلہ کے تعلقات اب شمالی عیسائی سلاطین سے قائم ہو چکے تھے۔ ادھر لشکر شاہی میں بہت سے سردار اور صوبوں کے عامل ایسے تھے جو شاہ ایسٹریاس۔ شاہ گاتھک مارچ، شاہ جلیقیہ، شاہ نواز، شاہ ایکیوٹین شہنشاہ فرانس سے درپردہ خط وکتابت رکھتے اور سازش کر چکے تھے۔ جس طرح ہر ملک میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کا سبب آپس کی نا اتفاقی ہوا ہے۔ اسی طرح اندلس میں بھی آپس کی نا اتفاقی اور خانہ جنگی نے روز بد دکھایا۔ اندلس میں اس نا اتفاقی و خانہ جنگی کی مثالیں دوسرے ملکوں کے مقابلے میں کسی قدر زیادہ اور غیر معمولی نظر آتی ہیں، اندلس کی اسلامی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا دستیاب نہیں ہوتا جس میں مسلمان اس مہلک مرض سے محفوظ و مامون نظر آتے ہوں۔ بہر حال عیسائیوں کے اتحاد اور مسلمانوں کی غداری نے اہل طلیطلہ کو ۲۴۲ھ کے آخر میں پھر بغاوت و سرکشی پر آمادہ کر دیا۔ اس مرتبہ سلطان محمد نے پھر طلیطلہ پر چڑھائی اور دوبارہ ان کو مطیع و منقاد بنا کر اور باغیوں کو سزائیں دے کر واپس ہوا۔ مگر سلطان محمد کے واپس ہوتے ہی اہل طلیطلہ نے ایک عیسائی سردار کے زیر قیادت پھر علم بغاوت بلند کیا۔ غرض اہل طلیطلہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور سلطان محمد کو بار باران پر چڑھائی کرنے میں مصروف رہنا پڑا۔ آخر ۲۴۸ھ میں سلطان محمد اس بات پر رضا مند ہو گیا کہ

اہل طلیطلہ کو اقرارِ اطاعت لے کر حکومت خود اختیاری عطا کر دے۔ یعنی اہل طلیطلہ کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ اپنا گورنر خود منتخب کر لیں اور وہ گورنر ایک مقررہ سالانہ رقم دارالسلطنت قرطبہ میں بھیجا کرے، باقی اندرونی انتظام میں وہ خود مختار ہوگا۔ سلطان محمد نے اہل طلیطلہ کی اس شرط کو منظور کر کے نہ صرف اپنی کمزوری کا اظہار کیا بلکہ یوں کہیے کہ عیسائیوں کے اس قدیمی دارالسلطنت کو خود اختیاری حکومت عطا کر کے اندلس میں دوبارہ عیسائی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھ دیا اور اسلامی سلطنت اندلس کے ایوان کی بنیاد میں سرنگ لگا دی جس سے ایک عرصہ کے بعد مسلمانوں کا نام ونشان ملک اندلس سے گم ہو گیا۔ طلیطلہ والوں نے موسیٰ بن موسیٰ نومسلم کے بیٹے لوپ کو گورنر بنانا چاہا۔ سلطان محمد نے اس کو بخوشی منظور کر لیا۔ اس کے بعد طلیطلہ میں شمالی علاقے کی عیسائی حکومتوں سے پہاڑی اور جنگ جو عیسائی آ کر بکثرت آباد ہونے شروع ہوئے اور مسلمانوں کو جو طلیطلہ میں آباد تھے۔ بتدریج وہاں سے خارج اور بے دخل کرنا شروع کیا۔ نہ صرف شہر طلیطلہ بلکہ اس کے اردگرد کا تمام علاقہ ریاست ایسٹریاس کا نمونہ بن گیا۔ ادھر موسیٰ بن موسیٰ گورنر سرقسطہ نے عیسائی سلاطین سے خفیہ معاہدے کر لیے تھے۔ غرض اس غدار خاندان نے سلطنت اسلامیہ کو کمزور کرنے میں خوب حصہ لیا جو بظاہر مسلمان کہلاتا تھا۔

اسی سال نارمن قوم نے اندلس کے مغربی ساحل پر اپنی کشتیاں لا کر اس طرف کے ساحلی علاقے پر چھاپہ مارا مگر سلطان محمد کے جہازوں نے جو اس ساحل پر موجود تھے نارمنوں کی پچاس کشتیاں گرفتار کر لیں اور وہ بلا سخت نقصان پہنچائے اندلس سے بھاگ گئے۔

رجب ۲۵۱ھ میں سلطان محمد نے اپنے بیٹے منذر کو سرحد شمال کی جانب البہ اور قلاع کے عیسائی سرکشوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اور اس کے پیچھے خود فوج لے کر جلیقیہ کے قصد سے روانہ ہوا۔ یہاں باپ بیٹوں کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ لیکن عیسائی لوگ اب مسلمانوں کے ان حملوں اور شمالی علاقے پر چڑھائیوں کو خوب پہچان گئے تھے۔ جب کوئی نہایت زبردست فوج حملہ آور ہوتی تو وہ معمولی مقابلہ کر کے پہاڑوں میں جا چھپتے اور معافی کی درخواستیں بھیجتے، اطاعت کا اقرار کرتے اور اس طرح ان حملہ آوروں کو واپس کر کے پھر اپنے مقبوضہ ملک پر قابض ومتصرف ہو کر حکومت کرنے لگتے۔ اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ شاہی فوجیں قرطبہ کی جانب واپس آئیں اور عیسائیوں نے اپنی پیش قدمی شروع کی۔ اس سے پیشتر عیسائیوں کے حملے اسلامی شہروں پر لوٹ مار کی غرض سے ہوتے تھے۔ لیکن اب وہ مسلمانوں کی کمزوری کو بخوبی محسوس کر چکے تھے، اب انہوں نے جس شہر پر قبضہ کیا اپنا عامل مقرر کیا اور

وہاں باقاعدہ حکومت قائم کر کے جلد جلد اپنے رقبہ حکومت کو وسیع کرنے لگے، چنانچہ جس طرح مشرقی ساحل پر برشلونہ لے لینے کے بعد عیسائی مشرقی ساحل پر نیچے اترنے کی فکر میں تھے۔ اسی طرح انہوں نے مغربی ساحل پر قبضہ کرنا شروع کیا اور پرتگال کے علاقے کو زیر تصرف لے آئے۔ سلطان محمد نے ایک جنگی بیڑہ ترتیب دے کر بحری راستے سے فوج بھیجی کہ وہ خلیج بسکی میں پہنچ کر جلیقیہ کے شمالی جانب سے حملہ آور ہو۔ لیکن اتفاق سے سمندر میں طوفان آیا اور یہ بیڑا طوفان میں سخت نقصان اٹھا کر بے نیل مرام واپس آیا۔ اس کے بعد بحری مہم کا خیال ترک کر دیا گیا۔

اہل طلیطلہ کی مثال دیکھ کر جابجا شہروں میں بغاوتیں شروع ہوئیں اور ہر ایک اس شہر نے جہاں عیسائیوں کی آبادی زیادہ تھی۔ حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کیا۔ ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں سلطان محمد کو مطلق اطمینان میسر نہ ہوا۔

ایک نئے مذہب کی ایجاد:

ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ۳۶۳ھ میں عبدالرحمٰن بن مروان نے جو اس سے پہلے بھی بغاوتوں میں حصہ لے چکا تھا اور سلطان محمد کی بیجا رعایت کے سبب نواح مریدہ میں ایک ذمہ داری کے عہدے پر مامور تھا اعلان بغاوت کیا۔ سلطان محمد نے اس طرف فوج کشی کی، تین مہینے کی جنگ و پیکار کے بعد عبدالرحمٰن بن مروان نے بجائے اس کے کہ اپنے وعدے اور ارادے کے موافق بغداد کی جانب روانہ ہوتا۔ اندلس ہی میں رہ کر ایک نئے مذہب کی ایجاد کی۔ اس مذہب میں عیسائیت اور اسلام کے اصولوں کو جمع کر کے ترتیب دیا گیا تھا۔ اس جدید مذہب میں بہت سے آوارہ مزاج مسلمان اور عیسائی شامل ہونا شروع ہوئے۔ چونکہ تمام ملک میں خودسری کی ہوا چل رہی تھی۔ لہٰذا بہت سے واقع پسند لوگ بلا لحاظ مذہب بھی اس کے گرد آ آ کر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اس طرح صوبہ جلیقیہ و صوبہ پرتگال کی حدود میں ایک خطرناک لشکر حکومت وقت کے خلاف عبدالرحمٰن بن مروان کی سرداری میں فراہم ہو گیا۔ سلطان محمد نے اس خطرے سے آگاہ ہو کر اپنے وزیر ہاشم بن عبدالعزیز کو ایک فوج دے کر اس طرف روانہ کیا۔ عبدالرحمن نے ہاشم کو دھوکا دیا اور اس کے سامنے سے فرار ہوتا ہوا اپنے تعاقب میں ایک جگہ ہاشم کو لے گیا، جہاں کمین گاہ میں فوج چھپی ہوئی بیٹھی تھی اس فوج نے یکایک چاروں طرف سے حملہ آور ہو کر ہاشم کی تمام فوج کو کاٹ ڈالا اور ہاشم گرفتار کر لیا گیا۔ اس سے پہلے عبدالرحمن بن مروان نے الفانسو حاکم ایسٹریاس سے خط و کتابت کر کے دوستی و محبت کا عہد نامہ لکھ دیا تھا۔ اب اندلس کے وزیر اعظم کو گرفتار کر کے اس نے اپنے دوست الفانسو کے پاس بھیج دیا تھا۔ تا کہ اس کو عبدالرحمٰن کی طاقت و قوت کا اندازہ ہو سکے اور محبت و دوستی کے تعلقات استوار ہو جائیں۔ سلطان محمد کو جب اپنے وزیر کے گرفتار ہونے کا حال معلوم ہوا تو اس نے عبدالرحمٰن بن مروان کو ہاشم کی رہائی کی نسبت لکھا۔ ابن مروان نے ایک لاکھ دینار زرفدیہ طلب کیا۔ چند مہینے تک ہاشم قید میں رہا اور عبدالرحمٰن بن مروان و سلطان محمد کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی۔ آخر سلطان محمد نے اس بات کو منظور کر لیا کہ عبدالرحمٰن شہر بطلیوس اور اس کے نواحی علاقے پر قابض و متصرف رہے اور اس پر کوئی خراج بھی عاید نہ کیا جائے۔ ساتھ ہی زرفدیہ ادا کر کے ہاشم کو چھڑایا جائے۔ چنانچہ ہاشم جب چھوٹ کر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا حریف جس نے اس کو قید کر لیا تھا ایک نہایت مضبوط مقام پر خود مختار حاکم ہو گیا ہے اور باج و خراج سے بھی بالکل آزاد ہے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ وزیر ہشام کی رہائی ڈھائی برس کے بعد ۲۶۵ھ میں ہوئی تھی۔

غرض عبدالرحمٰن بن مروان جو ایک معمولی باغی سردار تھا۔ اب اپنے آپ کو سلطان محمد کا ہمسر سمجھنے لگا۔ اس نے سلطنت ایسٹریاس سے اپنے تعلقات دوستی کو خوب بڑھایا۔ یہ رنگ دیکھ کر ملک کے ہر

حصے میں سرداروں نے بغاوت و سرکشی پر کمر باندھی اور رعب سلطنت خاک میں مل گیا۔

موسیٰ بن ذی النون گورنر شنت بریہ نے بغاوت اختیار کر کے طلیطلہ پر حملہ کیا کہ اس کو اپنے قبضے میں لائے، اہل طلیطلہ نے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی، اس نے پھر حملہ کیا اور اس طرح ان کی زور آزمائی کا سلسلہ جاری ہوا۔ ادھر اسد بن حرث بن بدیع نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ سلطان محمد نے شہزادہ منذر کو فوج دے کر موسیٰ بن ذی النون کی طرف بھیج دیا۔ منذر کئی شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے قرطبہ میں واپس آ گیا۔ غرض سلطان محمد کو بغاوتوں کے فرو کرنے اور فوجیں بھیجنے سے ایک روز بھی فرصت نہیں ملی۔

اسی نازک زمانے میں عمر بن حفصون نامی ایک عیسائی نے خاص صوبہ اندلیسیہ یعنی جزیرہ نمائے اندلس کے جنوبی و مشرقی علاقے کے پہاڑوں میں ڈاکوؤں کی ایک جمعیت اپنے گرد فراہم کی۔ عمر بن حفصون گاتھک خاندان کے سربر آوردہ اشخاص میں تھا۔ اس لیے بڑی آسانی سے وہ عیسائیوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو جمع کر سکا۔ نواح مالقہ میں پہاڑ کے ایک دشوار گزار مقام پر قلعہ بنا ہوا تھا، اس قلعہ کو عمر بن حفصون نے اپنا قرار گاہ بنایا اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر دیا۔ ارد گرد کے شہروں اور قصبہ کے عاملوں نے بار بار اس پر چڑھائیاں کیں مگر ہر مرتبہ شکست یاب ہوئے۔ آخر ۲۶۷ھ میں دارالسلطنت قرطبہ سے ایک زبردست فوج اس کی سرکوبی کو روانہ ہوئی، عمر بن حفصون نے براہ چالاکی اس فوج کی آمد پر درخواست صلح بھیجی اور اس بات کا وعدہ کیا کہ آئندہ لوٹ مار کرنے سے باز رہ کر علاقے میں امن وامان قائم رکھے گا، چنانچہ اسی شرط پر وہ پہاڑی قلعہ اس کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا اور امن وامان قائم ہو گیا۔

۲۶۸ھ میں سلطان محمد نے شہزادہ منذر کو ایک زبردست فوج دے کر شمال کی جانب بھیجا کہ اس طرف کے عیسائی سرکشوں کو سزا دی جائے۔ شمالی ریاستوں اور باغیوں کی حالت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ یہ تھی کہ جب کوئی زبردست فوج اس طرف جاتی تھی تو اظہار اطاعت کرنے لگتے تھے۔ جب یہ فوج واپس ہوئی پھر تمرد و سرکشی پر قائم ہو گئے۔ چنانچہ شہزادہ منذر نے اول سرقسطہ پہنچ کر وہاں کے باغیوں کو درست کیا پھر البہ و قلاع وغیرہ کا رخ کیا۔ اس کے بعد لریدہ کی بدنظمی کو دور کر کے وہاں اسمٰعیل بن موسیٰ کو ناظم مقرر کیا اور واپس چلا آیا۔ منذر کے واپس ہوتے ہی حاکم برشلونہ نے اسمٰعیل پر حملہ کیا، اسمٰعیل نے کمال مردانگی سے مقابلہ کر کے اہل برشلونہ کو شکست دے کر بھگا دیا۔

۲۷۰ھ میں عمر بن حفصون نے پھر بغاوت اختیار کی اور پہلے سے زیادہ طاقت بہم پہنچا کر علاقہ مالقہ کے امن وامان کو برباد کر دیا۔ قرطبہ سے ہاشم بن عبدالعزیز وزیر اعظم ایک فوج لے کر عمر بن حفصون کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ معرکے ہوئے آخر ہاشم نے سلام و پیام کے ذریعہ عمر بن حفصون کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور اس کو معافی کا وعدہ دے کر اپنے ساتھ قرطبہ چلنے پر رضامند کر لیا۔ عمر

بن حفصون وزیر ہاشم کے ساتھ قرطبہ چلا آیا۔ وزیر ہاشم اس کی بہادری دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ اس نے سلطان محمد سے کہہ کر عمر بن حفصون کو افواج سلطانی کا سپہ سالار اعظم مقرر کرا دیا۔

اس کے بعد ۲۷۱ھ میں وزیر ہشام عمر بن حفصون کو ایک زبردست فوج کے ساتھ ہمراہ لے کر شمال کی جانب متوجہ ہوا، وہاں اہل سرقسطہ پھر باغی ہو گئے تھے اور ریاست ایسٹریاس کی جانب سے خطرات پیدا ہو رہے تھے۔ عمر بن حفصون نے ان لڑائیوں میں بڑی شہرت و ناموری حاصل کی، اہل سرقسطہ اور عیسائیاں ایسٹریاس کو پیہم شکستیں دے کر اور خراج وصول کر کے یہ دونوں واپس ہوئے۔ عمر بن حفصون کو حکومت اسلامیہ کی سپہ سالاری کچھ پسند نہ آئی کیونکہ اس طرح وہ اپنی امیدوں کو کہ دوبارہ گا تھک حکومت قائم ہو جائے پورا نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ راستے ہی سے وہ فرار اور وزیر ہاشم سے جدا ہو کر بھاگا اور سیدھا اپنے اسی پرانے قلعے میں پہنچ کر مضبوط ہو بیٹھا۔ اس کے قدیمی دوست اور پرانے رفیق پھر آ آ کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ادھر عمر بن حفصون نے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر نواح مالقہ میں خودمختارانہ حکومت شروع کی، ادھر عبدالرحمٰن بن مروان نے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اشبیلیہ اور اس کے نواحی علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ سلطان محمد نے اشبیلیہ کی طرف اپنے بیٹے منذر اور وزیر ہاشم کو فوج دے کر بھیجا اور عمر بن حفصون کو اپنی حکومت و ریاست قائم کرنے کے لیے نہایت قیمتی صورت مل گئی۔ وہاں اشبیلیہ کے نواح میں دو سال تک جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر ۲۷۲ھ میں عبدالرحمٰن بن مروان کو تھوڑا سا علاقہ اور دے کر صلح کر لی گئی اور اس طرف کی ہنگامہ آرائی ختم ہوئی۔

اس کے بعد شہزادہ منذر کو عمر بن حفصون کی طرف بھیجا گیا۔ عمر بن حفصون جب سے سپہ سالاری چھوڑ کر آیا تھا۔ پہلے کی نسبت زیادہ شائستہ اور مآل اندیش بن گیا تھا۔ اس نے دربار قرطبہ اور وزیر ہاشم کی صحبت سے بہت فائدہ اٹھایا اور اس مرتبہ آ کر بجائے ایک ڈاکو اور رہزن کے وہ ایک فرماں روا اور والی ملک کی حیثیت میں نمودار ہوا، اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر حصہ ملک پر اس کا قبضہ تھا اس میں چوری اور ڈاکہ زنی کا بالکل انسداد کر دیا اور رہزنوں، چوروں اور ظالموں کو نہایت عبرتناک سزائیں دیتا اور بالخصوص اپنے سپاہیوں اور فوجی سرداروں کو تو قطعاً رعایا پر ظلم نہ کرنے دیتا، اس کا اثر اس کی حکومت و طاقت کے بڑھانے کا موجب ہوا اور یہی وہ گر تھا جو عمر بن حفصون دربار قرطبہ سے یاد کر کے آیا تھا۔ آج کل رعب سلطنت کے باقی نہ رہنے سے ملک میں ہر طرف بدامنی کا دور دورہ تھا اور ایسی حالت میں رعایا کے جان و مال کا محفوظ نہ ہونا یقینی بات تھی لیکن بخلاف اس کے عمر بن حفصون نے اپنے چھوٹے سے مقبوضے میں جس پر وہ غاصبانہ اور باغیانہ طور پر قابض و متصرف تھا، قابل رشک امن و امان قائم کر رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی آبادی کو اس کے ساتھ محبت اور اردگرد کے علاقوں کو بھی اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔

سلطان محمد کی وفات:

۲۷۲ھ کے آخر اور ۲۷۳ھ کے شروع میں منذر بن محمد ولی عہد سلطنت فوج لے کر عمر بن حفصون کے مقابلہ کو آیا۔ ابتداً چند چھوٹی چھوٹی معرکہ آرائیاں ہوئیں، اس کے بعد زیادہ ممکن تھا کہ عمر بن حفصون کو مغلوب یا مقتول یا گرفتار کر لیا جائے۔ عمر بن حفصون زخمی ہو چکا تھا اس کو اور اس کی فوج کو منذر بن محمد نے محصور کر کے اس قدر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو منذر کے سپرد کر دینے والا تھا کہ اسی اثنا میں منذر کے پاس سلطان محمد کے فوت ہونے کی خبر پہنچی۔ منذر اس خبر کو سنتے ہی بلاتوقف قرطبہ کی جانب روانہ ہو گیا اور عمر بن حفصون اس طرح مع اپنی جماعت کے برباد ہونے سے بچ گیا۔

سلطان محمد ۲۰۷ھ میں پیدا ہوا تھا، قریباً ۶۶ سال کی عمر پا کر ماہ صفر ۲۷۳ھ میں ۳۴ سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا منذر تخت نشین ہوا۔

سلطان محمد کے عہد حکومت پر تبصرہ:

سلطان محمد کے عہد حکومت میں اندلس پر بدامنی طاری رہی۔ اس کو ایک روز بھی مطمئن ہو کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ اندرونی بغاوتوں اور بیرونی سازشوں کے ختم نہ ہونے والے سلسلے نے سلطان محمد کو ہمیشہ مصروف و پریشان رکھا۔ سلطان محمد کے زمانہ میں خاندان بنو امیہ کی حکومت بہت ہی کمزور اور بے وقار ہو گئی تھی کہ معمولی اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو بھی بغاوت و سرکشی کی جرأت ہو گئی تھی۔ سلطنت اموی کے اس ضعف و اختلال نے عیسائیوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے اپنے آپ کو خوب طاقتور بنا کر اس بات کو ممکن سمجھا کہ ہم اندلس میں پھر عیسائی حکومت قائم کر سکیں گے۔

سلطان محمد ذاتی طور پر بہادر اور مستعد بادشاہ مگر اندرونی بغاوتوں اور خود مسلمان سرداروں کی بغاوتوں نے ملک کی حالت کو اس قدر نازک بنا دیا تھا کہ ان کی مخالفتوں اور سازشوں کا یہ طوفان سلطان محمد کے زمانے میں سلطنت اسلامیہ کی خرابی و بے عزتی کا باعث ہوا۔ اس کے علاوہ عیسائی سلاطین اور عباسی خلفاء اندلسی مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کرانے میں کوشاں تھے۔ لیکن اب عباسیوں کا جوش مخالفت تو سرد ہو چکا تھا، اور ان کو اس قدر ہوش ہی نہ رہا کہ وہ سلطنت اندلس کی طرف توجہ کرتے۔ عیسائیوں کی مخالفت کوئی پوشیدہ چیز نہ تھی۔ اب جو مسلمانوں میں نااتفاقی اور عداوتیں پیدا ہوئی تھیں۔ یہ فقہا کی کوتاہ اندیشیوں کا نتیجہ تھا۔ کہ اندلس کے قاضیوں اور عالموں کو عام طور پر بمقابلہ دیگر ممالک اسلامیہ کے ہمیشہ زیادہ اقتدار حاصل رہا ہے اور اسی مناسبت سے اندلس کے مسلمانوں میں ہمیشہ زیادہ نااتفاقی پائی گئی ہے جس کا پہلا قابل تذکرہ اور اہم مظہر سلطان محمد کا زمانہ تھا اس زمانے میں جو سب سے زیادہ نقصان اسلام کو اندلس میں پہنچا، وہ یہ تھا کہ اس سے پہلے تک عیسائی برابر اسلام میں داخل ہوتے رہتے تھے اور باوجود

یہ کہ شمالی پہاڑی عیسائیوں کی طرف سے طرح طرح کی کوششیں مسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام سے عیسائیوں کو متنفر بنانے کے لیے ہوتی رہتی تھیں۔ تاہم سمجھ دار شخص عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ اور اس طرح نومسلموں کی ایک بڑی تعداد ہر زمانے میں موجود ہوتی تھی۔

سلطان محمد کے زمانے میں علماء وفقہا نے ایسے فتوے اور ایسے قوانین جاری کیے، جس سے نہ صرف عیسائیوں کے قدیمی حاصل شدہ حقوق کو صدمہ پہنچا بلکہ نومسلموں کے متعلق بھی بے اعتمادی اور بے اعتباری پیدا ہوئی اور اس کے نتیجے میں ارتداد کا سلسلہ جاری ہوا۔ نومسلم لوگ اسلام کو چھوڑ کر پھر عیسائیت اختیار کرنے لگے۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عبرت کا مقام نہیں ہو سکتا کہ مولویوں کی تنگ نظری وسخت گیری نے قابو یافتہ ہو کر سلطان محمد کے آخر عہد حکومت میں مرتدین کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا کر دیا جو شمالی اندلس میں نہیں بلکہ دارالسلطنت قرطبہ کے نواح میں پیدا ہو کر شمالی عیسائیوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آن آشنا کرد

سلطان محمد کے آخر عہد حکومت میں اندلس کے اندر مختلف جماعتیں اور مختلف گروہ پیدا ہوئے جن میں سے ہر ایک کے مقاصد الگ الگ تھے۔

۱) خالص عربی النسل لوگ۔ ان کے اندر بھی آپس میں اتفاق نہ تھا اور کئی گروہ تھے مثلاً شامی، یمنی، حجازی، حضرمی وغیرہ۔

۲) مولدین یعنی وہ لوگ جن کے باپ عرب اور مائیں عیسائیان اندلس سے تھیں ان کو دوغلے عرب کہنا چاہیے۔ مگر یہ سب کے سب اپنے اندر عربی خون نہ رکھتے تھے بلکہ ان کا زیادہ حصہ بربری باپ اور اندلسی ماؤں کی اولاد پر مشتمل تھا۔

۳) نومسلم یعنی وہ لوگ جو پہلے عیسائی تھے اور اب مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی اولاد بھی نومسلم ہی کہلاتی تھی اور یہ مذہب اسلام کے زیادہ پابند نظر آتے تھے۔

۴) خالص بربری لوگ۔ ان کی تعداد بھی کافی ہے۔

۵) مجوسی یہ ان لوگوں کی اولاد تھی۔ جن کو بطور غلام مختلف ملکوں سے خرید کرا کر منگوایا گیا تھا، ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔

۶) یہودی، یہ بھی اندلس کے قدیم باشندے تھے۔ ان کا پیشہ زیادہ تر تجارت تھا اور فساد و بغاوت سے الگ رہنا چاہتے تھے۔

۷) عیسائی۔ یہ اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عامل تھے۔ ان کی تعداد بھی ملک میں زیادہ تھی۔

۸) مرتدین۔ یہ وہ لوگ تھے جو سلطان محمد کے زمانے میں اسلام سے روگرداں ہو کر پھر حالت کفر میں واپس چلے گئے تھے۔ ان مرتدین کے ساتھ ہی ایک ایسا فرقہ بھی شامل تھا جو کسی مذہب کی قید میں نہ تھا۔ اور اس کا پیشہ لوٹ مار اور غارت گری ہی تھا۔

اوّل الذکر چاروں گروہ مسلمان اور اصل اسلامی طاقت سمجھے جاتے تھے۔ بادشاہ اور علماء کا اولین فرض یہ تھا کہ ان کی نگاہ میں ان چاروں کا مرتبہ مساوی ہوتا مگر سلطان محمد سے اس معاملے میں سخت غلطی اور کمزوری کا اظہار ہوا، اور مولدین کو جن کی تعداد اور طاقت بڑی ہوئی تھی، شکایتیں پیدا ہوئیں، علماء کی گروہ بندی اور مالکی، حنبلی تفریق نے نومسلموں کے جوش کو سرد کر دیا۔ بربری لوگ بھی اس سے متاثر ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اندر سے بحیثیت مجموعی روحانیت جاتی رہی، اخلاق فاضلہ ضعیف ہو گئے۔ دینی جہاد کا شوق سرد پڑ گیا۔ وہ تلواریں جو خدا کی راہ میں بے نیام ہوتی تھیں اب نفسانی اغراض و خواہشات کے پورا ہونے میں چمکنے لگیں۔ ہر ایک گروہ کی تفریق نمایاں ہو کر نمایاں تر ہوتی گئی۔ سلطان نے جس قدر فقہا کے اقتدار کو بڑھایا، اسی قدر عوام کا اعتماد فقہا کی نسبت کمزور ہوتا گیا اس بے اعتمادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی محبت دلوں سے جاتی رہی اور دنیا دین پر مقدم ہو گئی۔

مسلمانوں اور مسلمانوں کی سلطنت کا حال یہ تھا۔ ادھر عیسائیوں کی ریاستیں جو وسیع ہوتے ہوتے اسلامی سلطنت کی ہمسر بن گئی تھیں۔ روز افزوں ترقی پر تھیں۔ الفانسو سوم شاہ ایسٹریاس مسلمانوں سے اندلس کے خالی کرانے کا پروگرام تیار کر رہا تھا۔ پرتگال کے عیسائی اپنی الگ ریاست قائم کرنے کی تیاری کر چکے تھے۔ اشبیلیہ پر ابن مروان اور مالقہ وغیرہ پر ابن حفصون خود مختارانہ حکمران تھے۔ طلیطلہ نے خود مختار ہو کر عیسائی مقبوضہ کو قرطبہ کے قریب تک وسیع کر دیا تھا۔ جلیقیہ وارا گون وغیرہ نے جبل البرتات سے اندلس کے مغربی ساحل یعنی پرتگال و اشبیلیہ تک عیسائیوں کا ڈنکا بجوا دیا تھا۔ اس سلسلہ میں کہیں کہیں کسی شہر کا کوئی مسلمان عامل موجود تھا تو وہ عیسائیوں کی ہمدردی کا دم بھر رہا تھا۔ غرض سلطان منذر نے نہایت خطرناک زمانے میں تخت سلطنت پر قدم رکھا۔

منذر بن محمد کی تخت نشینی:

سلطان منذر بن محمد ۲۲۹ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ۴۴ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تمام عمر لڑائیوں اور زور آزمائیوں میں گزری تھی۔ اپنے باپ کے عہد حکومت میں وہ بار بار سپہ سالاری کی خدمت انجام دے چکا تھا۔

منذر کے کارنامے:

اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے باپ کے وزیر اعظم ہاشم بن عبدالعزیز کے قتل کا فتویٰ جو

علماء نے لگایا تھا نافذ کیا اور اس کو دوسرے جہان میں پہنچایا۔ عمر بن حفصون نہ صرف مالقہ بلکہ اور بھی متعدد شہروں پر قابض و متصرف ہو چکا تھا۔ سلطان منذر نے ہاشم بن عبدالعزیز کے قتل سے فارغ ہو کر عمر بن حفصون پر چڑھائی کی، ابن حفصون اگرچہ نہایت تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار تھا مگر سلطان منذر بھی کچھ اس سے کم نہ تھا۔ یکے بعد دیگرے قلعوں کو فتح کرتا، ابن حفصون کی فوجوں کو پیچھے ہٹاتا ہوا آگے بڑھا۔ ابن حفصون نے مصلحت وقت دیکھ کر سلطان کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیج کر اطاعت کا اقرار کیا۔ سلطان نے اس درخواست کو غنیمت سمجھا۔ اس لیے کہ وہ اس خطرناک دشمن کے ساتھ دیر تک الجھے رہنے کی نسبت دوسرے باغیوں کی سرکوبی کو ضروری جانتا تھا۔ سلطان ابھی واپس ہو کر قرطبہ تک نہیں پہنچنے پایا تھا کہ اس کے باغی ہونے کی خبر پہنچی۔ سلطان نے پھر واپس ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اب کی مرتبہ ابن حفصون نے پھر نہایت ندامت و شرمندگی اور عجز و الحاح کے ساتھ اپنی خطا کی معافی چاہی اور خود سلطان کے ساتھ قرطبہ جانے پر رضامند ہو گیا۔ سلطان نے اس بات کو بہت غنیمت سمجھا۔ نہایت عزت و تکریم کے ساتھ اس باغی سردار کو اپنے ہمراہ لے کر قرطبہ کی طرف چلا۔

سلطان کا ارادہ تھا کہ قرطبہ پہنچ کر فوراً طلیطلہ پر چڑھائی کرے اور مرکزی شہر کو اول قبضے میں لا کر پھر کسی دوسری طرف متوجہ ہو۔ یہ سلطان منذر کی کمال بیدار مغزی اور ہوشیاری کی دلیل تھی، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ شروع میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے طلیطلہ کی اہمیت اور اس کے محل وقوع کے اعتبار سے اس کے دارالسلطنت ہونے کی موزونیت کو محسوس نہیں کیا۔ اگر مسلمان طلیطلہ کو دارالسلطنت بنا لیتے تو یقیناً مسلمانوں کو اس قدر مشکلات ملک اندلس میں پیش نہ آتے جو قرطبہ کے دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے پیش آئے۔ طلیطلہ ملک اندلس کے وسط میں واقع تھا اور بہت مضبوط مقام تھا۔ شمالی عیسائی ریاستوں کو طاقتور ہونے اور پھیلنے کا موقعہ ہی نہیں مل سکتا تھا۔ بہرحال سلطان منذر طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے لیے بیتاب تھا، اور بظاہر عمر بن حفصون کی طرف سے اس کو کامل اطمینان ہو چکا تھا راستے میں عمر بن حفصون کو کسی نے اس کا وہ انجام یاد دلایا جو فقہا کے فتویٰ کی تعمیل میں ہونے والا ہے۔ حالانکہ سلطان اس کی دلدہی پر آمادہ اور اس سے اہم خدمات سلطنت لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر جب عمر حفصون کو اپنا وہ واقعہ یاد آیا کہ محض فقہا کی مخالفت نے اس کو ہشام بن عبدالعزیز کے لشکر سے جدا ہو کر بھاگنے اور اپنے ارتداد کے اعلان پر مجبور کیا تھا۔ نیز جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ ہشام بن عبدالعزیز بھی انہیں حضرات کے فتوؤں کی بنا پر قتل ہو چکا ہے تو وہ اپنے قتل ہونے کو یقینی سمجھنے لگا۔ اور قرطبہ تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ لوگوں کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلا۔ سیدھا اپنے قلعہ میں پہنچ کر قلعہ بند ہو بیٹھا اور اپنے اردگرد علاقہ سے اپنے تمام آدمیوں کو جمع کر لیا۔

سلطان منذر کی وفات:

سلطان منذر پھر اس کی طرف لوٹا۔ اب کی مرتبہ بڑی سختی سے قلعہ کا محاصرہ شروع کیا۔ عمر بن حفصون نے بھی بڑی ہمت کے ساتھ مدافعت جاری رکھی، اس محاصرے نے طول کھینچا اور قلعہ ابھی ہونے نہ پایا تھا کہ سلطان منذر نے ۲۷۵ھ میں بحالت محاصرہ دو برس سے بھی کم حکومت کر کے قریباً ۴۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ سلطان کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لیے امراء لشکر نے منذر کے بھائی عبداللہ کے ہاتھ پر قلعہ کی دیوار کے نیچے بیعت کی۔ عبداللہ نے عمر بن حفصون کی ریاست وحکومت کو بھی باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا۔ عمر بن حفصون نے اس کو بہت غنیمت سمجھا اور سلطان عبداللہ اپنے بھائی منذر کے جنازے کو لے کر قرطبہ پہنچا۔ راستے میں عرب سرداروں کی چہ میگوئیاں حد سے بڑھ گئیں اور سلطان عبداللہ کو مہتمم کرنے میں یہاں تک مبالغہ سے کام لیا گیا کہ قرطبہ تک پہنچتے پہنچتے تمام فوج ادھر ادھر منتشر ہو گئی اور سو آدمیوں سے بھی کم آدمی سلطان عبداللہ کے ساتھ سلطان منذر کا جنازہ لیے ہوئے قرطبہ میں داخل ہوئے۔

عبداللہ بن محمد کی پہلی کمزوری:

سلطان عبداللہ بن محمد نے تخت نشین ہوتے ہی یہ کمزوری دکھائی کہ عمر بن حفصون کی حکومت تسلیم کر کے محاصرہ اٹھا لیا۔ حالانکہ اس کے لیے قدرتی طور پر اپنے عنوان سلطنت کو شاندار بنانے کا موقعہ تھا کہ وہ قلعہ کو فتح کر کے واپس ہوتا اور عمر بن حفصون کو جو طول اور شدت محاصرہ سے تنگ آ چکا تھا۔ گرفتار یا قتل کر کے قرطبہ کی جانب لوٹتا۔

عبداللہ کے عہد میں سلطنت بنو امیہ کی حالت:

سلطنت عبداللہ کی تخت نشینی کے وقت یعنی ۲۷۵ھ میں حکومت اندلس یعنی سلطنت بنو امیہ کی حالت اس قدر سقیم ہو چکی تھی کہ خزانہ تمام خالی ہو گیا تھا۔ آمدنی جو کسی زمانے میں دس لاکھ دینار سالانہ تک پہنچ گئی تھی اب ایک لاکھ دینار سالانہ تک پہنچ گئی تھی۔ عیسائی ریاستوں سے قطع نظر کی جائے تو دارالسلطنت قرطبہ کے دونوں پہلوؤں پر دو ایسے زبردست رقیب پیدا ہو چکے تھے جن کی طاقت سلطنت قرطبہ سے کم نہ تھی۔ ایک طرف ابن حفصون تھا اور دوسری طرف ابن مروان۔ ابن حفصون زیادہ عقلمند اور مدبر شخص تھا، اس کا طرز حکومت ایسا تھا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے زیر حکومت رہنے کو پسند کرتے تھے، مگر چونکہ اس کے ارتداد کا اعلان ہو چکا تھا اس لیے بہت سے مسلمان اس کی مدد کرنے کو گناہ سمجھ کر بجائے اس کے سلطنت کے دوسرے رقیب ابن مروان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابن

حفصون باوجود اعلان ارتداد عیسائی ریاستوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ مگر ابن مروان باوجود مسلمان ہونے کے الفانسو سوم بادشاہ ایسٹریاس اور دوسرے عیسائیوں کا ہم عہد اور رفیق تھا۔ نواح اشبیلیہ میں بعض عرب سرداروں کی جاگیریں تھیں۔ اور وہ وہیں اقامت گزیں تھے۔ ان لوگوں میں سے بعض نے یہ رنگ دیکھ کر علم بغاوت بلند کیا، اور اشبیلیہ پر قابض و متصرف ہو گئے۔ ادھر اسی قسم کے جاگیردار عربوں نے غرناطہ کے نواح میں علم بغاوت بلند کر کے غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ ابن حفصون اور ابن مروان کے مدمقابل دو اور طاقتیں پیدا ہو گئیں۔ اور ان چاروں طاقتوں میں جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری ہوا۔ دربار قرطبہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان سب کو زیر کرتا بلکہ اب سلطان عبداللہ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ نواح قرطبہ پر حکومت رکھتا اور ان لڑنے والی چاروں طاقتوں کے درمیان کبھی کبھی دخل دے کر ان کی لڑائی کو صلح سے تبدیل کرا دیتا تھا۔ چونکہ چاروں رقیب ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک دربار قرطبہ کی سیاوت کو تسلیم کرتا اور سلطان کو اپنا بادشاہ کہتا لیکن عملی طور پر وہ بالکل خود مختار تھے اور کسی قسم کا باج و خراج سلطان عبداللہ کے پاس نہیں بھیجتے تھے۔ مذکورہ عرب سرداروں کا طرز عمل مولدین اور نو مسلموں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اس لیے مولدین اور نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ ابن مروان کے پاس چلا گیا تھا۔

انہیں ایام میں شمالی شہروں کے دو مسلمان عاملوں نے سرقسطہ و شنت بریہ کے نواح میں عیسائیوں کے اس منصوبہ کو کہ اندلس کو مسلمانوں سے خالی کرا لیا جاوے سخت صدمہ پہنچایا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب بادشاہ ایسٹریاس اپنی فوجیں لے کر جنوب کی طرف بڑھا ہے تو مقام طرسونہ کے عامل لب بن محمد نے اپنی نہایت قلیل جمعیت سے عیسائی فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ادھر عبدالرحمٰن بن مروان نے اپنے دوست شاہ ایسٹریاس کو اطلاع دی کہ اگر اپنی حدود سلطنت سے آگے قدم بڑھایا تو میں سب سے پہلے مقابلہ کیلیے تیار ہوں۔ اس تنبیہ و تہدید کا یہ اثر ہوا کہ عیسائیوں نے چند روز کے لیے اور خاموش رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حملہ آوری سے مسلمانوں کی خانہ جنگی موقوف ہو کر ان میں اتفاق پیدا ہو جائے گا اور آپس میں چھری کٹاری رہ کر ان کے کمزور ہونے کا سلسلہ رک جائے گا۔

ادھر ابن حفصون نے یہ ہوشیاری کی کہ افریقہ کے خاندان اغالبہ سے خط و کتابت کر کے اس بات کی استدعا کی کہ عباسی خلیفہ سے میرے نام کی سند حکومت اندلس منگا دی جائے۔ اس کوشش میں اگرچہ عمر بن حفصون کو کامیابی نہ ہوئی۔ مگر اس خبر کے سننے سے دربار قرطبہ میں ہلچل پیدا ہو گئی اور سلطان عبداللہ نے جس قدر فوج وہ فراہم کر سکتا تھا فراہم کر کے ابن حفصون پر فوراً چڑھائی کر دی، سلطان عبداللہ اس بات سے واقف تھا کہ اگر عمر بن حفصون کے پاس خلیفہ عباسی کی سند آ گئی تو عام طور پر لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اور پھر اندلس میں بنو امیہ کا وجود باقی نہ رکھا جائے گا۔ سلطان عبداللہ

چودہ ہزار سے زیادہ فوج جمع نہ کر سکا۔ ابن حفصون کے پاس تیس ہزار فوج تھی۔ آخر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں سلطان عبداللہ اور اس کے ہمراہیوں نے غیر معمولی بہادری کا اظہار کیا، اور ابن حفصون کو شکست فاش دے کر پہاڑوں میں بھگا دیا۔ باغی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور سلطان عبداللہ کی حدود ملکیت کسی قدر وسیع ہو گئی۔ اس فتح کا اثر حکومت قرطبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ سلطنت کا اعتبار و اعتماد جو بالکل ضائع ہو چکا تھا۔ اب کسی قدر پھر قائم ہونے لگا۔

عبداللہ کی عملی جدوجہد:

ادھر عبداللہ بن مروان نے انہیں ایام میں اشبیلیہ کے خود مختار رئیس ابراہیم بن حجاج سے صلح کر کے اپنی طاقت بڑھانے کی کوشش کی۔ سلطان عبداللہ نے اس فتح کے نتائج دیکھ کر ابن مروان کا زور توڑنا اور اس پر حملہ کرنا ضروری سمجھا۔ وزیر السلطنت احمد بن ابی عبیدہ کو فوج دے کر ابن مروان کی طرف بھیجا گیا۔ ابن مروان نے ابراہیم بن حجاج والیٔ اشبیلیہ سے امداد طلب کی، چنانچہ ابراہیم بن حجاج ابن مروان کی کمک پر تیار ہو گیا۔ دونوں نے مل کر احمد بن ابی عبیدہ کا مقابلہ کیا، اس معرکہ میں بھی رعب سلطنت نے اپنا کام کیا اور باغیوں کو شکست ہوئی، اس شکست کے بعد ابراہیم بن حجاج نے اطاعت فرمانبرداری کا اظہار کیا اور سلطان عبداللہ نے اس کو اشبیلیہ کا عامل مقرر کر دیا۔ اس لڑائی کا نتیجہ پہلی لڑائی سے زیادہ مفید برآمد ہوا، اور حدود سلطنت کے ساتھ ہی وقار سلطنت نے بھی پہلے سے زیادہ ترقی کی۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد عبدالرحمٰن بن مروان کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹوں نے طلیطلہ وغیرہ میں حکومت شروع کی۔ ادھر ابراہیم بن حجاج حاکم اشبیلیہ سے شکست کھا کر پہاڑوں میں پناہ لی تھی۔ جب سلطان دارالسلطنت کی طرف واپس ہوا۔ عمر بن حفصون نے بتدریج اپنی طاقت کو بڑھانا اور اپنی حالت کو سدھارنا شروع کیا۔

بادشاہ ایسٹریاس مسمی الفانسو اور اس کے بھائی میں لڑائی شروع ہوئی۔ الفانسو نے اپنی تسکین خاطر کے لیے سلطان عبداللہ سے خط و کتابت کر کے تجدید صلح کی خواہش ظاہر کی، سلطان نے فوراً رضامندی ظاہر کر کے ان شرائط پر صلح کر لی کہ نہ بادشاہ ایسٹریاس اپنی موجودہ حدود سلطنت سے باہر قدم رکھے، نہ اسلامی فوجیں اس کی حدود میں داخل ہوں۔ یہ صلح الفانسو کے لیے بہر نہج مفید اور نفع رساں تھی۔ کیونکہ مسلمان اس تمام مُلک کو جو اس کے قبضے میں تھا۔ اپنا ملک سمجھتے اور اس پر قبضہ کرنے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ لیکن اب سلطان عبداللہ نے اس کی حکومت کو تسلیم کر کے اس کی اولوالعزمی کو تقویت پہنچا دی۔

ادھر آئے دن کی لڑائیوں اور بغاوتوں سے رعایا تنگ آ چکی تھی، اور یہ بدامنی کا سلسلہ بہت ہی طویل ہو گیا تھا۔ لہٰذا خود بخود لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی کہ دربار قرطبہ کے خلاف بغاوت کرنا

کسی طرح مفید نہیں ہے اور ایسے باغیوں کا ساتھ دینا اور ان کی مدد کرنا گناہ عظیم ہے۔ لہٰذا یہ صورت جو پیدا ہو چکی تھی دیر تک قائم رہی۔ اشبیلیہ ایک خودمختار اور طاقتور ریاست مشرق میں قائم تھی۔ ان کے علاوہ باقی اکثر حصہ ملک کا اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ اور سب اپنی اپنی جگہ حکومت کرتے اور دربار قرطبہ کی ظاہری تکریم بجالاتے تھے۔ عیسائی ریاستوں میں جانشینوں کے متعلق اتفاقاً سخت پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اور ان کو اپنے اندرونی جھگڑوں سے اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ حکومت اسلامیہ پر حملہ آور ہوتے۔

خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

اولاد:

سلطان عبداللہ کے گیارہ بیٹے تھے۔ جن میں دو بڑے بیٹے مطرف اور محمد زیادہ لائق اور امور سلطنت میں دخیل تھے۔ ان دونوں کے درمیان رقابت و عداوت پیدا ہو گئی تھی، زیادہ لائق اور قابل آدمی ریاست اشبیلیہ میں چلے گئے تھے۔ کیونکہ وہاں علماء اور باکمال لوگوں کی خوب قدر دانی ہوتی تھی۔ قرطبہ کا خزانہ خالی تھا۔ اشبیلیہ کی نوخیز اور جدید ریاست کا دربار ابراہیم بن حجاج کی قدر دانیوں کے سبب قرطبہ کے لیے موجب رشک بن گیا تھا۔ یہاں کے موجودہ پست ہمت اراکین دربار نے دونوں بھائیوں کی رقابتوں کے ترقی دینے میں خوب کوشش کی۔ مطرف کو اپنے بھائی محمد کی شکایت کا موقع مل گیا اور اس نے باپ کے کان اچھی طرح بھرنے شروع کیے، اس کے ہمساز امراء نے تائید کی، سلطان عبداللہ نے اپنے بیٹے محمد کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ محمد نے مجبور ہو کر راہ فرار اختیار کی اور قرطبہ سے بھاگ کر عمر بن حفصون کے پاس چلا گیا۔ چند روز وہاں رہ کر اور اپنی حرکت پر پشیمان ہو کر باپ کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو جان کی امان دی جائے تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں، عبداللہ نے اس کو جان کی امان دے کر بلوایا۔ اب مطرف کو شکایت کرنے کا اور بھی زیادہ موقعہ مل گیا سلطان عبداللہ کو کسی مہم کی وجہ سے چند روز کے لیے قرطبہ سے باہر جانا پڑا۔ اپنی غیر موجودگی میں مطرف کو قرطبہ کا حاکم مقرر کر گیا تھا۔ مطرف نے اس موقعہ پر بھائی کو جو محل سرائے میں قید تھا قتل کرا دیا۔ عبداللہ کو محمد کے قتل ہونے کا سخت صدمہ ہوا۔ محمد کے بیٹے عبدالرحمٰن کو بڑی محبت کے ساتھ پرورش کرنے لگا۔ اس کے بعد ۲۸۳ھ میں مطرف نے کسی کاوش کی بنا کر وزیر السلطنت عبدالملک بن امیہ کو قتل کر دیا۔ سلطان عبداللہ نے محمد اور عبدالملک کے قصاص میں مطرف کو قتل کرا دیا۔

وفات:

سلطان عبداللہ یکم ماہ ربیع الاول ۳۰۰ھ میں پچیس سال سے کچھ زیادہ دنوں سلطنت کرنے کے

بعد بیالیس سال کی عمر میں فوت ہوا۔ سلطان عبداللہ کا تمام زمانہ فتنہ و فساد یا سلطنت کے ضعف و ناتوانی کے عالم میں بسر ہوا۔ اس کے زمانے میں بھی فقہا اکثر ایک دوسرے سے گلخیب رہتے۔ مباحثوں، مناظروں اور دور از کار مسائل کی تحقیق میں مشغول نظر آتے تھے، بظاہر کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی کہ مسلمانوں کا ابتدائی رعب و جلال اور حکومت اسلامیہ کا اثر و اقتدار پھر واپس آ سکے گا۔ ان حالات میں سلطان عبداللہ کے بعد اس کا نوجوان پوتا عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ثانی تخت نشین ہوا۔

(نچواں باب)

عبدالرحمٰن ثالث

تخت نشینی:

عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن ثانی اپنے دادا عبداللہ کے بعد اکیس سال کی عمر میں بتاریخ یکم ربیع الاول ۳۰۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ طارق و موسیٰ کا فتح کیا ہوا ملک اور عبدالرحمٰن الداخل کی قائم کی ہوئی سلطنت پاش پاش اور ٹکڑے ہو کر بظاہر عیسائیوں کے قبضہ میں جانے کے لیے ہر قسم کی استعداد پیدا کر چکی تھی۔ لیکن قضا و قدر کو یہ صورت ابھی پیدا کرنی منظور نہ تھی۔ اس نوجوان سلطان کی تخت نشینی کے وقت اس کے بہت سے چچا جو اس سے عمر و استحقاق میں بڑے ہوئے تھے۔ لیکن یا تو ان کی پاک باطنی اور نیک نفسی تھی۔ یا انہوں نے ایسی قریب المرگ سلطنت کا بادشاہ بن کر اپنے آپ کو خطرات میں مبتلا کرنا مناسب نہ سمجھا کہ سب نے بخوشی اس نوجوان کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور تخت نشینی کے وقت کسی قسم کا فتنہ و فساد برپا نہ ہوا۔

سلطان عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی کے وقت اس لیے امن و سکون رہا کہ یہ نوجوان سلطان تھوڑی سی عمر میں اپنے دادا کی زیر نگرانی ایسی اچھی اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ اور ایسی عقل و ذہانت رکھتا تھا کہ بڑے بڑے علماء فقہا اس پر رشک کرتے تھے۔ اس کے اخلاق فاضلہ اور حسن خصائل نے اعیان و ارکان قرطبہ کو اپنا گرویدہ اور رشتہ داروں کو اپنا ہمدرد و بہی خواہ بنا لیا تھا۔ وہ نہ صرف مجالس علمیہ میں عزت کا مقام رکھتا۔ بلکہ اس زمانے کی رسم کے موافق فنون سپہ گری سے بھی خوب واقف ماہر تھا۔

پہلا حکم:

تخت سلطنت پر جلوس فرماتے ہی اس نوجوان سلطان نے حکم جاری کیا کہ وہ تمام محصولات جو اس کے پیش رو سلاطین بالخصوص سلطان عبداللہ نے خزانہ سلطانی کو پر کرنے کے لیے رعایا پر لگائے تھے۔ اور جو احکام شرع کے خلاف تھے معاف و موقوف کر دیے گئے۔ اس اعلان کا اثر نہایت ہی مفید ثابت ہوا۔ رعایا میں اس کی مدح و ثناء ہونے لگی اور دلوں میں اس کی نسبت بہترین توقعات پیدا ہو گئیں۔

اس کے بعد سلطان ثالث نے اعلان کیا کہ جو شخص حکومت کا فرماں بردار بن کر آئے گا اور آئندہ اطاعت پر قائم رہنے کا وعدہ کرے گا، اس کی تمام سابقہ خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور گزشتہ

بدعنوانیوں پر مطلق توجہ نہ کی جائے گی، اور اس معاملہ میں مذہب و عقائد پر کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔ چونکہ لوگ طوائف الملوکی اور خانہ جنگی سے تنگ آ چکے تھے۔ لہٰذا وہ تمام چھوٹے چھوٹے سردار جو قرطبہ کے قریب تھے اور اپنے آپ کو سلطان قرطبہ کی فرماں برداری و اطاعت سے آزاد کر چکے تھے۔ اس اعلان کو سن کر بلاتامل سلطان عبدالرحمٰن کی خدمت میں فرماں برداری کا اقرار کرنے لگے۔ اس طرح لگان سرکاری شاہی خزانہ میں داخل ہونا شروع ہوا اور اس کی کمی جو ناواجب محصولات کے معاف کرنے سے خزانہ میں ہوئی تھی۔ بخوبی تلافی ہوگئی۔

دو حریف طاقتیں:

اب صرف دو زبردست اور رقیب طاقتیں باقی رہ گئیں جو نسبتاً قرطبہ سے قریب اور موجب خطر تھیں۔ ایک عمر بن حفصون جو مالقہ، ریہ، بشتر وغیرہ پر قابض و متصرف تھا اور عبیدیین سے ساز باز کر کے قرطبہ کی سلطنت کو درہم برہم کرنا چاہتا تھا۔ عمر بن حفصون اس لیے بھی زیادہ خطرناک تھا کہ اس کو ایک طرف عبیدیین اور دوسری طرف شمالی عیسائی بادشاہوں سے مدد پہنچ سکتی تھی۔ عبیدیین قدرتی طور پر بنوامیہ کے دشمن تھے جس طرح کہ وہ بنوعباس کے بھی دشمن تھے۔ اور عیسائی اس لیے اس کو محبوب سمجھتے تھے کہ وہ مرتد ہو کر پھر عیسائی بن گیا تھا۔ دوسری طاقت ریاست اشبیلیہ کی تھی جہاں، عربوں کی حکومت تھی اور شان و شکوہ میں اشبیلیہ کا دربار قرطبہ کے دربار سے فائق نظر آتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے سب سے پہلے اشبیلیہ کے دربار سے فرماں برداری و اطاعت کا اقرار لینا اور شرائط اطاعت کا ادا کرانا چاہا۔ اشبیلیہ کا حاکم ابراہیم بن حجاج فوت ہو کر اس کی جگہ تخت نشین ہو چکا تھا۔ اشبیلیہ کے بہت سے سرداروں نے سلطان عبدالرحمٰن ثالث کے ساتھ اظہار عقیدت کیا اور دربار اشبیلیہ نے بھی اس موقع پر حسد خشہ پیدا کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اشبیلیہ کی جانب سے جب سلطان عبدالرحمٰن ثالث کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ادھر سے کوئی مخالفانہ فوجی کارروائی نہیں ہو گی تو اس نے فوج مرتب کر کے اپنے آزاد غلام بدر نامی کو دے کر عمر بن حفصون کی جانب روانہ کیا۔ یہ مہم عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے جلوس کے پہلے ہی سال یعنی ۳۰۰ھ میں روانہ کی۔ بدر نے عمر بن حفصون کے قلعوں کے یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ عمر بن حفصون اپنا بہت سا میدانی علاقہ فتح کرا کر پہاڑی قلعوں میں جا چھپا۔ بدر اس طرف سے سالماً غانماً واپس آیا اور لوگ بخوشی آ آ کر سلطانی فوج میں داخل ہونے لگے۔

بغاوتوں کا استیصال:

۳۰۱ھ میں سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے ابن مسلمہ کی طرف سے ناشدنی حرکات دیکھ کر اور

بعض امیران اشبیلیہ کی شکایات سن کر اشبیلیہ پر فوج کشی کی۔ ابن مسلمہ نے عمرو بن حفصون سے مدد طلب کی۔ عمر بن حفصون نے اس موقع کو مناسب سمجھ کر ابن مسلمہ کی مدد اس طرح کی کہ جب سلطانی فوج اشبیلیہ کی طرف گئی تو ابن حفصون کی فوج پیچھے سے سلطانی فوج کی طرف بڑھی۔ سلطان عبدالرحمٰن نے عمر بن حفصون کی فوج کو شکست دے کر بھگایا اور ابن مسلمہ کو بھی شکست فاش ہوئی۔ ابن مسلمہ گرفتار ہوا اور سلطان نے اپنا ایک گورنر اشبیلیہ میں مقرر کر دیا۔ اس کام میں سلطان کو زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑی ۔ کیونکہ ابن مسلمہ کے رشتہ دار اور اراکین دربار اشبیلیہ خود اس بات کے خواہاں تھے کہ اشبیلیہ عبدالرحمٰن ثالث کے حدود سلطنت میں براہ راست شامل ہو جائے۔ دربار اشبیلیہ کے مشہور سرداروں میں ایک شخص اسحاق بن محمد تھا۔ جو اشبیلیہ کے فتح ہونے کے بعد قرطبہ میں چلا آیا۔ اس کو سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے جوہر قابل پا کر اپنا وزیر بنایا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کے بیٹے احمد بن اسحاق کو وزارت کا عہدہ عطا کیا۔

اس طرح جب سلطنت کے وقار وعظمت میں ترقی ہو گئی تو سلطان عبدالرحمٰن نے فوجیں آراستہ کر کے عمر بن حفصون کے استیصال کو ضروری سمجھا اور ۳۰۰ھ میں اس طرف فوج کشی کی۔ عمر بن حفصون نے اس موقع پر عبیدیین کی سلطنت سے امداد طلب کی، وہاں سے جو جہاز آئے ان کو سلطان عبدالرحمٰن نے اپنے جہازوں کے ذریعہ ابن حفصون تک نہ پہنچے دیا اور سمندر ہی میں سب کو گرفتار کر لیا۔ ابن حفصون پر مایوسی چھا گئی اور وہ جب پہاڑوں میں محصور ہو کر سخت مجبور ہو گیا تو اس نے یحییٰ بن اسحاق کے ذریعہ اپنی درخواست سلطان کی خدمت میں پہنچوائی اور آئندہ مطیع و فرماں بردار رہنے کا اقرار کر کے صلح چاہی سلطان نے اس کی تمام سیر حاصل اور زرخیز علاقے پر قبضہ کر کے بہت تھوڑا سا پہاڑی علاقہ اس کے پاس چھوڑ دیا اور اس طرف سے مطمئن ہو کر قرطبہ کو واپس آیا۔

اس کے بعد ایک فوج اپنے وزیر اسحاق بن محمد کو دے کر مرسیہ و بلنسیہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ اسحاق بن محمد نے اس طرف کے باغیوں کو مطیع کر کے قرمونہ چڑھائی کی اور اس کو حبیب بن سوارہ کے قبضے سے نکال کر سلطانی مملکت میں شامل کیا۔ اسی سال سلطان کے آزاد کردہ غلام بدر نے لبلہ پر چڑھائی کر کے وہاں کے باغی سردار عثمان بن نصر کو گرفتار کر کے قرطبہ کی جانب بھیج دیا۔ ۳۰۶ھ میں اسحاق بن محمد نے قلعہ سمبرنہ کو فتح کر کے وہاں کے باغیوں کو مطیع و فرماں بردار بنایا۔

سلطان کے خلاف ایک سازش:

۳۰۸ھ میں محمد بن عبدالجبار بن سلطان محمد اور قاضی بن سلطان محمد نے سلطان عبدالرحمٰن ثالث کے خلاف ایک سازش کی اور تخت سلطنت حاصل کرنے کے لیے سلطان کے قتل کی تدبیروں میں

مصروف ہوئے اتفاقاً اس سازش کے شرکاء میں سے ایک شخص نے تمام حالات کی سلطان کو خبر کر دی۔ سلطان نے عجلت اور شتاب زدگی سے کام نہیں لیا بلکہ اول خوب اچھی طرح سے تحقیق و تفتیش کے سلسلے کو جاری رکھا اور جب ان دونوں پر جرم ثابت ہو گیا تو دونوں کو قتل کرا دیا، چونکہ یہ دونوں مجرم ثابت ہو چکے تھے لہٰذا لوگوں نے اس سزا پر کسی بے چینی یا ناراضگی کا مطلق اظہار نہیں کیا۔

۳۰۹ھ میں قلعہ طرسوی فتح ہوا۔ اسی سال احمد بن اضحیٰ ہمدوانی نے جو قلعہ جامہ پر قابض اور اطاعت سے منحرف تھا، خود ہی اطاعت قبول کر کے اپنے بیٹے کو بطور یرغمال قرطبہ میں بھیج دیا۔ غرض چھوٹے چھوٹے سردار جو جابجا خود مختار ہو گئے تھے، یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے سب یا تو مطیع و فرماں بردار بنائے گئے یا مقتول ہوئے اور سلطنت قرطبہ کا رقبہ وسیع ہو کر وہ حالت جو سلطان عبداللہ کے زمانے میں تھی دور ہو گئی۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ جس قدر ملک بیسیوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا وہ سب ایک اسلامی سلطنت کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

عیسائی مقبوضات کی تفصیل:

اب عیسائی مقبوضات کا حال سنو۔ سب سے قریب جنوبی مشرقی ساحل کے متصل ایک پہاڑی علاقہ ابن حفصون کے قبضے میں تھا جو عیسائی ہو گیا تھا اور اس کے رفیق سب عیسائی لوگ ہی باقی رہ گئے تھے۔ لہٰذا ایک عیسائی ریاست تھی جو ابن حفصون کی تجربہ کاری کے سبب ایک زبردست عیسائی طاقت سمجھی جاتی تھی، مگر اس سے صلح ہو گئی تھی۔ طلیطلہ ایک نہایت مضبوط مقام تھا جس کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہاں سلطان عبداللہ کے زمانے میں خود مختار ریاست قائم ہو گئی تھی۔ اور اب اس کا دربار سے کوئی رسمی تعلق باقی نہ رہا۔ یہ ریاست ملک اندلس کے وسط میں واقع تھی اور ایک زبردست عیسائی طاقت تھی۔ برشلونہ یہاں عرصہ دراز سے عیسائی حکومت قائم تھی۔ اربونیہ میں بھی ایک مستقل عیسائی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ نوار، اربونیہ کے متعلق ہی ایک زبردست سلطنت فرانسیسیوں نے قائم کر لی تھی۔ ایسٹریاس کی ریاست اب ایک زبردست سلطنت کی شکل میں تبدیل ہو کر اندلس کے میدانوں میں دور دور تک پھیل گئی تھی، جس کے ماتحت جلیقیہ، لیون اور قسطلہ کی تین زبردست عیسائی ریاستیں تھیں۔

ان کے علاوہ ساحل بحر ظلمات پر پرتگال کے علاقہ میں کئی کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں عیسائیوں نے قائم کر لی تھیں جو ریاست جلیقیہ کے ماتحت سمجھی جاتی تھیں۔ یہ وہ عیسائی مقبوضات تھے جو جزیرہ نمائے اندلس کی حدود میں تھے۔ باقی جنوبی و مشرقی فرانس اور مغربی فرانس اور شمالی فرانس کی عیسائی سلطنتیں ان کے علاوہ تھیں جو سلطنت اسلامیہ اندلس کی مخالفت پر کمربستہ تھیں۔ سلطنت اسلامیہ کی حدود کا ایک کونہ جو شمال کی جانب نکلا ہوا تھا وہ صرف سرقسطہ کا ضلع تھا۔ جہاں مسلمان عامل حکمران تھا مگر اس

کے تعلقات عیسائیوں سے دوستانہ تھے اور اس لیے قابل اعتراض نہ تھے کہ سلطان عبداللہ اور الفانسو سوم شاہ ایسٹریاس سے دوستانہ صلح نام ہو گیا تھا۔ جو اب تک قائم تھا اور اب تک کسی فریق نے اس کی خلاف ورزی میں اقدام نہیں کیا تھا۔

سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے چند ہی سال میں تمام باغیوں سے فراغت حاصل کر کے طلیطلہ پر فوج کشی کی۔ فوج کشی سے پہلے سلطان نے اہل طلیطلہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے لیے اب مناسب یہی ہے کہ اطاعت و فرماں برداری سے انحراف نہ کرو اور ہوا خواہان سلطنت کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ۔ اہل طلیطلہ نے اس پیغام سلطان کا سختی کے ساتھ انکاری جواب دیا اور جس قدر وہ مقابلہ کے لیے تیاری کر سکتے تھے، کی اور ارد گرد سے عیسائی فوجوں کو بلایا۔ برشلونہ نوار اور ایسٹریاس سے امداد طلب کی۔ پادری لوگوں نے ہر جگہ عیسائیوں کو طلیطلہ کے بچانے کے لئے جوش دلایا۔ آخر سلطان عبدالرحمٰن ثالث بڑی احتیاط اور مآل اندیشی کے ساتھ طلیطلہ کی جانب بڑھا۔ جنگ و پیکار اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ قریباً سال بھر کی کوشش و کشمکش کے بعد سلطان نے طلیطلہ کو فتح کر لیا۔ مفتوحین کے ساتھ نرمی و ملاطفت اور عفو درگزر کا برتاؤ کیا اور چند مہینے طلیطلہ اور نواح میں رہ کر اور وہاں کے تمام ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر قرطبہ کی جانب واپس آیا۔

فتح طلیطلہ کا اثر عیسائی سلاطین پر یہ ہوا کہ انہوں نے اسلامی مقبوضات پر حملہ کر کے کئی شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ سلطان نے احمد بن اسحاق وزیر السلطنت کو فوج دے کر اس طرف روانہ کیا۔ اس نے ریاست لیون پر حملہ کیا اور عیسائیوں کو متعدد شکستیں دے کر پیچھے ہٹایا۔ آخر ایک لڑائی میں وزیر السلطنت احمد بن اسحاق شہید ہوا۔ سلطان نے اپنے خادم بدر کو بھیجا۔ بدر کے مقابلے پر ریاست نوار لیون وغیرہ کی متفقہ فوجیں آئیں اور معرکہ کارزار گرم ہوا۔ بدر نے شکست دے کر سب کو بھگا دیا۔ اس کے بعد ہی سلطان عبدالرحمٰن ثالث خود فوج لے کر عیسائیوں کی بدعہدی اور سرکشی کی سزا دینے پہنچا اور فتح کرتا ہوا حدود فرانس میں داخل ہوا۔ نوار اور بونیہ کی ریاستوں نے اظہار اطاعت کر کے سلطان کو واپس کیا اور سلطان کے واپس ہوتے ہی تمام شمالی عیسائیوں نے آپس میں مسلم کشی کے لیے اتحاد و اتفاق کے عہد کی تجدید کی۔ یہ ۳۱۴ھ کے واقعات ہیں۔ ابھی سلطان عبدالرحمٰن بلاد شمالی ہی میں مصروف قتال تھا۔ کہ اس کے پاس عمر بن حفصون کے مرنے کی خبر پہنچی۔ عمر بن حفصون اپنی تجربہ کاری و ہوشیاری کے اعتبار سے بہت بڑا آدمی بن گیا تھا۔ اس کی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا۔ سلطان نے واپس قرطبہ میں پہنچ کر اس کی ریاست کو ضبط کرنا اور براہ راست مقبوضات سلطانی میں شامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر عمر بن حفصون کے بیٹے جعفر کو والی ریاست بنا دیا۔ آخر ۳۱۵ھ میں یہ ریاست معدوم ہو کر تمام علاقہ مقبوضات سلطانی میں شامل ہوا۔

ادھر سلطان عبدالرحمٰن ثالث اپنے آبائی ملک کو باغیوں کے قبضے سے واپس لینے میں

کامیاب ہوا۔ ادھر شمال اور جنوب دونوں جانب ان کے لیے قدرتی طور پر بہتری کے سامان پیدا ہوئے۔ عبدالرحمٰن ثالث کو شمال کی جانب عیسائیوں کے حملے کا اندیشہ تھا کیونکہ وہ بحر روم سے بحر ظلمات تک جزیرہ نما کے تمام شمالی حصے پر قابض و متصرف تھے۔ اور اب بجائے عباسیوں کے عبید یین کی طرف سے ان کی ہمت افزائی ہو رہی تھی۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی وہ ہیبت اب طاری نہ رہی تھی، جو طارق و موسیٰ کی آمد کے وقت طاری ہوئی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اب پہلے کی طرح بہادر و باہمت نہ رہے تھے۔ اور عیسائیوں نے بہت کچھ بہادری و جفاکشی میں ترقی کر لی تھی۔ لہٰذا شمالی خطرہ نہ تھا جنوب کی جانب عبید یین کی طاقت بہت زبردست ہو گئی تھی اور وہ براعظم افریقہ کے تمام شمالی حصے پر مستولی ہو کر مراقش کی حکومت ادریسیہ کا نام و نشان کم کرنے اور اندلس کی فتح کا عزم رکھتے تھے۔ سلطان عبدالرحمٰن ثالث کو بیک وقت دونوں جانب سے اطمینان حاصل ہو گیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ:

الفانسو سوم کی سلطنت کی تقسیم:

الفانسو سوم بادشاہ ایسٹریاس نے اپنی سلطنت کو اپنی اولاد میں اس طرح تقسیم کیا تھا کہ لیون کا علاقہ غرسیہ کو دیا۔ جلیقیہ کی حکومت اردولی کے حصے میں آئی۔ اور اویڈو کا علاقہ فرویلہ کو ملا۔ غرسیہ کی شادی شاہ نوار کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اس لیے ریاست نوار کو لیون کی ریاست سے خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ لیون اور نوار کی ریاستوں نے مل کر کئی مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ تین سال حکومت کرنے کے بعد غرسیہ ۳۱۶ھ میں فوت ہوا اس کے بعد شانجہ ریاست لیون کا فرماں روا ہوا۔ مگر اردولی حاکم جلیقیہ نے اپنے بھتیجے شانجہ کو بے دخل کر کے خود ریاست لیون کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ ادھر بادشاہ نوار کا بھی انتقال ہوا تو شانجہ بھاگ کر اپنی نھیال میں چلا گیا۔ وہاں اس کی نانی طوطہ نامی حکمران نوار تھی۔ ادھر قسطلہ کی ریاست نے بادشاہ جلیقیہ و لیون کی فرماں برداری سے آزاد و خود مختار ہونے کی کوشش شروع کی اور فردی نند حاکم قسطلہ اپنی خود مختاری کی تدابیر میں مصروف ہوا۔ غرض ان عیسائی فرماں برداروں کے اندر کچھ ایسے خرخشے اور اندرونی جھگڑے پیدا ہوئے کہ وہ کئی سال تک اسلامی علاقے کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے۔ سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے عیسائیوں کے ان خانگی نزاعات کی خبر سن کر عقلمندی اور ہوشیاری کی راہ سے اس طرف مطلق کوئی فوج نہیں بھیجی اور موقع دیا کہ وہ آپس ہی لڑ بھڑ کر اپنے معاملات کو طے کریں۔ اگر ان ایام میں سلطان عبدالرحمٰن شمال کی جانب فوج کشی کرتا تو یقیناً عیسائیوں کے اندر فوراً اتفاق و اتحاد ہو جاتا اور ان کی آپس کی لڑائیاں یک لخت بند ہو جاتیں۔

مراقش پر قبضہ:

اسی فرصت میں جنوب کی جانب سے یہ خوشخبری پہنچی کہ عبید یین جو مراقش کے خاندان ادریسیہ کو

مٹا کر تمام ملک مراقش پر قابض و متصرف ہونا چاہتے ہیں۔ان کے مقابلے سے تنگ آ کر ابراہیم بن محمد ادریسی بجائے اس کے کہ عبید یین کی فرماں برداری و اطاعت قبول کرے۔ سلطان عبدالرحمٰن ثالث کی اطاعت اختیار کرنا چاہتا ہے۔اب تک دربار قرطبہ اور حکومت مراقش کے تعلقات دوستانہ ہمسرانہ تھے۔ سلطان عبدالرحمٰن نے اس کو ایک تائید غیبی سمجھ کر فوراً اپنی فوج جہازوں میں سوار کرا کر ساحل مراقش میں اتار دی۔ مراقش ان دنوں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ مراقش کے ہر ایک رئیس نے سلطان عبدالرحمٰن کی سیادت کو قبول و تسلیم کر کے اپنے اپنے ایلچی مع تحف و ہدایا قرطبہ میں بھیجے اور بعض رؤسا خود ہی حاضر قرطبہ ہو گئے۔ سلطان عبدالرحمٰن کی فوجوں نے عبید یین کی فوجوں کو مار کر بھگا دیا اور اپنی طرف سے سند امارت دے کر وہاں کے رئیسوں کو مامور کیا۔اس طرح ملک مراقش بھی دربار قرطبہ کا ایک صوبہ بن گیا۔ جس زمانے میں سلطان عبدالرحمٰن مراقش کی جانب متوجہ تھا۔ اس زمانے میں شمالی عیسائیوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے خانگی جھگڑوں میں مبتلا تھے۔عبید یین کا خطرہ بالکل جاتا رہا کیونکہ ملک مراقش اب سلطان عبدالرحمٰن کے قبضے میں آ گیا اور اندلس کا ملک بہت محفوظ ہو گیا۔

گورنر سرقسطہ کی بغاوت:

۳۲۲ھ عیسائی سلاطین کے اندرونی جھگڑے ختم ہوئے۔ اور اسی زمانے میں سلطان عبدالرحمٰن مراقش کو اپنی حدود سلطنت میں شامل کرنے سے فارغ ہو چکا تھا۔اب عیسائیوں نے محمد بن ہشام، گورنر سرقسطہ کو بغاوت پر آمادہ کر کے اس کی حمایت کا پختہ وعدہ کیا اور برشلونہ سے لے کر جلیقیہ تک کا تمام علاقہ سلطان عبدالرحمٰن کے مقابلہ پر آمادہ و مستعد ہو گیا۔ سرقسطہ کے مسلمان عامل کی بغاوت کو کامیاب بنانے اور اس کی حمایت پر سب کے آمادہ ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ مراقش کے شامل اندلس ہو جانے کی خبر نے عیسائیوں کو یکا یک بیدار کر دیا اور انہوں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے صوبہ سرقسطہ کے عامل کو جو نسبتاً قرطبہ سے دور اور عیسائی مقبوضات کے جوار میں تھا، باغی بنانے اور بغاوتوں پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تاکہ عبدالرحمٰن کی طاقت مقابلے میں کمزور ثابت ہو۔

عبدالرحمٰن عامل سرقسطہ کی بغاوت کا حال سن کر اس کی سزادہی کے لیے شمال کی جانب متوجہ ہوا تو تمام عیسائی افواج کو مستعد پیکار پایا۔ مقام وشمہ پر سخت خون ریز و فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ محمد بن ہشام گرفتار ہوا۔ اور عیسائی افواج اپنے اپنے علاقوں کی جانب فرار ہوئیں۔ اس کے بعد سلطان عبدالرحمٰن نے ہر ایک عیسائی ریاست پر الگ الگ حملہ کر کے ہر ایک کو شکست دے کر مغلوب و مجبور کیا۔ سب نے اطاعت و فرماں برداری کا اقرار کیا، ملکہ طوطہ فرماں روائے نوار نے سخت مقابلہ کے بعد شکست یاب ہو کر اظہار اطاعت کیا اور اپنے نواسے مانچہ کو تخت نوار پر بٹھا کر خود اس کی سرپرستی و نگرانی اپنے ہاتھ

میں رکھی۔ عیسائیوں کو تنبیہ اور محمد بن ہاشم کی سرکوبی سے فارغ ہو کر اور سرقسطہ میں امیہ بن اسحاق کو گورنر مقرر کر کے سلطان قرطبہ میں واپس آیا۔

جنگ خندق:

۳۲۷ھ کے ابتدائی مہینوں میں امیہ بن اسحاق کے کسی بھائی سے غداری و سازش کا جرم سرزد ہوا جس کی سزا میں اس کو سلطان نے قتل کرا دیا۔ امیہ بن اسحاق گورنر سرقسطہ نے جب اپنے بھائی کے قتل کیے جانے کا حال سنا تو سخت صدمہ ہوا۔ عیسائی سلاطین نے اس موقع کو غنیمت جان کر امیہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور اس کو بڑی آسانی سے بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ جلیقیہ کا عیسائی بادشاہ ان دنوں رذمیر نامی بڑا ہوشیار اور تجربہ کار شخص تھا۔ امیہ باغی ہو کر اور سرقسطہ کی فوج اور خزانہ جس قدر ہمراہ لے جا سکتا تھا، ہمراہ لے کر رذمیر کے پاس مقام سورہ دارالسلطنت جلیقیہ میں چلا گیا اور اسی جگہ نوار دیلون اور قسطلہ وغیرہ کی فوجیں بھی آ کر فراہم ہونے لگیں۔ برشلونہ وطرکونہ تک کی فوجیں بھی یہاں پہنچ گئیں۔ فرانس سے بھی عیسائی مجاہدین اس طرف آ آ کر فراہم ہونے لگے۔ اندلس میں عیسائی طاقت کا یہ سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ جس میں ایک مسلمان گورنر بھی مع اپنی زبردست طاقت کے شامل اور انتہائی جوش کے ساتھ سلطان عبدالرحمٰن کو شکست دینے اور نقصان پہنچانے پر آمادہ تھا۔ اس مسلمان گورنر نے عیسائیوں کو بڑی بڑی قیمتی معلومات بہم پہنچائیں اور نہایت مفید و معقول مشورے دیئے۔ امیہ بن اسحاق کی موجودگی عیسائیوں کے لیے بے حد ہمت افزائی اور جرأت کا موجب تھی۔ ادھر سلطان عبدالرحمٰن نے جب اس فساد عظیم کا حال سنا تو اس نے فوراً اعلان جہاد کیا۔ باقاعدہ فوج کے علاوہ بہت سے رضا کار اور غیر مضافی لوگ بھی شوق شہادت میں آ کر شریک لشکر ہو گئے۔

اس لشکر کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی۔ جس کو ہمراہ لے کر سلطان عبدالرحمٰن نے قرطبہ سے شمال کی جانب کوچ کیا مگر ان پچاس ہزار سے زیادہ آدمیوں میں بڑا حصہ ان لوگوں کا تھا، جو تجربہ کار دستیز آزمودہ نہ تھے۔ جوں جوں سلطانی فوج شمال کی جانب بڑھتی گئی۔ عیسائی فوجیں سمٹ کر سمورہ میں جمع ہوتی گئیں۔ عیسائیوں کو اپنی تعداد اور قوت کی زیادتی کے علاوہ ایک یہ مضبوطی حاصل تھی کہ سمورہ کے گرد سات مضبوط دیواریں شہر پناہ کی تھیں اور ہر دیوار کے بعد ایک نہایت عمیق، خندق کھدی ہوئی تھی۔ ان کا سپہ سالار اعظم رذمیر تھا۔ اور امیہ بن اسحاق اس کا مشیر و معاون تھا۔ اسلامی فوج نے جا کر معرکہ کارزار گرم کیا۔ عیسائی لشکر نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا۔ ہر ایک میدانی جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اور عیسائیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ کئی روز کی معرکہ آرائی کے بعد عیسائی لشکر سمورہ کی شہر پناہ میں محصور ہو گیا۔ ۳۰ شوال ۳۲۷ھ کو مسلمان سخت حملہ کر کے دو دیواروں کے اندر گھس گئے۔ تیسری

دیوار کو بھی انہوں نے فتح کیا۔ لیکن اس دیوار کے اندر پہنچتے ہی عیسائیوں کے لشکر نے جو کمین گاہوں میں پوشیدہ تھا نکل کر ہر طرف سے حملہ شروع کر دیا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد بوجہ اس کے کہ نہ آگے بڑھ سکتی تھی، نہ پیچھے ہٹ سکتی تھی۔ خندق میں گر گر ڈوب گئی۔ غرض مسلمان ایسے تنگ مقام میں اور ایسی بری طرح پھنسے کہ صرف ۴۹ آدمی زندہ بچ کر باہر نکل سکے۔ اور اپنے بادشاہ عبدالرحمٰن ثالث کو جو پچاسواں شخص تھا بمشکل اس سرغنہ سے بچا کر نکل لائے۔ باقی سب کے سب سمورہ کی خندق میں شہید ہو گئے۔ ان پچاس آدمیوں کے تعاقب میں رذمیر نے ایک رسالہ بھیجنا چاہا تو امیہ بن اسحاق نے اس کو یہ کہہ کر روک دیا کہ بہت زیادہ ممکن ہے کہ اسلامی لشکر کی کوئی بڑی تعداد باہر جھاڑیوں میں چھپی ہوئی موجود ہو اور وہ ہر طرف سے گھیر کر آپ کے لشکر کو تباہ کر دے۔ غرض عبدالرحمٰن ثالث کو بڑی ناکامی ہوئی۔ اور جب سے مسلمانوں نے اندلس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا، آج تک کسی معرکہ میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد شہید نہیں ہوئی تھی۔ یہ لڑائی یوم الخندق یا جنگ خندق کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس لڑائی کے بعد امیہ بن اسحاق کو پچاس ہزار مسلمانوں کی لاشیں دیکھ کر اپنی بداعمالی پر غور کرنے کا موقع ملا اور اس کے ضمیر نے اس کو ملامت کی کہ تو نے مسلمانوں کا اس قدر کشت و خون کرا کر بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ اس نے سلطان کے پاس ایک درخواست بھیج کر اپنی خطا کی معافی چاہی اور عیسائیوں کا ساتھ چھوڑ کر چلا آیا۔ سلطان عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں واپس آ کر زبردست فوجیں عیسائی ممالک کی طرف بھیجیں۔ ان اسلامی فوجوں نے پہنچ کر ہر جگہ عیسائیوں کو شکست فاش دی اور ان کو جنگ خندق کی فتح عظیم سے فائدہ اٹھانے کا مطلق موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ حدود فرانس تک فاتحانہ پہنچ کر اور بہت کچھ مال غنیمت لے کر واپس آ گئیں۔

خلافت عباسیہ میں انقلاب:

اسی سال یعنی ۳۲۷ھ میں سلطان کے پاس عباسی خلیفہ مقتدر کے مقتول ہونے خلافت عباسی کے برائے نام باقی رہنے اور عبیدیین کے دعویٰ خلافت کی خبریں پہنچیں۔ سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے یہ دیکھ کر اب خاندان عباسیہ کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا اور عبیدیین سے اندلس کے مسلمانوں کو بوجہ ان کے شیعہ ہونے کے کوئی ہمدردی نہیں ہے، مناسب سمجھا کہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کا خطاب اختیار کرے چنانچہ اس نے اپنے امیر المومنین ہونے کا اعلان کیا، اور ناصر الدین اللہ کا لقب اختیار کیا، اس خطاب اور لقب کی کسی نے مخالفت نہیں کی اور حقیقت بھی یہ تھی کہ اس زمانے میں وہی عالم اسلام کے اندر سب سے زیادہ خلیفۃ المسلمین کہلائے جانے کا مستحق بھی تھا۔ اس کے بعد امیر المومنین عبدالرحمٰن نے قرطبہ کی رونق و شان بڑھانے اور خوبصورت عمارات بنانے کی طرف توجہ مبذول کی اور آٹھ دس

سال تک برابر ہر سال شمال کی عیسائی ریاستوں، کی سرکوبی کے لیے افواج بھیجتا رہا۔ عیسائیوں کو اس قدر مجبور و مغلوب کیا گیا کہ ہر ایک نے اظہار عجز و انکساری کو اپنی حفاظت کا ذریعہ بنایا اور شمالی عیسائیوں کی سرکوبی و بغاوت کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔

اندلس کے واقعات جواب تک بیان ہو چکے ہیں ان کے مطالعہ سے خلیفہ عبدالرحمٰن کی یہ غلطی بالکل صاف نظر آتی ہے کہ اس نے باوجود اس کے کہ ان شمالی ریاستوں کے حالات دیکھے سنے تھے مگر پھر بھی موقع پا کر ان کے وجود کو بکلی متاصل کرنا نہ چاہا اور ان کو اپنا مغلوب دیکھ کر باقی رہنے دیا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ۳۴۰ھ کے بعد بڑی آسانی سے ان تمام عیسائی ریاستوں کو جو مسلمانوں کے مفتوحہ ملک میں مسلمانوں کی غفلت کے سبب پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک ایک کر کے مٹا سکتا اور اپنے مسلمان عامل مقرر کر سکتا تھا لیکن اس نے بھی جزیرہ نما کے اندر ان عیسائی ریاستوں کے وجود کو باقی رکھا۔ جس کا نتیجہ مسلمانوں کے لیے سخت مضر ثابت ہوا۔ اس زمانے میں غالباً یہ تصور بھی نہ ہو سکتا ہوگا کہ کسی دن مسلمانوں کی اولاد ایسی ضعیف و ناتواں ہو جاوے گی۔ کہ یہ عیسائی نواب، جو آج فرماں برداری کا اقرار کر رہے ہیں، اندلس سے اسلام کا نام و نشان مٹا سکیں گے۔ امیر المومنین بننے کے بعد عبدالرحمٰن ثالث نے دارالخلافہ قرطبہ سے باہر قدم نہیں رکھا اور جب کبھی ضرورت ہوئی اپنے سرداروں کو فوجیں دے کر لڑائیوں پر بھیجا۔

بحری و بری قوت میں اضافہ:

۳۲۸ھ سے بحیثیت خلیفہ ناصر کے لیے اطمینان و فراغت کا زمانہ شروع ہوا۔ کوئی پریشان کرنے والی بات بظاہر باقی نہ تھی۔ اسی فرصت میں خلیفہ ناصر الدین یعنی عبدالرحمٰن ثالث نے بحری قوت کے بڑھانے اور ساتھ ہی بری فوجوں کے باترتیب بنانے کی طرف توجہ کی، بہت سے جنگی جہاز بنوائے گئے۔ اور اندلس کا بیڑا اس زمانے کے تمام جنگی بیڑوں سے طاقتور ہو گیا۔ بحر روم پر خلیفہ ناصر کی سیادت مسلم ہو گئی۔ خلیفہ نے قدیمی شاہی محل کے متصل ایک عظیم الشان قصر دارالروضہ کے نام سے تعمیر کرایا۔ مسجد قرطبہ کی زیب و زینت اور وسعت میں اضافہ کیا گیا۔ علمی مجالس اور مذاکرات علمیہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ تجارتوں میں سہولتیں پیدا ہوئیں اور اندلس کے تاجر دور دراز مقامات تک مال تجارت لے کر پہنچنے لگے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن کی عالمگیر عظمت:

خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر کی خدمت و شہرت نے بہت جلد دنیا کا محاصرہ کر لیا۔ ۳۳۶ھ میں قسطنطین بن الیون شہنشاہ قسطنطنیہ نے اپنے سفیر نہایت شان دار اور قیمتی تحائف کے ساتھ خلیفہ ناصر کی خدمت میں قرطبہ کی طرف روانہ کیے۔ قسطنطین نے ان شاندار تحائف کو بھیج کر ایک طرف اپنی شان و عظمت اور مال و دولت کی نمائش کرنی چاہی تھی اور دوسری طرف خلیفہ ناصر کی دوستی سے فائدہ اٹھانے کا

خواہاں تھا۔خلیفہ ناصر نے اس سفارت کے قریب پہنچنے کا حال سن کر شہر قرطبہ کی آراستگی کا حکم دیا۔فوجیں رزق برق وردیوں میں دورویہ استادہ ہوئیں۔دروازوں اور دیواروں پر زردوزی کے پردے، ریشمیں نمگیرے، خوب صورت قاناتیں اور انواع واقسام کی زینت اور صنعت کاری دیکھ کر قسطنطنیہ کے ایلچی حیران وششدرہ گئے اور اپنے لائے ہوئے ہدیوں کو حقیر دیکھنے لگے۔سنگ مرمر کے خوبصورت ستونوں اور پچی کاری کے سنگین ورنگین فرشوں پر سے گزرتے ہوئے یہ ایلچی دربار کے ایوان عالی شان میں پہنچے، جہاں خلیفہ ناصر تخت خلافت پر جلوہ افگن اور امرا اور وزراء وشعراء وسرداران فوج اپنے اپنے قرینے اور مرتبے پر ایستادہ تھے۔ان سفیروں پر یہ پر ہیبت وعظیم الشان نظارہ دیکھ کر عجب کیفیت طاری ہوئی۔ بہرحال وہ سنبھلے اور نہایت ادب وتپاک سے کورنش بجالائے اور تخت کے قریب جا کر اپنے بادشاہ کا خط پیش کیا۔ایک آسمانی رنگ کا غلاف تھا جس پر سونے کے حروف سے کچھ لکھا ہوا تھا۔اس غلاف کے اندر ایک صندوقچہ تھا جو نہایت خوبصورت اور مرصع کار تھا۔اس صندوقچہ پر ایک سونے کی مہر لگی ہوئی تھی جس کا وزن چار مثقال تھا۔اس مہر کے ایک طرف مسیحؑ کی اور دوسری طرف شاہ قسطنطین کی تصویر کندہ تھی۔اس صندوقچہ کے اندر ایک اور صندوقچہ بلور کا تھا۔جس پر طلائی ونقری مینا کار بیل بوٹے منقوش تھے،اس کے اندر ایک نہایت خوبصورت ریشمیں لفافہ تھا۔جس کے اندر نہایت خوبصورت آسمانی رنگ کی جھلی پر طلائی حروف میں لکھا ہوا خط رکھا تھا عنوان خط میں خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر الدین اللہ کو نہایت شاندار القاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا تھا۔خلیفہ نے خط پڑھوا کر سنا۔اس کے بعد محمد بن عبدالبر کی طرف اشارہ کیا کہ وہ حسب حال تقریر کریں۔ان فقیہ صاحب کو برجستہ تقریر کرنے میں خاص ملکہ حاصل تھا۔مگر اس وقت اس دربار کی عظمت اور مجلس کے رعب کا یہ عالم تھا کہ فقیہ مذکور کھڑے ہوئے اور چند الفاظ ادا کرنے کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ان کے بعد ابوعلی اسمٰعیل بن قاسم کھڑے ہوئے اور حمد ونعت کے بعد کوئی لفظ منہ سے نہ نکال سکے۔یہ معلوم ہوتا تھا کہ فکر واندیشہ میں مستغرق ہیں۔یہ رنگ دیکھ کر منذر بن سعید جو معمولی درجہ کے علماء میں شامل تھے،کھڑے ہوئے اور بلا تامل تقریر شروع کر دی،یہ تقریر اس قدر لطیف و پرجوش اور حسب موقع تھی کہ بے اختیار تحسین وآفرین کی صدائیں بلند ہوئیں خلیفہ نے اس حسن خدمت کے صلہ میں منذر بن سعید کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور کر دیا۔معمولی مراسم کے بعد دربار برخاست ہوا۔سفیروں کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا گیا اور بڑی شاندار مہمانی کی گئی۔چند روز کے بعد قسطنطنیہ کی سفارت کو واپسی دی گئی اور اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے ہشام بن ہذیل کو اپنی طرف سے بطور سفیر شاہ قسطنطین کے پاس روانہ کیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ قسطنطین سے ایک دوستانہ معاہدہ لکھوا لائے۔چنانچہ ہشام بن ہذیل کامیابی کے ساتھ ۳۳۸ھ میں شاہ قسطنطنیہ سے ایک دوستانہ عہد نامہ لکھوا کر واپس قرطبہ میں آیا۔اس کے بعد بادشاہ اٹلی، بادشاہ جرمن، بادشاہ فرانس، بادشاہ صقالیہ کے

سفیر یکے بعد دیگرے دربار قرطبہ میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے اپنے بادشاہوں کی طرف سے اظہار عقیدت بجالائے اور محبت و ہمدردی کے تعلقات پیدا کرنے کی درخواست کی اور ہر ایک بادشاہ نے خلیفہ عبدالرحمن ناصر کی چشم عنایت اپنی طرف مبذول کرنے کے لیے منت وسماجت اور خوشامد میں کوتاہی نہیں کی۔ یورپ کا ہر ایک بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ خلیفہ عبدالرحمن میرا حامی، مددگار بن جائے تاکہ میں دشمنوں کے حملوں سے محفوظ ہو جاؤں۔

خلیفہ عبدالرحمن نے اپنے بیٹے حکم کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ دوسرا بیٹا عبداللہ نماز روزہ کی طرف زیادہ مائل اور الزاہد کے نام سے مشہور تھا۔ عبداللہ کو قرطبہ کے ایک فقیہ نے جن کا نام عبدالباری تھا، بہکایا اور حکومت کی طمع دلا کر اس بات پر آمادہ کرلیا خلیفہ عبدالرحمن اور حکم کو قتل کرنے کی ایک زبردست کوشش کی جائے۔ چنانچہ فقیہ عبدالباری اور عبداللہ نے مل کر خلیفہ اور ولی عہد کے قتل کرنے کی تیاری کی۔ اس سازش میں اور لوگوں کو بھی شریک کیا گیا۔ ۱۰ ذی الحجہ ۳۲۹ھ یعنی بروز عیدالاضحیٰ اس سازش کا انکشاف ہو گیا کہ اور خلیفہ مع ولی عہد قتل ہوتے ہوتے بچ گئے۔ خلیفہ نے اپنے بیٹے عبداللہ اور فقیہ عبدالباری دونوں گرفتار کر کے جیل خانے بھجوادیا۔ پھر اسی روز اول اپنے بیٹے عبداللہ کو جیل خانے سے نکال کر قتل کرایا۔ فقیہ صاحب نے جب عبداللہ کے قتل ہونے کا حال سنا تو خود ہی جیل خانے میں خودکشی کر کے ہلاک ہو گئے۔

۳۴۲ھ میں رذمیر بادشاہ جلیقیہ کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا اردونی چہارم تخت نشین ہوا اور خلیفہ عبدالرحمن ناصر کی خدمت میں سفیر بھیج کر اپنی حکومت اور باپ کی جانشینی کی اجازت چاہی خلیفہ نے اس کی تخت نشینی کو منظور کر کے اجازت نامہ بھیج دیا۔ ۳۴۵ھ میں فردی نند سردار قسطلہ نے اردونی چہارم کو اپنا سفارشی بنا کر خلیفہ کی خدمت میں اپنی مستقل ریاست وحکومت کے تسلیم کیے جانے کی درخواست بھیجی۔ خلیفہ نے فردی نند کی اس درخواست کو منظور کرلیا۔ اور اس کو ریاست قسطلہ کا مستقل حاکم وفرماں روا بنادیا۔ فردی نند اب تک ریاست جلیقیہ یعنی رذمیر کا ماتحت سمجھا جاتا تھا لیکن چونکہ اردونی چہارم کو تخت نشین کرانے میں فردی نند نے خاص طور پر خدمات انجام دی تھیں۔ اس لیے اردونی چہارم نے سفارش کر کے اس کو بھی مستقل فرماں روا اور خود مختار رئیس لیون پر قابض ہو چکا تھا۔ اور کئی برس سے ریاست لیون جلیقیہ سے جدا شانجہ کے تصرف میں تھی۔ ریاست نوار میں اس کی نانی طوطہ حکمران تھی۔ شانجہ مٹاپے میں مبتلا ہو کر اس قدر موٹا ہو گیا تھا کہ گھوڑے پر چڑھنا تو بڑی بات ہے پیدل بھی دو قدم نہیں چل سکتا تھا۔ ۳۴۶ھ میں فردی نند اور اردونی چہارم نے مل کر شانجہ کو ریاست لیون سے بے دخل کر دیا۔ شانجہ اپنی نانی طوطہ کے پاس ریاست نوار میں چلا گیا۔ ریاست نوار میں شانجہ کا ایک ماموں بادشاہ تھا۔ مگر عنان حکومت ان کی نانی ہی کے ہاتھ میں تھی۔ جو قابلیت وتجربہ کاری کی وجہ سے اپنے بیٹے شاہ نوار کی

سرپرست و اتالیق بھی تھی۔ ملکہ طوطہ نے خلیفہ کی خدمت میں بہت سے تحفے اور ہدیئے بھیج کر درخواست کی کہ خلیفہ شانجہ کا ملک اردونی سے واپس دلا دے اور ایک طبیب قرطبہ سے بھیج دے جو شانجہ کے مرض کا علاج کرے۔ خلیفہ نے ایک شاہی طبیب کو نوار کی طرف فوراً روانہ کر دیا اور ملک کے واپس دلانے کا مسئلہ غور و تامل کے لیے دوسرے وقت پر ٹال دیا۔ طبیب کے علاج سے شانجہ کو آرام ہو گیا۔ اور اس کی پہلی چستی و چالا کی پھر واپس آ گئی۔

دربار خلافت میں تین عیسائی بادشاہ بحیثیت فریادی کے:

اسکے بعد ۳۴۷ھ میں ملکہ طوطہ نے یہی مناسب سمجھا کہ میں خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض معروض کروں۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے شاہ نوار اور اپنے نواسے شاہ لیون کو لے کر قرطبہ کی جانب روانہ ہوئی۔ گویا تین عیسائی بادشاہ حدود فرانس سے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوئے یہ ایک نہایت جاذب توجہ نظارہ تھا۔ راستے کے جن جن شہروں یا قصبوں میں یہ لوگ قیام کرتے تھے۔ لوگ ان کے دیکھنے کو جمع ہو جاتے تھے کہ کئی بادشاہ فریادی بن کر دربار قرطبہ کی طرف جا رہے ہیں۔ قرطبہ کے قریب پہنچے تو ان کا نہایت شان دار استقبال کیا گیا۔ دربار میں خلیفہ کے سامنے حاضر ہوئے تو دربار کی شان اور خلیفہ کے رعب و جلال نے ان کو مبہوت اور سر بسجود کر دیا۔ خلیفہ نے ان کی دل دہی اور تشفی کی اور ان لوگوں کے اتنی دور چل کر آنے اور فریاد کرنے کا اثر یہ ہوا کہ خلیفہ نے ان کے ساتھ اپنے فوجی دستوں کو روانہ کیا کہ ریاست لیون و جلیقیہ کی حکومت شانجہ کو دلا دیں۔ چنانچہ امیر المومنین عبدالرحمٰن ثالث کی فوجوں نے اردونی چہارم کو بے دخل کر کے شانجہ کو جلیقیہ و لیون کا بادشاہ بنا دیا اور اردونی بھاگ کر قسطلہ میں فردی نند کے پاس چلا گیا اور سلطانی فوجوں نے اس سے زیادہ تعرض نہیں کیا۔ اردونی کے انجام کو دیکھ کر شاہ برشلونہ اور رئیس طرکونہ نے اپنے سفیر دربار قرطبہ میں بھیج کر التجا کی ہم دربار خلافت کے غلام ہیں اور اپنی اپنی ریاست کو عطیہ سلطانی سمجھتے ہیں۔ اطاعت و فرماں برداری کے شرائط بجالانے میں مطلق انکار و تامل نہیں ہے۔ لہٰذا ہم کو ہماری ریاستوں کی سندیں پھر عطا ہوں، اور ہمارے اظہار اطاعت کی تجدید کو شرف قبولیت عطا فرمایا جائے۔ خلیفہ ناصر نے ان عیسائی بادشاہوں کے نام اپنی رضا مندی و خوشنودی کے احکام روانہ کر کے ان کو مطمئن کیا۔

اہل علم وفن کی قدر افزائی:

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے جہاں کہیں کسی علم وفن کے باکمال کا نام سنا اس کو بلوایا، اور بڑی قدر دانی کے ساتھ پیش آیا۔ اس ئی قدر دانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد، قسطنطنیہ، قاہرہ، قیروان، دمشق، مدینہ، مکہ، یمن، ایران، خراساں تک سے باکمال لوگ کھچ کھچ کر قرطبہ جمع ہو گئے۔ ان باکمالوں میں ہر علم وفن

اور ہر ملت و مذہب کے لوگ شامل تھے اور دربار خلافت سے سب کی عزت افزائی اور تربیت و پرورش ہوتی تھی۔

تعمیری ذوق:

خلیفہ عبدالرحمٰن کو سلاطین اندلس میں وہی مرتبہ حاصل تھا جو ہندوستان کے شاہان مغلیہ میں شاہجہاں کو، مسجد قرطبہ کی تعمیر کا کام عبدالرحمٰن اول کے زمانہ میں شروع ہو کر اس کے بیٹے ہشام کے زمانے میں ختم ہو چکا تھا۔ مگر اس کے بعد بھی ہر ایک فرماں روائے اندلس نے اس مسجد کی شان و شوکت اور زینت کے بڑھانے میں ہمیشہ خزانوں کا منہ کھلا رکھا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے بھی اس مسجد کی تعمیر و تکمیل میں چالیس اور پچاس لاکھ کے درمیان روپیہ خرچ کیا۔ اس مسجد کا طول شرق سے غرب تک پانچ سو فٹ تھا۔ اس کی خوبصورت محرابیں ایک ہزار چار سو سترہ سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھیں۔ محراب کے قریب ایک بلند منبر خالص ہاتھی دانت اور چھتیس ہزار مختلف رنگ اور وضع کی لکڑی کے ٹکڑوں سے بنا اور ہر قسم کے جواہرات سے جڑا ہوا رکھا تھا۔ یہ منبر سات برس کے عرصہ میں تیار ہوا تھا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن نے اس مسجد کے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار ایک سو آٹھ فٹ بلند تیار کروایا تھا۔ جس میں چڑھنے اور اترنے کے دو زینے میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں۔ اس مسجد میں چھوٹے بڑے دس ہزار جھاڑ روشنی کے جلا کرتے تھے جن میں تین سب سے بڑے جھاڑ خالص چاندی کے اور باقی پیتل کے تھے۔ بڑے بڑے جھاڑوں میں ایک ہزار چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے اور ان تین چاندی کے جھاڑوں میں چھتیس سیر تیل جلا کرتا تھا۔ تین سو ملازم اور خدام اس مسجد کے لیے متعین تھے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن نے اپنی عیسائی بیوی زہرہ کے لیے قرطبہ سے چار میل کے فاصلے پر جبل العروس کے پر فضا دامن میں ایک رفیع الشان قصر تیار کیا۔ یہ اس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو بجائے قصر الزہرہ کے مدینۃ الزہرہ کہتے تھے۔ اس قصر کی وسعت کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے احاطے کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور شاندار دروازے تھے۔ یہ قصر ہمارے زمانے کے موجودہ رائج الوقت سکے کے اعتبار سے بیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کی لاگت میں بن کر تیار ہوا تھا۔ لیکن اگر اس زمانے میں روپیہ کی ارزانی اور ضروریات کی زندگی کی گرانی کا لحاظ کیا جائے۔ تو قصر الزہرہ کی لاگت ہم کو ایک ارب روپیہ سے کم نہیں بتلانی چاہیے۔ اس قصر کا طول چار میل اور عرض قریباً تین میل تھا۔ ۳۲۵ھ سے اس قصر کی تعمیر شروع ہو کر ۳۵۰ھ میں پچیس سال کے اندر ختم ہوئی۔ دس ہزار معمار، چار ہزار اونٹ اور خچروں سے روزانہ اس کے بنانے میں کام لیا جاتا تھا۔ یہ قصر چار ہزار تین سو سولہ برجوں اور ستونوں پر جو سنگ مرمر وغیرہ قیمتی پتھروں کے بنے ہوئے تھے قائم تھا۔ ان ستونوں میں سے بعض ستون فرانس و قسطنطنیہ

وغیرہ کے بادشاہوں نے ہدیۃً عبدالرحمٰن ناصر کی خدمت میں بھیجے تھے۔ عبداللہ، حسن بن محمد، علی بن جعفر انجینئروں کو بھیج کر سنگ مرمر کی ایک مقدار افریقہ سے منگوائی گئی تھی۔ ایک سب سے بڑا فوارہ جو سونے کا معلوم ہوتا تھا اور اس پر نہایت خوش نما نقش و نگار تھے جو احمد یونانی اور ربیع پادری قسطنطنیہ سے لائے تھے۔ ایک فوارہ سنگ سبز کا ملک شام سے منگوایا گیا تھا۔ بارہ پرند اور چرند جانوروں کی صورتیں مختلف جواہرات اور سونے کی بنی ہوئی اس میں لگائی گئی تھیں۔ ہر جانور کے منہ میں چونچ میں سے پانی کا فوارہ بلند ہوتا تھا۔ اس فوارے میں کاریگر نے وہ دست کاری ظاہر کی تھی کہ یورپ کے جن سیاحوں نے ان کو دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا تو بڑی بات ہے کہ خواب اور خیال کو بھی یہاں مجال دخل نہ تھی۔

اس قصر کا حصہ قصر الخلفاء بھی قابل دید تھا۔ اس کی چھت خالص سونے اور ایسے شفاف سنگ مرمر سے بنی ہوئی تھی کہ دوسری طرف کی چیز مثل آئینہ کے نظر آتی تھی۔ یہ چھت باہر کی جانب سونے چاندی کے سفالوں سے سجی ہوئی تھی۔ اس کے وسط میں ایک خوبصورت مرصع فوارہ نصب تھا۔ جس کے سر پر وہ مشہور موتی جڑا ہوا تھا۔ جس کو شہنشاہ یونان نے بطور تحفہ عبدالرحمٰن ثالث کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس فوارے کے علاوہ قصر کے بیچ میں ایک فوارہ نما طشت پارہ سے لبریز رکھا تھا۔ اس قصر کے گرد نہایت خوش نما آئینے ہاتھی دانت کے چوکٹوں میں جڑے ہوئے تھے۔ مختلف اقسام کی لکڑیوں سے مرصع دروازے سنگ مرمر اور بلوری چوکٹوں پر نصب تھے۔ جس وقت یہ دروازے کھول دیے جاتے اور آفتاب کی شعاع سے مکان روشن و منور ہوتا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اس کی چھت اور دیواروں کی طرف نظر بھر کے دیکھ سکے۔ اس حالت میں اگر پارہ ہلا دیا جاتا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام مکان جنبش میں ہے، جو لوگ اس راز سے واقف نہ تھے، وہ مکان کو فی الحقیقت جنبش میں سمجھ کر بے حد خائف ہوتے۔

اس قصر کے انتظام اور نگرانی کے لیے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم اور تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام جو نصاریٰ قوم کے تھے۔ حرم سرا کے اندر چھ ہزار عورتیں خدمت گزاری کے لیے حاضر رہا کرتی تھیں۔ حوضوں میں روزانہ بارہ ہزار روٹیاں، علاوہ اور چیزوں کے مچھلیوں کی خورش کے لیے ڈالی جاتی تھیں، مدینۃ الزہرہ وہ نادر الوجود قصر تھا جس کی وسعت سنگ مرمر کی عمارات، دربار خاص و عام کی شان و شوکت، اس کے باغات کا پرفضا سماں، جہاں ہزار ہا فوارے اچھلتے، نہریں اور حوض پانی سے چھلکتے تھے۔ دیکھنے کے لیے دور دور سے سیاح آتے تھے۔ عربوں نے اس قصر کو اپنی صنعت و حرفت اور دست کاری کی نمائش گاہ بنا دیا تھا۔ افسوس کہ عیسائی وحشیوں نے آئندہ زمانے میں جب قرطبہ پر قبضہ کیا تو قصر الزہرا کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ مسجدوں کو ڈھایا، مقبروں کو مسمار کر کے قبروں تک کو ادھیڑ ڈالا۔

انا اللہ و انا الیہ راجعون۔

پاک باطنی:

قاضی القضاۃ منذر بن سعید بلوطی کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ان کا ایک واقعہ جو عبدالرحمٰن ناصر کے ساتھ ہوا، ذکر کرنے کے قابل ہے وہ یہ کہ عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں ایک مکان کو اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے خریدنا چاہا۔ وہ مکان یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور وہ یتیم بچے قاضی منذر کی نگرانی میں تھے۔ جب قاضی کے پاس اس مکان کی خریداری کا پیغام پہنچا تو قاضی صاحب نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور خلیفہ کی خدمت میں کہلا بھجوایا کہ یتیموں کی جائداد اس وقت منتقل ہو سکتی ہے جب کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پوری ہو:

۱) کوئی سخت ضرورت لاحق ہو۔

۲) جائداد کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

۳) ایسی قیمت ملتی ہو کہ جس کے لینے میں یتیموں کا آئندہ فائدہ متصور ہو۔

فی الحال ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں اور ملازمین سرکار نے جو قیمت اس مکان کی تجویز کی ہے وہ بہت کم ہے۔ خلیفہ یہ پیغام سن کر خاموش ہو گیا۔ اور اس نے سمجھا کہ قاضی بغیر قیمت بڑھائے نہ مانے گا۔ ادھر قاضی منذر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں خلیفہ اس مکان کو زبردستی نہ چھین لے۔ چنانچہ قاضی نے فوراً مکان کو منہدم کرا دیا۔ اس کے بعد ملازمین شاہی نے دگنی قیمت دے کر اس زمین کو خریدا۔ خلیفہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے قاضی کو بلا کر مکان کے منہدم کرانے کا سبب دریافت کیا۔ قاضی منذر نے کہا، جس وقت میں نے مکان کے منہدم کرنے کا حکم دیا ہے، اس وقت میرے زیر نظر قرآن کی یہ آیت تھی: فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ۝ خلیفہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اس روز سے قاضی منذر کی اور زیادہ عزت کرنے لگا۔ اس واقعہ سے خلیفہ اور قاضی دونوں کی پاک باطنی کا ثبوت ملتا ہے۔ قاضی منذر ۳۵۵ھ میں خلیفہ ناصر سے پانچ سال بعد فوت ہوئے تھے۔

امیر المومنین خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث ناصر الدین اللہ نے ۲ رمضان المبارک ۳۵۰ھ کو ۷۲ سال کی چند ماہ کی عمر میں بمقام قصر الزہرہ میں وفات پائی۔

مال گزاری کی آمدنی:

اس خلیفہ کے عہد میں دو کروڑ چون لاکھ اسی ہزار دینار سالانہ مال گزاری داخل خزانہ عامرہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ سات لاکھ ۲۵ ہزار دینار مختلف ذرائع سے وصول ہوتے تھے۔ یہ تمام آمدنی ملک اور رعایا پر ہی خرچ کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ جو روپیہ بطور خراج و جزیہ عیسائیوں اور یہودیوں سے

وصول ہوتا تھا وہ خاص خزانہ شاہی میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ اس آمدنی کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ اس میں سے ایک ثلث خاص سلطان خاص کے لیے مقرر تھا۔ باقی کل رقم عمارتوں، پلوں، اور سڑکوں وغیرہ پر خرچ کی جاتی تھی۔

خلیفہ کی وفات:

اس خلیفہ کے وفات کے بعد اس کے کاغذات میں سے خلیفہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک یادداشت نکلی جس میں خلیفہ نے اپنے پچاس سالہ عہد حکومت کے ان دنوں کا حال لکھا تھا، جن میں خلیفہ کو کوئی فکر نہ تھا اور ایسے دنوں کی تعداد جو افکار سے خالی تھے صرف چودہ تھی۔ وفات کے وقت خلیفہ کے گیارہ لڑکے موجود تھے۔ جن میں حکم بن عبدالرحمٰن ولی عہد تھا۔

عبدالرحمٰن ثالث کے عہد حکومت پر تبصرہ :

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کا زمانہ اندلس کی حکومت اسلامیہ کا نہایت شاندار زمانہ تھا۔ ملک میں ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا۔ تجارت کی بہت بڑی ترقی تھی۔ اہل اندلس نے افریقہ وایشیا کے دور دراز مقامات پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کر لی تھیں۔ بحری طاقت میں کوئی ملک اور کوئی قوم اندلس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ تمام سمندروں پر گویا اندلسی حکومت مسلمانوں کی تھی۔ اس خلیفہ نے اپنے سرداروں اور اہل کاروں کو شاہی اختیارات نہیں دیے بلکہ وہ خود ہر ایک اہم اور ضروری معاملہ کی طرف متوجہ ہوتا اور اہل کار۔ں پر کاموں کو چھوڑ کر بے فکر نہیں ہو جاتا تھا۔ اس نے ان عرب سرداروں اور فقیہوں کی طاقت کو جو حکومت وسلطنت پر حاوی تھے۔ بتدریج کم کر کے ان لوگوں کو جو خلیفہ کے ہمدرد وخیر اندیش تھے بڑھایا اور اپنے ذاتی غلاموں کا ایک حفاظتی دستہ فوج بنایا خلیفہ کی نگاہ سے سلطنت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ پوشیدہ نہیں رہتا تھا۔ تمام جزئیات تک خلیفہ کی نظر پہنچ جاتی تھی۔

اس خلیفہ نے جو سب سے بڑا کام کیا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں، اور گروہوں، میں جو مخالفت اور خانہ جنگی برپا رہتی تھی اس کو بالکل مٹا دیا۔ ہر ایک جماعت اور ہر ایک گروہ کو اس کے مرتبہ کے موافق سلطنت کی طرف سے حقوق حاصل تھے۔ اور کوئی گروہ سلطنت کا دشمن نہ تھا آپس میں ایک دوسرے سے چھری کٹاری ہونا چاہتے تھے۔ اسی میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی کامیابیوں کا راز مضمر تھا۔ اور یہی وہ چیز تھی جس کے سبب اندلسی مسلمانوں کی عظمت تمام دنیا کی نگاہوں میں پیدا ہوگئی تھی۔

اس خلیفہ کے زمانے میں غیر زمانے میں غیر مسلم لوگوں یعنی عیسائیوں، اور یہودیوں وغیرہ کے ساتھ نہایت مروت اور نرمی کا برتاؤ ہوتا تھا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن کی حدود حکومت میں رہنے والے تمام

عیسائی خلیفہ عبدالرحمٰن کو اس قدر محبوب رکھتے تھے کہ اس معاملے میں وہ مسلمانوں سے ہرگز کم نہ تھے۔

مسلمان مولویوں کے تنگ دل اور سخت گیر طبقہ کو اس خلیفہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایتوں کی طرف توجہ دلائی، جو وہ غیر مسلم لوگوں، کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ اور ان کو مجبور کیا کہ وہ قرآن وحدیث کی اصل روح سے واقف ہوں، اور حقیقت وشریعت سے آگاہ ہو کر تنگ چشمی کو چھوڑ دیں۔ اس کام میں خلیفہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس کا زمانہ خیر وبرکت زمانہ سمجھا گیا۔

جہاد کرنے اور کفار سے بذات خود لڑنے میں خلیفہ کسی سے کم نہ تھا اور اس کی فوجی کارروائیاں بہت ہی عظیم الشان تھیں۔ ساتھ ہی جب خلیفہ کے رفاہ رعایا، خدمت علم وفنون، اصلاح معاشرت، ترقی تمدن، شوق عمارات، ترقی مال ودولت، ترقی زراعت وغیرہ کارناموں پر غور کیا جاتا ہے۔ تو اس کا مرتبہ ہی بلند ثابت ہوتا ہے، اور عبدالرحمٰن ثالث عبدالرحمٰن اول سے ہرگز کم ثابت نہیں ہوتا۔

اس خلیفہ کے زمانے میں نہ صرف قرطبہ بلکہ تمام ملک اندلس جنت کا نمونہ بن گیا تھا، کہیں چپہ بھر زمین ایسی نہ تھی جس میں کاشت نہ ہوتی ہو، خوبصورت باغات کی افراط وکثرت سے تمام ملک گلزار نظر آتا تھا۔ کوئی شہر وقصبہ اور گاؤں ایسا نہ تھا جس میں خوبصورت اور سربفلک عمارات کی کثرت نہ ہو۔ وہ اندلس جو اس خلیفہ کی تخت نشینی سے پہلے بدامنی اور فتنہ وفساد کا گھر بنا ہوا تھا۔ اس کے عہد سلطنت میں امن وامان اور فارغ البالی کا مسکن بن گیا تھا۔ قرطبہ اور دوسرے شہروں کی عمارات اور رونق وسلیقہ شعاری بغداد دمشق وغیرہ سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر تھی۔ اندلس کی آبادی کے مقابلے میں تمام براعظم یورپ ایک بیابان نظر آتا تھا۔ جہاں تہذیب وشائستگی کا نام ونشان نہ تھا۔ یورپ کے تمام بادشاہوں کی آمدنی مل کر بھی تنہا خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی آمدنی کے برابر نہ تھی۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی باقاعدہ فوج جن کے نام رجسٹروں میں درج تھے، ڈیڑھ لاکھ تھی مگر بے قاعدہ فوج یعنی ضرورت کے وقت رضا کاروں وغیرہ کی تعداد جو فراہم ہو سکتی تھی۔ اس کا کوئی شمار نہ تھا۔ بارہ ہزار آدمیوں کی فوج جن میں آٹھ ہزار سوار اور چار ہزار پیدل تھے، خلیفہ کی محافظ تن فوج تھی۔

تمام جزیرہ نمائے اندلس میں سڑکوں اور شاہراہوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا، مسافروں کی حفاظت کے لیے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں قائم تھیں۔ اور سپاہی گشت کرتے اور پہرہ دیتے رہتے تھے۔ ڈاک کا انتظام بذریعہ قاصدوں کے تھا۔ جو ڈاک لے کر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جاتے تھے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر اتنی جلدی پہنچ جاتی تھی کہ دوسرے ملکوں کے لوگ اس کو جادو سمجھتے تھے۔ لاتعداد بروج پہرہ چوکی کے لیے بنے ہوئے تھے۔ یہ بروج ساحل بحر پر بھی بنے ہوئے تھے۔ ان برجوں کی چوٹیوں پر سے دارالخلافہ میں جہازوں کی نقل وحرکت کی خبر بلاتوقف پہنچ جاتی تھی۔ بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم ایسی عمارتوں کے لیے ہمیشہ لی جاتی تھی، جو رفاہ عامہ کے لیے بنوائی جاتی

تھیں۔ ان عمارتوں کے بنوانے سے یہ بھی غرض تھی کہ کاریگروں اور مزدوروں کے لیے کام ہمیشہ مہیا رہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ اس تمام ملک میں جو مسلمانوں کے قبضہ میں رہ چکا ہے غیر معمولی تعداد قلعوں اور پلوں کی پائی جاتی ہے۔ بیمار اور محتاج آدمیوں کے لیے سرکاری مکانات تھے۔ وہاں سرکاری خرچ سے ان کی ہر قسم کی خبر گیری کی جاتی تھی۔ تمام ممالک محروسہ میں دارالیتامی قائم تھے۔ ان میں یتیموں کی پرورش اور تعلیم کا انتظام خلیفہ کے صرف خاص سے ہوتا تھا۔

قرطبہ کی آبادی دس لاکھ تھی۔ سڑکیں نہایت صاف و پختہ مکانات سنگ مرمر کے اور نہایت خوبصورت، پانی کے نکاس کی موریوں کا نہایت عمدہ اور قابل تعریف انتظام تھا۔ صفائی کے لیے ایک محکمہ قائم تھا جو ہمہ اوقات شہر کی صفائی کی نگرانی میں مصروف تھا۔ جا بجا شہر کے اندر بھی نفیس و دل کشا باغیچے تھے اور نواح شہر میں تو ایسے جنت الفردوس باغیچوں کی بڑی ہی کثرت تھی۔ شہر میں مکانات کی تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار تھی۔ ان میں وزراء وامراء اور خلیفہ کے محلات وقصور شامل نہیں ہیں۔ اسی ہزار چار سو دکانیں، سات سو مسجدیں، نو سو حمام، اور چار ہزار تین وہ مکانات تھے جن میں مال تجارت رکھا رہتا تھا۔ ان کو گودام کہنا چاہیے۔ دنیا کے ہر ملک و شہر کے آدمی، ہر ملک کا لباس اور ہر ملک و سلطنت کے سکے قرطبہ میں نظر آتے تھے۔ اس شہر کا طول چوبیس میل اور عرض چھ میل تھا۔ جو وادی الکبیر کے کنارے کنارے پھیلا چلا گیا تھا۔ خاص شہر جس کے گرد پختہ فصیل تھی، چودہ میل کے محیط میں تھا۔ رات کے وقت قرطبہ کے بازار میں اگر کوئی شخص خط مستقیم سفر کرے تو دس میل تک وہ بازاروں کے چراغوں کی روشنی میں چل سکتا تھا۔ روئے زمین کا کوئی شہر قرطبہ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ دنیا کے کسی شہر میں اس قدر قلمی کتابیں نہیں تھیں، جس قدر قرطبہ میں موجود تھیں۔ پہاڑ کا پانی ڈھائی میل کے فاصلے سے بذریعہ نل شہر کے اندر آتا تھا۔ شہر میں نلوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ہر مدرسے، ہر سرائے، ہر مسجد کے دروازے پر لازماً نل لگا ہوا تھا۔ باغوں میں اسی نل کے ذریعے فوارے چھوٹتے تھے۔ شہر کے سات بڑے بڑے دروازے تھے جن کے پھاٹکوں میں تالا جڑا ہوا تھا۔ شہر پناہ کے اندر شہر پانچ حصوں میں منقسم تھا۔ ہر ایک حصے کی شہر پناہ الگ الگ تھی۔ شہر کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ قصر شاہی تھا۔ اس کا قلعہ الگ تھا اور ارکین سلطنت اسی میں رہتے تھے۔ شہر قرطبہ ہی میں نہیں تمام ملک اندلس میں کوئی فقیر بھیک مانگنے والا نظر نہ آتا تھا۔ سلطان عبدالرحمٰن ثالث اپنے آخر ایام حکومت میں مدینۃ الزہرا میں چلا گیا تھا۔ جو قرطبہ کے قریب ایک دوسرا چھوٹا سا شہر بن گیا تھا اور رونق و خوبصورتی میں قرطبہ سے بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔ اندلس میں ہر قسم کے میوے پیدا ہونے لگے تھے اور بازاروں میں بہت ارزاں فروخت ہوتے تھے۔

دارالخلافہ قرطبہ میں بکثرت مدارس اور دارالعلوم جاری تھے۔ جا بجا مشاعرے، مناظرے اور

علمی تحقیقات کے جلسے منعقد ہوتے تھے۔شہزادے، امراء اور خود خلیفہ ان جلسوں کی شرکت اور سرپرستی کرتے۔علماء کو انعام وظائف عطا کرتے تھے۔ ہیئت، طب، فلسفہ، فقہ، حدیث اور تفسیر کے بے نظیر عالم قرطبہ میں موجود تھے۔طلبا کے مصارف اور رہنے سہنے کا انتظام سب شاہی خزانہ کے ذمہ تھا۔آخر ایام حیات میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے ولی عہد حکم کو کاروبار سلطنت بہت کچھ سپرد کر دیا تھا۔اور خود اپنا وقت عبادت الٰہی میں زیادہ بسر کرنے لگا تھا۔

وفات:

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الملقب بہ ناصر الدین اللہ نے مرتے وقت سلطنت اندلس کو اس حالت میں چھوڑا کہ عیسائی سلاطین جو سرحد پر تھے اپنی سینکڑوں برس کی جدوجہد کے بعد مایوس و ناکام ہو کر سلطنت اسلامیہ اندلس کی غلامی و فرماں برداری کا اقرار کرنے پر مجبور ہو کر اطاعت گزاری پر ہمہ وقت مستعد نظر آتے تھے اور غلاموں کی طرح دربار قرطبہ میں عرضیاں بھیجتے۔اور التجائیں کرتے تھے۔جو عیسائی بادشاہ دور دراز کے ملکوں پر قابض و فرماں رواں تھے۔وہ بھی خلیفہ اندلس کو رضامند رکھنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتے اور دربار قرطبہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا ہونے پر فخر کرتے تھے۔ مراقش کا ملک اندلس کی حکومت میں شامل تھا۔تمام بحر روم اور دوسرے سمندروں پر بھی اندلس کے بیڑہ کی حکومت تھی اور سمندروں میں کوئی طاقت اندلس کے جہاز کو نہیں روک سکتی تھی۔کوئی اندرونی خطرہ بھی باقی نہ رہا تھا۔

خلیفہ حکم عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی:

اپنے باپ کی وفات کے تیسرے روز خلیفہ حکم ۵ رمضان المبارک ۲۵ھ کو بعمر ۴۸ سال قصر الزہرا میں تخت خلافت پر بیٹھا۔وزراء سپہ سالاران فوج امرا، علماء اور ارا کین سلطنت بیعت کے لیے حاضر دربار ہوئے۔ قاضی القضاۃ اور دوسرے قاضیوں نے اول بیعت کی۔اس کے بعد خلیفہ کے بھائیوں، اور شہزادوں نے رسم بیعت ادا کی۔اس کے بعد وزراء و امراء اراکین سلطنت نے اقرار اطاعت کیا۔صوبوں کے عامل جو قرطبہ میں حاضر ہو سکے تھے۔انہوں نے اصالتاً شرف بیعت حاصل کیا۔باقی لوگوں کے پاس ملک کے صوبوں اور بڑے بڑے شہروں میں بیعت لینے کے لیے خلیفہ نے وکلاء روانہ کیے۔قصر شاہی کے خادموں اور غلاموں نے بھی بیعت کی۔تخت نشینی کی رسم بڑی دھوم دھام اور شان وشکوہ کے ساتھ ادا ہوئی۔خلیفہ نے اپنا لقب مستنصر باللہ تجویز کیا۔جعفر مصحفی کو اپنا حاجب مقرر کیا۔

نظم ونسق کا جائزہ:

اس کے بعد خلیفہ حکم نے سلطنت کے تمام صیغوں اور محکموں کا جائزہ خصوصی توجہ کے ساتھ لیا ہر ایک وزیر کے دفتر کا معائنہ کیا۔ فوج کے رجسٹروں کو جانچا اور افواج شاہی کی موجودات لی۔ غرض نہایت احتیاط کے ساتھ سلطنت کی جزئیات تک سے اپنے آپ کو واقف و آگاہ بنایا حالانکہ وہ پہلے سے بھی سلطنت کے کاموں سے ناآشنا نہ تھا۔ اور ہر صیغہ کی نگرانی کر چکا تھا۔ اپنے علم و واقفیت کی تجدید کر لینے کے بعد اس نے ہر ایک اہل کار کے پاس اس کے مامور و مستقل ہونے کے پروانے روانہ کیے۔ گویا ہر ایک اہل کار کو اس نئے خلیفہ نے از سر نو اس کی خدمت پر مامور کیا۔ اس طرز عمل سے نئے خلیفہ کی بیدار مغزی اور مستعدی کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا۔

سرحدی عیسائی سلاطین کی بغاوتیں:

خلیفہ حکم کو بچپن سے کتابیں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر کا ایک بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء اس کے سامنے کوئی تقریر کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ دنیا کے کسی ملک اور کسی تخت سلطنت پر غالباً ایسا ذی علم اور تبحر بادشاہ نہیں بیٹھا۔ حکم ثانی کے علم وفضل اور مطالعہ کتب کی حکایتیں چونکہ پہلے ہی سے دور دور تک مشہور تھیں۔ اس لیے اس کے تخت نشین ہونے کی خبر سن کر عیسائی سرحدی سلاطین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے باپ کی طرح ایک بہادر صعوبت کش سپہ سالار ثابت نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے سرکشی اور طغیان کا اظہار کیا۔

بادشاہ قسطلہ نے اسلامی سرحدی شہروں پر دست درازی وحملہ آوری شروع کر دی۔ خلیفہ حکم نے یہ حال سن کر اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں بذات خود قسطلہ کی جانب فوج کشی کی اور عیسائیوں کو شکست فاش دے کر جلیقیہ کے ملک میں دور تک داخل ہو کر اور اقرار اطاعت لے کر واپس آیا۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ جلیقیہ کے سرکش عیسائی اس تنبیہ کو کافی نہ سمجھ کر شورش وفساد پر پھر آمادہ ہیں۔ چنانچہ خلیفہ حکم نے اپنے آزاد کردہ غلام غالب کو سپہ سالار افواج سرحد بنا کر روانہ کیا اور جلیقیہ والوں کی سرکوبی کے لیے تاکید کر دی۔ غالب نے پہنچ کر عیسائی افواج کو اپنی فوج سے کئی گنا زیادہ دیکھا، مگر اس نے خداوند پر بھروسہ کر کے حملہ کیا۔ سب کو شکست فاش دے کر بھگایا اور حکومت قسطلہ کے ایک بڑے حصے کو تاراج اور قلعوں کو منہدم کر کے قرطبہ کی جانب واپس ہوا۔

ابھی چند ہی روز گزرے ہوں گے کہ شانجہ کے باغی ہونے کی خبر پہنچی۔ اس کی مدد کے لیے لیون، نور، قسطلہ وغیرہ کئی عیسائی حکومتوں کی فوجیں مجتمع ہو گئیں۔ خلفیہ حکم نے یعلی بن محمد حاکم سرقسطہ کو لکھا کہ تم ان باغیوں کی سرکوبی کا کام انجام دو۔ چنانچہ یعلی بن محمد نے تنہا ان افواج گراں کا مقابلہ بڑی بہادری اور قابلیت کے ساتھ کیا۔ اور سب کو شکست دے کر خلیفہ حکم کی خدمت میں مع مال غنیمت حاضر ہوا۔ یعلی بن محمد ابھی قرطبہ ہی میں فروکش تھا کہ حاکم برشلونہ کے باغی ہونے کی خبر پہنچی اور ساتھ ہی معلوم ہوا کہ حاکم قسطلہ بھی پھر سامان بغاوت فراہم کر رہا ہے۔ خلیفہ حکم نے یعلی بن محمد کو برشلونہ کی جانب روانہ کیا اور غالب وہذیل بن ہاشم کو حاکم قسطلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ دونوں فوجیں برشلونہ وقسطلہ کی جانب روانہ ہوئیں اور دونوں جگہ عیسائیوں کو سخت نقصان اٹھا کر اقرار اطاعت پر مجبور ہونا پڑا۔

خلیفہ حکم کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں جب عیسائیوں کو پیہم ناکامیاں ہوئیں تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ خلیفہ حکم ثانی اپنے باپ سے کسی طرح عزم و قوت میں کم نہیں ہے۔ ۳۵۴ھ میں ایک مرتبہ پھر سرحدی عیسائیوں میں کشمکش اور سرکشی کے حالات نمایاں ہوئے مگر یعلی بن محمد اور قاسم بن مطرف نے سب کو سیدھا کر دیا۔ اسی سال نارمن لوگوں نے جزیرہ نمائے اندلس کے مغربی ساحل پر حملہ کر کے شہر بشونہ (بسن) کے نواح تاخت و تاراج شروع کی۔ خلیفہ کو جب اس کا حال معلوم ہوا، تو اس نے اپنے امیر البحر عبدالرحمٰن بن رباحس کو حکم دیا کہ ان قزاقوں کو بھاگنے نہ دے اور خود فوج لے کر قرطبہ سے بسن کی جانب روانہ ہوا۔ مگر خلیفہ اور امیر البحر عبدالرحمٰن کے پہنچنے سے پہلے ہی ان قزاقوں کو خشکی اور سمندر سے وہاں کے باشندوں نے مقابلہ کر کے بھگا دیا تھا۔ نہ خشکی میں کوئی شخص نظر آیا، نہ ان کا کوئی جہاز ساحل پر موجود پایا گیا۔

عیسائی بادشاہوں کی مرعوبیت :

شانجہ کا چچا زاد بھائی اور ردونی جو فردی نند حاکم قسطلہ کا داماد بھی تھا۔ ریاست لیون کا فرماں روا تھا۔ جب شانجہ کو خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی فوجوں نے لیون کا حاکم بنا دیا تو اردونی اپنے خسر فردی نند کے پاس چلا گیا تھا۔ اب اردونی نے جلیقیہ سے اپنے بیس ہمراہیوں کے ساتھ خلیفہ حکم کی خدمت میں حاضر ہونے اور فریاد کرنے کا قصد کیا۔ چنانچہ ۳۵۵ھ میں اردونی شاہ لیون شہر سالم میں مع اپنے ہمراہیوں کے پہنچا تو امیر غالب محافظ حدود شمالی نے اس کو روکا اور کہا کہ تم ممالک محروسہ اسلامیہ میں بلا اطلاع و اجازت کیسے داخل ہوئے۔ اردونی سابق بادشاہ لیون نے کہا کہ میں امیر المومنین کا ایک ادنیٰ غلام ہوں میں اپنے آقا کے پاس جاتا ہوں۔ میں نے کسی اجازت اور اطلاع کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ تاہم غالب نے اس کو وہیں شہر سالم میں روک کر دربار خلافت کو اطلاع دی۔ یہاں سے اردونی کے آنے کی اجازت مرحمت ہوئی۔ اور ساتھ ہی اس کے استقبال کے لیے ایک سردار کو روانہ کر دیا گیا۔

جب اردونی شہر قرطبہ کے قریب پہنچ گیا اور شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی قبر کے سامنے پہنچا تو خود بخود فوراً گھوڑے سے اتر کر قریب پہنچا اور دیر تک دعا کرتا رہا اور قبر کو سجدہ کر کے آگے روانہ ہوا۔ خلیفہ حکم نے اردونی کو اجازت دی کہ وہ سفید لباس پہن کر جو بنو امیہ میں عزت کا لباس سمجھا جاتا تھا، داخل دربار ہو۔ شہر طلیطلہ کا اسقف عبداللہ بن قاسم اور قرطبہ کے عیسائیوں کا مجسٹریٹ ولید بن خیرون اس کے ہمراہ برائے ادب آموزی و رہبری موجود تھے۔ اردونی جب دربار میں حاضر ہوا تو خلیفہ کے سامنے پہنچنے سے پہلے ہی اس مکان کی

عظمت و ہیبت سے مرعوب ہو کر اور ٹوپی اتار کر دیر تک ششدر کھڑا رہا۔ ہمراہیوں نے آگے بڑھنے کے لیے اشارہ کیا۔ جب تخت کے سامنے پہنچا تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑا۔ پھر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر کسی قدر آگے بڑھا اور پھر سجدہ میں گر پڑا۔ اسی طرح سجدہ کرتا ہوا اس مقام تک پہنچا جو اس کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اور اس کرسی پر جو اس کے لیے بچھائی گئی تھی بیٹھا۔ اب اس نے ولید بن خیرون کے اشارے پر کئی مرتبہ بولنے کی کوشش کی۔ اس پر اس قدر رعب تھا کہ کچھ نہ بول سکا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر خلیفہ حکم کچھ دیر خاموش رہا تا کہ اس کو اپنے حواس بجا کرنے کا موقع ملے۔ پھر اس کے بعد خلیفہ نے کہا کہ:

"اے اردون ہم تیرے یہاں آنے سے بہت خوش ہوئے۔ ہمارے الطاف خسروانہ سے تیری خواہشات پوری ہوں گی۔"

اردنی نے خلیفہ کا یہ کلام سن کر فرط مسرت سے اٹھ کر تخت کے سامنے سجدہ کیا اور نہایت عاجزی سے عرض کیا "اے میرے آقا میں حضور کا ادنیٰ غلام ہوں۔" خلیفہ نے فرمایا کہ "ہم تجھ کو خیر خواہان دولت میں شمار کرتے ہیں اور تیری درخواستوں کو منظور کرتے ہیں۔ اگر کوئی خواہش ہو تو بیان کر۔" اردونی یہ سن کر پھر دیر تک تخت کے سامنے سجدہ میں پڑا رہا اور اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا۔ کہ شانجہ میرا چچا زاد بھائی اس سے پہلے خلیفہ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا تھا، کہ اس کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اور رعایا اس سے خوش نہ تھی، خلیفہ مرحوم نے اس کی التجا سنی اور اس کو بادشاہ بنا دیا۔ میں نے خلیفہ مرحوم کے حکم اور فیصلے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور ملک چھوڑ دیا۔ حالانکہ رعایا مجھ سے خوش تھی۔ میں اس وقت اپنے دلی جوش اور عقیدت کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ خلیفۂ وقت میرے استحقاق پر نظر کر کے میرا ملک مجھ کو مرحمت فرمائیں گے۔ خلیفہ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہم تیرا مدعا سمجھ گئے ہیں۔ اگر شانجہ کے مقابلے میں تیرا استحقاق فائق ہے تو ضرور ملک تجھ کو ملے گا۔ یہ سن کر اردونی نے پھر سجدہ کیا۔ خلیفہ نے دربار برخاست کیا اور اردونی کو اس کی قیام گاہ پر عزت و آرام کے ساتھ پہنچا دیا گیا۔۔۔ اردونی کو قصر سلطان کے ایک مغربی حصے کے بالاخانے پر ٹھہرایا گیا تھا۔ وہاں جاتے ہوئے راستے میں اردونی نے ایک تخت بچھا ہوا دیکھا۔ جس پر خلیفہ کبھی کبھی بیٹھ جاتا تھا۔ اس خالی تخت کو دیکھ کر اردونی نے اسی طرح سجدہ کیا کہ گویا خلیفہ اس پر بیٹھا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ کے وزیر اعظم جعفر نے آ کر اردونی کو خلیفہ کی طرف سے ایک مکلف خلعت دیا اس طرح چند روز مہمان رکھ کر اپنے چند سرداروں کے ساتھ روانہ کیا کہ اس کو آبائی ریاست میں تخت نشین کر آئیں۔ اس کے بعد شانجہ اور سمورہ و جلیقیہ کے رئیسوں نے بھی عرضیاں اظہار فرماں برداری کے لیے روانہ کیں اور بیش بہا تحفے

بطور نذرانہ روانہ کیے۔ برشلونہ وطرکونہ کے حاکموں نے بھی قیمتی نذرانے اورخراج روانہ کر کے اظہارعقیدت کیا۔

اس کے بعد فرانس، اٹلی اور یورپ کے دوسرے عیسائی سلاطین جس طرح خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی خدمت میں اپنے سفیر اور تحائف بھیجتے تھے، بھیجے اور خلیفہ حکم کا رعب بھی اپنے باپ کی طرح قائم ہوگیا۔ مغربی جلیقیہ کے عیسائی فرماں برداری جوان دنوں بہت طاقتور تھا اور جس کا نام لرزیق تھا، اپنی ماں کو خلیفہ حکم کی خدمت میں روانہ کیا۔ خلیفہ نے مادر لرزیق کو عزت کے ساتھ دربار میں باریاب کیا اور اس کی خواہش کے موافق اس کے بیٹے کے لیے سند امارت و حکومت لکھ دی۔

مراقش کے حاکم کی بغاوت:

۳۱۶ھ میں مراقش کے ادریسی حاکم نے جو خلیفہ قرطبہ کی طرف سے وہاں، مامور تھا، بربریوں کی جمعیت کثیر فراہم کر کے سرکشی وخودمختاری کا اعلان کیا۔ خلیفہ نے سرقسطہ کے حاکم یعلی بن امیہ کو مراقش کی جانب روانہ کیا۔ اندلسی فوج کشی کا حال سن کر حاکم مراقش نے مغر عبیدی سے اعانت طلب کی اور اسکی فرماں برداری واطاعت کو قبول کرلیا۔ ادھر سے امیر جوہر فوج لے کر مراقش پہنچ گیا۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ یعلی بن محمد اس معرکہ میں کام آیا اور یہ مہم ناکام رہی۔

اس خبر کو سن کر دربار قرطبہ میں فکر وملال کے آثر نمایاں ہوئے۔ خلیفہ نے اپنے آزاد کردہ غلام امیر غالب کو مراقش روانہ کیا۔ غالب کے پہنچنے پر جوہر تو مصر کی طرف چل دیا۔ اور حسن حاکم مراقش مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ کئی معرکوں کے بعد غالب نے حسن کو ایک قلعہ میں محصور کر کے اس بات پر مجبور کرلیا کہ وہ بلاشرط اپنے آپ کو غالب کے سپرد کردے۔ چنانچہ غالب نے حاکم مراقش کو قرطبہ روانہ کیا۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ عزت ومحبت کا برتاؤ کیا اور بطور مہمان قرطبہ میں مقیم کر کے روزینہ مقرر کردیا۔ چندروز کے بعد اس کی خواہش کے موافق اسے اسکندریہ کی جانب بھیج دیا۔ غالب نے ایک سال مراقش میں قیام کر کے وہاں کے تمام انتظام کو مضبوط ومکمل کیا اور ۳۶۳ھ میں مراقش کے بہت سے قیدیوں کو ہمراہ لیے ہوئے قرطبہ واپس آیا۔ جہاں اس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔

ولی عہدی:

۳۶۵ھ میں اس خلیفہ نے اپنے بیٹے ہشام کو ولی عہد خلافت بنا کر امراء وزراء اور اراکین سلطنت سے بیعت لی اور تمام محروسہ میں عالموں سے بیعت ولی عہدی وکالت لی گئی۔

وفات:

۲ ماہ صفر ۳۶۶ھ کو سولہ سال کی حکومت کرنے کے بعد ۶۴ سال کی عمر میں خلیفہ ثانی نے بعارضہ "فالج" قرطبہ میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے وقت اس کے بیٹے ہشام کی عمر گیارہ سال کے قریب تھی۔ خلیفہ حکم ہی نے ولی عہدی کے وقت اس کا وزیر محمد بن ابی عامر کو تجویز کر دیا تھا اگلے روز ہشام تخت نشین ہوا۔

خلیفہ حکم ثانی کے دور پر تبصرہ:

خلیفہ حکم ثانی اندلس کے نہایت نامور اور مشہور علماء میں شمار ہوتا ہے۔ اگر اس خلیفہ کے زمانے میں لڑائیوں اور چڑھائیوں کا زیادہ موقع ہوتا تو وہ یقیناً اعلیٰ درجہ کا سپہ سالار ثابت ہوتا مگر اس کے عہد حکومت میں بہت ہی کم مگر بہت اہم ہنگامے جنگ و جدل کے برپا ہوئے۔ جن میں عموماً لشکر اندلس کو کامیابی اور فتح مندی حاصل ہوئی۔

زیادہ وقت اس خلیفہ کا علمی مشاغل میں صرف ہوا۔ اس خلیفہ کا وزیر جعفر بھی ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی سے کم لائق نہ تھا۔ خلیفہ نے انتظام ملکی کے متعلق اس کے اختیارات کو وسیع کر کے اپنے لیے علمی مشاغل کا وقت بہت کچھ نکال لیا تھا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں مذہبی بے جا تعصب بالکل نہ رہا تھا۔ ہر قوم و مذہب کے آدمی کو اندلس میں کامل آزادی حاصل تھی۔ تنگ دلی اور پست خیالی کا نام و نشان دربار قرطبہ میں نہیں پایا جاتا تھا۔ عدل و انصاف کے قائم رکھنے کا اس خلیفہ کو بہت زیادہ خیال تھا۔ تمام رعایا خلیفہ سے خوش اور ہر طبقہ میں اس کی محبت و عظمت بے شائبہ ریا موجود تھی۔

خلیفہ احکام قرآنی کا سختی سے پابند تھا اور مسلمانوں سے اس کی پابندی کراتا تھا۔ اس سے پہلے اندلس کے فوجی لوگوں میں شراب نوشی کا عیب بھی پایا جانے لگا تھا۔ اس خلیفہ نے شراب کا بنانا، بیچنا اور استعمال کرنا قطعاً ممنوع اور جرم عظیم قرار دے کر اس پلیدی سے اپنے ملک کو پاک کیا۔ خلیفہ کی طرف سے ایک بڑی رقم روزانہ خیرات کی جاتی تھی۔ جابجا ملک کے بڑے بڑے شہروں میں کالج اور دارالعلوم قائم کیے۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات میں بھی مدرسے قائم تھے۔ طلباء کے اکثر مصارف شاہی خزانہ سے ادا ہوتے تھے جو طالب علم باہر سے آتے تھے وہ جب تک اندلس کے اندر تحصیل علم میں مصروف رہیں، خلیفہ کے مہمان سمجھے جاتے تھے۔ سررشتۂ تعلیم کا اعلیٰ افسر خلیفہ نے اپنے بھائی منذر کو مقرر کیا تھا۔

حکم ثانی کا ذوق علمی:

خلیفہ حکم ثانی کو تمام علوم مروجہ میں دست گاہ کامل حاصل تھی۔ کتابوں سے اس کو عشق تھا۔ دمشق بغداد، قسطنطنیہ، قاہرہ، قیروان، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ وغیرہ تمام ان مقامات میں جہاں علم کا چرچا تھا۔ خلیفہ حکم کے گماشتے موجود تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ جو اچھی نایاب کتاب پائیں اس کو خریدیں اور خلیفہ حکم کے پاس بھیج دیں۔ مصنفین کو ترغیب دیں کہ وہ اپنی تصنیف کی پہلی کتاب خلیفہ کے پاس بھیجیں۔ علماء کو قرطبہ جانے کی ترغیب دیں، جہاں ان کی فراخ دلی کے ساتھ قدر و منزلت بڑھائی جاتی تھی اور وہ مال و دولت سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔ کسی کتاب کے حاصل کرنے میں چاہے کتنی ہی مصیبت برداشت کرنی پڑے اور اشرفیوں کی چاہے کتنی ہی تھیلیاں خالی کرنی پڑیں حکم کے کتب خانے کے لیے وہ کتاب ضروری خریدی جاتی تھی۔ ہر ایک شہر میں خلیفہ حکم کی طرف سے لوگ صرف اسی کام پر متعین تھے کہ وہ کتابوں کی نقلیں کر کے قرطبہ میں بھیجیں۔ دنیا کے تمام بادشاہوں سے خلیفہ حکم کے مراسم تھے اور ان سب کے شاہی کتب خانوں میں نقل کرنے والے لوگ خلیفہ حکم کی طرف سے موجود رہتے تھے کہ تمام نایاب کتابوں کی نقلیں حاصل کریں۔

روئے زمین کے ہر ایک ملک اور ہر ایک شہر میں اس بات کی شہرت ہوگئی تھی کہ قرطبہ کا خلیفہ سب سے زیادہ مصنفین کا قدردان ہے۔ اس لیے بہت سے ایسے مصنفین تھے جو بغداد یا بصرہ وغیرہ میں رہتے تھے مگر اپنی کتابیں خلیفہ حکم کے نام سے معنون کر کے دربار قرطبہ میں بھیجتے تھے۔ یونانی اور عرانی کتابوں کے ترجمے کرانے کے لیے سینکڑوں ہزاروں علماء کا ایک زبردست محکمہ بنا دیا تھا۔ اندلس بالخصوص قرطبہ کے ہر ایک شریف آدمی کو کتاب کا شوق ہو گیا تھا اور ہر گھر میں کتب خانہ موجود ملتا تھا۔ صرف قرطبہ ہی میں نہیں بلکہ اندلس کے ہر ایک بڑے شہر میں ایک بڑا کتب خانہ سرکاری اہتمام سے موجود و مہیا تھا۔ ہر ایک شخص جو امیر المؤمنین کی خدمت میں عزت و رسوخ حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ کوئی نایاب اور مفید کتاب بطور ہدیہ لے کر حاضر ہوتا تھا۔

حکم کا ذاتی کتب خانہ:

خلیفہ حکم کا ذاتی کتب خانہ اس قدر عالی شان تھا کہ اس کی عمارت قصر شاہی سے کم وسیع و شاندار نہ تھی۔ اس کتب خانے کی عمارت کو سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا۔ سنگ مرمر ہی کا خوبصورت فرش تھا۔ جس پر سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی پچی کاری تھی۔ صندل، آبنوس اور اسی قسم کی قیمتی لکڑیوں کی الماریاں تھیں۔ ہر ایک الماری پر سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا تھا کہ کس علم و فن کی کتابیں ہیں۔ اس دارالکتب میں ہزارہا جلد ساز کاتب اور مصروف کار رہتے تھے۔ کتابوں کی تعداد چھ لاکھ

کے قریب تھی۔

کتب خانہ کی فہرست:

فن تاریخ سے اس خلیفہ کو بہت شوق تھا۔ اندلس کی ایک تاریخ اس خلیفہ نے خود لکھی تھی۔ مگر وہ زمانہ کی دست بردی سے ضائع ہوگئی۔ روئے زمین کے علماء خواہ وہ کسی قوم اور کسی مذہب اور کسی علم وفن سے تعلق رکھتے ہوں، قرطبہ کی طرف کھنچ کھنچ کر چلے آئے تھے۔ غرض کہ خلیفہ حکم کے زمانے میں قرطبہ تمام علوم وفنون کا ایک ہی لانظیر مرکز تھا۔

مشاہیر علماء اور اہل کمال کی قدردانیاں:

ابوعلی قالی بغدادی مصنف کتاب الامالی عبدالرحمن ثالث کے عہد میں وارد اندلس ہوا تھا۔ سلطان حکم اس بے نظیر عالم کو ایک دم کے لیے اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ ابوبکر الارزق جو اپنے زمانے کے مشہور عالم اور سلمہ بن عبدالملک بن مروان کے خاندان سے تھا۔ ۳۴۹ھ میں قرطبہ پہنچا اور ۵۸ سال کی عمر میں بماہ ذیقعدہ ۳۸۵ھ میں فوت ہوکر قرطبہ میں مدفون ہوا۔ خلیفہ حکم اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اسمٰعیل بن عبدالرحمن بن علی جو ابن زمع کے خاندان سے تھا۔ قاہرہ سے اندلس آیا اور خلیفہ حکم کے علمائے دربار میں شامل ہوا۔ ثقر البغدادی اور قیاس بن عمر وغیرہ مشہور خوشنویس تھے۔ جن کی خلیفہ حکم بڑی قدر کرتا تھا۔ ابوعبداللہ محمد بن عبدون عذری دربار قرطبہ کا اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا۔ محمد بن مفرج فقہ اور حدیث کا مشہور عالم تھا۔ ابن مغیث، احمد بن عبدالملک، ابن ہشام القوبی، یوسف بن ہارون، ابوالولید یونس اور احمد سعید ہمدانی مشہور شعراء تھے۔ محمد بن یوسف درانی نے خلیفہ حکم کے حکم سے افریقہ کی تاریخ مع جغرافیہ لکھی تھی۔ عیسیٰ بن محمد۔ ابوعمر احمد بن فرج۔ یعیش بن سعید خلیفہ حکم کے عہد میں مشہور مورخ اور زبردست عالم تھے جو دربار قرطبہ کی رونق تھے۔

علم نوازی کی مثال:

خلیفہ حکم کی علم دوستی اور عالم نوازی کی ایک حکایت قابل تذکرہ ہے کہ ایک روز ابو ابراہیم نامی ایک فقیہ مسجد ابوعثمان میں وعظ بیان کر رہا تھا۔ اسی حالت میں شاہی چوب دار آیا اور اس نے ابوابراہیم سے کہا کہ امیر المومنین نے آپ کو اسی وقت بلایا ہے اور وہ باہر انتظار کر رہے ہیں۔ ابوابراہیم نے کہا کہ تم امیر المومنین سے کہہ دو کہ میں اس وقت خدا کے کام میں مصروف ہوں جب تک اس کام سے فارغ نہ ہولوں نہیں آسکتا۔ چوب دار اس جواب کو سن کر حیران رہ گیا اور

ڈرتے ڈرتے جا کر خلیفہ کی خدمت میں ابوابراہیم کا جواب عرض کیا۔ خلیفہ حکم نے سن کر چوب دار سے کہا کہ تم جا کر ابوابراہیم سے کہہ دو کہ میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا کہ آپ خدا کے کام میں مصروف ہیں۔ جب اس کام سے فارغ ہو جائیں تو تشریف لائیں۔ میں اس وقت تک دربار میں آپ کا منتظر رہوں گا۔ چوب دار نے یہ پیغام آ کر ابوابراہیم کو سنایا۔ ابوابراہیم نے کہا کہ تم جا کر امیر المومنین سے کہہ دو کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں نہ پیدل چل سکتا ہوں۔ باب السدہ یہاں سے زیادہ دور ہے مگر باب الصنع یہاں سے قریب ہے، اگر باب الصنع کے کھول دینے کی اجازت دیں تو میں اس دروازے سے بہ آسانی حاضر دربار ہو سکوں گا۔ باب الصنع ہمیشہ بند رہتا تھا اور کسی خاص موقع پر ہی اس کے کھولنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ابوابراہیم اس کے بعد پھر اپنے وعظ میں مصروف ہو گیا۔ اور چوب دار یہ پیغام بھی خلیفہ تک پہنچا کر خلیفہ کے حکم سے آ کر مسجد میں بیٹھ گیا۔ جب ابوابراہیم اپنا وعظ ختم کر چکا تو چوب دار نے عرض کیا کہ باب الصنع آپ کے لیے کھول دیا گیا ہے اور امیر المومنین آپ کے منتظر ہیں۔ ابوابراہیم جب باب الصنع پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں امراء و وزراء اس کے استقبال کے لیے موجود ہیں، دربار میں گیا اور خلیفہ سے باتیں کر کے اسی دروازے سے عزت واحترام کے ساتھ واپس آیا۔

حکم کے عہد حکومت کی امتیازی خصوصیت:

حکم ثانی کو بجا طور پر اندلس کا سب سے بڑا خلیفہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے زمانے میں رعب و وقار سلطنت، امن و امان ملک، وسعت و سلطنت، سرسبزی و شادابی، مال و دولت، تجارت وغیرہ چیزیں اپنے معراج کمال کو پہنچی ہوئی تھیں اور سب سے زیادہ قابل تعریف اور قابل توجہ چیز علم و تعلم کی گرم بازاری تھی۔ علم کا آفتاب قرطبہ کے آسمان پر نصف النہار کو پہنچا ہوا تھا اور یہ وہ فخر ہے کہ خلیفہ حکم ثانی کے مقابلہ میں ہارون و مامون و منصور بھی پیش نہیں کر سکتے۔ خلیفہ حکم عالم بادشاہوں، اور علم پرور سلاطین انجمن کا صدر اعظم ہونے کی وجہ سے فرماں روایان عالم میں خصوصی امتیاز رکھتا ہے لیکن حیرت واستعجاب کی کوئی انتہا باقی نہیں رہتی۔ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے۔ کہ ایسے ذی علم، ایسے ذی ہوش، ایسے عقلمند خلیفہ کے تمام علم و عقل کو محبت پدری نے مغلوب کر لیا اور اس نے اپنے ایسے بیٹے کو اپنا جانشین تجویز کیا جو اس کی وفات کے وقت صرف گیارہ سال کی عمر رکھتا تھا۔ خلافت و سلطنت میں وراثت کو دخل دینے کی لعنت سے محفوظ رہنے کی توقع اگر ہو سکتی تھی تو حکم ثانی جیسے سمجھدار خلیفہ ہی سے ہو سکتی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اس معاملہ میں کامیاب ثابت نہیں ہوا اور مامون الرشید عباسی اس سے بازی لے گیا۔ اس نے اول تو اپنے خاندان کی بھی پرواہ نہیں

کی اور ایک علوی کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن جب وہ ولی عہد خلافت مامون کے سامنے ہی فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کا بھائی معتصم اس کا جانشین ہوا۔

خلیفہ حکم ثانی کا بھائی مغیرہ ہر ایک اعتبار سے حکومت وسلطنت کی قابلیت رکھتا اور حکم ثانی کا بجا طور پر جانشین ہو سکتا تھا۔ مگر حکم ثانی نے مغیرہ کو محروم رکھ کر اپنے نابالغ بیٹے کو ولی عہد بنا کر اپنے آپ کو خلفائے اندلس کا آخری خلیفہ بنایا۔ حکم کے بعد برائے نام خاندان بنوامیہ میں چند روز خلافت وحکومت رہی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حکم ثانی کے فوت ہوتے ہی بنوامیہ کی حکومت و خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ خلیفہ حکم نے اپنے بیٹے کو ولی عہد خلافت بناتے ہوئے محمد بن ابی عامر کو اس کا اتالیق تجویز کر دیا تھا، لیکن اس اتالیقی یا وزارت کا تعلق شہزادہ ہشام کی جاگیر اور اس کے عہد ولی عہدی ہی سے تھا۔ یہ مطلب نہ تھا کہ ہشام بن حکم تخت نشین خلافت ہونے کے بعد بھی محمد بن ابی عامر کو اپنا وزیر بنائے اور عہدہ حجابت عطا کرے۔ کیونکہ ایک خلیفہ کے فوت ہونے سے اس کے حاجب کا معزول ہونا ضروری نہ تھا۔ جب تک نیا خلیفہ اس کو معزول نہ کر دے۔

ہشام ثانی بن حکم ثانی اور منصور محمد بن ابی عامر:

۳۶۶ھ میں جب کہ خلیفہ حکم ثانی فوت ہوا اور اس کا بیٹا ہشام ثانی گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا ہے تو خلافت اسلامیہ اندلس میں مندرجہ اشخاص سب سے زیادہ طاقتور اور قابو یافتہ تھے۔

۱۔ جعفر بن عثمان مصحفی حاجب السلطنت یا وزیر اعظم یہ خلیفہ حکم کے عہد حکومت سے وزارت عظمیٰ کے اعلیٰ عہدہ پر مامور چلا آتا تھا۔ ذی علم، علم دوست اور سب سے زیادہ معزز شخص سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ ملکہ صبح۔ یہ حکم ثانی کی عیسائی بیوی اور ہشام بن حکم کی ماں تھی۔ خلیفہ حکم ثانی کے عہد حکومت میں بھی یہ اکثر امور سلطنت کے اندر دخیل اور قابو یافتہ تھی۔ خلیفہ حکم کو اس کی خاطر بہت عزیز تھی۔ جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ولی عہد خلافت کی ماں تھی۔ ساتھ ہی بہت عقلمند اور چالاک عورت تھی۔

۳۔ غالب یہ سپہ سالار اعظم افواج اسلامیہ اندلس تھا خلیفہ حکم ثانی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس کے ساتھ فوج کے سپاہیوں اور شہروں کے باشندوں کو محبت تھی۔

۴۔ محمد بن ابی عامر بن محمد بن عبداللہ بن عامر بن محمد ولید بن یزید بن عبدالملک معافری اس کا جد اعلیٰ عبدالملک معافری طارق بن زیاد فاتح اول کے ہمراہ وارد اندلس ہوا تھا۔

محمد بن ابی عامر ہشام بن حکم کا اتالیق اور ملکہ صبح کی حمایت واعانت حاصل رکھتا تھا۔

۵۔ فائق خواجہ سرا۔ یہ قصر سلطانی کے محافظ دستہ کا افسر اور توشہ خانہ کا داروغہ تھا۔

۲۔ جوذر خواجہ سرا۔ یہ شہر قرطبہ کے تمام بازاروں کا نگران یا کوتوال شہر تھا، موخرالذکر دونوں خواجہ سرا اس قدر رقابو یافتہ تھے کہ بڑے بڑے امراء ان سے ڈرتے اور ان کی رضا مندی حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اراکین دولت کے مشورے:

جب خلیفہ حکم ثانی کا انتقال ہوا ہے تو فایق و جوذر کے سوا اور کوئی اس وقت موجود نہ تھا۔ ان دونوں نے خلیفہ کے انتقال کے بعد مشورہ کیا کہ شہزادہ ہشام کی تخت نشینی حکومت اسلامیہ کے لیے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ خلیفہ حکم کے بھائی مغیرہ کو تخت نشین کیا جائے کیونکہ وہ بار خلافت کے تحمل کی قوت و قابلیت رکھتا ہے۔ جوذر کی رائے یہ تھی کہ وزیر اعظم جعفر مصحفی کو سب سے پہلے قتل کر دیا جائے تاکہ مغیرہ کی تخت نشینی میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ مگر فایق نے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم وزیر مصحفی کے سامنے اپنا خیال بیان کریں اور اس کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ بہت زیادہ ممکن ہے کہ جعفر ہمارا ہم خیال ہو جائے۔ اگر وہ ہم خیال نہ ہوا تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس تجویز کے موافق وزیر جعفر کو طلب کیا گیا۔ جب وزیر آ گیا تو اس کو خلیفہ کے فوت ہونے کی اطلاع دے کر ان دونوں نے اپنی رائے پیش کی۔ وزیر فوراً موقع کی نزاکت کو تاڑ گیا اور اس نے کہا کہ میں آپ دونوں کی رائے کے موافق ہی عمل کروں گا۔ مگر دوسرے اراکین سلطنت کو بھی اس مشورہ میں شریک کر لینا ضروری ہے۔ اس طرح ان دونوں کو دھوکا دے کر وہاں سے نکل آیا اور اپنے مکان پر آتے ہی اس نے ارکان و اعیان سلطنت کو طلب کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو خلیفہ کی وفات کا حال سنا کر فایق و جوذر کی رائے کا اظہار اور کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اسی وقت مغیرہ اور حکم کو قتل کر دیا جائے تاکہ ہر ایک فتنے کا سدباب ہو جائے۔ اس کو سن کر سب نے پسند تو کیا مگر بے گناہ کے قتل کرنے کی کسی کو جراءت نہ ہوئی۔ آخر محمد بن ابی عامر اٹھا اور اس نے کہا کہ میں اس کام کو انجام دیتا ہوں جب محمد ابی عامر مغیرہ کے مکان پر پہنچا تو وہ سو رہا تھا۔ اس کو ابھی تک اپنے بھائی کے فوت ہونے کا حال معلوم نہ تھا۔ بیدار ہو کر جب اس نے محمد بن ابی عامر سے اس حادثہ کا حال سنا تو بہت غمگین ہوا اور اپنے بھتیجے ہشام کی اطاعت کا اقرار اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ محمد بن ابی عامر نے یہ رنگ دیکھ کر اور مغیرہ کو بالکل بے ضرر محسوس کر کے جعفر مصحفی کے پاس خبر بھیجی کہ مغیرہ ہر طرح ہشام کی فرماں برداری پر آمادہ اور بغاوت و سرکشی کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں زیادہ سے زیادہ اس قدر احتیاط کافی ہے کہ مغیرہ کو قید کر دیا جائے، اس کی جان لینے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی مگر وزیر جعفر نے فوراً پیغام بھیجا کہ

اگر تم اس کام کو نہیں کر سکتے تو میں کسی دوسرے شخص کو بھیجتا ہوں تا کہ وہ بلا توقف مغیرہ کا کام تمام کر دے۔ یہ سن کر محمد بن ابی عامر نے مغیرہ کو بے گناہ قتل کر دیا اور جس کمرے میں اس کو قتل کیا تھا، اس کمرہ کو اسی وقت تیغہ کرا دیا۔

تخت نشینی:

اس کے بعد خلیفہ ہشام کی رسم تخت نشینی ادا ہوئی۔ فائق و جوذر کو اپنے منصوبے میں ناکامی ہوئی۔ انہوں نے اس کے بعد نوعمر خلیفہ کے خلاف لوگوں میں ہلچل پیدا کرنے کی کوشش کی اور مغیرہ کے بے گناہ مارے جانے کی طرف توجہ دلائی۔ اس سے ایک عجیب قسم کی برہمی اور ناراضگی لوگوں میں پیدا ہوئی اور چند ہی روز کے بعد دارالسلطنت قرطبہ میں خبر پہنچی کہ شمالی سرحد کے عیسائی باج گزار حکمرانوں نے اسلامی علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا ہے۔ اور نوعمر خلیفہ کے تخت نشین ہونے سے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ ان حالات میں وزیر اعظم جعفر نے اپنی قابلیت کا کوئی بہترین نمونہ نہیں دکھایا اور آپس کی مخالفتوں اور رقابتوں نے بھی اس کو بدحواس اور مجبور سا کر دیا۔

محمد بن عامر بحیثیت مشیر:

آخر ملکہ صبح کے حکم و اشارے سے محمد بن ابی عامر کو وزیر جعفر کے کاموں میں اس کا شریک مقرر کیا گیا۔ چند ہی روز کے اندر محمد بن ابی عامر نے جعفر کو طاق میں بٹھا دیا اور تمام امور سلطنت پر خود حاوی ہو گیا۔ اب اس کے بعد اندلس کی حکومت اسلامیہ کے جو حالات بیان ہونے والے ہیں وہ درحقیقت ابن ابی عامر ہی کے کارنامے ہیں۔ اور اسی لیے عنوان میں ہشام کے ساتھ ابن عامر کا نام بھی درج کیا گیا ہے۔

محمد بن عامر کے حالات زندگی:

محمد بن ابی عامر ۳۲۷ھ میں اندلس کے مقام طرکش میں جہاں اس کا خاندان سکونت پذیر تھا۔ پیدا ہوا اگرچہ اس کا مورث اعلیٰ عبدالملک معافری ایک یمنی سپاہی پیشہ شخص تھا مگر اس کے بعد اس کی اولاد میں زیادہ تر پڑھے لکھے اور ذی علم لوگ ہوتے رہے اور سپہ گری کی طرف اس خاندان کی توجہ کم رہی، محمد بن ابی عامر ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ اس کا باپ حج سے واپس آتا ہوا علاقہ طرابلس الغرب میں فوت ہو گیا تھا۔ محمد بن ابی عامر بہت تھوڑی عمر میں قرطبہ آ کر سرکاری مدرسہ میں آ کر پڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ فارغ التحصیل ہو کر اس نے ایوان شاہی کے

متصل ایک دوکان کرایہ پر لی اوراس میں بیٹھ کر عرائض نویسی کا پیشہ اختیار کیا۔اجرت لے کر لوگوں کے خطوط، کچہریوں میں پیش ہونے والی عرضیاں لکھ دیا کرتا تھا۔یہی اس کا ذریعہ معاش تھا۔اتفاقاً ملکہ صبح یعنی مادر ہشام کو ایک محرر کی ضرورت ہوئی جو اس کی جائداد کا حساب کتاب لکھا کرے۔کسی خواجہ سرا نے محمد بن ابی عامر کی ملکہ سے سفارش کردی۔چنانچہ محمد بن ابی عامر ملکہ کے یہاں محرروں میں نوکر ہو گیا۔اس کی حسنِ کارگزاری کی شہرت اور ملکہ کی سفارش نے اس کو چند روز کے بعد اشبیلیہ کے محصولات کی وصولی کا افسر مقرر کروادیا۔اس عہدے پر فائز ہو کر چونکہ اس کو قرطبہ سے باہر رہنا پڑتا تھا لہٰذا اس نے ملکہ صبح کی خدمت میں عرض معروض کر کے ملکہ کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ خلیفہ حکم کی خدمت میں سفارش کر کے اس کو قرطبہ ہی میں کوئی عہدہ دلا دے۔چنانچہ اس کو محکمہ دار الضرب کا افسر و مہتمم بنادیا گیا۔اس عہدہ جلیلہ پر پہنچ کر محمد بن ابی عامر نے اپنی قابلیت کا خوب اظہار کیا۔ملکہ صبح کو بھی قیمتی تحائف کے ذریعہ خوش رکھا۔وزیر مصحفی اور دوسرے امراء کو بھی اپنا ہمدرد و خیر خواہ بنالیا۔اور بہت جلد اس قدر اعتبار پیدا کرلیا کہ خلیفہ حکم نے مرنے سے پہلے اس کو شہزادہ ہشام کا اتالیق مقرر کر دیا۔

محمد بن عامر کا کارنامے:

خلیفہ حکم کی وفات اور مغیرہ کے قتل کے بعد جب ہشام تخت نشین ہوا تو تمام کاروبار سلطنت وزیر جعفر مصحفی کے ہاتھ میں آ گیا۔سپہ سالار غالب بظاہر وزیر جعفر کا رقیب سمجھا جاتا تھا۔ملکہ رُخ پہلے سے زیادہ امور سلطنت میں دخیل اور حاوی ہوگئی تھی۔اس کی سب عزت کرتے تھے اور وہ محمد بن ابی عامر پر زیادہ مہربان تھی۔محمد بن ابی عامر نے وزیر جعفر اور سپہ سالار غالب کو مشورے دے کر سب سے پہلے خواجہ سراؤں کے زور کر تڑوایا۔فائق کو میورقہ میں جلاوطن کر دیا جہاں وہ گم نامی کے عالم میں فوت ہوا۔جوذر کو استعفاء دینے پر مجبور کیا گیا۔ان کی جماعت کے لوگوں کو منتشر کر دیا گیا۔اسی حالت میں شمالی عیسائیوں کے حملہ آور ہونے اور خراج کی ادائیگی سے انکار کرنے کی خبریں پہنچیں۔وزیر جعفر نے محمد بن ابی عامر کو فوج دے کر عیسائیوں کے مقابلہ اور سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔محمد بن ابی عامر نے شمالی حدود میں پہنچ کر عیسائیوں کو پیہم اور عبرت آموز شکستیں دیں اور وہاں سے سالماً غانماً واپس آیا۔ان فتوحات کی خبریں پہلے ہی قرطبہ میں پہنچ چکی تھیں۔اور محمد بن ابی عامر کی قبولیت اور عظمت دلوں میں بہت بڑھ گئی تھی۔اہل قرطبہ نے اس کا شاندار استقبال کیا اور دربار میں قدرتی طور پر اس کا اثر اور اختیار پہلے سے دو چند ہو گیا۔اب محمد بن ابی عامر نے غالب کو اپنا شریک وہم خیال بنا کر مصحفی کو وزارت سے معزول اور ذلیل کرادیا۔یہاں

تک کہ اس کو قید کر دیا اور وہ اسی حالت میں فوت ہوا۔

غالب چونکہ تمام افواج اندلس میں محبوب و ہر دل عزیز تھا۔ لہٰذا اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ تھا۔ محمد بن ابی عامر نے فوجی بھرتی جاری کی۔ جس میں شمال کے پہاڑی عیسائیوں اور مراقش وطرابلس الغرب کے بربریوں کو بھرتی کیا۔ ابن ابی عامر اب تنہا وزیر اعظم تھا۔ غالب کی خاطر مدارات اور تعظیم وتکریم حد سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ غالب کی بیٹی سے اس نے شادی کر لی تھی۔ اس لیے غالب کی طرف سے اس کو کوئی خطرہ نہ تھا مگر چونکہ ابن ابی عامر میں اولوالعزمی حد سے بڑھی ہوئی تھی اور وہ مطلق العنان فرماں روا کی حیثیت سے اندلس میں حکومت نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے پرانی فوج کے ایک حصہ کو موقوف کر دیا۔ باقی کو غیر اہم اور مناسب موقع پر مامور کر کے فوج کی قومی جماعت بندیوں کو درہم برہم کر دیا۔ نئی فوج کی تعداد کو بتدریج بڑھا کر زیادہ قواعد دان اور مضبوط بنا لیا۔ اور اس طرح بڑی ہوشیاری کے ساتھ غالب کی قوت کو کمزور کر دیا۔ غالب اور ابن ابی عامر کی کسی موقع پر تیز گفتگو ہوئی۔ سخت کلامی کے بعد زبان تیغ سے کام لینے تک نوبت پہنچی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ابی عامر کسی قدر زخمی ہوا اور غالب بھاگ کر عیسائی بادشاہ لیون کے پاس چلا گیا۔ اسی طرح حریفوں سے میدان خالی کرا کر ابن ابی عامر نے ملکہ صبح کے اقتدار کو امور سلطنت سے بالکل خارج کر دیا۔ اور ہشام ثانی کو قصر خلافت کے اندر اپنے مقرر کردہ خدام میں گویا نظر بند کر کے بٹھا دیا۔

ہشام قصر خلافت سے آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ محل کے اندر عیش وعشرت اور لہو ولعب کے تمام سامان اس کے لیے فراہم تھے اور وہ اپنی اسی حالت پر قانع اور مطمئن تھا۔ بلا ابن ابی عامر کی پروانگی کے کوئی شخص ہشام سے مل بھی نہیں سکتا تھا۔ ابن عامر نے ہر طرح مضبوط و مطمئن ہو کر، فوجی اصلاح وترتیب کی طرف توجہ کی اور بہت جلد وہ اپنی بہادر اور جرار فوج میں محبوب و ہر دل عزیز بن گیا۔

عیسائیوں سے جہاد:

اس کے بعد اس نے عیسائیوں پر جہاد کیے اور کئی عیسائی ریاستوں کو ممالک محروسہ میں شامل کر کے باقیوں کو ایسی سخت سزائیں دیں کہ عیسائی سلاطین ان کے نام سے لرزنے اور کانپنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود عیسائی سلاطین اور عیسائی سرداروں نے اس کی فوج میں شریک ہو کر عیسائی ملکوں کو پامال کیا اور خود عیسائیوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گرجوں کو ڈھانے اور مسمار کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر ابن ابی عامر نے ان کو معبدوں کی بے حرمتی وتباہی سے روک دیا۔ پھر اس نے

افریقہ کی طرف توجہ کی۔ ادھر بھی سلطنت اندلس کی حدود کو وسیع کیا۔ غرض اس نے اپنے عہد حکومت میں چھپن جہاد کیے اور ہر ایک لڑائی میں فتح مند ہوا۔ آخری ایام میں حکومت میں اس نے اپنا خطاب "منصور" تجویز کیا۔ چنانچہ وہ نہ صرف منصور بلکہ منصور اعظم کے خطاب سے مشہور ہے۔

وفات:

۳۹۴ھ میں ۲۷ سال کی حکومت کے بعد قسطلہ کے آخری جہاد سے واپس آتا ہوا مدینہ سالم میں جس کو میڈ نیا سلی کہتے ہیں، فوت ہو کر مدفون ہوا۔

محمد بن عامر منصور کے عہد پر تبصرہ:

منصور اعظم کی مثال ایسی سمجھنی چاہیے۔ جیسے خلافت بغداد میں دیلمی و سلجوقی وغیرہ سلاطین کی حالت تھی کہ خلیفہ برائے نام ہوتا تھا اور اصل حکومت ان سلاطین کے ہاتھ میں ہوتی تھی منصور اعظم نے اپنے آپ کو حاجب یعنی وزیر اعظم ہی کے نام سے موسوم رکھا لیکن باقی تمام امور میں وہ مطلق العنان فرماں روا تھا۔ اس نے مدینہ زاہرہ کے نام سے ایک قصر قرطبہ کے قریب چند میل کے فاصلے پر تعمیر کرایا تھا جو قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی میں وہ تمام دفاتر اور خزائن کو لے گیا تھا۔ خطبہ میں خلیفہ ہشام کے ساتھ اس کا بھی نام لیا جاتا تھا۔ سکہ میں بھی اس کا نام درج ہوتا تھا۔ امراء اور اراکین سلطنت اس کی ایسی ہی تکریم کرتے اور تمام آداب دربار اسی طرح بجالاتے جس طرح وہ خلفائے بنوامیہ کے لیے بجالاتے تھے۔

ابن ابی عامر یعنی منصور اعظم کا وجود اندلس کی اسلامی حکومت و سلطنت کے لیے بہت ہی مبارک و مسعود تھا۔ اس نے لیون اور اس کی اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو خلافت قرطبہ کا براہ راست ایک صوبہ بنالیا تھا۔ برشلونہ، قسطلہ اور نوار کو اس نے خراج گزار اور پورے طور پر فرماں بردار بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ ایک مرتبہ غرسیہ والی ریاست لشکبنس کے پاس منصور اعظم کا کوئی ایلچی کسی ضرورت سے گیا۔ غرسیہ نے اس کا شاندار استقبال کیا اور اپنے تمام ملک کی اس کو سیر کرائی۔ اس سیر و سیاحت میں اس ایلچی کو معلوم ہوا کہ کسی کلیسا میں کوئی مسلمان عورت قید ہے جس کو راہبوں نے قید کر رکھا ہے۔ ایلچی نے واپس آ کر حالات سنائے اور اس مسلمان عورت کا بھی تذکرہ کیا۔ منصور اعظم اسی وقت فوج لے کر ریاست لشکبنس پر حملہ آور ہوا۔ جب حدود لشکبنس کے قریب پہنچا تو غرسیہ عاجزانہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ مجھ سے کوئی حرکت گستاخانہ سرزد نہیں ہوئی۔ منصور نے کہا کہ تو نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے ملک میں کوئی مسلمان قیدی نہ رکھے گا۔ پھر فلاں گرجا میں ایک مسلمان عورت کو کس لیے قید کیا گیا۔ غرسیہ نے فوراً عورت

کو منصور کے حوالے کر کے اس گرجا کو منصور کے سامنے گرا دیا۔

۲۴ ماہ جمادی الاخریٰ ۳۸۷ھ کو منصور نے قرطبہ سے شہر قوریہ کی جانب کوچ کیا۔ قوریہ کو فتح کر کے جلیقیہ میں داخل ہوا۔ یہاں عیسائی سرداروں نے آ آ کر ملازمت وشرکت اختیار کی۔ ان سب کو لے کر منصور اعظم سمندر کے کنارے تک تمام علاقے کے سرکش لوگوں کو سزا دے کر اور اس طرف کے قلعوں کو جو سامان بغاوت تھے مسمار کرا کر بحر اطلانطک کے چھوٹے چھوٹے جزیروں کو فتح کیا اور مفرورین کو جو وہاں جا کر پناہ گزین ہوئے تھے گرفتار کیا۔ ساحل فرانس کے شہروں کو فتح کر کے اور ان عمارتوں کو جو سازش خانے بنائے گئے مسمار کرنے کے بعد واپس ہوا۔ یہ منصور اعظم کا اڑتالیسواں جہاد تھا۔

علم وفضل کی قدر افزائی:

منصور اعظم وفضل کا ایسا ہی قدر دان تھا جیسا کہ خلیفہ حکم ثانی۔ وہ خود بھی عالم تھا اور عالموں کی بڑی قدر کیا کرتا تھا۔ مگر وہ لوگ جو لڑکپن میں اس کے ہم سبق رہ چکے تھے۔ منصور اعظم کی اس عظمت وشوکت کو دیکھ کر دل ہی دل میں حسد کے مارے جلے بھنے جاتے تھے۔ انہوں نے موقع پا کر منصور کے خلاف ایک سازش مرتب وبرپا کی اور یہ الزام لگایا کہ منصور فلسفہ کی جانب زیادہ مائل ہے اور اس پر دہریت غالب ہے۔ مگر منصور نے اپنے خلاف اس قسم کی شہرت سن کر فوراً اس کی تلافی کی اور خود مذہبی علماء کی ایک بڑی مجلس منعقد کر کے اس قسم کی باتوں کا سدباب کر دیا۔ منصور نے بہت سے پل بنائے۔ جامع مسجد قرطبہ کی اس نے بھی وسیع کی۔ امن وامان اور رعایا کی خوش حالی اس کے زمانے میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ وہ ایسے مقامات پر بھی اپنی فوجیں لے گیا جہاں اس سے پہلے کوئی مسلمان نہ پہنچا تھا۔ غرض منصور کا عہد حکومت ہر ایک اعتبار سے حکومت اندلس کا نہایت شاندار زمانہ تھا۔ منصور اعظم کے نام سے عیسائی سلاطین کے دل میں اس قدر خوف طاری ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ کسی اموی خلیفہ سے بھی وہ نہ ڈرتے تھے۔ منصور نے نہایت ادنیٰ درجہ کی حالت سے ترقی کر کے اپنے آپ کو حکومت وسلطنت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچایا۔ اس لیے وہ دنیا کے باحوصلہ اور قابل تکریم لوگوں کی صف میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ ۳۹۴ھ میں جب وہ فوت ہوا تو اگرچہ خلافت بنو امیہ ہشام ثانی کی بے بسی ونالائقی کے سبب اپنے آخری سانس پورے کر رہی تھی۔ مگر اسلامی عظمت وشوکت اپنے معراج کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

منصور اعظم کے فوت ہونے کی خبر قرطبہ میں پہنچی تو ہوا خواہان بنو امیہ کو اس لیے خوشی ہوئی کہ اب ہشام ثانی جو شاہ شطرنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ آزادانہ وخود مختارانہ فرماں روائی کر سکے گا

چنانچہ بعض خیر خواہوں نے خلیفہ ہشام تک پہنچنے اور یہ خوشخبری سنانے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی۔ مگر ہشام نے منصور کے فوت ہونے کی خبر سن کر بے حد رنج و ملال کا اظہار کیا اور منصور کے بڑے بیٹے عبدالملک کے آنے سے پہلے کوئی خیال ظاہر نہیں کیا۔ جب عبدالملک شہر سالم میں اپنے باپ کو دفن کرنے کے بعد قرطبہ میں وارد ہوا تو خلیفہ ہشام ثانی نے اس کو فوراً طلب کر کے اپنا وزیراعظم بنایا۔ اور اب منصور کی مانند عبدالملک تمام سلطنت اندلس کے سیاہ و سفید کا مالک و مختار ہوا۔ خلیفہ ہشام نے اس کو سیف الدولہ اور "مظفر" کا خطاب دے دیا۔ مظفر نے اپنے باپ کی روش پر عمل کیا اور چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۹۹ھ میں فوت ہوا۔ مظفر نے اپنے عہد حکومت میں آٹھ مرتبہ عیسائی ملکوں پر چڑھائیاں کیں اور ہر مرتبہ فتح مند ہوا۔ اس کے زمانے میں بھی علم و فن کی خوب ترقی رہی اور حکومت اسلامیہ کے اس رعب میں جو منصور کے زمانے میں قائم ہو چکا تھا کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔

مظفر کے فوت ہونے پر اس کا بھائی عبدالرحمٰن بن منصور وزارت عظمیٰ یا تخت سلطانی پر فائز ہوا۔ عبدالرحمٰن نے اپنا لقب ناصر تجویز کیا۔ ناصر کا بھائی مظفر اور اس کا باپ منصور دونوں اگرچہ سلطنت اندلس کے خود مختار فرماں روا تھے مگر وہ اپنے آپ کو وزیراعظم یا حاجب السلطنت ہی کہتے رہے عبدالرحمٰن ناصر نے یہ دیکھ کر کہ اراکین دربار اور سرداران لشکر اور عمال و حکام سب اسی کے خیر خواہ اور اسی کے باپ کے ترتیب کردہ دوست گرفتہ ہیں۔ بلا خوف و خطر اپنے آپ کو خود مختار بنایا اور خلیفہ ہشام کی ظاہری تعظیم و تکریم میں بھی قصور کرنے لگا۔

اس کے بعد ناصر نے ہشام کو مجبور کیا۔ وہ ناصر کو اپنا ولی عہد خلافت تجویز کرے چنانچہ ہشام نے مجبوراً ایک فرمان کے مضمون پر جو ناصر نے لکھوا کر پیش کیا، دستخط کر دیئے اور ممالک محروسہ کے تمام عمال کے نام وہ فرمان بھیجا گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ ہمارے بعد عبدالرحمٰن ناصر کو خلیفہ بنایا جائے اور ہر فرد بشر اس کو ولی عہد خلافت تصور کرے۔ اس فرمان میں ناصر کی عالی نسبی اور قابلیت ملک داری کی بہت تعریف کی گئی تھی۔ اس فرمان یا سند ولی عہدی کی تمام ارکان و اعیان سلطنت نے تائید کی اور جامع مسجد قرطبہ میں بھی اس کا اعلان کیا گیا۔ ناصر اپنی کامیابی پر بہت خوش ہوا مگر یہی سند ولی عہدی اور سلطانی اس کے لیے موجب ہلاکت ثابت ہوئے۔

ہشام کی معزولی:

ناصر اپنی حکومت کے پہلے ہی سال اپنے بھائی اور باپ کی سنت کے موافق فوج لے کر سرحد کی طرف عیسائیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ قرطبہ میں قریشیوں اور امویوں کو یہ دیکھ کر

کہ حکومت وخلافت بنوامیہ سے نکل کر ایک اور خاندان میں جا رہی ہے۔ سخت ملال ہوا تھا۔ انہوں نے خاندان خلافت کی حمایت کے لیے لوگوں کو خفیہ طور پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ اب جبکہ ناصر مع فوج شمالی سرحد پر گیا ہوا تھا۔ قرطبہ والوں نے قرطبہ کی موجودہ فوج کے ان افسروں کو جو ناصر کے ہمدردو خواہ تھے قتل کر کے خلیفہ ہشام ثانی کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کے پڑپوتے محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کو تخت نشین کر کے "مہدی اللہ" کا لقب دیا۔ ناصر عبدالرحمٰن نے اس طرح ہشام کے معزول اور مہدی کے تخت نشین ہونے کی خبر سن کر فوراً قرطبہ کی جانب کوچ کیا۔ جب قرطبہ کے قریب پہنچا تو اس کی فوج کے اکثر سردار اور بربری سپاہی خلیفہ مہدی کی خدمت میں چلے آئے۔ ناصر جب بہت ہی تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان رہ گیا تو اسی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے ناصر کو قتل کر دیا اور اس کا سر اتار کر قرطبہ میں خلیفہ مہدی کے پاس لے آیا۔ اس طرح حکومت بنی عامر کا خاتمہ ہوا اور ساتھ ہی اندلس میں طائف الملو کی کا دور دورہ شروع ہوا۔

مہدی ہشام بن عبدالجبار :

ہشام نے لوگوں کی خواہش معلوم کر کے بلا توقف بذریعہ تحریر خلافت سے دست برداری اختیار کی۔ محمد بن ہشام المخاطب بہ مہدی نے اس کو قصر خلافت کے ایک حصے میں نظر بند کر دیا اور اپنے ایک چچازاد بھائی محمد بن مغیرہ کو حاجب السلطنت اور دوسرے چچازاد بھائی امیہ بن الحاف کو کوتوال قرطبہ مقرر کیا۔ اس کے بعد منصور اعظم کے شہر و قصر زہرہ کی طرف فوج بھیجی۔ وہاں کے رہنے والوں نے بلا مقابلہ و مقاتلہ دروازے کھول دیئے۔ خلیفہ مہدی کی تمام فوج نے قصر اور عمارات کو منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا اور تمام مال و اسباب لوٹ کر زہرہ کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ حادثہ ۳۹۹ھ یا ۴۰۰ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد ناصر کے قتل اور خاندان ابن ابی عامر کی حکومت کے ختم ہونے کا واقعہ پیش آیا اور چوتھی صدی ہجری کے خاتمہ پر اندلس کی حکومت اسلامیہ کی عظمت و شان ختم ہو کر طائف الملو کی کا دروازہ کھلا۔

فوجیوں کا اقتدار :

خلیفہ ہشام ثانی کو معزول کر کے خلیفہ مہدی کو تخت نشین کر کے اور سلطان ناصر کی مخالفت میں فوراً قریشیوں اور امویوں کے شریک حال بن جانے میں بربری افواج نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ لہٰذا اب خلیفہ مہدی حکومت وخلافت میں بربریوں اور فوجی آدمیوں کا اقتدار حد سے زیادہ بڑھ گیا اور خلافت کی باگ یک لخت فوجی لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی۔ ان لوگوں نے

رعایا پر تشدد شروع کیا۔ رعایا نے تنگ آ کر خلیفہ مہدی سے شکایت کی۔ مہدی نے رعایا کی فریاد کو اس لیے نہ سنا کہ بربریوں کو ناراض کرنا خلافت مصلحت سمجھتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل قرطبہ میں جو لوگ مہدی کی طرف دار اور اس کو تخت خلافت پر بٹھانے میں سرگرم رہے تھے، سب ناراض ہو گئے اور اس تکلیف دہ حکومت سے آزاد ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ بربریوں کی زیادتیوں سے تنگ آ کر اہل شہر نے بربریوں کے چند شخصوں کو قتل کر دیا۔ خلیفہ مہدی نے ان قاتلوں کو قصاص میں قتل کیا۔ اس طرح رعایا کی ناراضگی دن بدن ترقی کرتی گئی۔

مہدی کے خلاف سازش:

ادھر خلیفہ مہدی بربریوں سے بھی بددل ناخوش اور فوجیوں کے اس اقتدار کو مضر سلطنت سمجھ کر خفیہ طور پر زور توڑنے کی تدبیروں میں مصروف تھا۔ اتفاقاً اہل لشکر یعنی بربریوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ خلیفہ ہماری تباہی و بربادی کی فکر میں ہے۔ انہوں نے یہ سنتے ہی خاندان خلافت کے ایک شہزادے ہشام بن سلیمان بن عبدالرحمٰن ثالث کو تخت خلافت پر بٹھانے اور مہدی کے معزول کرنے کی سازش کی۔ اس سازش کا حال مہدی کو معلوم ہوا تو اس نے فتنے کے برپا ہونے سے پہلے ہی ہشام بن سلیمان اور اس کے بھائی ابوبکر دونوں کو گرفتار کر کے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

سلیمان بن حکم کی وفات :

ان دونوں کے مقتول ہونے کی خبر سن کر ایک اموی شہزادہ سلیمان بن حکم اپنی جان بچا کر قرطبہ سے بھاگا۔ قرطبہ سے باہر بربری لوگ جمع ہو رہے تھے۔ اور اس فکر میں تھے کہ اب کس کو تخت خلافت کے لیے کسے منتخب کیا جائے۔ سلیمان بن حکم کو آتا ہوا دیکھ کر سب خوش ہو گئے اور اس کو خلیفہ بنا کر "مستعین باللہ" کا خطاب دیا اور قرطبہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ سلیمان بن حکم نے کہا کہ ہماری طاقت ابھی اس قابل نہیں ہے کہ قرطبہ کو فتح کر سکیں۔ مناسب یہ ہے کہ طاقت کو اول بڑھایا جائے۔ یہ سوچ کر سلیمان بن حکم الملخاطب بہ مستعین باللہ بربریوں کو لیے طلیطلہ پہنچا اور احمد بن نصیب کو اپنا وزیراعظم بنایا۔ اس کے بعد مستعین نے مدینہ سالم کے حاکم واضح سے خط و کتابت کر کے اس کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا لیکن واضح عامری اس سے پیشتر خلیفہ مہدی کی بیعت کر چکا تھا لہٰذا اس نے صاف انکار کیا۔

باہی خانہ جنگی:

مستعین طلیطلہ سے بربریوں کی فوج لے کر مدینہ سالم کی طرف چلا۔ مہدی نے یہ سن

کر کہ سلیمان نے مدینہ سالم پر حملہ کیا ہے اپنے غلام قیصر کو سواروں کا ایک دستہ دے کر واضح عامری کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ مدینہ سالم کے قریب لڑائی ہوئی قیصر مارا گیا۔ واضح مدینہ سالم میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔

سلیمان اور مہدی کی عیسائی بادشاہ ابن اوفونش سے مدد کی درخواست :

مستعین نے جب دیکھا کہ اس شہر کا فتح ہونا دشوار ہے اور فوج کے لیے سامان حسب ضرورت فراہم نہیں کر سکتا تو اس نے ابن اوفونش یعنی عیسائی کے پاس سفیر بھیج کر درخواست کی کہ تم ہماری مدد کرو اور حسب ضرورت سامان رسد اور فوج بھیجو تا کہ ہم قرطبہ پر حملہ آور ہو کر تخت خلافت حاصل کر لیں اس پیام سلام کی خبر قرطبہ میں مہدی کے پاس پہنچی تو اس نے بھی عیسائی بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا اور اپنی طرف مائل کرنے کے لیے وعدہ کیا کہ ہم تمام سرحدی قلعے اور شہر تمہارے سپرد کریں گے۔ دونوں کے پیغامات سن کر عیسائی بادشاہ نے مستعین کی امداد کرنی مناسب سمجھی اور ایک ہزار بیل، پندرہ ہزار بکرے اور ضروری سامان مستعین کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد فوج بھی امداد کے لیے روانہ کی۔ اب مستعین واضح کو مدینہ سالم میں علی حالہ چھوڑ کر قرطبہ کی جانب چلا۔ اس کی فوج میں بربری اور عیسائی دونوں موجود تھے۔ مستعین کو قرطبہ کی طرف جاتا ہوا دیکھ کر واضح بھی اپنی فوج لے کر اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ مگر اس سے غلطی یہ ہوئی کہ قرطبہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں مستعین پر حملہ آور ہوا۔ اس لڑائی میں اس کو شکست فاش حاصل ہوئی اور بہت سے ہمراہیوں کو قتل کرا کر صرف چار سو آدمیوں کے ساتھ قرطبہ کی جانب بھاگا۔ واضح جب قرطبہ میں پہنچا اور مستعین کے حملہ آور ہونے کا حال مہدی کو معلوم ہوا تو وہ فوج لے کر مستعین کے مقابلہ کو قرطبہ سے باہر نکلا اور میدان سرادق میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سخت خون ریزی کے بعد مہدی کو شکست ہوئی۔ بیس ہزار اہل قرطبہ میدان سرادق میں مقتول ہوئے۔ بقیۃ السیف کو لیے ہوئے مہدی طلیطلہ کی جانب بھاگا اور مستعین فتح مند ہو کر قرطبہ میں داخل ہوا اور تخت خلافت پر جلوس کیا۔ یہ فتح چونکہ عیسائیوں کی مدد سے مستعین کو حاصل ہوئی تھی۔ لہٰذا عیسائیوں کی خوب خاطر مدارات ہوئی اور قرطبہ کے علماء و فضلاء کا بہت بڑا حصہ ان عیسائی وحشیوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ خلیفہ مہدی نے طلیطلہ میں پہنچ کر عیسائی بادشاہ اوفونش سے پھر خط و کتابت کی اور اس کو اپنی مدد پر آمادہ کیا۔ عیسائی بادشاہ اس موقع کی اہمیت کو خوب پہچانتا تھا۔ اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دینے کا نہایت ہی اچھا موقع حاصل ہے۔ چنانچہ اس نے مہدی سے فوراً عہد نامہ لکھا کر جس قدر فوج اس کی مدد کو بھیج سکتا تھا، بھیج دی اور اس بات کی مطلق

پرواہ نہیں کی کہ جو فوج مستعین کے ہمراہ گئی تھی وہ ابھی تک واپس نہیں آئی ہے۔ مہدی عیسائیوں کی امداد لے کر قرطبہ پر حملہ آور ہوا۔ مقام عقبۃ البقر میں نہایت خون ریز جنگ کے بعد مستعین کو شکست حاصل ہوئی اور مہدی دوبارہ فاتحانہ قرطبہ میں داخل ہو کر تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ عیسائیوں کی وہ فوج جو مستعین کے ساتھ تھی، مہدی کے لشکر میں شامل ہو گئی اور اس لڑائی میں بھی زیادہ تر مسلمان اور اہل قرطبہ ہی مارے گئے۔ مستعین نے قرطبہ سے نکل کر تمام ملک میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ادھر مہدی کے قرطبہ میں داخل ہونے کے بعد عیسائی لشکر نے باشندگان دارالخلافہ کا اپنی لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت سے ناک میں دم کر دیا۔ مہدی قرطبہ میں داخل ہوتے ہی عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ اس طرح تمام ملک اندلس جو امن و امان کا گہوارہ تھا۔ بدامنی کا گھر بن گیا اور ہر ایک وضیع و شریف کو اپنی جان و مال کا بچانا دشوار ہو گیا۔

مہدی کی معزولی:

واضح عامری مہدی کے ساتھ تھا۔ اس نے جب ملک کو اس طرح تباہ اور حکومت اسلامیہ کو برباد ہوتے دیکھا تو شہر قرطبہ کے بااثر لوگوں سے مشورہ کر کے مہدی کے معزول اور خلیفہ ہشام ثانی کے دوبارہ تخت نشین کرنے کی تیاری کی۔ چنانچہ ذی الحجہ ۴۰۰ھ کو ہشام دوبارہ قید خانہ سے نکال کر تخت خلافت پر بٹھایا گیا اور مہدی کو سر دربار ہشام کے روبرو غیر نامی غلام نے قتل کیا۔

ہشام کی دوبارہ تخت نشینی:

واضح عامری کو جو منصور بن ابی عامر کا آزاد غلام تھا۔ حجابت یعنی وزارت عظمیٰ کا عہدہ ملا۔ واضح نے مہدی کا سر مستعین کے پاس وادی شوس میں بھیجا اور لکھا کہ اب خلیفہ ہشام دوبارہ تخت خلافت پر متمکن ہو چکا ہے اور مہدی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تم خلیفہ وقت کی اطاعت اختیار کرو اور طریق سرکشی سے باز رہو لیکن چونکہ مستعین کے ساتھ اس غارت گری میں ابن اذفونش عیسائی بادشاہ بھی شریک ہو گیا تھا لہٰذا واضح عامری کے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا اور ابن اذفونش اور مستعین نے مل کر قرطبہ کے اردگرد کا تمام علاقہ برباد کر کے قرطبہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔

عیسائی بادشاہ کو دو سو دیکر صلح:

آخر طول محاصرہ سے تنگ آ کر عیسائی بادشاہ کو مستعین کی ہمراہی سے جدا کرنے کے

لیے سلام و پیام کا سلسلہ جاری ہوا اور عیسائی بادشاہ کی خواہش کے موافق ہشام نے دوسو قلعے مع چند بڑے بڑے شہروں کے جو شمال کی جانب ابن اوفونش کی ریاست کے متصل تھے اس کو دیدیے اور سند لکھ کر بھیج دی۔ اوفونش نے اس سند کے ذریعہ اس نئے علاقہ پر قبضہ کیا اور مستعین کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مستعین اور اس کے ہمراہی بربری مصروف محاصرہ رہے مگر چونکہ محاصرہ کمزور ہو گیا تھا لہٰذا اب مقابلہ اور معرکہ کی یہ صورت ہوگئی کہ کبھی شہر والے بربریوں کو مارتے ہوئے دور تک پیچھے ہٹا دیتے اور کبھی بربری شہر والوں کو شکست دے کر شہر کے اندر گھس جاتے۔ یہ حالت بہت دنوں تک جاری رہی۔ اس عرصہ میں کئی عیسائی حکمرانوں نے اپنی بغاوت اور مستعین کی مدد کرنے کا دباؤ ڈال کر دربار قرطبہ سے ابن اوفونش کی طرح سرحدی صوبوں کی سندیں حاصل کیں اور بہت سا ملک عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

ہشام کا انجام:

آخر ۳ شوال ۴۰۳ھ میں مستعین نے بزور تیغ قرطبہ پر قبضہ حاصل کیا۔ ہشام ثانی یا تو اس ہنگامہ میں قتل ہو گیا یا کہیں اس طرح غائب ہوا کہ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔ واضح عامری اس سے چند روز پہلے قتل ہو چکا تھا۔ مستعین نے قرطبہ میں داخل ہو کر تخت خلافت پر جلوس کیا۔

مستعین باللہ:

مستعین کا ذکر اوپر سے چلا آتا ہے۔ اب یہ مستقل طور پر قرطبہ کا خلیفہ بن گیا۔ مگر جابجا صوبوں کے حاکم خود مختار بادشاہ بن بیٹھے۔ ابن عباد نے اشبیلیہ میں ابن اقطس نے بطلیوس میں۔ ابن ابی عامر نے بلنسیہ و مرسیہ میں۔ ابن ہود نے سرقسطہ میں اور مجاہد عامری نے رانیہ اور جزائر میں خود مختارانہ حکومتیں شروع کر دیں۔ شمالی عیسائی سلاطین نے اس مناسب موقع اور موزوں وقت سے فائدہ اٹھانے میں کمی نہیں کی۔ ہر ایک عیسائی ریاست نے اپنے حدود کو وسیع کر کے اپنے قریبی علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ غرض اندلس میں طوائف الملوکی کا زمانہ شروع ہو گیا اور حکومت اسلامیہ پارہ پارہ ہو کر بے حد کمزور و ناتواں ہو گئی۔

مستعین کا قتل:

محرم ۴۰۷ھ تک مستعین نے قرطبہ اور اس کے مضافات پر حکومت کی اور تین سال چند ماہ برائے نام خلافت کے بعد اشبیلیہ کے متصل مقام طالقہ کے میدان میں علی بن حمود سے شکست کھا کر گرفتار و مقتول ہوا اور بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ درحقیقت بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ تو

حکم ثانی کی وفات اور ہشام ثانی کی تخت نشینی کے وقت ہو چکا تھا مگر ہشام ثانی کے زمانے میں بھی خاندان بنوامیہ کی عظمت بحیثیت خاندان خلافت باقی تھی۔

بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ:

اب محرم ۴۰۷ھ میں مستعین کے قتل ہونے پر اس خاندان کی حکومت کا نام ونشان ہی اندلس سے جاتا رہا۔ مگر برائے نام ۴۲۸ھ تک بعض امویوں نے حکومت وسلطنت کے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ بعض برائے نام کامیاب بھی ہوئے مگر ۴۲۸ھ کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۴۰۷ھ میں علی بن حمود (جس کا ذکر آگے آتا ہے مستعین کو قتل کرنے کے بعد قرطبہ پر قابض اور تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ ۴۱۳ھ تک وہ اور اس کا بھائی قاسم قرطبہ میں حکمراں رہا۔ ۴۱۳ھ کے آخر ایام میں ابن حمود کی حکومت منقطع ہوئی اور اہل قرطبہ کی حمایت واعانت سے عبدالرحمٰن بن ہشام بن عبدالجبار برادر مہدی ماہ رمضان ۴۱۴ھ میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا اور "مستظہر" کا خطاب یا لقب اختیار کیا۔ اس کی حکومت کو ابھی دو مہینے گزرے تھے کہ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن فتح مند ہو کر "مستکفی" کے لقب سے تخت نشین ہو کر قرطبہ میں حکومت کرنے لگا۔ ۴۱۶ھ میں یحییٰ بن علی بن حمود نے حملہ کیا۔ مستکفی شکست کھا کر بلاد شمالی کی جانب بھاگ گیا۔ اور وہیں فوت ہوا۔ یحییٰ بن علی بن حمود قرطبہ میں ۴۱۷ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد وزیر السلطنت ابو محمد جمہور بن محمد بن جمہور نے ہشام بن محمد اموی کی غائبانہ بیعت کی۔ ہشام بن محمد ان دنوں ابن ہود کے پاس مقام لریدہ میں مقیم تھا، یہ سن کر کہ میرے نام پر بیعت کی گئی ہے لریدہ سے مقام بدنت میں چلا آیا۔ یہاں تین سال مقیم رہا اور اپنا لقب "معتمد باللہ" رکھا۔ قرطبہ میں دونوں روٴسائے قرطبہ مل کر حکومت کرتے اور ہشام بن محمد کو اپنا خلیفہ مانتے رہے۔ جب ان امراء میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے آپس میں نمودار ہوئے تو ۴۲۰ھ میں ہشام بن محمد اموی کو مقام برنت سے قرطبہ میں لائے، ر باقاعدہ تخت نشین کر کے اس کی بیعت کی۔ ۴۲۲ھ میں لشکریوں نے بغاوت وسرکشی اختیار کر کے ہشام بن محمد کو معزول کر دیا۔ ہشام معزول ہو کر قرطبہ سے لریدہ چلا آیا اور ۴۲۸ھ میں یہیں فوت ہو گیا۔ ہشام بن محمد پر خاندان بنوامیہ کی برائے نام حکومت وخلافت کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

اموی حکومت پر تبصرہ:

عبدالرحمٰن اول نے ۱۳۸ھ میں اندلس کے اندر داخل ہو کر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی

تھی۔اس کی اولاد میں ہشام بن محمد کے فوت ہونے پر ۴۲۸ھ میں اس کی حکومت کا دوسو نوے سال کے بعد بالکل خاتمہ ہوگیا۔عبدالرحمٰن اول کی اولاد میں بعض ایسے باحوصلہ اوراولوالعزم فرماں روا ہوئے کہ انہوں نے اندلس کو فخر الممالک بنادیا نہ صرف ملک کی سرسبزی وشادابی میں حیرت انگیز کارنامے دکھائے بلکہ انہوں نے علوم وفنون کے بھی ایسے دریا بہائے کہ آج تک تمام دنیا ان کی قصیدہ خوانی میں مصروف ہے اور پھر بھی حق ستائش ادانہیں ہوسکا۔موجودہ یورپ کی علمی ترقیات تمام وکمال انہیں علم دوست اور علم پرور اموی فرماں رواؤں کی رہین منت ہے۔قرطبہ میں خلفائے اندلس نے ایسی علمی مشعل روشن کی تھی۔جس سے تمام یورپ مستفید ہوا۔انہیں خلفائے اندلس کی علمی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ تمام دنیا کو علم وہنر سکھانے کا مدعی ہے۔خلفائے اندلس کی شوکت وطاقت کا بھی یہ عالم تھا کہ تمام یورپ ان سے کانپتا اوران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سلاطینِ یورپ ہر قسم کی ذلتیں برداشت کرنے پر آمادہ ہوجاتے تھے۔اس جگہ غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ ایسی شاندار سلطنت اور ایسی عظیم الشان اسلامی حکومت کے برباد ہونے کا سبب کیا تھا۔اس کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں نے شریعت اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی میں قصور کیا۔اسلام نے دنیا کی سلطنت وحکومت کو کسی خاندان یا کسی خاص سے قبیلہ کا حق نہیں بتایا تھا۔مسلمانوں نے تعلیم اسلامی کے خلاف حکومت میں وراثت کو دخل دیا اور باپ کے بعد بیٹے کو مستحق خلافت سمجھا جیسا کہ دنیا میں پہلے سے رواج ہوگیا تھا۔اسی رواج کو آنحضرت صلعم نے مٹایا تھا مگر مسلمانوں نے چندروز کے بعد پھر اس لعنت کو اپنے گلے میں ڈال لیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نالائق و نااہل لوگ تخت حکومت پر جلوہ فرما ہونے کا موقع پانے لگے۔قرآن کریم اور شریعت اسلام کی طرف سے غفلت اختیار کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا ہوئی اور آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔اس آپس کی پھوٹ نے دشمنوں کو طاقت پہنچائی اور مسلمان برباد ہوگئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

(چھٹا باب)

حکومت بنی حمود

دولت ادریسہ کا ذکر اوپر کسی باب میں آ چکا ہے کہ ہارون الرشید عباسی کے عہد خلافت میں ادریس کی مراقش میں خود مختار سلطنت قائم ہو گئی تھی۔ یہ حکومت ادریسہ بھی اب مراقش سے زائل ہو چکی تھی۔ منصور اعظم یا ابن ابی عامر کے عہد وزارت وحکومت میں مراقش سے جو بربری لوگ اندلس میں آئے ان کے ہمراہ خاندان ادریسہ کے دو شخص جو دونوں حقیقی بھائی تھے۔ آئے ان دونوں کے نام علی اور قاسم تھے۔ یہ دنوں حمود بن میمون بن احمد بن علی بن عبیداللہ بن عمر بن ادریس کے بیٹے تھے۔ علی بن حمود اور قاسم بن حمود منصور اعظم کی فوج میں نوکر ہو گئے۔ انہوں نے ان لڑائیوں میں جو عیسائیوں کے ساتھ منصور بن عامر کی ہوئیں خوب بہادری دکھائی۔ اور اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔ ابن ابی عامر نے خوش ہو کر ان دونوں کو فوجی افسری عطا کی یہ دونوں بربری فوج کے اعلیٰ افسر تھے۔ اور بربری لوگ بھی ان کی افسری سے خوش تھے کیونکہ ان کا خاندان ایک عرصہ تک مراقش میں برسر حکومت رہ چکا تھا۔ یہی دونوں بھائی تھے جنہوں نے بربری فوج کو لے کر خاندان ابن ابی عامر کی بیخ کنی کی اور انہیں دونوں نے مستعین اموی کو خلیفہ بنایا۔ مستعین نے قرطبہ میں تخت خلافت پر جلوس کرنے کے بعد علی بن حمود کو طنجہ اور دیگر صوبجات افریقہ کا والی مقرر کر دیا۔

علی بن حمود :

چونکہ مستعین کی چند روزہ حکومت میں اندلس کے تمام صوبے خود مختار ہو گئے۔ لہٰذا یہ رنگ دیکھ کر علی بن حمود نے طنجہ میں خود مختارانہ حکومت شروع کر دیا اور اپنے آپ کو مستعین کی فرماں برداری سے آزاد کر لیا۔ خیران نامی والی المیرہ کو اپنا شریک کار بنا کر علی بن حمود نے جہازوں کے ذریعے ساحل اندلس پر اپنی فوج اتار دی۔ طنجہ میں اپنے بیٹے یحییٰ کو اپنا قائم بنا آیا اور خود وارد اندلس ہو کر قرطبہ کی جانب مع فوج روانہ ہوا اور یہ مشہور کیا کہ میں خلیفہ ہشام کے خون کا بدلہ لینے آیا ہوں۔ آخر مالقہ کے میدان میں مستعین نے قرطبہ سے روانہ ہو کر علی بن حمود کا مقابلہ کیا۔ محرم ۴۰۷ھ میں مستعین کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ علی نے بڑھ کر قرطبہ پر قبضہ کیا اور مستعین کو گرفتار کرا کر قتل کرایا اور خود تخت نشین ہو کر حکومت شروع کی۔ اپنا لقب "ناصر لدین اللہ" رکھا۔ چونکہ بربری فوج کا اثر غالب تھا اور بربری لوگ علی بن حمود سے خوش تھے۔ اس لیے جنگ مالقہ کے بعد علی بن حمود کو کسی قسم کی مخالفت اور پریشانی کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ علی

بن حمود کی سلطنت کا ابتدائی زمانہ تو بہت اچھا ثابت ہوا کیونکہ وہ عدل وانصاف کی جانب زیادہ مائل نظر آتا تھا مگر بعد میں اس نے بربری لوگوں کو بھی ناراض کر دیا اور رعایا پر نئے نئے ٹیکس لگائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور رعایا دونوں اس سے ناراض ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر خیران صقلبی والی المیرہ نے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ عبدالرحمٰن بن محمد کو بادشاہ مشہور کیا۔

علی بن حمود کا قتل:

ادھر علی بن حمود کے خاص الخاص غلاموں میں بعض صقلبی موجود تھے۔ خیران صقلبی کی سازش سے ان صقلبی غلاموں نے ماہ ذی قعدہ ۴۰۸ھ میں علی بن حمود کو حمام کے اندر قتل کر ڈالا۔

قاسم بن حمود:

اس قتل کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تو عموماً وہ خوش ہوئے اور بربری لوگوں نے علی بن حمود کے بھائی قاسم بن حمود کو جو مستعین کے زمانے سے جزیرہ خضرا کا حاکم تھا۔ قرطبہ میں طلب کر کے علی بن حمود کی جگہ تخت نشین کیا۔ قاسم چونکہ قرطبہ سے قریب تھا اس لیے اس کو تخت نشین کر دیا گیا۔ مگر بربری فوج کی عام خواہش یہ تھی کہ علی بن حمود کے بیٹے یحییٰ بن علی کو طنجہ سے بلا کر بادشاہ بنایا جائے۔ ادھر خیران صقلبی نے عبدالرحمٰن بن محمد کو لے کر ملک کا دورہ کیا اور لوگ عبدالرحمٰن کی جانب مائل ہونے لگے مگر چند روز کے بعد والی غرناطہ کے مقابلہ میں جو ایک بربری سردار تھا۔ خیران صقلبی نے عین معرکہ جنگ میں دھوکہ دے کر عبدالرحمٰن بن محمد کو قتل کرا دیا۔

یحییٰ بن علی کا ایک بھائی ادریس بن علی بن حمود مالقہ کا حاکم تھا۔ اس نے اپنے بھائی ادریس کو اپنی مدد پر آمادہ کر کے طنجہ سے مع فوج جہازوں کے ذریعہ روانہ ہو کر اندلس میں قدم رکھا اور اپنے چچا قاسم کے خلاف حکومت کا دعویٰ کیا۔ خیران صقلبی بھی یحییٰ سے آ ملا۔ یحییٰ کے بھائی ادریس نے خیران صقلبی کے متعلق بھائی کو توجہ دلائی کہ یہ بڑا چالاک اور فتنہ پرداز شخص ہے، مگر یحییٰ نے جواب دیا کہ ہم کو اس کی امداد اور ہمدردی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یحییٰ مع فوج قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ قاسم اس حملہ آوری کا حال سن کر قرطبہ سے فرار ہوا اور اشبیلیہ میں جا کر قاضی ابن عباد کے یہاں پناہ گزیں ہوا۔

یحییٰ بن علی بن حمود:

قاسم یکم جمادی الاول ۴۱۰ھ کو قرطبہ سے فرار ہوا۔ اور پورے ایک مہینے کے بعد یحییٰ بن علی قرطبہ میں بلا تعرض داخل ہو کر تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب "متعالی" رکھا۔ یحییٰ صرف شہر قرطبہ پر قابض ہو کر اپنے آپ کو اندلس کا فرماں روا سمجھنے لگا۔ حالانکہ قرطبہ سے باہر اس کی حکومت کو کوئی تسلیم نہ کرتا تھا

اور جا بجا صوبہ دار خود مختار فرماں روائی کر رہے تھے یحییٰ کی غفلت اور حماقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں پھر سازش اور بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہوا اور قرطبہ کی فوج کے بہت سے سردار قاسم کے پاس اشبیلیہ میں جا کر اس کو اس بات پر آمادہ کرنے لگے کہ قرطبہ پر حملہ کرو۔ اس قسم کی مخالف کارروائیوں سے مطلع ہو کر یحییٰ اس قدر خائف ہوا کہ قرطبہ سے بھاگ کر مالقہ چلا گیا۔

قاسم بن حمود کی دوبارہ حکومت:

قاسم یہ خبر سن کر ۴۱۳ھ میں پھر قرطبہ میں آ کر حکومت کرنے لگا۔ یحییٰ مالقہ میں مقیم اور قابض و متصرف ہو گیا۔ اس کے بھائی ادریس نے یہ دیکھ کر کہ مالقہ کی حکومت بھائی نے چھین لی، مالقہ سے روانہ ہو کر طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ قاسم قرطبہ میں، یحییٰ بن علی مالقہ میں اور ادریس بن علی طنجہ میں حکومت کرنے لگے۔

امویوں کا قتل عام:

چند روز کے بعد امرائے بربر قاسم سے ناراض ہو گئے۔ ادھر باشندگان قرطبہ پھر اس خیال میں مصروف ہوئے کہ کسی اموی شہزادے کو تخت سلطنت پر بٹھایا جائے۔ قاسم نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر امویوں کو قید و قتل کرنا شروع کیا۔ اس ظلم و تشدد کو دیکھ کر رعایا نے بغاوت اختیار کی۔ اہل شہر کی بغاوت فرو کرنے کے لیے قاسم نے بربری فوج استعمال کی۔ شہریوں نے مجتمع ہو کر نہایت پامردی سے مقابلہ کیا اور بالآخر قاسم اور اس کی فوج کو شکست دے کر شہر سے نکال دیا۔ بربری فوج تو شکست کھا کر یحییٰ کے پاس مالقہ کی جانب گئی۔ اور قاسم قرطبہ سے نکل کر اشبیلیہ کی طرف آیا۔ قاسم نے اپنے بیٹے کو اشبیلیہ کا حاکم بنا کر محمد بن زبیری اور محمد بن عباد کو اس کا وزیر و مشیر بنایا تھا۔ اب قاسم کو قرطبہ سے شکست خوردہ آتے ہوئے سن کر ان دونوں امیروں نے اشبیلیہ کا دروازہ بند کر لیا اور مقابلہ پر مستعد ہو گئے۔ قاسم نے شہر سے باہر مقیم ہو کر ان امیروں کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کو میرے پاس بھیج دو تو میں یہاں سے کسی دوسری طرف چلا جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے قاسم کے بیٹے اور رشتہ داروں کو اس کے پاس بھیج دیا۔ قاسم اپنے اہل و عیال کو لے کر معہ اپنے حبشی غلاموں کے قلعہ سریش میں جا کر مقیم ہو گیا۔ یہاں تک کہ یحییٰ بن علی نے ۴۱۵ھ میں قلعہ سریش کو فتح کر کے قاسم کو گرفتار و قید کر لیا۔ اور ۴۲۷ھ میں قاسم یحییٰ کے حکم سے مقتول ہوا۔

عبدالرحمٰن بن ہشام:

جس وقت قاسم قرطبہ سے فرار ہو کر اشبیلیہ کی جانب روانہ ہوا تو قرطبہ میں چند روز تک کوئی حاکم اور سلطان نہ تھا۔ قرطبہ والوں کو یہ فکر تھی کہ کسی اموی کو تخت خلافت پر بٹھائیں۔ آخر تین شہزادوں

میں سے ایک کا انتخاب کیا۔ یعنی عبدالرحمٰن بن ہشام کو مستظہر کے لقب سے تخت نشین کیا۔ مستظہر نے تخت نشین ہو کر اپنے وزراء کی رائے کے خلاف ابوعمران نامی ایک بربری سردار کو جو قید تھا رہا کر دیا۔ اور اس کو سرداری عطا کی۔ اسی ابوعمران کی کوشش و سازش سے ۳ ذیقعدہ ۴۱۴ھ کو مستظہر مقتول ہوا۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ مستکفی:

اس کے بعد محمد عبدالرحمٰن بن عبداللہ "مستکفی" کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ ۴۱۶ھ میں یحییٰ بن علی بن حمود جو اپنے چچا ابوالقاسم کو گرفتار کر چکا تھا اور سریش، مالقہ اور جزیرہ پر قابض و متصرف تھا مع فوج قرطبہ کی جانب روانہ ہوا۔ مستکفی اس حملہ آوری کی خبر سن کر کچھ ایسا حواس باختہ ہوا کہ قرطبہ سے شمالی حدود کی جانب بھاگ گیا اور وہیں ۲۵ ربیع الاول ۴۱۶ھ کو فوت ہو گیا۔ یحییٰ نے قرطبہ میں داخل ہو کر اپنے ایک افسر ابن عطاف کو قرطبہ کی حکومت سپرد کی اور خود مالقہ کی جانب چلا گیا۔ اور وہاں جا کر ابوالقاسم ابن عباد حاکم اشبیلیہ کو زیر کرنے کے لیے فوجی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ چند روز کے بعد اہل قرطبہ نے ابن عطاف کے خلاف علم مخالفت بلند کیا اور اس کو مع فوج قرطبہ سے نکال دیا۔

اہل قرطبہ میں ابومحمد جمہور بن محمد نامی ایک شخص سب سے زیادہ بارسوخ و بااثر تھا۔ اس کے مشورہ سے اہل قرطبہ نے ہشام اموی کو جو لریدہ میں مقیم تھا اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ ہشام تین سال تک قرطبہ میں نہ آ سکا۔ ۴۲۰ھ میں وہ داخل قرطبہ ہوا اور "معتمد باللہ" کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ دو سال کے بعد ۴۲۲ھ میں فوج اور رعایائے قرطبہ نے اس کو معزول کر کے خارج کر دیا اور وہ لریدہ میں واپس آ کر ۴۲۸ھ تک زندہ رہا۔ یحییٰ بن علی نے اشبیلیہ کا محاصرہ کیا تھا اور اہل قرطبہ کو دھمکیاں دیتا رہتا تھا ہشام کے قرطبہ سے چلے جانے کے بعد اہل قرطبہ نے یحییٰ کی فرماں برداری اختیار کر لی۔ یحییٰ نے ۴۲۶ھ میں اشبیلیہ کو اپنا مطیع کیا۔ اس طرح یحییٰ بن علی کا رعب اس طوائف الملوکی میں سب زیادہ قائم ہو گیا۔ اسی سال ابوقاسم بن عباد حاکم اشبیلیہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا معتضد تخت نشین ہوا۔ اہل اشبیلیہ نے پھر علم آزادی بلند کیا اور یحییٰ بن علی نے اشبیلیہ پر حملہ کیا۔ اسی حملہ میں یحییٰ بن علی مقتول ہوا۔ یہ واقعہ ۴۲۷ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ یحییٰ بن علی کے مقتول ہونے پر اس کے ہوا خواہ مالقہ میں چلے گئے۔ جو یحییٰ کا مستقر حکومت تھا۔ وہاں انہوں نے یحییٰ کے بھائی ادریس بن علی کو سبطہ سے بلوا کر تخت نشین کیا۔ اور سبطہ کی حکومت حسن بن یحییٰ کو ملی۔ ادریس بن علی نے مالقہ میں تخت نشین ہو کر اپنا لقب "متاید باللہ" رکھا۔ قرطبہ میں ابومحمد جمہور نے جمہوری حکومت قائم کی۔ ممبران کونسل نے ابومحمد جمہور کو اپنا صدر منتخب کیا۔ اس طرح شہر قرطبہ میں ہر قسم کا امن و امان قائم رہا۔ ادریس بن علی نے والی قرمونہ اور والیٔ المریہ کو اپنا شریک بنا کر اشبیلیہ پر حملہ کیا اور تین چار سال تک اشبیلیہ کی فوجوں سے لڑائی کا

سلسلہ جاری رہا۔ ۴۳۱ھ میں ادریس بن علی فوت ہوا۔ بعض سرداروں نے اس کے بیٹے یحییٰ بن ادریس کو مالقہ کے تخت پر بٹھانا چاہا۔ بعض نے کہا حسین بن یحییٰ حاکم سبطہ مستحق تخت نشینی ہے۔ بالآخر حسن بن یحییٰ سبطہ سے آ کر مالقہ کے تخت پر بیٹھا اور اپنا لقب "مستنصر" رکھا۔ ۴۳۸ھ میں حسن کی چچازاد بہن یعنی ادریس کی لڑکی نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ اس کے بعد تین چار سال تک اس خاندان کے غلاموں اور نوکروں نے مالقہ میں یکے بعد دیگرے حکومت کی۔

ادریس بن یحییٰ حمودی:

آخر ۴۴۳ھ میں ادریس بن یحییٰ بن علی بن حمود مالقہ کے تخت پر قابض و متمکن ہوا۔ غرناطہ و قرمونہ کی ریاستوں نے اس کی اطاعت قبول کی۔ ادریس بن یحییٰ نے اپنا لقب "عالی" رکھا۔ اور سبطہ کی حکومت اپنے باپ کے غلاموں سکوت و زرق اللہ کو عطا کی۔ ۴۴۸ھ میں محمد بن علی بن حمود نے خروج کیا اور ادریس بن یحییٰ شکست کھا کر قمارش چلا گیا۔ محمد بن ادریس نے مالقہ میں تخت نشین ہو کر اپنا لقب مہدی رکھا۔ اور اپنے بھائی "سنالی" کو اپنا ولی عہد بنایا۔ ۴۴۹ھ میں محمد بن ادریس نے وفات پائی۔ اس کے فوت ہونے کی خبر سن کر ادریس بن یحییٰ دوبارہ مالقہ میں آ کر تخت نشین ہوا۔ ۴۵۰ھ میں ادریس بن یحییٰ نے وفات پائی۔

خاندان حمود کا آخری بادشاہ محمد اصغر :

اس کے بعد محمد اصغر بن ادریس بن علی بن حمود مالقہ کے تخت پر بیٹھا۔ ۴۵۱ھ میں بادیس بن حابوس بادشاہ غرناطہ نے مالقہ پر حملہ کر کے محمد اصغر کو مالقہ سے بے دخل کر دیا۔ محمد اصغر مالقہ سے المیر یہ چلا آیا اور ۴۵۶ھ تک یہاں بحالت پریشان مقیم رہا۔ ۴۵۶ھ میں ملیلہ (افریقہ) والوں کی درخواست پر افریقہ چلا گیا اور وہاں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر۔ ۴۶۰ھ تک حکومت کرتا رہا۔ محمد اصغر خاندان حمود کا آخری بادشاہ تھا۔ جس نے مالقہ میں ۴۵۱ھ تک حکومت کی۔ اسی خاندان حمود کا ایک اور شخص قاسم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ صوبہ جزیرہ میں حکمران تھا۔ وہ بھی۔ ۴۵۰ھ تک حکمران رہا۔ معتضد بن ابوالقاسم بن عباد بادشاہ اشبیلیہ نے حملہ کر کے ۴۵۰ھ میں جزیرہ پر قبضہ کر کے قاسم بن محمد کو گرفتار کر لیا۔ اس طرح خاندان حمود کی حکومت کا اندلس سے خاتمہ ہوا۔

(ساتواں باب)

بنوعباد۔ بنوذوالنون۔ بنوہودوغیرہ دیگر طوائف ملوک

خاندان بنوحمود کی حکومت کا حال اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن خاندان بنوامیہ کی حکومت چوتھی صدی ہجری کے ساتھ ہی ختم ہوگئی تھی۔ خاندان بنوحمود کا حال بیان کرتے ہوئے ہم ۴۵۰ھ تک پہنچ گئے۔ حالانکہ حمود کا تعلق جزیرہ نمائے اندلس کے بہت چھوٹے ٹکڑے کے ساتھ رہا ہے۔ ان کے ہم عصر اور بھی خاندان الگ الگ صوبوں پر خودمختارانہ حکومت کر رہے تھے۔ ان سب کے حالات تفصیلی طور بیان کرنے میں زیادہ وقت اور زیادہ اوراق صرف نہیں کیے جا سکتے۔ لہٰذا بطور اجمال ذیل میں طوائف الملوکی کی باقی داستان سنائی جاتی ہے۔ اندلس کی تاریخ کے اس حصہ کو حسرت و افسوس اور خون کے آنسوؤں سے لبریز سمجھنا چاہیے۔ ذیل میں صرف وہ قابل تذکرہ باتیں درج کی جاتی ہیں جن کے وقوع کا زمانہ معلوم ہونے سے واقعات تاریخی کا تسلسل بآسانی قائم ہو سکے۔ ذیل کے واقعات کو ملاحظہ فرماتے ہوئے یہ تصور ہمیشہ قائم رکھنا چاہیے کہ شمالی عیسائی حکومتیں دم بدم اپنی طاقت اور وسعت کو ترقی دے رہی ہیں اور سب کی تمام تر توجہ اسی کوشش میں صرف ہو رہی ہے کہ مسلمان سلاطین اندلس آپس میں دست و گریباں رہیں اور وہ مسلمانوں کی دولت اور مملکت کو جہاں تک ممکن ہو بآسانی غصب کرتے رہیں۔

اشبیلیہ و غربی اندلس (بنوعباد):

بنوعباد میں محمد بن اسمٰعیل بن قریش قصبہ طشانہ کا صاحب الصلوٰۃ یعنی امام تھا۔ اس کا بیٹا اسمٰعیل ۴۱۳ھ میں دربار اشبیلیہ کا وزیر مقرر ہوا۔ ۴۱۴ھ میں اسمٰعیل بن محمد کا بیٹا ابوالقاسم محمد اشبیلیہ کا قاضی اور وزیر مقرر ہوا۔ جب قاسم بن حمود اشبیلیہ کی جانب آیا تو ابوالقاسم محمد قاضی اشبیلیہ اور محمد بن زبیری نے اشبیلیہ پر قابض ہو کر اس کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔

ابوالقاسم محمد:

اس کے بعد ابوالقاسم محمد نے محمد بن زبیری کو بھی اشبیلیہ سے نکال دیا اور خود اشبیلیہ کا حاکم بن بیٹھا۔ قاسم بن حمود قرمونہ کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں محمد بن عبداللہ برزالی نے ۴۰۴ھ سے اپنی خودمختار حکومت قائم کر رکھی تھی۔ چند روز وہاں رہ کر قاسم بن حمود قلعہ سریش کی طرف چلا آیا تھا اور محمد بن عبداللہ قرمونہ میں بدستور فرماں روا رہا۔

ابوعمر عباد:

ابوالقاسم محمد کے بعد اس کا بیٹا ابوعمر عباد تخت اشبیلیہ پر متمکن ہوا اور اپنا لقب معتضد رکھا۔ معتضد اور محمد بن عبداللہ والی قرمونہ کے درمیان متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ ۴۳۴ھ میں اسمٰعیل بن قاسم بن حمود نے محمد بن عبداللہ والی قرمونہ کو قتل کر کے قرمونہ پر قبضہ کیا۔ چند روز کے بعد اسمٰعیل قرمونہ سے جزیرہ کی طرف چلا گیا۔ اور قرمونہ پر محمد بن عبداللہ کے بیٹے عزیز الملقب بہ مستظہر نے قبضہ کیا۔ چند روز کے بعد معتضد نے قرمونہ، سریش، ارکش، اور رندہ وغیرہ مقامات کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اونبہ اور شلطیش پر عبدالعزیز بکری خودمختارانہ حکومت کر رہا تھا۔ معتضد فرماں روائے اشبیلیہ نے اس پر چڑھائی کی۔ اول تو ابن جمہور وزیر السلطنت قرطبہ نے معتضد اور عبدالعزیز کے درمیان دخل دے کر مصالحت کرا دی۔ لیکن ابن جمہور کی وفات کے بعد ۴۴۳ھ میں معتضد نے اونبہ اور سلطیش کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور اپنی طرف سے اپنے بیٹے معتمد کو وہاں کی حکومت سپرد کی۔ مقام شلب کے حاکم مظفر نے ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔ ۴۴۳ھ میں معتضد نے شلب کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور مظفر کے بیٹے کو وہاں کی حکومت سے بے دخل کر دیا۔ یہ علاقہ بھی معتضد نے اپنے بیٹے معتمد کو سپرد کیا۔

لبلہ میں ابوالعباس احمد بن یحییٰ نے ۴۱۴ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ ۴۳۳ھ میں وہ فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی محمد بن یحییٰ لبلہ کا حاکم و فرماں روا ہوا۔ معتضد نے موقع پا کر لبلہ پر چڑھائی کی۔ بہت سی معرکہ آرائیوں کے بعد محمد بن یحییٰ لبلہ چھوڑ اپنے بھتیجے فتح بن خلف بن یحییٰ کے پاس قرطبہ چلا گیا۔ معتضد نے ۴۴۵ھ میں قرطبہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اسی طرح ابن رشیق سے المیر یہ ابن طیفور سے مرتلہ چھین لیا اور رفتہ رفتہ اپنی حدود حکومت کو خوب وسیع کر لیا اور بنوعباد کی ایک مضبوط ریاست و حکومت قائم کر لی۔ دوسری طرف بادیس بن حبوس نے غرناطہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ بادیس بن حبوس اور معتضد کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ابھی یہ سلسلۂ جنگ ختم نہ پایا تھا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا کہ ۴۶۱ھ میں معتضد نے وفات پائی۔

معتمد بن معتضد بن اسمٰعیل:

اس کی جگہ اس کا بیٹا معتمد بن معتضد بن اسمٰعیل تخت نشین ہوا۔ معتمد نے بھی اپنے باپ کی طرح اپنی حدود حکومت کو وسیع کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بادیس بن حبوس نے بھی معتمد کی سیادت کو تسلیم کر لیا۔ ۴۴۷ھ میں کیسٹل اور لیون کے عیسائی بادشاہ فردی نند اول نے مسلمانوں کو آپس میں مصروف جنگ دیکھ کر اپنی پوری طاقت سے ریاست اشبیلیہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت سے مسلمان رئیسوں نے اپنے مسلمان رقیبوں کے مقابلے میں فردی نند کو خراج دینا گوارا کر کے اس سے امداد و اعانت طلب

کی تھی۔ معتضد نے بھی اس عیسائی بادشاہ کو خراج دینا منظور کر کے اس حملہ سے اپنا پیچھا چھڑایا تھا ہجری ۴۵۸ھ میں فردی نند اول فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا الفانسو چہارم کیسٹل میں تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا مغرور متکبر شخص تھا۔ ۴۶۸ھ میں معتمد نے اپنی طاقت کو خوب مضبوط کر کے عیسائی بادشاہ کو خراج دینا موقوف کیا۔

الفانسو چہارم کی اسلامی شہروں پر غارت گری:

مغربی اندلس میں بنو عباد کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے رئیس خودمختارانہ حکومت کر رہے تھے۔ جو بنو عباد کے ماتحت نہ تھے۔ ان میں سے اکثر عیسائی بادشاہ کے زیر حمایت آ گئے تھے۔ الفانسو چہارم اسلامی شہروں کو لوٹ کر اور مسلمان رئیسوں سے خراج وصول کر کے خوب طاقت ور ہو گیا تھا۔ اس نے عیسائیوں کی ایک عظیم الشان فوج جمع کر کے ۴۷۸ھ میں بنی ذوالنون کے آخری بادشاہ قادر نامی سے طلیطلہ چھین لیا۔ اور تمام مسلمان سلاطین کو تنگ کرنا شروع کیا۔

معتمد سے الفانسو کا مطالبہ خراج :

معتمد کے پاس بھی الفانسو چہارم کا سفیر ابن شالب نامی یہودی پہنچا اور زر خراج کا مطالبہ کیا۔ معتمد نے اس یہودی سفیر کے پاس بلاتوقف زر خراج بھیج دیا۔ سفیر نے یہ روپیہ معتمد کے پاس واپس بھیج دیا اور کہا کہ میں چاندی کے سکے یعنی روپیہ نہ لوں گا بلکہ سونے کے سکے یعنی اشرفیاں وصول کروں گا۔ یہ روپیہ اس پیغام کے ساتھ معتمد کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے چند سپاہی بھیج کر سفیر کو اپنے پاس بلوایا اور اس گستاخی کی سزا میں اس کو ایک لکڑی کے تختے پر لٹا کر اس کے ہاتھ اور پاؤں میں لوہے کی میخیں ٹھکوا دیں۔ اور یہودی سفیر ابن شالب نے اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں دیکھ کر معتمد سے التجا کی کہ اگر تو مجھ کو چھوڑ دے تو میں اپنی برابر وزن کر کے سونا حاضر خدمت کروں گا۔ مگر معتمد نے اس کو ہلاک کر کے اس کے ہمراہیوں کو قید کر لیا۔ معتمد جانتا تھا کہ اب الفانسو چہارم کے حملہ آور ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ ادھر الفانسو اس خبر کے سننے سے بے حد مشتعل ہوا۔ بظاہر تمام جزیرہ نمائے اندلس پر عیسائیوں کے قابض ہو جانے اور مسلمانوں کی حکومت کے ختم ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی کیونکہ آپس کی خانہ جنگیوں نے مسلمانوں کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ وہ عیسائیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

یوسف بن تاشقین سے معتمد کی درخواست امداد:

معتمد نے عواقب امور پر نظر کر کے یوسف بن تاشقین بادشاہ مراقش کے پاس اپنی التجا پیش کی کہ یہ وقت امداد و اعانت کا ہے ورنہ اندلس سے اسلام کا نام ونشان گم ہو جائے گا۔ یوسف بن تاشقین

خاندان مرابطین کا جو ابھی چند روز ہوئے افریقہ میں برسر حکومت آیا تھا، ایک نامور اور فتح مند بادشاہ تھا۔ وہ معتمد عبادی کی درخواست پر فوراً اندلس میں آیا اور اشبیلیہ پہنچا۔ ادھر سے الفانسو چہارم اپنی جرار فوج لیے ہوئے اشبیلیہ کی طرف بڑھا۔

میدان ذلاقہ میں عیسائیوں سے تاریخی جنگ :

میدان ذلاقہ میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقابلہ ۴۸۰ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء کو ہوا۔ یوسف بن تاشقین اور معتمد کی متفقہ فوج یعنی کل اسلامی لشکر کی تعداد بیس ہزار اور عیسائی لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ یہ لڑائی اندلس کی مشہور لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے کیونکہ اس نے اندلس میں مسلمانوں کے قدم اور کئی سو سال کے لیے جما دیئے اور مسلمانوں کا رعب پھر عیسائیوں کے دلوں میں قائم کر دیا۔ اس لڑائی میں طرفین نے کس قدر کوشش و شجاعت کا اظہار کیا۔ اس کا اندازہ ابن اثیر کی اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ الفانسو چہارم میدان جنگ سے صرف تین آدمی لے کر فرار ہوا۔ باقی سب کے سب وہیں کھیت رہے۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد مسلمانوں کو موقع حاصل تھا۔ کہ وہ اپنی حالت کو درست کر لیتے مگر یوسف بن تاشقین کے مراقش واپس جانے کے بعد امرائے اندلس میں پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ معتمد بڑا علم دوست اور عالم پرور سلطان تھا۔ مگر فتح ذلاقہ کے بعد معتمد کی عملی زندگی قابل اعتراض ہوگئی۔ اگلے سال یوسف بن تاشقین پھر وارد اندلس ہوا اور اکثر امراء و سلاطین اندلس سے اقرار لے کر اپنا ایک گورنر نگران چھوڑ کر واپس گیا۔ ان سلاطین کی بداطواریوں نے یوسف بن تاشقین کو موقع دیا کہ وہ براہ راست اس ملک کو اپنی حکومت میں شامل کر لے۔ ۴۸۴ھ میں معتمد کو یوسف بن تاشقین نے گرفتار کر کے مراقش کے ایک مقام اغمات میں قید کر دیا جہاں وہ چار سال کے بعد ۴۸۸ھ میں فوت ہو گیا۔ اس طرح بنی عباد کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ علاوہ بنی عباد کے اور بھی چند چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئی تھیں جن کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

صوبہ بطلیوس (غربی اندلس) میں بنو افطس کی حکومت :

جب اندلس میں شیرازۂ خلافت درہم برہم ہوا تو ابو محمد عبداللہ بن مسلمہ معروف بہ ابن افطس نے غربی اندلس کے صوبہ بطلیوس پر قبضہ کر کے اپنی حکومت و خودمختاری کا اعلان کیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوبکر مظفر تخت نشین ہوا۔ مظفر نے نہایت استقلال کے ساتھ حکومت شروع کی۔ اس کی بنو ذوالنون اور بنو عباد سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ ۴۴۳ھ میں مظفر کو بطلیوس میں قلعہ بند اور قید ہونا پڑا۔ آخر ابن جہور نے ان متخاصمین کے درمیان صلح کرادی۔ ۴۶۰ھ میں مظفر نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ابو حفص عمر بن محمد معروف بہ ساجہ تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب متوکل رکھا۔

یوسف بن تاشقین کا بطلیوس پر قبضہ:

۴۸۹ھ میں یوسف بن تاشقین نے بطلیوس پر قبضہ کر کے متوکل اور اس کی اولاد کو عید الضحیٰ کے روز قید حیات سے آزاد کیا۔ متوکل کو یہ سزا اس لیے دی گئی کہ وہ عیسائیوں سے خط و کتابت جاری رکھ کر اس کوشش میں مصروف تھا کہ عیسائیوں کو اسلامی مقبوضات پر حملہ آور کرائے اور یوسف بن تاشقین کے اثر کو مٹائے۔ اسی سازش سے مطلع ہونے کے بعد یوسف بن تاشقین کے لیے جائز ہو گیا تھا کہ وہ متوکل کا نام و نشان مٹائے اور دوسرے غداروں کے لیے سامان عبرت پیدا کرے۔

قرطبہ میں ابن جہور کی حکومت

جہور۔ ابوالولید۔ عبدالملک:

جہور بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن معمر بن یحییٰ ابن ابی الغافرین ابی عبیدہ کلبی جس کی کنیت ابن خرم تھی۔ ۴۲۲ھ میں قرطبہ کے اندر باشندگان قرطبہ کے مشورہ سے حاکم بنایا گیا تھا۔ مگر اس نے ایک مجلس منتظمہ ترتیب دے کر اس کی صدارت قبول کی اور سب کے مشورے کو اپنی حکومت میں شامل رکھا۔ اس نے یہ بھی احتیاط کی کہ قصر شاہی کی جگہ اپنے مکان مسنونہ ہی پر کچہری کی اور اپنے آپ کو بادشاہ یا سلطان نہیں کہلایا۔ وہ بڑا نیک دل اور پاک طینت شخص تھا۔ اس کی حکومت ہر طرح قابل تعریف تھی۔ مریضوں کی عیادت کو جاتا اور عوام کی مجالسوں میں بے باکانہ شریک ہوتا تھا۔ محرم ۴۳۵ھ میں فوت ہو کر اپنے مکان میں مدفون ہوا۔

ابوالولید بن جہور عبدالملک:

اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوالولید محمد بن جہور باشندگان قرطبہ کی اتفاق رائے سے حکمران قرطبہ تسلیم کیا گیا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح اہل علم و فضل کا قدردان تھا۔ اس کا عہد حکومت تمام ملوک طوائف میں بہتر اور قابل تعریف سمجھا گیا ہے۔ ابوالولید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک قرطبہ کا حاکم ہوا۔ اس سے قرطبہ کے لوگ ناراض ہو گئے۔

ابن عطاشہ:

بنو ذوالنون نے قرطبہ پر چڑھائی کی۔ عبدالملک نے بنو عباد سے امداد طلب کی۔ عبادی فوجوں نے بنو ذوالنون کو تو بھگا دیا لیکن خود قرطبہ پر قبضہ کر کے عبدالملک کو قید کر لیا۔ اس طرح ۴۶۱ھ میں جہور کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور معتضد عبادی نے اپنے بیٹے سراج الدولہ کو قرطبہ کا حاکم مقرر

کیا۔لیکن سراج الدولہ کو قرطبہ میں داخل ہونے کے چند ہی روز کے بعد کسی نے زہر دے کر مار ڈالا۔اور قرطبہ پر ابن عطاشہ قابض و متصرف ہو گیا۔

غرناطہ میں ابن حابوس کی حکومت:

جس زمانے میں بنو حمود نے ملاقہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔اسی زمانے میں ایک بربری سردار زادی بن میری مناد نے غرناطہ میں اپنی حکومت قائم کی۔اندلس میں خانہ جنگی کا سلسلہ جاری ہوا تو ۴۱۰ھ میں امیر زادی اپنے بیٹے کو غرناطہ میں اپنا قائم مقام بنا کر خود شاہ قیروان کے پاس افریقہ گیا۔زادی کی غیر موجودگی میں زادی کے بھائی ماکس بن زیری نے غرناطہ پر قبضہ کر کے اپنے بھتیجے کو بے دخل کر دیا اور خود غرناطہ کا بادشاہ بن گیا۔۴۲۹ھ میں ماکس بن زیری کا انتقال ہو گیا۔اس کا بیٹا بادیس جو ابن حابوس کے نام سے مشہور ہے تخت نشین ہوا۔ابن حابوس کی ابن ذی النون اور ابن عباد سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ابن حابوس کا وزیر اعظم اسمٰعیل نامی ایک یہودی تھا۔۴۶۷ھ میں ابن حابوس کا انتقال ہوا۔اس کی جگہ اس کا پوتا ابو محمد عبداللہ بن بلکین بن بادیس تخت نشین ہوا۔اور اپنا خطاب "مظفر" رکھا۔اس کی جگہ اس نے اپنے بھائی تمیم کو اپنے دادا کی وصیت کے موافق مالقہ کی حکومت پر مامور کیا۔۴۸۳ھ میں مرابطین نے ان دونوں بھائیوں کو معزول و جلاوطن کر کے اغمات کی طرف بھیج دیا۔

طلیطلہ میں بنو ذوالنون کی حکومت:

جب اندلس میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو ۴۱۹ھ میں اسمٰعیل بن ظافر بن عبدالرحمٰن سلیمان بن ذی النون نے قلعہ اقلشین پر قبضہ کر لیا۔طلیطلہ کا عامل یعیش بن محمد یعیش طلیطلہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے قابض و متصرف ہو گیا تھا۔جب ۴۲۷ھ میں وہ فوت ہوا تو طلیطلہ کی فوج کے سرداروں نے اسمٰعیل کو قلعہ اقلشین سے طلب کیا کہ آ کر طلیطلہ پر قبضہ کر لو۔چنانچہ اسمٰعیل بلا مزاحمت طلیطلہ پر قابض ہو گیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔۴۲۹ھ میں اسمٰعیل بن ظافر فوت ہوا۔تو اس کا بیٹا ابوالحسن یحیٰی تخت نشین ہوا اور اپنا خطاب مامون رکھا۔مامون نے بڑے زور شور سے حکومت کی۔اس کی شوکت و عظمت طوائف ملوکی میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھی۔اس سے سرحدی عیسائی امراء کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔منصور اعظم ابن ابی عامر کی اولاد سے ایک شخص مظفر نامی صوبہ بلنسیہ پر قابض تھا۔مامون ۴۳۵ھ میں بلنسیہ سے اس کو بے دخل کر کے اپنی حدود حکومت میں شامل کر لیا۔اس کے بعد مامون قرطبہ پر حملہ آور ہوا اور قرطبہ کو بنو عباد کے قبضے سے نکال لیا۔اس کے بعد طلیطلہ کی حکومت اس کے پوتے قادر بن یحیٰی بن اسمٰعیل کے قبضے میں آئی۔۴۷۸ھ میں الفانسو کیسٹل کے عیسائی بادشاہ نے طلیطلہ پر چڑھائی کی۔قادر بن یحیٰی نے طلیطلہ کو خالی کر دیا۔اور الفانسو چہارم سے یہ شرط ٹھہرائی کہ صوبہ بلنسیہ پر

قبضہ حاصل کرنے میں میری مدد کرنی ہوگی۔ بلنسیہ پر ان دنوں قاضی عثمان بن ابوبکر بن عبدالعزیز قابض و متصرف تھا۔ تو انہوں نے خود ہی عثمان بن ابوبکر کو معزول کر کے قادر بن یحییٰ کو بلا کر اپنا حاکم بنالیا۔ ۴۸۱ھ میں قادر نے وفات پائی۔

سرقسطہ میں بنوہود کی حکومت

ابوایوب سلیمان۔ احمد مقتدر باللہ۔ یوسف موتمن۔ احمد مستعین:

جب ملک اندلس میں فتنہ و فساد برپا ہوا تو سرقسطہ میں منذر بن مطرف بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن محمد حاکم تھا۔ اول منذر نے مستعین کا ساتھ دیا۔ بعد میں اس کی رفاقت ترک کر دی۔ چند روز کے بعد منذر نے سرقسطہ کے صوبہ پر خود مختارانہ حکومت شروع کر کے اپنی آزادی و استقلال کا اعلان کیا اور اپنا خطاب "منصور" رکھا۔ جلیقیہ و برشلونہ کے عیسائی سلاطین سے عہد و پیان قائم کیے۔ ۴۱۴ھ میں جب منصور فوت ہوا تو اس کا بیٹا مظفر سرقسطہ میں تخت نشین ہوا۔ اس زمانہ میں ابوایوب بن محمد بن عبداللہ بن موسیٰ بن سالم مولی (ابوحذیفہ کا آزاد غلام) شہر طلیطلہ پر قابض و متصرف تھا۔ ۴۳۱ھ سلیمان نے مظفر کو مغلوب و گرفتار کر کے قتل کیا اور سرقسطہ پر قابض ہو گیا تو مظفر کا بیٹا یوسف لریدہ حکمرانی کرنے لگا اور مظفر کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔

چند روز کے بعد ۴۳۷ھ میں سلیمان فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا احمد باپ کی جگہ مقتدر باللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ مقتدر باللہ نے یوسف کے خلاف فرانس اور بشکنس کے عیسائی سلاطین سے امداد طلب کی۔ چنانچہ عیسائی سلاطین مقتدر کی مدد کو آئے۔ یوسف نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور سرقسطہ میں مقتدر اور عیسائیوں کو محصور کر لیا۔ یہ ۴۴۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس محاصرہ میں یوسف کو ناکامی ہوئی۔ عیسائی سلاطین اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے۔ مقتدر سرقسطہ میں ۴۷۴ھ تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

اس کی جگہ اس کا بیٹا یوسف سرقسطہ میں تخت نشین ہوا اور اپنا لقب موتمن رکھا۔ یوسف موتمن علوم ریاضیہ میں دست گاہ کامل رکھتا تھا۔ اس فن میں اس نے الاستہلال اور المناظر وغیرہ کئی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ ۴۷۸ھ میں یوسف موتمن نے وفات پائی۔ اسی سال عیسائیوں نے طلیطلہ کو قادر ذی النون کے قبضے سے نکال لیا تھا۔

یوسف موتمن کے بعد اس کا بیٹا احمد تخت نشین ہوا اور اپنا لقب مستعین رکھا۔ اس کے عہد حکومت میں عیسائیوں نے مقام وشقہ کا محاصرہ کر لیا۔ احمد مستعین نے وشقہ کو چھڑانے کے لیے سرقسطہ

سے کوچ کیا۔ ۴۸۹ھ میں بمقام وشقہ عیسائیوں کے مقابلہ میں سخت جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں احمد مستعین کو شکست ہوئی اور دس ہزار مسلمان میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ احمد مستعین سرقسطہ میں آ کر حکومت کرنے لگا۔ عیسائی چونکہ وشقہ میں فتح مند ہو کر چیرہ دست ہو گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے کامل تیاری کے بعد ۵۰۳ھ میں سرقسطہ پر چڑھائی کی۔ احمد مستعین نے سرقسطہ سے نکل کر مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں احمد مستعین نے جام شہادت نوش کیا۔

سرقسطہ کے تخت پر احمد مستعین کا بیٹا عبدالملک متمکن ہوا۔ اور عمادالدولہ اپنا خطاب رکھا۔ لیکن ۵۱۲ھ میں عیسائی باغیوں نے سرقسطہ پر قبضہ کر کے عمادالدولہ کو نکال دیا۔ عمادالدولہ نے سرقسطہ کی ریاست کے ایک قلعہ روطہ میں جا کر پناہ لی اور وہیں سال بھر مقیم رہنے کے بعد ۵۱۳ھ میں فوت ہوا۔

اس کا بیٹا احمد قلعہ روطہ میں سیف الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے آبائی ملک کو عیسائیوں سے واپس لینے کے لیے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر قلعہ روطہ بھی عیسائیوں کے ہاتھ فروخت کر کے مع اہل خاندان طلیطلہ میں آ کر رہنے لگا اور وہیں ۵۳۶ھ میں فوت ہو گیا۔

جزائر شرقیہ میورقہ و منورقہ و سردانیہ وغیرہ

۲۹۰ھ میں عصام خولانی نے جزیرہ میورقہ کو فتح کیا تھا۔ اور وہی سلطان اندلس کی طرف سے وہاں کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ عصام کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ باپ کی جگہ گورنر میورقہ مقرر ہوا۔ ۳۵۰ھ تک اس نے حکومت کی۔ اس کے بعد خلیفہ ناصر نے اپنے خادم موفق کو اس جزیرہ کا حاکم مقرر کیا۔ موفق نے فرانس کے ملک پر کئی مرتبہ جہاد کیا۔ ۳۵۹ھ میں موفق فوت ہوا۔ اس کا خادم کوثر نامی اس جزیرہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے ۳۸۹ھ میں وفات پائی۔ منصور نے اپنے غلام مقاتل نامی کو اس جزیرہ کی حکومت پر مامور کیا۔ ۴۰۳ھ میں مقاتل فوت ہوا۔ اس کے بعد مجاہد بن یوسف بن علی عامری گورنر میورقہ مقرر ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ حاکم ہوا۔ عبداللہ نے ۴۱۵ھ میں سردانیہ کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ ۴۶۸ھ میں مبشر نامی ایک شخص اس جزیرہ کا حاکم ہوا۔ اب تک جزیرہ میورقہ و منورقہ و سردانیہ طوائف ملوک میں سے کسی نہ کسی کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ مبشر نے ان جزیروں کی خود مختارانہ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور فرانس کے ساحل پر اتر کر برابر مصروف جہاد رہا۔ یہاں تک کہ برشلونہ و فرانس کے عیسائی سلاطین نے میورقہ پر ہر چہار سمت سے جنگی جہاز بھیج کر محاصرہ کیا۔ مبشر نے علی بن یوسف بن تاشقین سے امداد طلب کی۔ علی کے جنگی جہازوں نے عیسائیوں کو مار بھگا دیا۔ اس کے بعد ان جزائر کی حکومت مرابطین کے قبضے میں چلی گئی۔ ان کے بعد موحدین حکمراں ہوئے۔ ان کے آخری ایام حکومت میں ان جزائر پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا۔

(آٹھواں باب)

عیسائیوں کی چیرہ دستی اندلس مرابطین کی حکومت

حالات وواقعات کے سلسلہ کو مربوط کرنے کے لیے ہم کو پھر کسی قدر پیچھے واپس جانا پڑے گا جزیرہ نما اندلس میں جب اسلامی شہنشاہی کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور طوائف الملوکی شروع ہوگئی تو وہ عیسائی ریاستیں جو مسلمانوں کی کم اتفاقی و بے پروائی کے سبب شمالی سرحدوں پر موجود تھیں۔ اور ان کا وجود مسلمانوں کے رحم وکرم پر منحصر تھا۔ اب اپنی ترقی کے خواب دیکھنے لگیں۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ طوائف الملوکی کے پیدا کرنے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کو جاری رکھنے کے لیے عیسائیوں نے خوب موثر کوششیں کی تھیں اور انہوں نے کوئی موقع اور کوئی وقت ضائع نہیں ہونے دیا۔ الفانسو چہارم نے ۴۶۷ھ میں خود بھی مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ تمام عیسائی سلاطین کو جو اسلامی اندلس کی سرحدوں پر موجود تھے، تیاری حملہ آوری کی ترغیب دی اور تمام عیسائیوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کیا۔ اس نے ۴۷۸ھ میں طلیطلہ کو القادر باللہ کے قبضے سے نکال کر اپنی حکومت میں شامل کیا۔ طلیطلہ میں اس نے اول اول مسلمانوں کو وعظ و پند اور پادریوں کی تبلیغ کے ذریعہ مذہب عیسوی اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب اس کو اس کوشش میں قطعاً ناکامی ہوئی اور ایک مسلمان نے بھی عیسائیت کو قبول کرنا پسند نہ کیا تو الفانسو چہارم نے مسلمانوں پر سختیاں شروع کیں، مسجدوں کو منہدم کرنے بڑی بڑی مسجدوں کو گرجا بنا لینے میں تامل نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف ارغون کے عیسائی بادشاہ نے صوبہ بلنسیہ پر فوج کشی کی۔ دھوکے سے اسلامی فوجوں کو قتل کیا۔ رذمیر نامی عیسائی بادشاہ نے سرقسطہ کو مسلمانوں سے چھین لیا اور وہاں کی مسجدوں کے ڈھانے اور مسمار کرنے میں ذرا باک نہیں کیا۔ اس موقع پر قابل تذکرہ بات یہ ہے کہ مسمان اب تک بارہا عیسائیوں کو ہزیمتیں دے کر ان کے شہروں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ لیکن کسی ایک موقع پر عیسائیوں نے مسلمانوں سے یہ سنگ دلی نہیں دیکھی تھی کہ انہوں نے عیسائیوں کی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہو۔ عیسائیوں نے جواب مسلمانوں کے شہروں کو فتح کیا تو ان کی تلوار سے پر امن اور بے ضرر رعایا کے بچے، بوڑھے، عورتیں سب قتل ہوئے۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں کو جب کبھی عیسائیوں پر فتوحات حاصل ہوئیں، انہوں نے عیسائیوں کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو مطلق ہاتھ نہیں لگایا۔

الفانسو چہارم نے طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے بعد حکومت اشبیلیہ کی حدود میں قدم بڑھانے کی جرأت کی۔ اشبیلیہ کا بادشاہ معتمد بن معتضد عبادی چونکہ بادشاہ المیریہ سے برسر جنگ تھا، اس نے فوراً

زرخراج الفانسو چہارم کے پاس روانہ کیا اور اس بلا کو اپنے سر سے ٹالنا چاہا۔ آخر الفانسو چہارم نے معتمد کے پاس پیغام بھیجا کہ میری بیوی جو حاملہ ہے اس کو تا وضع حمل مسجد قرطبہ میں رکھنا چاہتا ہوں تاکہ وہیں بچہ پیدا ہو۔ اس کے قیام کا بندوبست کر دو اور قصر زہرا بھی اس کے لیے خالی کر دو۔ قرطبہ ان دنوں معتمد کی حکومت میں شامل تھا۔ معتمد نے الفانسو کی اس درخواست کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس کے یہودی سفیر کو جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے گستاخی کی سزا میں قتل کر دیا۔ الفانسو چہارم یہ سنتے ہی دریائے وادی الکبیر کے کنارے اشبیلیہ کے محاذی آ کر خیمہ زن ہوا اور معتمد کو لکھا کہ فوراً شہر اور محلات شاہی میرے لیے خالی کر دو۔ معتمد نے اس خط کو پشت پر جواب لکھ کر بھیج دیا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تجھ کو تیری گستاخیوں کا مزا چکھا دیں گے۔ اس مختصر جواب سے الفانسو کے قلب پر رعب طاری ہو گیا اور وہ اشبیلیہ پر حملہ کی جرأت نہ کر سکا۔ مگر اس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ تمام ملک اندلس میں مشہور کرا دیا کہ معتمد عبادی نے یوسف بن تاشقین کو اپنی مدد کے لیے مراقش سے بلایا ہے۔ اس خبر کے شہرت دینے میں مصلحت یہ تھی کہ رؤسائے اندلس مراقش کے بادشاہ کا اپنے ملک میں داخل ہونا سخت ناپسند کرتے اور اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔ حالانکہ عیسائیوں سے معاہدے کرنے اور عیسائیوں کو خراج ادا کرنے میں ان کو شرم نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی مسلمان سلاطین نے معتمد بن معتضد عبادی بادشاہ اشبیلیہ کو لعنت ملامت کے خطوط لکھے کہ تو نے یوسف بن تاشقین کو کیوں اندلس میں بلانا گوارا کیا۔ معتمد نے ان سب کو یہ جواب لکھا کہ:

"مجھ کو خنزیروں کی پاسبانی سے اونٹوں کی نگہبانی کرنا پسند ہے۔"

مطلب اس کا یہ تھا کہ الفانسو مجھ کو گرفتار کر کے خنزیروں کے چرانے کی خدمت لے گا اور یوسف بن تاشقین اگر اندلس پر خود قابض ہو کر اور مجھ کو گرفتار کر کے مراقش لے گیا تو وہاں مجھ سے اونٹ چرانے کا کام لے گا۔ یعنی میں الفانسو کا قیدی بننا گوارا نہیں کرتا، یوسف کا قیدی بننا گوارا کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد معتمد نے ایک وفد یوسف بن تاشقین کے پاس روانہ کیا اور عیسائیوں کے مقابلے میں مدد طلب کی۔ یوسف بن تاشقین فوراً وارد اندلس ہوا۔ الفانسو بھی اس زبردست دشمن کے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف ہوا اور اس نے ہر طرف سے بہادر اور تجربہ کار جنگ جو فراہم کر کے ساٹھ ہزار تک اپنے لشکر کی تعداد بڑھالی۔ اس زبردست لشکر کو دیکھ کر الفانسو نے ازراہ کبر و غرور کہا کہ اگر میرے مقابلے کو آسمان سے فرشتے بھی اتر آئیں تو میں اس لشکر سے ان کو بھی شکست دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد الفانسو نے یوسف بن تاشقین کو جب کہ وہ معتمد کے پاس اشبیلیہ میں پہنچ چکا تھا، ایک خط بھیجا۔ اس خط میں اپنی کثرت فوج اور طاقت وقوت کا ذکر کر کے یوسف کو مغلظات گالیں بھی دی تھیں۔ یوسف نے اپنے معتمد ابوبکر بن القصیر کو اس خط کا جواب لکھنے کے لیے حکم دیا۔ ابوبکر نے ایک نہایت مدلل و مطول

مسودہ لکھ کر پیش کیا۔ یوسف نے یہ کہہ کر اس قدر عبارت آرائی کی ضرورت نہیں ہے، الفانسو کے خط کے پشت پر یہ جملہ اپنے قلم سے لکھ کر روانہ کر دیا کہ:

"جو زندہ بچے گا وہ دیکھ لے گا۔"

اس مختصر جواب کو پڑھ کر الفانسو خوف زدہ ہو گیا۔ آخر ذلاقہ کے میدان میں جنگ عظیم برپا ہوئی۔ اسلامی لشکر کی کل تعداد بیس ہزار کے قریب تھی اور عیسائی لشکر ساٹھ ہزار سے زیادہ تھا۔ بروز چہار شنبہ ماہ رجب ۴۷۹ھ جب اسلامی لشکر آگے بڑھا تو الفانسو نے پیغام بھیجا کہ ہم ہفتہ کے روز نبرد آزما ہوں گے۔ یوسف و معتمد نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ لیکن الفانسو نے اسلامی لشکر کو دھوکا دیا تھا۔ اس نے جمعہ کے روز بے خبری میں حملہ کیا۔ اس سے اسلامی لشکر میں ایک قسم کی پریشانی نمودار ہوئی۔ لیکن مسلمانوں نے سنبھل کر عیسائیوں کے حملہ کو روکا اور بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ معتمد کی ران کے نیچے اس روز تین گھوڑے ہلاک ہوئے اور وہ بڑی بہادری سے لڑا۔ یوسف نے جب حملہ کیا تو عیسائی تاب مقابلہ نہ لا سکے۔ الفانسو بھی اس لڑائی میں زخمی ہوا اور اپنی تمام فوج اس میدان میں کٹوا کر ۲۰ ماہ رجب کو میدان ذلاقہ سے فرار ہوا۔ اسلامی لشکر اس فتح کے بعد چار روز یعنی ۲۴ ماہ رجب تک اسی میدان میں مقیم رہا۔ معتمد نے مال غنیمت کی نسبت یوسف بن تاشقین کی خدمت میں عرض کیا کہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟ یوسف نے کہا کہ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں، مال غنیمت حاصل کرنے نہیں آیا۔ ذلاقہ سے یوسف و معتمد دونوں اشبیلیہ آئے۔ یہاں یوسف چند روز مقیم رہ کر افریقہ واپس چلا گیا الفانسو اس شکست کے بعد مخبوط الحواس ہو گیا تھا۔ مگر مسلمان رؤسا نے عیسائیوں کی اس عظیم الشان شکست سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانا چاہا۔ بلکہ پہلے کی طرح پھر خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس حالت کو دیکھ کر عیسائیوں نے پھر ہمت کی اور فوجی تیاریوں میں مصروف ہو کر مسلمانوں کے قبضے سے شہروں کو نکالنا شروع کر دیا اور اشبیلیہ کے بعض قلعوں پر بھی قابض ہو گئے۔

ماہ ربیع الاول ۴۸۱ھ میں امراء اندلس کی درخواست پر یوسف بن تاشقین کو پھر اندلس میں آنا پڑا۔ مگر اس مرتبہ اندلس کے مسلمانوں کی ذلت و بدنصیبی یہاں تک ترقی کر چکی تھی کہ وہ یوسف بن تاشقین کے ساتھ ایک کیمپ میں شامل ہو کر بھی آپس میں لڑنے سے باز نہ رہے۔ یوسف اس حالت کو دیکھ کر برداشتہ خاطر ہوا اور مراقش کی جانب واپس چلا گیا۔

دو سال کے بعد ۴۸۳ھ میں یوسف بن تاشقین عیسائیوں کو سزا دینے کے لیے پھر اندلس میں آیا۔ کیونکہ اندلس کے مسلمان سلاطین یوسف بن تاشقین کو اپنا سرپرست تسلیم کر چکے تھے اور عیسائیوں کو اپنے مقبوضات پر حملہ آور دیکھ کر یوسف بن تاشقین سے خواہان امداد ہوا کرتے تھے۔ اس مرتبہ یوسف بن تاشقین عیسائی فوجوں کو پیچھے ہٹاتا اور شکست دیتا ہوا شہر طلیطلہ کے سامنے جا پہنچا اور اس کا محاصرہ کر

لیا۔ الفانسو چہارم نے طلیطلہ کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا اور وہ طلیطلہ میں موجود تھا یوسف نے طلیطلہ کا محاصرہ کر کے امرائے اندلس سے امداد چاہی کہ محاصرہ کو کامیاب بنانے میں شریک ہوں۔ لیکن کسی نے مدد نہ کی۔ بالخصوص عبداللہ بن بلکین بادشاہ غرناطہ نے کہ اس پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی تھی مطلق التفات نہ کیا۔ یوسف کو مجبوراً محاصرہ اٹھا کر طلیطلہ سے واپس ہونا پڑا اور اس نے امرائے اندلس کو ٹھیک بنانا ضروری سمجھا چنانچہ اس نے عبداللہ حاکم غرناطہ اور اس کے بھائی تمیم حاکم مالقہ کو گرفتار کر لیا اور افریقہ بھیج دیا۔

اس کے بعد ماہ رمضان المبارک ۴۸۳ھ میں یوسف بن تاشقین اپنے بھتیجے اور سپہ سالار سیر بن ابی بکر بن تاشقین کو مع فوج اندلس میں عیسائیوں کی سرکوبی کے لیے چھوڑ کر خود افریقہ چلا گیا۔ اس سپہ سالار نے الفانسو پر فوج کشی کی اور کئی مقامات اس سے لڑ کر چھین لیے۔ اس جہاد میں اندلس کے مسلمان امراء کو سیر بن ابی بکر کی امداد کرنی لازمی تھی۔ مگر ان بدبختوں نے اس کی امداد اور عیسائیوں کے مقابلے سے صاف انکار کر دیا۔ سیر بن ابی بکر نے امراء اندلس کی نالائقیوں پر کوئی التفات نہ کر کے اپنی فتوحات اور عیسائیوں کے مقابلے کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک معقول حصہ ملک مع صوبہ پرتگال عیسائیوں سے چھین لیا اور بعض عیسائی رئیسوں سے اقرار اطاعت بھی لے لیا۔ جب اس سپہ سالار کے قبضے میں ایک حصہ ملک بھی آ گیا اور اندلس میں اس کے قدم اچھی طرح جم گئے تو اس نے یوسف بن تاشقین کو لکھا کہ ہمارے قبضہ میں جزیرہ نما کے اندر ایک کافی رقبہ آ گیا ہے جو ہم نے عیسائیوں سے فتح کر لیا ہے۔ لیکن اندلس کے مسلمان امراء نے ہماری مطلق امداد نہیں کی اور وہ بجائے ہمارے عیسائیوں کے ساتھ مودت و محبت کے تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں اور اپنے طرز عمل سے اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان کی نسبت بھی کوئی حکم صادر فرمایا جائے۔

یوسف بن تاشقین نے سیر بن ابی بکر کو لکھا کہ تم عیسائیوں پر جہاد کے سلسلہ کو جاری رکھو اور امرائے اندلس سے پھر امداد و اعانت کی خواہش کرو۔ اگر وہ اس کام میں تمہارے شریک ہو جائیں تو ان سے تعرض نہ کرو اور اگر وہ عیسائیوں کے مقابلے میں تمہاری حمایت و ہمدردی نہ کریں تو تم ان کے ملکوں کو بھی ان سے چھین لو۔ مگر اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھو کہ اول ان مسلمان امراء کی ریاستوں پر قبضہ کرو جو عیسائیوں کی سرحدوں پر واقع ہیں تاکہ مسلمانوں کے قبضے سے نکل کر کوئی مقام عیسائیوں کے قبضے میں نہ جا سکے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور سب سے پہلے سیر بن ابی بکر نے ابن ہود بادشاہ سرقسطہ کی طرف توجہ کی یہ وہ زمانہ تھا کہ سرقسطہ اس سے پہلے عیسائیوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ سرقسطہ کا مسلمان بادشاہ مقام روطہ میں مقیم اور اسی کے نواحی علاقہ پر قابض تھا۔ روطہ کو سیر نے بآسانی فتح کر لیا۔ اس کے بعد ماہ شوال ۴۸۴ھ میں [illegible] بن طاہر سے مرسیہ چھین کر اس کو افریقہ کی جانب بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد

المیریا اور بطلیوس پر بھی قبضہ کرلیا گیا۔ پھر قرمونہ، بجہ، بلات، ملاقہ، قرطبہ وغیرہ مقامات کو تسخیر کیا۔ معتمد بادشاہ اشبیلیہ نے مرابطین کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کی۔ یہی سب سے بڑا اور طاقتور بادشاہ تھا۔ جو اندلس میں باقی رہ گیا تھا۔ اس نے الفانسو چہارم سے بھی امداد طلب کی۔ چنانچہ الفانسو نے عیسائیوں کی ایک فوج معتمد کی مدد کے لیے بھیج دی۔ اس امدادی فوج کے آنے کا حال سن کر سپہ سالار سیر بن ابی بکر نے فوراً ایک طرف اشبیلیہ کا محاصرہ کیا اور دوسری طرف ایک سردار کو عیسائی لشکر کی روک تھام کے لیے روانہ کر دیا۔ اس سردار نے عیسائیوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ادھر سیر بن ابی بکر نے اشبیلیہ کو فتح کر کے معتمد کو مع اہل خاندان قید کر کے افریقہ بھیج دیا جہاں وہ نظر بندی کی حالت میں رہنے لگا۔ اور ۴۸۸ھ ماہ ربیع الاول میں فوت ہوا۔

تمام اندلس پر یوسف بن تاشقین کا قبضہ:

۴۸۵ھ میں تمام اسلامی اندلس یوسف بن تاشقین کے تحت وتصرف میں آ گیا اور طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو کر یوسف بن تاشقین بادشاہ مرابطین کے وائسرائے اور گورنر اندلس پر حکمرانی کرنے لگے۔ اس طرح وہ ملک جو پارہ پارہ ہو کر عیسائیوں کے قبضے میں جانے والا تھا مراکش کے مسلمان بادشاہ کے قبضے میں آ کر محفوظ ہو گیا اور عیسائیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اب بھی عیسائی جزیرہ نما کے شمالی علاقوں پر قابض تھے۔ لیکن اندلس کا بڑا حصہ اور آباد زرخیز جنوبی علاقہ مسلمانوں کے زیر حکومت تھا۔ یوسف بن تاشقین کو ۴۷۹ھ میں خلیفہ بغداد مقتدی بامر اللہ نے امیر المسلمین خطاب اور خلعت وعلم بھیجا تھا۔

یوسف بن تاشقین کی وفات:

اندلس پر قبضہ حاصل ہونے کے بعد امیر المسلمین یوسف بن تاشقین پندرہ سال تک زندہ رہا اور محرم ۵۰۰ھ میں فوت ہوا۔ یہ زمانہ اندلس میں امن وامان کا گزرا۔ اگرچہ اندلس کے عربی النسل باشندے مرابطین کی حکومت وسلطنت سے اس لیے کبیدہ خاطر رہے کہ وہ بربری لوگوں کو اپنے اوپر حکمران دیکھنا پسند نہ کرتے تھے لیکن یہ ان کی غلطی تھی۔ اگر بربری مسلمان ان پر حکمراں نہ ہوتے تو ان کو عیسائیوں کی غلامی کرنی پڑتی۔

ابوالحسن علی بن یوسف بن تاشقین:

امیر المسلمین یوسف بن تاشقین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالحسن علی بن یوسف بن تاشقین ۲۳ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ۵۰۳ھ میں علی بن یوسف نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر اپنی

مضبوط فصیل اور محل وقوع کی خوبی کے سبب فتح نہ ہو سکا۔ مگر علی بن یوسف نے وادی الحجارہ اور اس نواح کے اکثر شہروں کو فتح کر لیا۔ اسی سال بشونہ (لسبین) اور پرتگال کے بقیہ شہروں کو بھی عیسائیوں سے چھین لیا گیا۔ علی بن یوسف نے اپنے بھائی تمیم بن یوسف کو اندلس کا نائب السلطنت (وائسرائے) مقرر کیا تھا۔ تمیم نے الفانسو اول بن رومیر بادشاہ برشلونہ کی جنگی تیاریوں کا حال سن کر اس کی پیش قدمی کو اپنے حملے سے روک دیا اور سرقسطہ کو عیسائیوں سے فتح کر کے اسلامی مقبوضات کو وسیع کیا۔ بادشاہ برشلونہ نے شاہ فرانس کو اپنی مدد پر آمادہ کر کے ۵۱۲ھ میں سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائیوں کی فوجیں سامان حرب اور کثرت تعداد کے سبب اس قدر زیادہ طاقتور تھیں کہ سرقسطہ کے مسلمان تاب مقاومت نہ لا سکے۔ سامان رسد کی نایابی سے جب جان پر آ بنی تو انہوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح سرقسطہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور اس صوبے کے دوسرے شہروں اور قلعوں کو بھی عیسائیوں نے فتح کر لیا۔ یہ رنج دہ خبر جب علی بن یوسف کو پہنچی تو وہ مراقش سے ۵۱۳ھ میں اندلس آیا اور اشبیلیہ و قرطبہ ہوتا ہوا سرقسطہ پہنچا اور تمام اس علاقہ کو جو عیسائیوں نے فتح کیا تھا، فتح کر کے اور اچھی طرح عیسائیوں کو سزا دے کر اور اقرار فرماں برداری لے کر ۵۱۵ھ میں واپس مراقش پہنچا۔ الفانسو چہارم جس نے طلیطلہ کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا۔ ۵۱۳ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ لیکن الفانسو اول بادشاہ برشلونہ موجود تھا۔ اسی کو ابن رومیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علی بن یوسف کے اندلس سے مراقش جاتے ہی ابن رومیر نے اسلامی مقبوضات پر چڑھائی کر دی۔ اس چڑھائی کا سبب یہ تھا کہ غرناطہ کے عیسائی باشندوں نے اس کو لکھا تھا کہ تم غرناطہ پر حملہ کرو، ہم تمہارے اس حملہ کو کامیاب بنانے کی پر اثر کوشش کریں گے۔ چنانچہ ابن رومیر غرناطہ تک اپنی زبردست فوجیں لیے ہوئے پہنچ گیا۔ عیسائیوں کی امیدوں پر درحقیقت یوسف بن تاشقین کی فتوحات سے پانی پھر گیا تھا اور مرابطین سے بہت ڈرتے تھے۔ لیکن خود اندلس کے بعض مسلمان باشندے مرابطین کی عداوت میں عیسائیوں کی ہمدردی کا دم بھرتے تھے اس رذیلانہ طرز عمل سے عیسائیوں کی ہمتیں پھر بڑھ گئیں تھیں اور مرابطین کی فوجوں کے مقابلے پر نکلنے لگے تھے۔ ابن رومیر یہ حملہ بھی اسی وجہ سے ہوا تھا۔ مگر ذوالحجہ ۵۱۵ھ میں غرناطہ کے قریب مسلمانوں نے اس کو تمیم بن یوسف بن تاشقین کی سرداری میں ایسی شکست دی کہ وہ آدھی فوج ضائع کر کے برشلونہ کی طرف بھاگ گیا۔ غرناطہ اور اس کے نواح میں عیسائی زیادہ آباد تھے اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کی مخالفت اور عیسائی سلاطین کی کامیابی کے لیے سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ ان حالات سے واقف ہو کر علی بن یوسف نے ۵۱۶ھ میں میں خود اندلس میں آ کر بہت سے عیسائیوں کو جو غرناطہ اور اس کے نواح میں سکونت پذیر تھے، افریقہ کی جانب بھیج دیا۔ بعض کو اندلس کے دوسرے مقامات میں منتقل کر دیا۔

۵۲۰ھ میں ابو طاہر تمیم بن یوسف نے اپنے بیٹے تاشقین بن علی بن یوسف بن تاشقین

کو اندلس کا وائسرائے مقرر کیا۔ ۳۶ برس سات مہینے مراقش و اندلس پر حکومت کرنے کے بعد ماہ رجب ۵۳۷ھ میں علی بن یوسف کا انتقال ہوا۔

ابو محمد تاشفین:

اس کی جگہ اس کا بیٹا ابو محمد تاشفین تخت نشین ہوا۔ ۵۱۶ھ میں علی بن یوسف آخری مرتبہ اندلس میں آیا تھا۔ اس کے بعد اس کو اندلس آنا نصیب نہ ہوا بلکہ وہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ مہدی موعود کے جھگڑوں میں مصروف رہا۔ یہ جدید دشمن جو ملک مراقش میں پیدا ہوا تھا اور جس کا مفصل حال آگے آتا ہے، دم بدم ترقی کرتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علی کا بیٹا ابو محمد تاشفین بھی باپ کے بعد تخت نشین ہوتے ہی مراقش کے اندرونی ہنگامے میں اس طرح مصروف ہوا کہ اندلس کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

تاشفین بن علی:

۵۳۷ھ میں جب تاشفین بن علی اندلس سے مراقش جا کر باپ کی جگہ تخت نشین ہوا تو اس نے یحییٰ بن علی بن غانیہ کو اندلس کا وائسرائے مقرر کیا تھا۔ یحییٰ نے جہاں تک ممکن ہوا اندلس کو بچایا اور عیسائیوں کے زور کو گھٹانے میں مصروف رہا۔ ادھر دم بدم سلطنت مرابطین میں ضعف و انحطاط کے علامات نمودار ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ۲۷ رمضان ۵۳۹ھ میں تاشفین بن علی بحالت ناکامی و مایوسی عبدالمومن سے شکست کھا کر فوت ہوا۔

ابراہیم بن تاشفین:

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحاق ابراہیم بن تاشفین بن علی یوسف بن تاشفین شہر مراقش میں تخت نشین ہوا۔ لیکن ۵۴۱ھ میں عبدالمومن نے مراقش کو فتح کیا اور ابراہیم تاشفین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس طرح سلطنت مرابطین کا خاتمہ ہوا۔ اندلس میں جب عبدالمومن کے چیرہ دست ہونے اور مرابطین کے مغلوب و مجبور ہونے کی خبریں پہنچیں تو عیسائیوں نے پھر بڑے زور شور کے ساتھ اسلامی مقبوضات پر حملے شروع کر دیئے۔ ۵۲۸ھ میں ابن رومیر نے بعض شہروں کو فتح کیا تو یحییٰ بن علی نے اس کے مقابلہ پر پہنچ کر ایک سخت لڑائی کے بعد ابن رومیر کو قتل کیا۔ اور اس طرح سلطنت اسلامیہ کا رعب قائم کر دیا۔

مرابطین کی حکومت کے خاتمہ کا اثر اندلس پر:

دربار مرابطین کی درہمی و برہمی کا حال سن کر ملک اندلس کے والیوں نے جابجا اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ جس طرح خلافت بنوامیہ کی برہمی کے بعد ملک اندلس میں طوائف الملوکی ہو

گئی تھی۔اسی طرح اب بھی جو شخص جس شہر یا قلعہ کا حاکم تھا وہ خودمختار فرماں روا بن بیٹھا بلکہ پہلی طوائف الملوکی میں خودمختار رئیسوں کی تعداد کم اوران کے مقبوضہ علاقے وسیع تھے۔اس مرتبہ اسلامی اندلس بہت ہی چھوٹے چھوٹے کثیر التعداد ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا شہر شہر اور قصبے قصبے میں الگ الگ سلطنتیں قائم ہو گئیں۔اورسب نے شاہانہ خطاب ولقب اپنے لیے تجویز کر لیے یہاں تک بھی کچھ زیادہ افسوس کی بات نہ تھی بشرطیکہ یہ سب ایک دوسرے کے دشمن نہ بنتے۔لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ آپس میں ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے پر آمادہ ہوگئے۔اورتمام اسلامی اندلس لڑائیوں اور ہنگامہ آرائیوں کے شور و غل سے گونج اٹھا۔ایسی حالت میں عیسائیوں کے لیے تمام جزیرہ نما پر قابض ہو جانے کا زریں موقع مل چکا تھا۔خود یحییٰ بن علی وائسرائے اندلس بھی قرطبہ پر قبضہ کر کے انہیں طوائف ملوک کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور دوسروں سے زیادہ طاقتور نہ تھا۔اسی حالت میں عبدالمومن سردار موحدین نے سلطنت مرابطین کو مراقش سے مٹا کر بلاتوقف اپنا ایک سپہ سالار اندلس کی طرف روانہ کیا اور ۵۴۲ھ میں اندلس پر قابض ہوگیا اور چندروز طوائف الملوکی کے بعد اندلس اسی طرح موحدین کی حدود سلطنت میں شامل ہوگیا۔

مرابطین کے عہد حکومت میں فقہا کا خوب زور شور تھا۔یوسف اور علی دونوں بادشاہ مالکی مذہب کے پیرو اور فقہا کے بے حد قدر دان تھے۔بڑے عابد، زاہد اور علم دوست فرماں روا تھے۔مگر وہ اس معاملے میں اس قدر بڑھ گئے تھے کہ فلسفہ اور علم کلام کے جانی دشمن مشہور تھے۔قاضی عیاض نے شکایت کر کے حضرت امام غزالیؒ تصانیف کے خلاف دربار شاہی سے احکام جاری کرادیے تھے جن کی رو سے ہر ایک وہ شخص جس کے پاس سے امام غزالیؒ کی کی کوئی مصنفہ کتاب برآمد ہو کشتنی و گردن زدنی قرار دیا جاتا تھا۔

(نواں باب)

اندلس پر موحدین کی حکومت محمد بن عبداللہ تومرت

محمد بن عبداللہ تومرت جو ابن تومرت کے نام سے مشہور ہے۔ ملک مراقش کے علاقہ سوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ بربروں کے قبیلہ مسمودہ سے تھا۔ مگر بعد میں اس نے دعویٰ کیا کہ میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد سے ہوں اور اپنا سلسلہ نسب حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب تک پہنچایا۔

۵۰۱ھ میں ابن تومرت اپنے وطن علاقہ سوس سے روانہ ہو کر ممالک مشرقیہ کی طرف گیا اور حصول علم میں چودہ سال تک وطن سے باہر رہا۔ ابوبکر شاشی سے بغداد میں اصول فقہ اور دیگر علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ مبارک بن عبدالجبار اور دوسرے بزرگوں سے حدیث پڑھی۔

امام غزالیؒ کی پیش گوئی:

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضری کا شرف حاصل کر لیا۔ ایک روز جبکہ امام غزالیؒ کی خدمت میں ابن تومرت بھی موجود تھا، کسی نے عرض کیا کہ آپ کی کتابوں کو امیر المسلمین علی بن یوسف بن تاشفین فرمانروائے مراقش و اندلس نے جلا ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام ممدوح نے فرمایا کہ اس کا ملک برباد ہو جائے گا اور میرا خیال ہے کہ اس کے ملک و سلطنت کی بربادی اسی شخص کے ذریعہ عمل میں آ جائے گی جو اس وقت ہماری مجلس میں موجود ہے۔ امام موصوف نے یہ الفاظ فرماتے ہوئے ابن تومرت کی طرف اشارہ کیا۔ اسی روز سے ابن تومرت کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مرابطین کی سلطنت کو مٹایا جائے جو تقلید جامد۔۔۔ کی حامی اور روشن خیالی کی دشمن ہے۔ چنانچہ ابن تومرت اپنے وطن کی طرف متوجہ ہوا۔ راستے میں اسکندریہ میں چند روز قیام کیا اور وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے باز نہ رہا۔ والیٔ اسکندریہ نے اپنے شہر سے نکلوا دیا۔ غرض ابن تومرت کی یہ صفت خاص طور پر قابل تذکرہ ہے کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرنے اور برائیوں سے روکنے میں مطلق باک نہ کرتا تھا۔ عابد زاہد اور نہایت باخدا شخص تھا۔ ابن تومرت کے مذہبی عقیدے کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اشاعرہ، متکلمین اور امامیہ کا مجموعہ تھا۔ ابن تومرت کی نسبت ابن خلقان لکھتا ہے کہ وہ کامل متقی و پرہیزگار شخص تھا۔ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتا۔ اس کی پوشاک و غذا نہایت سادہ ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ خوش نظر آتا اور ریاضت و نفس کشی کی جانب مائل رہتا تھا۔ ابن تومرت نہایت فصاحت کے ساتھ عربی زبان بولتا تھا مراقشی زبان تو اس کی مادری زبان تھی۔ ۵۱۵ھ میں وہ اپنے وطن میں آیا اور لوگوں کو وعظ و پند کرنے لگا۔

عبدالمومن مرید خاص ابن تومرت :

اسی عرصہ میں اس کے پاس ایک شخص عبدالمومن نامی جو ایک بربری قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، آیا اور خاص الخاص تلامذہ و مریدین کے زمرہ میں شامل ہوا۔ عبدالمومن اپنے فطری جذبات و خیالات میں ابن تومرت سے پوری مشابہت رکھتا تھا۔ ابن تومرت کی جانب لوگ بڑی کثرت سے متوجہ ہونے لگے۔ امیر المسلمین کے فقہائے دربار نے امیر کو مشورہ دیا کہ ابن تومرت کو قتل کر دیا جائے لیکن علی بن یوسف نے کہا کہ مجھ کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کہ اس کو قتل کروں۔ آخر فقہا کے اصرار پر اس کو شہر مراقش سے نکلوا دیا گیا۔ ابن تومرت نے اپنے رفیقوں کے ساتھ سلسلہ کوہ اطلس کے ایک گاؤں میں قیام کیا اور وہاں بربری قبائل جوق در جوق آ آ کر اس کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔

ابن تومرت کا دعویٰ مہدویت :

چند روز کے بعد ابن تومرت نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے مریدین کے طبقات مقرر کیے۔ طبقہ اول کے لوگوں کو مہاجرین اور طبقہ دوم کے لوگوں کو مومنین کا خطاب دیا۔ سات یا آٹھ طبقات قائم کیے۔ جب جمعیت بڑھ گئی تو عبدالمومن کو سپہ سالار بنا کر سلطنت مرابطین کے خلاف جنگی کارروائیاں شروع کیں۔ پہلے مقابلے میں مومنین کی جماعت کو شکست ہوئی مگر بعد میں انہوں نے مخالفت اور زور آزمائی کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملک مراقش کے ایک معقول حصے پر ابن تومرت کا قبضہ ہو گیا۔ ابن تومرت نے ۵۱۷ھ سے جنگی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ سات سال کی لڑائیوں کے بعد ۵۲۴ھ میں ابن تومرت نے وفات پائی اور مرنے سے پہلے عبدالمومن کو امیر المومنین کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد و جانشین مقرر کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابن تومرت کی حکومت مرابطین کی مدمقابل اور خوب طاقتور بن چکی تھی۔

عبدالمومن :

عبدالمومن کے باپ کا نام علی تھا جو قبائل مسودہ کے قبیلہ کومیہ کا ایک فرد تھا۔ عبدالمومن ۴۸۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ۵۳۷ھ میں جب کہ علی بن یوسف تاشقین کا انتقال ہوا، عبدالمومن کی حکومت پورے طور پر تمام ملک پر مراقش میں مسلم ہو گئی۔ ابن تومرت کی تعلیم کا خلاصہ اور لب لباب چونکہ خدائے تعالیٰ کی کامل توحید کو آشکار کرنا تھا۔ اور خدا کی کسی صفت کو اس کی ذات سے جدا یقین نہیں کرتا تھا اس لیے اس کے تمام مریدین عام طور پر موحدین کے نام سے پکارے گئے۔

عبدالمومن کے اندلس پر قابض ہونے کی تفصیلات :

عبدالمومن نے مراقش پر قابض و مسلط ہونے کے بعد ۵۳۶ھ میں اپنے ایک سردار ابو عمران موسیٰ بن سعید کو اندلس روانہ کیا۔ اس نے سب سے اول جزیرہ طریف پر قبضہ کیا۔ پھر اگلے سال مالقہ و اشبیلیہ کی طرف بڑھا۔ اس کے بعد قرطبہ پر بھی موحدین کا قبضہ ہوگیا۔ ۵۴۱ھ میں عبدالمومن نے خود اندلس آنے کا قصد کیا۔ لیکن عین روانگی کے وقت مراقش کی مشرقی حدود میں فتنہ و بغاوت کے نمودار ہونے کی خبر سن کر رک گیا۔ اور اپنے بیٹوں کو اندلس روانہ کیا۔ چنانچہ ابوسعید بن عبدالمومن نے السیرہ کو فتح کیا۔ قرطبہ اس سے پہلے ۵۴۵ھ میں عبدالمومن کے سردار یحییٰ بن میمون نے جب کہ عیسائی اس کا حاصرہ کیے ہوئے تھے۔ عیسائیوں کو بھگا کر خود فتح کر لیا تھا۔ ۵۴۸ھ میں عبدالمومن آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے وارد اندلس ہوا۔ اور اندلس کے اس جنوبی ساحل پر ایک شہر کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس کا نام الفتح رکھا گیا۔ یہیں اندلس کے تمام والی اور امراء آ آ کر عبدالمومن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب سے اقرار اطاعت کیا اور اپنی فرماں برداری کا یقین دلایا۔ اس طرح تمام اسلامی اندلس پھر ایک سلطنت سے وابستہ ہوگیا۔

۵۵۵ھ میں عبدالمومن نے اپنے بیٹے ابوسعید کو غرناطہ کا حاکم اور تمام اسلامی اندلس کا وائسرائے مقرر کیا۔ ۵۵۶ھ میں ابوسعید کو باپ کے پاس مراقش جانا پڑا۔ اس کی غیر موجودگی میں ابراہیم نامی ایک شخص نے موقع پر غرناطہ پر قبضہ کر لیا اور مختاری کا اعلان کیا۔ یہ خبر سن کر ابوسعید معہ اپنے بھائی ابوحفص کے اندلس آیا۔ ابراہیم نے غرناطہ سے نکل کر مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ ابوحفص اس لڑائی میں مارا گیا۔ ابوسعید نے شکست کھائی اور مالقہ میں جا کر قیام کیا۔ ابراہیم کا داماد مردنیش مرسیہ و جیان کا حاکم تھا۔ اس نے بھی ابراہیم کا ساتھ دیا اور ملک اندلس پھر معرض خطر میں پڑ گیا۔ عبدالمومن نے ۵۵۷ھ میں اپنے تیسرے بیٹے ابو یعقوب اور اپنے فوجی سردار شیخ ابو یوسف بن سلیمان کو ابوسعید کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ ابوسعید نے بھی مالقہ میں کافی فوج فراہم کر لی تھی۔ غرض غرناطہ کے متصل پھر نہایت زبردست جنگ برپا ہوئی۔ اس لڑائی میں لشکر موحدین کو فتح حاصل ہوئی۔ مردنیش، جیان کی جانب بھاگ گیا اور ابراہیم نے عفو کی درخواست کی، جو منظور ہوئی۔ اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد عبدالمومن کے لیے کوئی پریشانی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اس نے افریقہ و اندلس میں فوجوں کے جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ تین لاکھ فوج مراقش میں عبدالمومن کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئی اور دو لاکھ کے قریب مسلمان اندلس میں جہاد کے لیے آمادہ و متحد ہو گئے۔ اس طرح اس پانچ لاکھ کے لشکر کو لے کر عبدالمومن نے ارادہ کیا کہ اندلس کی شمالی عیسائی ریاستوں کو فتح کرتا ہوا تمام یورپ کو مغلوب و مفتوح

بنائے۔ اگر عبدالمومن کی عمر وفا کرتی تو وہ عیسائیوں کے خلاف اس جہاد میں یقیناً کامیابی مفتوح بنائے۔ عیسائیوں کے خلاف اس جہاد میں یقیناً کامیابی حاصل کرتا، لیکن عین اس وقت جبکہ وہ اس جہاد کے لیے اپنی کثیر التعداد فوج کے ساتھ روانہ ہونے کو تھا، جمادی الثانی ۵۵۸ھ کے آخری جمعہ کو فوت ہوا۔

ابو یعقوب:

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو یعقوب یوسف تخت نشین ہوا اور یہ مہم جس کو عبدالمومن پورا کرنا چاہتا تھا۔ بعض اندرونی پیچیدگیوں کے سبب ناتمام رہی۔ عبدالمومن کی وفات کے بعد عیسائیوں کو موقع ملا کہ انہوں نے اندلس کے بعض مغربی اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ اور ان کا کوئی تدارک نہ ہو سکا۔ ادھر مردنیش حاکم جیان اور مرسیہ نے خود مختاری کا اعلان کر کے عیسائیوں کو تقویت پہنچائی۔ ابو یعقوب نے مراقش سے دس ہزار فوج ہمراہ لے کر اندلس کا قصد کیا اور اشبیلیہ میں آ کر مقیم ہوا۔ یوسف کے اشبیلیہ آنے کے بعد ہی مردنیش حاکم مرسیہ و جیان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹوں نے آ کر اپنے باپ کا تمام علاقہ ابو یعقوب کی نذر کر دیا۔ اور اطاعت و فرماں برداری کی گردنیں جھکا دیں۔ ابو یعقوب یوسف نے بھی ان کے ساتھ بڑی رعایت و مروت کا برتاؤ کیا اور ان کے باپ کے علاقے پر ان کو حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اس نے مغربی عیسائیوں کی طرف متوجہ ہو کر تمام علاقہ جو انہوں نے دبا لیا تھا چھین لیا۔ اس کے بعد طلیطلہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن چند روز کے بعد کسی ضرورت کی وجہ سے محاصرہ اٹھا کر مراقش چلا گیا۔ ۵۸۰ھ میں شہر شنترین کے عیسائیوں نے پھر بغاوت کی۔ امیر المومنین ابو یعقوب یوسف نے اندلس آ کر شنترین کا محاصرہ کیا۔ ابھی اس محاصرہ کو ایک ہی مہینہ گزرا تھا کہ امیر المومنین یوسف سخت بیمار و علیل ہو کر ۷ ماہ رجب ۵۸۰ھ بروز شنبہ فوت ہو گیا۔ اس کی لاش اشبیلیہ، پھر اشبیلیہ سے مراقش لے جا کر سپرد خاک کی گئی۔

ابو یعقوب کے عہد حکومت پر تبصرہ:

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف تخت نشین ہوا اور اپنا خطاب منصور باللہ رکھا۔ ابو یعقوب بڑا نیک دل، علم دوست اور روشن خیال شخص تھا۔ ابو بکر محمد بن طفیل جو فلسفہ و علم کلام کا امام سمجھا جاتا ہے ابو یعقوب کا مصاحب و مشیر خاص تھا۔ دوسرا اسی مرتبہ کا عالم ابو بکر بن صائغ المعروف بہ ابن ماجہ بھی ابو یعقوب کے مشیروں میں شامل تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی اسی مرتبہ کے بہت سے علماء حاضر دربار رہتے تھے۔ ابن طفیل کی ترغیب سے امیر المومنین ابو یعقوب نے ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد کو قرطبہ سے بلوا کر اپنے مصاحبین میں شامل کیا۔ یہ وہی ابن رشد ہیں جو فلسفہ کے مشہور امام اور ارسطو کی تصانیف پر بہترین تنقید کرنے اور اس کی کمزوریاں ظاہر کرنے والے شخص ہیں۔ آج بھی ابن رشد کے نام سے

یورپ اور تمام علمی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے۔ ابو یعقوب کے عہد حکومت میں مراقش سے طرابلس تک ممالک افریقہ اور تمام ملک اندلس جزیرہ صقلیہ اور بحر روم کے دوسرے جزائر سب سلطنت موحدین میں شامل ہو گئے تھے۔ اور سلطنت موحدین کا فرماں روا دنیا کے عظیم الشان سلاطین میں شمار ہوتا تھا۔

ابو یوسف منصور :

ابو یعقوب کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف منصور تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت منصور کی عمر ۳۲ سال کی تھی۔ یہ ایک عیسائی عورت ساحرہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ منصور کے عہد حکومت میں اندلس کے اندر ہر طرح مسلمانوں کو رفاہیت و غلبہ حاصل رہا۔ منصور ہر طرح اپنے باپ سے مشابہ تھا۔ علماء و فضلاء کا بے حد قدر دان اور کتابوں کا شائق تھا۔ اس طرح ابو یعقوب کبھی اندلس اور کبھی مراقش میں رہا۔ اسی طرح منصور نے بھی اپنی حکومت کا اکثر زمانہ اندلس میں گزارا۔ ۵۸۵ھ میں منصور نے اندلس کے مغربی حصے سے عیسائیوں کے اثر کو بالکل مٹا دیا اور الفانسو ثانی بادشاہ طلیطلہ نے منصور کی خدمت میں پانچ سال کے لیے صلح کی درخواست پیش کی۔ منصور نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عیسائی یورپ کے ہر ایک ملک سے جمع ہو کر شام و فلسطین پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ الفانسو دوم شاہ طلیطلہ کو یہ خوف تھا کہ کہیں منصور میرا نام و نشان نہ مٹا دے۔ اس لیے اس نے پنج سالہ صلح کی درخواست منظور کرا کر اطمینان کیا کہ اس عرصہ میں صلیبی مجاہدین فارغ ہو کر میری مدد پر پہنچ سکیں گے۔ خود اندلس کے عیسائی شام و فلسطین کے صلیبی حملوں میں بکثرت شامل ہوتے تھے۔

منصور کی بحری طاقت بھی چونکہ بہت زبردست تھی اس لیے سلطان صلاح الدین ایوبی نے منصور کے پاس اپنا ایک سفیر عبدالرحمٰن بن منقذ نامی جو اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی تھا بھیجا اور ایک خط منصور کے نام اس سفیر کے ہاتھ روانہ کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ عیسائی فوجیں فلسطین پر حملہ آور ہوئی ہیں۔ اس وقت اگر اپنے جنگی جہازوں کو مسلمانوں کی امداد کے لیے بھیجو اور ساحل فلسطین کی حفاظت کے کام میں اعانت کرو۔ تو بڑی آسانی سے عیسائیوں کو شکست دی جا سکتی ہے۔ اس خط میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے منصور کو امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی صرف خلیفہ بغداد ہی کو امیر المومنین خلیفہ المسلمین سمجھتے تھے۔ اتنی سی بات پر منصور کبیدہ خاطر ہوا۔ ابن منقذ کی بظاہر خوب خاطر مدارات کی اور ایک قصیدے کے صلہ میں کو چالیس ہزار درہم انعام کے دیئے۔ مگر سلطان صلاح الدین نے جو امداد طلب کی تھی، اس کے دینے میں لیت و لعل اور پس و پیش کیا۔

الفانسو ثانی بادشاہ طلیطلہ پنج سالہ صلح کے دوران میں مسلمانوں کی حملہ آوری سے تو بالکل مطمئن تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسلمان وعدہ کے خلاف کبھی حملہ آور نہیں ہو سکتے۔ اس عرصہ میں اس نے

خوب فوجی تیاریاں کیں۔ دوسرے عیسائی سلاطین کو اپنی مدد کے لیے آمادہ کیا اور اپنی اس تیاری کو بھی مثل صلیبی جنگوں کے مذہبی جہاد قرار دے کر بآسانی ہر قسم کی امداد اعانت عیسائیوں سے حاصل کی۔ مدت صلح کے گزرنے پر ماہ رجب ۵۹۱ھ میں کئی عیسائی سلاطین اور ان کی فوجوں کو ہمراہ لیے ہوئے مقام مالارکو علاقہ بطلیوس میں پہنچا تھا کہ ادھر سے منصور مقابلہ پر پہنچ گیا۔ بڑے زور شور سے لڑائی ہوئی عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلامی فوج کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔ مگر عیسائی اپنی فوج کے ایک لاکھ ۴۶ ہزار آدمیوں کو قتل اور تیس ہزار کو قید کرا کر میدان جنگ سے فرار ہوئے۔ یہ بہت بڑی اور نہایت عظیم الشان فتح تھی جو منصور کو حاصل ہوئی۔ اور اس نے عیسائیوں کی ہمت کو بہت کچھ پست کر دیا۔ اس لڑائی میں ڈیڑھ لاکھ خیمے، اسی ہزار گھوڑے، ایک لاکھ خچر اور چار لاکھ بار برداری کے گدھے اور ساٹھ ہزار مختلف وضع کے زرہ بکتر مسلمانوں کے ہاتھ آئے جس سے بآسانی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں کی تیاریاں کیسی مکمل اور عظیم الشان تھیں اور منصور کے خلاف الفانسو دوم نے کیسی زبردست طاقت فراہم کی تھی۔ منصور نے یہ تمام مال غنیمت جس میں بہت سا زرو جواہر بھی شامل تھا، سب اپنی فوج میں سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔

الفانسو دوم اس میدان سے بھاگ کر اپنی بقیہ فوج کے ساتھ قلعہ رباح میں پناہ گزیں ہوا۔ منصور بھی پاشنہ کوب پہنچا اور اس قلعہ کا محاصرہ کیا۔ الفانسو یہاں سے بھاگ کر طلیطلہ آیا اور اس شرم انگیز شکست کے غم وغصہ میں سر وریش کو منڈوا ڈالا اور صلیب کو اٹھا کر قسم کھائی کہ جب تک ان لاکھوں عیسائی مقتولوں کا انتقام نہ لے لوں گا اس وقت تک عیش و آرام کو حرام سمجھوں گا۔ منصور کو جب معلوم ہوا کہ الفانسو نے طلیطلہ میں جا کر اس طرح قسم کھائی ہے اور وہ دوبارہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہے تو وہ بلا توقف طلیطلہ پر حملہ آور ہوا اور شہر کا محاصرہ کر کے قلعہ شکن توپوں سے فصیل وقلعہ کی دیواروں کو چھلنی کر دیا۔ قریب تھا کہ شہر اور الفانسو دونوں منصور کے قبضے میں آ جائیں۔ لیکن اس سقیم حالت میں الفانسو ثانی نے اپنی حمیت وغیرت کا یہ نمونہ دکھایا کہ اپنی ماں اور بیوی اور بیٹیوں کو منصور کے پاس بھیجا۔ یہ عورتیں سر برہنہ روتی ہوئی منصور کے سامنے آئیں اور الفانسو کی ماں نے اپنے بیٹے کے لیے عفو تقصیرات کی درخواست کرتے ہوئے اس قدر آہ وزاری کی کہ منصور اس نظارہ کی تاب نہ لا سکا۔ آنسوؤں کے دریا نے خون کے آنسوؤں پر غلبہ حاصل کیا۔ اور قہر وغضب کو صفت رحم سے مغلوب ہونا پڑا۔ منصور نے الفانسو کی ماں اور بیوی اور بیٹیوں کی بہت دل دہی اور تشفی کی۔ ان کو گراں بہا زیورات اور انعام واکرام سے مالا مال کر کے عزت وحرمت کے ساتھ شہر میں واپس بھیجا۔ اور اسی وقت طلیطلہ سے کوچ کر کے قرطبہ میں چلا آیا۔ الفانسو نے منصور کے روانہ ہونے کے بعد اپنے سفیروں کو اقرار اطاعت اور عہد نامہ کی تحریر وتکمیل کے لیے روانہ کیا جو قرطبہ میں حاضر دربار ہوئے منصور کے پاس جو تیس چالیس ہزار عیسائی

قیدی تھے ان کو منصور نے مراقش میں بھیج کر آباد کرا دیا۔ اور ان کا ایک الگ قبیلہ قرار دیا گیا۔ منصور نہایت نیک طینت، عابد زاہد، اور متبع سنت فرماں روا تھا۔ اس کے حکم سے جہری نمازوں میں امام الحمد سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی بالجہر پڑھتے تھے۔ ابوالولید ابن رشد نے ۵۹۴ھ کے آخری ایام میں منصور کے عہد حکومت میں مراقش کے اندر وفات پائی۔ ماہ صفر ۵۹۵ھ میں منصور قریباً پندرہ سال کی فرماں روائی کے بعد فوت ہوا۔ اسی سال انگلستان کا بادشاہ رچرڈ فوت ہوا۔

ابوعبداللہ محمد :

منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوعبداللہ محمد ماہ صفر ۵۹۵ھ میں بعمر ۱۷ سال تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب ناصر لدین اللہ رکھا۔ بادشاہ ناصر کے عہد حکومت میں مراقش کے مشرقی ممالک میں بغاوت و بدامنی پیدا ہوئی اور سلطنت مرابطین کے بعض متوسلین نے جمعیت فراہم کر کے ملکوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ناصر اس بغاوت و بدامنی کے رفع کرنے کو مراقش میں مقیم رہا۔ ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی سے شام و فلسطین کے میدانوں میں شکست کھا کر جو بقیۃ السیف عیسائی یورپ کے ملکوں میں واپس آئے انہوں نے شام و فلسطین کی ہزیمتوں کا انتقام اندلس و مراقش کی اسلامی سلطنت سے لینا چاہا اور برشلونہ و کیسٹل و لیون وغیرہ کے عیسائی سلاطین کے پاس یورپ کے ہر ملک سے عیسائی جنگ جو آ آ کر جمع ہوئے۔ روم کے پوپ نے سلطنت موحدین کے خلاف جہاد کا عام اعلان کیا۔ انہیں ایام میں انگلستان کے بادشاہ جان کے خلاف انگلستانی امراء نے کوشش شروع کی اور پوپ انوسنٹ سوم نے بادشاہ جان کے ملت عیسوی سے خارج ہونے کا اعلان کیا۔ جان نے اپنے تین سرداروں کا ایک وفد ناصر الدین اللہ کے پاس مراقش روانہ کیا۔ اس سفارت میں ٹامس ہارڈنگٹن، ریلف فرنکولس اور لندن کا پادری رابرٹ شامل تھے۔ یہ سفارت ۶۰۶ھ میں مراقش پہنچی۔ ارکان سفارت، کئی ایوان اور ڈیوڑھیوں میں سے گزرتے ہوئے جن کے دونوں طرف شاہی خدام کی صفیں استادہ تھیں، امیر ناصر لدین اللہ کے سامنے پہنچے۔ اس وقت امیر موصوف مطالعہ کتب میں مصروف تھا۔ ارکان وفد نے شاہ انگلستان کا خط پیش کیا۔ اس خط میں لکھا کہ میں دین عیسوی کو ترک کر کے مسلمان ہونے پر آمادہ ہوں۔ پادری رابرٹ اس سفارت کا پیشوا تھا۔ اس نے بھی امیر ناصر سے ایسی باتیں کیں جس سے امیر ناصر کو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ لوگ دنیوی مقاصد کے لیے بطور رشوت تبدیلی مذہب لالچ دیتے ہیں۔ اسی لیے امیر ناصر لدین اللہ نے اس سفارت کی کچھ زیادہ قدر نہ کی اور کم التفاتی کے ساتھ رخصت کر کے اس امر کا منتظر رہا کہ شاہ انگلستان اگر اسلام کی صداقت کو تسلیم کر چکا ہے تو وہ ضرور میری اس کم التفاتی کے بعد بھی اپنے اسلام کا اعلان کرے گا اور اس وقت اس کی امداد کے لیے جنگی بیڑہ روانہ کر دیا جائے گا۔

امیر ناصر بہت دھیمی طبیعت کا آدمی تھا۔ جنگ و پیکار کے ہنگامے برپا کرنے کا اس کو شوق نہ تھا۔ اسی لیے وہ فوج جو اس کے باپ کے زمانے میں بڑی طاقتور اور باہمت تھی، امیر ناصر کی کم التفاقی سے اس کے سردار بددل ہو رہے تھے۔ علاوہ ازیں سابق امیر کے عہد حکومت میں فوج کے ہر سپاہی کو علاوہ مقرر تنخواہ کے ہر سہ ماہی بادشاہ کی طرف سے انعامات ملا کرتے تھے۔ امیر ناصر کے عہد میں ان انعامات کے موقوف ہونے سے سپاہی افسردہ خاطر تھے۔ ۶۰۸ھ میں امیر ناصر افریقہ کی مہمات سے فارغ ہو کر اندلس کی جانب متوجہ ہوا یہاں طلیطلہ میں شاہ کیسٹل الفانسو کے گرد یورپ کے ہر ملک اور ہر حصے سے عیسائی لوگ جوق در جوق آ آ کر جمع ہو رہے تھے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام براعظم یورپ کی پوری طاقت اور شاہان یورپ کے جمع جنگی سامان اسلام کشی کے لیے جزیرہ نمائے اندلس میں فراہم ہو گئے تھے۔ شام و فلسطین کے مقابلہ میں اندلس یورپ سے قریب بھی تھا اور اندلس کے ہموار میدانوں تک عیسائی ریاستوں کی حدود پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے وسط اندلس میں عیسائی طاقت کی یہ سب سے بڑی نمائش باآسانی ممکن ہوئی۔

ناصرلدین اللہ نے عیسائیوں کی اس عظیم الشان تیاری اور یورپ کے ہر ملک میں مسلمانوں کے خلاف اعلان جہاد کا حال سن کر مراقش و اندلس سے فوجوں کو فراہم کیا اور جہاد کا اعلان کرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھ لاکھ کے قریب منظم فوج اور مجاہدین اشبیلیہ میں جمع ہو گئے۔ اس لشکر کو لے کر امیر ناصر شہر جیان کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر سے اسلامی لشکر کو لیے ہوئے شہر سالم کے قریب مقام العقاب میں آ کر خیمہ زن ہوا۔ ادھر سے الفانسو اپنے لاتعداد لشکر بھی شہر جیان سے العقاب میں آیا۔ عیسائی انتقام کے جوش میں ازخود رفتہ ہو رہے تھے اور ملک شام کی ناکامیوں کا بدلہ اندلس میں مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے۔ ادھر سلاطین لشکر کی حالت عجیب تھی۔ باقاعدہ فوج جو اچھی طرح مقابلہ کی قابلیت رکھتی تھی، سب اپنے امیر سے برگشتہ تھی۔ کیونکہ ان کو کئی مہینے سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ فوجی افسروں کی خواہش یہ تھی کہ اس لڑائی میں ان کے بادشاہ کو شکست ہو اور وہ اس تلخ تجربہ کے بعد فوج پر روپیہ صرف کرنے اور انعام و اکرام دینے میں بخل کو کام میں نہ لائے چنانچہ ۱۵ ماہ ۶۰۹ھ کو جب لڑائی شروع ہوئی تو اسلامی لشکر سے بعض سردار اپنی ماتحت جمعیتوں کو لے کر جدا ہو گئے۔ بعض سرداروں اور سپاہیوں نے حملے کے وقت دانستہ اپنے نیزوں کو ٹیڑھا کر کے بجائے اس کے کہ دشمنوں کے سینوں کو چھیدتے، زمین میں گاڑا اور تلواروں کو دشمنوں کی طرف پھینک دیا۔ بعض نے عجیب و غریب تمسخر انگیز حرکات کا اظہار کیا اور معرکہ جنگ شروع ہونے کے بعد امیر ناصر کے احکام کی تعمیل ترک کر دی۔ زبردست اور باقاعدہ مسلح فوج کی یہ نامعقول و ناستودہ حرکات دیکھ کر مجاہدین کے بھی حوصلے پست ہو گئے۔ امیر ناصر کے بخل کا یہ خطرناک نتیجہ اور مراقشی و بربری لشکر کی یہ رذیلانہ غداری اسلام اور مسلمانوں کے لیے بے حد مضر ثابت ہوئی۔ اندلس کے کسی

میدان میں آج تک اتنی بڑی فوجیں نبرد آزما نہ ہوئی تھیں عین معرکہ جنگ میں اسلامی لشکر کا ایک بڑا حصہ یہ غداری نہ دکھاتا تو یورپ کی اس عظیم الشان اور متفقہ فوج کو یقیناً مسلمانوں کے ہاتھ سے ہزیمت اٹھانی پڑتی اور آئندہ کبھی عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلے کی ہمت نہ ہوتی۔ کیونکہ جو انجام وہ شام و فلسطین میں دیکھ کر آئے تھے۔ اس سے بدتر انجام ان کا اندلس میں ہوتا۔ مگر حسرت و افسوس کے ساتھ بیان کرنا پڑتا ہے کہ اس چھ لاکھ کے اسلامی لشکر کا انجام یہ ہوا کہ اپنے امیر کی نافرمانی کر کے سب کا سب عیسائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ امیر ناصر نے شمشیر زنی میں مطلق کوتاہی نہیں کی۔ اور اکثر مجاہدین نے اپنے امیر کا ساتھ دیا۔ صرف ایک ہزار آدمی اس چھ لاکھ کے لشکر میں سے زندہ بچے اور وہ بہ مشکل امیر ناصر کو میدان جنگ سے واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔ باقی سب یا تو میدان جنگ میں لڑ کر شہید ہوئے یا عیسائیوں کے ہاتھ میں قید و گرفتار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والوں کو توقع تھی کہ ہم کو آزاد کرا لیا جائے گا۔ مگر عیسائیوں نے اسی میدان العقاب میں سب کو ذبح کر ڈالا۔

امیر ناصر اشبیلیہ میں شکست خوردہ واپس آیا اور عیسائیوں نے اندلس کے شہروں کو لوٹنا اور مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ شہر جیان کی تمام مسلم آبادی کو گرفتار کر کے مردوں، بچوں اور بوڑھوں عورتوں کو قتل کر ڈالا۔ الفانسو نے جب دیکھا کہ عیسائی مجاہدین تمام ملک کو تہ تیغ کرنے اور اموال و اسباب کے لوٹنے میں مطلق العنان ہیں تو اس نے ان کو روکنا اور اپنے زیر اقتدار رکھنا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے ناراض ہو ہو کر دوسرے ممالک کے عیسائی اپنے اپنے ملکوں کو واپس ہونے لگے۔ جس کو الفانسو نے بہت ہی غنیمت سمجھا۔ جنگ العقاب نے اندلس میں اسلامی سلطنت کی جڑوں کو ہلا دیا۔ اس کے بعد سلطنت موحدین اور مغرب میں مسلمانوں کی حکومت جلد جلد زوال پذیر ہونے لگی۔ سافش میں بہت سے قصبے اور گاؤں اس لڑائی کے بعد ویران ہو گئے۔ کیونکہ ان کے باشندے اس لڑائی میں کام آ گئے تھے۔ امیر ناصر چند روز اشبیلیہ میں مقیم رہ کر مراقش میں آیا اور ۱۰ شعبان ۶۱۰ھ بروز چہار شنبہ فوت ہو کر اگلے روز بروز پنجشنبہ مدفون ہوا۔

یوسف مستنصر :

امیر ناصر کی وفات کے بعد ۱۱ شعبان ۶۱۰ھ کو اس کا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا اور اپنا لقب مستنصر رکھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ وہ یکم شوال ۵۹۴ھ کو پیدا ہوا تھا۔ دس سال تخت نشین رہ کر ۶۲۰ھ کے ماہ شوال میں لاولد فوت ہوا۔ یہ نہایت عیش پرست اور کم ہمت شخص تھا۔ عیسائیوں نے اندلس کے اکثر حصہ پر قبضہ کر لیا۔ بعض صوبوں کے والیوں نے اپنے صوبوں کو جواں مردی کے ساتھ عیسائیوں کی دست برد سے محفوظ رکھا۔ مگر مستنصر مرتے وقت تک مراقش سے باہر نہ نکلا اور بادشاہ ہو کر کبھی اندلس میں نہ آیا۔

عبدالواحد :

مستنصر کی وفات کے بعد اس کا بھائی عبدالواحد تخت نشین ہوا۔ نو مہینے کے بعد موحدین کے امراء نے اس کو معزول و مقتول کر کے شیرازہ حکومت کو درہم برہم کر دیا۔

عبدالواجد عادل :

ان دنوں امیر منصور کا ایک بیٹا یعنی امیر ناصر کا بھائی مسمی عبدالواجد اندلس کے صوبہ مرسیہ کا والی تھا۔ اس نے عبدالواحد بن ناصر کے مقتول ہونے کا حال سن کر خود سلطنت کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب عادل رکھا۔ عادل نے مرسیہ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

اسی سال یعنی ۶۲۱ھ میں عیسائیوں نے اس پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں عادل کو شکست ہوئی۔

اس شکست کے بعد عادل اپنے بھائی ادریس کو اشبیلیہ میں اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے خود مراقش چلا گیا۔ وہاں اہل مراقش نے ایک نوعمر لڑکے یحییٰ بن ناصر کو اپنا بادشاہ بنا کر عادل کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں عادل گرفتار ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر ادریس نے اشبیلیہ میں تخت نشینی کی رسم ادا کی اور اپنا لقب مامون رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ موحدین کا رعب اندلس اور مراقش دونوں ملکوں سے اٹھ چکا تھا۔ مراقش میں بنی مرین ملک کو دباتے جاتے تھے۔ ادھر اندلس میں مسلمان امراء کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہمارے ملک پر مراقش و بربر کے لوگ کیوں حکمراں ہوں۔ اب ہم کو خود اپنا کوئی امیر منتخب کرنا چاہیے۔ تاکہ عیسائیوں کی محکومی سے بچ سکیں۔ ورنہ اگر اور چند روز تک ہمارا ملک ایسے ہی کمزور مراقشی فرماں رواؤں کے ماتحت رہا تو عیسائی بڑی آسانی سے تمام اندلس پر قابض و متصرف ہو کر ہم کو اپنا غلام بنا لیں گے۔ چنانچہ شاہان سرقسطہ بنی ہود کی نسل سے ایک شخص محمد بن یوسف نے مامون کو اندلس سے خارج کر کے اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی۔

حکومت موحدین کا خاتمہ:

اس طرح ۶۲۵ھ میں موحدین کی حکومت کا نام و نشان اندلس سے گم ہو گیا۔ مامون نے اندلس کو چھوڑ کر مراقش کی بندرگاہ سبطہ میں قیام کیا۔ وہاں اس کا انتقال ہوا۔ تو اس کا بیٹا رشید تخت نشین ہوا۔ بنی مرین مراقش میں اپنی طاقت کو دم بدم ترقی دے رہے تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۶۸ھ میں موحدین کا نام و نشان گم ہو گیا اور مراقش میں بنی مرین کی حکومت پورے طور پر قائم ہو گئی۔

(دسواں باب)

اسلامی اندلس میں پھر طوائف الملوکی

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب اندلس کی خلافت بنوامیہ برباد ہوئی تو تمام جزیرہ نمائے اندلس میں بہت سی خودمختار اسلامی سلطنتیں الگ الگ قائم ہوگئی تھیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت پر آمادہ تھیں۔ اس زمانے میں عیسائی بادشاہوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی حدود کو وسیع کر کے اسلامی حکومت کے رقبہ کو کم کر دیا۔ اس کے بعد مرابطین کی سلطنت اسلامی اندلس پر قابض و متصرف ہوگئی۔ یعنی الگ الگ چھوٹی مسلمان بادشاہتوں کا علاقہ مل کر ایک اسلامی سلطنت کے ماتحت ہو گیا۔ مگر جس قدر ملک اس گزشتہ طوائف الملوکی میں عیسائیوں کے قبضے میں پہنچ گیا تھا وہ عموماً واپس نہ ہوا۔ مرابطین کی سلطنت جب برباد ہوئی اور اس کی جگہ موحدین کی حکومت قائم ہوئی تو اس تبدیلی میں بھی عیسائیوں نے ایک قلیل حصہ اندلس کا اور دبا لیا اور عیسائی مقبوضات اندلس میں زیادہ وسیع ہو گئے۔ اب موحدین کی سلطنت میں ضعف و انحطاط کے آثار ایسے وقت نمودار ہوئے جب کہ تمام یورپ مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ اور عیسائی لوگ مسلم کشی کے لیے دیوانے ہو رہے تھے۔ جنگ العقاب نے نہ صرف موحدین کی سلطنت کو پیغام مرگ پہنچایا بلکہ عیسائیوں کے مقبوضات کو اندلس میں وسیع سے وسیع تر بنا دیا۔ اسی زمانے میں اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان پورے طور پر مٹایا جا سکتا تھا۔ مگر عیسائی مجاہدین کی بدعنوانیوں اور نالائقیوں نے اندلسی عیسائیوں کو ان سے متنفر کر دیا اور اس طرح اندلسی عیسائیوں نے مسلمانوں کے استیصال کا کام کسی دوسرے وقت کے لیے ملتوی کر دیا۔ موحدین کی سلطنت جب اندلس سے مٹی ہے تو اندلس کا نصف سے زیادہ شمالی حصہ اور قریباً تمام مغربی صوبے عیسائیوں کے قبضہ و تصرف میں پہنچ چکے تھے۔ مسلمان ہٹتے اور سمٹتے ہوئے جنوب و مشرق کی طرف آ گئے تھے۔ موحدین کی حکومت کے بعد بھی اسی قسم کی طوائف الملوکی اندلس میں نمودار ہوئی۔ جیسی کہ بنوامیہ کی حکومت کے بعد نمودار ہوئی تھی۔ مگر فرق یہ تھا کہ پہلی طوائف الملوکی میں مسلمانوں کا ملک زیادہ وسیع اور ہر ایک رئیس کے قبضے میں بڑے بڑے صوبے تھے۔ اس طوائف الملوکی میں اسلامی اندلس کا رقبہ بہت مختصر و محدود رہ گیا تھا اور اسی لیے ہر ایک رئیس کے قبضے میں بہت چھوٹے چھوٹے علاقے تھے۔ جس طرح پہلی طوائف الملوکی میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسا تھا اسی طرح اس مرتبہ بھی ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ بلکہ اس مرتبہ یہ اور مصیبت تھی کہ ہر ایک مسلمان رئیس دوسرے مسلمان رئیس کو برباد و تباہ کرانے کے لیے عموماً عیسائی بادشاہ کو چڑھا کر لاتا اور اس برادر کشی کے کام سے فارغ ہو کر اپنی مملکت کے بعض شہر و قلعے عیسائی بادشاہ

کی نذر کر دیتا۔ عیسائی بہت خوش ہوتے اور مسلمانوں کی اس نالائقی کو اطمینان کی نظر سے دیکھتے تھے کہ ہمارا مقصود خود بخود حاصل ہو رہا ہے۔

ریاست بنو ہود محمد بن یوسف:

۵۰۳ھ میں احمد مستعین بن ابو عامر یوسف موتمن بن ابو جعفر بن ہوش عیسائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سرقسطہ کے سامنے شہید ہوا تھا۔ یہ شاہان سرقسطہ میں چوتھا بادشاہ تھا۔ اس کی اولاد میں محمد بن یوسف ایک شخص تھا جو موحدین کی حکومت کے آخری ایام میں اندلس کے اندر رئیسانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ شیرازہ سلطنت ڈھیلا ہو گیا ہے تو وہ قزاقوں کے ایک گروہ میں شامل ہو کر ان کا سردار بن گیا اور رفتہ رفتہ اپنی جمعیت کو بڑھا کر مرسیہ کے عامل ابو العباس کو شکست دے کر مرسیہ پر قابض ہو گیا اور بہت جلد غرناطہ، مالقہ، المیر یہ وغیرہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ ۶۲۶ھ میں قریباً تمام اسلامی اندلس اس کے زیر فرمان ہو گیا۔ اسی سال برشلونہ کے عیسائی بادشاہ نے جزیرہ میورقہ و منورقہ کو فتح کر کے موحدین کے عاملوں کو وہاں سے خارج کر دیا۔ محمد بن یوسف کی اس مثال کو دیکھ کر ملک میں اور بھی با حوصلہ سردار کھڑے ہوئے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی الگ حکومت قائم کرنے کی تدابیر میں مصروف ہو گیا۔ محمد بن یوسف نے یہ دیکھ کر کہ تمام سرداروں پر غالب آنا اور اپنی حکومت پر تمام رعایا کو رضامند کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ ایک درخواست عباسی خلیفہ بغداد کی خدمت میں روانہ کی اور لکھا کہ میں نے آپ کے نام سے تمام ملک اندلس فتح کر لیا ہے اور میری حکومت یہاں قائم ہو گئی ہے۔ لہٰذا نہایت ادب کے ساتھ ملتجی ہوں کہ مجھ کو اس ملک کا والی مقرر فرمایا جائے اور اس ملک کی سند حکومت میرے نام کی بھیج دی جائے۔ خلیفہ بغداد نے اس درخواست کو تائید غیبی سمجھ کر اندلس کی سند حکومت مع خلعت محمد بن یوسف کے سفیر کو عطا کر دی۔ جب خلیفہ بغداد مستنصر کے پاس سے سند امارت آ گئی تو ابن ہود یعنی محمد بن یوسف نے غرناطہ کی جامع مسجد میں لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور خود عباسی خلیفہ کا خلعت پہن کر اور سیاہ علم ہاتھ میں لے کر آیا اور لوگوں کو خلیفہ مستنصر عباسی کا فرمان پڑھ کر سنایا اور تمام مسلمانوں کو مبارکباد دی کہ خلیفہ نے ہماری درخواست کو منظور فرما کر ہماری سرپرستی منظور فرمالی ہے۔ اس تدبیر کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے لیے نصر بن یوسف معروف بہ ابن الاحمر اور ابو جمیل زیان بن مردنیش وغیرہ امراء نے جو ابن ہود یعنی محمد بن یوسف کی مخالفت پر آمادہ تھے، یہ دیکھ کر کہ خلیفہ بغداد کے فرمان کی وجہ سے لوگ اس طرف مائل ہیں، خموشی اختیار کی اور بظاہر اس کی بیعت بھی کر لی۔ مگر چند روز کے بعد یہ امراء پھر مخالفت پر آمادہ و مستعد ہو گئے اور لڑائیاں یعنی خانہ جنگی کا سلسلہ جاری ہوا۔ عیسائیوں نے اس خانہ جنگی کو دیکھ کر مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۶۲۷ھ میں انہوں نے شہر مریدہ پر جو قرطبہ کے

بعد سب سے بڑا شہر تھا قبضہ کر لیا۔ اہل مریدہ نے محمد بن یوسف اطلاع دی۔ محمد بن یوسف فوراً فوج لے کر مریدہ پہنچا اور الفانسو نہم بادشاہ لیون پر شہر کے قریب با تامل حملہ آور ہوا۔ اس لڑائی میں اس کو عیسائی فوج سے شکست کھانی پڑی۔ شکست خوردہ واپس ہوا اور مرسیہ کو اپنا دارالسلطنت بنا کر حکومت کرنے لگا۔ ۶۲۹ھ میں ابن الاحمر نے اپنے آپ کو اندلس فرماں روائی کا حق دار ظاہر کر کے سریش و جیان وغیرہ شہروں کو فتح کر لیا۔ اسی اثناء میں ابو مروان نامی ایک سردار نے اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا۔ ابن الاحمر نے ابو مروان کے ساتھ دوستی اتحاد پیدا کر کے اپنی قوت کو بڑھایا۔ ۶۳۲ھ میں ابن الاحمر اشبیلیہ میں دوستانہ داخل ہوا اور ابو مروان کو قتل کر کے اس کے مقبوضہ علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اشبیلیہ کی رعایا نے چند روز کے بعد ناخوش ہو کر ابن الاحمر کو خارج کر دیا۔ اور محمد بن یوسف کی فرماں برداری قبول کی۔ محمد بن یوسف نے ایک سردار ابن الرمیمی نامی کو اپنا وزیر و مدارالمہام بنا کر اکثر امور سلطنت اسی کے سپرد کر رکھے تھے۔ آخر میں اس نے ابن الرمیمی کو المیریہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ ابن الرمیمی نے المیریہ میں بغاوت اختیار کی۔ محمد بن یوسف اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ ابن الرمیمی کے جاسوسوں نے اس کو رات کے وقت موقع پا کر خیمے کے اندر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ ۲۴ جمادی الثانی ۶۳۵ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد ابن الرمیمی المیریہ کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ مرسیہ کی حکومت محمد بن یوسف کی اولاد کے قبضے میں رہی جنہوں نے ابن الاحمر کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ ۶۵۸ھ میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

بنو ہود کے علاوہ ابن الاحمر، ابن مروان، ابن خالد، ابن مردنیش وغیرہ بہت سے چھوٹے چھوٹے رئیسوں نے اپنی الگ الگ ریاستیں قائم کیں۔ ابن الاحمر نے فردی نند بادشاہ کیسٹل وطلیطلہ سے ابتداً اتحاد قائم کیا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مسلمان رئیسوں کی تباہی میں فردی نند کا شریک کار رہا۔ ادھر بادشاہ برشلونہ نے الگ مسلمانوں پر چڑھائیاں شروع کر رکھی تھی۔ عیسائی اول دو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے پھر ایک کے طرفدار ہو کر دوسرے کو برباد کرا دیتے۔ اس کے بعد پھر اس سے لڑائی چھیڑ دیتے۔ اور دوسرے مسلمان کو اس کے مقابلہ پر آمادہ کر دیتے اور ہمیشہ مسلمانوں کے شہروں اور قلعوں پر قابض ہوتے جاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں فردی نند ثالث کیسٹل (قسطلہ) نے بتاریخ ۲۳ شوال ۶۳۶ھ دارالخلافہ قرطبہ کو فتح کر لیا اور اس عظیم الشان اسلامی شہر کی عظمت و بزرگی کو خاک میں ملا کر اندلس میں عیسائی سلطنت کی بنیاد کو پائیدار و استوار بنا دیا۔ اسی تاریخ سے اندلس میں اسلامی شوکت کا خاتمہ سمجھنا چاہیے۔ ابن الاحمر نے یہ دانائی کا کام کیا کہ فردی نند ثالث سے صلح کر کے اور بعض شہر و قلعے اس کو دے کر اپنی طرف سے عرصہ تک مطمئن رکھا۔ اور اس فرصت میں غرناطہ مالقہ، لارقہ، المیریہ، جیان وغیرہ پر اپنا قبضہ جما لیا اور ایک ایسی مضبوط ریاست جزیرہ نمائے اندلس کے قریباً چوتھائی رقبہ پر قائم کر لی جو آئندہ ڈھائی سو سال تک قائم رہی۔ اب بجائے تمام جزیرہ نمائے اندلس کے صرف جنوبی و مشرقی اندلس میں

اسلامی حکومت محدود رہ گئی اور بجائے قرطبہ کے غرناطہ اسلامی اندلس کا دارالحکومت قرار پایا۔ اس چھوٹی سی اسلامی سلطنت کا رقبہ پچاس ہزار میل مربع یعنی کل جزیرہ نما کا چوتھائی تھا۔ اب ذیل میں سلطنت غرناطہ کے حالات بیان ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اندلس کی اسلامی تاریخ ختم ہو جائے گی۔

(گیارھواں باب)

سلطنت غرناطہ ابن الاحمر

نصر بن یوسف جو ابن الاحمر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس نے ۶۳۲ھ میں اشبیلیہ کے حاکم ابن خالد کو اپنا دوست اور خلیفہ بنا کر غرناطہ اور مالقہ پر قبضہ کیا۔ ۶۴۳ھ میں حاکم المیریہ نے اس کی اطاعت قبول کی۔ اور ۶۶۳ھ میں لارقہ کی رعایا نے بھی اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اب تک فردی تند سے اس کی موافقت تھی۔ لیکن جب تمام مسلمان ریاستیں ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں تو عیسائیوں نے ابن الاحمر کی ریاست کو ہضم کرنا چاہا۔ ابن الاحمر نے یہ عقلمندی کی تھی کہ بنی مرین کے بادشاہ یعقوب عبدالحق سے جو افریقہ و مراقش میں موحدین کے بعد حکمراں تھا، دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ جب کبھی ابن الاحمر کو عیسائیوں کے مقابلہ کی ضرورت پیش آئی یعقوب مرینی کی طرف سے اس کو فوجی امداد پہنچی۔ اس طرح ابن الاحمر نے عیسائیوں کو بار بار شکستیں دے کر بھگایا اور اپنی چھوٹی سی سلطنت کو ان کی دست برد سے بچایا۔ ابن الاحمر نے غرناطہ میں قصر الحمراء کی بنیاد رکھی تھی۔ جو اندلس میں اسلام کی مٹی ہوئی شوکت کے عہد کی ایک عجوبہ روزگار عمارت سمجھی جاتی اور ہفت عجائبات عالم میں شمار ہوتی ہے۔ حالانکہ قرطبہ کے قصر زہرا سے اس کو کوئی نسبت نہ تھی جسے عیسائی وحشیوں نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ ابن الاحمر ایک لڑائی میں عیسائیوں کو شکست دے کر غرناطہ کو واپس آ رہا تھا۔ کہ ۱۵ جمادی الثانی ۶۷۱ھ کو محل کے قریب پہنچ کر اتفاقاً گھوڑے کے ٹھوکر کھانے سے گرا۔ بظاہر کوئی خطرناک زخم نہیں آیا تھا۔ مگر اسی صدمہ سے ۲۹ جمادی الثانی ۶۷۱ھ کو فوت ہوا۔

ابو عبداللہ محمد :

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی وصیت کے موافق بنی مرین سے سلسلہ دوستی جاری رکھا۔ اور نہایت ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ مہمات سلطنت میں مصروف ہوا۔ ۶۷۳ھ میں عیسائیوں نے سلطنت غرناطہ پر چڑھائی کی۔ محمد نے یعقوب بن عبدالحق مرینی سے اعانت طلب کی۔ یعقوب نے فوراً اپنے بیٹے کو مع فوج اندلس روانہ کیا۔ اس کے عقب میں خود بھی روانہ ہوا اور جزیرۃ الخضراء کو ایک باغی امیر سے چھین کر اپنی فوج کا مستقر بنایا۔ محمد نے بھی اپنی طرف سے قلعہ ظریفہ یعقوب کی نذر کیا کہ بادشاہ اپنی فوج چھاؤنی یہاں قائم کرے۔ سلطان محمد اور سلطان یعقوب دونوں مل کر عیسائیوں پر حملہ آور ہوئے۔

۱۵ ربیع الاول ۶۷۲ھ کو ایک سخت لڑائی کے بعد عیسائیوں کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ اس شکست کے بعد عیسائیوں نے دوبارہ پھر فوج کشی کی اور مسلمانوں نے ان کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد ماہ محرم ۶۹۵ھ میں شاہ قسطلہ نے غرناطہ کی سرحد پر فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ سلطان محمد نے یہ خبر سن کر فوراً حملہ کیا اور مقام قجاتہ اور اس کے متعلقات کو جو عیسائیوں کی چھاؤنیاں تھے۔ فتح کر لیا۔ ۶۹۹ھ میں سلطان محمد نے عیسائیوں سے بعض سرحدی قلعوں کو چھین لیا۔ قریباً تیس سال حکومت کر کے ۸ شعبان ۷۰۱ھ کو سلطان محمد نے وفات پائی۔ یہ سلطان محمد فقیہہ کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اس کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔

محمد فقیہہ کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا مخلوع تخت نشین ہوا۔ سلطان محمد فقیہہ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے یعقوب بن عبدالحق کی فوجی چھاؤنی کو اپنے لیے موجب خطر سمجھ کر عیسائیوں کو ابھار دیا اور ان کو امداد پہنچا کر بنی مرین کے قبضے سے نکلوا کر عیسائیوں کا قبضہ کرا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کی ایک ایسی چھاؤنی قائم ہو گئی جس کی وجہ سے حکومت غرناطہ کو کسی بحری راستہ سے امداد پہنچنی دشوار ہو گئی۔

محمد مخلوع:

محمد فقیہہ کے بعد اس کے بیٹے محمد مخلوع نے تخت نشین ہو کر محمد بن محمد حکم لخمی وزیر سلطنت کو تمام اختیارات سلطنت عطا کر دیئے۔ ۷۰۳ھ میں ابوالحاج بن نصر حاکم وادی آش نے علم بغاوت بلند کیا۔ مگر گرفتار و مقتول ہوا۔ ماہ شوال ۷۰۵ھ میں محمد مخلوع نے افریقہ کے قلعہ سوطا کو فتح کیا۔ وزیر السلطنت سے رعایا کے اکثر لوگ ناخوش تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد مخلوع کے بھائی نصر بن محمد کو بغاوت پر آمادہ کیا اور اول وزیر السلطنت کے مکان کو لوٹ کر قصر شاہی پر دھاوا کر دیا۔ محمد مخلوع کو گرفتار و معزول کر کے نصر بن محمد کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔

سلطان نصر بن محمد:

سلطان نصر بن محمد فقیہہ نے تخت نشین ہو کر ابوالحاج مقتول مذکور کے بیٹے نصر کو اپنا وزیر بنایا۔ محمد مخلوع کا عزل اور نصر بن محمد کی تخت نشینی کا واقعہ بروز عید الفطر ۷۰۸ھ وقوع پذیر ہوا تھا۔ ۷۰۹ھ میں بادشاہ قسطلہ نے الجزائر پر حملہ کیا۔ یہ شہر تو فتح نہ ہوا مگر جبل الطارق پر شاہ قسطلہ کا قبضہ ہو گیا۔ اسی سال دوسری طرف شاہ برشلونہ نے المیریہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان نصر کے بچانے کے لیے فوج بھیجی۔ ابھی المیریہ پر سلسلہ جنگ جاری تھا کہ ابوسعید نے جو ابن الاحمر کا بھتیجا اور حاکم مالقہ تھا علم بغاوت بلند کیا۔ ابوسعید کے بیٹے ابوالولید نے المیریہ کو فتح کر کے بلیش کو بھی فتح کر لیا۔ اور اس طرح سلطنت غرناطہ میں

خانہ جنگی شروع ہو کر سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ ناستودہ حالات ابھی رو بہ اصلاح سلطنت نہ ہوئے تھے کہ جمادی الثانی ۷۱۰ھ میں سلطان نصر بیمار ہوا اور زندگی سے نا امیدی ہوئی۔ لوگوں نے سلطان محمد مخلوع کو سلطان نصر کی جگہ تخت نشین کرانا چاہا۔ اتفاقاً سلطان نصر تندرست ہو گیا۔ اس نے سلطان محمد مخلوع کو جواب تک قید تھا قتل کیا۔ ابوسعید اور اس کے بیٹے ابوالولید نے مالقہ کو دارالحکومت بنا کر اپنے مقبوضہ حصہ ملک پر خود مختارانہ حکومت شروع کر دی تھی۔ محرم ۷۱۳ھ میں ابوالولید فوج لے کر دارالسلطنت غرناطہ کے قریب قریۃ العطشاء میں آ کر خیمہ زن ہوا۔ سلطان نصر بھی غرناطہ سے فوج لے کر نکلا۔ ۷۱۳ھ کو سلطان نصر نے ابوالولید سے شکست کھائی۔ اور غرناطہ میں آ کر پناہ لی۔ غرناطہ پہنچ کر صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ ابھی صلح نامہ کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی کہ بعض سرداران غرناطہ نے ابوالولید کو جو مالقہ چلا گیا تھا، جا کر صلح سے روکا اور غرناطہ پر حملہ کی ترغیب دی۔ وہ بعض سرداران غرناطہ کو اپنا ہمدرد پا کر فوراً حملہ پر آمادہ ہو گیا۔ مقام شدونہ کے قریب مالقہ و غرناطہ کی فوجوں کا ایک زبردست مقابلہ ہوا۔ آخر ابوالولید کو فتح حاصل ہوئی۔ اور وہ پاشنہ کوب مفردین کے ساتھ ہی غرناطہ میں داخل ہوا۔ سلطان قصر حمرا میں محصور ہو گیا۔ آخر ۲۱ شوال ۷۱۳ھ کو سلطان نے تخت سلطنت سے دست برداری کی دستاویز ابوالولید کے حق میں لکھ دی۔

ابوالولید:

ابوالولید نے غرناطہ کے تخت پر جلوس کر کے نصر کو وادی آش میں جا کر رہنے کی اجازت دی۔ ابوالولید نے غرناطہ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر بہت ہوشیاری سے امور سلطنت کو انجام دینا شروع کیا۔ عیسائی جو مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے، یہ دیکھ کر کہ اب غرناطہ کے تخت پر پہلے سے زیادہ قابل اور بہادر بادشاہ قابض ہو گیا ہے حملہ آوری کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ شاہ قسطلہ نے ۷۱۶ھ میں سلطنت غرناطہ کے سرحدی مقامات پر حملہ کیا، اور کئی شہروں پر قابض ہو گیا۔ ابوالولید نے بھی سلسلۂ جنگ جاری رکھا اور آخر محرم ۷۱۹ھ میں عیسائیوں کو مار کر نکال دیا۔ اور اپنا تمام علاقہ اس نے خالی کرا لیا۔ ابوالولید کی یہ چیرہ دستی دیکھ کر عیسائیوں نے مذہبی جنگ کا اعلان کر کے تمام عیسائی سرداروں کو مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ کیا۔ پادریوں نے اپنے مواعظ و تقریر سے عیسائی ممالک میں جوش پیدا کر دیا۔ اندلس کے پوپ اعظم نے خاص طور پر اس جہاد میں حصہ لیا۔ شہر طلیطلہ میں عیسائی افواج کا اجتماع ہوا۔ دو لاکھ سے زیادہ جنگ جو عیسائی طلیطلہ میں جمع ہو گئے کہ غرناطہ کی ریاست کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر مسلمانوں کا نام و نشان جزیرہ نمائے اندلس سے مٹا دیں گے۔ اس لشکر عظیم کا سپہ سالار اعظم سلطنت قسطلہ کا ولی عہد بطرہ قرار دیا گیا۔ پوپ کے مختلف ممالک سے پچیس

کے قریب عیسائی سلاطین اس لشکر میں آ کر شریک ہوئے۔ پوپ اعظم نے ہر ایک سردار کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کو برکت دی اور تمام براعظم یورپ میں پادریوں نے دعائیں مانگیں کہ اس مرتبہ اندلس سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دینے میں کامیابی حاصل ہو۔

جنگ البسیرہ:

اس عظیم الشان لشکر اور ایسی حیرت انگیز تیاریوں کا حال سن کر غرناطہ کے مسلمانوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ ابوالولید نے مراقش کے بادشاہ ابوسعید کے پاس پیغام بھیجا کہ یہ وقت مدد کا ہے مگر سلطان مراقش نے کسی قسم کی مدد دینے سے انکار کر دیا یا یہ کہ وہ کوئی مدد نہ دے سکا۔ بہر حال جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو غرناطہ کے مسلمانوں کی عجیب حالت ہوئی۔ ان کی نگاہوں کے سامنے ہلاکت یقینی تھی اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ابوالولید، سلطان غرناطہ زیادہ سے زیادہ جس قدر فوج جمع کر سکا اس کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار تھی۔ یعنی چار ہزار پیادے اور ڈیڑھ ہزار سوار۔ عیسائیوں کے کئی لاکھ لشکر جرار کے مقابلہ میں اس قلیل تعداد کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ مگر خدا پر بھروسہ کر کے اسی مٹھی بھر فوج کو لے کر سلطان غرناطہ ۲۰ ربیع الثانی ۷۱۹ھ کو غرناطہ سے روانہ ہوا۔ سلطان نے اپنے ایک سردار شیخ الغزاۃ نامی کو پانچ سو آدمیوں کا ایک دستہ دے کر بطور ہراول آگے بھیجا۔ اور پانچ ہزار فوج لے کر اس کے پیچھے خود روانہ ہوا۔ راستے بھر امراء لشکر سے مشورے ہوتے رہے کہ ہم کس طرح عیسائیوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ آخر مسلمانوں کے ہراول کا عیسائیوں کے ہراول سے مقابلہ ہوا اور عیسائی ہراول شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد سلطان ابولولید نے مقام البسیرہ کے متصل ایک جھاڑی میں اپنے ایک سردار ابوالجیوش نامی کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ چھپا دیا۔ شیخ الغزاۃ کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ آگے بھیجا اور حکم دیا کہ تم عیسائیوں کے سامنے پہنچ کر پیچھے ہٹنا اور اپنے تعاقب میں ان کو لگائے لانا۔ ابوالجیوش کو یہ ہدایت تھی کہ سوار لے کر سلطان ابوالولید ایک مناسب مقام پر ٹھہر گیا۔ اور باقی فوج کو ایک اور سردار کو دے کر مناسب ہدایات کے ساتھ آہستہ بڑھنے کا حکم دیا۔ شیخ الغزاۃ ۶ جمادی الاول ۷۱۹ھ کو علی الصباح عیسائی لشکر کے سامنے پہنچا۔ عیسائیوں نے اس قلیل جماعت کو دیکھ کر فوراً حملہ کیا۔ شیخ الغزاۃ نے حسب ہدایت پیچھے ہٹنا شروع کیا اور عیسائی لشکر کا سمندر کمزور مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کے شوق میں نہایت جوش وخروش کے ساتھ متحرک ہوا۔ شیخ الغزاۃ پیچھے ہٹتا جاتا تھا۔ اور عیسائی لشکر جوش مسرت میں بڑھا چلا آتا تھا۔ جب ابوالجیوش کے سامنے سے یہ لشکر گزرا تو وہ اپنے ایک ہزار ہمراہیوں کو لے کر شیر نیستان کی طرح جھاڑی سے نکل کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ ابوالجیوش کے حملہ آور ہوتے ہی شیخ الغزاۃ بھی رک کر حملہ آور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ابوالولید بھی تیسری سمت سے اپنے تین سو سواروں کو لے

کرحملہ آور ہوا۔اس کے ساتھ ہی بقیہ فوج نے بھی بڑی بے جگری کے ساتھ حملہ کیا۔ بظاہر یہ حملہ اور ستم اس کئی لاکھ کے لشکر عظیم کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہ رکھتے تھے۔مگر مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر اور زندگیوں سے مایوس ہو کر شوق شہادت میں اس شدت سے حملے کیے تھے۔کہ عیسائی لشکر حواس باختہ ہو کر تاب مقاومت نہ لا سکا اور جدھر جس کا منہ اٹھا بھاگنے لگا۔ایک لاکھ عیسائی میدان جنگ میں کھیت رہے اور باقی اپنی جان بچا کر لے گئے۔غالباً یہ لڑائی جو جنگ البسیرہ کے نام سے مشہور ہے،اپنی نوعیت میں بے نظیر جنگ ہے۔سب سے زیادہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ اس لڑائی میں صرف تیرہ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ایک طرف تیرہ اور دوسری طرف ایک لاکھ آدمیوں کا ہلاک ہونا عجائبات میں سے ہے۔میدان جنگ میں سپہ سالار اعظم بطردو اور پچیس معاونین کی لاشیں بھی موجود تھیں۔سات ہزار قیدیوں میں بطروہ کی بیوی اور بیٹے بھی شریک تھے۔بطروہ کی لاش ایک صندوق میں رکھ کر شہر غرناطہ کے دروازے پر لٹکا دی گئی تھی۔اس شکست فاش سے عیسائیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔اور ان کو معلوم ہوا کہ غرناطہ کی ریاست کا اندلس سے نام ونشان مٹانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔سلطان ابوالولید نے اس فتح پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور عیسائیوں کی درخواست پر ان سے صلح کر کے اپنی سلطنت کے اندرونی انتظام واستحکام میں مصروف ہو گیا اور جب ۷۲۵ھ کو سلطان ابوالولید نے قلعہ مرطاش فتح کیا،اس کے بعد جب سلطان غرناطہ میں واپس آیا تو ۲۷ رجب ۷۲۵ھ کو اس کے بھتیجے نے اس کو دھوکے سے قتل کر دیا۔اراکین سلطنت نے قصاص میں قاتل کو قتل کیا اور سلطان کے بیٹے محمد کو تخت نشین کیا۔

سلطان محمد:

سلطان محمد نے تخت نشین ہو کر ابوالعلاعثمان کو اپنا وزیر بنایا۔وزیر عثمان نے اپنا اقتدار جب حد سے زیادہ بڑھایا اور تخت سلطنت کے لیے مضر ثابت ہونے لگا تو سلطان محمد نے ۷۲۹ھ میں اس کو قتل کرا دیا۔۷۳۳ھ میں سلطان محمد نے جبل الطارق کو عیسائیوں سے خالی کرالیا۔عیسائی اس کے بچانے اور واپس لینے کے لیے بحری وبری فوجوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔مگر ناکام ونامراد رہے۔جبل الطارق سے سلطان محمد غرناطہ کو واپس آ رہا تھا کہ ابوالعلاعثمان کے بیٹوں اور رشتہ داروں نے موقع پا کر سلطان محمد پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا۔سلطان کے ہمراہی اس کی لاش کو مالقہ لائے اور یہیں دفن کر دیا۔

سلطان یوسف :

سلطان محمد مقتول کا بھائی یوسف تخت نشین ہوا۔سلطان یوسف کی عمر تخت نشینی کے وقت صرف سولہ سال کی تھی۔مگر یہ نہایت عقلمند باخدا اور بہادر شخص تھا۔اس نے نہایت قابلیت کے ساتھ سلطنت کو سنبھالا اور اپنے بھائی کے قاتلوں سے انتقام لے کر امور سلطنت کو نہایت عمدگی سے انجام دیا۔عیسائیوں

نے جبل الطارق اور اس کے نواح میں پھر حملہ آوری اور چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ سلطان یوسف نے ابوالحسن مرینی شاہ مراقش کو توجہ دلائی۔ ابوالحسن مرینی نے اپنے بیٹے کو فوج دے کر جبل الطارق کی طرف بھیجا۔ ادھر سے سلطان یوسف بھی پہنچ گیا۔ جنگ ہوئی عیسائیوں نے شکست پائی۔ جب مراقشی لشکر واپس جانے لگا تو عیسائیوں نے دھوکا دے کر ایک سخت حملہ کیا۔ اس میں مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔
۷۴۰ھ میں سلطان ابوالحسن خود ساٹھ ہزار فوج لیکر اندلس آیا۔ ادھر سے سلطان یوسف بھی اس کی امداد اعانت کو پہنچ گیا۔ عیسائیوں نے اسلامی لشکر کی چڑھائی کا حال سن کر پہلے سے خوب تیاری کر لی تھی۔ ظریف کے متصل ایک میدان میں جنگ عظیم برپا ہوئی۔ عیسائیوں کی فوج تعداد و سامان جنگ میں بہت زیادہ تھی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی اور ایک بڑی تعداد نے جام شہادت نوش کیا عیسائیوں نے سلطنت غرناطہ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان ابوالحسن مراقش کو واپس گیا اور یوسف نے غرناطہ میں آ کر پناہ لی۔ اس لڑائی میں بڑے بڑے علماء و زہاد جو شامل لشکر تھے، شہید ہوئے۔ انہیں شہید میں لسان الدین ابن الخطیب کے باپ عبداللہ سلمان بھی تھے۔

۷۴۹ھ میں سلطان یوسف نے لسان الدین ابن الخطیب کو اپنا وزیر اعظم بنایا اور عیسائیوں سے انتقام لینے تیاریوں میں مصروف رہا۔ ۷۵۵ھ میں سلطان یوسف عیسائیوں پر جہاد کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ عید کے روز جبکہ سلطان نماز عید ادا کر رہا تھا، سجدہ کی حالت میں ایک مجہول الاحوال شخص نے نیزہ مار کر سلطان کو شہید کر دیا۔ قصر حمراء میں اس کو دفن کیا گیا۔

سلطان محمد غنی باللہ:

یوسف کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا اور غنی باللہ کا لقب اختیار کیا۔ تخت نشینی کے چند روز بعد سلطان محمد نے لسان الدین ابن الخطیب کو ابوسالم بن ابوالحسن مرینی شاہ مراقش کے پاس بھیجا کہ اس کو عیسائیوں کے خلاف امداد پر آمادہ کرے۔ ابوسالم نے فوج بھیج دی اور عیسائیوں سے معمولی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر کوئی قابل تذکرہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ حاجب السلطنت رضوان نامی اس بادشاہ کے مزاج میں دخیل ہو کر سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمد کے سوتیلے بھائی اسمٰعیل نے ۲۸ رمضان ۷۶۰ھ کو جبکہ سلطان محمد شہر سے باہر جنت العریف میں مقیم تھا۔ قلعہ غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ ۲۹ رمضان کی صبح کو جب سلطان محمد نے سنا کہ شہر و قلعہ پر اسمٰعیل کا قبضہ ہو چکا ہے تو وہ سیدھا وادی آش کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر فوج فراہم کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے شاہ قسطلہ سے خط و کتابت کر کے اس کو اپنی امداد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ابھی عیسائی بادشاہ کی طرف سے کوئی تسکین بخش جواب نہیں ملا تھا کہ سلطان ابوسالم بن ابوالحسن مرینی بادشاہ مراقش کی طرف سے ۱۰ ذی الحجہ ۷۶۰ھ کو ابوالقاسم

ابن شریف بطور سفیر پہنچا اور سلطان محمد سے کہا کہ بادشاہ مراقش کے ساتھ چونکہ آپ کے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں۔لہٰذا ان تعلقات کی بنا پر ابوسالم خواہشمند ہے کہ آپ اس کے یہاں بطور مہمان تشریف لے چلیں۔وہ آپ کی ہر قسم کی امداد کرنے پر آمادہ ہے۔سلطان محمد ۱۱ ذی الحجہ کو وادی آش سے مراقش کی جانب روانہ ہوا۔اور مراقش پہنچ کر عزت وحرمت کے ساتھ سلطان ابوسالم کا مہمان ہوا۔ادھر غرناطہ میں سلطان اسمٰعیل کی حکومت شروع ہوگئی۔

سلطان اسمٰعیل:

سلطان اسمٰعیل نے بھی تخت نشین ہونے کے بعد قسطلہ کے عیسائی بادشاہ سے خط وکتابت کر کے دوستی وصلح کی بنیاد قائم کی۔شاہ قسطلہ چونکہ ان دنوں شاہ برشلونہ کے ساتھ برسر جنگ تھا۔اس نے اس صلح کو بہت غنیمت سمجھا۔مگر ۴ شعبان ۷۶۱ھ کو سلطان اسمٰعیل کے بھائی ابویحییٰ عبداللہ نے سلطان اسمٰعیل اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر کے خود تخت سلطنت پر جلوس کیا۔۲۷ شوال ۷۶۲ھ کو اکیس مہینے کی جلاوطنی کے بعد سلطان محمد سلطان مراقش کی امداد سے اندلس میں آیا اور سلطنت غرناطہ کے علاقہ پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ابویحییٰ عبداللہ نے جب اپنے آپ کو مقابلے میں کمزور پایا تو وہ خود بادشاہ قسطلہ کے پاس امداد طلب کرنے گیا۔بادشاہ قسطلہ نے اس اعانت خواہ و پناہ گزیں کو بتاریخ ۲ رجب ۷۶۳ھ مع تمام ہمراہیوں کے اشبیلیہ کے قریب قتل کرا دیا اور اس کے تمام مال واسباب پر قبضہ کر لیا۔

ادھر سلطان محمد مخلوع نے ۲۰ جمادی الآخر ۷۶۳ھ کو غرناطہ پر قبضہ کر کے تخت سلطنت پر جلوس کیا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ جبل الطارق سلطنت مراقش کے مقبوضات میں شامل تھا۔اور کئی سال سے سلطنت غرناطہ قسطلہ کی عیسائی سلطنت کی باج گزار ہوگئی تھی۔سلطان محمد نے اس مرتبہ غرناطہ پر قابض ہو کر نہایت احتیاط وخوبی کے ساتھ اپنی حالت کو سنبھالنے کی کوشش کی۔حسن اتفاق سے مراقش میں ابوسالم کے فوت ہونے پر اس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ادھر شاہ قسطلہ اور اس کے بھائی میں لڑائیاں ہونے لگیں۔دونوں طرف کی خانہ جنگی سے سلطان محمد نے فائدہ اٹھایا۔ایک طرف تو قلعہ جبل الطارق پر قبضہ کر لیا۔دوسری طرف سلطنت قسطلہ کو خراج دینے سے صاف انکار کر دیا۔یہ واقعہ ۷۷۲ھ کا ہے۔۷۷۲ھ میں جب شاہ قسطلہ کے سفیروں کو کوئی خراج نہیں دیا گیا اور انکاری جواب کے ساتھ واپس لوٹایا گیا تو عیسائیوں سے بجز خاموش رہنے کے اور کچھ نہ ہوسکا۔غرض اس سلطان کے عہد حکومت میں سلطنت غرناطہ کے رعب ووقار نے خوب ترقی کی اور عیسائی اس سے ڈرنے لگے۔

سلطان یوسف ثانی:

۷۹۳ھ میں سلطان محمد فوت ہوا اور اس کا بیٹا یوسف ثانی تخت نشین ہوا۔یہ صلح پسند اور عقل

مند شخص تھا اس نے بادشاہ قسطلہ سے قیام صلح کے لیے عہد نامہ مکمل کیا۔ یوسف ثانی کے چار بیٹے یوسف، محمد، علی اور احمد تھے ان میں محمد سب سے زیادہ چالاک اور ہوشیار تھے۔

سلطان محمد ہفتم:

۷۹۸ھ میں یوسف ثانی فوت ہوا تو محمد اپنے بڑے بھائی یوسف کو محروم کر کے خود تخت نشین ہو گیا۔ اس خاندان میں محمد نام کے بہت سے شخص ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس محمد بن یوسف ثانی کو محمد ہفتم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ محمد ہفتم کی تخت نشینی کے چند روز بعد عیسائیوں سے پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں نے اس سلسلہ جنگ میں عیسائیوں کو شکستیں دے کر سلطنت قسطلہ کے بعض مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہیں ایام میں بادشاہ قسطلہ فوت ہوا اور اس نے اپنا ایک شیر خوار بچہ جان نامی چھوڑا۔ اسی شیر خوار کو تخت سلطنت پر بٹھا کر اس کے چچا فردی نند نے مہمات سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ فردی نند نے بھی سلسلہ جنگ کو جاری رکھا۔ چونکہ عیسائیوں کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی، اس لیے محمد ہفتم نے عیسائی افواج کو محاذ جنگ پر مصروف رکھ کر اپنی فوج کے ایک حصہ سے شہر جیان کی طرف حملہ کیا۔ اس ترکیب سے عیسائیوں کو اپنی افواج اس طرف منتقل کرنا پڑیں اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ فردی نند نے مجبور ہو کر درخواست صلح پیش کی جو محمد ہفتم نے منظور کر لی۔ اس طرح اس سلسلہ جنگ کا خاتمہ ہوا۔ ۸۰۳ھ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے لشکروں میں پھر ایک عظیم برپا ہوئی۔ اس لڑائی میں غالب ومغلوب کا کوئی اندازہ نہ کر سکا۔ آخر عیسائیوں نے پھر صلح چاہی اور آٹھ مہینے کے لیے وقتی صلح ہو گئی۔ ابھی مدت پوری نہ ہونے پائی تھی۔ کہ سلطان محمد ہفتم نے بیمار ہو کر وفات پائی اور اس کا بھائی یوسف ثالث جو نظر بند تھا تخت نشین ہوا۔

سلطان یوسف ثالث:

یوسف ثالث نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے ایک سردار عبداللہ کو فردی نند کے پاس بھیج کر مدت صلح کو دو سال تک کے لیے وسیع کرا لیا۔ جب یہ دو سال کی مدت ختم ہونے لگی تو سلطان یوسف ثالث نے اپنے بھائی علی کو شاہ قسطلہ کے پاس بطور سفیر بھیج کر مدت صلح میں اور توسیع چاہی۔ عیسائیوں نے سلطان کی اس صلح جوئی کو کمزوری پر محمول کر کے کہا کہ اگر تمہارا سلطان ہم کو خراج دینا قبول کر لے تو ہم اس درخواست کو منظور کر سکتے ہیں۔ علی نے عیسائیوں کی اس درخواست کو نامنظور کر کے غرناطہ کی جانب مراجعت کی۔ اس کے بعد فردی نند نے فوج گراں لے کر حدود سلطنت غرناطہ پر حملہ کیا۔ نہایت سخت وشدید جنگ ہوئی اور ایک حصہ سلطنت غرناطہ کا عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ابھی یہ لڑائی ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ سلطنت فاس (مراقش) کے ایک لشکر نے اپنے شہزادہ ابوسعید کی قیادت میں قلعہ جبل

الطارق پر حملہ کیا۔ اس حملہ کا حال سن کر سلطان یوسف ثالث نے اپنے بھائی احمد کو فوج دے کر جبل الطارق کے بچانے کو روانہ کیا۔ وہاں دونوں شہزادوں میں صلح ہوگئی۔ اور ابوسعید شہزادہ احمد کے ساتھ بطور مہمان غرناطہ چلا آیا۔ مراقش کے بادشاہ نے جو شہزادہ ابوسعید کا بڑا بھائی تھا، یوسف ثالث کو لکھا کہ کسی طرح ابوسعید کو وہیں قتل کرادو۔ یوسف ثالث نے ابوسعید کو اس کے بھائی کا خط دکھایا اور اس کو بتایا کہ تمہارے بھائی نے تم کو قتل کرانے کے لیے جبل الطارق پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابوسعید نے ۸۲۰ھ میں سلطان یوسف ثالث سے مدد لے کر اور اندلس ہی میں ہر قسم کا سامان مہیا کر کے مراقش پر حملہ کیا اور اپنے بھائی کو بے دخل کر کے خود تخت نشین ہوا اور اپنے محسن سلطان یوسف ثالث کا شکریہ ادا کیا۔

اسی سال یعنی ۸۲۰ھ میں جان بادشاہ قسطلہ نے بالغ ہو کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے چچا فردی نند کو معزول کر دیا، اور اپنی ماں کے مشورے کے موافق یوسف ثانی سے صلح قائم کر لی۔ یوسف ثالث اس قدر منصف مزاج اور عادل شخص تھا کہ اکثر عیسائی سردار اپنے آپس کے نزاعوں میں یوسف ثالث ہی کو حکم قرار دیتے۔ اور اس کے فیصلے کو بخوشی قبول کر لیتے تھے۔ سلطان یوسف ثالث نے ۸۲۳ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد ہشتم تخت نشین ہوا۔

سلطان محمد ہشتم نے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت قسطلہ اور سلطنت مراقش دونوں سے صلح و دوستی کے عہد ناموں کی تجدید کیا اور امیر یوسف کو جس کے بزرگ غرناطہ کے قاضی ہوتے آئے تھے، اپنا وزیر اعظم بنایا۔ یہ وزیر بڑا لائق شخص تھا۔ مگر محمد ہشتم نے نااہلوں کی صحبت اور سفلہ پروری اختیار کی جس سے رعایائے غرناطہ بہت بددل ہوئی۔ آخر محمد نہم نے موقع پا کر غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ محمد ہشتم غرناطہ سے بھاگ کر اور ایک غریب ملاح کی شکل بنا کر ابوالفارس بادشاہِ تونس کے پاس چلا گیا۔ ابو الفارس نے اس کو عزت و تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور مدد دینے کا بھی وعدہ کیا۔

سلطان محمد نہم:

سلطان محمد نہم نے تخت نشین ہو کر امراء کو اپنا طرف دار بنایا مگر اس نے یہ غلطی کی کہ وہ وزیر یوسف کو اپنا مخالف بنا لیا اور اس کی تخریب کے درپے ہوا۔ وزیر یوسف غرناطہ سے پندرہ سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر مرسیہ بھاگ آیا اور یہاں سے خط و کتابت کے ذریعہ بادشاہ قسطلہ سے اجازت لے کر اس کے پاس چلا گیا اور بادشاہ قسطلہ مسمی جان کو محمد ہشتم کی امداد پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کا بہت اچھا موقع پایا اور کہا کہ اپنے ہمراہیوں میں سے بااثر اشخاص کا ایک وفد بادشاہ تونس کے پاس بھیجو اور اس کو بھی امداد پر آمادہ کرو۔ چنانچہ وفد گیا اور ابوالفارس بادشاہ تونس نے پانچ سو سوار اور ایک معقول رقم بطور امداد دے کر اپنے جہازوں میں سوار کرا کر محمد ہشتم کو اندلس

کی طرف روانہ کر دیا۔ جب سلطان محمد ہشتم اندلس کے ساحل پر اترا تو وزیر یوسف کی کوشش سے صوبہ المیریہ کے باشندوں نے اس کی امداد کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ محمد نہم نے محمد ہشتم کے آنے کی خبر سن کر اس کے مقابلہ کو فوج بھیجی۔ مگر جب یہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پہنچیں تو یوسف کی کوشش سے محمد نہم کی فوج کا بڑا حصہ محمد ہشتم کی فوج سے آملا۔ اس طرح باقی لوگ بھاگ کر غرناطہ آئے۔ محمد ہشتم غرناطہ کی طرف بڑھا اور ۸۳۳ھ میں غرناطہ کو فتح کر کے محمد نہم کو گرفتار و قتل کیا اور خود تخت نشین ہوا۔

محمد ہشتم نے دوبارہ سلطنت حاصل کرنے کے بعد اپنے وزیر یوسف کی رائے کے موافق اپنے طرز عمل کو تبدیل کر دیا اور رعایا کی دل جوئی میں مصروف ہوا۔ اب عیسائی بادشاہ قسطلہ کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے لیے محمد ہشتم نے چاہا کہ اس سے دوامی صلح ہو جائے۔ لیکن عیسائی بادشاہ نے کہا کہ تم ہم کو خراج دینا قبول کرو تو دوامی صلح ہو سکتی ہے۔ اس کو محمد ہشتم نے نامنظور کیا۔ مگر چونکہ شاہ قسطلہ کو بھی بعض اندرونی پیچیدگیوں کی وجہ سے اطمینان حاصل نہ تھا۔ لہٰذا کوئی فتنہ و برپا نہ ہوا۔ چند روز کے بعد شاہ قسطلہ نے حملہ کیا۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں کبھی مسلمانوں کو کبھی عیسائیوں کو کامیابی ہوئی۔ ابھی یہ سلسلہ لڑائیوں کا جاری ہی تھا۔ کہ محمد ہشتم کے ایک رشتہ دار یوسف ابن الاحمر نے علم بغاوت بلند کر کے اس بات کا اقرار کیا کہ اگر آپ کی مدد سے میں سلطنت غرناطہ پر قابض و مسلط ہو گیا تو سالانہ خراج بلا چون و چرا ادا کیا کروں گا اور ضرورت کے وقت اپنی فوج سے آپ کا مددگار رہوں گا۔ عیسائیوں نے اس کو تائید غیبی سمجھا اور شاہ قسطلہ نے فوراً اپنی فوجیں مقام البیرہ میں یوسف کی مدد کے لیے بھیج دیں۔ یہاں ہشم نے حملہ کیا اور جنگ عظیم برپا ہوئی، بادشاہ قسطلہ بھی اس جنگ میں خود موجود تھا۔ آخر طرفین سے بہت سے آدمی کام آئے اور غالب و مغلوب کا فیصلہ ہوئے بغیر شاہ قسطلہ یوسف بن الاحمر کو لیے ہوئے قرطبہ کی جانب اور محمد ہشتم غرناطہ کی جانب چلا گیا۔

شاہ قسطلہ نے قرطبہ میں دربار عام منعقد کر کے یوسف ابن الاحمر کو بادشاہ غرناطہ بنایا اور اس کو ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد یوسف کو فوج دے کر رخصت کیا کہ غرناطہ کی سلطنت پر قبضہ کر لے یوسف نے فرماں برداری کا اقرار کیا اور روانہ ہو کر حدود سلطنت غرناطہ میں عیسائیوں کی مدد سے لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ عیسائیوں کو اب ہر قسم کا اطمینان تھا۔ کیوں کہ دونوں مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ آزما ہو گئے تھے اور وہ دور سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ سلطان محمد ہشتم نے اپنے دوسرے وزیر یوسف کو یوسف ابن الاحمر کی سرکوبی پر مامور کیا۔ ۸۳۹ھ میں وزیر یوسف ایک لڑائی میں یوسف ابن الاحمر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ خبر جب غرناطہ میں پہنچی تو وہاں کی رعایا میں سخت بے چینی پیدا ہوئی اور محمد ہشتم کے خلاف رائے زنی ہونے لگی۔ محمد ہشتم یہ رنگ دیکھ کر قصر حمراء کا تمام خزانہ ہمراہ لے کر غرناطہ سے مالقہ کی طرف چلا گیا۔

یوسف بن الاحمر :

اس کے بعد ہی یوسف بن الاحمر غرناطہ پر آ کر قابض و متصرف ہو گیا۔ غرناطہ میں تخت نشینی کی رسم ادا کر کے بادشاہ قسطلہ کو اقرار فرماں برداری کا عریضہ بھیجا اور محمد ہشتم کی گرفتاری کے لیے مالقہ کی جانب فوج روانہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ ابھی مالقہ کی جانب فوج روانہ نہ کر سکا تھا کہ چھ مہینے کی بادشاہت کے بعد یوسف بن الاحمر فوت ہو گیا۔

اس کے بعد محمد ہشتم اس کے مرنے کی خبر سنتے ہی مالقہ سے غرناطہ میں آ کر تیسری مرتبہ تخت نشین ہوا۔ امیر عبدالحق کو اپنا وزیر اور امیر عبدالبر کو اپنا سپہ سالار بنایا۔ عیسائیوں نے پھر فوج کشی کی اور سپہ سالار غرناطہ نے ان کو شکست دے کر واپس بھگا دیا۔ اس شکست سے عیسائیوں کی ہمت پست ہو گئی اور غرناطہ کی اسلامی سلطنت کا رعب پھر قائم ہو گیا۔ افسوس کہ اس کامیابی کے بعد جبکہ مسلمانوں کو اپنی طاقت بڑھانے اور اپنی حالت سدھارنے کا موقع حاصل تھا، پھر خانہ جنگی کے سامان پیدا ہو گئے۔
سلطان محمد ہشتم کا ایک بھتیجا ابن عثمان المیریا کا حاکم مقرر تھا۔ اس نے اپنے چچا کے خلاف غرناطہ کی رعایا کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ غرناطہ میں لوگ میری طرف داری کریں گے تو فوراً غرناطہ میں آ کر اور باغیوں کا سردار بن کر قصر الحمراء پر قابض ہو گیا اور محمد ہشتم کو تیسری مرتبہ تخت سے اتار کر قید کر دیا۔ امیر عبدالبر سپہ سالار نے غرناطہ بھاگ کر ہواخواہوں کو جمع کیا اور سلطان محمد ہشتم کی رہائی کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ اگر میں سلطان محمد ہشتم کی رہائی کے مطالبہ کا اعلان کروں گا تو ممکن ہے کہ ابن عثمان جو غرناطہ میں تخت نشین ہو چکا ہے، محمد ہشتم کو قتل کر دے۔ لہٰذا اس نے محمد ہشتم کے دوسرے بھتیجے ابن اسمٰعیل کو اپنا شریک کار بنانے اور سلطنت کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دی۔ ابن اسمٰعیل فوراً رضامند ہو گیا اور بادشاہ قسطلہ سے خط و کتابت کرنے اور اجازت لینے کے بعد عبدالبر سے آ ملا۔
عیسائیوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ ایک طرف ابن اسمٰعیل نے اور دوسری طرف شاہ قسطلہ نے سلطان ابن عثمان کی حدود پر فوج کشی شروع کی۔ یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ ۸۵۲ھ میں شاہ ارغون اور شاہ اربونیہ (دونوں عیسائی تھے) نے شاہ قسطلہ کے خلاف فوج کشی شروع کی۔ اس طرح شاہ قسطلہ اپنی مصیبت میں گرفتار ہوا اور مسلمانوں کی طرف سے فوجیں ہٹا لیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن اسمٰعیل بھی اپنے حریف شاہ قسطلہ کے خانہ جنگی سے فارغ ہونے تک خاموش رہا۔ سلطان ابن عثمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ شاہ ارغون اور شاہ اربونیہ سلطنت قسطلہ کے خلاف متحد ہو گئے ہیں تو اس نے اپنے سفیر ان دونوں عیسائی بادشاہوں کے پاس بھیج کر ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے اور وعدہ کیا کہ جب تم قسطلہ پر حملہ آور ہو گے تو میں بھی تمہارے مقصد کی کامیابی کے لیے ادھر سے حملہ آور ہوں گا۔ چنانچہ

۸۵۴ھ میں سلطان ابن عثمان نے قسطلہ کی سلطنت پر حملہ کیا اور صوبہ مرسیہ کو تاخت و تاراج کرتا اور قسطلہ کی فوجوں کو دور تک بھگاتا ہوا بہت سے مال غنیمت کے ساتھ غرناطہ واپس آیا۔ اگلے سال سلطان ابن عثمان نے صوبہ اندلوسیہ پر حملہ کیا اور مرسیہ کی طرح اس صوبہ کو بھی خوب تباہ و برباد کرتا رہا۔ اگر سلطان ابن عثمان چاہتا تو قرطبہ پر قبضہ کر سکتا تھا۔ مگر اس نے قرطبہ کی طرف التفات نہ کیا۔ ۸۵۸ھ تک اربونیہ و ارغون کی مخالفت سلطنت قسطلہ سے جاری رہی اور ابن عثمان بھی ان دونوں اول الذکر عیسائی سلطنتوں کی امداد کرتا رہا۔ شاہ قسطلہ کی صلح ہوگئی تو اس نے ابن اسمٰعیل کو جوان ایام میں سرحد قسطلہ پر خاموش و منتظر تھا، فوج دے کر ۸۵۹ھ میں ابن عثمان پر حملہ آور کرایا۔ ابن اسمٰعیل کو چونکہ اکثر مسلمان امراء کی ہمدردی حاصل تھی۔ اس لیے اس کے مقابلے میں ابن عثمان کو شکست ہوئی۔ وہ مع چند ہمراہیوں کے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا اور ابن اسمٰعیل غرناطہ میں آ کر تخت نشین ہوا۔

سلطان ابن اسمٰعیل:

ابن اسمٰعیل کی تخت نشینی کے چند ہی روز بعد شاہ قسطلہ جان کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ ابن اسمٰعیل کی تخت نشینی کے بعد چونکہ قسطلہ کا بادشاہ جان فوت ہو چکا تھا۔ اس کے بیٹوں، پوتوں نے برسر اقتدار ہو کر ابن اسمٰعیل کے ساتھ پھر سلسلہ جنگ شروع کر دیا۔ ان لڑائیوں میں سلطان ابن اسمٰعیل کے بیٹے ابوالحسن نے بڑی ناموری حاصل کی۔ ۸۷۰ھ میں ابن اسمٰعیل نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ابوالحسن تخت نشین ہوا۔

سلطان ابوالحسن:

سلطان ابوالحسن چونکہ ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اس لیے تخت نشین ہو کر اس نے عیسائیوں کے ساتھ لڑائیوں کے سلسلہ کو بحسن و خوبی جاری رکھا۔ چند روم کے بعد مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا یہ عجیب سامان ہوا کہ سلطنت قسطلہ کے نوجوان بادشاہ فردی نند کی شادی سلطنت ارغون کی شہزادی ازبیلا کے ساتھ ہوئی اور اس شادی کے ساتھ ہی ارغون کی سلطنت قسطلہ سلطنت میں مل کر ایک بہت ہی زبردست عیسائی سلطنت بن گئی۔ فردی نند اور ازبیلا دونوں بیحد متعصب اور پادری مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لیے انہوں نے مل کر اس بات کا تہیہ کیا کہ جزیرہ نمائے اندلس سے اسلامی سلطنت کا نام و نشان مٹا دینا چاہیے۔ اور اس جزیرہ نما میں ایک بھی مسلمان قسم کھانے کو زندہ نہ چھوڑنا چاہیے۔ ادھر فردی نند اور ازبیلا میں یہ قرارداد ہو رہی تھی۔ ادھر سلطان ابوالحسن نے مصلحت وقت سمجھ کر اس عیسائی سلطنت کے ساتھ صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ چنانچہ فردی نند نے ۹۸۰ھ میں سلطان ابوالحسن کو لکھا کہ اگر تم صلح کے خواہاں ہو تو بلا عذر ہم کو خراج دینا منظور کرو۔ ابوالحسن کی جگہ اگر کوئی دوسرا سلطان غرناطہ کے

موجودہ تخت پر ہوتا تو وہ شاید ایسا سخت جواب نہ دے سکتا۔ مگر ابوالحسن نے فردی نند کو لکھا کہ غرناطہ کے دارالضرب میں اب بجائے سونے کے سکوں کے فولادی شمشیریں تیار ہوتی ہیں تاکہ عیسائیوں کی گردنیں اڑائی جائیں۔ اس جوانمردانہ جواب نے چندروز کے لیے فردی نند کو مبہوت و مرعوب بنادیا اور بظاہر کئی سال تک سلسلۂ جنگ ملتوی رہا۔ سلطان ابوالحسن نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ہم اس ملک میں آزاد و خودمختار رہیں گے اور عیسائیوں کا محکوم بننے کے عوض موت کو ترجیح دیں گے۔ فردی نند اور ازبیلا جو دونوں مل کر فرائض و فرماں روائی ادا کرتے تھے، تیاری میں مصروف رہے۔

عیسائی تیاریوں کا حال سن کر ابوالحسن نے خود ہی ۸۸۶ھ میں سلطنت قسطلہ کے قلعہ صخرہ پر جو دریائے وادی الکبیر کے کنارے نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ اور فردی نند کے دادا نے مسلمانوں سے فتح کیا تھا، حملہ کیا اور ایک ہی شب کے محاصرہ کے بعد، بجبر و قہر عیسائیوں سے چھین لیا۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت سلطان ابوالحسن غرناطہ تخت نشین ہوا ہے تو سلطنت غرناطہ کا رقبہ سمٹ کر صرف چار ہزار میل مربع یا اس سے کم رہ گیا تھا اور سلطنت قسطلہ کا رقبہ اس وقت وسیع ہو کر سوا لاکھ میل مربع سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ فردی نند کو قلعہ صخرہ کے نکل جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ اور اس نے سلطنت غرناطہ کے قلعہ الحمہ پر دھوکے سے حملہ کیا چونکہ اس قلعہ کی حفاظت کے لیے کوئی فوج اس وقت وہاں موجود نہ تھی، لہٰذا معمولی کوشش کے بعد عیسائیوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ مسلمانوں نے قلعہ صخرہ کو فتح کر کے وہاں کے غیر مصافی عیسائیوں کو کسی قسم کا کوئی آزار نہیں پہنچایا۔ لیکن عیسائیوں نے الحمہ پر قابض ہو کر وہاں کی تمام مسلمان رعایا کو بلا امتیاز و مروت تیغ کردیا۔ فردی نند نے الحمہ پر دس ہزار عیسائی فوج حفاظت کے لیے چھوڑ دی اور خود واپس چلا گیا۔ غرناطہ میں جب الحمہ کے قتل عام کی خبر پہنچی تو تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ سلطان ابوالحسن نے ایک عرب سردار کو اس قلعہ کے واپس لینے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے جاتے ہی قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ فردی نند کا ایک سردار یعنی حاکم قرطبہ فوج لے کر قرطبہ قلعہ الحمہ کو بچائے۔ یہ خبر سن کر عرب سردار نے اپنی فوج کا ایک حصہ قلعہ کے محاصرہ پر چھوڑا اور ایک حصہ حاکم قرطبہ کے مقابلے کو بھیجا۔ راستے میں لڑائی ہوئی اور حاکم قرطبہ شکست کھا کر بھاگا۔ ٹھیک اسی وقت دوسری طرف سے حاکم اشبیلیہ یعنی دوسرا عیسائی سردار ایک زبردست فوج لے کر نمودار ہوا۔ چونکہ قلعہ کے محاصرہ پر بہت ہی تھوڑی سی فوج باقی تھی اس لیے مصلحت وقت سمجھ کر مسلمانوں کی فوج غرناطہ کو واپس چلی آئی اور یہ قلعہ قبضہ میں نہ آسکا قلعہ الحمہ نہایت زبردست اور غرناطہ کے قریب کا قلعہ تھا اس لیے اس کا عیسائیوں کے قبضہ میں چلا جانا بے حد خطرناک تھا۔

ماہ جمادی الاول ۸۸۷ھ میں سلطان ابوالحسن کے پاس خبر پہنچی کہ فردی نند اپنی پوری فوج کے ساتھ غرناطہ کی طرف روانہ ہوا ہے۔ ادھر سے سلطان ابوالحسن بھی غرناطہ سے مع فوج روانہ ہوا۔

سلطنت غرناطہ کی سرحد پر مقام لوشہ کے قریب ۲۷ جمادی الاول ۸۸۷ھ کو ایک زبردست جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں فردی نند کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ اور لشکر اسلام کے ہاتھ بے حد مال غنیمت آیا۔ ادھر میدان لوشہ میں سلطان ابوالحسن اپنے حریف فردی نند کو شکست فاش دے کر بھگا رہا تھا ادھر غرناطہ میں سلطان کا بیٹا ابوعبداللہ محمد باپ کے خلاف سازش میں مصروف عمل تھا۔

اس فتح کے بعد سلطان ابوالحسن عیسائیوں کو مار مار کر بھگانے اور اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہونا چاہتا تھا کہ اسکے پاس وہیں خبر پہنچی کہ شہزادہ ابوعبداللہ محمد نے المیریہ، بسطہ اور غرناطہ پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ سلطان مجبوراً مالقہ میں یعنی نصف مغربی حصہ میں سلطان ابوالحسن کی حکومت باقی رہی۔ اس چھوٹی سی اسلامی حکومت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھ کر ایک طرف عیسائیوں کے دہان حرص میں پانی بھر آیا دوسری طرف باغی شہزادے ابوعبداللہ محمد نے سلطنت کا باقی نصف حصہ بھی باپ سے چھین لینے کی تیاریاں کیں۔ چنانچہ اول اشبیلیہ، استجہ، اور سریش کے عیسائی صوبہ داروں نے فوج فراہم کر کے سلطان ابوالحسن پر مالقہ میں حملہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی اور اشبیلیہ اور سریش کے حاکم مع دو ہزار سواروں کے گرفتار ہوئے۔ باقی میدان جنگ میں مقتول یا مفرور ہوئے۔ ادھر سلطان ابوالحسن ان عیسائیوں سے لڑنے کے لیے مالقہ سے روانہ ہوا تھا، ادھر اس کا بیٹا فوج لے کر مالقہ پر قبضہ کرنے کے لیے پہنچ گیا تھا۔ جب سلطان میدان جنگ سے فتح مند ہو کر واپس ہوا تو بیٹے سے مقابلہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں بھی سلطان ابوالحسن کو فتح حاصل ہوئی اور ابوعبداللہ محمد شکست کھا کر غرناطہ کی طرف بھاگ کھڑا۔ سلطان ابوالحسن اپنے بیٹے ابوعبداللہ محمد کو بھگا کر مالقہ میں داخل ہوا تو اس پر فالج کا حملہ ہوا اور اس کی بصارت جاتی رہی۔ ادھر عبداللہ محمد نے باپ کی طرف سے مطمئن ہو کر اور فوج فراہم کر کے عیسائیوں کے علاقہ پر حملہ کیا۔ مقام لوشیہ میں پہنچ کر فوج کو تاخت و تاراج میں مصروف کر دیا۔ وہاں کی عیسائی فوج کے سردار نے اس ناتجربہ کار مسلمان کو دھوکا دیا اور اپنی فوج کو لیے ہوئے الگ کمین گاہ میں منتظر بیٹھا رہا۔ جب ابوعبداللہ مع مال غنیمت واپس ہونے لگا تو اس نے ایک درہ کوہ میں راستہ روک کر اور چاروں طرف سے گھیر کر تمام اسلامی لشکر کو قتل اور ابوعبداللہ کو گرفتار کیا۔ بعد گرفتاری ابوعبداللہ محمد کو شاہ قسطلہ کے پاس بھیج دیا۔ یہ خبر سن کر باشندگان غرناطہ سلطان ابوالحسن کے پاس مالقہ پہنچے اور غرناطہ آنے کی درخواست کی۔ سلطان نے اپنی بیماری اور معذوری کی وجہ سے انکار کیا اور اپنے بھائی ابوعبداللہ زغل کو اپنی جگہ غرناطہ کے تخت پر جلوس کرنے کا حکم دیا اور خود تخت و سلطنت سے علیحدگی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

سلطان ابوعبداللہ زغل :

سلطان ابوعبداللہ زغل نے تخت نشین ہو کر ملک کا بندوبست شروع کیا۔ مگر عیسائیوں کے ایک

عظیم الشان لشکر نے صوبہ مالقہ پر حملہ کیا اور جو قلعے غیر محفوظ اور بے انتظام تھے ان پر بآسانی قابض ہو گئے۔ آخر قلعہ بقوان کا محاصرہ کیا۔ اور اپنی شدید گولہ باری سے قلعہ کی ایک دیوار گرادی۔ مسلمانوں نے جو بہت تھوڑی تعداد میں قلعہ کے اندر محصور تھے بڑی ہمت اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا عیسائیوں کی ایک عظیم الشان تعداد کو کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر ایک ایک کر کے سب شہید ہوئے اور یہ قلعہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ماہ جمادی الاول ۸۹۰ھ کو سلطان زغل غرناطہ سے سرحدی انتظام کے لیے روانہ ہوا۔ ابھی یہ غرناطہ کے متصل قلعہ مثلین کے انتظام میں مصروف اور قلعہ سے باہر ایک میدان میں خیمہ زن تھا کہ عیسائیوں کے ایک لشکر عظیم نے بالکل غیر مترقبہ طور پر حملہ کیا اور یکا یک آ کر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا چونکہ اس حملہ کا وہم وگماں بھی نہ تھا اس لیے مسلمانوں کی جمعیت میں سخت پریشانی ہوئی۔ عیسائیوں نے قتل کرتے ہوئے بڑھنا شروع کیا اور سلطان زغل کے خیمے کے قریب پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے اپنے سلطان کو خطرے کی حالت دیکھ کر اپنے آپ کو سنبھالا اور پوری ہمت کے ساتھ عیسائیوں پر حملہ آور ہوئے۔ بہت جلد لڑائی کا نقشہ بدل دیا۔ عیسائی بدحواس ہو کر بھاگے اور ہزار ہا لاشیں اس میدان میں چھوڑ گئے۔ ساتھ ہی عیسائیوں کا پورا توپ خانہ جو ان کے ساتھ تھا مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ ان حملہ آور عیسائیوں کے پیچھے بادشاہ فردی نند خود بھی ایک لشکر عظیم لیے ہوئے آ رہا تھا۔ ان مفروروں کو راستے میں روک کر حالات معلوم کیے اور آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ سلطان زغل نے انہیں توپوں کو جو عیسائیوں سے چھینی ہیں، قلعہ مثلین پر چڑھا کر اس کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ اور مدافعت کے لیے ہر طرح تیار ہے۔ یہ سن کر فردی نند کی ہمت نہ پڑی، واپس چلا گیا اور دوسرے قلعوں کو جو غیر محفوظ تھے، فتح کرتا اور اسلامی مقبوضات کو مختصر اور تنگ کرنے میں مصروف رہا۔

فردی نند کو باوجود کامیابیوں کے اس بات کا کامل یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی حکومت کا استیصال کوئی آسان کام نہیں ہے اور اگرچہ اسلامی ریاست کا رقبہ بہت ہی محدود و مختصر رہ گیا ہے تاہم اگر مسلمان متحد و متفق ہو کر شمشیر بکف ہو جائیں گے تو ان کے لیے جزیرہ نمائے اندلس کا فتح کر لینا کچھ دشوار نہ ہوگا۔ جیسا کہ طارق و موسیٰ کے زمانے میں مٹھی بھر مسلمانوں نے عیسائی سلطنت کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیا تھا۔ فردی نند کی اس مآل اندیشی اور دانائی نے اس کو چند روز کے لیے جنگی سرگرمیوں سے روک دیا۔ اور اس نے فریب و دغا سے کام لینا مناسب سمجھا۔ اس کے پاس ابوعبداللہ محمد بن ابوالحسن و جنگ نوشینہ میں گرفتار ہو کر آیا تھا، موجود تھا۔

اس نے ابوعبداللہ محمد کو اپنے سامنے بلوا کر بڑی محبت و ہمدردی اور دل سوزی کی باتیں کیں۔ کہا کہ سلطنت غرناطہ کے اصل وارث و حق دار تو تم ہو۔ تمہارے چچا زغل نے غاصبانہ طور پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ زغل کو بے دخل کر کے تم خود سلطنت غرناطہ پر قابض و متصرف ہو۔ اس کام

میں تم کو جس قسم کی ضرورت پیش آئے، میں امداد کو موجود ہوں۔ یہ بھی کہا کہ میری عین خواہش یہ ہے کہ میری ہمسایہ اسلامی سلطنت اچھی حالت میں رہے اور ہمارے درمیان کبھی جنگ و پیکار کی نوبت نہ آئے۔ غرض ابو عبداللہ محمد کو خوب سبز باغ دکھا کر اور یہ وعدہ دے کر کہ جس قدر رعایا اور شہر تیرے قبضے میں آجائیں گے میں ان کو ہرگز کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ مگر زغل کے قبضے میں جو ملک وشہر ہوگا۔ وہ اس سے ضرور چھین لینے کی کوشش کروں گا کیونکہ زغل سے مجھ کو کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ابو عبداللہ محمد فردی نند سے رخصت ہو کر سیدھا مالقہ میں آیا اور یہاں کے لوگوں کو فردی نند کے عہد و مواثیق سے مطلع کر کے اپنی فرماں برداری کی درخواست کی۔ مالقہ والوں نے یہ سمجھ کر کہ ہم ابو عبداللہ محمد کو اگر اپنا سلطان تسلیم کرلیں گے تو عیسائیوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں گے، فوراً اس کو اپنا تسلیم کرلیا۔ اس کے بعد ابو عبداللہ محمد نے اپنے قبضے کو وسیع کرنا شروع کیا۔ زغل نے اس بغاوت کے فرو کرنے کی کوشش کی مگر ان عیسائیوں نے جو ابھی تک اسلامی ملک میں آباد اور مقام بیزین میں سب سے زیادہ موجود تھے۔ ابو عبداللہ کی حمایت و اعانت میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ آخر ایک نہایت اہم مقام لوشہ کو ابو عبداللہ نے اپنے چچا زغل سے طلب کیا کہ لوشہ کی حکومت مجھ کو سپرد کر دو تو میں آپ کے ساتھ مل کر فردی نند پر حملہ کروں گا۔ زغل نے اپنی رعایا کے اکثر افراد اور بعض سرداروں کو اس طرف متوجہ دیکھ کر لوشہ عبداللہ کو دے دیا۔ ادھر ابو عبداللہ نے لوشہ پر قبضہ کیا ادھر فردی نند نے مع فوج لوشہ کی طرف کوچ کیا۔ ابو عبداللہ نے فردی نند کا استقبال کیا اور لوشہ پر اس کا قبضہ کرا کر بماہ جمادی الثانی ۸۹۱ھ قلعہ البیرہ، مثلین اور صحرہ کے محاصرہ کو روانہ ہوا۔ ان قلعوں پر بھی ابو عبداللہ محمد نے عیسائی افواج کی مدد سے قبضہ کر کے فردی نند کو دے دیا اور سلطنت غرناطہ کا ایک بڑا اہم اور قیمتی حصہ جس کا فتح کرنا فردی نند کے لیے بے حد دشوار تھا ابو عبداللہ محمد کی وجہ سے قبضہ بآسانی قبضہ میں آگیا۔ کیونکہ رعایا کے اکثر افراد ابو عبداللہ کو اپنا شہزادہ اور وارث تخت و تاج سمجھ کر اس کی مخالفت سے دست کش تھے۔ اور عام طور پر مسلمانوں میں وہ جوش لڑائی کا پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا جو ایک عیسائی حملہ آور کے مقابلے میں پیدا ہونا لازمی تھا۔ اب ان اہم مقامات کے نکل جانے پر مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے دیکھا ابو عبداللہ محمد تو عیسائی بادشاہ کا ایجنٹ ہے اور اس نے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے ان کو بادشاہ قسطلہ کے سپرد کر دیا ہے۔ مقام نبیرین بالکل شہر غرناطہ سے ملا ہوا تھا، یہاں عیسائیوں کی آبادی تھی اس لیے ابو عبداللہ محمد نے نبیرین میں قیام کر کے اہل غرناطہ کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنا چاہا۔ یہاں یہ ریشہ دوانیاں جاری تھیں۔ ادھر اہل مالقہ نے سلطان زغل کی فرماں برداری کا ارادہ کر کے عیسائی حکومت کی تمام علامات کو مٹا دیا۔ فردی نند نے ماہ ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں بذات خود ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ مالقہ پر حملہ کیا اور جنگی جہاز بھی ساحل مالقہ پر روانہ کیے۔ فردی نند کے اس حملہ کی خبر سن کر سلطان زغل غرناطہ سے مالقہ کی طرف مع فوج روانہ ہوا۔ ادھر ۱۵

جمادی الثانی ۸۹۲ھ کو ابوعبداللہ محمد نے موقع پا کر اور غرناطہ کو خالی دیکھ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ زغل نے جب یہ سنا کہ غرناطہ پر ابوعبداللہ محمد قابض ہو چکا ہے تو وہ مالقہ کو فردی نند کے محاصرہ میں چھوڑ کر خود غرناطہ کی طرف چلا۔ راستہ میں یہ معلوم کر کے کہ ابوعبداللہ محمد کا غرناطہ پر قبضہ مکمل ہو چکا ہے وادیٔ آش میں ٹھہر گیا۔ اہل مالقہ نے عیسائیوں کے حملوں کو بڑی پامردی اور بہادری کے ساتھ روک۔ ساتھ ہی مراقش، شاہ تونس، شاہ مصر اور سلطان ٹرکی کو لکھا کہ اس وقت ہماری مدد کرو اور عیسائیوں کے پنجے سے چھڑاؤ۔ مگر کسی نے بھی ان کی مدد کے لیے کوئی فوج نہ بھیجی وَ مَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ہر طرف سے مایوس ہو کر ماہ شعبان ۸۹۲ھ میں مالقہ فردی نند کے حوالہ کر دیا۔ اہل مالقہ نے جب اپنی نااتفاقیوں اور خانہ جنگیوں کی پاداش میں ہر طرف سے مایوس ہو کر فردی نند سے صلح و امن کی درخواست کی تو اس نے کہلا بھیجا کہ اب تمہارے پاس سامان رسد ختم ہو گیا ہے نیز تم ہر طرف سے مایوس ہو چکے ہو لہٰذا بلا شرط شہر کی کنجیاں ہمارے پاس بھیج دو اور ہمارے رحم و کرم کے امیدوار رہو۔ جب فردی نند مالقہ پر قابض ہوا تو اس نے حکم دیا کہ ہر ایک مسلمان کو قید کر لو اور ان کے تمام اموال و جائداد ضبط کر لیے جائیں۔ چنانچہ پندرہ ہزار مسلمانوں کو تو عیسائیوں نے غلام بنایا۔ باقی تمام باشندگان مالقہ کو بے سروسامانی کے عالم میں وہاں سے نکال کر جلاوطن کر دیا۔ ان میں بہت سے فاقہ اور بے سروسامانی کے سبب ہلاک ہو گئے۔ بعض ساحل افریقہ تک پہنچے اور وہیں آباد ہوئے۔ مالقہ کے بعد فردی نند نے اس کے تمام نواحی شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے وہاں کی تمام مسلم آبادی کو مقتول و جلاوطن کیا۔ اس کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے ایک ایک شہر اور ایک ایک قلعہ کو فتح کرنا اور وہاں سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا شروع کیا۔ وادیٔ آش میں پہنچ کر جہاں سلطان زغل مقیم تھا کوشش کی کہ کس طرح زغل میرا شریک ہو جائے۔ ابوعبداللہ محمد جو غرناطہ پر قابض ہو کر اب فردی نند کی پیش قدمی کو ناپسند کرتا اور غرناطہ اور اس کے نواحی رقبہ کو اپنے تحت حکومت رکھنا چاہتا تھا اہل غرناطہ کی پامردی سے مقابلہ پر آنے اور عیسائیوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس حالت میں فردی نند نے زغل کو اپنا دوست بنانے اور غرناطہ کی حکومت دوبارہ دلوانے کا سبز باغ دکھایا اور زغل مجبوراً یا حقیقتاً اپنے رقیب ابوعبداللہ محمد کی تباہی دیکھنے کے شوق میں وادیٔ آش فردی نند کے سپرد کر کے اس کے ساتھ ہو لیا۔ غرض کہ اس عیسائی بادشاہ نے آخر وقت تک بھی مسلمانوں کی تباہی میں مسلمانوں سے امداد لینی ضروری سمجھی۔ زغل کے شریک ہونے سے فردی نند کا المیریہ پر بآسانی قبضہ ہو گیا۔ المیریہ اور وادیٔ آش پر قبضہ ہونا گویا اندلس سے مسلمانوں کی حکومت کا نام و نشان گم ہونا تھا۔ اب صرف شہر غرناطہ اور اس کے مختصر مضافات ہی مسلمانوں کے قبضہ میں رہ گئے۔ فردی نند نے ماہ صفر ۸۹۵ھ میں وادی آش اور المیریہ پر قبضہ کر کے سلطان زغل کو اپنے ہمراہ لیا تھا۔ اس وقت سلطان ابوعبداللہ قصر الحمرا میں اپنے چچا زغل کی اس بدانجامی کا حال سن کر خوش ہو رہا تھا کہ اس کے قبضے سے تمام

ملک نکل گیا۔ ابو عبداللہ محمد کو یقین تھا کہ غرناطہ میں اب تنہا میری ہی حکومت قائم رہے گی۔ اور فردی نند غرناطہ کے لینے کی جرأت ہرگز نہ کرے گا۔ لیکن فردی نند نے ابو عبداللہ کو لکھا کہ جس طرح تمہارے چچا زغل نے اپنا تمام مقبوضہ ملک مجھ کو سپرد کرایا ہے۔ تم بھی قصر حمرا اور غرناطہ میرے سپرد کر دو۔ اس تحریر کے آنے پر سلطان ابو عبداللہ نے باشندگان غرناطہ میں سے بااثر اشخاص کو جمع کر کے فردی نند کے خط کا مضمون سنایا اور کہا کہ زغل نے فردی نند کو غرناطہ کے لینے کی ترغیب دی ہے۔ اب ہمارے لیے دو ہی باتیں باقی ہیں یا تو غرناطہ اور قصر حمراء فردی نند کے سپرد کر دیں یا یہ کہ جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ اہل غرناطہ ابو عبداللہ کی غداریوں اور نالائقیوں سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ اسی نے حکومت اسلامیہ کے برباد کرنے کے تمام سامان مہیا کیے ہیں۔ مگر اس حالت میں وہ بجز اس کے اور کسی بات متفق نہیں ہو سکتے تھے کہ عیسائیوں سے جنگ کرنی چاہیے۔ چنانچہ سب نے جنگ کی رائے دی۔ ابو عبداللہ کی دلی خواہش چاہے کچھ ہو مگر سب کو جنگ پر آمادہ دیکھ کر اس نے بھی اسی پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ یہاں یہ مشورے ہو رہے تھے۔ ادھر فردی نند شاہ قسطلہ اپنی عیسائی فوں کا ٹڈی دل لیے ہوئے آ پہنچا اور آتے ہی ماہ رجب ۸۹۵ھ میں غرناطہ کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر شہر والوں نے مدافعت اور مقابلہ پر کمر ہمت چست باندھی۔ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ عیسائیوں نے غرناطہ کے کئی نواحی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ مگر مسلمانوں نے قدم قدم پر اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ عیسائیوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور ان قلعوں کو جن پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا واپس لے لیا۔ فردی نند نے یہ حالت دیکھ کر مناسب سمجھا کہ غرناطہ کی فتح کو کسی دوسرے وقت پر ملتوی کیا جائے اور زیادہ ساز و سامان اور زیادہ سے زیادہ تازہ دم فوج لا کر محاصرہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ محاصرہ اٹھا کر چلا گیا۔ سلطان ابو عبداللہ نے اس فرصت کو غنیمت سمجھا اور اہل غرناطہ کو لے کر اس علاقہ کی طرف بڑھا جو عیسائیوں کے قبضے میں آ چکا تھا۔ بعض قلعوں کو فتح کر کے وہاں عیسائی افواج کو تہ تیغ کیا اور مسلمانوں کی فوج وہاں مقرر کی۔ غرناطہ میں واپس آ کر پھر جنگی تیاری کی اور فوج لے کر بشرات کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں کے بعض قصبوں کو اپنے قبضہ میں لایا اور قلعہ اندرش کو فتح کر کے عیسائی جھنڈا وہاں سے اتار کر پھینکا، اور اسلامی علم نصب کیا۔ علاقہ بشرات کے تمام باشندوں نے اطاعت قبول کی اور از سر نو اس ملک میں اسلامی حکومت جاری ہوئی۔

اتفاقاً بشرات کے کسی گاؤں میں ابو عبداللہ کا چچا زغل بھی مقیم تھا۔ اس نے ابو عبداللہ کو اس طرح کامیاب و فائز المرام دیکھ کر مقابلہ کی تیاری کی اور وہاں سے المیریہ میں جا کر عیسائیوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ اور ابو عبداللہ کے مقابلہ پر مستعد ہو کر فردی نند کو اطلاع دی کہ ابو عبداللہ اس قدر طاقتور ہو گیا۔ کہ اگر اسکی طرف چند روز بے التفاتی اختیار کی گئی تو پھر اس کا روکنا دشوار ہو جائے گا۔ زغل کا یہ خیال صحیح

تھا مگر اس نے خود ابو عبداللہ کے مد مقابلہ ہو کر اور لڑائیوں کا سلسلہ جاری کر کے ابو عبداللہ اور اہل غرناطہ کی اس رفتار ترقی کو روک دیا جو چند روز میں فردی نند اور عیسائیوں کے بس کی نہ رہتی۔ اس موقع پر زغل کو چاہیے تھا کہ وہ اتفاق و اتحاد سے کام لیتا اور ذاتی رقابتوں کو فراموش کر کے اسلامی مقصد کو فوت نہ ہونے دیتا مگر مسلمانوں کی بدنصیبی نے ان کو روز بد دکھایا اور اس خانہ جنگی و نا اتفاقی نے مسلمانوں کو سنبھلنے نہ دیا۔ چنانچہ ماہ رمضان ۸۹۵ھ میں زغل نے عیسائی فوجوں کو فراہم و متفق کر کے قلعہ اندرش کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیا۔ سلطان ابو عبداللہ نے اسی مہینے اہل غرناطہ کی پامردی و جواں ہمتی سے قلعہ ہمدان، منکج شلوبانیہ کو فتح کر لیا۔ شلوبانیہ کا قلعہ ابھی فتح نہ ہوا تھا کہ خبر لگی کہ فردی نند بادشاہ قسطلہ مع فوج غرناطہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی ابو عبداللہ قلعہ شلوبانیہ سے غرناطہ کی طرف متوجہ ہوا اور ۳ شوال ۷۹۵ھ کو غرناطہ پہنچا۔ عیسائی شکر نے برج ملاحہ کو مسمار کر دیا تھا۔ آٹھویں روز انہوں نے غرناطہ کو چھوڑ کر وادی آش کا راستہ لیا۔ اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا۔ جو باقی رہے ان کو جلاوطن کر دیا۔ ایک شخص بھی قسم کھانے کو وہاں خدا کا نام لینے والا نہ رہا قلعہ اندرش کو بھی مسمار کر کے زمین کی برابری کر دیا اور اس قتل و غارت کے بعد تمام عیسائی لشکر واپس چلا گیا۔

فردی نند نے قسطلہ کی جانب واپس جاتے ہوئے زغل کو (جس نے فردی نند کی حمایت میں ابو عبداللہ کی موثر مخالفت کی تھی) بلا کر حکم سنایا کہ آپ کی اس ملک میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ پر صرف اس قدر احسان کر سکتے ہیں کہ اگر آپ اس ملک یعنی جزیرہ نمائے اندلس کہیں باہر جانا چاہیں تو ہم آپ کو جانے دیں گے۔ زغل یہ حکم سنتے ہی اندلس سے روانہ ہو کر افریقہ پہنچا اور مقام تلمسان میں اپنی زندگی کے دن گمنامی کی حالت میں بسر کر دیے۔ اس موقع پر فردی نند شاہ قسطلہ کے عزم و استقلال اور احتیاط کی ضرور داد دینی پڑتی ہے کہ وہ چونکہ اندلس سے ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا چاہتا تھا لہٰذا اس کے کاموں میں صبر و تامل اور عقل و دانائی زیادہ تھی۔ عجلت و شتاب زدگی سے وہ کوسوں دور نفور تھا۔ اس مرتبہ پھر فردی نند کے واپس چلے جانے پر ابو عبداللہ نے برشلونیہ کی طرف قدم بڑھایا اور محاصرہ کے بعد فتح کر لیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد ماہ ذی قعدہ کے آخر ایام میں عیسائیوں نے متفق ہو کر اس شہر کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔ اور وہاں کسی مسلمان متنفس کو زندہ باقی نہ چھوڑا۔ اب اہل غرناطہ اپنی تعداد کی کمی اور کاموں کی کثرت سے تنگ آ کر افسردہ ہو گئے تھے۔ ان کی افسردگی و پژمردگی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ممالک اندلس سے مسلمانوں کے جابجا قتل اور جلاوطن ہونے کے حالات سنتے رہتے تھے اور بیرونی ممالک سے امداد نہ پہنچنے کا ان کو یقین ہو چکا تھا۔

اندلس میں اسلامی حکومت کا خاتمہ :

۱۲ جمادی الاخر ۸۹۶ھ کو فرڈی نند شاہ قسطلہ مع ملکہ ازبیلا عظیم الشان قلعہ شکن توپ خانے اور بیشمار جرار لشکر لیے ہوئے غرناطہ کے متصل پہنچا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے سرسبز وشاداب باغوں، کھیتوں اور آباد بستیوں کو تاراج وخاک سیاہ بنانا اور مسلمان باشندوں کے خون کی ندیاں بہانا شروع کر دیا۔ غرناطہ کے سامنے پہنچ کر اس نے چھاؤنی ڈال دی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے محصور ہو کر اور اپنی زندگیوں سے مایوس ہر کر مدافعت میں پھر جان لڑانی شروع کر دی۔ شہر کا ایک حصہ چونکہ کوہ شلیر سے وابستہ تھا۔ لہٰذا عیسائی فوجیں شہر کا مکمل محاصرہ نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ محاصرہ قریباً آٹھ مہینے جاری رہا۔ جزیرہ نمائے اندلس میں اب سوائے اس محصور شہر کے اور کوئی اسلام میں مقبوضہ باقی نہ تھا۔ جب موسم سرما شروع ہوا اور پہاڑ پر برف کی وجہ سے راستے بند ہو گئے۔ تو شہر والوں کو جو رسد کوہ شلیر کی طرف سے پہنچتی تھی۔ موقوف ہوئی۔ لہٰذا ماہ صفر ۸۹۷ھ میں اہل شہر نے سلطان ابوعبداللہ سے درخواست کی کہ جب تک ہمارے جسم میں جان باقی ہے۔ دشمن کا مقابلہ کریں گے اب بھوکے مرنے کے عوض ہم میدان جنگ میں تیر وتفنگ کھا کر جان دینا پسند کرتے ہیں۔ ہم کو امیر طارق ابن زیاد کا معرکہ یاد ہے کہ اس فاتح اول نے اپنی مٹھی بھر جمعیت سے ایک لاکھ عیسائی فوج کو شکست فاش دی تھی۔ ہماری تعداد جو اس وقت محصور ہے بیس ہزار سے کچھ کم ہے لیکن چونکہ ہم مسلمان ہیں لہٰذا ہم کو عیسائیوں کی ایک لاکھ باسامان فوج سے ہراساں ہونے کی مطلق ضرورت نہیں۔ سلطان ابوعبداللہ نے دیکھا کہ اہل شہر کا اضطراب دن بہ دن بڑھتا ہے۔ اگر فوراً جنگ یا صلح کا فیصلہ نہ ہوا تو لوگ باغی ہو کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جس سے نقصان عظیم پہنچے۔ اس نے وزراء وامراء کو طلب کر کے مجلس مشورہ قصر حمراء میں منعقد کی۔ شہر کے علماء وشیوخ کو بھی اس مجلس میں شریک کیا گیا۔ ابوعبداللہ نے کہا کہ اب عیسائی لوگ جب تک شہر پر قبضہ نہ کر لیں گے۔ محاصرہ سے باز نہ آئیں گے ایسے نازک وقت میں کیا تدبیر کی جائے۔ سلطان ابوعبداللہ کا حوصلہ اس قدر پست ہو گیا تھا۔ کہ ان چند الفاظ کے سوائے اس کی زبان سے اور کوئی جملہ نہ نکل سکا۔ اس کے جواب میں تمام حاضرین نے کہا مناسب یہی ہے کہ شاہ قسطلہ سے صلح کر لی جائے مگر بہادر سپہ سالار موسیٰ بن ابیل غسانی جوش میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ابھی تک کامیابی کی امید باقی ہے۔ ہم کو ہرگز ہمت نہ ہارنی چاہیے۔ ہم کو آخر تک مقابلہ کرنا چاہیے۔ مجھ کو امید ہے کہ ہم عیسائیوں کو ضرور بھگا دیں گے۔ اور ان کا محاصرہ اپنے شہر سے اٹھا دیں گے۔ عام باشندگان غرناطہ کی یہی رائے تھی جو موسیٰ نے ظاہر کی مگر اس مجلس میں جو لوگ شریک تھے ان میں سے کسی نے موسیٰ کی تائید نہ کی۔ یہی قرار پایا کہ اگر ہم جنگ میں کامیاب نہ ہوئے تو عیسائی ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہٰذا ایسے شرائط پر صلح

کر لی جائے۔ جس سے عام خلائق کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچے۔ چونکہ فوج اور رعایا جنگ پر آمادہ تھی اس لیے ابوعبداللہ نے اپنے وزیر ابوالقاسم عبدالملک کو خفیہ طور پر فردی نند کے پاس بھیجا۔ عیسائی شہر و قلعہ کی حالت سے ناواقف تھے۔ اس وقت تک وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے تھے۔ لہٰذا بہت بددل اور افسردہ ہو رہے تھے۔ ابوالقاسم وزیر کے پہنچنے اور پیغام صلح سننے سے بہت ہی خوش ہوئے۔ شاہ قسطلہ نے اس درخواست کو فوراً منظور کر لیا۔ اس راز کو رعایا سے پوشیدہ رکھنے کی غرض سے ابوالقاسم رات کو قلعہ سے باہر جا کر عیسائیوں سے ملاقات کرتا اور صلح نامہ کے شرائط طے کیا کرتا تھا۔ بڑی ردوکد کے بعد شرائط طے ہوئے اور صلح نامہ پر ابوعبداللہ اور فردی نند شاہ قسطلہ کے دستخط ہو گئے۔

عیسائیوں سے صلح نامہ:

اس صلح نامہ کی بعض اہم شرائط یہ تھیں:

(۱) مسلمانوں کو اختیار ہو گا کہ شہر کے اندر رہیں یا باہر چلے جائیں۔ کسی مسلمان کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

(۲) مسلمانوں کے مذہبی امور میں عیسائی کوئی دخل نہ دیں گے۔

(۳) کوئی عیسائی مسجد میں نہ گھسنے پائے گا۔

(۴) مساجد اور اوقاف بدستور قائم رہیں گے۔

(۵) مسلمانوں کے معاملات شرع اسلام کے موافق مسلمان قاضی طے کریں گے۔

(۶) طرفین کے قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔

(۷) اگر کوئی مسلمان اندلس سے افریقہ جانا چاہے تو سرکاری جہاز میں وہ افریقہ پہنچا دیا جائے گا۔

(۸) جو عیسائی مسلمان ہو گئے ہیں وہ اسلام کے ترک کرنے پر مجبور نہ کیے جائیں گے۔

(۹) اس جنگ میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے وہ بدستور ان کے پاس رہے گا۔

(۱۰) موجودہ ٹیکس کے علاوہ کوئی نیا ٹیکس مسلمانوں پر نہ لگایا جائے گا۔

(۱۱) تین سال تک مسلمانوں سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے گا جو ٹیکس وہ اب ادا کر رہے ہیں، وہ بھی تین سال تک معاف رہے گا۔

(۱۲) سلطان ابوعبداللہ کے سپرد البشرات کی حکومت کر دی جائے گی۔

(۱۳) آج سے ساٹھ روز کے اندر قلعہ الحمراء، توپ خانہ اور دیگر سامان جنگ جو اس وقت قلعہ میں موجود ہے اس پر عیسائیوں کا قبضہ کرا دیا جائے گا۔

(۱۴) آج سے ساٹھ روز کے اندر اس معاہدہ کی شرائط کی تکمیل پورے طور پر کر دی جائے گی۔

(۱۵) شہر غرناطہ ایک سال تک آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ سال بھر کے بعد عیسائی شرائط بالا کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر قبضہ کریں گے۔

اس عہد نامہ پر یکم ربیع الاول ۸۹۷ھ مطابق ۳ جنوری ۱۴۹۲ء کو دستخط ہوئے تھے اس کی خبر اہل شہر اور فوج سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ عام طور پر بددلی پھیل گئی اور آوازیں بلند ہونے لگیں کہ سلطان ابوعبداللہ نے مفت سلطنت کو ضائع کر دیا۔ سلطان بہت پریشان ہوا اور اس خیال سے کہ شہر والوں کی بغاوت کہیں بنا بنایا کام نہ بگاڑ دے، ساٹھ روز پورے ہونے سے پہلے ہی یعنی ۱۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ کو قصر الحمراء عیسائیوں کے سپرد کر دیا۔ فردی نند نے اندلس کے سب سے بڑے پادری منذورہ کو حکم دیا کہ وہ مع فوج پہلے شہر میں داخل ہو اور قلعہ حمراء کے سب سے بلند برج پر سے اسلامی نشان کو گرا کر صلیب نصب کر دے تا کہ اس نیک شگون کو دیکھتے ہی بادشاہ مع اپنی ملکہ ازبیلا کے شہر میں داخل ہو۔ جب سلطان ابوعبداللہ نے منذورہ کو قلعہ میں آتے دیکھا تو مع پچاس امیروں کے گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ اس وقت کی کیفیت کا تصور ہر شخص کر سکتا ہے کہ شہر پر کیسی اداسی چھائی ہوئی ہوگی۔ مسلمانوں کے دلوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ عیسائیوں کی خوشی کا حال بھی تحریر میں نہیں آ سکتا۔ عیسائی بادشاہ اور اس کی ملکہ فوجی لباس میں اپنے لشکر کے ساتھ صلیب کے بلند ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ سب نگاہیں قصر حمراء کے سب سے بلند برج کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ سامنے سے ابوعبداللہ نے شاہ قسطلہ کے قریب آ کر کنجیاں حوالے کیں اور کہا کہ اے طاقتور بادشاہ ہم اب تیری رعایا ہیں۔ یہ شہر اور تمام ملک ہم تیرے سپرد کرتے ہیں کیونکہ خدا کی یہی مرضی تھی۔ ہم کو یقین ہے کہ تو رعایا کے ساتھ ہمیشہ شریفانہ اور فیاضانہ برتاؤ روا رکھے گا۔ فردی نند چاہتا تھا کہ کچھ تشفی آمیز الفاظ کہے۔ لیکن عبداللہ بلا توقف آگے بڑھ گیا اور ملکہ ازبیلا سے ملتا ہوا البشرات کی طرف جہاں اس کا اسباب اور رشتہ دار پہلے ہی جا چکے تھے، روانہ ہو گیا۔ اتنے میں چاندی کی صلیب قصر حمراء کے برج پر بلند ہو کر آفتاب کی شعاعوں میں چمکنے لگی اور عیسائی بادشاہ فاتحانہ قصر حمراء میں داخل ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب ابوعبداللہ البشرات کے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچا تو بے ساختہ اس نے مڑ کر غرناطہ کی طرف دیکھا اور اپنے خاندان کی گزشتہ شان و عظمت پر آخری نظر ڈال کر بے ساختہ زار و قطار رونے لگا۔ ابوعبداللہ کی ماں نے جو اس وقت ہمراہ تھی کہا کہ:

"جب تو باوجود ایک مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو نہ بچا سکا، تو اب مثل عورتوں کے ایک گم شدہ چیز پر رونے سے کیا فائدہ؟"

اندلس کے مسلمانوں پر عیسائیوں کے مظالم:

عیسائیوں نے الحمراء پر قابض ہو کر معاہدے کی تمام شرائط کو فوراً فراموش کر دیا۔ شہر غرناطہ پر

بھی قبضہ کر لیا۔ سلطان ابو عبداللہ کو البشرات میں بھی نہیں رہنے دیا۔ تھوڑے سے روپے دے کر البشرات کو بھی ابو عبداللہ سے خرید لیا اور وہاں سے ابو عبداللہ مراقش میں جا کر شاہ مراکش کا نوکر ہو گیا۔ وہاں ایک عرصہ دراز تک اس حالت میں رہ کر فوت ہوا۔ عیسائیوں نے تمام ملک میں فوراً اپنی مذہبی عدالتیں قائم کر دیں۔ جن میں ہر روز ہزار ہا مسلمان گرفتار کر کے لائے جاتے اور محض اس جرم میں کہ ان کا مذہب اسلام ہے۔ بعض جھوٹے الزام لگا کر آگ میں جلا دیئے جاتے تھے۔ تاہم مسلمان اپنے مذہب پر قائم اور جزیرہ نمائے اندلس میں موجود پائے جاتے تھے۔

۹۰۴ھ میں ایک عام حکم جاری کیا گیا کہ ہر ایک شخص جو مسلمان ہے وہ دین عیسوی قبول کر لے ورنہ اس کو جہاں کہیں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ مسلمانوں نے اس حالت میں شہروں اور میدانوں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لی اور ہر قسم کی اذیت برداشت کی۔ مگر دین اسلام کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ بعض مسلمانوں کو عیسائیوں نے پکڑ کر زبردستی بپتسمہ دیا اور ان کے بچوں کو عیسائی بنایا۔ یہ وہ لوگ تھے جو عربی النسل یا بربری نہ تھے۔ بلکہ ان کے باپ دادا اسی ملک کے قدیم باشندے تھے اور اپنا عیسوی مذہب چھوڑ کر بخوشی مسلمان ہو گئے تھے۔ ان نو مسلم خاندانوں میں سے بھی کسی نے دین اسلام کا چھوڑنا گوارا نہ کیا اور وہ چھپ چھپ کر اپنے گھروں میں نمازیں پڑھتے تھے۔

بعض مسلمانوں پر عیسائیوں نے بظاہر یہ سب سے بڑی مہربانی کی کہ ان کو افریقہ چلے جانے کی اجازت دی۔ ان لوگوں کے لیے جہاز بھی فراہم کر دیئے۔ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جو سب زیادہ قیمتی سامان جہازوں میں لادا تھا، وہ نایاب اور قیمتی کتابوں کے ذخائر تھے۔ مگر عیسائیوں نے ان جہازوں کو ساحل افریقہ تک پہنچنے سے پہلے سمندر کے اندر غرق کر دیا۔ اس طرح نہ صرف ذی علم مسلمانوں بلکہ نایاب کتب خانوں کو بھی سمندر کی تہ میں پہنچا کر اپنی شرافت و تہذیب اور علم پروری کا نہایت عجیب و غریب ثبوت بہم پہنچایا۔ مسلمانوں کو جس طرح چن چن کر اندلس میں قتل و برباد کیا گیا اس کی مثال دنیا کے کسی ملک اور قوم میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ چند سال کے عرصہ میں قسم کھانے کو ایک بھی خدائے وحدہ لاشریک کا نام لینے والا سرزمین اندلس میں باقی نہ رہا۔ عیسائیوں نے سب ہی کو تلوار کے گھاٹ اتارا یا سمندر میں ڈبو دیا یا آگ میں جلا دیا۔ آج کل کے مسلمان اگر چاہیں تو اندلس کی یہ جگر خراش اور زہرہ گداز داستان پڑھ کر آپس کی نا اتفاقی اور خانہ جنگی کے ہیبت ناک نتائج پر غور کر سکتے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ تاریخ اندلس کو ختم کرنے سے پہلے یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ سلطنت غرناطہ کی بربادی اور غرناطہ میں فرڈی نند کی حکومت کے قائم ہو جانے کے بعد بھی جزیرہ نمائے اندلس میں جا بجا عرصہ دراز تک مختلف شہروں اور قصبوں اور پہاڑوں میں مسلمان پائے جاتے رہے اور ان کی گرفتاری و قتل کا سلسلہ اندلس میں برابر جاری رہا۔ کبھی دس بیس مسلمان

جمع ہوئے تو انہوں نے مقابلہ بھی کیا اور لڑ کر مارے گئے۔ بعض اندلس کے شمالی پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے اور وہاں بے سروسامانی کے عالم میں ہلاک ہوئے۔ ان میں سے بعض بچ کر یورپ کے ملکوں کو طے کر کے ملک شام تک پہنچے۔ بعض مرنے والوں کے بچوں کو عیسائیوں نے اپنے قبضے میں لے کر عیسائی بنالیا۔ اس طرح ملک فرانس کے جنوبی اور ملک اندلس کے شمالی حصوں میں عربی النسل خاندانوں کے وجود کا امکان مورخین نے تسلیم کیا ہے اور اسی لیے نپولین بونا پارٹ کو بعض لوگوں نے عربی النسل بیان کیا ہے۔ اندلس کی اسلامی حکومت کی مختصر تاریخ بیان ہو چکی ہے اور اب ہم کو دوسرے ملکوں کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ لیکن اندلس کی تاریخ کے ختم کر لینے کے بعد ہم کو ایک غلط انداز اور سرسری نگاہ ضرور ڈالنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ مسلمانوں نے اندلس میں حکومت کر کے براعظم یورپ کو کس قدر نفع یا نقصان پہنچایا ہے۔

اندلس کی اسلامی حکومت پر ایک نظر:

خیر القرون کے عرب حکمرانوں کی طرح اندلس میں بھی عربوں کی حکومت اگرچہ شخصی نظر آتی تھی۔ مگر اس میں جمہوریت کا رنگ بہت زیادہ شامل تھا۔ خلیفہ کا حکم اور شریعت کا قانون ہر فرد بشر پر یکساں عامل تھا۔ ان حکمرانوں میں نہ موروثی جاگیردار تھے نہ موروثی امراء عبدالرحمٰن ثانی اموی سلطان پر قاضی کی کچہری میں ایک عیسائی نے دعویٰ کیا اور قاضی کے حکم کی اس عظیم الشان سلطان کو اسی طرح تعمیل کرنی پڑی۔ جس طرح ایک غلام کو تعمیل کرنی پڑتی۔ قاضی قانون شرع کے موافق خلیفہ کو سزا دینے کی قدرت رکھتا تھا۔ کوتوالی کا انتظام نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ہر بازار میں ایک محتسب ہوتا تھا جو تجارت پیشہ لوگوں کے کاروبار کی نگرانی کرتا تھا۔ ہر شہر و قصبے میں شفا خانے اور دوا خانے کھلے ہوئے تھے۔ سڑکیں اور نہریں مسلمانوں نے تمام ملک میں جال کی طرح بچھا دی تھیں۔ خلیفہ ہشام نے دریائے وادی الکبیر کا نہایت شاندار اور خوبصورت پل بنایا۔ اسی طرح جا بجا دریاؤں کے پل بن گئے تھے۔ فنون جنگ اور آئین فوج کشی میں عام طور پر مسلمان ساری دنیا سے زیادہ شائستہ تھے۔ اندلس کے مسلمانوں نے قلعہ شکنی کے آلات ایجاد کیے۔ یورپ کے وحشیوں کو جو ہمیشہ فتح مند ہونے پر شہروں اور بستیوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا کرتے اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں تک کو تہ تیغ کر دیتے تھے۔ اپنے طرز عمل سے مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک شائستگی کی تعلیم دی کہ فتح یاب ہونے پر گناہ رعایا کو کسی قسم کا بھی آزار نہیں پہنچانا چاہیے۔ زراعت کو مسلمانوں نے اس قدر ترقی دی تھی کہ یہ ایک مکمل فن بن گیا تھا۔ ہر میوہ دار درخت اور زمین کی خاصیت و ماہیت سے واقفیت حاصل کی۔ اندلس کے ہزاروں لاکھوں میل مربع رقبوں کو جو بنجر اور ویران پڑے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے میوہ دار رختوں، اور سرسبز و شادات لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ چاول، نیشکر، روئی، زعفران، انار، آڑو، شفتالو وغیرہ جو آج کل اندلس میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں مسلمانوں ہی کے طفیل اندلس بلکہ تمام یورپ کو نصیب ہوئے۔ اندلوسیہ اور اشبیلیہ کے صوبوں میں زیتون اور خرما کی کاشت کو بڑی ترقی دی۔ سرلیش، غرناطہ اور مالقہ کے علاقوں میں انگوروں کی بڑی پیداوار ہوتی تھی۔ زراعت کے ساتھ مسلمانان اندلس نے معدنیات کی تلاش میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ سونا، چاندی، لوہا، فولاد، پارہ، کہربا، تانبا، یاقوت اور نیلم وغیرہ کی کانیں دریافت کیں۔ اور یہ چیزیں بکثرت پیدا ہونے لگیں۔ غرناطہ کی سلطنت اندلس میں مسلمانوں کی آخری نشانی تھی۔ لیکن اس چھوٹی سی سلطنت نے بھی فن تعمیر اور قدر دانی علوم کے متعلق بڑی بڑی عظیم الشان یادگاریں چھوڑی ہیں۔ مسلمانوں نے ایسا عجیب و غریب سیمنٹ ایجاد کیا کہ قصر حمراء جو سلطنت غرناطہ کی نشانی دنیا میں باقی ہے، آج تک اپنے مصالحہ کی پختگی سے سیاحوں کو حیران کر دیتا ہے۔ قصر الحمراء کو شاہان

غرناطہ نے بصرف زر کثیر شہر کے قریب ایک نہایت بلند ٹیلے پر جبل شلیر کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں کے سایہ میں تیار کیا تھا۔ اس کی چار دیواری کے اندر ایسے خوشنما سبز و شادات باغات، نہرہائے شیریں، درختہائے میوہ دار تھے کہ چشم فلک نے اس کی نظیر نہ دیکھی تھی۔ اس قصر کی ہر ایک چیز قابل دید اور اس قدر حیرت انگیز ہے کہ دنیا کے مشہور صناع و دست کار دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس کی بلند دیواروں کی گچ کی صفائی سنگ مرمر سے زیادہ چمک دار اور لوہے سے زیادہ مضبوط ہے۔ جالی دار دیواروں کی طرح طرح کی نازک گلکاریاں اور اس کی نئی وضع کی محرابوں سے ہر ایک لٹکی ہوئی قلم نزاکت کا اظہار کرتی ہے۔ مسلمانوں نے اندلس پر قابض و متصرف ہو کر تمام ملک میں دارالعلوم، مدارس، رسد خانے، عظیم الشان کتب خانے کھول دیئے تھے۔ جہاں علمی تحقیقات کا ہر ایک سامان موجود رہتا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں یا دارالعلوم اور چھوٹے قصبوں میں ابتدائی اور درمیانی درجے کے مدارس تھے۔ قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ سرقسطہ، بشونہ، جیان، طلیطلہ وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں دارالعلوم قائم تھے۔ جہاں اطالیہ، فرانس، جرمن، انگلستان وغیرہ ممالک کے طلباء اور شائقین علوم آتے اور برسوں رہ کر تعلیم پاتے تھے۔ عربوں نے یونانی، لاطینی اور اسپانس زبانوں کو بے حد مشقت اور عرق ریزی کے ساتھ سیکھا اور ان زبانوں میں عربی زبان کے متعدد لغات لکھ ڈالے۔ خلیفہ حکم ثانی کے عہد حکومت میں صرف قرطبہ کے کتب خانے میں چھ لاکھ کتابیں مختلف علوم و فنون کی موجود تھیں اور ہر کتاب پر خاص خلیفہ کے ہاتھ کا حاشیہ تحریر تھا۔ مسلمانوں نے تمام فلسفۂ یونان کی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کر ڈالا۔ ابن رشد جو ارسطو پر بھی فضیلت رکھتا تھا اندلس ہی کا ایک مسلمان تھا۔ مسلمانوں نے علم ہیئت میں وہ ترقی کی اور ایسے رسد خانہ قائم کیے کہ تمام یورپ کو انہیں کے نقش قدم پر چلنا پڑا۔ اصطرلاب جو رسد خانوں کی روح رواں ہے اندلس کے مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ طب اور جراحی میں اندلسی مسلمانوں نے ایسی ترقی کی تھی کہ چند روز گزشتہ تک تمام یورپ انہیں کتابوں سے فیض اٹھاتا تھا۔ علم حیوانات و نباتات میں اندلسی مسلمانوں کے کارنامے بے حد عظیم الشان ہیں۔ قرطبہ اور غرناطہ میں علم حیوانات و نباتات کی تعلیم کے لیے خاص طور پر باغات اور کارخانے موجود تھے۔ سن اور روئی سے کاغذ تیار کرنا اندلسی مسلمانوں نے ایجاد کیا۔ الفانسو یازدہم کی تاریخ میں لکھا ہے کہ:

"شہر کے مسلمان بہت سی گونجنے والی چیزیں اور لوہے کے گولے بہت بڑے بڑے سیب کی برابر پھینکتے تھے۔ یہ گولے اس قدر دور جاتے تھے کہ بعض فوج کے اس پار جا کر اور بعض فوج کے اندر گرتے تھے۔"

اس بیان سے ثابت ہے کہ مسلمان جب توپ اور بارود کو استعمال کرتے تھے۔ عیسائی اس سے قطعاً ناواقف تھے۔ سنین الاسلام کا مصنف لکھتا ہے کہ ۲۴۱ھ میں اندلس کے مسلمانوں میں سے

بعض نے امریکہ کو دریافت کیا تھا۔ مگر اسکی زیادہ شہرت نہ ہوئی۔ یہ شہرت کولمبس کی تقدیر میں لکھی تھی جو بہت دنوں بعد امریکہ پہنچا تھا۔

مسلمانوں کے علمی ذوق شوق نے تمام یورپ کے لیے ادب و فلسفہ اور صنعت و حرفت بلکہ تمام علوم فنون کے دروازے کھول دیئے تھے۔ آٹھ سو برس تک مسلمان ہر چیز میں اہل یورپ کے استاد بنے رہے۔ عیسائی امراء زبان اور ہر چیز میں مسلمانوں کی تقلید کرنا اپنے لیے موجب فخر سمجھتے تھے اور عربی نظم و نثر لکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ یہ انہیں مسلمانوں کا اثر تھا۔ فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں اکثر وہ الفاظ جو جہاز رانی اور بحری انتظامات سے متعلق ہیں، عربی ہیں اور یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ان ممالک نے مسلمانوں ہی سے جہاز رانی سیکھی ہے۔ سیر و شکار کے متعلق بھی اکثر الفاظ۔۔۔ عربی الاصل ہیں۔ علم ہیئت کی اصطلاحیں اور دواؤں کے نام جو یورپ کی زبانوں میں رائج ہیں عربی ہیں۔

غرض کہ اندلس کے مسلمان تمام یورپ کے استاد، تمام یورپ کے محسن اور تمام یورپ کو علم و حکمت اور ترقی و عزت کے طریقے بتانے والے اتالیق تھے آج یورپ اپنی کوئی بھی ایسی قابل فخر چیز پیش نہیں کر سکتا۔ جس میں بجا طور پر وہ مسلمانوں کا رہین منت نہ ہو۔ ان احسانات کا جو معاوضہ یورپ اور یورپ کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو دیا، وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

اس جگہ ایک مرتبہ پھر اس بات کو یاد کر لینا چاہیے کہ مسلمانوں نے جب پہلی صدی ہجری میں اندلس کو فتح کیا تھا تو کسی عیسائی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا تھا۔ بلکہ عیسائی لوگ خود بخود اسلام کی خوبیوں کو دیکھ کر مذہب اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ اب جبکہ عیسائیوں نے طاقت حاصل کی اور وہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے نہ پھیر سکے تو عیسائیوں نے لاکھوں مسلمانوں کو جو اندلس میں موجود تھے، قتل کر ڈالا۔ آگ میں جلا دیا اور پانی میں ڈبو دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ملک اندلس جو مسلمانوں کے عہد حکومت میں دنیا کا سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور آباد ملک سمجھا جاتا تھا اور جس کی زرخیزی ضرب المثل تھی، مسلمانوں کی بربادی کے بعد ایسا ویران و غیر آباد ہوا کہ آج تک ویرانی و نحوست نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ مسلمانوں کے زمانے میں پہاڑوں تک پر زراعت ہوتی تھی اور کوئی چپہ زمین کا بنجر نہ تھا۔ لیکن آج ہزارہا میل مربع زمین کے قطعات ویران و بنجر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ملک جو مسلمانوں کے عہد حکومت میں دنیا کا سب سے زیادہ قیمتی اور شاندار ملک تھا۔ آج سب سے زیادہ منحوس اور بے حقیقت ملک سمجھا جاتا ہے۔

مسلمانوں پر یہ مصائب محض اس لیے نازل ہوئے کہ انہوں نے کلام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان میں خود غرضی اور نا اتفاقی پیدا ہوئی۔ پابندیٔ اسلام کے ترک۔۔۔ ہونے کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ مسلمان سردار اپنے بھائی مسلمان سرداروں کی مخالفت میں عیسائیوں کے پاس جا کر ان

سے مدد طلب کرنے میں کوئی باک وتامل نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں نے خود عیسائیوں کے ہاتھوں سے خوشی خوشی مسلمانوں کو ذبح کرایا۔ اور عیسائیوں کے دلوں پر رعب اسلامی کو مٹایا۔ اندلس کے مسلمانوں نے اپنی بداعمالیوں سے اپنے آپ کو مغضوب بنالیا تھا۔ اسی لیے ان کو دنیا کے کسی حصے سے کوئی امداد نہ پہنچی اور کفار کے ہاتھوں سے فجار کو خدائے تعالیٰ نے سزا دلوائی۔ مسلمان جب کبھی اور جہاں کہیں دین اسلام سے ایسے غافل اور قرآن کریم سے بے تعلق ہوئے ان پر ایسی ہی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ اور آئندہ بھی ہمیشہ مسلمانوں کی بربادی کے اسباب قرآن کریم کی طرف سے غافل ہو جانے ہی کی بداعمالی میں تلاش کیے جا سکیں گے۔ بجائے اس کے کہ ہم اندلس کے مسلمانوں کی تباہی پر نوحہ خوانی کریں، ہم کو چاہیے کہ ان کے حالات سے عبرت آموز ہوں اور اپنی حالتوں میں اصلاح کی کوشش کریں۔ سچے پکے مسلمان بن کر آپس میں بھائی بھائی بن جائیں اور متحد ومتفق ہو کر سستی و کاہلی کو چھوڑ دیں اور مصروف سعی ہو جائیں کہ اسی کا نام زندگی اور اسی کا نام خدا کی بندگی ہے۔

(بارہواں باب)

مراقش وافریقیہ

جزیرہ نمائے اندلس کے جنوب میں آبنائے جبل الطارق کے اس طرف براعظم افریقہ کے شمال ومغرب کے گوشہ میں جو ملک واقع ہے اس کو مراقش یا مراکو یا ماریطینیا کہتے ہیں۔ اس ملک میں مراکو نام کا ایک شہر بھی آباد ہے۔ ملک مراقش کے خاص خاص صوبے سوس الادنیٰ، سوس الاقصیٰ، رلف، سوطہ وغیرہ ہیں۔ مگر حکومتوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ صوبوں کی حدود اور نام بھی ہمیشہ تبدیل ہوتے رہے۔ عرب لوگ کل ملک مراقش کو مغرب الاقصیٰ کے نام سے پکارتے تھے۔ اسی طرح الجیریا کو مغرب الاوسط کہتے تھے۔ کبھی کبھی الجیریا تونس تک کے علاقوں پر بھی مراقش کے ملک کا اطلاق ہوا ہے۔ ملک عرب کی طرح ملک مراقش میں بھی بربر قوم کے قبائل الگ الگ صوبوں میں بودوباش رکھتے تھے اور ان قبائل کے نام نے صوبوں کو نامزد کیا جاتا اور ان کی آبادی کے اعتبار سے حدود کی تقسیم کی جاتی تھی۔ تونس والجیریا، مراقش تینوں ملکوں میں زیادہ تر بربر قوم آباد تھی۔ اس لیے سوائے ملک مصر کے تمام شمالی افریقہ کو ملک بربر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت اس ملک مراقش میں زناطہ، مسمودہ، سنہاجہ، قطامہ، ہوارہ وغیرہ بربری قبائل آباد تھے۔ علاقہ بربر یعنی شمالی افریقہ میں ایرانیوں کے بعض خاندان بھی اس طرف آ کر آباد ہوئے اور آتش پرستی مراقش وغیرہ میں پہنچی۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل بھی اس طرف آ کر آباد ہوئے۔ کم از کم یہودی مذہب کا تو اس طرف ایک زمانے میں ضرور دور دورہ رہا۔ رومیوں اور یونانیوں کی حکومت بھی ان علاقوں میں قائم ہوئی۔ قرطاجنہ کی مشہور قوم اسی علاقہ بربر یا تونس یا افریقہ کی رہنے والی تھی۔ جس کو اہل فینشیا یعنی کنعانیوں کی ایک شاخ سمجھا جاتا ہے۔ آخر میں گاتھ قوم مراقش میں چیرہ دستی دکھا چکی تھی۔ مشرقی روم یعنی قسطنطنیہ کی حکومت اس زمانہ تک اس علاقے میں موجود تھی۔ جب تک کہ مسلمانوں نے اس ملک کو فتح کیا ہے۔ بہرحال قوم بربر مراقش اور اس کے متصلہ مشرقی علاقوں میں آباد اور سینکڑوں قبائل میں منقسم تھی۔ اس قوم کو عربوں، شامیوں، مصریوں، یونانیوں، ایرانیوں، رومیوں وغیرہ کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔ ملک اور آب وہوا کے اثر سے اس مرکب قوم کا ایک خاص مزاج، خاص اخلاق اور مخصوص تہذیب متعین ہو چکی تھی اور اسی لیے بربر ایک خاص قوم کی حیثیت سے اقوام عالم میں شمار ہوئی۔ باوجود اس کے کہ بعض مہذب اور ترقی یافتہ قوموں نے شمالی افریقہ میں حکمرانی کی بربر قوم کی بربریت ووحشت جو ملکی آب وہوا کا نتیجہ تھا دور نہ ہو سکی۔ ہاں، اس بربریت اور وحشت میں اگر فرق آیا اور

وہ مبدل بہ تہذیب و شائستگی ہوئی تو اسلام کے اثر سے ہوئی۔ مسلمانوں کو اس ملک کے فتح کرنے اور حکومت اسلامیہ کے قائم کرنے میں بڑی بڑی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ بربری قبائل نے بار بار بغاوتیں کیں اور بار بار وہ مفتوح و مغلوب بنائے گئے اور ان کی ان غداریوں اور بے وفائیوں کا سلسلہ برابر اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ وہ سب کے سب اسلام کو قبول نہ کر چکے۔ مذہب اسلام کو قبول کرنے کے بعد وہ مثل عربوں کے بہادر، مہذب اور شریف ثابت ہوئے۔ جب کبھی ان میں اسلام کی پابندی کم ہوئی اسی نسبت سے ان کی قدیمی وحشت و غداری عود کر آئی۔

ملک مراقش کو عقبہ بن نافع نے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تمام و کمال فتح کر لیا تھا اور مراقش کے بعض صوبوں کے فرماں رواؤں نے بخوشی عقبہ کی فرماں برداری قبول کر لی تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ مراقش باغی ہوا اور ہر مرتبہ مغلوب و محکوم بنایا گیا۔ موسیٰ بن نصیر گورنر افریقہ و مراقش نے اپنی طرف سے طارق بن زیاد کو مراقش کی حکومت سپرد کی تھی۔ اسی طارق بن زیاد نے ملک اندلس کو فتح کیا اور پھر اس کے بعد موسیٰ بن نصیر بھی خود اندلس میں داخل ہوا۔ ملک اندلس کی فتح میں زیادہ تر بربری لوگوں کی فوج کام میں لائی گئی تھی اور اسی لیے یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ مراقش نے اندلس کو فتح کر کے حکومت اسلامیہ میں داخل کیا تھا اندلس پر قبضہ ہونے کے بعد ہی بربری لوگوں نے مراقش و اندلس میں بغاوتوں کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اندلس میں تو ان کی بغاوتیں جلد فرو ہو گئیں۔ مگر ملک بربر یعنی شمالی افریقہ میں ان کی بغاوتوں کا ایک سلسلہ تھا جو عرصہ دراز تک جاری رہا۔ خلافت بنو امیہ کی بربادی اور خلافت عباسیہ کے قیام و استحکام کے بعد تک بربری قوم نے بغاوت سرکشی کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ مسلمانوں نے ہر مرتبہ ان کو نیچا دکھایا۔ اور ان کی کج روی کو روکا۔ لیکن انہوں نے جب کبھی ذرا بھی گرفت کو ڈھیلا دیکھا تو بلا توقف سرکشی پر آمادہ نظر آئے۔ قوم بربر کی اس حالت اور اس مزاجی کیفیت سے مطلع ہو کر خلافت عباسیہ کے ہر ایک مخالفت اور انقلابی سازش کرنے والے نے ملک مراقش و افریقہ ہی کو جو بربر قوم کا مسکن تھا، للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ علوی لوگ جو بار بار عباسیوں کے خلاف اٹھتے رہے۔ ان سب کا سب سے بڑا امید گاہ یہی ملک بربر رہا ہے۔ اور ان کو جب کبھی موقع ملا ہے عراق و شام و عرب سے بھاگ کر اسی ملک میں پہنچے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کو فتح کرنے کے بعد ہی مذہب اسلام سے بربری لوگوں کو واقف کرا دیا تھا اور وہ بڑی تیز رفتاری سے اسلام میں داخل ہو کر قریباً سب کے سب مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن جب ان کی جبلی عادت بہت جلد اس تحریک کو جو مذہبی لباس میں پیش ہو کر بغاوت پر آمادہ کرتی تھی، قبول کر لیتی تھی۔

سلطنت ادریسیہ :

اوپر خلفائے عباسیہ کے حالات میں امام محمد بن عبداللہ اور ان کے خاندان کی مکہ میں بربادی و

شکست کا حال ذکر ہو چکا ہے۔ اسی خاندان کا ایک شخص ادریس نامی معہ اپنے خادم راشد کے ملک حجاز سے فرار ہو کر مصر و افریقہ ہوتا ہوا مراقش پہنچا۔ تجلماسہ کے متصل مقام بولیہ میں مقیم ہوا۔ وہاں کے ایک عامل یا سردار اسحاق بن محمد بن عبدالحمید نامی نے ادریس کی خوب خاطر تواضع کی، اور رفتہ رفتہ بربر قبائل میں سے زواغہ، لوطہ، زناطہ، سدراطہ، کماسہ، اور غمازاو غیرہ قبائل ادریس کے معتقد ہو گئے۔ بربری قبائل میں ابھی تک بعض قبائل شالہ اور مادلہ وغیرہ مقامات میں آباد تھے۔ ۱۷۲ھ میں اسحاق بن محمد بن عبدالحمید کی کوشش سے اکثر مسلم قبائل بربر نے ادریس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور ادریس نے ان قبائل کی ایک فوج مرتب کر کے ان بربر قبائل پر جہاد کیا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو مغلوب کر کے اسلام کی تعلیم و ترغیب دی اور بہت جلد وہ اسلام میں داخل ہو کر ادریس کو اپنا سلطان اور خلیفہ ماننے لگے۔

۱۷۳ھ میں ادریس نے تلمسان پر چڑھائی کی۔ تلمسان کے عامل نے ادریس کی اطاعت و فرماں برداری قبول کی۔ ادریس نے تلمسان کو اپنا دارالحکومت بنا کر یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی اور جلد جلد اپنی طاقت کو ترقی دی۔ اس کے بعد ادریس تلمسان سے مقام بولیہ یا بولیلی میں چلا گیا اور وہیں طرح اقامت ڈال دی۔ ادریس کی اس بڑھتی ہوئی طاقت اور ملک مغرب میں اس کی حکومت کے قائم ہونے کا حال خلیفہ ہارون الرشید عباسی کو معلوم ہوا تو وہ بہت فکر مند ہوا۔ اس نے اپنے غلام سلیمان بن جریر مشہور بہ شماخ کو ملک مغرب کی طرف روانہ کیا کہ وہ ادریس کا کام تمام کرے چنانچہ نے ادریس کے پاس پہنچ کر ظاہر کیا کہ ہارون الرشید سے ناراض ہو کر اور اس کی حکومت کے دائرے سے نکل کر آپ کے پاس آیا ہوں ادریس نے اس کو اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔

ادریس کی وفات:

شماخ نے ادریس کو ایک منجن دیا جس کے استعمال کرتے ہی ادریس کا دم گھٹ گیا اور وہ ۱۷۵ھ میں راہیٔ ملک بقا ہوا۔ شماخ وہاں سے بھاگا۔ ادریس کے خادم راشد نے اس کا تعاقب کیا، مقابلہ ہوا۔ شماخ زخمی ہوا مگر بچ کر نکل گیا اور ادریس مقام بولیلی میں مدفون ہوا۔

ادریس ثانی:

ادریس کے مرنے پر اس کے خادم راشد نے ظاہر کیا کہ ایک بربری لونڈی کنزہ نامی کو ادریس سے حمل ہے اور اب اسی بچہ کی جو رحم مادر میں ہے۔ ہم کو بیعت کرنی چاہیے۔ چنانچہ بربریوں نے اس کی بیعت کی اور اُس تمام علاقہ جو ادریس کی حکومت میں شامل ہو چکا تھا قبضہ و انتظام قائم رکھا۔ ایام حمل کے گزرنے پر اس بربری لونڈی کے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا۔ راشد نے لوگوں کو حکم دیا کہ اب اس لڑکے کے

ہاتھ پر پھر بیعت کرو۔ چنانچہ سب نے بیعت کی۔ راشد اس شیر خوار بچے کی طرف سے نیابتاً امورِ سلطنت انجام دیتا تھا۔ یہ راشد ہی کی عقلمندی اور دانائی تھی کہ اس نے اپنے آقا کے مرنے پر بھی حکومت کے نظام کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔ اور بربریوں کے مزاج سے پوری واقفیت حاصل کر کے حکومت کو قائم رکھا۔ جب اس لڑکے کا دودھ چھڑایا گیا تو پھر ایک مرتبہ اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ جب ۱۸۸ھ میں یہ لڑکا گیارہ سال کا ہو کر بارھویں سال میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ پر جامع مسجد بولیلی میں پھر بیعت کی گئی۔ اسی سال ابن اغلب حاکم افریقہ نے راشد کے خلاف بربریوں کو ابھارا اور انہوں نے راشد کو قتل کر ڈالا۔ مگر اس لڑکے کی اطاعت سے باہر نہ ہوئے۔ اس لڑکے کا نام بھی ادریس ہی رکھا گیا تھا جو ادریس ثانی یا ادریس اصغر کے نام سے مشہور ہوا۔ راشد کے بعد ابو خالد بن یزید الیاس عبدی ادریس اصغر کا اتالیق و نگراں مقرر رہا۔

فتوحات :

ادریس اصغر نے بہت جلد امور سلطنت سے واقف و آگاہ ہو کر قلمدان وزارت مصعب بن عیسیٰ ازدی کو سپرد کر دیا۔ اور نہایت خوبی کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ بہت سے عرب اندلس و افریقہ و مصر و شام سے آ کر ادریس اصغر کے پاس جمع ہونے لگے اور ان لوگوں کی وجہ سے حکومت و سلطنت میں رونق اور شان و شوکت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اسحٰق بن محمد بن عبدالحمید کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ وہ سلطنت ادریسیہ کے اعلیٰ اراکین میں شامل تھا اور اسی کی ابتدائی امداد و اعانت سے ادریس اول کو اپنی حکومت کے قائم کرنے میں بڑی آسانی ہوئی تھی۔ مگر ۱۹۲ھ میں اس کو اس الزام میں قتل کر دیا گیا کہ وہ ابراہیم بن اغلب سے ساز باز رکھتا ہے اور اسی کے اشارے سے راشد مقتول ہوا تھا۔ بولیلی یا بولیہ جہاں اب تک دارالحکومت تھا ایک چھوٹا سا مقام تھا۔ ۱۹۷ھ میں ادریس اصغر نے بولیلی سے مقام فاس میں آ کر اس کے قریب ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اسی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس عرصہ میں تلمسان کا علاقہ اس کے قبضے سے نکل گیا تھا۔ ۱۹۷ھ میں اس نے تلمسان کو فتح کیا اور اس کے نواحی علاقے کو اپنے تصرف میں لا کر ۱۹۹ھ تک تلمسان میں مقیم رہا۔ اس کے بعد وہ جب فاس کی طرف گیا تو بربروں نے پھر اپنی جبلی عادت کے موافق بغاوت اختیار کی۔ اور ابراہیم بن اغلب کی حکومت تسلیم کر لی۔ اس طرح ابراہیم بن اغلب اور ادریس اصغر کے درمیان چند روز تک کشمکش جاری رہی۔ آخر ادریس اصغر اور ابراہیم بن اغلب کے درمیان صلح ہو گئی اور مراقش کا ملک ہر طرح خلافت عباسیہ سے بے تعلق ہو کر وہاں ایک مستقل ادریسیہ سلطنت قائم ہو گئی۔

محمد بن ادریس:

۲۱۳ھ میں ادریس اصغر نے وفات پائی اور اس کا بیٹا محمد اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ یہ وہ

زمانہ تھا کہ ادریس اول کا حقیقی بھائی سلیمان بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی ابی طالب مصر و افریقہ میں ہوتا ہوا تلمسان پہنچ گیا تھا۔ اس نے جب اپنے آپ کو ادریس اول کا حقیقی بھائی ظاہر کیا تو وہاں کے بربری قبائل نے بخوشی اس کی بیعت کر لی اور اس کی حکومت تلمسان میں قائم ہو گئی۔

ادھر ادریس اصغر کی ماں اور محمد بن ادریس کی دادی کنزہ نے کہا کہ تنہا محمد ہی کو تمام ممالک مقبوضہ کی حکومت نہ دی جائے۔ بلکہ محمد کے دوسرے بھائیوں کو بھی ایک ایک حصہ کی حکومت دی جائے۔ چنانچہ کنزہ کی تجویز کے موافق محمد بن ادریس اصغر تو فاس اور اس کے نواحی علاقے کا فرماں رواں قرار دیا گیا۔ اور اس کے بھائیوں میں سے قاسم کو طنجہ، سیوطہ، طیطوان کی، عمر کو تکیسان، ترغہ، اور قبائل ضہاجہ و غمارہ کی حکومت دی گئی۔ داؤد کو بلاد ہوارہ، ماتلسول، تازی اور قبائل مکناسہ دغیاشہ دیئے گئے۔ عبداللہ کو باغمات، نفیس، جبال، مصامدہ، بلاد لمطہ، سوس الاقصیٰ دیئے گئے۔ یحییٰ کو باصیلا، عرائش بلاد دروغہ دیئے گئے۔ عیسیٰ کو شالہ، سلا، ازمور اور تامسنا کی حکومت ملی۔ حمزہ کو بولیلی اور اس کے مضافات سپرد ہوئے۔ باقی صغیر السن لڑکے اپنی دادی کنزہ کی کفالت و نگرانی میں رہے۔ تلمسان پر سلیمان بن عبداللہ قبضہ کر ہی چکا تھا۔ اس طرح ایک عورت کی رائے پر عمل کر کے اراکین سلطنت نے مراقش کی ایک زبردست سلطنت کو چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ چند روز کے بعد عیسیٰ نے ازمور سے اپنے بھائی محمد بن ادریس پر فوج کشی کی۔ محمد نے اپنے بھائی قاسم کو اس مہم پر جانے کا حکم دیا۔ مگر قاسم نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ تب محمد نے عمر کو عیسیٰ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ عمر نے عیسیٰ کو شکست دے کر اس کے تمام مقبوضہ ملک کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا اور محمد نے عمر کو بخوشی ایسا کرنے دیا۔ اس کے بعد محمد نے عمر کو حکم دیا کہ وہ قاسم کو بھی تادیب کرے جس نے محمد کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔

عمر نے قاسم پر فوج کشی کی۔ سخت لڑائی ہوئی۔ قاسم نے شکست کھا کر گوشہ نشینی اور زہد و عبادت میں اپنی بقیہ زندگی بسر کر دی اور عمر نے قاسم کی ریاست کو بھی اپنے مقبوضہ ملک میں شامل کر لیا۔ اس طرح عمر کی سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ مگر وہ ہمیشہ اپنے بھائی محمد کی اطاعت کا اقرار کرتا رہا۔ ۲۲۰ھ میں عمر کا انتقال ہوا اور محمد نے اس کے بیٹے علی بن عمر کو سند حکومت عطا کر کے اس کے باپ کی جگہ مامور کیا۔

وفات :

عمر کی وفات کے سات مہینے بعد ۲۲۱ھ میں محمد بن ادریس نے بھی وفات پائی۔ اس نے مرتے وقت اپنے نو سالہ بیٹے علی کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کیا۔

علی بن محمد :

چنانچہ محمد کے بعد اراکین سلطنت نے بخوشی علی بن محمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور نہایت

مستعدی سے کاروبار سلطنت انجام دینے لگے۔اس کے عہد حکومت میں ہر طرح امن وامان قائم رہا۔ تیرہ سال کی حکومت کے بعد علی بن محمد نے ۲۳۴ھ میں وفات پائی اور مرتے وقت اپنے بھائی یحیٰی بن محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

یحیٰی بن محمد :

یحیٰی بن محمد نے سلطنت کو خوب رونق دی اور اس کے زمانے میں سلطنت ادریسیہ عظیم الشان سلطنتوں میں شمار ہونے کے قابل ہوگئی۔شہر فاس کی آبادی میں خوب ترقی ہوئی۔تجارت کی گرم بازاری ہوئی۔علماء وفضلاء دور دور سے آ کر دربار ادریسیہ میں جمع ہوئے۔

یحیٰی بن یحیٰی:

یحیٰی بن محمد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یحیٰی بن یحیٰی تخت نشین ہوا۔یحیٰی بن یحیٰی کی بدچلنی اور نالائقی نے رعایا کو ناراض کر دیا اور عبدالرحمٰن بن ابی سہل کی سرداری میں لوگوں نے بغاوت کر کے یحیٰی بن یحیٰی کو معزول کر کے فاس سے نکال دیا۔وہ اسی شرم وغیرت میں چند روز کے بعد فوت ہوگیا۔جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے،علی بن عمر اپنی ریاست پر ابھی تک حکمران تھا۔یحیٰی بن یحیٰی کے مذکورہ انجام سے مطلع ہو کر علی بن عمر فاس میں آ کر تخت نشین ہوا اور اس طرح ایک وسیع سلطنت کا مالک ہوگیا۔مگر چند ہی روز کے بعد عبدالرزاق خارجی نے علم بغاوت بلند کر کے اکثر حصہ ملک پر قبضہ کر لیا اور عرصہ دراز تک خاندان ادریسیہ کی حالت بہت ہی نازک اور کمزور وپریشان رہی۔

یحیٰی بن ادریس بن عمر:

یہاں تک کہ ۲۹۲ھ یحیٰی بن ادریس بن عمر بن ادریس اصغر نے قوت پا کر تمام ملک مراقش پر قبضہ کیا اور سلطنت ادریسیہ پر پھر عروج وکمال کا زمانہ آیا۔اس نے نہایت کامیابی اور قوت وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔یہ ادریسیوں میں سب سے بڑا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔یہ وہ زمانہ تھا کہ عبیدیین کی حکومت افریقہ میں قائم ہو چکی تھی۔۳۰۵ھ میں عبیدیین کے لشکر نے حدود مراقش پر حملہ کیا۔ادھر سے یحیٰی کو شکست اور لشکر عبیدیین کو فتح حاصل ہوئی۔یحیٰی شکست خوردہ فاس میں واپس آیا اور صلح کی سلسلہ جنبانی خط وکتابت کے ذریعہ شروع کی۔آخر یہ بات قرار پائی کہ یحیٰی بن ادریس دولت عبیدی کی اطاعت قبول کر کے نشان اطاعت کے طور پر کچھ زر نقد سالانہ ادا کرے۔۳۰۹ھ میں جب یحیٰی بن ادریس کا بیٹا طلحہ بن یحیٰی ادریس فاس پر بطور حکمراں تھا،لشکر عبیدی کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔دو سال قید رہ کر یحیٰی رہا ہوا اور مہدیہ میں جا کر رہنے لگا۔وہیں ۳۳۱ھ میں فوت ہوا۔

۳۰۹ھ سے مراقش اور فاس پر عبیدی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ۳۱۳ھ میں حسن بن محمد بن قاسم بن ادریس نے فاس کے عبیدی گورنر ریحان کتامی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اس کو فاس سے بے دخل کر کے فاس میں پھر ادریسی حکومت قائم کی۔ مگر چند ہی روز کے بعد موسیٰ بن ابی العاضیہ عبیدی سپہ سالار نے چڑھائی کر کے فاس کو فتح کیا اور حسن کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اور بھی کئی شخص خاندان ادریسی کے گرفتار و مقتول ہوئے۔ فاس پر عبیدی حکومت کا قبضہ ہوا۔ مگر مراقش کے اکثر اضلاع میں خاندان ادریسی کے افراد چھوٹے چھوٹے قطعات پر قابض و متصرف رہے۔ اور یہ سب ادریس اصغر کی اولاد عمر و محمد کی نسل سے تھے، آخر انہوں نے سلطان اندلس کی طرف رجوع کیا اور سب کے سب فرماں روائے اندلس کے مطیع ہو گئے۔ اندلس کے اموی سلطان نے بہت جلد مراقش پر قبضہ کر کے وہاں سے عبیدیوں کو نکال دیا اور مراقش سلطنت قرطبہ کا ایک صوبہ بن گیا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے اندلس کی تاریخ میں جو اوپر بیان ہو چکی ہے خاندان بنو حمود کا ذکر آ چکا ہے۔ وہ خاندان اسی خاندان ادریسیہ کی ایک شاخ تھا۔

ادریسی حکومت کا خاتمہ :

سلیمان بن عبداللہ کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ وہ ادریس اکبر یا ادریس اول کا بھائی تھا اور اس نے تلمسان و تاہرت کے علاقے میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ سلیمان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد بن سلیمان مغرب الاوسط پر حکمراں ہوا۔ اس کے بعد بنو سلیمان میں خانہ جنگی برپا ہوئی اور ملک چھوٹے چھوٹے حزوں میں تقسیم ہو گیا۔ اوشکول کا علاقہ عیسیٰ بن محمد بن سلیمان کے قبضے میں آیا۔ جراوہ کی حکومت ادریس بن محمد سلیمان کے قبضے میں آئی۔ ادریس بن محمد بن سلیمان کا بیٹا ابوالعیش عیسیٰ باپ کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم بن عیسیٰ اس کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ بن ابراہیم، اس کے بعد اس کا بھائی ادریس بن ابراہیم فرماں روا ہوا۔ آخر اس خاندان کے تمام افراد کو عبدالرحمٰن ناصر خلیفہ قرطبہ کے سپہ سالاروں نے گرفتار کر لیا تھا۔ تنس کے صوبہ پر ۳۴۳ھ تک علی بن یحییٰ بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن سلیمان حکمراں رہا۔ اس کے بعد بھی بنو سلیمان کے اکثر افراد مغرب الاوسط کے اکثر مقامات پر برائے نام قابض و متصرف رہے۔ پھر رفتہ رفتہ حکومت اس خاندان سے بالکل منقطع ہو گئی۔

دولت اغالبۂ افریقہ :

دوسری جلد میں خلافت عباسیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے ملک اندلس حکومت و خلافت عباسیہ سے الگ ہو گیا تھا۔ اور وہاں ایک خود مختار حکومت و سلطنت بنو امیہ کی قائم ہو گئی تھی۔ جس کا حال اوپر ہو چکا ہے۔ اندلس کے بعد مراقش کا ملک خلافت عباسیہ سے جدا

ہوا اور وہاں ایک خود مختار ادریسیہ سلطنت قائم ہوئی۔ اس اور یسیہ حکومت کا حال بھی مختصر طور پر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مراقش کے بعد افریقہ یا تونس یا طرابلس الغرب کا ملک خلافت عباسیہ سے جدا ہوا اور وہاں حکومت اغالبہ قائم ہوئی۔ اس حکومت اغالبہ کا حال اب مختصر طور پر بیان ہوتا ہے افریقیہ کا ملک بھی علاقہ بربر میں شامل ہے۔ خلافت امیہ کے زمانہ میں ممالک بربر یا شمالی افریقہ کے تمام ملکوں کا نگران وائسرائے اسی ملک افریقیہ یا طرابلس کے شہر قیروان میں رہتا تھا اور مراقش و اندلس کے گورنر اسی قیروان کے وائسرائے کی تجویز سے مقرر ہوتے تھے۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں جب اندلس و مراقش کے ملک دائرہ حکومت عباسیہ سے خارج ہو گئے تو قیروان کے وائسرائے کی حیثیت ایک معمولی صوبہ دار یا گورنر کی رہ گئی تھی۔ رعایا اور آب و ہوا کے اعتبار سے یہ ملک بھی چونکہ ملک مراقش سے مشابہت رکھتا تھا۔ اور یہاں بھی بربری لوگ ہی زیادہ آباد تھے۔ لہٰذا یہ صوبہ بھی ہمیشہ معرض خطر ہی میں رہتا تھا اور یہاں جلد جلد عامل یا گورنر تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ بغاوتوں اور سرکشیوں کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا۔

ابراہیم بن اغلب :

عاملوں کی تبدیلی کے سلسلہ میں جب محمد بن مقاتل نے دوبارہ اس صوبہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس ملک کے باشندوں نے اظہار ناراضگی اور ابراہیم بن اغلب کو جو دربار خلافت میں موجود تھا۔ لکھا کہ آپ اس صوبہ کی حکومت خلیفہ سے کہہ کر اپنے نام مقرر کرا لیں۔ اس پیغام سے مطلع ہو کر ابراہیم بن اغلب نے خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ملک مصر کی آمدنی سے ایک لاکھ دینار سالانہ ملک افریقیہ میں نظام قائم رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس ملک سے آپ کو کوئی آمدنی نہیں ہوتی۔ آپ مجھ کو اس ملک کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ خزانہ مصر سے وہ ایک لاکھ دینار سالانہ نہیں لوں گا اور چالیس ہزار دینار سالانہ ملک افریقیہ سے بطور خراج دربار خلافت میں بھیجتا رہوں گا۔ ابراہیم بن اغلب کی اس درخواست کو سن کر خلیفہ ہارون الرشید نے ہرثمہ بن اعین سے مشورہ کیا۔ ہرثمہ نے عرض کیا کہ ابراہیم کی اس درخواست کو ضرور منظور فرما لیجئے اور ملک افریقہ کی سند حکومت اس کو دیجئے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو سند حکومت عطا کر دی۔ یہ ایک قسم کا ٹھیکہ تھا جو ابراہیم بن اغلب کو دیا گیا تھا۔ ابراہیم بن اغلب نے محمد بن مقاتل سے حکومت کا چارج لے لیا اور چونکہ رعایا ابراہیم سے خوش تھی اس لیے تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ ابراہیم بن اغلب نے ۱۸۴ھ میں ملک افریقیہ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور قیروان کے متصل ایک نیا شہر آباد کر کے اس کا نام عباسیہ رکھا۔

لڑائیاں :

۱۸۶ھ میں حمدیس نامی ایک شخص نے عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ابراہیم نے عمران بن مجاہد کو فوج دے کر مقابلہ پر بھیجا۔ سخت لڑائی کے بعد حمدیس کو شکست ہوئی اور دس ہزار آدمی میدان جنگ میں باغیوں کے کھیت رہے۔ اس کے بعد ابراہیم بن اغلب نے اپنی تمام تر توجہ مغرب الاقصیٰ کی طرف مبذول کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ادریس اول مراقش میں فوت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ادریس اصغر کے نام سے ادریس اول کا خادم راشد مراقش میں حکومت کر رہا تھا۔ ابراہیم اغلب نے بربریوں کو انعام و اکرام دے کر اپنی طرف گرویدہ کیا اور ان بربریوں کی ایک جماعت نے راشد کا سر اتار کر ابراہیم بن اغلب کے پاس قیروان بھیج دیا۔ اس کے بعد ابراہیم بن اغلب نے اپنے احسانات کا سلسلہ جاری رکھا اور ادریس اصغر کے اکثر ارا کین کو اپنی طرف مائل کیا مگر ابھی اس کا کوئی قابل تذکرہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تھا کہ ۱۸۹ھ میں شہر طرابلس کے باشندوں نے ابراہیم بن اغلب کے عامل سفیان بن مہاجر کے خلاف بغاوت کر کے اس کو طرابلس سے مار کر نکال دیا۔ ابراہیم نے طرابلس کی طرف فوج روانہ کی اور ذی الحجہ ۱۸۹ھ میں طرابلس میں پھر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ ۱۹۵ھ میں ابراہیم بن اغلب کے خلاف زبردست بغاوت نمودار ہوئی۔ یعنی عمران بن مجاہد ربیعی نے تونس میں علم بغاوت بلند کیا اور ایک زبردست جمعیت کے ساتھ قیروان کی طرف بڑھا اور قیروان پر قابض و متصرف ہو گیا۔ ابراہیم بن اغلب نے عباسیہ کے گرد خندق کھدوا کر مضبوطی کی اور عباسیہ میں محصور ہو گیا۔ عمران نے ایک سال تک ابراہیم بن اغلب کا محاصرہ جاری رکھا اس عرصہ میں محاصر و محصور دونوں کی متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں ابراہیم بن اغلب کو اکثر کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر کوئی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس عرصہ میں عمران نے اسد بن فرات قاضی کو بھی بغاوت پر ابھارا۔ مگر اسد نے بغاوت سے انکار کیا۔ ابراہیم بن اغلب نے اپنی اس حالت کی اطلاع خلیفہ ہارون الرشید کو دے کر روپیہ کی امداد چاہی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ابراہیم کے پاس کافی خزانہ فوراً روانہ کر دیا۔ اس خزانہ کے پہنچنے پر ابراہیم بن اغلب نے داد و دہش کا سلسلہ جاری کیا اور عمران کی فوج کے اکثر آدمی ابراہیم کے پاس چلے آئے۔ عمران پریشان ہو کر اور محاصرہ اٹھا کر مقام زاب کی طرف چلا گیا اور وہیں مقیم رہا۔ ابراہیم بن اغلب نے اس خطرہ سے نجات حاصل کر کے ۱۹۶ھ میں اپنے بیٹے عبداللہ کو طرابلس کی حکومت پر روانہ کیا۔ اس کے پہنچنے پر چند ہی روز کے اندر طرابلس کی فوج نے بغاوت کی اور دارالامارت میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ پھر اس شرط پر کہ وہ طرابلس کو چھوڑ کر چلا جائے اس کو امان دی۔ عبداللہ نے طرابلس سے نکل کر اور اسی کے مضافات میں مقیم رہ کر بربریوں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا اور ان کو خوب روپیہ لٹایا۔ جب اس طرح ایک جمعیت

کثیر فراہم ہو گئی تو طرابلس پر حملہ کیا اور طرابلس کی فوج کو شکست دے کر طرابلس پر قبضہ کیا۔ اس کے چند روز بعد ابراہیم بن اغلب نے عبداللہ کو طرابلس کی حکومت سے معزول کر کے سفیان بن مضار کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اہل طرابلس نے پھر بغاوت کی اور سفیان کو طرابلس سے نکال دیا۔ سفیان ابراہیم کے پاس عباسیہ میں پہنچا۔ ابراہیم نے سفیان کے ساتھ اپنے بیٹے عبداللہ کو روانہ کیا اور پھر طرابلس کی طرف بھیجا۔ سخت معرکہ ہوا اور بڑے کشت و خون کے بعد چند روز طرابلس میں امن و امان رہا۔ پھر عبدالوہاب بن عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم بربریوں کی ایک جمعیت کثیر لے کر طرابلس پر چڑھ آیا اور کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔

وفات :

ادھر ماہ شوال ۱۹۶ھ میں ابراہیم بن اغلب نے عباسیہ میں وفات پائی یہ خبر جب عبداللہ کو طرابلس میں پہنچی تو اس نے عبدالوہاب سے صلح کر لی۔ مضافات طرابلس عبداللہ کو دے کر شہر طرابلس اپنے پاس رکھا اور صلح نامہ مرتب کرنے کے بعد طرابلس سے قیروان کی جانب روانہ ہوا۔

عبداللہ بن ابراہیم :

ابراہیم بن اغلب نے وفات کے وقت اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنے دوسرے بیٹے زیادۃ اللہ کو بھائی کی اطاعت کے لیے وصیت کی۔ چنانچہ زیادہ اللہ نے باپ کی وفات کے بعد اپنے بھائی عبداللہ کی حکومت کے لیے لوگوں سے بیعت لی۔ عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب ماہ صفر ۱۹۷ھ میں وارد قیروان ہوا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ قریباً پانچ سال حکومت کر کے ماہ ذی الحجہ ۲۰۱ھ میں عبداللہ نے کان کے زخم کی وجہ سے وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی زیادۃ اللہ تخت نشین ہوا۔

زیادۃ اللہ:

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابراہیم اغلب نے اس ملک کی حکومت ہارون الرشید سے ٹھیکہ پر لی تھی۔ لہٰذا خطبہ میں خلیفہ عباسی کا نام لیا جاتا تھا۔ مگر حکومت خود مختارانہ تھی۔ زیادۃ اللہ کی تخت نشینی کے بعد اس کے پاس مامون الرشید عباسی کی طرف سے سند حکومت آئی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم آیا کہ منبروں پر عبداللہ بن طاہر کے لیے دعا کی جائے۔ اس حکم سے زیادۃ اللہ کو انقباض پیدا ہوا اور اس نے قاصد کو رخصت کرتے وقت تحف و ہدایا کے ہمراہ چند دینار حکومت ادریسیہ کے مسکوک شدہ روانہ کیے۔ مدعا اس سے یہ تھا کہ ہم بجائے آپ کے ادریسی حکومت سے تعلق پیدا کر سکتے ہیں۔

بغاوتیں :

چند روز کے بعد زیاد بن سہل نے جو اس کا ایک فوجی افسر تھا۔ باغی ہو کر شہر باجہ پر محاصرہ ڈالا۔ زیادۃ اللہ نے یہ خبر سن کر ۲۰۷ھ میں فوج اس طرف روانہ کی۔ زیادۃ اللہ کی فوج نے زیادہ کو شکست دے کر اور گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اس کے بعد منصور ترمذی نے مقام طنبہ میں علم بغاوت بلند کیا اور فوجیں آراستہ کر کے تونس پر چڑھ آیا۔ تونس کا گورنر اسمٰعیل بن سفیان مقابلہ میں مقتول ہوا اور منصور کا تونس پر قبضہ ہو گیا۔ زیادۃ اللہ نے اپنے چچازاد بھائی اغلب بن عبداللہ بن اغلب کو جو اس کا وزیر بھی تھا فوج دے کر روانہ کیا۔ چلتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ اگر منصور سے شکست کھا کر آؤ گے تو تم سب کو قتل کر دوں گا۔ وہاں پہنچ کر لڑائی ہوئی اور منصور نے اس فوج کو شکست دی۔ اغلب بن عبداللہ شکست خوردہ قیروان کی طرف واپس آ رہا تھا۔ لشکریوں نے جان کے خوف سے اغلب بن عبداللہ کو قتل کر دیا اور خود منصور کے پاس چلے گئے۔ منصور کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔ اس نے ایک زبردست فوج مرتب کر کے قیروان کا قصد کیا اور جاتے ہی قیروان پر قابض ہو گیا۔ زیادۃ اللہ عباسیہ میں محصور ہوا۔ قیروان پر منصور کا اور عباسیہ پر زیادۃ اللہ کا قبضہ رہا۔ چالیس دن کی لڑائیوں کے بعد زیادۃ اللہ کو فتح حاصل ہوئی اور منصور بھاگ کر تونس چلا گیا۔ سرداران لشکر میں سے کئی افسروں نے ملک کے جس حصہ پر موقع پایا قبضہ کر لیا۔ انہیں میں عامر بن نافع ارزق بھی تھا جس نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ زیادۃ اللہ نے محمد بن عبداللہ بن اغلب کو ایک فوج دے کر عامر کے مقابلہ کو بھیجا۔ عامر نے اس فوج کو شکست دے کر بھگا دیا۔ غرض زیادۃ اللہ کے قبضے میں بہت ہی تھوڑا سا علاقہ رہ گیا۔ باقی سب مختلف سرداروں کے قبضے میں چلا گیا۔ مگر چند روز کے بعد منصور اور عامر میں لڑائی ہو گئی۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر زیادۃ اللہ نے اپنی حالت کو درست کیا اور دوبارہ اپنی طاقت کو بڑھایا۔ ادھر منصور عامر کے مقابلے میں مقتول ہوا اور عامر نے تونس میں مقیم ہو کر اپنی الگ حکومت قائم کی۔ یہاں تک کہ ۶۱۴ھ میں عامر کا انتقال ہوا۔ ۶۱۸ھ میں زیادۃ اللہ کا تونس پر بھی قبضہ ہو گیا اور دوسرے باغی سرداروں کو بھی اس نے مغلوب کیا۔

جزیرہ صقلیہ کی فتح :

جزیرہ صقلیہ (سسلی) میں قیصر قسطنطنیہ کی حکومت تھی اور وہاں ایک گورنر قیصر کی طرف سے مقرر و مامور ہو کر آتا اور حکومت کرتا تھا۔ ۲۱۱ھ میں قیصر نے قسطنطیل نامی بطریق کو صقلیہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ اس نے ایک رومی سردار کو امیر البحر بنایا جس کا نام فیمی تھا۔ فیمی نے ساحل افریقہ پر لوٹ مار مچائی۔ اور اپنا رعب سمندر میں قائم کیا۔ مگر اسی زمانے میں قیصر نے گورنر صقلیہ کو لکھا کہ تم اپنے امیر البحر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ امیر البحر کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے جزیرہ صقلیہ میں داخل ہو کر شہر

سرتوسہ پر قبضہ کرلیا۔ گورنر اور امیر البحر میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں گورنر کام آیا اور امیر البحر فیمی نے تمام جزیرہ پر قابض ہو کر اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کیا اور اپنے آپ کو بادشاہ کہلوایا۔ جزیرہ صقلیہ کے اس بادشاہ نے جزیرہ کے ایک حصہ کی حکومت پر بلاطہ نامی ایک شخص کو مامور کیا۔ بلاطہ کا ایک چچازاد بھائی میخائیل بھی اس جزیرہ کے ایک حصہ میں برسر حکومت تھا۔ ان دونوں چچازاد بھائیوں نے مل کر فیمی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد سرقوسہ پر قابض و متصرف ہو گئے۔ فیمی شکست کھا کر اور جزیرہ کو چھوڑ کر جہازوں میں آ گیا۔ اور امداد حاصل کرنے کے لیے زیادۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زیادۃ اللہ نے قیروان کے قاضی اسد بن فرات کو ایک فوج دے کر صقلیہ کے بادشاہ فیمی کے ساتھ کر دیا۔

جزیرہ صقلیہ پر سب سے پہلے مسلمانوں نے حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں بسرداری عبداللہ بن قیس فزاری فوج کشی کی تھی۔ لیکن یہ فوج کشی ایک وقتی حملہ تھا۔ جس سے رومیوں کو مرعوب کرنا مقصود تھا۔ یہ حملہ ۳۲ھ میں ہوا تھا۔ پھر ۸۵ھ میں موسیٰ بن نصیر وائسرائے افریقہ نے بھی اسی قسم کی فوج کشی اس جزیرہ پر کی تھی۔ پھر ۱۰۲ھ میں خلیفہ یزید بن عبدالملک کے ایک سردار محمد بن ابو ادریس انصاری نے جزیرہ صقلیہ پر حملہ کیا۔ اس کے بعد بشر بن صفوان کلبی نے ۱۰۹ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں صقلیہ پر حملہ کیا۔ ان تمام حملوں میں مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور وہ صقلیہ سے بہت سے قیدی اور مال غنیمت لے لے کر واپس ہوئے۔ ۱۱۰ھ میں عبیدہ بن عبدالرحمٰن قیسی وائسرائے افریقیہ کے ایک سردار مستنیر بن حرث نے صقلیہ پر فوج کشی کی۔ مگر سمندر میں طوفان کے برپا ہونے اور جہازوں کے ڈوب جانے سے یہ مہم ناکام رہی اور مستنیر راستے ہی سے بدقت تمام طرابلس واپس آیا۔ اس کے بعد ۱۲۲ھ میں عبیداللہ بن حجاب گورنر افریقہ نے حبیب بن عبیداللہ کو مع اس کے بیٹے عبدالرحمٰن بن حبیب صقلیہ کی طرف روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن حبیب نے ساحل پر اتر کر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اندرون جزیرہ میں شہر سرقوسہ تک جو صقلیہ کا دارالسلطنت تھا پہنچ گیا حاکم صقلیہ نے عبدالرحمٰن بن حبیب کو جزیہ دینا منظور کیا۔ اور اطاعت و فرماں برداری کا اقرار کر کے عبدالرحمٰن سرقوسہ سے سالماً غانماً ساحل پر اپنے باپ حبیب بن عبیداللہ کے پاس واپس آیا۔ اس طرح جزیرہ صقلیہ کو مفتوح و باج گزار بنا کر دونوں باپ بیٹے افریقہ واپس آئے۔ مگر چند ہی روز کے بعد یہ جزیرہ اسلامی حکومت و سیادت کے دائرے سے خارج ہو گیا۔ یہ فتح بھی محض عارضی اور ہنگامی ہی تھی۔ ۱۳۵ھ میں ایک مرتبہ پھر حاکم افریقہ نے اس جزیرہ پر فوج کشی کی۔ اس کے بعد ۲۱۲ھ تک مسلمانوں کو اس جزیرہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں ملا۔

اب زیادۃ اللہ کے پاس جب فیمی آیا اور جزیرہ کے فتح کرنے کی ترغیب دی تو زیادۃ اللہ نے

اسد بن فرات قاضی قیروان کو سو جہاز دے کر جو فیمی کے جہازوں کے علاوہ تھے صقلیہ کی طرف بھیجا اور اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ صقلیہ کو فتح کر کے وہاں مستقل طور پر اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ اور رومی حکومت کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔ نصف ربیع الاول ۲۱۲ھ کو یہ جنگی بیڑہ صقلیہ کی جانب روانہ ہوا۔ اور تیسرے روز جزیرہ صقلیہ کے ساحل پر اسلامی فوج جا اتری۔ بلاطہ نے جواب جزیرہ صقلیہ کا بادشاہ بن گیا تھا، مقابلہ کے لیے فوج بھیجی۔ بلاطلہ نے قیصر کی خدمت میں اظہار فرماں برداری کی درخواست بھیج کر باقاعدہ سند حکومت اور امداد منگائی تھی۔ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہر مقام پر عیسائی لشکر کو شکست دیتے ہوئے مسلمان آگے بڑھے۔ فیمی مذکور اسلامی لشکر کے ہمراہ تھا۔ مگر اب وہ مسلمانوں کی پیہم فتوحات اور عیسائیوں کی ہزیمتوں سے دل ہی دل میں افسردہ رنجیدہ ہوتا تھا۔ اس نے درپردہ عیسائیوں کو ضروری خبریں پہنچانی اور مشورے دینے شروع کیے، جس سے اسلامی لشکر کے لیے مشکلات پیدا ہوئیں مگر ان لڑائیوں میں بلاطہ مقتول ہوا اور عیسائیوں نے خود ہی دھوکا دے کر اس کے بعد فیمی کو الگ بلا کر قتل کر دیا۔ بلاطہ کی جگہ عیسائیوں نے فوراً اپنا دوسرا سردار انتخاب کیا اور سرقوسہ کو ہر قسم کی تیاری کے بعد خوب مضبوط کر کے مسلمانوں کا مقابلہ سختی سے جاری رکھا۔ قاضی اسد بن فرات نے سرقوسہ کا محاصرہ کیا۔ اسی محاصرہ کے دوران میں قاضی اسد بن فرات کا شعبان ۲۱۳ھ میں انتقال ہوا۔

لشکر اسلام نے قاضی اسد بن فرات کے انتقال پر محمد بن الجواری کو اپنا سردار منتخب کیا۔ اس کے بعد ہی عیسائیوں کی امداد اور مسلمانوں کے مقابلہ کی غرض سے قسطنطنیہ سے فوجیں جنگی جہازوں میں آ گئیں۔ سخت لڑائی ہوئی۔ لشکر اسلام نے اس نو وارد فوج کو شکست دے کر بھگا دیا اور محاصرہ کو سختی سے جاری رکھا۔ مگر اس کے بعد ہی اسلامی لشکر میں وبا پھیل گئی۔ اس وبا کا حملہ عیسائی لشکر کے حملے سے زیادہ خطرناک اور مہلک ثابت ہوا۔ بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ مسلمانوں نے سرقوسہ سے محاصرہ اٹھا لیا۔ اور اپنے مقبوضہ شہروں میں واپس آ کر ارادہ کر لیا کہ افریقیہ کو واپس چلیں اور وہاں سے حالت درست کر کے پھر واپس آ کر تمام جزیرہ کو فتح کریں گے۔ لیکن ان کو معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ کے جہازوں نے ناکہ بندی کر لی ہے۔ اب عیسائی فوجیں بحری و بری راستے سے بڑی تعداد میں آ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو ان کی لشکر گاہ میں محصور کر لیا۔ کچھ مسلمان جو مقبوضہ شہروں کے انتظام پر مامور تھے۔ انہوں نے یہ خبر سن کر چاہا کہ ہم اپنے محصور بھائیوں سے جا ملیں۔ مگر عیسائیوں کے محاصرے کو نہ توڑ سکے اور باہر ہی ادھر ادھر بحالت پریشان پھرنے لگے۔ اسی حالت محاصرے میں محمد بن ابوالجواری نے وفات پائی۔

مسلمانوں نے فوراً زہیر بن عوف کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ مقام مازر میں مسلمان عرصہ دراز تک اسی حالت میں محاصرہ میں رہے۔ اتفاقاً اندلس سے ایک بیڑہ جنگی جہازوں کا بقصد جہاد نکلا ہوا تھا اور بحر روم میں گشت کر رہا تھا۔ صقلیہ کے ان مسلمانوں کو جو محاصرہ سے باہر تھے۔ یہ حال معلوم ہوا اور انہوں نے اس

اندلسی بیڑہ کے قریب پہنچنے پر کسی نہ کسی طرح اسلامی لشکر کی حالت سقیم سے مطلع کیا۔ اس بیڑہ سے فوراً تین سو کشتیاں ساحل پر صقلیہ پر بھیج دی گئیں اور اندلس کے اسلامی لشکر نے ساحل پر اتر کر عیسائیوں کو مارنا اور قتل کرنا شروع کیا اور عیسائی محاصرہ اٹھا کر فرار ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخر ۲۱۵ھ کا ہے۔ مسلمانوں نے اس محاصرہ سے آزاد ہوتے ہی پھر فتوحات کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اندلسی بیڑہ تو اپنا کام کر کے واپس چلا گیا۔ اور افریقی اسلامی لشکر نے شہر بلرمو کا محاصرہ کر لیا اور مفتوحہ شہروں پر بھی از سر نو حکومت قائم کی۔ اسی عرصہ میں افریقہ سے بھی کمکی فوج کی کشتیاں پہنچ گئیں۔ اس سے پہلے جو فوج اسد بن فرات کے ہمراہ آئی تھی۔ اسکی کل تعداد دس ہزار سات سو تھی۔ جس میں دس ہزار پیدل اور سات سو سوار تھے۔ شہر بلرمو ابھی فتح نہ ہوا تھا کہ ۲۱۸ھ میں افریقیہ سے محمد بن عبداللہ بن اغلب یعنی زیادۃ اللہ کا چچا زاد بھائی صقلیہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ اور ۲۲۰ھ میں بلرمو اور قصیر مانہ وغیرہ شہروں کو رومیوں سے فتح کر لیا۔ جزیرہ صقلیہ کا نصف جنوبی حصہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ اور نصف شمالی حصے میں عیسائیوں کی حکومت قائم تھی۔ اور قیصر روم کی طرف سے برابر مدد پہنچتی رہتی تھی۔ مگر مسلمان برابر اپنی فتوحات کو بڑھاتے اور جزیرہ میں اسلامی حکومت کو وسیع کرتے رہے۔ بلرمو کی فتح کے بعد سے جزیرہ صقلیہ سلطنت اغلبیہ کا ایک صوبہ بن گیا اور وہاں برابر یکے بعد دیگرے قیروان سے گورنر مقرر ہو کر آتے اور حکومت کرتے رہے۔ زیادۃ اللہ کے عہد حکومت کا سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ جزیرہ صقلیہ کا حکومت اسلامیہ میں شامل کرنا ہے۔ اس جزیرہ میں قریباً پونے تین سو سال تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی اس کے بعد آپس کی خانہ جنگیوں نے اس جزیرہ کو عیسائیوں کے قبضے میں پہنچا دیا اور انہوں نے جس طرح اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان گم کیا۔ اس طرح جزیرہ صقلیہ سے بھی مسلمانوں اور ان کے نشانوں کو مٹایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

وفات:

زیادۃ اللہ نے ۲۲۳ھ میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی اغلب بن ابراہیم اغلب تخت نشین ہوا۔ اس کی کنیت ابو عقال تھی۔

اغلب بن ابراہیم ابو عقال :

ابو عقال کی حکومت سے رعایا عام طور پر خوش رہی۔ فوج بھی اس سے خوش تھی۔ اگر کسی نے بغاوت و سرکشی کی تو اس کی سرکوبی کامیابی کے ساتھ کر دی گئی۔ دو برس اور سات مہینے حکومت کرنے کے بعد ابو عقال نے ۲۲۶ھ میں ماہ ربیع الاول میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو العباس محمد بن اغلب بن ابراہیم بن اغلب تخت نشین ہوا۔

ابوالعباس محمد:

ابوالعباس محمد کی حکومت بھی مثل اپنے باپ کے تھی۔ ۲۴۰ھ میں ابوالعباس کے بھائی ابوجعفر نے علم بغاوت بلند کر کے ابوالعباس کو معزول کر دیا۔ اور خود حکومت کرنے لگا۔ ابوالعباس نے موقع پا کر فوج جمع کی اور ڈیڑھ سال کے بعد ۲۴۲ھ میں دوبارہ تخت حکومت حاصل کر کے ابوجعفر کو مصر کی طرف نکال دیا۔ مگر اسی سال ابوالعباس کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوابراہیم احمد ابوالعباس محمد تخت نشین ہوا۔

ابوابراہیم احمد :

ابوابراہیم احمد نے تخت نشین ہو کر فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ ملک کے اندر جا بجا قلعے بنوائے۔ جزیرہ صقلیہ میں رومی فوجوں کے ساتھ سلسلۂ جنگ برابر جاری رہتا تھا۔ ابوابراہیم کے زمانے میں بماہ شوال ۲۴۷ھ میں مسلمانوں کو رومیوں پر ایک فتح عظیم حاصل ہوئی اور بہت سے قیدی افریقہ میں آئے۔ ابوابراہیم نے ان رومی قیدیوں کو نامہ بشارت کے ساتھ خلیفہ متوکل کے پاس بغداد کی جانب بھیج دیا۔ خاندان اغلب کے فرماں روا اگرچہ صوبہ افریقیہ میں مستقل حکومت اور شاہی اختیارات رکھتے تھے مگر بظاہر وہ خلیفہ بغداد کی سیادت کو تسلیم کرتے اور دربار خلافت سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق ضرور رکھتے تھے۔ ۲۴۹ھ میں ابوابراہیم احمد نے وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا زیادۃ اللہ جو زیادۃ اللہ اصغر کے نام سے مشہور ہے تخت نشین ہوا۔

زیادۃ اللہ :

زیادۃ اللہ اصغر کا عہد حکومت بھی مثل اپنے بزرگوں کے رہا۔ مگر اس کو ایک سال سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد اس کا بھائی محمد بن ابوابراہیم احمد ملقب بہ ابوالغرانیق تخت نشین ہوا۔

ابوالغرانیق:

ابوالغرانیق اپنے بھائی زیادۃ اللہ اصغر کی وفات کے بعد ۲۵۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ لہو و لعب کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اس کے عہد حکومت میں جزیرہ صقلیہ کا ایک حصہ رومیوں نے مسلمانوں سے فتح کر لیا۔ مگر چند روز کے بعد مسلمانوں نے پھر وہ حصہ رومیوں سے چھین لیا تھا۔ اس نے سرحد مراقش اور ساحل بحر پر متعدد قلعے تعمیر کرائے۔ گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد جمادی الثانی ۲۶۱ھ میں فوت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن ابوابراہیم احمد تخت نشین ہوا۔

ابراہیم بن احمد :

ابراہیم بن احمد بہت ذی ہوش اور مدبر شخص تھا۔ اس نے نہایت عمدگی کے ساتھ حکومت شروع کی اور انتظام ملکی کو خوب مضبوط و مستحکم بنایا۔ بغاوتوں کے امکان کو مٹایا۔ ۲۶۷ھ میں مصری فوجوں نے افریقہ پر حملہ کیا۔ مگر ابراہیم کی فوجوں نے ان کو شکست دے کر بھگایا۔ ۲۶۹ھ میں ملک کے اندر ایک بغاوت نمودار ہوئی جس کے فرو کرنے میں بہت خوں ریزی ہوئی۔ ۲۸۰ھ میں خوارج نے خروج کیا۔ اور تمام ملک میں بغاوتوں کے آثار نمودار ہوئے۔ ابراہیم نے نہایت استقلال و اطمینان کے ساتھ اس فتنہ خوارج کے فرو کرنے کے لیے فوجیں ملک کے ہر حصے میں پھیلا دیں اور بہت جلد امن و امان قائم ہو گیا۔ اس کے بعد ابراہیم نے سوڈانی لوگوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا اور ان سوڈانی غلاموں کی تعداد کو جو بطور سوار بھرتی کیے جاتے تھے تیں ہزار تک پہنچایا۔ ۲۸۱ھ میں ابراہیم قیروان سے شہر تونس میں چلا آیا اور وہیں محل سرائے بنوا کر اقامت اختیار کی۔ ۲۸۳ھ میں فوج لے کر مصر کی جانب ابن طولون سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اثناء راہ میں ایک بغاوت کا حال سن کر اس طرح اس طرف متوجہ ہو گیا اور اس بغاوت کو فرو کیا۔

۲۸۷ھ میں جزیرہ صقلیہ سے خبر آئی کہ اہل بلرمو نے بغاوت اختیار کی ہے۔ ابراہیم نے اپنے بیٹے ابوالعباس عبداللہ کو ایک سو ساٹھ کشتیوں کا بیڑہ دے کر صقلیہ کی جانب روانہ کیا۔ ابوالعباس نے صقلیہ پہنچ کر عیسائی باغیوں کو پیہم شکستیں دے کر تمام جزیرہ میں امن و امان قائم کر دیا۔ پھر فوجیں آراستہ کر کے جزیرہ صقلیہ سے کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل فرانس پر حملہ آور ہوا اور ڈیڑھ برس کے بعد سالماً غانماً واپس آیا۔ اس کے آتے ہی ابراہیم خود جزیرہ صقلیہ میں گیا اور وہاں سے ساحل فرانس سے حملہ آور ہوا۔ فرانسیسی اس سے بہت خوف کھاتے تھے۔ اس نے وہاں بعض مقامات کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ اسی حالت میں آخر ماہ ذی الحجہ ۲۸۹ھ میں فوت ہوا۔ اس کی لاش بلرمو میں لا کر دفن کی گئی۔

اسی ابراہیم کے عہد حکومت میں ابوعبداللہ حسین بن محمد شیعی نے مراقش و افریقہ کی درمیانی حد پر کوہ اطلس کے جنوب شہر کتامہ میں ظاہر ہو کر بربری قبائل کو محبت اہل بیعت کی ترغیب و تلقین شروع کر کے بہت جلد کافی طاقت حاصل کر لی اور کتامہ پر قابض ہو کر حدود سلطنت اغلبیہ کو دبانا شروع کیا تھا کہ سلطان ابراہیم اغلبی فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم تخت نشین ہوا۔

ابوالعباس:

ابوالعباس نے تخت نشین ہو کر تونس کو اپنا دارالحکومت بنایا اور اپنے بیٹے ابوخول کو فوج دے کر ابوعبداللہ شیعی کے معتقدین کا قتل عام کیا۔ شیعی نے پھر فوج جمع کر کے ابوخول پر حملہ کیا۔ ایک شبانہ روز کی

جنگ عظیم کے بعد ابوخول کو شکست ہوئی وہ تونس واپس آیا۔ یہاں سے پھر فوج مرتب کر کے ابوعبداللہ شیعی کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ ابوعبداللہ شیعی نے دھوکا دے کر اس کی فوج پر حملہ کیا۔ اس غیر مترقبہ حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوخول کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور ابوخول نے مقام سطیف میں قیام کر کے پھر لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا اور مستعد ہو کر ابوعبداللہ شیعی کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ ادھر ابوخول کے دوسرے بھائی زیادۃ اللہ بن ابوالعباس نے اپنے باپ کے بعض خدام کو شریک سازش کر کے ابوالعباس کا کام تمام کرادیا۔ اور خود شعبان ۲۹۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ خبر جب ابوخول کو پہنچی تو وہ تونس کی طرف واپس آیا اور آتے ہی یہ گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ علاوہ اس کے اور بھی اپنے بھائیوں اور چچاؤں کو زیادۃ اللہ نے قتل کرایا۔ زیادۃ اللہ کی کنیت ابومضر تھی۔

ابومضر زیادۃ اللہ :

ابومضر زیادۃ اللہ کی تخت نشینی کے بعد ابوعبداللہ شیعی نے بڑھ کر شہر سطیف پر قبضہ کرلیا اور اس کی طاقت میں خوب اضافہ ہوگیا۔ ابومضر عیش پرست اور پست ہمت شخص تھا۔ اس نے تونس کو چھوڑ کر مقام رقاہ میں سکونت اختیار کی اور اپنے ایک سردار ابراہیم بن جیش کو ابوعبداللہ شیعی کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ ابراہیم بن جیش چالیس ہزار فوج لے کر روانہ ہوا اور مقام قسطیلہ میں پہنچ کر چھ مہینے مقیم رہا۔ اور اس عرصہ میں فوجیں ہر طرف سے فراہم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ فوج اس کے پاس فراہم ہوگئی۔ اس لشکر عظیم کو لے کر وہ کنامہ کی طرف بڑھا۔ مقابلہ ہوا۔ اتفاق کی بات ابراہیم بن جیش کو شکست ہوئی اور اس نے قیروان میں آ کر دم لیا۔

ابوعبداللہ شیعی نے شہر طلبہ کو فتح کر کے وہاں کے عامل فتح بن یحییٰ کو قتل کیا۔ ابوعبداللہ شیعی کی ان فتوحات کا حال سن کر قیروان اور دوسرے شہروں میں ہلچل اور بدامنی کے آثار نمایاں ہوئے۔ زیادۃ اللہ نے ان حالات کو درست کرنے میں روپیہ بہت خرچ کیا۔ اور فوجوں کی بھرتی بھی جاری کر دی۔ مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں۔ مگر ابوعبداللہ شیعی کی پیش قدمی برابر جاری رہی اور جلد جلد ایک شہر کے بعد دوسرا شہر اس کے قبضے میں آتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ابوعبداللہ نے شہر قمودہ پر قبضہ کیا۔

سلطنت اغلبیہ کا خاتمہ :

شہر قمودہ پر اس کے قبضے کا حال سن کر ابومضر زیادۃ اللہ مقام رقادہ سے جہازوں میں مع اپنے مال و اسباب کے سوار ہو کر مشرق کی طرف چلا گیا۔ اول اس نے اسکندریہ میں اترنا چاہا۔ مگر وہاں حاکم مصر نے اس کو اترنے سے روک گیا۔ مجبوراً وہ ساحل شام پر اترا اور مقام رقہ میں مقیم ہوا اور وہیں فوت ہو کر خاندان اغلبیہ کا خاتمہ کر گیا۔ ۲۹۶ھ میں ابوعبداللہ شیعی نے تمام حدود سلطنت اغلبیہ پر قبضہ کر کے

عبیداللہ مہدی کے لیے لوگوں سے بیعت لی اور اس طرح سلطنت اغلبہ کا خاتمہ ہو کر دولت عبیدئین کی ابتداء ہوئی۔ اسی سال قیروان ورقادہ وغیرہ پر قابض ہو کر عبداللہ شیعی نے ۲۹۷ھ میں حسن بن خزیر کتامی کو جزیرہ صقلیہ کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا۔ ۲۹۹ھ میں صقلیہ والوں نے حسن بن خزیر کی بدخوئی سے تنگ آ کر اس کو قید کر لیا۔ اور عبیداللہ مہدی کو معذرت کے ساتھ اطلاع دے کر دوسرا گورنر اپنے جزیرے کے لیے مقرر کرایا۔

(تیرھواں باب)

دولت عبیدیین مصر وافریقیہ میں

ابوعبداللہ:

خلافت عباسیہ کے شروع ہوتے ہی علویوں نے اس کی مخالفت میں کوشش شروع کر دی تھیں جن کا حال دوسری جلد میں بیان ہو چکا ہے۔علویوں نے بار بار خروج کیا اور بار بار نا کامی کا منہ دیکھا۔ محبت اہل بیت اور سلطنت عباسیہ کی مخالفت کا اشاعتی کام خفیہ طریقہ سے تمام عالم اسلام میں علویوں نے پھیلا دیا تھا۔مگر عباسیوں کی مستعدی اور ان کے خواہوں کی کوششوں نے علویوں کو کامیاب نہیں ہونے دی۔اس پوشیدہ اور سازشی کام کی ابتداء عبداللہ بن سبا یہودی نے کی تھی۔اسی کو اس سازشی کام کا استاد اور موجد کہنا چاہیے۔اس کام میں مجوسیوں، یہودیوں، بربریوں نے بھی نومسلموں کے لباس میں علویوں کی امداد کی۔جب سلطنت عباسیہ کی وسیع سلطنت کا شیرازہ ڈھیلا ہونے لگا تو بعض یہودی الاصل اور مجوسی النسب لوگوں نے اپنے آپ کو علوی بتا کر فائدہ اٹھانا چاہا۔ بربر کا علاقہ مرکز سلطنت بغداد سے زیادہ فاصلہ پر تھا اور بربری لوگوں کے مخصوص خصائل سے بآسانی فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔لہٰذا تیسری صدی ہجری کے آخری حصے میں محمد حبیب نامی ایک شخص نے جو سلمیہ علاقہ حمص میں سکونت پذیر تھا، اپنے آپ کو امام جعفر صادقؒ کے بیٹے اسمٰعیل کی اولاد میں ظاہر کر کے حکومت وسلطنت کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔امام جعفر صادقؒ کے زمانے سے ان کے داعی یمن، افریقہ اور مراقش میں مصروف کار تھے اور لوگوں کو اس خیال کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔کہ عن قریب امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔اور وہ علوی فاطمی ہوں گے۔محمد حبیب نے اپنے رازداروں میں سے ایک شخص رستم بن حسن بن حوشب کو یمن کی طرف بھیجا کہ وہاں جا کر لوگوں کو اس بات کی تعلیم دے کر امام مہدی بہت جلد ظاہر ہونے والے ہیں چنانچہ رستم نے یمن میں جا کر اپنے کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا اور ایک جمعیت بھی فراہم کر لی۔

اس کے بعد محمد حبیب کے پاس بصرے کا ایک شخص ابوعبداللہ حسن بن محمد بن زکریا جو شیعہ خیال کا آدمی تھا اور ہمیشہ علویوں کی حمایت وطرفداری میں کوشاں رہتا تھا، آیا محمد حبیب نے اس کو مناسب تعلیم دے کر اور جوہر قابل پا کر ہدایت کی کہ تم اول یمن پہنچ کر رستم بن حسن کی صحبت میں چند روز رہو۔ اور دعوت وتبلیغ کے قاعدے اس سے سیکھو اور پھر وہاں سے علاقہ بربر کی طرف جاؤ اور وہاں اپنا کام شروع کرو۔وہاں زمین تیار ہے۔تم جا کر تخم ریزی شروع کرو۔تم کو ضرور کامیابی ہوگی۔ابوعبداللہ شیعی کو محمد حبیب نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہمارا بیٹا عبیداللہ امام مہدی ہے اور تم اسی کے داعی بنا کر بھیجے جاتے ہو۔ابو

عبداللہ اول یمن پہنچا۔ وہاں چند روز رہ کر اور رستم بن حسن اور دوسرے داعیوں سے دعوت تبلیغ کے اصول اچھی طرح سیکھ کر رخصت ہوا۔ موسم حج میں مکہ پہنچا۔ وہاں شہر کتامہ کے سرداروں اور رئیسوں سے جو حج کرنے آئے تھے ملا پھر انہیں کے ہمراہ کتامہ پہنچا اور دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہو کر لوگوں کو اپنے زہد و عبادت کی نمائش سے گرویدہ بنا لیا۔ ابوعبداللہ شیعی ۱۵ ربیع الاول ۲۸۸ھ کو شہر کتامہ میں وارد ہوا اور بآسانی لوگوں کو امام مہدی کی آمد کا یقین دلانے لگا۔ چونکہ ابوعبداللہ شیعی سے پہلے اس ملک میں علویوں کے داعی آ آ کر اس قسم کے خیالات کی اشاعت کر چکے تھے۔ لہٰذا ابوعبداللہ کو زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ اہل کتامہ نے ابوعبداللہ شیعی کے لیے مقام فج الاخیار میں ایک مکان بنا دیا۔ یہ وہاں رہ کر لوگوں کو وعظ و پند کے ذریعہ تعلیم دینے لگا۔ اس نے اہل کتامہ کو یقین دلایا کہ امام مہدی جس مقام پر آ کر قیام کریں گے اس مقام کا نام کتمان سے مشتق ہوگا۔ اس لیے مجھ کو یقین کامل ہے کہ وہ یہی مقام کتامہ ہے اور جو لوگ امام مہدی کے اعوان و انصار ہوں گے وہ بہترین خلائق ہوں گے پس تم کو ان کا منتظر رہنا چاہیے اور تمہارا فرض ہے کہ ہمہ اوقات امام مہدی کی حمایت و اعانت کے لیے مستعد رہو۔

ابوعبداللہ کے آنے اور اس قسم کی تعلیم دینے کی اطلاع ابراہیم بن احمد بن اغلب سلطان افریقہ کو ہوئی تو اس نے ابوعبداللہ کے پاس ایک حکم بھیجا کہ تم اپنی اس گمراہ کن تعلیم کو بند کرو۔ ورنہ تم کو سزا دی جائے گی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام اہل کتامہ اور اردگرد کے قبائل ابوعبداللہ کے دل سے معتقد ہو چکے تھے۔ ابوعبداللہ نے اپنے آپ کو طاقتور پا کر سلطان کے اس ایلچی کو نہایت سخت جواب دے کر لوٹا دیا۔ اہل کتامہ اس حال سے واقف ہو کر اپنے دل میں ڈرے کہ اب ہم حاکم افریقہ کے زیر عتاب آئیں گے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مجلس مشورت منعقد کی کہ ابوعبداللہ کو اپنے یہاں سے نکال دیں یا ابراہیم بن احمد حاکم افریقہ کے پاس بھیج دیں۔ چونکہ کتامہ کے بہت سے مولوی لوگ بھی ابوعبداللہ کے معتقد ہو گئے تھے، انہوں نے مخالفت کی اور ابوعبداللہ کی مدد کو ضروری بتایا۔ انہیں لوگوں کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسی علاقہ کے۔۔۔۔ ایک عامل حسن بن ہارون غسانی نے ابوعبداللہ کو اپنی حمایت میں لے کر شہر تارزوت میں بلا لیا۔ ادھر کتامہ والوں نے بھی ابوعبداللہ کی حمایت اور امداد پر مستعدی ظاہر کی اور ابوعبداللہ کی طاقت اب پہلے سے سہ چند ہو گئی۔ حسن بن ہارون غسانی کی اسی زمانے میں ایک دوسرے سردار مہدی بن ابی کمارہ سے مخالفت ہو گئی۔ اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ مہدی بن ابی کمارہ کا ایک بھائی ابوعبداللہ شیعی کا معتقد تھا۔ اس نے ابوعبداللہ کے اشارے سے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس طرح ابوعبداللہ کی شان و شوکت اور بھی بڑھ گئی۔ اور حسن بن ہارون اس کو اپنا آقا سمجھنے لگا۔ ابراہیم بن احمد کے ایک زبردست سردار فتح بن یحییٰ نے فوج لے کر ابوعبداللہ پر حملہ کیا اور شکست کھا کر قیروان کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بعد ابوعبداللہ نے جا بجا اپنے داعی پھیلا دیئے اور لوگوں کو جبراً وقہراً بھی ابوعبداللہ کا مرید

مطیع ہونا پڑا اور ملک مغرب کے ایک حصے پر ابو عبداللہ کی حکومت مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گئی۔ یہ سب واقعات صرف ایک یا ڈیڑھ سال کے عرصہ میں وقوع پذیر ہو گئے۔

۲۸۹ھ میں سلطان ابراہیم اغلبی کے بیٹے ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم نے تخت نشینی ہو کر اپنے بیٹے ابوخول کو ابوعبداللہ شیعی کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ جیسا کہ اوپر سلطنت اغلبہ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے، اول ابوعبداللہ کو ابوخول کے مقابلے میں شکست و ناکامی ہوئی مگر کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ ابوخول کا خطرہ خود بخود دور ہو گیا اور وہ (ابوخول) مقتول ہوا۔ ابوعبداللہ نے کتامہ کے متصل مقام انکجان کے نواح میں ایک شہر دارالہجرت کے نام سے آباد کیا۔ جب زیادۃ اللہ اغلبی خاندان کا آخری فرماں روا تخت نشین ہوا تو ابوعبداللہ کو شہروں کے فتح کرنے اور اپنی حکومت کے بڑھانے کا خوب موقع ملا اور وہ لوگوں کو یہ بتانے لگا کہ امام مہدی کا اب بہت جلد ظہور ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے بعض معتمدین کو سلمیہ علاقہ کی طرف عبیداللہ بن محمد حبیب کے پاس بھیجا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ محمد حبیب کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس کے انتقال کی خبر ابوعبداللہ شیعی کے پاس پہنچ گئی تھی۔

ابوعبداللہ کے پرستاروں نے عبیداللہ کے پاس پہنچ کر عرض کیا کہ ملک مغرب میں آپ کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ اب تشریف لے چلیے۔ چنانچہ عبیداللہ جو عبیدالمہدی کے نام سے مشہور ہوا، سلمیہ سے ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ عبیداللہ المہدی کے ہمراہ اس کا بیٹا ابوالقاسم اور ایک غلام بھی روانہ ہوا۔ ان سب نے سوداگروں کے ایک قافلہ کی شکل بنائی اور سیدھے راستوں کو چھوڑ کر پیچیدہ راہوں کو اختیا کیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر عباسی خلیفہ مکتفی کے پاس پہنچائی کہ اس طرح فلاں شخص سلمیہ سے ملک مغرب کی طرف روانہ ہوا ہے۔ خلیفہ مکتفی نے ابوعبداللہ شیعی کی ملک گیریوں اور عبیداللہ بن محمد حبیب کے اس طرح روانہ ہونے کے حالات سن کر ایک حکم عیسیٰ نوشتری گورنر مصر کے نام جاری کیا کہ اس حلیہ کا ایک شخص مصر کے اندر ہو کر ملک مغرب میں جائے گا۔ اس کو جہاں پاؤ گرفتار کر لو۔ عیسیٰ گورنر نے عبیداللہ کے قافلہ کو گرفتار کر لیا۔ مگر وہ دھوکا کھا گیا اور یہ یقین کر کے یہ شخص عبیداللہ نہیں ہے، اس کو چھوڑ دیا۔ عبیداللہ طرابلس پہنچا اور یہاں سے اپنے آنے کی خبر ابوعبداللہ کے پاس مقام کتامہ میں پہنچائی مگر ابھی عبیداللہ اور ابوعبداللہ کے درمیان زیادۃ اللہ اغلبی حاکم افریقہ حائل تھا۔ اور اس کے پاس مصر سے خبر پہنچ گئی تھی کہ عبیداللہ ابوعبداللہ کے پاس جا رہا ہے لہٰذا زیادۃ اللہ نے جا بجا عبیداللہ کی گرفتاری کا بندوبست کر دیا تھا۔ عبیداللہ نے طرابلس سے جس شخص کے ہاتھ اپنے آنے کی خبر ابوعبداللہ کے پاس بھجوائی تھی، وہ ابوعبداللہ کا بھائی ابوالعباس تھا۔ جو مع دوسرے ہمراہیوں کے عبیداللہ کو لینے کے لیے بھیجا گیا۔ اور اس کے ساتھ سلمیہ سے آ رہا تھا۔ ابوالعباس اتفاقاً راستے میں قیروان کے اندر گرفتار ہو گیا۔

زیادۃ اللہ نے اس کو جیل خانہ میں بھیج دیا۔ عبیداللہ مہدی کو جب ابوالعباس کے قیروان میں گرفتار ہو جانے کی خبر پہنچی تو وہ حواس باختہ ہو کر مقام قسطیلہ چلا گیا۔ مگر وہاں بھی قیام مناسب نہ سمجھ کر مقام سجلماسہ میں پہنچا۔ سجلماسہ کا حاکم زیادۃ اللہ اغلبی کا خادم الیسع بن مدار تھا۔ اس نے اول عبیداللہ کو ایک نو وارد سوداگر سمجھ کر خاطر مدارات کی۔ لیکن جب زیادۃ اللہ کا حکم پہنچا کہ یہی شخص عبیداللہ ہے اس کو گرفتار کر لو تو الیسع نے عبیداللہ کو گرفتار کر لیا۔ ابوالعباس قیروان کے جیل خانے میں اور عبیداللہ مہدی سجلماسہ کے قید خانے میں تین چار سال تک قید کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ابوعبیداللہ شیعی نے اپنی فتوحات کے سلسلے کو برابر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے بیسیوں لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کے بعد شروع ۲۹۶ھ دو لاکھ فوج فراہم کر کے تیز رفتاری کے ساتھ پیش قدمی جاری کی۔ اور ماہ رجب ۲۹۶ھ میں شہر قیروان کو فتح کر کے اپنے بھائی ابوالعباس کو جیل خانے سے نکالا اور سجلماسہ کے قید خانے میں خفیہ طور پر ان فتوحات کی خوشخبری عبیداللہ مہدی کے پاس پہنچائی۔ ابوعبداللہ کی فوج میں کتامہ کے دو سردار خاص طور پر قابل تذکرہ تھے۔ ایک عروبہ بن یوسف اور دوسرا حسن بن ابی خزیر۔ ابوعبداللہ نے قیروان پر قابض و متصرف ہو کر وہاں کے مکانات و محلات اہل کتامہ پر تقسیم کر دیئے۔ فتح کے بعد جب جمعہ آیا تو جامع مسجد کے خطیب نے پوچھا کہ خطبہ میں کس کا نام لیا جائے؟ ابوعبداللہ نے کہا کہ فی الحال کسی کا نام نہ لیا جائے۔ اس کے بعد قیروان میں اپنے بھائی ابوالعباس کو حاکم مقرر کر کے سجلماسہ کی طرف بڑھا۔ راستے میں جو جو قبائل آئے، اکثر نے بخوشی اطاعت قبول کی۔ بعض راستے سے ہٹ گئے۔ سجلماسہ کے قریب پہنچ کر ابوعبداللہ نے سجلماسہ کے حاکم الیسع بن مدرار کے پاس ایک خط بھیجا۔ اس خط میں بہت منت وسماجت اور فروتنی کے ساتھ درخواست صلح پیش کی۔ اس منت وسماجت اور صلح کی استدعا کا سبب یہ تھا کہ عبیداللہ مہدی اس کی قید میں تھا۔ اس لیے ابوعبداللہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ عبیداللہ کو قتل نہ کر دے۔ ابوعبداللہ کا قاصد خط لے کر جب الیسع بن مدرار کے پاس پہنچا تو اس نے قاصد کو قتل کرا دیا۔ خط کو چاک کر کے پھینک دیا اور فوجیں آراستہ کر کے مقابلے کے لیے نکلا مقابلہ ہوا اور الیسع کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ الیسع اور اسکے ہمراہی بھی فرار ہوئے۔ ابوعبداللہ نے فوراً شہر میں داخل ہو کر سب سے پہلے جیل خانے کا رخ کیا۔ اور وہاں پہنچ کر عبیداللہ مہدی کو مع اس کے بیٹے ابوالقاسم کے جیل خانے سے نکال کر گھوڑے پر سوار کیا۔ تمام ارا کین لشکر ہمراہ تھے۔ عبیداللہ مہدی (یہ تمہارا امام ہے، یہ تمہارا امام ہے) اسی طرح اپنے خیمہ تک لایا۔ عبیداللہ کو تخت پر بٹھایا خود بھی بیعت کی، دوسروں سے بھی بیعت کرائی۔ اسی حالت میں الیسع بن مدرار پابہ زنجیر گرفتار ہو کر پیش ہوا۔ ابوعبداللہ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل کیا گیا۔

عبیداللہ مہدی :

ابوعبداللہ اور عبیداللہ چالیس روز سجلماسہ میں مقیم رہ کر مغرب کی جانب روانہ ہوئے۔ ماہ ربیع الثانی ۲۹۷ھ میں رقادہ اور قیروان پہنچے۔ ابوعبداللہ نے تمام مال واسباب جواب تک جمع کیا تھا، عبیداللہ کی خدمت میں پیش کیا اور عبیداللہ مہدی کی با قاعدہ بیعت خلافت ہوئی۔ خطبوں میں اس کا نام لیا گیا اور تمام ملک بربر میں منادو مبلغ بھیجے گئے۔ سلطنت وحکومت کے ذریعے سب کو اپنے مسلک وعقیدہ میں زبردستی داخل کیا گیا۔ صوبوں پر حاکم اور نائب السلطنت مقرر کر کے بھیجے گئے اہل کتامہ نے شروع ہی سے ابوعبداللہ شیعی کی مدد کی تھی۔ لہٰذا ان کا مرتبہ فوج اور انتظامی اراکین میں دوسروں پر فائق تھا۔ ابو عبداللہ شیعی اور اس کا بھائی ابوالعباس سلطنت کے کاموں میں پیش پیش تھے۔ اور حق بھی یہی تھا کہ وہ امور سلطنت میں اوروں سے زیادہ دخیل ہوتے۔ کیونکہ ابوعبداللہ ہی نے اپنی پامردی وجواں مردی سے اس عظیم الشان سلطنت کو پیدا کیا تھا۔ اسی نے خاندان اغالبہ کی بیخ کنی کی تھی۔ اسی نے عبیداللہ کو بلا کر بنی بنائی سلطنت کے تخت پر بٹھایا تھا۔

عبیداللہ نے تخت نشین ہوکر اور اپنے آپ کو مطلق العنان فرماں رواد یکھ کر یہ چاہا کہ ابوعبداللہ اور اس کے بھائی ابوالعباس کے اثر ورسوخ کو مٹائے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں بھائیوں کے اثر واقتدار کو مٹانا اور کم کرنا شروع کیا، ابوعبداللہ نے جب دیکھا کہ ہماری بلی ہمیں کو میاؤں کرتی ہے تو اس کی آنکھیں کھلیں، اہل کتامہ ابوعبداللہ کے زیادہ معتقد تھے۔ ابوعبداللہ ہی نے ان کو امام معصوم کا پتہ دیا تھا ابو عبداللہ ہی کے کہنے سے انہوں نے عبیداللہ کو امام مہدی اور امام معصوم مانا تھا۔ لہٰذا ابوعبداللہ نے اہل کتامہ کو در پردہ سمجھانا شروع کیا کہ مجھ کو امام معصوم کی شناخت میں دھوکا لگ گیا ہے۔ یہ شخص امام معصوم نہیں ہے۔ یہ تو غاصب اور مال مردم خور ہے۔ اصلی امام معصوم تو اس کے بعد آئے گا۔ یہ باتیں سن کر اکثر اہل کتامہ اس خیال میں اس کے شریک ہوگئے۔ اس کا حال عبیداللہ کو بھی معلوم ہوا۔ اس نے سازشی لوگوں کو کسی نہ کسی حیلے سے قتل کرانا شروع کر دیا۔ اہل کتامہ اور ابوعبداللہ کے مشورے سے ایک شخص جو شہر کتامہ میں بڑا نیک اور عابد وزاہد ہونے کی وجہ سے شیخ المشائخ کے نام سے مشہور تھا، عبیداللہ مہدی کے پاس بھیجا گیا۔ شیخ المشائخ نے مہدی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم لوگوں کو آپ کی نسبت شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ آپ معصوم ہیں یا نہیں۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو اپنی امامت کی کوئی نشانی دکھلائیں۔ عبیداللہ سمجھ گیا کہ اب فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ اس نے فوراً اپنے غلام کو اشارہ کیا۔ غلام نے شیخ المشائخ کا سر اڑا دیا۔ اس واقعہ سے مطلع ہو کر اہل کتامہ اور بھی زیادہ عبیداللہ کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔

ابو عبداللہ کا قتل :

عبیداللہ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کر کے اہل کتامہ کے سب سے بڑے سردار عروبہ بن یوسف اور اس کے بھائی حباسہ بن یوسف کو اپنی خلوت خاص میں طلب کر کے نہایت محبت و اخلاص کی باتیں کیں اور حکم دیا کہ ابو عبداللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کو قتل کر دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں عروبہ و حباسہ دونوں ابو عبداللہ کے مکان کے باہر ایک جگہ چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ جب ابو عبداللہ نکلا تو عبیداللہ نے کہا کہ عروبہ تم کس کے حکم سے یہ کام کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جس کی اطاعت کا تم نے ہم کو حکم دیا تھا۔ اسی نے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے یہ کہہ کر قبل اس کے کہ ابو عبداللہ کچھ کہے، اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح ابو العباس بھی قتل کیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۵ جمادی الاخر ۲۹۸ھ کو وقوع پذیر ہو۔

بغاوتیں :

اس واقعہ کے بعد ابو عبداللہ کے حامیوں نے بغاوت و سرکشی پر کمر باندھی۔ عبیداللہ نے ان کا مقابلہ کر کے فتنے کو فرو کیا۔ چند روز کے بعد اہل کتامہ نے عبیداللہ کے خلاف پھر خروج کیا۔ عبیداللہ نے پھر اس بغاوت کو طاقت کے استعمال سے فرو کیا۔ چونکہ اب ملک کی آب و ہوا بگڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی لہٰذا عبیداللہ نے مذہب شیعہ کی دعوت و تبلیغ کے کام کو ملتوی کر دیا اور تمام دعاۃ کو منع کر دیا کہ لوگوں کو شیعیت کی طرف نہ بلاؤ کیونکہ اس طرح بغاوتوں کے پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ اس کے بعد عبیداللہ مہدی نے عروبہ کو باغمایہ کی اور حباسہ کو برقہ اور اس کے مضافات کی حکومت عطا کی۔ اور اپنے بیٹے ابو القاسم کی جو ابو القاسم نزار کے نام سے مشہور ہے، ولی عہدی کا اعلان کیا۔

چند روز کے بعد اہل کتامہ میں ابو عبداللہ کا پھر ایک خیال اور جوش پیدا ہوا۔ انہوں نے عبیداللہ کے خلاف ایک نوجوان کو اپنا امیر بنا کر اس کو مہدی کا لقب دیا اور اس کے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ عبیداللہ نے اپنے بیٹے ابو القاسم نزار کو ایک زبردست فوج دے کر اہل کتامہ کی جانب روانہ کیا۔ ابو القاسم نے لڑائی میں اہل کتامہ کو شکست دے کر کتامہ کو پامال و ویران کر ڈالا۔ اور اس نوجوان مہدی اور نبی کو بھی پکڑ کر قتل کیا۔ ۳۰۰ھ میں اہل طرابلس نے علم بغاوت بلند کیا۔ عبیداللہ نے ابو القاسم کو اس طرف بھیجا۔ ابو القاسم نے ایک طویل محاصرے کے بعد طرابلس کو فتح کیا اور اہل طرابلس سے تین لاکھ دینار سرخ بطور تاوان جنگ وصول کیے۔

۳۰۱ھ میں ابو القاسم نے جنگی جہاز فراہم کر کے اور ایک شائستہ فوج ہمراہ لے کر مصر و اسکندریہ پر فوج کشی کی۔ اس حملہ میں حباسہ بن یوسف بھی اس کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر جب بغداد میں خلیفہ مقتدر عباسی کو پہنچی تو اس نے سبکتگین اور مونس خادم کو مع فوج اس طرف

روانہ کیا۔ ان دونوں نے متعدد لڑائیوں کے بعد ابوالقاسم و حباسہ کو حدود مصر سے نکال دیا اور عبیدی فوج قیروان کی طرف واپس چلی گئی۔ ۳۰۲ھ میں حباسہ نے دوبارہ اسکندریہ پر فوج کشی کی۔ مونس خادم نے کئی لڑائیوں کے بعد حباسہ کو بھگا دیا۔ حباسہ کی سات ہزار فوج اس مرتبہ مقتول ہوئی۔ اور حباسہ بمشکل اپنی جان بچا کر لے گیا۔ عبیداللہ مہدی نے حباسہ کو اسی سال قتل کرا دیا۔ حباسہ کے بھائی عروبہ نے بھائی کے قتل پر علم بغاوت بلند کیا۔ اہل کتامہ نے اس بغاوت میں عروبہ کا ساتھ دیا۔ عبیداللہ نے اپنے خادم غالب کو عروبہ کی تادیب پر مامور کیا۔ غالب نے ایک زبردست فوج کے ساتھ حملہ کر کے عروبہ شکست دے کر قتل کیا اور اس کے چچیرے بھائیوں اور ہمراہیوں کی ایک بڑی جماعت کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد ہی جزیرہ صقلیہ میں بغاوت ہوئی اور اہل صقلیہ نے اپنے گورنر علی بن عمر کو جو حسین بن خزیر کے بعد مقرر ہوا تھا۔ صقلیہ سے نکال کر خلیفہ مقتدر عباسی کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ ہم فرماں برداری قبول کرتے ہیں یہ خبر پا کر ۳۰۴ھ میں عبیداللہ نے حسن بن خزیر کو جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ دے کر اہل صقلیہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ادھر اہل صقلیہ کے سردار احمد بن قہرب نے سخت مقابلہ کے بعد حسن بن خزیر کو شکست دے کر قتل کیا۔ مگر اس کے بعد اہل صقلیہ کو خوف پیدا ہوا کہ عبیداللہ کی مخالفت کے بعد ہمارا محفوظ رہنا دشوار ہے۔ انہوں نے خود ہی اپنے سردار احمد بن قہرب کو گرفتار کر کے عبیداللہ کے پاس بھیج دیا اور اپنی خطاؤں کا معافی چاہی۔

شہر مہدیہ کی بنیاد:

عبیداللہ مہدی چونکہ شیعہ اسمٰعیلیہ اور امام مہدی ہونے کا مدعی تھا لہٰذا اس کو ہمیشہ خطرہ رہتا تھا۔ کہ میرے خلاف بغاوت نہ پھوٹ پڑے۔ کیونکہ افریقہ و قیروان میں تمام آدمی اس کے ہم عقیدہ نہ تھے۔ اس لیے اس نے مناسب سمجھا کہ کسی مناسب موقع پر ایک شہر آباد کر کے اپنا دارالحکومت بنائے۔ چنانچہ ۳۰۳ھ میں اس نے ساحلی علاقہ کا دورہ کر کے سرزمین برکصورہ کے قریب ایک جزیرہ کو پسند کر کے وہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام مہدیہ تجویز کیا۔ شہر مہدیہ کی شہر پناہ نہایت مضبوط بنوائی۔ اور دروازوں میں لوہے کے کواڑ لگوائے۔ ۳۰۶ھ میں اس شہر کی تعمیر تکمیل کو پہنچی اور عبیداللہ مہدی نے ہنس کر کہا کہ آج مجھ کو بنی فاطمہ کی طرف سے اطمینان ہوا کہ اب وہ دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے۔ اسی سال اس نے کشتیاں بنانے کا ایک کارخانہ جاری کیا اور پہلے ہی سال نو سو کشتیاں تیار کرا کر ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کیا۔ ۳۰۷ھ میں اس نے اپنے بیٹے ابوالقاسم کو اسکندریہ پر حملہ کرنے کے لیے روان کیا۔ ابوالقاسم نے جاتے ہی اسکندریہ اور دریائے نیل کے ڈیلٹا پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کا حال جب بغداد میں خلیفہ مقتدر کو معلوم ہوا تو اس نے پھر مونس خادم کو فوج دے کر مصر کی

جانب روانہ کیا۔ بہت سی لڑائیوں اور زور آزمائیوں کے بعد مونس کو فتح اور ابوالقاسم کو شکست حاصل ہوئی۔ ابوالقاسم ابھی مصر میں لڑ ہی رہا تھا کہ عبیداللہ نے اس کی مدد کے لیے اسی کشتیوں کا ایک بیڑہ مہدیہ سے روانہ کیا۔ اس جنگی بیڑہ کے افسر سلیمان خادم اور یعقوب کتامی تھے۔ ابھی یہ بیڑہ پہنچا نہ تھا کہ ابوالقاسم شکست خوردہ وہاں سے بھاگا۔ اس بیڑہ والوں کو وابوالقاسم کے فرار ہونے کی اطلاع نہ ہوئی۔ راستے میں بھی ایک دوسرے سے نہ ملے۔ ابوالقاسم بچا ہوا نکل گیا اور یہ امدادی بیڑہ بڑھا ہوا آگے چلا گیا۔ وہاں مونس کے بیڑہ سے مقابلہ ہوا۔ جس میں صرف پچیس کشتیاں تھیں، اس عبیدی بیڑہ کو شکست ہوئی اور سلیمان و یعقوب دونوں گرفتار ہو گئے۔ کشتیوں کو مونس کی فوج نے آگ لگا کر جلا دیا۔ آدمی سب مقتول ہوئے۔

اگلے سال یعنی ۳۰۸ھ میں عبیداللہ مہدی نے مضالہ بن حبوس کو ملک مراقش پر حملہ کرنے کے لیے مغرب کی جانب روانہ کیا۔ یحییٰ بن ادریس بن عمرو سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ آخر یحییٰ نے عبیداللہ مہدی کی اطاعت قبول کر لی۔ اور عبیداللہ نے موسیٰ بن ابی العافیہ مکناسی کو صوبجات مراقش کا نگراں مقرر کر دیا۔ ۳۰۹ھ میں مراقش کے دوسرے صوبے عبیدی حکومت میں شامل کر لیے گئے۔ فاس کی حکومت یحییٰ کے قبضہ میں تھی۔ لیکن وہ باج گزار و فرماں بردار بن چکا تھا اسی سال موسیٰ بن ابی العافیہ نے یحییٰ کی شکایت کی اور عبیداللہ کے حکم سے یحییٰ کو معزول کر کے یہ حصہ ملک بھی حکومت عبیدی میں شامل ہوا۔ جب اس طرح خاندان ادریسیہ کی حکومت کا نام ونشان مٹ گیا تو ادریسی خاندان کے افراد نے ریف اور غمارہ کے علاقے میں پہنچ کر اپنی حکومت قائم کی۔ انہیں لوگوں میں سے خاندان بنو محمود تھا جو قرطبہ میں بنوامیہ کی حکومت کے بعد قاضی وحکمراں ہوا تھا۔ جس کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مضالہ نے مراقش سے فارغ ہو کر سجلماسہ پر چڑھائی کی اور وہاں مدرار مکناسی کے اہل خاندان کو جو دولت عبیدیہ سے منحرف اور برسر حکومت تھے قتل کر کے سجلماسہ کی حکومت اپنے چچازاد بھائی کو سپرد کی۔ مضالہ ایک زبردست سپہ سالار اور عبیداللہ مہدی کی حکومت کو مراقش میں قائم کرنے کا باعث ہوا تھا۔ اس کی ان ملک گیریوں اور قتل وتشدد سے بربریوں کے قبائل زناتہ یکایک برافروختہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ زناتہ اور مضالہ کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر کار مضالہ قبائل زناتہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مارے جاتے ہی تمام ملک مراقش میں بغاوت برپا ہو گئی اور تمام ملک مراقش عبیدیوں کے قبضے سے نکل گیا۔

عبیداللہ نے ۳۱۵ھ میں لشکر کتامہ کے ساتھ اپنے بیٹے ابوالقاسم کو مراقش کی طرف روانہ کیا۔ قبائل زناتہ کا سردار محمد بن خزر ابوالقاسم کو آتا دیکھ کر اپنی فوج کے ساتھ جنوبی ریگستان میں چلا گیا۔ ابوالقاسم شہروں کو فتح کرتا ہوا مغرب کی طرف بڑھا۔ شہر جرادہ میں حسن بن ابی العیش کو محصور کر لیا۔ جو

خاندان ادریسی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس محاصرے نے بہت طول کھینچا اور ابوالقاسم کو اس شہر کی فتح سے مایوس واپس ہونا پڑا۔ واپسی میں شہر مسیلہ سے بنو کملان کو جو وہاں حکمراں تھے گرفتار کر کے قیروان کی طرف جلاوطن کر دیا اور شہر مسیلہ کو دوبارہ تعمیر و آباد کرا کر محمدیہ کے نام سے موسوم کیا اور یہاں کی حکومت علی بن حمدون کو عطا کی اور شہر زاب بھی اسی کی حکومت میں دیا اور مراقش کی عام حکومت و نگرانی موسیٰ بن ابی العافیہ کے سپرد کی۔ چند روز کے بعد موسیٰ بن ابی العافیہ عبیداللہ مہدی کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے دولت امویہ اندلس کا مطیع ہو گیا اور تمام ملک مراقش میں خلیفہ اندلس کا خطبہ پڑھوا دیا۔

یہ سن کر عبیداللہ نے احمد مکناسی کو ایک زبردست فوج دے کر مراقش کی جانب روانہ کیا۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر موسیٰ بن ابی العافیہ مراقش سے اندلس کی جانب چلا گیا۔ اور احمد بن بصلین مکناسی مراقش کو پامال کر کے واپس مہدیہ کی جانب چلا گیا۔

وفات:

ماہ ربیع الاول ۳۲۲ھ میں عبیداللہ مہدی اپنی حکومت کے چوبیس سال پورے کر کے فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد مہدیہ میں تخت نشین ہوا۔ ابوالقاسم محمد نے اپنا لقب قائم بامر اللہ رکھا۔ یہی ابوالقاسم بامر اللہ ابوالقاسم نزار کے نام سے بھی مشہور ہے۔

ابوالقاسم نزار:

ابوالقاسم نے تخت نشین ہو کر اول تو ان معمولی بغاوتوں کو جو عبیداللہ کی وفات کی خبر سے برپا ہوئی تھیں۔ فرو کیا پھر مراقش کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں موسیٰ بن العافیہ آ کر پھر قابض ہو گیا تھا۔ ۳۲۴ھ تک سوائے فاس کے تمام ملک مراقش ابوالقاسم کی حکومت یا سیادت پھر قائم ہو گئی۔ اس کے بعد ابوالقاسم نے ابن اسحاق نامی ایک سردار کو زبردست بحری فوج اور جنگی بیڑہ دے کر بحر روم کے شمالی ساحلوں پر تاخت و تاراج کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ابن اسحاق نے ساحل پر اتر کر شہر جنیوا تک تاخت و تاراج کر کے جنیوا کو فتح کر لیا۔ پھر وہاں سے رخصت ہو کر جزیرہ سردانیہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد ساحل شام کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں کے ساحلی علاقوں کو دھمکیاں دے کر ساحل شام پر جو کشتیاں ملیں، ان کو جلا دیا۔ پھر ابن اسحاق نے اپنے ایک خادم زیران نامی کو فوج دے کر ساحل مصر کی جانب روانہ کیا۔ زیران نے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مصر سے اخشید کا لشکر آیا۔ اس نے ان لوگوں کو مار کر مغرب کی طرف بھگا دیا۔ ان واقعات کے بعد ابوالقاسم کو ابویزید کے ہنگاموں سے کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں ملی۔

ابو یزید سے چھیڑ چھاڑ :

ابو یزید مخلد بن کیراد کے حالات مختصراً یہ ہیں کہ کیراد نامی ایک شخص شہر قسطیلہ کا باشندہ تھا اور تجارت کی غرض سے اکثر سوڈان کے علاقے میں جایا کرتا تھا۔ وہیں اس کا بیٹا ابو یزید پیدا ہوا۔ ابو یزید نے سوڈان ہی میں پرورش پائی۔ اور وہیں اس کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ اہل سوڈان شیعوں کے مخالف اور خارجی مسلک کی طرف زیادہ مائل تھے۔ ابو یزید بھی ان خیالات سے متاثر ہوا۔ اس کے بعد ابو یزید مقام تاہرت کی طرف آیا اور معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ ابوعبداللہ شیعی نے ملک بربر میں آ کر اپنا کام شروع کیا تھا۔ ابو یزید نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اپنے عقائد و خیالات کے شائع کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ابوعبداللہ شیعی کی کامیابیاں وہ خاموشی سے دیکھتا اور اپنے ہم خیالوں کی ایک جماعت کو قائم رکھ کر ترقی دیتا رہا۔ ابوعبداللہ اور عبیداللہ کو اس کا حال معلوم تھا۔ لیکن اہم معاملات اور جنگی کاموں کے سلسلہ نے ان دونوں کو اس لڑکے کو پڑھانے والے شخص کے مخالفانہ خیالات کی بیخ کنی کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ جب عبیداللہ مہدی کا انتقال ہوا اور ملک میں کچھ ہل چل مچی۔ تو ابو یزید نے اپنے خیالات کی اشاعت اور امر بالمعروف و نہی منکر کے کاموں میں زیادہ مستعدی اور طاقت سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور اپنے آپ کو شیخ المومنین کے لقب سے ملقب کیا۔ لوگ کثرت سے آ کر اس کے مرید ہونے لگے۔ اور اس نے اپنے مریدوں کی ایک فوج تیار کی شہر باغایہ کے والی کو جب ابو یزید کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے اس پر چڑھائی کی۔ ابو یزید نے گورنر باغایہ کو شکست دے کر اور آگے بڑھ کر باغایہ کا محاصرہ کر لیا۔ عرصہ تک محاصرہ جاری رکھا اور جب فتح سے مایوس ہوا تو واپس چلا گیا۔ بربری قبائل اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے خلیفۂ اندلس ناصر کا خطبہ منبروں پر پڑھا۔ قبائل زناتہ سب اس کے مطیع ہو گئے۔ غرض دم بدم ابو یزید کی طاقت ترقی کرتی گئی۔ اور ابوالقاسم کے قبضے سے ایک کے بعد دوسرا شہر نکلتا گیا۔ ابوالقاسم نے بڑے بڑے سرداروں اور سپہ سالار کو ابو یزید کے مقابلے پر روانہ کیا۔ مگر ہر ایک نے ابو یزید سے شکست کھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۳ھ کے ماہ صفر میں ابو یزید کی فوجوں نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ اور ابوالقاسم مہدیہ میں محصور و قلعہ بند ہونے پر مجبور ہوا۔ اب ابو یزید نے تمام ملک افریقیہ میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ ابوالقاسم کے بعض گورنروں کے قبضے میں جو شہر و علاقے باقی تھے۔ ان کو ابوالقاسم نے امداد و اعانت کے لیے لکھا۔ اہل کتامہ بھی ابوالقاسم کی امداد پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماہ جمادی الاول ۳۳۳ھ میں اہل کتامہ کو شکست دے کر ابو یزید نے بھگا دیا اور دوسری فوجوں کو بھی جو ابوالقاسم کی حمایت میں مقابلہ پر آئی تھیں شکست ہوئی۔ ابوالقاسم نے مہدیہ کو خوب مضبوط کر لیا تھا اور وہاں سامان رسد بہت کافی موجود تھا۔ ابو

یزید نے حملہ کر کے مہدیہ کی شہر پناہ تک اپنا فوجوں کو پہنچا دیا مگر مہدیہ کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ ابویزید نے بار بار مہدیہ کا محاصرہ کیا۔ مگر مہدیہ کی فتح پر قادر نہ ہوا۔ ۳۳۴ھ میں ابویزید مجبور ہو کر قیروان کی طرف لوٹا اور ابوالقاسم کی فوج نے مہدیہ سے نکل کر اس کے لشکر پر چھاپے مارنے شروع کیے۔

وفات:

ربیع الاول ۳۳۴ھ میں ابویزید کے بیٹے نے مہدیہ پر فوج کشی کی اور محاصرہ کر لیا۔ اسی محاصرہ میں بماہ جمادی الثانی ۳۳۴ھ ابوالقاسم نے مہدیہ میں وفات پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابویزید نے شہر سوسہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

اسمٰعیل بن ابوالقاسم:

اسمٰعیل بن ابوالقاسم نے اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہو کر اپنا لقب المنصو ر رکھا۔ اسمٰعیل نے ایوب بن ابویزید کا محاصرہ اٹھا دیا اور جہازوں کے ذریعہ ایک فوج سوسہ کی امداد اور ابویزید کا محاصرہ اٹھانے کے لیے روانہ کی۔ ابویزید نے کوشش کی کہ یہ بیڑہ ساحل پر فوج نہ اتارنے پائے۔ مگر اس کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ اس امدادی فوج نے ساحل پر اتر کر اور اہل سوسہ کے ساتھ شامل ہو کر ابویزید کا مقابلہ کیا۔ ابویزید کو شکست ہوئی۔ اس کا تمام لشکر گاہ لوٹ لیا گیا۔ وہ بحالت پریشانی قیروان کی طرف آیا۔ یہاں اس کی شکست کا حال سن کر اہل قیروان نے اس کے عامل کو قیروان سے نکال دیا۔ اور ابویزید کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور ابوالقاسم کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ ابویزید مجبوراً سبیہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقعہ آخر ماہ شوال ۳۳۴ھ کا ہے۔ اس کے بعد اسمٰعیل بن ابوالقاسم قیروان میں آیا اور اہل شہر کو تسلی دی۔ ماہ ذی قعدہ ۳۳۴ھ میں ابویزید نے ایک زبردست فوج لے کر قیروان پر حملہ کیا۔ اسمٰعیل نے مقابلہ کیا اور متعدد لڑائیوں کے بعد پھر محرم ۳۳۵ھ کو اسمٰعیل نے شکست کھائی۔ مگر اس نے اپنی منتشر و پراگندہ فوج کو جلد ہی جمع کر کے ۱۵ محرم ۳۳۵ھ کو ایک عظیم الشان جنگ کے بعد ابویزید کو شکست دی۔ اس شکست سے ابویزید کے کاموں میں اختلال پیدا ہوا۔ وہ شکست خوردہ باغایہ کی طرف گیا۔ اہل باغایہ نے شہر کے دروازے بند کر کے اس کو شہر کے اندر داخل نہ ہونے دیا۔ ابویزید نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

یہ حال سن کر اسمٰعیل بن ابوالقاسم لے کر باغایہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۳۳۵ھ کا ہے۔ ابویزید نے اسمٰعیل کے آنے کا حال سن کر باغایہ کو چھوڑ دیا اور ایک دوسرے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ وہاں بھی اس کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اور اسمٰعیل اس کے تعاقب میں پہنچ گیا۔ غرض اسی طرح ابویزید ادھر ادھر پھرتا رہا۔ آخر جبال کتامہ کے قریب ابویزید اور اسمٰعیل کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ

ہوئی۔ یہ لڑائی نہایت خوں ریز تھی۔ جو ۱۰ شعبان ۳۳۵ھ کو ہوئی۔ اس لڑائی میں ابو یزید زخمی ہوا۔ اور دس ہزار ہمراہیوں کو میدان جنگ میں قتل کرا کر خود بچ نکل گیا۔ اور پھر فوج کے جمع کرنے اور مقابلے کی تیاری میں مصروف رہا۔ اب ایسی حالت تھی کہ ابو یزید کے عامل اور طرف دار قبائل سب یکے دیگرے اپنی اپنی خطاؤں کی معافی طلب کر کے اسمٰعیل بن ابوالقاسم کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور تمام ملک جو ابو یزید کے تحت وتصرف میں آ چکا تھا، اس کے قبضے سے نکل کر اسمٰعیل کے قبضہ میں آ گیا۔

ابو یزید کی گرفتاری اور وفات:

محرم ۳۳۶ھ کو سب سے آخری لڑائی ہوئی۔ اور قلعہ کتامہ میں ابو یزید بعد شکست محصور اور اس کے بعد گرفتار ہوا۔ وہ گرفتاری کے وقت خطرناک طور پر زخمی تھا۔ چند ہی روز کے بعد فوت ہو گیا اور اسمٰعیل نے اس کی کھال نکلوا کر اس میں بھس بھروا دیا۔ ان واقعات کے بعد اسمٰعیل قیروان کی جانب آیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے پاس خبر پہنچی کہ ملک مغرب کے عامل حمید بن بصلین نے دولت عبیدیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خلافت امویہ اندلس کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ اسمٰعیل فوجیں لے کر اس طرف روانہ ہوا۔ مقام تاہرت پر معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ حمید کو شکست ہوئی۔ اسی حالت میں خبر پہنچی کہ فضل بن ابو یزید نے فوجیں فراہم کر کے باغایہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اسمٰعیل اس طرف متوجہ ہوا۔ فضل کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے فضل کا سر کاٹ کر اسمٰعیل کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳۳۶ھ کا ہے۔ اسمٰعیل کو اب چند روز کے لیے اطمینان حاصل ہوا۔ ۳۳۹ھ میں اس نے خلیل بن اسحاق کو جزیرہ صقلیہ کی حکومت سے معزول کر کے حسین بن علی بن ابوالحسین کو صوبہ صقلیہ کی حکومت پر مامور کیا۔ اس کے بعد حسین بن علی کی اولاد نے بالاستقلال اس جزیرہ میں حکومت کی۔

اسمٰعیل کی وفات:

۳۴۰ھ میں اسمٰعیل نے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کر کے حاکم صقلیہ حسین بن علی کو لکھا کہ تم بھی شاہی بیڑہ کے ساتھ مہم میں شامل ہونے کے لیے تیار رہو۔ چنانچہ حملہ کر کے ملک اٹلی کا جنوبی حصہ فتح کر لیا گیا۔ اور ۳۴۲ھ میں یہ فتح مند فوج مع مال غنیمت قیروان اور مہدیہ کی طرف واپس آئی جب کہ اسمٰعیل ماہ رمضان ۳۴۱ھ میں فوت ہو چکا تھا۔

معز بن اسمٰعیل:

اسمٰعیل کے بعد اس کا بیٹا معز تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال مراقش کے بعض قبائل بربر نے ۔۔۔۔۔ اس کی حکومت قبول کی۔ ۳۴۲ھ میں معز بن حسین بن علی گورنر صقلیہ کے

پاس حکم بھیجا کہ اپنے جنگی جہازوں کے بیڑہ کو لے کر اندلس کے ساحل مریہ پر حملہ کرو۔ چنانچہ حسین نے اس حکم کی تعمیل کی اور وہاں سے مال غنیمت اور قیدی لے کر واپس ہوا۔ اس جواب میں خلیفہ اندلس ناصر لدین اللہ نے اپنے خادم غالب کو ایک بیڑہ جنگی جہازوں کا دے کر حکم دیا کہ ساحل افریقہ پر حملہ کرو۔ مگر معز کی فوج اور جنگی جہازوں نے پہلے ہی اس حملہ کی روک تھام کا بندوبست کر رکھا تھا۔ چنانچہ غالب کو واپس ہونا پڑا۔ اس کے بعد ۳۴۷ھ میں اندلسی بیڑے نے ساحل افریقہ پر کامیاب حملہ کیا۔ اور تمام ساحلی مقامات اور شہروں کو تاخت و تاراج کرکے تباہ و ویران کر دیا اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔

اس کے بعد معز نے فوجوں کی فراہمی اور ملک کے انتظام کی طرف توجہ منعطف کر کے اپنے مقبوضات کو وسیع کیا۔ معز کے مقبوضہ ممالک کے صوبوں پر مندرجہ ذیل گورنر مامور تھے۔

صوبہ ایفکان اور تاہرت کی حکومت یعلی بن محمد کے سپرد تھی۔

صوبہ اشیر	"	زیری بن مناد صہناجی	"	
صوبہ مسیلہ	"	جعفر بن علی اندلسی	"	
صوبہ باغایہ	"	قیصر صقلی	"	
صوبہ فاس اور تاہرت	"	احمد بن بکر بن ابی سہل	"	
صوبہ سجلماسہ	"	محمد بن داسول مکناسی	"	

۳۴۷ھ کے آخر ایام میں معز کے پاس خبر پہنچی کہ یعلی بن محمد نے دولت امویہ اندلس سے سازش کر لی ہے اور دولت عبیدیہ سے منحرف ہو گیا ہے۔ معز نے جوہر صقلی اپنے کاتب کو یعلی کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ جعفر بن علی گورنر مسیلہ اور زیری بن مناد گورنر اشیر کو بھی شامل ہونے کا حکم ملا۔ یعلی بن محمد بھی مقابلہ کے لیے مستعد ہو گیا۔ ساتھ ہی صوبہ فاس اور صوبہ سجلماسہ کے گورنروں نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ آخر بڑی خونریزی اور جنگ و پیکار کے بعد ۳۴۸ھ میں یعلی گرفتار ہوا۔ اور فاس وسلماسہ پر بھی قبضہ حاصل کیا گیا۔ اور صوبہ تاہرت زیری بن مناد کی حکومت میں شامل کیا گیا۔ احمد بن بکر اور محمد بن داسول گرفتار ہو کر قیروان پہنچے۔ ۳۴۹ھ میں معز نے اپنے خادموں قیصر اور مظفر کو جو معز کے بہت ہی منہ چڑھے ہوئے تھے، قتل کیا۔

اوپر خلفائے عباسیہ کے حالات میں ذکر ہو چکا ہے کہ اندلس کے جلاوطنوں میں سے ایک گروہ نے مصر کے ساحل پر اتر کر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب کہ مصر کا گورنر عبداللہ بن طاہر تھا۔ عبداللہ بن طاہر نے ان کا محاصرہ کیا اور اس شرط پر ان کو امان دی کہ وہ حدود مصر سے باہر کہیں چلے جائیں۔ چنانچہ ان اندلس جلاوطنوں نے اسکندریہ سے روانہ ہو کر جزیرہ قریطش (کریٹ) پر قبضہ کر لیا

اور ابو حفص بلوطی کو اپنا بادشاہ بنایا۔ ابو حفص کی اولاد میں اس جزیرہ کی حکومت اب تک چلی آتی تھی۔ ۳۵۰ھ میں عیسائیوں نے سات سو جنگی جہازوں کا بیڑہ لے کر اس جزیرہ پر حملہ کیا۔ بڑی خون ریزی ہوئی۔ ہزار ہا مسلمان شہید اور ہزاروں قید و گرفتار ہوئے اور یہ جزیرہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ۳۵۴ھ میں قیصر قسطنطنیہ اور معز کی بحری فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ عیسائی لشکر کو شکست فاش حاصل ہوئی اور مسلمانوں کی فوج نے عیسائیوں کے کئی شہروں پر قبضہ کر کے اور اپنی فوجیں وہاں اتار کر قیصر قسطنطنیہ کو مجبور کیا کہ وہ معز کو جزیہ و اخراج ادا کرے۔ اس کے چند روز بعد معز کو خبر لگی کہ کافور اخشیدی حاکم مصر کی وفات پر مصر کے اندر بد نظمی اور فتنہ و فساد برپا ہو گیا ہے۔ اور خلیفہ بغداد عضد الدولہ اور بختیار بن معز الدولہ کی خانہ جنگی کے سبب مصر کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ معز نے مصر پر فوج کشی کا قصد کیا۔

مصر پر قبضہ:

۳۵۵ھ میں معز نے اپنے وزیر اور کاتب جوہر کو ایک زبردست فوج دے کر مصر کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ جوہر راستہ میں ہر مقام پر مناسب انتظام کرتا ہوا ہنگی مصر کی جانب بڑھا۔ اخشیدی فوج تاب مقاومت نہ لا سکی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵ شعبان ۳۵۹ھ کو جوہر نے مصر میں داخل ہو کر جامع مسجد مصر میں معز کے نام کا خطبہ پڑھا۔ ماہ جمادی الاول ۳۵۹ھ میں جوہر نے جامع ابن طولون میں جا کر نماز ادا کی اور اذان میں "حی علی خیر العمل" کے اضافہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ پہلی اذان تھی جو اس فقرہ کے اضافہ کے ساتھ مصر میں دی گئی۔ تمام ملک مصر پر قابض و متصرف ہو کر اور اخشیدی خاندان کے ارکان کو گرفتار کر کے مع تحف و ہدایا جوہر نے معز کی خدمت میں روانہ کیا۔ معز نے ممبران خاندان اخشیدی کو مہدیہ کی جیل میں قید کر دیا۔ جوہر نے معز کی خدمت میں مصر آنے کی دعوت دی اور اپنے ایک سردار جعفر بن فلاح کتامی کو شائستہ فوج دے کر فلسطین و شام کی طرف روانہ کیا۔ جس زمانے میں جوہر فوج لے کر مصر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اسی زمانے میں ابو جعفر زناتی نامی ایک شخص نے معز کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ مگر اس بغاوت کو معز نے خود متوجہ ہو کر بآسانی فرو کر لیا تھا۔ اب معز کے پاس جوہر کا خط پہنچا کہ تمام ملک مصر دولت عبیدیہ میں شامل ہو گیا ہے۔ اور آپ کو خود یہاں تشریف لانا چاہیے۔ معز نے خوش ہو کر دربار عام کیا اور مغربی صوبوں کے بندوبست و اہتمام سے اطمینان حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ ادھر محرم ۳۶۰ھ میں جعفر بن فلاح کتامی نے دمشق پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اور اطمینان سے حکومت کرنے لگا۔ اس خبر کو سن کر معز کو اور بھی زیادہ خوشی حاصل ہوئی اور اس نے قاہرہ کو دارالسلطنت بنانے کا مصمم ارادہ کر کے بلکین بن زیری بن مناد کو افریقیہ اور ملک مغرب کا وائسرائے بنا کر قیروان میں قیام کرنے کا حکم دیا اور

ابوالفتوح کا خطاب عطا کیا اور اس کے ماتحت موزوں اشخاص کو مقرر نامزد کر کے آخر شوال ۳۶۱ھ کو اپنے دارالحکومت مہدیہ سے نکل کر قیروان کے قریب مقام کیا۔

قاہرہ میں دارالسلطنت کی منتقلی

چند روز کے بعد تمام خزانہ اور سامان تجمل بار برداریوں کے ذریعہ وہیں آ گئے۔ اس تمام سامان اور لشکر کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوا۔ بلکین بن زیری بطریق مشایعت ساتھ ہوا۔ ایک دو منزل کے بعد بلکین کو قیروان کی طرف رخصت کیا اور خود برقہ کی جانب چلا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شعبان ۳۶۲ھ کو اسکندریہ پہنچا۔ اہل شہر نے استقبال کیا اور عزت و احترام کے ساتھ شہر میں لے گئے۔ وہاں سے روانہ ہو کر ۵ رمضان ۳۶۳ھ کو قاہرہ میں داخل ہوا۔ معز قیروان سے روانہ ہو کر قریباً ایک سال کے بعد قاہرہ پہنچا۔ جعفر بن فلاح کتامی کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس نے دمشق کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس سے پیشتر دمشق پر بنی طغج کی حکومت تھی جو قرامطہ کو خراج ادا کیا کرتے تھے۔ جب جعفر بن فلاح کا دمشق پر قبضہ ہوا تو اس نے قرامطہ کو خراج دینے سے انکار کیا۔ چنانچہ قرامطہ کے بادشاہ اعصم نے دمشق پر حملہ کیا۔ جعفر نے مقابل ہو کر قرامطہ کو شکست دے دی اور ان کی فوج منتشر ہو کر میدان سے بھاگ گئی۔ اس کے بعد ۳۶۱ھ میں قرامطہ نے دوبارہ زبردست فوج لے کر دمشق پر حملہ کیا اس مرتبہ بھی جعفر نے مقابلہ کیا اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔ دمشق پر قرامطہ کا قبضہ ہو گیا۔ قرامطہ نے دمشق کے بعد رملہ پر قبضہ کیا اور مصر پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ تمام حالات معز کو دوران سفر میں معلوم ہوئے۔ قاہرہ پہنچ کر اس کو معلوم ہوا کہ قرامطہ نے یافہ کا محاصرہ کر رکھا ہے اور سرحد مصر پر ان کی فوجیں آ آ کر جمع ہو رہی ہیں۔

قرامطہ سے جھڑپیں:

معز نے قاہرہ پہنچتے ہی قرامطہ کے بادشاہ اعصم کو جو اس زمانے میں اپنے دارالحکومت احساء میں مقیم تھا ایک خط لکھا۔ اس میں لکھا کہ تم لوگ پہلے ہمارے ہی باپ دادا کے مناد بنے ہوئے پھرتے تھے اور ہماری محبت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اب مناسب یہی ہے کہ تم ہماری اطاعت و فرماں برداری قبول کرو اور ہمارے مقابلے اور مخالفت کا خیال بالکل ترک کر دو۔ اسی قسم کے مضامین نصیحتوں سے لبریز ایک طولانی خط بھیجا گیا۔ یہ خط جب اعصم کے پاس احساء میں پہنچا تو اس نے اس کے جواب میں معز کو لکھا کہ:

"تمہارا خط ہمارے پاس پہنچا جس میں نفس مطلب تو کم فضول باتیں زیادہ ہیں۔ ہم تم پر فوج کشی کرنے والے ہیں۔ والسلام"

اعصم نے یہ جواب مصر کی جانب روانہ کر کے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور خود فوج لے کر مصر کی طرف روانہ ہوا اور حدود مصر میں داخل ہو کر مقام عین شمس میں قیام کیا۔ یہاں تمام فوجیں قرامطہ کی آ آ کر جمع ہو گئیں۔ حسان بن جراح طائی امیر عرب بھی ملنے کا بہت بڑا گروہ لے کر اعصم کے پاس پہنچ گیا۔ اعصم و حسان نے باہم مشورہ کر کے اپنی فوج کے دستوں کو ملک مصر کے قصبوں کی تاخت و تاراج کے لیے پھیلا دیا۔ اور اس طرح مصر میں قتل و غارت اور خوں ریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ مصر کو قرامطہ کی کثرت فوج سے بڑا خوف پیدا ہوا۔ قرامطہ نے بہت جلد قاہرہ پر حملہ کیا۔ معز نے قرامطہ کی رفتار ترقی دیکھ کر یہ تدبیر کی کہ حسان بن جراح سے پیام و سلام جاری کر کے اس سے وعدہ کیا کہ ہم ایک لاکھ دینار بطور رشوت آپ کی نذر کرنے پر تیار ہیں۔ بشرطیکہ آپ اعصم کو تنہا چھوڑ کر میدان سے اپنی فوجوں کو واپس لے جائیں۔ چنانچہ حسان اس رشوت کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ قرارداد کے موافق جب کہ معز اپنی فوجیں لے کر میدان میں نکلا اور قرامطہ پر حملہ کیا۔ یعنی معرکہ جنگ گرم ہوتے ہی مع اپنی فوج کے میدان چھوڑ دیا۔ حسان اور اس کی فوج کے بھاگنے سے اعصم اور اس کی فوج کا دل ٹوٹ گیا۔ مگر تاہم انہوں نے جم کر مقابلہ کیا اور بالآخر شکست کھا کر بھاگے۔ قریباً ڈیڑھ ہزار قرامطہ گرفتار ہوئے۔ معز نے فوراً اپنے سپہ سالار ابو محمد کو دس ہزار فوج دے کر قرامطہ کے تعاقب پر مامور کیا۔ چنانچہ ابو محمد نے ان کو کسی جگہ ٹھہرنے نہیں دیا اور حدود مصر سے نکال کر احساء کی طرف چلے جانے پر مجبور کر دیا۔

دمشق پر قبضہ:

اس فتح کے بعد معز نے قرامطہ کے قیدیوں کو قتل کرا دیا اور دمشق کی حکومت پر ظالم بن موہوب عقیلی کو نامزد کر کے اس طرف روانہ کیا۔ ظالم نے دمشق پہنچ کر قرامطہ کے عامل کو گرفتار کر کے مصر بھیج دیا۔ جہاں وہ جیل خانہ میں قید کر دیا گیا۔ ۳۶۴ھ تک دمشق پر دولت عبیدیہ کا پرچم لہرایا۔ اسی سال کے ایام حج میں مکہ و مدینہ کے لوگوں نے بھی مجبوراً معز کی حکومت تسلیم کی اور اس کے نام کا خطبہ وہاں پڑھا گیا۔ اہل دمشق عبیدیوں کی حکومت سے خوش نہ تھے۔ چنانچہ ۳۶۴ھ کے آخر اور ۳۶۵ھ کے شروع میں افتکین نے جو عزالدولہ بن بویہ کے خدام میں سے تھا، دمشق پر قبضہ کر کے معز کے عامل کو وہاں سے نکال دیا۔ اور اہل دمشق سب افتکین کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ معز کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے افتکین کو لکھا: تم دمشق پر حکومت کرتے رہو اور میں تمہارے پاس سند امارت بھیجے دیتا ہوں میرے نام کا خطبہ پڑھو اور خلیفہ بغداد سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ افتکین نے معز کی اس سفارت کو ناکام واپس کر دیا اور دمشق میں خلیفۂ بغداد کے نام خطبہ بدستور جاری رہا۔ اور معز کی حکومت کے تمام علامات کو مٹا دیا گیا۔ معز یہ سن کر سخت طیش میں آیا۔ خود فوج لے کر قاہرہ سے دمشق کی جانب روانہ ہوا۔

وفات:

ابھی مقام بلبیس ہی میں پہنچا تھا کہ ۱۵ ربیع الاول ۳۶۵ھ کو اس کے لیے پیغام مرگ آ پہنچا اور ۴۵ سال ۶ مہینے کی عمر میں اپنی حکومت کے تیسویں سال فوت ہوا۔ یہ عبیدیوں میں سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے مصر فتح کیا اور قاہرہ کو دارالسلطنت بنایا۔ یہ مقام مہدیہ میں ۱۱ رمضان ۳۱۹ھ کو پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نزار تخت نشین ہوا، اور "عزیز باللہ" کا لقب اختیار کیا۔ اس نے کئی مہینے تک اپنے باپ کے انتقال کی خبر کو پوشیدہ رکھا۔ اور بروز عید الضحیٰ ۳۶۵ھ کو باپ کی وفات کا اعلان کر کے مراسم تخت نشینی ادا کیے۔

عزیز بن عبیدی

افتگین کی فوج کشی:

معز کی وفات کا حال سن کر افتگین نے فوجیں تیار کر کے حدود مصر پر فوج کشی کی اور مقام صیدا کا محاصرہ کر لیا۔ صیدا میں ظالم بن موہوب اور دوسرے عبیدی سردار موجود تھے۔ انہوں نے مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر بھاگے۔ افتگین نے بڑھ کر مکہ کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد طبریہ پر چڑھائی کی۔ اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دمشق کی جانب واپس ہو گیا۔ عزیز بن معز ۔۔۔۔۔ نے اپنے وزیر یعقوب بن کلس کے مشورے کے موافق جوہر کاتب کو زبردست فوج دے کر افتگین کے مقابلہ اور دمشق کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ جوہر نے ماہ ذیقعدہ ۳۶۵ھ میں دمشق کا محاصرہ کر لیا اور طرفین سے لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ افتگین نے طول محاصرہ سے تنگ آ کر اعصم بادشاہ قرامطہ کے پاس مقام احساء میں تمام حالات لکھ کر بھیجے اور امداد کی درخواست کی۔ اس خط کے پہنچتے ہی اعصم مع اپنی فوج کے دمشق کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر جوہر دمشق سے محاصرہ اٹھا کر چل دیا۔ افتگین اور اعصم نے مل کر جوہر کا تعاقب کیا اور مقام رملہ میں جا کر جوہر کو گھیر لیا۔ جوہر رملہ کو مضبوط نہ پا کر عسقلان چلا گیا۔ افتگین اور عاصم نے عسقلان میں جوہر کا محاصرہ کر لیا۔ جوہر نے سخت عاجز ہو کر افتگین سے خط و کتابت شروع کی اور استدعا کی کہ مجھ کو اس محاصرہ سے نکل کر مصر پہنچ جانے دو۔ میں اپنے بادشاہ عزیز بن معز سے آپ کو کافی صلہ دلوا دوں گا۔ افتگین جوہر کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کا حال اعصم کو معلوم ہوا تو افتگین کو نصیحت کی اور کہا کہ جوہر کے دھوکے میں نہ آؤ۔ یہ مصر جا کر اور اپنے بادشاہ کو مع زبردست فوج کے لے کر ہمارے کچل ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ مگر افتگین نہ مانا۔ اس نے جوہر کو نکل جانے کا موقع دے دیا۔ جوہر نے عزیز کے پاس پہنچ کر اس کو آئندہ خطرات سے آگاہ کیا۔ اور حملہ کی ترغیب دی عزیز

نے فوجیں آراستہ کر کے فوراً چڑھائی کی اور جوہر کو اپنی فوج کا مقدمۃ الجیش بنایا۔

افتگین کی گرفتاری اور وزارت:

محرم ۳۶۷ھ میں عزیز نے اعصم اور افتگین کے مقابل رملہ میں مورچے قائم کر دیئے۔ اور افتگین کے پاس پیغام بھیجا کہ تم اعصم سے جدا ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ میں تم کو اپنی افواج کا سپہ سالار اعظم بناؤں گا۔ اور جس حصہ ملک کو تم پسند کرو گے اس کی حکومت تم کو عطا کر دوں گا۔ افتگین نے عزیز کے اس پیغام کو منظور نہ کیا اور اس کی افواج پر حملہ آور ہوا۔ قریب تھا کہ عزیز کی فوج کو شکست ہو مگر اس نے سنبھل کر اور اپنی فوج کو سنبھال کر حملہ کیا۔ بڑی خوں ریز جنگ ہوئی۔ آخر اعصم اور افتگین کی فوج کو شکست ہوئی ان کی فوج کے بیس ہزار آدمی میدان جنگ میں مقتول ہوئے۔ عزیز نے فتح مند ہو کر اعلان کرایا کہ جو شخص افتگین کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار دیئے جائیں گے۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دھوکے سے افتگین کو گرفتار کرا کر ایک لاکھ دینار وصول کر لیے۔ عزیز کے سامنے جب افتگین پیش ہوا تو اس نے اس کی بڑی عزت کی، اور نہ صرف اپنا مصاحب خاص بنایا بلکہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ اس کو عطا کر کے اس کی خوب دلجوئی کی اور ایک شخص کو اعصم بادشاہ قرامطہ کے پاس مقام طبریہ میں بھیجا جہاں وہ شکست کے بعد مقیم تھا۔ اور پیغام دیا کہ تم میرے پاس آ کر مجھ سے مل جاؤ۔ اس نے جب انکار کیا تو عزیز نے بیس ہزار دینار اس کے پاس بھیجے اور لکھا کہ ہر سال تم کو اسی قدر روپیہ ملا کرے گا۔ مگر اعصم نے مصر جانے سے انکار کر دیا اور طبریہ سے رخصت ہو کر احساء چلا آیا۔ عزیز افتگین کو لیے ہوئے قاہرہ چلا گیا۔ افتگین کی چونکہ سب سے زیادہ عزت و توقیر ہوئی تھی۔ اور وہ وزیر اعظم بن گیا تھا۔ لہٰذا سابق وزیر اعظم یعقوب بن کلس نے افتگین کو زہر دے کر مار ڈالا۔ عزیز کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے یعقوب کو گرفتار کر کے چالیس روز قید میں رکھا اور پانچ لاکھ دینار جرمانہ وصول کیا۔ اس کے بعد پھر یعقوب کو قلمدان وزارت عطا کر دیا۔

افتگین جب دمشق سے جوہر کے تعاقب میں روانہ ہوا تھا تو قسام نامی ایک شخص کو دمشق کی حکومت پر نیابتاً مقرر کر آیا تھا۔ اس کے بعد افتگین کو دمشق جانے کا موقع ہی نہ ملا۔ قسام کی حکومت وہاں خوب مضبوطی سے قائم ہو گئی تھی۔ جب قسام نے افتگین کے مصر جانے کی خبر سنی تو اس نے دمشق میں عزیز کے نام کا خطبہ شروع کر دیا تھا۔ اب ان لڑائیوں سے فارغ ہو کر عزیز نے ابومحمود بن ابراہیم کو دمشق کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ قسام نے ابومحمود کو دمشق میں داخل نہ ہونے دیا۔ عزیز نے قسام کی سرکوبی کے لیے اور فوج بھیجی۔ بکجور خادم سیف الدولہ نے جو حمص پر قابض و متصرف تھا حاکم مصر کی فوجوں کو رسد پہنچائی۔ ادھر مفرج بن جارح قبیلۂ طے کا سردار عربوں کی جمعیت لے کر برسر مقابلہ ہوا۔ چند سال کی

معرکہ آرائیوں اور لڑائیوں کے بعد عزیز نے بکجو رکو اپنی طرف سے دمشق کا والی مقرر کر دیا۔ بکجو ر نے دمشق پر قابض ہو کر یعقوب بن کلس وزیر السلطنت مصر کے آدردوں کو اس لیے دمشق سے نکال دیا کہ یعقوب نے بکجو ر کے والیٔ دمشق بنائے جانے کی مخالفت کی تھی۔ چند روز کے بعد یعقوب نے بکجو ر کی شکایت کر کے اس کے خلاف عزیز کو آمادہ کر دیا۔ مصر سے فوج آئی اور بکجو ر نے بعد مقابلہ شکست کھائی۔ ادھر سیف الدولہ نے شام پر چڑھائی کی۔ دوسری طرف بادشاہ قسطنطنیہ نے فوج کشی کی۔ غرض دمشق کا علاقہ ۳۸۵ھ تک مسلسل لڑائیوں اور خوں ریزیوں کا مرکز رہا۔

عزیز کی وفات:

رومی فوجوں کے دمشق کی طرف حرکت کرنے کا حال سن کر عزیز نے ۳۸۵ھ میں خود قاہرہ سے مع فوج دمشق کی جانب کوچ کیا، اور رومیوں کے خلاف جہاد کی منادی کرائی۔ مگر مقام بلبس میں پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ عجب اتفاق ہے کہ اس کا باپ بھی جب دمشق کے ارادے سے روانہ ہوا تھا تو اسی مقام پر پہنچ کر مرض الموت میں گرفتار ہوا تھا۔ غرض عزیز آخر رمضان ۳۸۶ھ میں کئی ماہ بیمار رہ کر فوت ہوا، اور اس کا بیٹا ابو منصور باپ کی جگہ تخت نشین ہوا اور حاکم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا۔

منصور حاکم بن عزیز عبیدی:

منصور الملقب بہ حاکم نے تخت نشین ہو کر امور سلطنت کا اختیار حسن بن عمار کتامی کے ہاتھ میں دے دیا۔ کتامیوں نے برسر اقتدار ہو کر ملک میں لوگوں کو بہت پریشان کیا۔ ادھر مشرق سے دیلمی خاندان کے بعض افراد بھی بوجہ شیعہ ہونے کے مصر پہنچ گئے تھے اور دولت عبیدیین کی حمایت میں سرفروشی کا اظہار کرنے سے مشرقیوں کی ایک کافی تعداد مصر میں موجود تھی۔ بالآخر مشرقی اور مغربی گروہوں میں خانہ جنگی ہوئی۔ دمشق حجاز وغیرہ میں بھی بغاوتیں ترقی پذیر رہیں۔ دمشق پر کبھی عرب قابض ہو جاتے تھے، کبھی ترکی غلام کبھی مصری سردار غرض مصر و شام و حجاز و افریقیہ میں بدامنی و فساد کی خوب گرم بازاری رہی۔

ولید بن ہشام کا خروج اور اس کا قتل

اسی اثناء میں ولید بن ہشام المعروف بہ ارکوہ نے خروج کیا۔ اس کا مختصر حال یہ ہے کہ جب اندلس میں منصور بن ابی عامر نے مستولی و متصرف ہو کر شہزادگان بنوامیہ کی گرفتاری و قتل کا سلسلہ شروع کیا تو بنوامیہ کے آخری خلیفہ کا بیٹا ولید اپنی جان کے خوف سے چھپ کر قیروان چلا آیا تھا۔ یہاں چند روز رہ کر یمن، مکہ وغیرہ ہوتا ہوا شام کے ملک میں آ گیا۔ یہاں بدامنی کا دور دورہ تھا۔ اس نے موقع پا

کر یہاں بنو امیہ کی خلافت کے لیے دعوت دینی شروع کی۔ کچھ لوگ اس کے ہم خیال ہو گئے۔ مگر یہاں پوری پوری کامیابی نہ دیکھ کر پھر ملک مصر کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے برقہ کے علاقے میں پہنچا۔ وہاں اس کو اچھی خاصی کامیابی ہوئی۔ حاکم عبیدی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اول اول اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ چونکہ حاکم عبیدی کی حکومت سے لوگ ناخوش اور نالاں تھے۔ اس لیے ولید بن ہشام کے گرد قبائل آ آ کر جمع ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے برقہ پر قبضہ کر کے مصر پر چڑھائی کر دی۔ اب حاکم عبیدی کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے فوج مقابلہ کے لیے بھیجی مگر شکست حاصل ہوئی۔ اسی طرح بار بار مصر سے فوجیں گئیں اور شکست کھا کھا کر واپس آئیں۔ قریب تھا کہ تمام ملک افریقیہ و مصر پر ولید بن ہشام کا قبضہ وحکومت قائم ہو جائے کہ حاکم عبیدی نے چالاکی سے اس کے بعض سرداروں کو لالچ دے کر اپنی جانب مائل کر لیا۔ اور انہوں نے ولید بن ہشام کو دھوکا دے کر گرفتار کرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حاکم عبیدی نے اس کو قتل کرا کر اس کی لاش کو تشہیر کرایا اور اس طرح ۳۹۷ھ میں اس ہنگامہ کا خاتمہ ہوا۔ چونکہ لوگوں کو عبیدی حکومت سے بوجہ اس کی شیعہ ہونے کے نفرت تھی۔ اس لیے حاکم عبیدی نے ولید بن ہشام کی ہنگامہ آرائیوں کے دوران میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور سنیوں کے دلوں سے اپنی نفرت دور کرنے کے لیے فرمان اس مضمون کا جاری کیا جس شخص کا جی چاہے وہ سنی مذہب اختیار کرے اور جس کا جی چاہے شیعہ مذہب قبول کر لے۔ اسی طرح جس کا جی چاہے اذان میں حی علی خیر العمل پکارے اور جس کا جی چاہے نہ پکارے۔ مذہب کے معاملے میں کسی پر کسی قسم کا تشدد نہ کیا جائے گا۔

حاکم کی موت:

حاکم عبیدی تاثیر کواکب کا قائل اور علم نجوم کی جانب زیادہ مائل تھا۔ اس نے کوہ مقطم (متصل قاہرہ) پر ایک مکان بنوا رکھا تھا۔ وہاں کواکب کی روحانیت جذب کرنے اور اعمال عبادت بجا لانے کے لیے تنہا جایا کرتا تھا۔ چنانچہ ۲۷ ماہ شوال ۴۱۱ھ کو حسب دستور رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر چلا۔ دو سوار ساتھ ہو لیے۔ اس نے تھوڑی دور چل کر یکے بعد دیگرے دونوں کو واپس کر دیا۔ اور خود کوہ مقطم کی جانب تنہا چلا گیا۔ چند روز تک واپس نہ آیا۔ اراکین سلطنت واپسی کے انتظار میں رہے۔ جب کئی روز گزر گئے تو اراکین سلطنت اس کی تلاش میں نکلے۔ کوہ مقطم پر چڑھتے ہی اول اس کی سواری کا گدھا دست و پا بریدہ مردہ موجود تھے۔ اس کی لاش نہیں ملی۔ ایک دوسری روایت حاکم عبیدی کے قتل کی نسبت یہ ہے کہ حاکم کی بہن کا بعض غیر مردوں سے ناجائز تعلق تھا۔ اس کی اطلاع ہونے پر حاکم نے بہن کو ڈانٹا۔ اس نے اس کے جواب میں بعض کتامی سرداروں کو بلا کر حاکم کے بدعقیدہ اور لامذہب ہونے کی شکایت کر کے حاکم کے قتل کی سازش کی۔ چنانچہ کتامی سرداروں نے حاکم کو موقع پا

کر قتل کر دیا۔حاکم شب پنج شنبہ ۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ کو پیدا ہوا تھا۔چھتیس سال کی عمر میں فوت ہوا۔ حاکم کے قتل کا یقین ہو جانے کے بعد ارا کین سلطنت نے حاکم کے نوعمر نابالغ بیٹے علی کو تخت نشین کیا۔علی کا لقب ظاہر لدین اللہ تجویز کیا گیا اور امور جہاں بانی ظاہر کی پھوپھی یعنی حاکم کی بہن کے ہاتھ میں آئے۔حاکم متلون، سخت گیر شخص تھا۔

ظاہر بن حاکم عبیدی:

چار برس کے بعد ظاہر کی پھوپھی مرگئی۔اور ظاہر ارا کین سلطنت کی مدد سے حکومت کرنے لگا۔۴۲۰ھ میں شام ودمشق پر صالح بن مرداس نے قبضہ کر کے عبیدی حکومت کو وہاں سے مٹا دیا۔ظاہر نے زریری حاکم فلسطین کو اس طرف حملہ کرنے کا حکم دیا۔زریری نے دمشق وشام پر قبضہ کیا مگر لڑائیوں اور بغاوتوں کا سلسلہ ملک شام میں برابر جاری رہا۔

وفات:

یہاں تک کہ ۱۵ شعبان ۴۲۷ھ کو ظاہر نے وفات پائی۔اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوتمیم معد تخت نشین ہوا۔اس کا لقب مستنصر رکھا گیا ظاہر کے زمانے میں ابوالقاسم علی بن احمد وزیر اعظم تھا۔اب مستنصر کے تخت نشین ہونے پر ابوالقاسم وزیر السلطنت نے امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

مستنصر بن ظاہر عبیدی:

مستنصر کے عہد حکومت میں ۴۳۳ھ میں شام ودمشق پر عرب قبائل نے قبضہ کر لیا اور یہ ملک حکومت عبیدیہ سے نکل گیا۔۴۴۰ھ میں معز بن بارلیس نے افریقیہ میں علم بغاوت بلند کر کے خلیفہ بغداد کا خطبہ جاری کر دیا۔اسی اثناء میں وزیر ابوالقاسم کو مستنصر نے معزول کر کے حسین بن علی تازوری کو قلمدان وزارت عطا کیا۔اور عربوں کی ایک جمعیت کو جن میں رعبہ، رباح اور بطون ہلال کے افراد شامل تھے، افریقیہ کی جانب روانہ کیا۔ان لوگوں نے علاقہ برقہ میں پہنچ کر طرح اقامت ڈال دی۔اور افریقیہ پر حملہ آور ہونے کا خیال ترک کر دیا۔مستنصر نے یہ دیکھ کر غلاموں کی خریداری شروع کر دی اور تیس ہزار غلام خرید لیے۔ادھر مذکورہ عرب قبائل نے برقہ میں طرح اقامت ڈالنے کے بعد بطور خود پیش قدمی کر کے ۴۴۶ھ میں طرابلس پر قبضہ کر لیا۔اور بنو رعبہ نے وہاں اپنی حکومت قائم کی۔بنو رباح نے مقام اتبج میں اپنی حکومت قائم کی۔بن عدی نے تمام ملک افریقہ میں قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔پھر ان عرب سرداروں نے ایک سفارت معز بن بارلیس کی خدمت میں بھیجی۔معز نے اس سفارت کی خوب مدارات وخاطر کی اور اس کو امید ہوئی کہ اب یہ اپنی لوٹ مار اور قتل وفساد سے باز رہیں گے۔مگر انہوں

نے اسپنے اس پیشہ کو ترک نہ کیا۔ چنانچہ معزبن بارلیس نے صنہاجہ وغیرہ قبائل بربر کے تیس ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کران عربوں کی سرکوبی کا عزم کیا۔ عرب جو اس کے مقابلے میں آئے، صرف تین ہزار تھے۔ مگر لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ معز کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ معزبن بارلیس نے فرار ہو کر قیروان میں پناہ لی۔ اس کے بعد معز نے پھر قبائل بربر کی زبردست فوج لے کر ۱۰ ذی الحجہ ۴۴۶ھ کو بروز عیدالضحیٰ عربوں پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ بھی اس کو شکست ہوئی۔ تیسری مرتبہ اس نے پھر حملہ کیا اور اس مرتبہ بھی عرب فتح مند ہوئے۔ اور قیروان تک معز کا تعاقب کیا اور شہر باجہ پر عربوں کے سردار یونس بن یحییٰ کا قبضہ ہو گیا۔ آخر یہ ہوا کہ معزبن بارلیس ۴۴۹ھ میں قیروان کو چھوڑ کر مہدیہ چلا گیا اور یونس بن یحییٰ نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔

خانہ جنگی:

ادھر قاہرہ کی یہ حالت تھی کہ مستنصر کی ماں اپنے بیٹے سے جو حکم چاہتی تھی۔ صادر کرا دیتی تھی۔ اس طرح اس کا اثر و اقتدار بہت ترقی کر گیا تھا۔ دوسری طرف وزرائے سلطنت اپنی حفاظت کو مدنظر رکھ کر شاہی فوج میں ترکوں کو بھرتی کرتے رہتے تھے۔ اس طرح فوج میں تین زبردست طاقتیں موجود تھیں۔ ایک جمع ودانی غلاموں کی طاقت تھی، یہ لوگ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ دوسرے کتامی اور بربری لوگ تھے ان کی تعداد کم تھی۔ تیسرا گروہ ترکوں کا تھا۔ یہ تعداد میں غلاموں سے کم تھے۔ مگر جنگی استعداد ان میں زیادہ تھی۔ اتفاق سے ایک غلام ناصرالدولہ بن حمدان سوڈانی ترقی کر کے امراء وارا کین دولت کی حمایت سے سپہ سالاری کے درجہ تک پہنچ گیا اور ترکوں کا لیڈر اور سردار بن گیا۔ سلطنت کے اعضاء کٹ کٹ کر خود مختار ہو چکے تھے۔ اور ارا کین سلطنت اور مستنصر کی والدہ اور مستنصر سب قاہرہ کے اندر ایک دوسرے کی طاقت کو گھٹانے اور زیر کرنے میں مصروف تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں اور غلاموں میں خانہ جنگی نمودار ہوئی۔ اور مستنصر عبیدی کی فوج کے دو حصے ہو کر آپس میں لڑنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں کے ہاتھ سے ہزار ہا غلام مارے گئے اور ناصرالدولہ ترکوں کا سردار سب پر غالب ہو گیا۔ مستنصر نے اپنی حالت سقیم کو تبدیل کرنے کے لیے اپنے غلام بدر جمالی ارمنی الاصل کو جو عکہ میں برسر حکومت تھا، اشارہ کیا بدر جمالی نے عکہ میں ارمنی لوگوں کی بھرتی جاری کر دی اور ایک زبردست ارمنی فوج لے کر براہ دریا جہازوں میں سوار ہو کر مصر میں داخل ہوا۔ مستنصر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مستنصر نے اس کو قلمدان وزارت عطا کیا اور چند ترکوں کو سمجھایا کہ ناصرالدولہ نے تم کو بلاوجہ جنگ وجدل کی مصیبت میں پھنسایا۔ ترکوں نے خلیفہ کا یہ اشارہ پا کر اور اپنی آئندہ بہبود مدنظر رکھ کر ناصرالدولہ کو خود ہی دھوکے سے قتل کر دیا۔ اب بدر جمالی ترکوں کا سردار بن گیا۔ بدر جمالی نے خوب طاقتور ہو کر اور سلطنت کے تمام شعبوں اور

صیغوں پر مستولی ہونے کے بعد وفاداری کے ساتھ سلطنت کے اعتماد و وقار کو بڑھایا۔ باغی سرداروں کو اطاعت پر مجبور کیا۔ جو شہر قبضے سے نکل گئے تھے۔ ان کے واپس فتح کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہوا۔ طرابلس کو بھی عربوں سے چھین لیا۔ فلسطین کے تمام علاقے کو بھی حکومت میں شامل کیا۔ دمشق کی حالت یہ تھی کہ وہاں جو شخص قابو پاتا تھا، قابض ہو جاتا تھا۔ مگر خطبہ مصر کے بادشاہ عبیدی کا پڑھواتا تھا۔ دربار قاہرہ اسی کو غنیمت جانتا تھا۔ ۴۶۸ھ میں جبکہ بدر جمالی نے مستنصر کی حکومت کے بگڑے ہوئے کام کو بہت کچھ سنبھال دیا تھا دمشق پر امیر اقدس نے حملہ کر کے اپنا قبضہ جمایا اور بجائے بادشاہ مصر کے خلیفۂ بغداد کے نام کا خطبہ مصر میں پڑھا گیا۔ ۴۶۹ھ میں اتسز بن افق نامی سردار نے جو سلجوقی لشکر کا ایک سپہ سالار تھا۔ دمشق پر حملہ کیا۔ یہ خبر سنتے ہی مصر سے بدر جمالی نے دمشق کی جانب فوج روانہ کی۔ اہل دمشق نے اتسز کی حکومت قبول کر لی تھی کہ اتنے میں مصری لشکر نے آ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ ۴۷۰ھ میں سلطان ملک شاہ سلجوقی نے تتش سلجوقی کو بلاد شام کی حکومت سپرد کر کے یہ حکم دیا کہ تم ملک شام کا جس قدر حصہ فتح کر لو گے۔ وہ تمہارا ملک سمجھا جائے گا چنانچہ تتش نے حدود شام میں داخل ہو کر حلب پر فوج کشی کی۔ اہل حلب نے مدافعت کی اور تتش نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر دمشق میں اتسز ابھی تک مصری لشکر کے محاصرے میں تھا۔ اس نے تتش کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میرا مصری فوجوں نے محاصرہ کر رکھا ہے اگر آپ میری مدد کریں گے تو میں مجبوراً دمشق ان کے حوالے کر دوں گا۔ تتش نے فوراً دمشق کی جانب کوچ کر دیا۔ تتش کے آنے کی خبر سن کر مصری لشکر دمشق سے محاصرہ اٹھا کر مصر کی طرف بھاگ گیا۔ تتش نے دمشق پہنچ کر اتسز کو قتل کیا اور خود دمشق پر قابض و متصرف ہو گیا۔ یہ واقعہ ۴۷۱ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد حلب پر بھی تتش کا قبضہ ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ تمام ملک شام اس کے قبضے میں آ گیا یہ حالات سن کر بدر جمالی نے مصر میں فوجیں جمع کیں اور ایک لشکر جرار لے کر دمشق پر حملہ آور ہوا۔ مگر تتش کے مقابلے میں ناکام رہ کر واپس ہوا۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ مصری فوجوں نے شام پر حملہ کیا۔ مگر ناکام واپس گئیں۔ ۴۸۴ھ میں جزیرہ صقلیہ کو عیسائیوں نے مسلمانوں نے کے قبضے سے نکال لیا۔ ماہ ربیع الاول ۴۸۷ھ میں بدر جمالی نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے بعد ۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ کو مستنصر عبیدی بھی فوت ہو گیا۔ مستنصر کا ابتدائی زمانہ بہت خطرناک تھا۔ اس کی سلطنت کے مٹنے اور دولت عبیدیین کے فنا ہونے میں کوئی کسر نہ رہی تھی کہ بدر جمالی نے اس سلطنت کو برباد ہونے سے بچا لیا۔ مستنصر کے تین بیٹے تھے احمد، نزار اور ابوالقاسم۔ مستنصر نے نزار کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔

حسن بن صباح کی مستنصر سے بیعت:

کہتے ہیں کہ مستنصر کے عہد حکومت میں حسن بن صباح عراق سے سوداگروں کے لباس

میں وارد مصر ہوا۔ اور مستنصر کی خدمت میں حاضر ہو کر مستنصر سے بیعت ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کے بعد کس کو امام مانوں۔ مستنصر نے کہا کہ میرے بعد میرا بیٹا نزار امام ہوگا۔ اس کے بعد حسن بن صباح نے مستنصر سے اجازت طلب کی کہ ملک عراق میں آپ کی خلافت و امامت کی تبلیغ کروں۔ مستنصر نے اس کو اجازت دی اور اپنا داعی بنا کر روانہ کیا۔ حسن بن صباح نے عراق میں آ کر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور رفتہ رفتہ قلعہ الموت پر قابض ہو گیا۔ حسن بن صباح اور اس کی قائم کی ہوئی سلطنت کا حال آگے اپنے موقع پر بیان ہوگا۔ مستنصر نے بدر جمالی کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد ملک کو وزارت کا عہدہ عطا کیا تھا۔ محمد ملک اور نزار کے درمیان ناراضی تھی۔ اس لیے مستنصر کی وفات کے بعد محمد ملک نے مستنصر کی بہن کو اس بات پر رضا مند کر لیا کہ تخت سلطنت پر ابوالقاسم کو بٹھایا جائے چنانچہ مستنصر نے اپنے بعد ابوالقاسم کے موافق ارا کین سلطنت کے سامنے اس بات کی گواہی دی کہ مستنصر نے اپنے بعد ابوالقاسم کے تخت نشین ہونے کی وصیت کی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے ابوالقاسم کے ہاتھ حکومت کی بیعت کی اور "مستعلی باللہ" کے لقب سے اس کو تخت پر بٹھایا۔

ابوالقاسم مستعلی عبیدی:

مستعلی کے تخت نشین ہونے سے تین روز بعد نزار، قاہرہ سے روانہ ہو کر اسکندریہ چلا گیا۔ اسکندریہ میں بدر جمالی کا غلام نصیر الدولہ افتکین وہاں کا عامل وحکمراں تھا۔ وہ یہ سن کر کہ ابوالقاسم تخت نشین ہوا ہے باغی ہو گیا اور نزار کو مستحق حکومت سمجھ کر اس کا موئید بن گیا۔ نصیر الدولہ نے اسکندریہ میں نزار کو تخت نشین کرا کر اس کی بیعت کی اور "مصطفیٰ لدین اللہ" اس کا لقب مقرر کیا۔ یہ خبر قاہرہ میں پہنچی تو وزیر السلطنت محمد ملک فوج لے کر نزار کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ اور جا کر اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ شدت محاصرہ سے تنگ آ کر محصورین نے امن کی درخواست کی اور اسکندریہ محمد ملک کے سپرد کر دیا۔ وزیر السلطنت محمد ملک نے نزار کو گرفتار کر کے قاہرہ بھیج دیا۔ مستعلی نے نزار کو بلا توقف قتل کرا دیا۔ اس کے بعد وزیر السلطنت اپنے ہمراہ نصیر الدولہ افتکین کو لیے ہوئے قاہرہ پہنچا۔ مستعلی نے افتکین کو بھی قتل کرا دیا۔ اس کے بعد کسیلہ نامی ایک شخص جو شہر صور کا والی تھا باغی ہو گیا۔ اس کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ ہوئی بڑی خوں ریزی کے بعد کسیلہ گرفتار ہو کر قاہرہ آیا اور مستعلی کے حکم سے مقتول ہوا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ شام کا تمام ملک تاج الدولہ تتش سلجوقی کے قبضے میں آ چکا تھا۔ تاج الدولہ تتش کی وفات کے بعد تتش کے دونوں لڑکوں دقاق اور رضوان میں خانہ جنگی برپا ہو گئی تھی۔ دقاق دمشق پر قابض تھا اور رضوان نے حلب پر قبضہ کر لیا تھا۔ بیت المقدس کی حکومت پر دقاق کی طرف سے سلیمان بن ارتق کو مامور تھا۔ ۴۹۰ھ میں یورپ کے عیسائیوں نے جن میں بڑے بڑے

بادشاہ بھی شامل تھے متحد ہو کر بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے نکالنے کے لئے حملہ کیا۔ ان صلیبی حملہ آوروں کے آتے ہی انطا کیہ کا محاصرہ کیا۔ انطا کیہ میں ان دنوں ایک سلجوقی باغیسان نامی مامور تھا۔ وہ عیسائیوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور انطا کیہ کو چھوڑ کر فرار ہوا۔ راستے میں کسی ارمنی نے اس کو مار ڈالا اور سر اتار کر صلیبی لشکر میں لے آیا۔ انطا کیہ کے اس طرح نکل جانے اور باغیسان کے مارے جانے سے ملک شام میں ہلچل مچ گئی۔ کربوقا نامی سلجوقی سردار جو موصل کا والی تھا، عیسائی حملہ آوروں کی طرف بڑھا اور مرج دابق میں پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ یہ سن کر دقاق بن تتش، سلیمان بن رائق، طغتگین والیٔ حمص بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر بوقا کے پاس پہنچ گئے اور سب مل کر انطا کیہ کی طرف عیسائیوں کے مقابلہ کو بڑھے۔ عیسائی لشکر کے مقابلہ میں ان مسلمانوں سرداروں کی متحدہ فوج بے حقیقت اور نہایت قلیل تھی۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ہزار ہا مسلمان شہید ہوئے۔ عیسائیوں نے ان کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے حمص پر قبضہ کیا۔ پھر عکہ کا محاصرہ کر لیا۔ عکہ کی ترکی سلجوقی فوج نے بڑی بڑی سختیاں برداشت کیں اور مدافعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

ابھی عیسائیوں نے عکہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور شام کے تمام مسلمانوں کی توجہ اس طرف منعطف تھی کہ مستعلی کے وزیر محمد ملک نے مصری فوج لے کر بیت المقدس پر حملہ کر دیا۔ شیعوں کا یہ حملہ عیسائیوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا اور شام کی اسلامی فوج بیک وقت ان دونوں زبردست حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ سلیمان اور ایلغازی بیت المقدس میں شیعوں کی مصری فوج کے مقابلے میں مصروف ہو گئے۔ اور عکہ پر عیسائیوں کے حملہ کی روک تھام میں کوئی مدد نہ پہنچا سکے۔ ادھر جو لوگ عیسائیوں کے مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے وہ بیت المقدس والوں کے پاس کوئی کمک نہ بھیج سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المقدس پر مصر کے وزیر السلطنت کا قبضہ ہو گیا اور سلیمان و ایلغاری وہاں سے مشرق کی جانب چلے گئے مصریوں کو دیر تک بیت المقدس پر قبضہ رکھنا نصیب نہ ہوا۔ عیسائیوں نے ۲۳ شعبان کو چالیس روز کے محاصرے کے بعد بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ شہر میں گھس کر عیسائی فتح مندوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا۔ مسلمانوں نے محراب داؤد علیہ السلام میں پناہ لی کہ یہاں عیسائی قتل سے باز رہیں گے۔ مگر انہوں نے وہاں بھی ان کو قتل کیا۔ مسجد اقصیٰ اور صخرہ سلیمان میں ستر ہزار مسلمان شہید کیے گئے۔ مسجد اقصیٰ کا تمام قیمتی سامان، قندیلیں ج جو چاندی اور سونے کی تھیں، سب لوٹ لیں۔ اس ہنگامہ میں لاتعداد مسلمان شہید ہوئے۔ بیت المقدس کے جس قدر مسلمان کسی نہ کسی طرح بچ کر بھاگ سکے، وہ بحالت پریشان بغداد پہنچے اور وہاں عیسائیوں کے ان مظالم اور مسلمانوں کی بربادی کا حال خلیفہ بغداد کو سنایا۔ خلیفہ نے برکیارق، محمد، سنجر وغیرہ سلاطین سلجوقہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ملک شام کو بچاؤ۔ مگر یہ آپس کی خانہ جنگیوں میں ایسے مصروف تھے کہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ اور ملک شام کو عیسائیوں نے خاک سیاہ

بنا ڈالا۔ وزیر السلطنت مصر جس نے مسلمانوں کے قبضے سے بیت المقدس کو لے کر عیسائیوں کے ہاتھ فتح کرا دیا۔ یہ خبر سن کر مصر سے فوج لے کر چلا کہ بیت المقدس کو عیسائیوں سے فتح کرے لیکن عیسائیوں نے اس کے آنے کی خبر سن کر آگے بڑھ کر مصری فوج کو شکست فاش دے کر بھگا دیا اور بھاگتے ہوؤں میں سے بھی کسی کو بچ کر نہ جانے دیا۔ چند آدمیوں کے ساتھ وزیر السلطنت مصر پہنچا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے عسقلان کا محاصرہ کیا۔ اور ہزار دینار تاوان لے کر وہاں سے واپس ہوئے۔

وفات:

۱۵ ماہ صفر ۴۹۵ھ کو مستعلی نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ابو علی جس کی عمر پانچ سال کی تھی، تخت سلطنت پر بٹھایا گیا اور "آمر باحکام اللہ" اسکا لقب مقرر کیا گیا۔

ابو علی آمر عبیدی:

ابو علی کی تخت نشینی کے بعد مہمات سلطنت تمام وکمال وزیر السلطنت کے ہاتھ میں آ گئے۔ اگر چہ پہلے بھی وہ سیاہ وسفید کا مختار تھا اور مستعلی اس کے خلاف کچھ نہ کرتا تھا۔ ۴۹۶ھ میں وزیر السلطنت نے فوجیں آراستہ کر کے اپنے باپ بدر جمالی کے غلام سعد الدولہ کی سرداری میں عیسائیوں کے مقابلہ کو روانہ کیں۔ مقام رملہ اور یافہ کے درمیان جنگ ہوئی مصریوں کا لشکر گاہ کو لوٹ لیا اور بہت سوں کو گرفتار کیا۔ وزیر السلطنت کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے بیٹے شرف المعالی کو ایک نہایت زبردست فوج دے کر روانہ کیا۔ رملہ کے قریب لڑائی ہوئی۔ اس معرکہ میں عیسائیوں کو شکست ہوئی۔ شرف المعالی نے بڑھ کر رملہ کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ یوم کے محاصرے کے بعد رملہ فتح ہوا۔ چار سو عیسائی مقتول اور تین سو گرفتار ہوئے۔ عیسائی سردار رملہ سے یافہ چلا گیا اور بیت المقدس کی زیارت کے لیے جو عیسائی یورپ سے ابھی آئے تھے۔ انکو ہمراہ لے کر شرف الملک کی طرف بڑھا۔ شرف الملک عیسائیوں کے حملہ کی خبر سن کر بلا جنگ مصر کی طرف چلا گیا۔ عیسائیوں نے آگے بڑھ کر عسقلان پر بلا مقابلہ ومقاتلہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مصری فوج نے پھر حملہ کیا اور عسقلان کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ یہ ذی الحجہ ۴۹۶ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد ۴۹۸ھ میں پھر ایک مرتبہ مصری فوجیوں نے عیسائیوں پر حملہ کیا اور دمشق کی ترکی فوج نے بھی مصری فوج کا ساتھ دیا۔ مگر اس لڑائی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ساحل شام کے شہروں میں طرابلس، صور، صیدا اور بیروت مصری حکومت کے ماتحت تھے۔ ۵۰۳ھ میں عیسائیوں کے جنگی بیڑے آئے اور انہوں نے ان تمام شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کر کے تمام ساحل شام پر اپنے قبضہ کو مکمل کر لیا۔ عیسائیوں نے بیت المقدس کو فتح کر کے وہاں اپنا ایک بادشاہ مقرر کیا اور ملک شام کا جس قدر علاقہ انہوں نے فتح کر لیا تھا، وہ سب بیت المقدس کی اس عیسائی سلطنت میں شامل ہوا۔ اس طرح ملک شام

کے اندر ایک چھوٹی سی عیسائی سلطنت قائم ہو گئی تھی اور وہ اس لیے بہت زبردست تھی کہ اس کو مسلسل براعظم یورپ کے ملکوں سے فوجی و مالی امداد پہنچتی رہتی تھی۔ ان عیسائیوں کے مقابلے میں مصر کی سلطنت عبیدی سے کچھ نہ ہوسکا۔ حالانکہ عیسائیوں نے زیادہ تر انہیں شہروں اور اسی حصہ ملک پر قبضہ کیا تھا جو سلطنت مصر کے قبضے میں تھا۔ دمشق کو جو سلجوقی سرداروں کی حکومت میں تھا، عیسائی فتح نہ کر سکے۔ اور نہ ان کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ ملک شام کے مشرقی حصے کی طمع کریں۔ سلجوقی سردار اور سلجوقی سلاطین اس زمانے میں خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ اگر وہ اپنی خانہ جنگیوں کو ملتوی کر کے عیسائیوں کی طرف متوجہ ہو جاتے تو بڑی آسانی سے ان کو مار کر نکال دیتے اور بیت المقدس میں ان کے قدم نہ جمنے دیتے۔ بہر حال عیسائیوں کی سلطنت یا ریاست شام کے مغربی ساحل پر اس لیے قائم ہو سکی کہ سلجوقی امراء آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور مصر کی دولت عبیدیہ نے اپنی کمزوری اور ناعاقبت اندیشی سے عیسائیوں کو چیرہ دستی کا موقع دیا۔

۵۱۵ھ میں آمر عبیدی نے وزیر السلطنت کے بڑھے ہوئے اقتدار کو ناپسند کر کے اسے دھوکے سے قتل کر دیا اور دوسرا وزیر مقرر کر کے اس کو جلال الاسلام کا خطاب دیا۔ چار سال کے بعد جلال الاسلام سے بھی ناراض ہوا۔ اور ۵۱۹ھ میں جلال الاسلام، اس کے بھائی موتمن اور اس کے ہوا خواہ نجیب الدولہ کو بھی قتل کر دیا۔

آمر عبیدی کا قتل:

آخر ۵۲۴ھ میں قرامطہ یا فدائیوں کے ایک گروہ نے سواری کے وقت حملہ کر کے آمر عبیدی کو قتل کر دیا چونکہ اس نے کوئی بیٹا نہ چھوڑا تھا۔ اس لیے اس کے چچازاد بھائی عبدالمجید نے تخت نشین ہو کر اپنا لقب حافظ لدین اللہ، رکھا۔ لوگوں نے حافظ لدین اللہ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی کہ آمر کی حاملہ بیوی کے پیٹ سے اگر لڑکا پیدا ہوا تو وہ مستحق حکومت سمجھا جائے گا۔

حافظ عبیدی:

حافظ عبیدی نے تخت نشین ہو کر یکے بعد دیگرے بہت سے وزیروں کو قتل کیا۔ ہر ایک وزیر موقع پا کر امور سلطنت پر مستولی ہونے کے بعد مخالفت کا اظہار کرتا اور قتل ہوتا تھا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو وزیر بنا لیا۔ اس نے بھی موقع پا کر باپ کے خلاف خود تخت نشین ہونے کی سازش و کوشش کی۔ آخر حافظ عبیدی نے رضوان نامی ایک سنی المذہب کو اپنا وزیر بنایا۔ کچھ دنوں کے بعد رضوان بھی شیعوں اور راماسیوں کی مسلسل مخالفتوں کے باعث اس عہدے سے دست کش ہوا۔ یہ واقعہ ۵۴۳ھ کا ہے۔ اس کے بعد حافظ عبیدی نے کسی کو اپنا وزیر نہیں بنایا۔

وفات:

آخر ۵۴۴ھ میں حافظ لدین اللہ ستر سال کی عمر میں فوت ہوا اس کی جگہ اسکا بیٹا ابومنصور اسمٰعیل تخت نشین ہوا اور "ظافر باللہ" اپنا لقب تجویز کیا۔

ظافر بن حافظ عبیدی:

ظافر نے تخت نشین ہو کر عادل بن سلار والی اسکندریہ کو اپنا وزیر بنایا۔ عادل نے نظم و نسق سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر ظافر کو شاہ شطرنج بنا دیا۔ ۵۴۸ھ میں عیسائیوں نے عسقلان کا محاصرہ کیا۔ اہل عسقلان نے محصور ہو کر دربار قاہرہ میں امداد و اعانت کی درخواست بھیجی۔ یہاں سے وزیر السلطنت عادل نے اپنے ربیب عباس بن ابی الفتوح کو فوج دے کر عسقلان سے عیسائیوں کا محاصرہ اٹھانے کی غرض سے روانہ کیا۔ یہاں ظافر اور عباس میں یہ سازش ہو گئی تھی کہ عادل کو قتل کیا جائے۔ چنانچہ عباس خود فوج لے کر بلبیس میں جا کر مقیم ہوا۔ ادھر عباس کے نوعمر بیٹے نصیر نے عادل کا سوتے ہوئے کام تمام کر دیا۔ عادل کے قتل کی خبر سن کر عباس قاہرہ میں واپس چلا آیا اور قلمدان وزارت اس کو سپرد ہوا۔ اہل عسقلان کی کسی نے خبر نہ لی۔ انہوں نے مجبور ہو کر اپنے آپ کو عیسائوں کے حوالے کر دیا۔ اور عیسائیوں نے عسقلان پر قابض ہو کر دولت عبیدیہ کی کمزوری و نالائقی کے راز کو اور بھی فاش کر دیا۔ نصیر بن عباس جس کا نام اوپر ابھی آ چکا ہے ظافر عبیدی کا ندیم خاص اور روز و شب کا مصاحب و جلیس تھا اس کے اور ظافر کے تعلقات کی نسبت لوگوں میں برے برے خیالات کا اظہار ہوتا تھا۔

ظافر کا قتل:

نصیر نے ایک روز ماہ محرم ۵۴۹ھ میں ظافر کی ضیافت کی۔ ظافر نصیر کے یہاں آیا۔ نصیر نے ظافر اور اس کے ہمراہیوں کو قتل کرا کر اسی مکان میں دفن کر دیا۔ دوسرے دن وزیر السلطنت عباس بن ابی الفتوح حسب دستور قصر سلطنت میں گیا۔ اور خدام سے بادشاہ ظافر کو دریافت کیا۔ انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد عباس واپس چلا آیا۔ خدام محل سرائے عباس کے واپس جانے پر ظافر کے بھائی جبرئیل اور یوسف کے پاس گئے اور ظافر کے نصیر کے مکان پر جانے اور وہاں سے اب تک واپس نہ آنے کا حال بیان کیا۔ یوسف اور جبرئیل نے کہا کہ تم اس کیفیت کو وزیر السلطنت عباس سے جا کر بیان کرو۔ خدا نے عباس کے پاس آ کر یہ حال سنایا۔ عباس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف اور جبرئیل کی سازش سے بادشاہ ظافر قتل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً ظافر کے ان دونوں بھائیوں کو گرفتار کرا کر بلوایا اور فوراً قتل کرا دیا۔ ساتھ ہی حسن بن حافظ کے دونوں لڑکوں کو بھی قتل کرا دیا۔ اسکے بعد محل سرائے

سلطانی میں جا کر ظافر کے بیٹے عیسیٰ ابوالقاسم کو زبردستی گود میں اٹھا لیا۔ تخت سلطنت پر لا کر بٹھا دیا اور "فائز بنصر اللہ" کا لقب تجویز کر کے لوگوں سے ان کے نام بیعت لی۔ خاندان سلطنت کے پانچ آدمیوں کے اس طرح مقتول ہونے پر بیگمات سلطنت نے صالح بن زریک کے پاس پوشیدہ طور پر ایلچی روانہ کیے جو ان دنوں اشمونین وبہسہ کا عامل تھا اور تمام حالات سے اس کو اطلاع دے کر عباس کی بیخ کنی کی درخواست کی۔ چنانچہ صالح بن زریک فوجیں فراہم کر کے قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ عباس یہ دیکھ کر کہ اہل قاہرہ بھی میرے مخالف ہو گئے ہیں، قاہرہ سے اپنے بیٹے نصیر اور اپنے دوست اسامہ بن منقذ کو ہمراہ لے کر اپنی خاص جمعیت کے ساتھ شام وعراق کے قصد سے روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں عیسائیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ لڑائی میں عباس کام آیا۔ نصیر گرفتار ہوا اور اسامہ بچ کر نکل گیا اور ملک شام میں پہنچ گیا۔ عباس کے نکل جانے کے بعد صالح قاہرہ میں بماہ ربیع الثانی ۵۵۹ھ پہنچا۔ نصیر کے مکان میں سے ظافر کی لاش کو کھود کر نکالا اور شاہی قبرستان میں دفن کیا۔ اور ظافر کے بیٹے فائز کی بیعت کی۔ فائز نے اس کو "ملک الصالح" کا خطاب دیا۔

فائز بن ظافر عبیدی:

صالح نے وزیر السلطنت ہو کر امور سلطنت کا بندوبست شروع کیا۔ اس کے بعد عیسائیوں سے خط وکتابت کر کے نصیر بن عباس کو زر معاوضہ دے کر حاصل کیا۔ جب نصیر کو عیسائیوں نے روپیہ لے کر قاہرہ میں پہنچا دیا تو صالح نے اس کو قتل کر کے اس کی لاش کو منظر عام پر لٹکا دیا۔ صالح امامیہ مذہب کا سختی سے پابند اور دولت عبیدیہ کا بڑا خیر خواہ تھا۔ اس نے نصیر کے قتل سے فارغ ہو کر ان سرکش سرداروں کی طرف توجہ مبذول کی جو مزاحمت ومخالفت کی جرأت رکھتے تھے۔ ان میں دو سردار خاص طور پر قابل توجہ تھے۔ ایک تاج الملوک قایماز، دوسرا ابن اغالب۔ ان دونوں کی گرفتاری پر صالح نے فوجوں اور سرداروں کو مامور کیا۔ یہ دونوں قبل از وقت واقف ہو کر مصر سے فرار ہو گئے۔ ان کے مکانات لوٹ لیے گئے۔ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر دوسرے تمام سردار بھی سہم گئے اور اطاعت وفرماں برداری کی گردنیں سب نے جھکا دیں۔ صالح نے قصر سلطنت کے دربان، خدام اور تمام آدمی اپنے آوردے مقرر کیے اور پرانے آدمیوں کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد تمام معاملات پر حاوی ومستولی ہونے کے بعد وہ قصر سلطانی کا قیمتی سامان بھی اپنے مکان میں لے آیا۔ فائز عبیدی کی پھوپھی نے صالح کے اقتدار کو حد سے زیادہ بڑھتا ہوا دیکھ کر صالح کی بیخ کنی اور قتل کی تدبیریں سوچنی ضروری سمجھیں۔

صالح کو اس کا حال معلوم ہو گیا۔ اس نے خود قصر سلطنت میں جا کر فائز کی پھوپھی کو قتل کرا دیا۔ جس سال فائز تخت حکومت پر بٹھایا گیا ہے اسی سال ملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگی نے

دمشق کو بنو نمش کے قبضے سے نکال لیا تھا اور عیسائیوں کی سزا دہی کی کوشش میں مصروف تھا۔

وفات:

چھ مہینے کی برائے نام حکومت کے بعد بادشاہ فائز عبیدی نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔ وزیر السلطنت صالح بن زریک نے خدام کو حکم دیا کہ وہ خاندان سلطنت کے لڑکوں کو پیش کریں تا کہ ان میں سے کسی ایک کو تخت سلطنت کے لیے منتخب کیا جائے۔ چنانچہ ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن حافظ عبیدی کو تخت سلطنت پر بٹھا کر اس کا لقب "عاضد لدین اللہ" تجویز کیا۔ عاضد اس وقت سن بلوغ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ عاضد کو تخت سلطنت پر بٹھا کر وزیر السلطنت صالح نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔

عاضد بن یوسف عبیدی:

عاضد چونکہ صالح کے ہاتھ میں تھا۔ عاضد برائے نام بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ حقیقتاً بادشاہی وزیر السلطنت صالح کے ہاتھ میں تھی۔ یہ بات امرائے سلطنت کو گراں گزرتی تھی۔ عاضد کی چھوٹی پھوپھی نے جو اپنی مقتول بہن کا انتقال صالح سے لینا چاہتی تھی، صالح کے قتل کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے امرائے سوڈانیہ کو صالح کے قتل پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ایک سردار نے موقع پا کر صالح پر نیزے کا وار کیا۔ وہ زخمی ہو کر گر پڑا اور اپنے مکان پر آ کر تھوڑی دیر کے بعد مر گیا۔ مرنے سے پہلے عاضد عبیدی کو وصیت کر گیا کہ میرے بیٹے زریک کو وزیر السلطنت بنانا۔ چنانچہ عاضد نے صالح کے بیٹے کو قلم دان وزارت سپرد کر کے "عادل" خطاب دیا۔ عادل نے وزیر ہو کر عاضد کی اجازت سے اپنے باپ کے قصاص میں عاضد کی پھوپھی اور سوڈانی سردار کو قتل کیا۔ اس کے بعد عادل امور سلطنت کی انجام دہی میں مصروف ہوا۔ اس نے صعید کے والی شاور سعدی کو معزول کر کے اس کی جگہ امیر بن رفعہ کو صعید کا والی مقرر کیا۔ شاور یہ سن کر مقابلہ پر مستعد ہو گیا اور فوراً فوجیں لے کر قاہرہ کی طرف چل دیا۔ عادل اس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اور قاہرہ سے نکل بھاگا۔ شاور ۵۵۸ھ میں مظفر و منصور قاہرہ کے اندر داخل ہوا۔ زریک عادل گرفتار ہو کر آیا اور ایک سال وزارت کے بعد مقتول ہوا۔ شاور آتے ہی دار الوزارت پر قابض و متصرف ہوا۔ عاضد نے اس کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ عطا کر دیا۔ نو مہینے کے بعد ضرغام نامی ایک شخص نے جو محل سرائے کا داروغہ تھا، قوت پا کر شاور کو قاہرہ سے نکال دیا اور خود دار الوزارت پر قابض ہو گیا۔ شاور مصر سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہوا۔ ضرغام نے شاور کے بیٹے کو جو قاہرہ میں تھا گرفتار کر کے قتل کر دیا اور بہت سے امیروں کو جن سے اس کو مخالفت کا اندیشہ تھا قتل کیا۔

سلطان نورالدین محمد زنگی کی مصر کی طرف توجہ

شادر نے شام میں پہنچ کر ملک العادل نورالدین محمود زنگی کے دربار میں حاضر ہو کر مصر کے تمام حالات بیان کیے اور امداد کی درخواست کر کے یہ وعدہ کیا کہ اگر مجھ کو مصر کی وزارت پر پھر بحال کر دیا گیا تو میں امرائے لشکر کی امدادی جاگیروں کے علاوہ مصر کے ایک حصے پر دولت نوریہ کا قبضہ کرا دوں گا۔ سلطان نورالدین زنگی نے بہت غور و تامل کے بعد اپنے سپہ سالار اسدالدین شیرکوہ کو ماہ جمادی الاخر ۵۵۹ھ میں شادر کے ساتھ مع ایک فوج کے بھیج دیا۔ اسدالدین کو ہدایت کی گئی کہ معزو پہنچ کر ضرغام کو معمول کر کے شادر کو وزارت کے عہدے پر بحال کر دیا جائے۔ اور جو کوئی اس کام میں مزاحم ہو اس سے جنگ کی جائے شادر و شیرکوہ کو مصر کی جانب روانہ کر کے سلطان نورالدین خود عیسائیوں کی طرف فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ تاکہ عیسائی اپنی سرحد کے قریب شیرکوہ کی فوج پر حملہ آور نہ ہوں۔ شیرکوہ اور شادر بلبیس تک بڑھتے چلے گئے۔ بلبیس کے مقام پر ضرغام کے بھائی ناصرالدین فخرالدین مصری فوج لے کر مقابلہ پر آئے۔ شیرکوہ نے دونوں کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور فاتحانہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ ضرغام وزارت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مگر راستہ میں گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ اسی طرح ناصرالدین وفخرالدین بھی قتل کر دیئے گئے۔ شادر پھر وزیراعظم بن گیا۔ اب وزیراعظم بن جانے کے بعد شادر نے شیرکوہ کے ساتھ بدعہدی کی اور اپنا کوئی وعدہ پورا نہ کیا۔ مجبوراً شیرکوہ مصر سے شام کی طرف واپس ہوا اور شادر کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ شادر نے بجائے اس کے کہ اس احسان کا کوئی معاوضہ ادا کرتا یا کم از کم احسان مندی کا اظہار اخلاقی طور پر کرتا۔ دولت نوریہ کی مخالفت میں عیسائیوں سے ساز باز شروع کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر شیرکوہ نے سلطان نورالدین سے اجازت لے کر ۵۶۲ھ میں مصر پر فوج کشی کی مصر پر فوج کشی کرنا اس لیے دشوار کام تھا کہ راستے میں عیسائی مقبوضات میں ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ مگر شیرکوہ اپنی فوجوں کو صاف نکال کر لے گیا اور مصر کے بعض شہروں پر قبضہ کر لیا۔

مصریوں کی عیسائیوں سے امداد طلبی:

شادر نے فوراً عیسائیوں سے امداد طلب کی۔ عیسائی تو ایسے زریں موقع کے منتظر ہی تھے۔ وہ فوراً شادر کی مدد کے لیے فوجیں لے کر پہنچ گئے۔ شادر اور عیسائیوں کی متفقہ فوج کے مقابلے میں اسد الدین شیرکوہ کی مٹھی بھر فوج جس کی تعداد دو ہزار سے بھی کم تھی۔ کوئی حقیقت ہی نہ رکھتی تھی۔ مگر اس نے خدا پر بھروسہ کر کے مقابلہ کیا اور دونوں فوجوں کو شکست دے بھگا دیا۔ شیرکوہ کی مصر میں پہلے سے دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے مقبوضہ علاقے پر مشتمل بندوبست کرتا ہوا اسکندریہ کی طرف بڑھا۔ اہل شہر نے

فوراً شہر حوالے کر دیا۔ شیر کوہ نے اسکندریہ میں اپنے بھتیجے صلاح الدین ایوبی بن نجم الدین ایوب کو حاکم مقرر کیا اور خود صعید کی طرف بڑھا۔ اور وہ مصری فوجیں جو قاہرہ میں جمع ہو رہی تھیں۔ انہوں نے شیر کوہ کے اسکندریہ سے صعید کی طرف روانہ ہونے کی خبر سنتے ہی اسکندریہ پر حملہ کی تیاری کی اور قاہرہ سے کوچ کیا۔ شیر کوہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مصریوں اور عیسائیوں نے متفقہ طور پر اسکندریہ پر حملہ کیا ہے تو وہ اپنے بھتیجے صلاح الدین کی امداد کے لیے فوراً اسکندریہ کی طرف لوٹا۔ شاور نے اس عرصہ میں ایک خاص سازشی جال پھیلا کر شیر کوہ کی ہمراہی فوج کے بعض سرداروں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا اور وہ سردار لڑائی میں سرد مہری سے کام لینے لگے تھے۔ شیر کوہ اس سازش کا حال معلوم ہو گیا۔ ادھر شاور کی طرف سے شیر کوہ کے پاس پیغام پہنچا کہ تم ہم سے تاوان جنگ وصول کر لو اور اسکندریہ کو چھوڑ کر اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ۔ تمام حالات اور نتائج و عواقب پر غور کرنے کے بعد شیر کوہ نے شاور کی درخواست کو قبول کر لینا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ وہ اسکندریہ چھوڑ کر اور تاوان جنگ لے کر شام کی طرف واپس ہوا۔

ناعاقبت اندیشی کے نتائج:

یہ واقعہ ۵۶۲ھ بماہ ذیقعدہ وقوع پذیر ہوا۔ شاور کی اس ناعاقبت اندیشی کے نتائج بہت برے نکلے جو اس نے عیسائیوں کو مصر میں بلا کر کی۔ شیر کوہ واپس چلے جانے کے بعد عیسائی لشکر نے مصر میں مستقل قیام کرنے اور عیسائیوں نے مصر پر قبضہ کرنے کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ انہوں نے شاور کے سامنے مندرجہ ذیل شرائط پیش کی اور شاور نیز عاضد عبیدی کو وہ شرائط قبول و منظور کرنے پڑے۔

۱) عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی۔ ۲) عیسائیوں کی طرف سے ایک ناظم قاہرہ میں رہا کرے گا۔
۳) شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہے گا۔ ۴) حکومت مصر ایک لاکھ دینار سالانہ بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ کو ادا کیا کرے گی۔

جب اس طرح عیسائیوں نے مصر میں اپنے قدم جما لیے تو انہوں نے سلطنت مصر کے کاموں میں دخل اندازی شروع کی۔ بلبیس کو عیسائی حکومت میں شامل کر لیا۔ پھر دارالسلطنت قاہرہ پر قبضہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور شاور کو اپنا طرفدار بنا کر عیسائی فوجیں بڑی تعداد میں بلوائیں اور بجائے ایک لاکھ دینار کے دو لاکھ دینار اور بمقدار کثیر غلہ کا مطالبہ کیا۔ عاضد عبیدی بادشاہ مصر کو یہ رنگ دیکھ کر بہت فکر ہوئی۔

عاضد کی سلطان نورالدین زنگی سے امداد طلبی:

اس نے ایک قاصد سلطان نورالدین محمود علیہ الرحمہ کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ عیسائیوں کو جو مصر پر مستولی ہو گئے ہیں، خارج کرنے میں مدد کیجئے اور بلا توقف فوجیں بھیجئے۔ شاور کو

جب یہ حال معلوم ہوا کہ عاضد نے سلطان نورالدین سے امداد طلب کی ہے تو اس نے عاضد کو سمجھانے اور اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا کہ ترکوں کے مقابلے میں عیسائیوں کا باج گزار بن جانا اچھا ہے۔ مگر عاضد نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سلطان نورالدین محمودؒ نے اپنے سپہ سالار شیر کوہ کو تیاری کا حکم دیا اور اس کے ساتھ اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی اور دوسرے سرداروں کو بھی روانہ کیا۔ چنانچہ اسدالدین شیر کوہ مع لشکر و سرداران فوج مصر کی جانب روانہ ہوا۔ شیر کوہ نے عیسائی لشکر گاہ کو لوٹا اور بادشاہ عاضد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عاضد نے شیر کوہ کو خلعت عطا کیا اور بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا۔ شیر کوہ اور اس کے لشکر کو مہمان رکھا اور ایک روز موقع پا کر شیر کوہ سے کہا کہ شاور چونکہ عیسائیوں کا خیر خواہ اور ہمارا دشمن ہے اس کو قتل کر دو۔ چنانچہ شیر کوہ نے اپنے سرداروں کو شاور کے قتل کر دینے کا حکم دیا اور شاور کا سر اتار کر عاضد کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ عاضر نے شیر کوہ کو وزارت کا عہدہ دے کر "امیر الجیوش" اور "منصور" کا خطاب دیا۔ شیر کوہ کا تعلق سلطان نورالدین محمود سے بھی بدستور باقی تھا اور وہ سلطان نورالدین محمود کی اجازت ہی سے مصر میں بطور وزیر اعظم کام کرتا تھا۔ چند ہی مہینے کے بعد ۵۶۵ھ میں شیر کوہ کا انتقال ہو گیا۔

صلاح الدین ایوبی بحیثیت وزیر اعظم مصر:

عاضد نے اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو عہدہ وزارت عطا کیا۔ صلاح الدین نے بھی اپنی وفاداری اور تعلقات کو سلطان نورالدین محمود سے برابر قائم رکھا۔ شیر کوہ کی وزارت سے عاضد بہت خوش تھا۔ اور تمام سیاہ و سفید کا اختیار اس کو دے دیا تھا۔ اسی طرح صلاح الدین کو بھی کلی طور پر اختیارات حکمرانی حاصل تھے۔ شیر کوہ اور صلاح الدین دونوں امام شافعیؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے شیعہ قاضیوں کو موقوف کر کے شافعی قضاۃ مامور کیا۔ مدرسہ شافعیہ اور مدرسہ مالکیہ کی بنیاد رکھی۔ ۵۶۵ھ میں جب شیر کوہ نے عیسائی فوجوں کو مصر سے نکال کر خود بطور وزیر اعظم مصر کا انتظام شروع کیا تو عیسائیوں کو وہ خراج ملنا بھی بند ہو گیا جو وہ مصر سے حاصل کرنے لگے تھے۔ نیز عیسائیوں کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ دمشق و قاہرہ کی اسلامی حکومتوں میں جب اتحاد قائم ہو گیا ہے تو اب بیت المقدس پر قبضہ قائم رکھنا دشوار ہے۔ لہٰذا انہوں نے صقلیہ اور اندلس کے پادریوں کو پیغام بھیجا کہ بیت المقدس کے بچانے اور عیسائی حکومت کے یہاں قائم رکھنے کے لیے امداد کی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ ان ملکوں میں پادریوں نے جہاد کے وعظ کہنے شروع کیے۔ اور اندلس وغیرہ سے عیسائی فوجیں روانہ ہو کر ساحل شام پر آ کر اترنا شروع ہوئیں۔ عیسائیوں نے یورپ سے ہر قسم کی امداد پا کر اور خوب طاقتور ہو کر ۵۶۵ھ میں دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ دمیاط کے عامل شمس الخواص منکورنامی نے صلاح الدین ایوبی کو مطلع کیا۔ ادھر مصر میں

شیعہ لوگ وزیر السلطنت صلاح الدین ایوبی سے ناراض تھے۔ صلاح الدین نے ایک افسر بہاء الدین قاقوش کو فوج دے کر دمیاط کی طرف بھیجا اور سلطان نورالدین محمود کو لکھا کہ میں شیعوں اور سوڈانیوں کی وجہ سے مصر کو نہیں چھوڑ سکتا اس لیے خود دمیاط کی طرف نہیں جا سکا۔ آپ بھی دمیاط کی طرف التفات مبذول رکھیں۔ چنانچہ سلطان نورالدین محمود نے فوراً دمیاط کی جانب تھوڑی سی فوج بھیجی اور عیسائیوں کی توجہ اور طاقت کے تقسیم کرنے کے لیے ساحل شام کے عیسائی علاقوں پر حملہ آوری شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی یعنی صلیبی جنگ جو پچاس دن کے محاصرے کے بعد دمیاط کو چھوڑ کر اپنے شہروں کی طرف واپس آئے تو ان کو بھی سلطان نورالدین کے حملوں سے خراب و ویران پایا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے اپنے باپ نجم الدین ایوب کو ملک شام سے مصر میں بلوایا۔ بادشاہ عاضد خود نجم الدین ایوب سے ملنے آیا اور بہت کچھ تواضع و مدارات کی۔ بادشاہ عاضد ہمیشہ سلطان صلاح الدین ایوب کے کاموں کا مداح رہتا تھا اور خود اس نے امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کر لی تھی۔ مصر کے شیعوں کو صلاح الدین کا اقتدار و اعزاز اور اختیار و طاقت بے حد گراں گزرتی تھی۔ صلاح الدین کی وجہ سے مصر میں دم بدم شیعیت کو تنزل اور سنی مذہب کو ترقی تھی۔ آخر عمارہ، یمنی، زبیدی، عویرش، قاضی القضاۃ معزول، عبدالصمد، کاتب، موتمن، الخلافہ، سردار خدام قصر سلطانی وغیرہ نے مل کر ایک سازش کی اور یہ رائے قرار پائی کہ مصر کے ملک کو عیسائیوں کے سپرد کر دیا جائے اور عیسائی سفیر کو بلوا کر بادشاہ عاضد سے اس کی خفیہ ملاقات کرائی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک طرف عاضد کو ہموار کرنے کی کوشش کی، دوسری طرف عیسائیوں سے خط و کتابت کر کے ان کے سفیر کو پوشیدہ طور پر بلوایا۔ اتفاقاً ان لوگوں کا ایک خط جو انہوں نے عیسائی بادشاہ کے پاس روانہ کیا تھا، راستے میں پکڑا گیا اور صلاح الدین کی خدمت میں پیش ہوا۔ صلاح الدین نے مجرموں کا نہایت احتیاط کے ساتھ پتہ لگایا اور سب کو گرفتار کر کے دربار عام میں ان کے اظہار قلم بند کیے۔ جب وہ سب مجرم ثابت ہوئے تو ان کو قتل کیا اور بہاء الدین قراش کو محل سرائے سلطانی کا داروغہ مقرر کیا۔

سلطان العادل یعنی سلطان نورالدین محمود پہلے سے صلاح الدین ایوب کو لکھتے رہتے تھے کہ تم مصر میں خلیفۂ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھواؤ۔ مگر صلاح الدین یہ معذرت کر دیا کرتا تھا کہ اگر عاضد عبیدی کا نام خطبہ سے نکال دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ مصر میں سخت فساد اور فتنہ برپا ہو جائے۔ صلاح الدین ایوبی کا یہ اندیشہ غیر معقول نہ تھا۔ کیونکہ سوڈانیوں کی ایک بڑی تعداد مصر میں موجود تھی۔ جو ترکوں کی مخالفت اور شیعہ سازشی لوگوں کی حمایت پر مستعدی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ مذکورہ سازش کے شرکاء کو جب صلاح الدین نے قتل کیا تو ان سوڈانیوں نے جو پچاس ہزار کی تعداد میں تھے صلاح الدین اور ترکوں کی فوج کے خلاف ہتھیار سنبھال لیے۔ قصرِ سلطنت اور قصر وزارت کے درمیان ترکوں اور

سوڈانیوں میں جنگ عظیم برپا ہوئی۔ ترک غالب ہوئے۔ سوڈانی بہت سے مقتول اور باقی مفرور ہوئے۔ ان کے گھروں کو ترکوں نے لوٹ لیا۔ صلاح الدین نے سوڈانیوں کو امن عطا کر کے ان کے گھروں میں آباد کرا دیا۔ اس طرح سوڈانیوں کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ اب سلطان العادل نے پھر صلاح الدین کو لکھا کہ عاضد کے نام خطبہ موقوف کر کے خلیفہ مستضی عباسی کے نام کا خطبہ پڑھواؤ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہ عاضد بیمار اور مرض الموت میں گرفتار تھا۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ کو جامع مسجد قاہرہ کے منبر پر بغداد کے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا اور کسی شخص نے اس کو ناپسند نہ کیا۔ اگلے جمعہ کو صلاح الدین کے حکمی فرمان کے موافق تمام ملک مصر کی مسجدوں میں خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھا گیا۔

وفات:

اسی عرصہ میں ۱۰ محرم ۵۶۷ھ کو بادشاہ عاضد عبیدی نے وفات پائی۔ صلاح الدین نے دربار عزاداری منعقد کیا اور قصرِ سلطانی کے تمام مال و اسباب ملک مصر پھر خلافت عباسیہ بغداد کی حدود میں داخل ہوا۔ صلاح الدین ایوب کے نام خلیفہ بغداد کی طرف سے حکومت مصر کی سند خطاب سلطانی اور خلعت و علم آ گیا۔ اور دولت عبیدیین کے بعد مصر میں دولت ایوبیہ کی ابتدا ہوئی۔

دولت عبیدیہ پر تبصرہ :

دولت عبیدیین میں دو سو ستر سال تک قائم رہی۔ ابتدا عبیدیوں کی حکومت افریقیہ یعنی ملک مغرب میں قائم ہوئی پھر مصر پر قابض ہو کر انہوں نے قاہرہ کو دارالسلطنت بنایا۔ مراقش کی سلطنت ادریسیہ کو بھی لوگ عام طور پر علویوں اور شیعوں کی سلطنت سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ادریسیہ نسبتاً بربری اور اس لیے نیم شیعہ یا برائے نام شیعہ سلطنت تھی۔ ادریسیوں کے اعمال و عبادات و عقائد میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کو سنیوں کے مقابلے میں مابہ الامتیاز قرار دیا جا سکے۔ نہ ادریسیوں کو سنیوں سے کوئی عداوت و نفرت تھی نہ ان کے عقائد و عبادات میں کوئی فرق تھا۔ بجز اس کے کہ اس سلطنت کی ابتدا ادریس اول سے ہوئی تھی۔ جس نے محبت اہل بیت کے مشہور ہتھیار سے کام لے کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس کے بعد ادریسیوں میں کوئی شیعی خصوصیت نہیں دیکھی گئی۔ ہاں عبیدیین کی حکومت ضرور شیعی حکومت تھی۔ لیکن نسباً وہ علوی حکومت ہرگز نہ تھی۔ عبیداللہ کا دادا تاریخ الخلفا سیوطی کی روایت کے موافق مجوسی اور ذات کا لوہار و تیر گر تھا۔ عبیداللہ مہدی نے ملک مغرب میں جا کر فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر علماء نسب نے اس کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا۔ ایک مرتبہ عزیز عبیدی نے اندلس کے اموی خلیفہ کے نام ایک خط بھیجا جس میں ہجو و دشنام درج تھیں۔ خلیفہ اموی نے اس کے جواب میں عزیز عبیدی کو

لکھا کہ تجھ کو چونکہ ہمارا نسب معلوم تھا اس لیے تو نے ہجو کی۔ اگر ہم کو تیرا نسب معلوم ہوتا تو ہم بھی تیری طرح تیرے بزرگوں کی نسبت ہجو کرتے۔ عزیز کو یہ جواب بہت ہی گراں گزرا۔ مگر کوئی جواب نہ دے سکا۔ عبیدیین کا عام طور پر لوگ فاطمیین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑی جہالت اور غلطی ہے عبیدیین عام طور پر شیعہ تھے۔ انہیں کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ انہیں کی ایک شاخ فارس کی وہ سلطنت تھی جو حسن بن صباح نے قائم کی تھی جس کا دارالحکومت قلعہ الموت تھا۔ اسی کو فدائیوں کی حکومت بھی کہتے ہیں وہ بھی علوی نہ تھے۔

عبیدیین کی حکومت میں ہزار ہا صلحا محض اس لیے مقتول ہوئے کہ وہ صحابہ کرامؓ کو برا نہ کہتے تھے۔ عبیدیین سے اسلام کو کوئی نفع نہ پہنچا۔ اور ان کا کوئی جنگی، علمی، اخلاقی کارنامہ ایسا نہیں جس پر فخر کیا جا سکے۔ بعض علماء نے عبیدیین کو خارج از اسلام اور مرتد بھی قرار دیا ہے ان میں سے بعض مثلاً عزیز عبیدی نے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شراب خوری کو یہ لوگ جائز سمجھتے تھے۔ اسی قسم کی بہت سی باتیں ان کے عہد میں پائی جاتی تھیں جن کے سبب ان علماء اسلام نے ان کو ننگ اسلام سمجھا ہے بہر حال عبیدیین کی سلطنت کے تاریخی حالات جو کچھ تھے وہ بیان ہو چکے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرامطۂ بحرین اور ان کی دولت و حکومت کے حالات بھی عبیدیین کے بعد درج کر دیئے جائیں۔

(چودہواں باب)

قرامطہ بحرین

یحییٰ بن فرج قرمط

بحرین ایک ملک کا نام ہے جس کے مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں عمان، مغرب میں ملک یمامہ اور شمال میں صوبۂ بصرہ ہے۔ اس ملک میں بحرین نام کا ایک شہر ہے۔ اسی شہر کے نام سے اس ملک کا نام بحرین مشہور ہوا ہے۔ اس ملک میں ایک دوسرا شہر ہجر ہے۔ لہٰذا کبھی ملک بحرین کو ملک ہجر کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ایک تیسرا مشہور شہر اس ملک میں حفیر یہ تھا، جس کو قرامطہ نے ویران کر کے اس کی جگہ احسا آباد کیا۔ چنانچہ اس ملک کا نام احساء بھی لیا جاتا ہے۔ شہر احسا ہی قرامطہ کا مرکز و منبع تھا۔ جیسا کہ آگے بیان ہوتا ہے قرامطہ کا تذکرہ دوسری جلد میں مجمل طور پر بیان ہو چکا ہے۔ عبیدیین اور قرامطہ کا ظہور ایک ہی زمانے میں ہوا۔ دونوں شیعہ اسمٰعیلیہ اور بظاہر ایک ہی سے عقائد و اعمال کے وارث تھے۔ ۲۷۵ھ میں ایک شخص یحییٰ بن فرج مضافات کوفہ میں ظاہر ہوا۔ وہ اپنے آپ کو قرمط کے نام سے موسوم کرتا اور کہتا تھا کہ میں مہدیٔ موعود کا ایلچی ہوں۔ اپنے اوقات زیادہ تر زہد و عبادت میں بسر کرتا اور لذات دنیوی سے دور و مہجور رہتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ وہ ہر ایک معتقد و مرید سے ایک دینار امام مہدی موعود کے لیے وصول کیا کرتا تھا۔ جب اس کے مریدین کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے ان میں سے بعض کو اپنا نقیب مقرر کر کے ملک میں ادھر ادھر روانہ کیا کہ لوگوں کو اس کی طرف مائل و متوجہ کریں۔ گورنر کوفہ نے ان حالات سے مطلع ہو کر قرمط کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ چند روز کے بعد محافظین کو غافل پا کر قرمط جیل خانے سے بھاگ گیا اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔ اس طرح غائب ہو جانے سے اس کے مریدین و معتقدین اور بھی زیادہ اس کے قائل ہو گئے۔ اور ان کو یقین کامل ہو گیا کہ وہ ضرور امام مہدی موعود کا ایلچی تھا۔

قرمط نے اپنے معتقدین کو جن عقائد و اعمال کی تعلیم دی تھی وہ بہت ہی عجیب و غریب تھے۔ نماز بھی اور ہی قسم کی تھی۔ روزے بھی رمضان کے نہیں بلکہ سال کے خاص خاص مہینوں کے خاص خاص ایام میں رکھے جاتے تھے۔ شراب کو اس نے حلال بتا کر نبیذ کو حرام ٹھیرایا تھا۔ غسل جنابت کے لیے صرف وضو کافی تھا۔ دم دار اور پانچ انگلیوں والے جانور حرام تھے چند روز کے بعد یحییٰ بن فرج یعنی قرمط پھر نمودار ہوا اور اپنے آپ کو "قائم بالحق" کے لقب سے ملقب کر کے لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے لگا۔ احمد بن محمد طائی والی کوفہ نے فوج لے کر اس پر حملہ کیا اور اس کی جمعیت کو منتشر و پریشان کر دیا۔ اس کے

بعد بعض قبائل عرب اس کے معتقد ہو گئے اور ۲۹۰ھ میں اس جماعت نے دمشق پر حملہ کیا۔ دمشق کے حاکم بلخ نے متعدد لڑائیوں کے بعد یحییٰ کو قتل اور اس کی جماعت کو منتشر کر دیا۔

حسین مہدی:

یحییٰ کے بعد اس کے بھائی حسین نے اپنے آپ کو "مہدی امیر المومنین" کے لقب سے ملقب کر کے لوگوں کو فراہم کیا اور بادیہ نشین عربوں کی ایک جمعیت لے کر دمشق و شام کے مضافات میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ سرداران خلافت عباسیہ ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے۔ اس کا ایک بیٹا ابوالقاسم بھاگ گیا اور خود "مہدی امیر المومنین" گرفتار ہو کر مقتول ہوا یہ واقعہ ۲۹۱ھ کا ہے۔ حسین کا بھائی علی بھی فرار ہو کر بچ گیا تھا۔ اس نے اپنے گرد ایک جماعت بادیہ نشینوں کی جمع کر کے طبریہ کو لوٹ لیا۔ جب اس کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی گئی تو وہ یمن کی طرف بھاگ گیا اور وہاں اس نے یمن کے ایک علاقے پر قبضہ کر لیا اور شہر صنعا کو لوٹا۔ اسی گروہ قرامطہ کے ایک شخص موسوم بہ ابو غانم نے طبریہ کے نواح میں لوٹ مار شروع کی۔ آخر ۲۹۳ھ میں ابو غانم بھی مارا گیا۔ ادھر قرامطہ نے یمن و حجاز و شام میں بدامنی پھیلا رکھی تھی۔

یحییٰ ثانی:

ادھر قرمط یحییٰ بن فرج کے جیل خانے سے غائب ہونے کے بعد ایک اور شخص نے جس کا نام بھی یحییٰ تھا۔ شہر بحرین کے متصل موضع قطیف میں ظاہر ہو کر ۲۸۱ھ میں یہ دعویٰ کیا کہ میں امام مہدی موعود کا ایلچی ہوں اور بہت جلد امام مہدی ظاہر ہونے والے ہیں۔ ساتھ ہی اس نے کہا کہ میں امام مہدی کا ایک خط لایا ہوں یہ سن کر علی بن معلّٰی بن حمدان نے جو غالی شیعہ تھا قطیف کے تمام شیعوں کو جمع کیا اور امام مہدی کے اس خط کو سنایا جو یحییٰ نے پیش کیا تھا۔ اس خط کو سن کر شیعہ لوگ بہت ہی خوش ہوئے۔ مضافات بحرین میں یہ خبر عام طور پر پھیل گئی۔ اور لوگ امام مہدی کے ساتھ خروج کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ انہیں لوگوں میں ابوسعید حسین بن بہرام جنابی بھی تھا جو ایک معزز اور سربرآوردہ شخص تھا۔ چند روز کے بعد یحییٰ غائب ہو گیا۔ اور ایک دوسرا خط امام مہدی کا لیے ہوئے آیا جس میں امام مہدی نے یہ حکم لکھا تھا کہ ہر شخص چھتیس چھتیس دینار یحییٰ کو ادا کرے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل سب نے بخوشی کی، یہ روپیہ وصول کر کے یحییٰ پھر غائب ہو گیا، اور چند روز کے بعد ایک تیسرا خط امام مہدی کا لے کر آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہر شخص امام زمان کے لیے اپنے مال کا پانچواں حصہ یحییٰ کے سپرد کرے۔ اس حکم کی بھی ان لوگوں نے بخوشی تعمیل کی۔

ابوسعید جنابی:

ابوسعید جنابی چونکہ ایک سربرآوردہ شخص تھا اس نے شہر بحرین میں بھی جا کر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اور لوگوں کو اپنا ہم خیال یعنی امام زمان کا منتظر بنایا۔ رفتہ رفتہ بادیہ نشین عربوں کا ایک گروہ کثیر ابوسعید کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور وہ قرامطہ بھی جو یحییٰ قرمط کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے آ آ کر یحییٰ کے گرد جمع ہونے لگے۔ ابوسعید نے اپنی جماعت کو ایک باقاعدہ فوج کی شکل میں ترتیب دیا۔ اور اس فوج کو ہمراہ لے کر قطیف سے بصرہ کی جانب روانہ ہوا۔ بصرہ کے عامل احمد بن محمد یحییٰ کو جب ابوسعید کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے آپ کو کمزور پا کر دربار خلافت کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ دربار خلافت سے عباس بن عمر غنوی والیٔ فارس کے نام حکم پہنچا کہ بصرہ کو بچاؤ۔ چنانچہ عباس بن غنوی دو ہزار سوار لے کر روانہ ہوا۔ جب عباس اور ابوسعید کا مقابلہ ہوا تو ابوسعید نے عباس کو گرفتار کر کے اس کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا، چند روز کے بعد عباس کو تو رہا کر دیا، مگر اسکے ہمراہیوں کو جو گرفتار ہوئے تھے قتل کر دیا، اس کامیابی سے ابوسعید کا دل بڑھ گیا، اور اس نے ہجر پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی۔ ابوسعید اور اس کی جماعت کے اعمال و عقائد بھی بہت کچھ وہی تھے جو اوپر قرمط یحییٰ کے بیان ہوئے، اس لیے یہ بھی قرمط ہی کے نام سے موسوم ہوئے۔ ابوسعید نے اپنی حکومت کی بنیاد قائم کر کے اپنے بیٹے سعید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ یہ بات ابوسعید کے چھوٹے چھوٹے ابو طاہر سلیمان کو ناگوار گزری۔ اس نے ابوسعید کو قتل کر دیا، اور خود اس گروہ قرامطہ کا حکمراں بن گیا۔

ابوطاہر:

ابوطاہر نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ۲۸۷ھ میں بصرہ پر حملہ کیا اور بصرہ کو اچھی طرح لوٹ مار سے پامال کر کے بحرین کی طرف واپس ہوا، اس خبر سن کر دارالخلافۃ بغداد میں بڑی تشویش پیدا ہوئی، اور خلیفہ مقتدر نے بصرہ کی شہر پناہ کے درست کرنے کا حکم دیا۔ ابوطاہر کامیابی کے ساتھ علاقہ بحرین میں حکومت کرتا رہا۔ اسی دوران میں اس نے عبیداللہ مہدی سے بھی خط و کتابت کی اور عبیداللہ مہدی نے اس کی حکومت و سلطنت کو بہ نظر اطمینان دیکھا۔ ۳۱۱ھ میں ابو طاہر نے بصرہ پر دوبارہ حملہ کر کے اس کو ویران کر دیا۔ جامع مسجد بالکل منہدم کر دی گئی جو عرصہ تک مسمار پڑی رہی۔ بازاروں کو لوٹ کر خاک سیاہ کر دیا۔

ابوطاہر کی غارت گری:

۳۱۲ھ میں ابوطاہر حاجیوں کے قافلے لوٹنے کے لیے نکلا۔ شاہی سپہ سالار ابوالہیجا بن حمدون

کو جو قافلہ کے ہمراہ تھا گرفتار کر لیا اور حاجیوں کو خوب لوٹا اور ہجر کی جانب واپس گیا۔ ۳۱۴ھ میں ابو طاہر نے عراق کی طرف فوج کشی کی اور نواح کی جانب واپس گیا۔ ۳۱۴ھ میں ابو طاہر نے عراق کی طرف فوج کشی کی اور نواح کوفہ کو بصرہ کی مانند قتل و غارت سے تباہ و برباد کر دیا۔ یہاں سے بحرین کی طرف واپس جا کر شہر احسا کی آبادی و تعمیر کا کام شروع کیا۔ اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے لیے محلات و قصور تعمیر کرائے اور اس کو اپنا مستقل دار السلطنت بنایا۔ ۳۱۵ھ میں ابو طاہر نے عمان پر حملہ کیا۔ حاکم عمان بھاگ کر براہ دریا فارس چلا گیا اور ابو طاہر نے عمان کے صوبے کو اپنی مملکت میں شامل کیا۔ ۳۱۶ھ میں اس نے شمال کی جانب حملہ آوری شروع کی۔ خلیفہ مقتدر عباسی نے آذربائیجان سے یوسف بن ابی الساج کو طلب فرما کر واسط کی سند حکومت عطا کی اور ابو طاہر سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ کوفہ کے باہر یوسف اور ابو طاہر کا سخت مقابلہ ہوا۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد یوسف کی فوج کو شکست ہوئی اور یوسف کو ابو طاہر نے گرفتار کر لیا۔ بغداد میں اس خبر سے سخت پریشانی پیدا ہوئی۔ ابو طاہر کوفہ سے انبار کی جانب روانہ ہوا۔ دربار خلافت سے اس کی روک تھام کے لیے مونس خادم، مظفر، اور ہارون وغیرہ سردار مامور ہوئے۔ مگر ابو طاہر کے مقابلے میں سب شکست کھا کر واپس بغداد آئے اور ابو طاہر رحبہ کی جانب بڑھا رحبہ کو بھی خوب پامال و ویران کیا۔ اس کے بعد صوبہ جزیرہ کو متواتر اپنے حملوں سے پامال کرتا پھرا اور کوئی اس کو نہ روک سکا۔ اس کے بعد وہ جزیرہ کے اکثر قبائل پر خراج سالانہ مقرر کر کے احساء چلا گیا اور بہت سے لوگ قرمطی مذہب میں داخل ہو گئے۔

مکہ معظمہ پر چڑھائی:

۳۱۷ھ میں ابو طاہر نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی۔ بہت سے حاجیوں کو قتل کیا، اور مکہ کو خوب لوٹا میزاب اور خانہ کعبہ کے دروازے کو اکھیڑ ڈالا۔ غلاف کعبہ اتار کر اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا، اور حجر اسود کو نکال کر اپنے ساتھ ہجر کی طرف لے گیا۔ اور چلتے وقت اعلان کر گیا کہ آئندہ حج ہمارے یہاں ہوا کریگا۔ حجر اسود کے واپس کرنے کے لیے لوگوں نے ابو طاہر سے بہت خط و کتابت کی اور بعض سرداروں نے پچاس ہزار دینار اس کے معاوضے میں دینے چاہے۔ مگر ابو طاہر نے اس کو واپس نہ کیا۔ ابو طاہر نے اس کے بعد مسلسل اپنی حملہ آوریوں کے سلسلے کو جاری رکھا، اور عراق و شام کو اپنی تاخت و تاراج سے برباد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اہل دمشق پر بھی اس نے سالانہ ٹیکس مقرر کیا۔

ابو المنصور:

اس کے بعد اس کا بڑا بھائی احمد قرامطہ کی سرداری و حکومت پر کامیاب ہوا۔ اس کو ابو المنصور کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرامطہ کے ایک گروہ نے ابو المنصور کی حکومت سے انکار کیا اور ابو طاہر کے

بڑے بیٹے سابور کو مستحق حکومت قرار دیا۔ اس نزاع کے طے کرنے کے لیے قرامطہ نے ابوالقاسم عبیدی کے فیصلے کو قابل تسلیم سمجھ کر افریقیہ کو ایلچی روانہ کیے۔ ابوالقاسم عبیدی نے اپنا فیصلہ لکھ کر بھیجا کہ ابو منصور احمد کو بادشاہ تسلیم کیا جائے اور ابو منصور احمد کے بعد سابور بن ابو طاہر تخت نشین ہوگا۔ قرامطہ چونکہ اپنے آپ کو مہدی کا ایلچی اور طرفدار کہتے، اور عبیداللہ مہدی کو اس کے دعوے کے موافق امام اسمٰعیل بن جعفر صادق کی اولاد میں سمجھ کر اس کی تکریم کرتے تھے۔ اس لیے عبیدیین قرامطہ کو اپنا دوست سمجھتے اور قرامطہ عبیدیین کی خلافت کو مانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ابوالقاسم کے فیصلے کو بخوشی تسلیم کرلیا اور احمد منصور قرامطہ کا بادشاہ بن گیا اس کے بعد جب ۳۳۴ھ میں ابوالقاسم عبیدی فوت ہوا اور اس کی جگہ اسمٰعیل عبیدی افریقہ میں تخت نشین ہوا تو ابو منصور احمد قرمطی نے مبارکباد اور اظہار عقیدت کے لیے ایلچی روانہ کیے۔ ۳۳۹ھ میں اسمٰعیل عبیدی نے قیروان سے بار بار ابو منصور لکھا کہ حجر اسود خانہ کعبہ میں واپس بھیج دو تو ابو منصور احمد قرمطی نے حجر اسود کو خانہ کعبہ میں واپس بھیج دیا۔ ابو منصور کی حکومت میں بیرونی ملکوں پر قرامطہ کے حملہ کم ہوئے اور اندرونی انتظامات میں وہ زیادہ مصروف رہا۔

سابور کا قتل:

۳۵۸ھ سابور بن ابو طاہر نے اپنے بھائیوں اور ہوا خواہوں کی مدد سے ابو منصور کو گرفتار کر کے اپنے چچا ابو منصور کو جیل خانے سے نکال کر پھر تخت پر بٹھا دیا۔ ابو منصور نے دوبارہ تخت نشین ہو کر سابور کو قتل کیا اور اس کے ہوا خواہوں کو جزیرہ اوال کی طرف جلاوطن کر دیا۔ ۳۵۹ھ میں ابو منصور نے وفات پائی۔ ابو منصور کے بعد اس کا بیٹا ابو علی حسن بن احمد ملقب بہ "اعظم" تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہو کر ابو طاہر کے تمام لڑکوں کو جزیرہ اوال میں جلاوطن کر دیا۔

حسن اعظم قرمطی:

حسن اعظم قرمطی اپنے خیالات وعقائد میں بہت معتدل تھا۔ اس کو عبیدیین سے کوئی عقیدت نہ تھی اور خلافت عباسیہ سے کوئی نفرت یا عداوت نہ رکھتا تھا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابو طاہر نے دمشق پر خراج سالانہ مقرر کر دیا تھا اور جو شخص دمشق کا والی ہوتا تھا وہ خراج کی مقررہ رقم قرامطہ کے بادشاہ کی خدمت میں بھجواتا رہتا تھا تاکہ قرامطہ کی حملہ آوری اور قتل وغارت سے محفوظ رہے۔ اعظم کی تخت نشینی کے وقت دمشق کو جعفر بن فلاح کتامی نے طغج سے فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اعظم نے حسب معمول والیٔ دمشق سے خراج سالانہ طلب کیا۔ چونکہ اب تک قرامطہ اور عبیدیہ حکومتوں میں محبت واتحاد قائم تھا۔ لہٰذا توقع یہ ہو سکتی تھی کہ دمشق جب کہ دولت عبیدیہ میں شامل ہو گیا تو بادشاہ قرامطہ دولت عبیدیہ کے سردار جعفر بن فلاح سے دمشق کا خراج طلب نہ کرے گا مگر اعظم نے سختی سے خراج کا مطالبہ کیا

اور جعفر بن فلاح نے خراج کے دینے سے قطعی انکار کیا۔ چنانچہ اعظم نے دمشق کی جانب فوج بھیجی۔ ادھر معز عبیدی کو جو قیروان سے قاہرہ کی جانب آ رہا تھا، یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ارا کین دولتِ قرامطہ کو خط لکھا کہ تم اعظم کو سمجھاؤ کہ وہ دمشق سے معترض نہ ہو ورنہ پھر ہم ابو طاہر کی اولاد کو سلطنت کا وارث قرار دے کر اعظم کی معزولی کا اعلان کر دیں گے۔ اعظم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے بلا تامل عبیدیین کی خلافت سے انکار کر کے علم مخالفت بلند کیا، اور اپنے ممالک مقبوضہ میں خلافت عباسیہ کا خطبہ پڑھوایا۔ پہلی فوج جو اعظم نے دمشق کی جانب روانہ کی تھی اس کو جعفر کتامی نے ۳۶۰ھ میں شکست دی۔ اس کے بعد ۳۶۱ھ میں اعظم خود فوج لے کر دمشق کی جانب متوجہ ہوا۔ اور میدان جنگ میں جعفر کتامی کو قتل کر کے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ اہل دمشق کو امان دے کر ہر قسم کا انتظام کیا اور فوج لے کر حدود مصر کی طرف بڑھا۔ آئندہ جو واقعات حدود مصر میں پیش آئے، اور اعظم کی معز عبیدی سے جو خط و کتابت ہوئی اس کا حال اوپر معز عبیدی کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ جس زمانے میں اعظم قرمطی شام و مصر کی طرف مصروف تھا، اس زمانے میں معز عبیدی نے خطوط بھیج کر ابو طاہر کے بیٹوں کو جو جزیرہ اوال میں نظر بند تھے ترغیب دی کہ تم اس وقت بحرین میں آ کر احساء پر قبضہ کر لو اور خود بادشاہ بن جاؤ اور ایک اعلان اپنی طرف سے ملک بحرین میں شائع کرا دیا کہ ہم نے اعظم کو معزول کر کے ابو طاہر کے بیٹوں کو بحرین کی حکومت عطا کر دی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو طاہر کے بیٹوں نے آ کر احساء کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ یہ حال دیکھ کر بغداد کے خلیفہ طائع عباسی نے ابو طاہر کے بیٹوں کو خط لکھا کہ تم آپس میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو اور ہمارے احکام کی تعمیل کرو، اور اس بغاوت سے باز رہو مگر اس کا کوئی اثر ان پر نہ ہوا آخر اعظم نے احساء کی طرف واپس آ کر سب کو درست کیا اور خلیفہ طائع عباسی کے فرستادوں نے آ کر ان میں مصالحت کرا دی۔ ۳۶۳ھ میں معز عبیدی کی فوجوں نے تمام ملک شام پر قبضہ کر لیا۔ اعظم قرمطی فوجیں مرتب کر کے ملک شام کی طرف آیا۔ تمام ملک شام سے عبیدی فوجوں کو شکست دے دے کر بھگا دیا۔ اور مصر پر حملہ آور ہو کر مقام بلبیس تک پہنچ گیا۔ معز عبیدی نے اعظم قرمطی کی فوج کے ایک بڑے حصے اور بعض عرب سرداروں کو لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیا۔ اس لیے حسن اعظم کو شکست ہوئی اور وہ احساء کی طرف واپس چلا آیا، اور شام پر عرب سرداروں کا قبضہ ہو گیا۔ دمشق پر بعض ترک سردار قبضہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ معز عبیدی ۳۶۵ھ میں خود دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاقاً راستے ہی میں فوت ہو گیا۔ اعظم قرمطی نے ۳۶۶ھ میں حملہ کر کے ملک شام کو پھر فتح کر لیا۔ اس حملہ میں افتکین نامی ترکی سردار اس کے ساتھ تھا۔ آخر عزیز عبیدی سے حدود مصر میں معرکہ آرائی کی نوبت آئی جیسا کہ اوپر عزیز عبیدی کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ افتکین تو گرفتار ہو گیا اور اعظم اپنے دارالسلطنت احساء کی جانب چلا۔ چونکہ اعظم نے خلافت عباسیہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور اس کو عبیدیین سے سخت

نفرت تھی۔ اس لیے قرامطہ اس سے کبیدہ خاطر اور افسردہ دل رہتے تھے۔ ادھر عبیدیوں کی طرف سے قرامطہ کے عام لوگوں میں غیر محسوس طور پر اعظم کے خلاف تبلیغی سلسلہ جاری تھا۔ لہٰذا قرامطہ نے اعظم کے خلاف ایک بغاوت برپا کر دی۔ یہ بغاوت اس لیے زیادہ کامیاب ہو سکی کہ اعظم اپنے دارالسلطنت سے دور ملک شام میں زیادہ مصروف رہا۔ اگر وہ دارالسلطنت کو نہ چھوڑتا تو کوئی بغاوت اس کے خلاف کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب اعظم شام کی طرف سے واپس احیاء میں آیا تو تمام اہل شہر کو اپنا مخالف و سرکش پایا۔ اس کی رکابی فوج بھی باغیوں میں شامل ہوگئی۔ انہوں نے اعظم کو گرفتار کر کے ابو سعید جنابی کے تمام خاندان کو حکومت و سلطنت سے محروم کر کے اپنے گروہ میں سے جعفر و اسحاق دو شخصوں کو مشترکہ طور پر تخت حکومت پر بٹھادیا اور اعظم اور اس کی اولاد اور رشتہ داروں کو جزیرہ اوال میں جلاوطن کر دیا۔ اس جزیرہ میں ابو طاہر کی اولاد پہلے سے بحالت جلاوطنی موجود تھی۔ اور ان کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے ان نئے جلاوطنوں کو جزیرہ میں قدم رکھتے ہی حملہ کر کے قتل کر ڈالا۔

جعفر و اسحاق:

جعفر و اسحاق مل کر قرامطہ پر حکومت کرنے لگے۔ اور انہوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی خلافت عباسیہ کی حکومت سے منحرف ہو کر عبیدیین کی خلافت کو تسلیم کیا اور عبیدی بادشاہ کا خطبہ اپنے مقبوضہ ممالک میں جاری کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کوفہ پر حملہ کیا اور قابض ہو گئے۔ صمصام الدولہ بن بویہ نے ایک فوج قرامطہ کی سرکوبی کے لیے کوفہ کی جانب روانہ کی۔ قرامطہ نے اس فوج کو شکست دے کر بھگا دیا اور قادسیہ تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کے بعد جعفر اور اسحاق کے درمیان نا اتفاقی پیدا ہوئی اور ہر ایک اس کوشش میں مصروف ہوا کہ اپنے حریف کو مٹا کر تنہا بادشاہت کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرامطہ کے گروہ میں اضمحلال و کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آخر دوسرے قرامطہ سردار بھی اپنی بادشاہت قائم کرنے کی فکر میں مصروف ہو گئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اصغر ابوالحسن تغلبی بحرین پر اور بنی مکرم عمان پر قابض ہو گئے۔ انہوں نے خلافت عباسیہ کی اطاعت قبول کر لی اور تغلبی خاندان نے ۳۷۵ھ تک بحرین سے قرامطہ کا نام و نشان مٹا دیا۔

(پندرھواں باب)

دولت قرامطہ باطنیہ فارس

قرامطہ بحرین کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ ان کی سلطنت کے برباد ہونے کے بعد قرامطہ کے عقائد و اعمال میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوئی۔ اگرچہ قرامطہ بحرین کے بادشاہ اعظم کے اعمال و عقائد دوسرے قرامطہ سے جدا تھے اور اس کو مصر کے عبیدی بادشاہ سے سخت نفرت تھی لیکن قرامطہ کی عام جماعت مصر کے عبیدی فرماں روا کو محبت و عقیدت کی نظر سے دیکھتی اور اس کو اپنا خلیفہ مانتی تھی۔ اب جبکہ بحرین کی حکومت ان کے قبضے سے نکل گئی اور عراق و شام میں ان کے لیے جائے پناہ نہ رہی تو انہوں نے خفیہ طور پر اپنی انجمنیں قائم کیں اور بظاہر مسلمانوں میں ملے جلے رہے۔ ان خفیہ جماعتوں کے ذریعہ انہوں نے اپنی تبلیغ اور اپنی جماعت کے ترقی دینے کا سلسلہ جاری کیا۔ عبیدیوں کی طرح انہوں نے جابجا اپنے داعی مقرر کر دیئے۔ ان داعیوں کی جماعت اپنے رازوں کو بہت محفوظ رکھتی تھی۔ زاہدوں اور پیروں کے لباس میں یہ لوگ نظر آتے اور لوگوں کو اپنا مرید بناتے پھرتے تھے۔ ان مریدوں میں جس شخص کو وہ اپنے ڈھب کا پاتے' اس کو رفیق کا خطاب دیتے اور اپنے مخصوص عقائد تعلیم کرتے رہتے تھے۔ اس طرح ان میں دو طبقے تھے۔ ایک داعیوں کا اور دوسرا رفیقوں کا۔ شام' عراق' فارس اور خراسان میں ہر جگہ داعی پھیل گئے۔ مصر کے عبیدی بادشاہ نے ان کی سرپرستی اور ہر قسم کی امداد کی۔ چنانچہ مصر سے ان داعیوں کے پاس خفیہ طور پر ہر قسم کی امداد پہنچتی رہتی تھی اور سلطنت اسلامیہ کی بربادی کے لیے عبیدیوں نے اسلامی ممالک میں قرامطہ کے داعیوں کا ایک جال غیر محسوس طریقہ پر پھیلا دیا تھا۔ ادھر سلجوقی خاندان ممالک اسلامیہ پر قابض و متسلط ہو رہا تھا اور اس پوشیدہ دشمن سے قطعاً بے خبر تھا۔ قرامطہ بحرین کی حکومت کے مٹنے کے بعد قرامطہ کی تمام تعلیم یافتہ ہوشیار جماعت داعیوں کے لباس میں تبدیل ہو گئی تھی اور اسی لیے عبیدی سلطنت کو مصر سے عراق (خراسان) کی طرف آدمیوں کے بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ چونکہ یہ لوگ ایک مٹی ہوئی سلطنت کے سوگوار تھے۔ اس لیے موقعہ پا کر ڈاکہ ڈالنے اور لوگوں کو قتل کرنے میں انہیں کوئی باک نہ تھا۔ چنانچہ یہی داعی یا پیر اپنے رفیقوں یعنی خاص مریدوں کی مدد سے رہزنوں اور ڈاکوؤں کے لباس میں بھی تبدیل ہو جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو تعلیم دی تھی کہ ہر ایک اس شخص کو جو ہمارا ہم عقیدہ نہیں ہے قتل کرنا کوئی جرم کا کام نہیں۔ اسی لیے ان کے وجود سے مسلمانوں کو سخت مصائب و شدائد میں مبتلا ہونا پڑا۔ چونکہ ان کی کماحقہ سرکوبی ابتداء میں نہ ہو سکی' اس لیے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ مسلمان

سرداروں کو چھپ چھپ کر قتل کرنا انہوں نے اپنا خاص شیوہ بنالیا تھا۔ جس جگہ کوئی حاکم نہایت چست اور چوکس ہوتا' وہاں یہ بالکل اور روپوش رہتے لیکن جس جگہ انتظام سلطنت کو کسی قدر کمزور پاتے وہاں قتل وغارت کے ہنگاموں سے قیامت برپا کردیتے۔ چونکہ قرامطہ نے منافقت اور تقیہ کا لباس پہن لیا تھا اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا وہ کار خیر سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کو یہ بھی موقع مل جاتا تھا کہ وہ سلطنت و حکومت کی اہل کاریوں اور سرداریوں پر بھی فائز ہو جاتے تھے۔ چنانچہ نواح ہمدان میں ان کا ایک شخص کسی قلعہ کا قلعہ دار مقرر کردیا گیا۔ انہوں نے اس قلعہ کو اپنا مامن بنا کر اس کے نواح میں خوب زور شور سے ڈاکہ زنی اور لوٹ مار شروع کردی۔ چونکہ ان کی جماعت خفیہ طور پر اپنا کام کرتی تھی' اس لیے ان کو باطنیہ گروہ کہنے لگئے۔ ان باطنیوں نے رفتہ رفتہ ترقی کر کے اصفہان کے قلعہ شاہ ور پر قبضہ کرلیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ باطنیہ کے داعیوں میں ایک مشہور اور ہوشیار شخص عطاش نامی تھا' جو اپنے ہم چشموں میں علم وفضل کے اعتبار سے ممتاز تھا۔ اسی نے حسن بن صباح کو اپنے عقائد کی تعلیم دی اور اپنا شاگرد خاص بنایا تھا۔

احمد بن عطاش: عطاش کا ایک بیٹا احمد نامی تھا جو باپ کی جگہ اور اپنے اور اپنی جماعت میں قابل تکریم سمجھا جاتا تھا۔ احمد اپنے گروہ سے رخصت ہو کر اور اپنی حالت امیر زادوں کی سی بنا کر قلعہ شاہ ور کے قلعہ دار کی خدمت میں گیا اور وہاں نوکر ہوگیا۔ چند ہی روز میں احمد نے ایسی شائستہ خدمات انجام دیں کہ قلعہ دار نے اس کو اپنا نائب بنالیا اور تمام سیاہ وسفید کا اختیار اس کے سپرد کردیا۔ چند روز کے بعد وہ قلعہ دار فوت ہوگیا تو احمد نے حکومت وقت سے قلعہ کی حکومت اور قلعہ داری اپنے نام حاصل کرلی۔ احمد بن عطاش نے قلعہ کا راستہ بند ہو جانے کے بعد باطنیہ گروہ کے تمام قیدیوں کو جو اس کے حلقہ حکومت میں قید تھے' رہا کردیا اور ان لوگوں نے رہا ہوتے ہی اصفہان کے علاقے میں لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت کا بازار گرم کردیا۔ ادھر احمد نے اصفہان کے قلعہ شاہ ور کی حکومت حاصل کی' ادھر انہیں ایام میں حسن بن صباح علاقہ طالقان وقزوین میں اپنی سازشوں کا جال پھیلا رہا تھا۔

حسن بن صباح: حسن بن صباح ملک شاہ بن الپ ارسلان سلجوقی کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی کا ہم سبق رہ چکا تھا۔ اس نے نظام الملک کے ذریعہ دربار سلطانی میں رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر پھر وہاں اپنا رہنا مناسب نہ سمجھ کر نظام الملک کے ایک رشتہ دار ابومسلم قلعہ دار رے کی خدمت میں چلا آیا اور اس کی مصاحبت میں داخل ہو کر اپنی سازشوں کا جال پھیلانا شروع کیا۔ اتفاقاً ابومسلم کو معلوم ہوگیا کہ حسن بنا صباح کے پاس دولت عبیدیہ مصر کے جاسوس آتے جاتے ہیں۔ اس نے حسن بن صباح سے اس کے متعلق استفسار کیا۔ حسن بن صباح کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ میری سازش کا

راز افشا ہو چکا ہے تو وہ وہاں سے چھپ کر فرار ہو گیا اور مستنصر عبیدی کے پاس مصر پہنچا۔ مستنصر عبیدی نے حسن بن صباح کی خوب خاطر مدارت کی۔ حسن نے مستنصر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مستنصر نے حسن کو داعی الکبیر کا عہدہ وعطا کر کے فارس وعراق کی طرف روانہ کیا کہ وہاں جا کر لوگوں کو میری امامت وخلافت کی دعوت دو۔ مستنصر عبیدی کے تین بیٹے تھے۔ احمد' نزار اور ابوالقاسم۔ رخصت ہوتے وقت حسن بن صباح نے مستنصر سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہو گا؟ مستنصر نے جواب دیا کہ میرا بیٹا نزار' تمہارا امام ہو گا۔ چنانچہ مستنصر نے نزار ہی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ مستنصر کی وفات کے بعد وزیر السلطنت اور مستنصر کی بہن نے سازش کر کے ابوالقاسم کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور وہی مصر کا فرماں روا ہوا مگر حسن بن صباح نے اس کی امامت کو تسلیم نہ کیا اور نزار ہی کو مستحق امامت مانتا رہا۔ اسی لیے حسن بن صباح کی جماعت کو نزاریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حسن بن صبا مصر سے رخصت ہو کر ایشیائے کوچک اور موصل ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں علاقہ طالقان وقہستان کی حکومت پر جو گورنر مامور تھا' اس نے اپنی طرف سے قلعہ الموت کی حکومت ایک علوی کو کر رکھی تھی۔ حسن بن صباح اس علوی کے پاس پہنچا۔ اس نے حسن بن صباح کی بے حد تعظیم وتکریم کی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ حسن بن صباح ایک عزیز ومکرم مہمان کی حیثیت اور ایک عابد وزاہد انسان کی حالت میں عرصہ دراز تک قلعہ الموت (الموت میں الف اور لام دونوں مفتوح ہیں) میں مقیم رہ کر در پردہ اس قلعہ پر قبضہ کرنے کی تدبیروں میں مصروف رہا اور جب اس کی تدبیریں مکمل ہو گئیں اور علوی کو قلعہ سے نکال کر خود قلعہ پر قابض ومتصرف ہو گیا۔ یہ زمانہ ملک شاہ سلجوقی کی حکومت کا تھا۔ ملک شاہ کے وزیر نظام الملک طوسی نے اس خبر کو سن کر ایک فوج حسن بن صباح کی سرکوبی اور قلعہ الموت کے محاصرہ پر روانہ کی۔ حسن بن صباح نے اپنے گروہ کے بہت سے آدمیوں کو فراہم کر کے کافی مضبوطی کر لی تھی۔ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ابھی یہ سلسلہ جنگ جاری ہی تھا کہ حسن بن صباح نے باطنیہ کے ایک گروہ کو نظام الملک کے قتل پر مامور کیا۔ چنانچہ اس گروہ نے موقعہ پا کر نظام الملک کو قتل کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فوج جو نظام الملک نے بھیجی تھی' واپس چلی گئی۔ اس کامیابی کے بعد حسن بن صباح اور اس کے دوستوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور بلا تامل اردگرد کے علاقے پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ انہیں ایام میں ایک شخص منور نامی جو سامانی خاندان سے تھا' قہستان کا گورنر یا ناظم تھا۔ اس کی ایک سلجوقی وائسرائے سے مخالفت ہو گئی۔ دونوں کی نزاع نے یہاں تک طول کھینچا کہ منور نے حسن بن صباح سے امداد طلب کی۔ حسن بن صباح نے بلا تامل اپنی فوج بھیج کر قہستان پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ حسن بن صباح کی طاقت وشوکت نے ترقی اختیار کی۔ ادھر ملک شاہ کی وفات کے بعد سلجوقی سرداروں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بجائے اس کے کہ وہ حسن بن صباح کا استیصال کرتے اپنی

خانہ جنگیوں میں اس سے مدد طلب کرنے لگے۔ اس طرح حسن بن صباح کی حکومت و سلطنت کا سکہ جم گیا۔ سلطان برکیارق نے اپنے بھائی محمد کے مقابلہ میں ان باطنیوں سے امداد طلب کر کے اور بھی زیادہ ان کی عظمت کو بڑھا دیا مگر چند ہی روز کے بعد سلطان برکیارق کو ان باطنیوں کے قتل عام کا حکم دینا پڑا۔

ادھر احمد بن عطاش نے قلعہ شاہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ آخر سلجوقیوں نے احمد بن عطاش اور اس کے ساتھیوں کو ہر طرف سے محاصرہ کر کے مجبور کر دیا۔ بہت سے باطنیوں نے سلطان سلجوقی سے اس شرط پر امان کی درخواست کی کہ ہم سب حسن بن صباح کے پاس قلعہ الموت میں چلے جائیں گے اور نواح اصفہان کو بالکل خالی کر دیں گے۔ چنانچہ ان کو اسی شرط پر حسن بن صباح کے پاس جانے کی اجازت دی گئی۔ احمد بن عطاش کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا اور اس کی کھال میں بھس بھرا گیا۔ اس کی بیوی نے خودکشی کر لی۔ اس طرح باطنیہ اصفہان کا تو خاتمہ ہو گیا مگر حسن بن صباح کی طاقت و جمعیت میں خوب اضافہ ہو گیا کیونکہ اب وہی تمام باطنیوں کا مرکز اور قبلہ توجہ رہ گیا تھا۔ باطنیوں کے ہزار ہا افراد بحیثیت داعی شام و عراق و فارس میں پھیلے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں علانیہ بھی انہوں نے اپنی دعوت کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ بعض قلعوں پر بھی وہ قابض و متصرف ہو گئے تھے مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہو کر تمام قلعے ان سے چھین لیے اور حکومت و قوت ان سے جدا کر لی لیکن الموت اور اس کے نواح پر حسن بن صباح کا قبضہ برابر جاری رہا۔ حسن بن صباح کا صحیح نام و نسب اس طرح ہے۔ حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح الحمیری۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی اور ضعف و اختلال نے باطنیوں کی حکومت کو مستقل و پائیدار ہونے کا موقعہ دیا۔ جس کو بعد میں فدائیوں کی سلطنت' سلطنت اسماعیلیہ' سلطنت حشاشین وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا۔ حسن بن صباح جس طرح اس سلطنت و حکومت کا بانی تھا' اسی طرح وہ اپنے فرقہ اور مذہب کا بھی بانی سمجھا گیا۔ اس نے عام باطنیوں کے خلاف بعض نئے نئے طریقے اعمال و عبادات میں ایجاد کیے۔ اس کے تمام مریدین اس کو سیدنا کہتے تھے۔ عام طور پر وہ شیخ الجبل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہ ۳۵ سال قلعہ الموت پر قابض و حکمراں رہا۔ اس عرصہ میں ایک دن کے لیے بھی اس قلعہ سے باہر نہیں نکلا۔

حسن بن صباح کی وفات: ۹۰ سال کی عمر پا کر سنہ ۵۱۸ھ میں بتاریخ ۲۸/ ربیع الآخر فوت ہوا۔ اس نے اپنے مریدوں میں وحشی اور پہاڑی لوگوں کی ایک ایسی جماعت بنائی تھی جو حسن بن صباح کے اشارے پر جان دینا اور اپنا مقصد زندگی تصور کرتے تھے۔ ان لوگوں کو فدائیوں کی جماعت کہا جاتا تھا۔ ان فدائیوں کے ذریعہ حسن بن صباح دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں' سپہ سالاروں اور اپنے

مخالفوں کو ان کے گھروں میں قتل کرا دیتا تھا۔ اس طرح اس کی دھاک دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی اور بڑے بڑے بادشاہ اپنے محلوں اور دارالحکومتوں میں اطمینان کے ساتھ نہیں سو سکتے تھی۔ حسن بن صباح اور اس کی جماعت کو عام طور پر مسلمان نہیں سمجھا جاتا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ یہ ملحدوں کا ایک گروہ تھا' جس کو دین اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر حیرت ہے کہ ہمارے زمانے کا ایک احمق جو خوش قسمتی سے ایک دشمن اسلام فرقہ کا پیشوا اور لیڈر بھی سمجھا جاتا ہے۔ حسن بن صباح اور اس کے متبعین ملاحدہ کے اعمال و حرکات کو دین اسلام سے منسوب کر کے تعریض کرتا اور اخباروں میں مضامین شائع کراتا ہے' مگر ذرا نہیں شرماتا اور اپنے جہل و نادانی کو علم قرار دے کر فخر و مباہات کو مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی غفلت بھی دیدنی ہے کہ وہ حسن بن صباح کے قائم کیے ہوئے نزاریہ گروہ کی حقیقت و ماہیت اور اعمال و عقائد سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ان باطنیہ فدائیہ ظالموں کو بزرگان دین سمجھ کر حیران و ششدر اور اس دشمن اسلام مضمون نگار کے مضامین کو نعمت عظمیٰ قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ ملحد و بے دین اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ بدچلن اور اوباش یا مادر پدر آزاد ہریوں کو موقعہ مل گیا تھا کہ وہ حکومت اسلامی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کر سکیں اور اپنی بدمعاشیوں سے شرفائے زمانہ کو تنگ کرنے کا آزاد موقعہ پائیں۔ فدائیوں کی شہرت کا راز صرف اس بات میں مضمر ہے کہ وہ چھپ کر دھوکہ دے کر' چوری سے یا جس طرح ممکن ہو بڑے آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ آج کل بھی اہم اخباروں میں یورپ کے انارکسٹوں اور نہلسٹوں کے اعمال و افعال کی حکایتیں کبھی کبھی پڑھتے ہیں۔ حسن بن صباح کی قائم کی ہوئی سلطنت کو انارکسٹوں کی سلطنت سمجھنا چاہیے۔

کیا بزرگ امید: حسن بن صباح کی وفات کے بعد اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس کا نام کیا بزرگ امید تھا۔ قلعہ الموت کا حاکم اور حسن بن صباح کا جانشین قرار دیا گیا۔ کیا بزرگ امید کے خاندان میں یہ حکومت سنہ ۶۵۵ھ تک قائم رہی۔ کیا بزرگ امید کے بعد اس کا بیٹا محمد بن کیا بزرگ امید' اس کے بعد اس کا بیٹا حسن بن محمد' اس کے بعد اس کا بیٹا محمد ثانی بن حسن' اس کے بعد جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث' اس کے بعد علاؤالدین محمد بن جلال الدین محمد' اس کے بعد رکن الدین خورشاہ بن علاؤالدین حکمران ہوا۔

رکن الدین خورشاہ: رکن الدین خورشاہ فدائیوں کا آخری بادشاہ تھا۔ جس کو ہلاکو خان چنگیزی نے بربادی بغداد سے ایک سال پیشتر سنہ ۶۵۵ھ میں گرفتار کر کے فدائیوں کی دولت و حکومت کا خاتمہ

کر دیا۔ حسن بن صباح کے بعد قلعہ الموت اور اس کے مضافات پر فدائیوں کی حکومت قائم رہی مگر سو سال تک وہ اپنی مملکت میں کوئی ترقی اور وسعت پیدا نہیں کر سکے۔ جب چنگیز خاں تاتاریوں کے وحشی گروہ کو لے کر ممالک اسلامیہ کو تاخت و تاراج کرنے لگا تو ان فدائیوں نے بھی ہاتھ پاؤں نکالے اور اپنے رقبہ حکومت کو وسیع کرنا شروع کیا لیکن ابھی یہ پورے طور پر اپنے حوصلہ نہ نکال چکے تھے کہ جلال الدین بن علاؤالدین خوارزم شاہ نے ان پر چڑھائی کر کے ان کے زور و قوت کو توڑ دیا اور قلعہ الموت میں ان کو محصور کر کے تمام دوسرے قلعوں کو ان سے چھین کر ویران و منہدم کر دیا اور دولت فدایہ کی حالت بہت ہی سقیم ہو گئی۔ آخر ہلاکو خان نے اس مریض نیم جان کو قید ہستی سے آزاد کیا۔

فدائیوں کے مقتولین: ان ملحد فدائیوں کے ہاتھ سے جو لوگ قتل ہوئے ان میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر اعظم سلطان الپ ارسلان ملک شاہ سلجوقی فخر الملک بن خواجہ نظام الملک جناب شمس تبریزی پیر طریقت مولوی رومی نظام الملک معود بن علی وزیر خوارزم شاہ سلطان شہاب الدین غوری اور بعض عیسائی سلاطین یورپ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور حضرت امام فخر الدین رازی کو بھی ملاحدہ نے قتل کی دھمکی دی تھی مگر وہ بچ گئے۔

(سولہواں باب)

مغولانِ چنگیزی

ہلاکو خاں کی چڑھائی اور بغداد کی تباہی کا حال اور کسی باب میں بیان ہو چکا ہے۔ سلطنت اسلامیہ اندلس کے حالات بھی ہم ختم کر چکے ہیں۔ خلفائے عباسیہ مصر کا اجمالی تذکرہ بھی اوپر ہو چکا ہے۔ عبیدیین مصر کو بھی خلافت وامارت کا دعویٰ تھا۔ ان کے حالات بھی اس سے پہلے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ دسویں صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں مصر کے آخری عباسی خلیفہ نے سلطان سلیم عثمانی کو خلافت سپرد کی اور اس کے بعد خاندان عثمانیہ کے سلاطین خلفائے اسلام کہلائے۔ اختصار کو مدنظر رکھنے اور خلافت اسلامیہ کو بیان کرنے والے مورخ کے لیے جائز تھا کہ وہ نا قابل التفات اور چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتوں کو چھوڑ کر خلافت عثمانیہ کا حال بیان کر کے اپنی تاریخ کو زمانہ موجودہ تک پہنچا دیتا لیکن میں نے سلطان سلیم عثمانی تک خلافت اسلامیہ کے پہنچنے کا حال بیان کر کے پھر عہد ماضی کی طرف واپس ہونا ضروری سمجھا اور بعض ان اسلامی حکومتوں کا ذکر لازمی خیال کیا جو کسی نہ کسی وجہ سے قابل التفات اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے کے لیے ضروری سمجھی جا سکتی تھی۔ اس طرح ہم کو سلطنت عثمانیہ کی ابتداء سے پہلے کے تمام اہم اور ضروری حالات سے فارغ ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد سلطنت عثمانیہ روم اور اس کی معاصر سلطنتوں کے حالات بیان ہوں گے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اسلامی حکومت کا حال میں اس کتاب میں نہ لکھوں گا کیونکہ ہندوستان کی ایک الگ مستقل تاریخ لکھنے کا عزم ہے اور اس میں ہندوستان کی حکومت اسلامیہ کے تفصیلی حالات بیان ہوں گے۔ اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کے خروج کا ذکر کیا جائے' جس کو مورخین نے فتنہ تاتار کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس طرح مغلوں کے تین سو سال کے ابتدائی حالات پڑھنے کے بعد اور شام و ایران کی بعض اسلامی سلطنتوں کے حالات سے فارغ ہو کر ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ سلطنت عثمانیہ کی تاریخ شروع کر دیں۔

ترک' مغول اور تاتار

ایک شبہ کا ازالہ: تاریخ پڑھنے والے طالب علم کو تاریخی کتابوں کے مطالعہ میں سب سے بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ وہ ترک' مغل' تاتار' ترکمان' قراتاتار وغیرہ قوموں میں نہ امتیاز کر سکتا ہے' نہ ان کی تفریق اور اصلیت سے واقف ہو سکتا ہے۔ وہ کبھی تاریخ میں پڑھتا ہے کہ سلجوقی لوگ مثلاً الپ

ارسلان و طغرل بیگ ترک تھے، پھر وہ چنگیز خاں کی نسبت پڑھتا ہے کہ وہ مغل تھا۔ دوسری جگہ اسی کی نسبت پڑھتا ہے کہ وہ ترک تھا پھر چنگیز خاں کے فتنہ کو وہ فتنہ تاتار کے نام سے موسوم دیکھ کر قیاس کرتا ہے کہ مغل، ترک اور تاتار ایک ہی قوم کا نام ہے لیکن آگے چل کر وہ مغلوں اور ترکوں کی مخالفت و لڑائیوں کا حال پڑھتا ہے، جس سے یقین ہوتا ہے کہ مغل اور ترک دو الگ الگ قومیں ہیں' پھر وہ ہندوستان کے مغلوں کی تاریخ پڑھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بعض سرداروں کو ترک کہا جاتا ہے اور وہ سلاطین مغلیہ سے رشتہ داریاں رکھتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ مغلوں کو مرزا کہا جاتا ہے اور ان کے نام کے ساتھ بیگ کا خطاب ضرور ہوتا ہے۔ دوسری طرف تیمور بایزید کو برسرپیکار دیکھتا ہے مگر ایران کے بادشاہوں کے نام تاریخ میں پڑھتا ہے تو وہاں بھی مرزا کا لفظ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسری طرف ترکان عثمانی کے یہاں بھی بک یا بے یا بیگ کا خطاب موجود پایا جاتا ہے۔ یورپی مورخین کبھی کبھی ہندوستان کی سلطنت کو ترکی سلطنت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غرض مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں اور مغلوں کی تفریق کے متعلق ایک بیان اس جگہ درج کیا جائے تاکہ تاریخ کے مطالعہ کرنے والے کو معاملات اور واقعات کے سمجھنے میں آئندہ آسانی ہو۔

ترک کا اطلاق: آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ جن کے نام حام' سام اور یافث تھے۔ یافث کی اولاد بلاد مشرقیہ ملک چین وغیرہ میں آباد ہوئی۔ یافث کی اولاد میں ایک شخص ترک نامی ہوا۔ اس کی اولاد چین و ترکستان میں پھیل گئی اور وہ سب ترک کہلائے۔ بعض لوگ غلطی سے افراسیاب کو بھی ترک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایران کے شاہی خاندان کیانی سے تعلق رکھتا اور فریدوں کی اولاد میں سے تھا چونکہ وہ ترکستان کا بادشاہ تھا' اس لیے غلطی سے لوگوں نے اس کو ترک قوم میں شمار کیا۔ ترک بن یافث کی اولاد چین و ترکستان و ختن وغیرہ میں جب خوب پھیل گئی تو انہوں نے امن وامان اور نظام کو قائم رکھنے کے لیے ایک شخص کو اپنا سردار تجویز کرنا ضروری سمجھا۔ رفتہ رفتہ ان میں بہت سے قبیلے اور گروہ پیدا ہو گئے۔ ہر قبیلے اور ہر گروہ نے ایک ایک سردار بنایا اور یہ تمام سردار ایک سب سے بڑے سردار کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ لہذا ترک بن یافث کی اولاد کے ہر قبیلے پر ترک کا لفظ بولا جاتا تھا اور تمام باشندگان چین و ختن و ترکستان ترک کہلائے جاتے تھے۔

ترکان غز: انہیں ترک قبائل نے دریائے جیحون کو عبور کر کے عہد اسلامیہ میں ملک فارس و خراسان وغیرہ کے اندر رہزنی و ڈاکہ زنی اختیار کی۔ ان قبائل کو ترکان غز کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یورپ و افریقہ اور مراکش تک ان ترکان غز کے پہنچنے کا ثبوت ملتا ہے۔

سلجوقی: انہیں ترک قبائل میں سے ایک قبیلہ وہ تھا جس کو سلجوقی کہا جاتا ہے۔ غالباً ترک بن یافث کی

اولاد میں ترکوں کے اسی قبیلہ نے سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا اور ان میں طغرل والپ ارسلان وغیرہ بڑے بڑے عالی جاہ سلاطین ہوئے' جن کی شہرت وعظمت نے تمام دنیا کا احاطہ کر لیا۔

مغول وتاتار: سلجوقیوں کے مسلمان ہونے اور خراسان کی جانب خروج کرنے سے پہلے ترکوں کے درمیان دو اور نئے قبیلے دو حقیقی بھائیوں کے نام سے نامزد ہو چکے تھے۔ جن کے نام مغول اور تاتار تھے۔ سلجوقیوں کے مسلمان ہونے اور شہرت وعظمت حاصل کرنے کے وقت یہ دونوں قبیلے ناقابل التفات اور بہت ہی بے حقیقت اور کم حیثیت تھے۔ رفتہ رفتہ مغول وتاتار کی اولاد میں ترقی اور نفوس کی کثرت ہوئی اور دونوں قبیلوں نے الگ ملکوں اور صوبوں میں سکونت اختیار کی اور ان میں جدا جدا سرداریاں قائم ہوئیں۔ ترک بن یافث کی اولاد یعنی ترکوں میں ایک شخص النجہ خان نامی تھی۔ اس کے دو بیٹے توام ولد ہوئے۔ ایک کا نام مغول اور دوسرے کا نام تاتار رکھا۔ ان دونوں سے مغول اور تاتار قومیں پیدا ہوئیں۔ مغول خان کا بیٹا قراخان اور قراخان کا بیٹا اور ارغو خان تھا۔ جو اپنے قبیلے میں سردار سمجھا جاتا تھا۔ اسی ارغون خان نے عہد میں اس کے قبیلہ کے ایک شخص نے گاڑی ایجاد کی جو بار برداری کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ ارغون خان نے اس ایجاد کو بہت پسند کیا اور اس کے موجد کو قانعلی کا خطاب دیا۔ چنانچہ ترکہ زبان میں گاڑی کو قانعلی کہا جاتا ہے اور اس شخص کی اولاد کو قبیلہ قانعلی سے نامزد کیا گیا ہے۔ ارغون خان کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹے کا نام تنگیز خاں تھا۔ تنگیز خاں کا بیٹا منگلی خاں اور منگلی خاں کا بیٹا ایل خان تھا۔ ایل خان کے بیٹے کا نام قیان تھا۔ قیان خاں کی اولاد سے مغلوں کی قوم قیات نامزد ہوئی۔ قیان خان کے بعد اس کا بیٹا تیمورتاش باپ کا جانشین ہوا۔ تیمورتاش کا بیٹا منگلی خان اور منگلی خان کا بیٹا یلدوز خاں کا جونیہ بہادر تھا۔ جونیہ بہادر کے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جس کا نام الان قوا رکھا گیا۔ الان قوا کی شادی اپنے چچازاد بھائی دوبو بیان نامی سے ہوئی۔ دوبو بیان کے نطفہ سے الان قوا کے دو بیٹے یلکدائی اور یک جدائی پیدا ہوئے۔ الان قوا کا شوہر دوبو بیان اپنے قبیلہ کا افسر اور حکمران تھا۔ ان دو بیٹوں کو کم سنی کی حالت میں چھوڑ کر دوبو بیان فوت ہو گیا۔ قبیلہ مغول نے اپنے سردار کے فوت ہونے پر اس کی بیوہ الان کو اپنے قبیلہ کا سرداری تفویض کی۔

ایک روز الان قوا اپنے کمرے میں تنہارات کے وقت سونے کے لیے لیٹی۔ ابھی نیند نہ آنے پائی تھی کہ اس نے اپنے کمرہ کی کھڑکی یا روشن دان میں سے ایک روشنی داخل ہوتے ہوئے دیکھی۔ یہ روشنی قرص آفتاب کی شکل میں کمرہ میں داخل ہو کر فوراً الان قوا کے منہ میں داخل ہو گئی۔ الان قوا گھبرا کر اٹھی۔ اپنی ماں اور سہیلیوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ چند روز کے بعد آثار حمل نمایاں ہوئے۔ لوگوں کو جب حمل کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے طعن وتشنیع شروع کی۔ ملکہ الان قوا نے اکابر قوم کو جمع کیا اور کہا کہ تم

چند روز رات کو میرے کمرے کے پاس قیام کرو تم پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ ایک نور آسمان سے اترتا اور ملکہ کی خواب گاہ میں جاتا اور پھر شعلہ نور خرگاہ سے نکلتا اور آسمان کو چلا جاتا ہے۔ اس مشاہدے کے بعد سب کو ملکہ کی صداقت کا یقین آیا اور روح القدس سے اس کا حاملہ ہونا تسلیم کیا۔ ایام حمل پورے ہوئے تو الان قوا کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام بوقون قیقی' یوسغین سالجی اور بوز بخر قاآن رکھے گئے۔ اس طرح الان قوا کے پانچ بیٹے ہو گئے۔ جن میں دو تو دوبو بیان کے نطفہ سے تھے اور تین بلا باپ کے پیدا ہوئے۔ یلکدائی اور یلکجدائی کی اولاد تو قبیلہ درلیکن کے نام سے موسوم ہوئی۔ بوقون قیقی کی اولاد قوم قیقین کے نام سے اور یوسغین سالجی کی اولاد قوم سالجیوت کے نام سے مشہور ہوئی۔ یوز بخر قاآن کی اولاد بود بخری کہلائی۔ الان قوا کی وفات کے بعد بوز بخر اپنی ماں کا جانشین اور قبائل مغول کا حاکم ہوا۔ بور بخر اپنے آپ کو آفتاب کا بیٹا کہا کرتا تھا اور ابو مسلم خراسانی مروی کے زمانہ میں موجود تھا۔ اسی بوز بخر کی اولاد میں چنگیز خان اور تیمور اور مغلوں کے اکثر مشہور قبائل پیدا ہوئے۔ چنگیز خان اور تیمور کا نسبی تعلق معلوم کرنے کے لیے ذیل کے شجریہ پر نظر ڈالیں۔

شجرہ نسب

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ترک بن یافث کی اولاد میں ایک شخص النجہ خان تھا۔ جس کے دو توام بیٹے مغول خان اور تاتار خان پیدا ہوئے تھے۔ انہیں دونوں بھائیوں کی اولاد مغول اور تاتاری دو قومیں بنیں۔ یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان دونوں قوموں نے اپنے لیے الگ الگ مقام سکونت تجویز کیے۔ قبیلہ مغول تو چین کے ملک میں آباد ہوا اور اس کے نام سے ملک کا نام مغولستان یا منگولیا مشہور ہوا۔ قبیلہ تاتار نے دریائے جیحون کے کنارے سکونت اختیار کی اور اس کے نام سے ملک تاتار یا ترکستان کہلایا۔ اس ملک پر چونکہ فریدون کے بیٹے تور کی حکومت تھی۔ اس لیے اس کو توران کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اس کیانی حکمران خاندان میں افراسیاب بہت مشہور ہے اور فردوسی کے شاہنامے میں اس کے حالات مذکور ہیں۔ کیانی خاندان کی یہ شاخ یعنی افراسیاب کی اولاد بھی اسی ملک ترکستان یا توران میں رہ کر ترکوں کے اس قبیلہ تاتار میں مل جل گئی۔ چونکہ ترکستان ممالک اسلامیہ کے زیادہ قریب تھا اور اسلامی فتوحات وہاں تک پہنچ گئی تھیں۔ لہذا ترکوں کے جس قبیلے نے سب سے پہلے ممالک اسلامیہ میں خروج کیا وہ یہی قبیلہ تاتار تھا۔ جو بہت سے چھوٹے چھوٹے قبائل پر مشتمل تھا۔ ان تاتاری قبائل میں غالباً وہ کیانی قبیلہ جو افراسیاب کی اولاد میں تھا۔ زیادہ ذی حوصلہ اور معزز سمجھا جاتا ہوگا کیونکہ وہ ایک باشوکت سلطنت کی یادگار تھا۔ لہذا سلجوق اعظم کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہم افراسیاب کی اولاد

میں سے ہیں۔ سب سے پہلے سلجوق نامی ایک شخص نے نواح بخارا میں اپنے قبیلے کے ساتھ آ کر اسلام قبول کیا۔ اسی سلجوق کی اولاد کو ترکوں کا سلجوق قبیلہ کہتے ہیں۔ سلجوق کے پانچ بیٹے تھے۔ جن میں ایک بیٹے کا نام اسرائیل اور ایک کا نام میکائیل رکھا گیا۔ اسرائیل کو سلطان محمود غزنوی نے کالنجر کے قلعہ میں قید کر کے بھیج دیا تھا جو محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد رہا ہو کر اپنے قبیلہ میں واپس گیا۔ میکائیل کا بیٹا سلطان طغرل تھا اور طغرل کے دوسرے بھائی چغری بیگ کا بیٹا سلطان الپ ارسلان سلجوقی تھا۔ جن کے حالات اوپر کسی باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس طرح سلجوقی قبیلہ کو اگر افراسیاب کی اولاد میں تسلیم کر لیا جائے تو وہ ترک نہ تھا بلکہ کیانی قبیلہ تھا۔ ترکستان میں رہنے والے ترکوں یعنی تاتاریوں نے بھی بار بار ایران و خراسان میں اپنی ترک تاز دکھائی۔ انہیں میں سے ایک قبیلہ وہ تھا جس نے سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ڈالی اور جو ترکان عثمانی کے نام سے مشہور اور جن کے حالات آئندہ بیان ہونے والے ہیں۔

لفظ مغول کی تحقیق: اس جگہ یہ بھی بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ مغول نام ہے مغول خان کی اولاد کا اور ہر ایک فرد پر بھی مغول ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مغول کا مخفف مغل ہے جو لوگ مغل کی جمع مغول سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ مغول جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔

قرا تاتار: مغول و تاتار ایک دوسرے سے جدا ہو کر اور جدا جدا ملکوں میں سکونت اختیار کر کے ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے اور چڑھائیاں کرتے رہے۔ جب تک کیانی خاندان ملک توران پر حکمراں رہا۔ اس نے تاتاریوں کا ساتھ دیا اور مغول ہمیشہ مغلوب و مقتول ہوتے رہے اور ان کو کبھی تاتاریوں پر چیرہ دستی حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ ان لڑائیوں میں مغلوں کی اکثر عورتیں تاتاریوں کے قبضے میں آ جاتی تھیں۔ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی' اس اولاد کو تاتاری لوگ باندی بچہ سمجھتے اور اپنے ترکہ کا وارث نہیں بناتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی کثرت ہوئی اور ان کی شادیاں اس قسم کے پرستارزادوں میں ہونے لگیں۔ اس طرح ایک الگ قوم تیار ہوگئی' جس کو افرا تاتار کا خطاب دیا گیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ انہیں لوگوں کو ترکمان کہا جاتا ہے۔ یہ تاتاریوں کی مغلوں سے نفرت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے مغل عورتوں کی اولاد کو اپنا ہمسر نہ سمجھا اور نہ حقیقتاً مغل اور تاتار ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: بعض لوگ غلطی سے قوم ازبک کو تاتاری قوم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ازبک چنگیز خاں کی اولاد میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ غلط فہمی غالباً اس لیے پیدا ہوئی کہ ہندوستان کے سلاطین مغلیہ کی قبیلہ ازبک کے کئی فرماں رواؤں سے لڑائیاں ہوئی ہیں اور وہ ازبک اس زمانے میں

ملک ترکستان کے بادشاہ تھے۔ ان کو ترکستان کا بادشاہ دیکھ کر آج کل کے تاریخ دانوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ تاتاری تھے۔ ہاں تاتاری لوگوں کی سلطنت عثمانیہ سلطنت ہے۔ قبائل مغولیہ میں قپچاق' ایغور' خلج' قاچار' افشار' جلائر' ارلات' دوغلات' قطر ات' سلدوز' ارغون' قوچین' ترخانی' طغائی' قاقشال وغیرہ بہت سی شاخیں ہیں' جن کی تفصیل بیان کرنے کی اس جگہ ضرورت نہیں۔

یہ بات اب بخوبی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ ترک ایسا عام لفظ ہے جو مغلوں اور تاتاریوں کے ہر ایک قبیلہ پر بولا جا سکتا ہے کیونکہ تاتار اور مغل دونوں ایک ہی قبیلہ ترک کی دو شاخیں ہیں۔ مغلوں کا اصل وطن چین ومنگولیا تھا اور تاتاریوں کا وطن ترکستان تھا۔ بعد میں تاتاریوں کو ترک کہنے لگے اور لفظ ترک کی عمومیت محدود ہو کر تاتار کی مترادف رہ گئی۔ اس طرح تاتار کا لفظ عرف عام سے غائب ہو گیا اور ترک ومغل دونوں قوموں کے نام مشہور ہوئے۔ اب بعض مورخین نے اصلیت کی بنا پر مغلوں کو بھی ترک کے نام سے یاد کیا کیونکہ وہ ترک بن یافث کی اولاد سے ہیں۔ بعض نے سلجوقیوں کو بھی ترک کہا اور بعض نے سلاطین عثمانیہ کو بھی اسی وجہ سے مغلوں کا ہم قوم قرار دیا۔ غرض اوپر کے بیان کو اگر بغور پڑھ لیا جائے تو تاریخ کے مطالعہ کرنے والے بہت سی دقتیں حل ہو سکتی ہیں۔ اب ہم کو فتنہ مغولان چنگیزی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے لیکن اس سے پہلے یہ بات اور ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ تاتاریوں کی قوم جو مغلوں سے زبردست ہونے کی وجہ سے مغلوں کو اپنے علاقے سے باہر قدم رکھنے کا موقعہ نہیں دیتی تھی۔ ترکستان نے نکل کر خراسان' ایران' عراق' شام' ایشیائے کوچک تک پھیل گئی تھی اور اس قوم کے بہادر اور اولوالعزم افراد وقبائل ممالک اسلامیہ میں بڑے بڑے مناصب اور عہدوں پر فائز ہو کر اپنے قدیمی وطن ترکستان کا خیال چھوڑ چکے تھے۔ ان میں ہر قسم کی تہذیب وشائستگی بھی آ گئی تھی اور مغول قوم کا پشتینی دشمن ان کے راستے سے الگ ہو چکا تھا۔ لہذا وقت آ گیا تھا کہ یہ قوم بھی اپنے انتہائی جہل وبدتمیزی اور سفاکی و بدتمیزی کے ساتھ اپنے کوہستانی مامن اور قدیمی وطن کو چھوڑ کر متمدن دنیا میں نکلے اور غافلوں کے لیے تازیانہ عبرت ثابت ہو۔

چنگیز خاں

مغلوں کا حلیہ : مورخین نے ان مغلوں کی تصویر جو الفاظ میں کھینچی ہے' اس طرح ہے کہ یہ لوگ ترکوں سے بہت مشابہ ہیں۔ ان کے چوڑے چکلے سینے' کشادہ چہرے' چھوٹے سرین اور گندمی رنگ ہیں۔ سریع الحرکت اور تیز ذہن ہیں۔ جب کسی اہم کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے اور دفعتاً اپنی بے خبری کی حالت میں اپنے دشمن پر جا گرتے اور اس کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دیتے۔

سینکڑوں حیلے جانتے ہیں اور دشمن کے لیے راہ فرار کو مسدود کر دیتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی مردوں کے ساتھ مل کر لڑتی ہیں اور شمشیر زنی میں کسی طرح مردوں سے کم نہیں ہیں۔ جس چیز کا گوشت ملتا ہے کھا جاتے ہیں۔ کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتے۔ کوئی شخص جاسوس بن کر ان کے ملک میں نہیں جا سکتا کیونکہ وہ اپنے حلیہ سے فوراً پہچان لیا جاتا ہے۔ قتل کرنے میں وہ مرد' عورت' بچے اور بوڑھے سب کو قتل کر دیتے ہیں۔ گویا قتل عام کا مفہوم انہیں کے قتل سے سمجھ میں آتا ہے وہ حملہ ہوتے وقت آبادیوں کو بالکل تباہ و برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کو مال و زر کی طمع نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود دنیا کو ویران و تباہ کرنا ہے۔

مغلوں کا نظم و نسق: مغلوں کا ملک چھ صوبوں یا حصوں میں منقسم تھا۔ ہر حصے پر ایک شخص حکمران تھا اور یہ تمام حکمراں ایک بادشاہ کے ماتحت سمجھے جاتے تھے جو مقام طمغاچ میں رہتا تھا۔ ان چھ صوبوں میں سے ایک صوبہ کی حکومت جوز بخر ابن انقوا کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ تومنہ خاں ان یا یسنقر خاں تک نوبت پہنچی۔ تومنہ خاں کے گیارہ بیٹے تھے' جن میں سے نو ایک بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور وہ دوسری بیوی کے پیٹ سے توام پیدا ہوئے تھے۔ ان دونوں توام بیٹوں کے نام اس نے قبل خان اور قاچولی بہادر رکھے۔

قاچولی کا خواب: ایک رات قاچولی بہادر نے خواب میں دیکھا کہ اس کے بھائی قبل خاں کے گریبان سے ایک ستارہ نکل کر آسمان پر پہنچا اور اپنی روشنی زمین پر ڈالنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ستارہ غائب ہوا اور اس جگہ دوسرا ستارہ پیدا ہو گیا' تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی غائب ہوا اور اس کی جگہ تیسرا ستارہ پیدا ہوا۔ اس تیسرے ستارے کے غائب ہونے پر جو چوتھا ستارہ نمودار ہوا' اس قدر بڑا اور تیز روشنی والا تھا کہ تمام جہان اس کی روشنی سے منور ہو گیا۔ اس بڑے اور روشن تر ستارے کے غائب ہونے پر کئی چھوٹے چھوٹے ستارے آسمان پر نمودار ہوئے اور قاچولی بہادر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اس خواب کی تعبیر کے متعلق غور و فکر میں مصروف تھا کہ اس کو پھر نیند آ گئی۔ اب کی مرتبہ اس نے خواب میں دیکھا کہ خود اس کے گریبان سے ایک ستارہ نکلا اور آسمان پر چمکنے لگا۔ اس کے بعد دوسرا' اس کے بعد تیسرا' غرض یکے بعد دیگرے سات ستارے نمودار ہوئے۔ ساتویں ستارے کے بعد ایک بہت بڑا اور نہایت روشن ستارہ نمودار ہوا' جس کی روشنی سے تمام جہان منور ہو گیا۔ اس بڑے اور روشن ستارے کے غائب ہونے پر کئی چھوٹے ستارے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد قاچولی بہادر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے ان دونوں خوابوں کو اپنے باپ سے بیان کیا۔

تومنہ خان کی تعبیر: تومنہ خان نے سن کر کہا کہ قبل خان کی چوتھی پشت میں کوئی عظیم الشان بادشاہ

پیدا ہوگا اور تیری آٹھویں پشت میں ایک عظیم الشان بادشاہ پیدا ہوگا اور میری نسل میں عرصہ دراز تک حکومت وسلطنت رہے گی۔ اس کے بعد تومنہ خان نے قبل خاں اور قوچولی بہادر دونوں کو آپس میں متحد ومتفق رہنے کی نصیحت کی اور دونوں بیٹوں کے درمیان ایک عہد نامہ لکھوا کر دونوں کے دستخط کرائے اور اپنی مہر بھی لگا کر خزانچی کے سپرد کیا کہ یہ عہد نامہ نسلاً بعد نسل باقی اور محفوظ رہنا چاہیے۔ اس عہد نامہ میں لکھا گیا تھا کہ بادشاہت وحکومت قبل خان کی اولاد میں رہے گی اور فوج کی سپہ سالاری قاچولی بہادر کی اولاد سے مخصوص رہے گی۔ تومنہ خان کی وفات کے بعد قبل خان تخت حکومت پر بیٹھا۔ قبل خاں کے بعد قویلہ خان‘ قویلہ خان کے بعد برتان بہادر اور برتان بہادر کے بعد میسوکا بہادر تخت نشین ہوا۔

چنگیز خاں کی ولادت: ۲۰/ ذیقعدہ سنہ۔ ۵۴۹ھ کو میسوکا بہادر کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسی سال مغولستان کے قاآن اکبر یعنی بادشاہ اعظم کا انتقال ہوا تھا‘ جس کا نام تموچین تھا۔ لہٰذا میسوکا بہادر نے اپنے اس بیٹے کا نام تموچین رکھا‘ جو بعد میں چنگیز خاں کے نام سے مشہور رہا۔ سنہ۔ ۵۶۲ھ میں میسوکا بہادر فوت ہوا تو تموچین کی عمر صرف تیرہ سال کی تھی۔ میسوکا بہادر کے بعد تموچین اپنے چھوٹے سے علاقے کا بادشاہ فرماں روا قرار پایا مگر لوگوں نے اس کو کم عمر اور کم حیثیت سمجھ کر اس کی سرداری وسروری سے انکار کیا اور بغاوت وسرکشی کے آثار نمایاں ہوئے۔

چنگیز خاں کا خواب: اسی حالت میں تموچین نے خواب میں دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ جب اس نے اپنے دونوں ہاتھ مشرق ومغرب کی طرف پھیلائے تو دونوں تلواروں کے سرے افق مشرق اور افق مغرب تک پہنچ گئے۔ یہ خواب اس نے اپنی ماں سے بیان کیا تو اس کو یقین ہو گیا کہ میرا یہ بیٹا مشرق ومغرب کے تمام لوگوں کو آگاہ کرے گا اور اس کے ہاتھ سے بڑی خونریزی ہوگی۔ اسی طرح اس کی ماں کو معلوم تھا کہ پیدا ہونے کے وقت تموچین کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند تھیں۔ ان کو کھول کر دیکھا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں منجمد خون تھا۔ اس منجمد خون کو دیکھ کر اس وقت بھی سب نے یہی رائے قائم کی تھی کہ یہ لڑکا بڑا خونریز ہوگا۔ لوگوں کی سرکشی یہاں تک پہنچی کہ سوائے ایک شخص امیر قراچا کے جو قاچولی بہادر کی اولاد سے تھا۔ باقی تمام اولاد قاچولی بہادر کی بھی تموچین سے باغی ہوگئی۔ تموچین نے اپنے ملک کے متصلہ ملک کے فرماں روا سے‘ جس کا نام اونگ خان تھا‘ امداد چاہی اور اس کی پناہ میں خود چلا گیا۔ اونگ خان نے تموچین کی خوب خاطر مدارات اور تسلی وتشفی کی اور اپنے بیٹوں کی طرح اس کی خبر گیری کرنے لگا مگر چند روز کے بعد کچھ جمعیت بہم پہنچا کر چنگیز خاں نے اپنے اس محسن اونگ خاں کے خلاف کارروائی شروع کی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک درہ میں مضبوط ہو بیٹھا اور اپنی مخالفت کا اعلان کیا‘ آخر لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں اتفاقاً امیر قاچار کے تیر سے اونگ خان سخت

زخمی ہو کر منہزم ہوا اور ایک دوسرے سردار یانگ خان نے بحالت فرار اس کو قتل کرا دیا۔ اب توقع یہ تھی کہ یانگ خان اور تموچین کے درمیان صلح رہے گی کیونکہ اونگ خان کو قتل کر کے یانگ خان نے تموچین کی امداد کی تھی مگر چنگیز خاں نے اس فتح کے بعد اپنے گرد بہت جلد قبائل کو جمع کر لیا اور لوگوں نے اس کو بہادر دیکھ کر بخوشی اس کی سرداری تسلیم کرنی شروع کی۔ ایک شائستہ جمعیت لے کر چنگیز خاں نے یانگ خان کے علاقہ پر فوج کشی شروع کر دی۔ لڑائی میں یانگ خان بھی مقتول ہوا اور چنگیز خاں نے ایک وسیع مملکت پر قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات کے بعد یکایک تموچین قبائل مغلیہ کا مرجع و مرکز بن گیا اور اس کی طاقت مغولستان کے قاآن اکبر کی مد مقابل بن گئی۔

نام کی تبدیلی: اسی اثناء میں ایک شخص جس کا نام تنکیری تھا اور مغل اس کو بڑا عابد' زاہد اور قابل تکریم سمجھتے تھے۔ چنگیز خان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک سرخ آدمی کو سرخ لباس میں سرخ گھوڑے پر سوار تھا دیکھا' اس نے مجھ سے کہا کہ تو میسوکا بہادر کے بیٹے سے جا کر کہہ دے کہ وہ آج کے بعد سے اپنا نام تموچین تبدیل کر کے اپنے آپ کو چنگیز خاں کے نام سے موسوم کرے۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ چنگیز خاں کو بہت سے ملکوں کا شہنشاہ بنائے۔ تنکیری کے اس کلام کو سن کر چنگیز خاں نے اس کو دروغ گو تصور کیا مگر اس کی بات کو تسلیم کر لینا اس نے مناسب سمجھا اور اپنے آپ کو چنگیز خاں کے نام سے موسوم کیا۔ ترکی زبان میں چنگیز خاں کے معنی شہنشاہ کے تھے' یا شاید چنگیز خاں کے بعد یہ نام شہنشاہ کے مترادف قرار پایا۔ چند روز کے بعد تنکیری کا کسی بات پر چنگیز خاں کے ایک مصاحب سے جھگڑا ہو گیا۔ اس نے تنکیری کی گردن پکڑ کر اور اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹخا کہ تنکیری کا دم نکل گیا۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ تمام قبائل مغلیہ اور مغولستان پر چنگیز خاں کا قبضہ ہو گیا اور قاآن اکبر بعد مقابلہ منہزم ہو کر مقتول ہوا۔ سب نے چنگیز خاں کو قاآن اکبر تسلیم کیا۔ اس کے بعد چنگیز خان قبائل تاتار کی طرف متوجہ ہوا۔ تاتاریوں کے بادشاہ نے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پایا اور اپنی لڑکی کی شادی چنگیز خاں سے کر کے صلح نامہ تحریر کر دیا۔ اس کے بعد تاتاری سرداروں نے اپنے بادشاہ سے بغاوت اختیار کی۔ اس نے مجبور ہو کر چنگیز خان سے امداد طلب کی۔ بہت کشت و خون ہوا۔ تاتاری بادشاہ خود ہی زہر کھا کر مر گیا اور چنگیز خاں کا ملک ختا کے اکثر حصے پر قبضہ ہو گیا۔ چنگیز خاں درحقیقت مغلوں میں بڑا بیدار مغز اور بہادر آدمی تھا۔ اس کے کاموں میں سے جو اس نے اپنی مدت العمر میں انجام دیئے اس کی دانائی اور ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ اپنی خونریزی کے لیے شہرت عظیم رکھتا ہے مگر اس زمانے کے دنیا کے حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ وہ اپنے آپ کو خونریزی سے نہ بچا سکا۔

مغلوں کا مذہب: مغلوں کے دین و مذہب کا کوئی پتہ نہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان

کے یہاں ایک خالق و قادر ہستی کا تصور ضرور تھا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے قائل تھے۔ باقی عبادات ان کے بہت کچھ ہندوستان کے غیر آریہ یعنی قدیم باشندوں کی عبادات سے مشابہ تھے۔ اس ملک میں ضرور کوئی نہ کوئی پیغمبر مبعوث ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نامہ لائے ہوں گے لیکن مرور ایام اور جہالت کے سبب مغل اپنے پیغمبر اور آسمانی ہدایت ناموں کو فراموش کر چکے تھے۔ ان میں حرام و حلال کی بھی کوئی قید نہیں تھی۔ ہر ایک چیز کھا لیتے تھے اور ہر ایک کام کر گزرتے تھے۔ کچھ ملک کی آب و ہوا' کچھ قبائل کی عداوتیں مل ملا کر اس کا باعث ہوئی تھیں کہ مؤرخین نے مغلوں کے مذہب کی نسبت لکھ دیا ہے کہ ان کا مذہب انسانوں کو قتل کرنا تھا اور بس۔ ان میں ستارہ پرستی اور عناصر پرستی بھی پائی جاتی تھی۔ اگرچہ ان کو مجوسی نہیں کہہ سکتے تاہم آتش پرستی بھی ان میں موجود تھی۔ مذہب اور عقائد کے اعتبار سی ایسی پست اور جاہل قوم میں چنگیز خاں کا وجود ایک مصلح اور مجدد کا مرتبہ رکھتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے تمام مغلستان میں اپنی مضبوط سلطنت بہت ہی جلد قائم کر لی اور اس کے بعد وہ مغلوں کی اخلاقی و معاشرتی اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سلطان محمد خوارزم شاہ: یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان محمد خوارزم شاہ ایران' خراسان' کابل' ترکستان وغیرہ ممالک پر قابض و مستولی ہو کر خلافت بغداد کے انہدام و بربادی کے ارادے کر رہا تھا اور براعظم ایشیاء میں سب سے زیادہ طاقتور اور زبردست مسلمان بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ اور محمد خوارزم شاہ کے درمیان ناچاقی نے جب یہاں تک نوبت پہنچائی کہ خوارزم شاہ نے بغداد پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو خلیفہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو سفیر بنا کر خوارزم شاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ شیخ ممدوح نے سلطان کے دربار میں پہنچ کر مناسب تقریر کی اور اس کو بغداد پر چڑھائی کرنے سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ خوارزم شاہ نے کہا کہ شیخ صاحب آپ عباسیوں کے بہت مداح اور خیر خواہ ہیں۔ لہذا آپ بغداد کو واپس تشریف لے جایئے۔ میں تو علویوں کو عباسیوں پر ترجیح دیتا ہوں اور عباسی خلافت مٹا کر علویوں کی امداد کرنا چاہتا ہوں۔ میں ضرور بغداد پر چڑھائی کروں گا۔

خوارزم کے لیے بزرگوں کی بددعا: شیخ شہاب الدین سہروردی وہاں سے ناکام واپس ہوئے اور خوارزم شاہ کے لیے بددعا کی کہ الٰہی اس پر ظالموں کو مسلط کر دے۔ خوارزم شاہ نے فوج لے کوچ کیا مگر راستے میں اس قدر برف باری ہوئی کہ فوج کا راستہ بند ہو گیا اور سخت مجبوری کے عالم میں خوارزم شاہ نے چڑھائی کو دوسری سال کے لیے ملتوی کیا اور راستے ہی سے لوٹ گیا۔ اتفاقاً ایک روز حالت بدمستی میں حکم دیا کہ حضرت شیخ مجد الدینؒ کو قتل کر دو۔ چنانچہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ اگلے دن جب ہوش میں آیا تو اپنی اس حرکت پر پشیماں ہو کر خون بہا حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں بھیجا۔

انہوں نے کہا کہ شیخ شہید کا خون بہا تو میرا اور تیرا سر ہے اور ساتھ ہی ہزار ہا مسلمانوں کے سر اس خون بہا میں کاٹے جائیں گے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت شیخ مجد الدینؒ اور نجم الدین کی بد دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ خوارزم شاہ پر آفت نازل ہوئی۔

چنگیز خان کا سلطان خوارزم سے اقدام صلح: تفصیل اس کی یہ ہے کہ چنگیز خاں نے مغولستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مٹا کر ایک زبردست سلطنت قائم کر لی تو اس نے مناسب سمجھا کہ اپنے مد مقابل سلطان محمد خوارزم شاہ سے صلح اور دوستی قائم کر لوں کیونکہ دونوں کی حدود ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ چنگیز خاں اپنے ایلچیوں کے ہاتھ محمد خوارزم شاہ کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے اس قدر وسیع ممالک فتح کر لئے ہیں اور میری زیر فرمان اس قدر جنگجو قبائل ہیں کہ اب مجھ کو دوسرے ملکوں کے فتح کرنے کی آرزو اور تمنا نہیں ہے۔ اسی طرح تم بھی بہت سے ملکوں پر قابض و متصرف اور بہت بڑے بادشاہ ہو۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم تم دونوں آپس میں محبت و دوستی کا عہد کریں تا کہ ہر ایک دوستی کی طرف سے مطمئن رہیں اور صلاح وفلاح خلائق میں اطمینان کے ساتھ مصروف ہو جائیں۔ اس خط میں چنگیز خاں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں تم کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز سمجھوں گا۔ اس خط کو پڑھ کر محمد خوارزم شاہ نے بظاہر چنگیز خاں کے سفیروں کی خاطر مدارت کی اور دوستی کا عہد نامہ لکھ دیا مگر خط کے اس آخری لفظ یعنی بیٹے والے فقرے کو اس نے ناپسند کیا اور اپنی تحقیر سمجھا۔ عہد نامہ میں طرفین نے تجارت کی آزادی کو تسلیم کیا اور تاجر ایک دوسرے کے ملک میں آنے جانے لگے۔ چنگیز خاں اگرچہ کافر تھا مگر ہم کو اس کی اس دانائی کی داد دینی چاہئے کہ اس نے ایک زبردست بادشاہ کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے آشتی میں ابتداء کی۔ یہ بات بھی اس کی دانائی کی دلیل ہے کہ عہد نامہ صلح میں اسی کی خواہش سے تاجروں کے آنے جانے کی آزادی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بظاہر اس وقت تک چنگیز خاں کا کوئی ارادہ ممالک اسلامیہ پر تخت وتاراج کا معلوم نہیں ہوتا تھا۔

اس صلح نامہ کے بعد خلیفہ ناصر الدین اللہ عباسی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک شخص کا سر منڈوا کر اس پر ایک خط چنگیز خاں کے نام نقش کیا۔ یعنی جلد میں نوک نشتر سے گود کر سرمہ بھر دیا گیا تھا۔ اس عجیب وغریب خط میں لکھا تھا کہ تم سلطان محمد خوارزم شاہ پر حملہ کر دو اور اہم کو اپنا ہمدرد تصور کرو۔ اس طرح منڈے ہوئے سر پر جب خط لکھا گیا تو چند روز انتظار کے بعد بال سر پر جم آئے اور اس شخص کو چنگیز خاں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ جب وہ شخص چنگیز خاں کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں خلیفہ کا ایلچی ہوں اور خلیفہ کا پیغام میرے سر پر منقوش ہے۔ میرے سر کے بال منڈوا دو اور اس خلیفہ کا پیغام پڑھ لو۔ چنانچہ اس کا سر منڈوا کر چنگیز خاں نے خلیفہ کا پیغام پڑھا اور ایلچی سے معذرت کی کہ میں

صلح کر چکا ہوں۔ اس لیے اپنے عہد کے خلاف چڑھائی اور لڑائی خوارزم شاہ سے نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خلیفہ کا ایلچی سر منڈوا کرنا کام واپس چلا آیا اور چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کے نام دوستی و محبت کو اور زیادہ پائیدار بنانے کے لیے ایک خط لکھا' جس میں خوب اظہار محبت کیا گیا۔ بات یہ تھی کہ خوارزم شاہ قریب تھا اور اس کے ملک کی حدود ملی ہوئی تھیں۔ اس لیے چنگیز خاں خوارزم شاہ سے بہت خائف اور ترساں تھا۔ چنگیز خاں اس بات کو بھی جانتا تھا کہ خلیفہ بغداد خوارزم شاہ سے بھی زیادہ عظمت و طاقت رکھتا ہے لیکن خلیفہ بغداد کا اس کو کوئی خوف نہ تھا کیونکہ بہت سے ملک درمیان میں حائل تھے۔

خوارزم شاہ کی غلطی: اب خوارزم شاہ کی بدنصیبی دیکھیے کہ چنگیز خاں نے اپنا خط ایک ایلچی کو دیا اور اس ایلچی کو ان ساڑھے چار سو مسلمان سوداگروں کے قافلہ کے ساتھ کر دیا جو مغولستان میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے اور اب واپس جا رہے تھے۔ سوداگروں کے اس تمام قافلہ کو چنگیز خاں نے اپنا وفد سفارت قرار دیا کیونکہ ان سوداگروں میں بعض بڑے مرتبہ کے اور دربارس تاجر تھے۔ جب یہ قافلہ مقام انزار میں پہنچا تو خوارزم شاہ کے نائب السلطنت نے جو وہاں موجود تھا' اس قافلہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ قافلہ والوں نے ہر چند کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ سوداگری کے لیے مغولستان گئے تھے، اب واپس آ رہے ہیں اور بادشاہ مغولستان کی طرف سے سفیر بن کر بھی آئے ہیں۔ مگر اس حاکم نے کچھ نہ سنا اور خوارزم شاہ کو لکھا کہ مغولستان سے کچھ جاسوس سوداگر اور سفیروں کے لباسوں میں آئے ہیں۔ میں نے ان کو گرفتار کر لیا ہے۔ ان کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے؟ سلطان خوارزم شاہ نے لکھا کہ ان کو قتل کر دو۔ چنانچہ حاکم انزار نے ان ساڑھے چار سو آدمیوں کو بے دریغ تہ تیغ کر کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ ان میں سے ایک شخص کسی طرح بچ کر نکل بھاگا اور اس نے جا کر چنگیز خاں کو قافلہ کے مقتول ہونے کا حال سنایا۔

چنگیز خاں نے ایک خط پھر خوارزم شاہ کے پاس نہایت اہتمام و احتیاط کے ساتھ بھیجا اور اس میں لکھا کہ حاکم انزار نے بڑی نالائقی کا کام کیا ہے اور بے گناہ لوگوں کو قتل کر کے جرم عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس کو یا تو میرے سپرد کیا جائے یا آپ خود کوئی عبرتناک سزا دیں۔ خوارزم شاہ نے اس خط کو پڑھتے ہی چنگیز خاں کے ایلچی کو جو یہ خط لے کر پہنچا تھا' قتل کر دیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ چنگیز خاں نے اس کے بعد پھر ایک ایلچی بھیجا اور لکھا کہ ایلچی کا قتل کرنا بادشاہوں کا کام نہیں ہے اور سوداگروں کی حفاظت کا کام کرنا بادشاہوں کا فرض ہے۔ میری مطالبات پر آپ دوبارہ غور فرمائیں۔ جو ایلچی یہ پیغام لے کر گیا اور اس کو بھی خوارزم شاہ نے قتل کر دیا۔

یہ حالات سن کر چنگیز خاں نے مغولستان و ترکستان کے جنگجو قبائل کی فوج مرتب کرنی شروع

کی اور خوارزم شاہ کو بادشاہ کے نام سے یاد کرنا چھوڑ دیا بلکہ جب اس کا ذکر آتا تو کہتا کہ وہ بادشاہ نہیں بلکہ چور ہے کیونکہ بادشاہ ایلچیوں کا قتل نہیں کرتے۔ اتفاق سے انہیں ایام میں ایک سرحدی سردار توق تغان نامی سے کچھ سرکشی کے علامات معائنہ کر کے چنگیز خاں نے اپنے بیٹے جوجی خان کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ توق تغاق ماوراء النہر کے علاقے میں چلا آیا۔ جہاں سلطان خوارزم شاہ بھی کسی سبب سے آیا ہوا تھا۔ جوجی خان نے توق تغان کا تعاقب کر کے اس کو گرفتار کر لیا۔ یہ دیکھ کر خوارزم شاہ نے جوجی خان کی طرف حرکت کی۔ جوجی خاں نے خوارزم شاہ کے پاس خط بھیجا۔ کہ آپ مجھ پر حملہ نہ کریں۔ میں آپ سے لڑنے پر مامور نہیں کیا گیا ہوں۔ میں تو صرف اپنے باغی کو گرفتار کرنے آیا تھا' میرا مقصد حاصل ہو چکا ہے اور میں واپس جا رہا ہوں مگر خوارزم شاہ نے اس پر کوئی التفات نہ کیا اور جوجی خاں پر حملہ آور ہوا۔ لڑائی ہوئی' شام تک زور آزمائی میں کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ رات کو جوجی خان اپنے لشکر گاہ میں آگ جلتی ہوئی چھوڑ کر مغولستان کی طرف کوچ کر گیا اور تمام حالات چنگیز خاں کو سنائے۔ چنگیز خاں یہ حالات سنتے ہی مغلوں کا لشکر عظیم لے کر ایران اور ممالک اسلامیہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس جگہ ہم کو سکون قلب کے ساتھ غور کر لینا چاہئے۔ کہ ایک مسلمان بادشاہ سے کیسی نالائق حرکات سرزد ہوئیں اور ایک کافر بادشاہ کن حالات اور کن مجبوریوں میں ممالک اسلامیہ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ جہاں تک عدل و انصاف سے کام لیا جائے گا ابھی تک چنگیز خاں کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

چنگیز خاں کی ممالک اسلامیہ کی طرف توجہ: سنہ ۶۱۵ھ میں چنگیز خاں فوج لے کر ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوا اور مقام انزار کے قریب پہنچ کر جوجی خاں' اوکتائی خان اور چغتائی خان تینوں بیٹوں کو انزار کے محاصرے پر مامور کیا اور الاق نویان و منکو بوقا کو خجند اور بناکت کی فوج دے کر روانہ کیا اور خود اپنے چھوٹے بیٹے تولی خاں کو ہمراہ لے کر بخارا کی طرف متوجہ ہوا۔ مغلوں کے اس حملہ کا حال سن کر خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار فوج حاکم انزار کی مدد کے لیے روانہ کی اور تیس ہزار سوار بخارا کی طرف بھیجے۔ دو لاکھ دس ہزار فوج سمرقند کی حفاظت پر مامور کی اور ساٹھ ہزار آدمی برج اور قلعہ کی تعمیر و استحکام کے لیے مقرر کر کے خود سمرقند سے خراسان کی طرف روانہ ہوا۔

خوارزم شاہ کی بزدلی: خوارزم شاہ سے بڑی غلطی یا بزدلی یہ ظاہر ہوئی کہ اس نے باوجود اتنی بڑی فوج کے خود چنگیز خاں کا مقابلہ نہ کیا بلکہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ آیا۔ اپنے بادشاہ کو خراسان کا عازم دیکھ کر یقیناً فوج کے دل چھوٹ گئے ہوں گے۔ اس پر طرہ یہ کہ جب سمرقند سے چلنے لگا تو خندق پر پہنچ کر کہنے لگا کہ ہم پر اتنی بڑی قوم نے حملہ کیا ہے کہ اگر وہ صرف اپنے تازیانے ڈالیں تو سمرقند کی یہ

خندق تمام وکمال پر ہو جائے۔ یہ سن کر سمرقند کے محافظ لشکر پر مغلوں کی اور بھی ہیبت طاری ہو گئی۔ خوارزم شاہ سمرقند سے روانہ ہو کر بلخ پہنچا اور اپنے اہل وعیال اور خزانے کو ماژندان بھیج دیا۔ بلخ میں آ کر امراء اور سرداروں سے مشورہ کیا کہ مغلوں کے مقابلے میں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ خوارزم شاہ کے سات بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک بیٹے نے' جس کا نام جلال الدین تھا' باپ کو خائف وترساں دیکھ کر کہا کہ آپ اگر عراق کی طرف جانا چاہتے ہیں تو شوق سے چلے جائیے' فوج کی سرداری مجھ کو عنایت کیجئے۔ میں فوج لے کر دشمن پر حملہ کرتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ دریائے جیحون کے پار جا کر اپنا خیمہ نصب کروں گا۔ ماوراء النہر کی حفاظت میرے سپرد کیجئے اور آپ عراق وخراسان کو سنبھالیں مگر خوارزم شاہ نے اس بات کو پسند نہ کیا۔ بلخ سے ہرات کی طرف روانہ ہوا۔ اسی اثناء میں خبر پہنچی کہ مغلوں نے بخارا فتح کر کے وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا۔ یہ سن کر خوارزم اور بھی زیادہ پریشان و ہراساں ہوا اور ہرات سے نیشاپور جا کر مقیم ہوا۔ مغلوں نے ابھی تک دریائے جیحون کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کی بلکہ وہ ماوراء النہر ہی میں مصروف تاخت وتاراج رہے اور خوارزم شاہ نیشاپور میں مصروف عیش ونشاط رہا۔

ماہ صفر سنہ ۶۱۷ھ میں چنگیز خاں کے ایک سردار نے تیس ہزار فوج کے ساتھ دریائے جیحون کو عبور کیا۔ یہ خبر سن کر خوارزم شاہ سخت پریشان ہوا اور اپنے اہل وعیال اور خزانہ کو قلعہ قارون میں بھیج کر خود نیشاپور سے اسفراین چلا گیا۔ مغلوں نے جب دیکھا کہ خوارزم شاہ مقابلہ پر نہیں آتا اور ہمارے خوف سے بھاگتا پھرتا ہے تو ان کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔ انہوں نے بڑھ کر خوارزم شاہ کا تعاقب شروع کر دیا۔ خوارزم شاہ مغلوں کے آگے آگے بھاگتا ہوا قارون وژ میں جہاں اس کے اہل وعیال اور خزانہ موجود تھا' پہنچا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے دوسری طرف سے مغلوں نے اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ وہاں سے خوارزم شاہ بھاگتا ہوا استر آباد سے آمل پہنچا۔

خوارزم شاہ کی وفات : وہاں سے ایک جزیرہ میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔ یہاں اس کے پاس خبر پہنچی کہ مغلوں نے قلعہ قارون وژ فتح کر کے خزائن واموال اور اس کے اہل وعیال پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ خبر سن کر اس کو سخت صدمہ ہوا اور اسی رنج وملال میں فوت ہو گیا۔ جن کپڑوں کو پہنے ہوئے فوت ہوا تھا' انہیں میں دفن کر دیا گیا۔ کفن بھی میسر نہ ہوا۔ اب مغلوں نے تمام خراسان وایران میں اودھم مچا دی اور قتل وغارت سے قیامت برپا کر دی۔ خوارزم شاہ کے بیٹے بھی جو جابجا صوبوں کی حکومت پر مامور تھے' مغلوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ صرف ایک بیٹا جلال الدین جو سب بھائیوں میں بہادر اور ذی ہوش اور عالی حوصلہ تھا' باقی رہ گیا تھا۔

اس عرصہ میں بخارا' سمرقند وغیرہ مقامات کو مغلوں نے فتح کر کے خراسان میں ہر مقام پر خون

کے دریا بہانے شروع کر دیئے۔ آخر ربیع الاول سنہ ۶۱۷ھ میں چنگیز خان نے جیحون کو عبور کر کے بلخ و ہرات میں قتل عام کیا۔ جب خوارزم شاہ کے اہل و عیال گرفتار ہو کر چنگیز خاں کے سامنے حاضر ہوئے تو اس سنگ دل نے عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہ کیا اور سب کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ بلخ و ہرات کے بعد نیشاپور' ماژندران' آمل' رے' ہمدان' قم' قزوین اور دبیل' تبریز' طفلیس' مراغہ وغیرہ میں مغلوں نے اس طرح قتل عام کیا کہ بچوں' بوڑھوں اور عورتوں کو بھی امان نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس طرح قتل ہونے کا تماشا اس سے پہلے چونکہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لہذا عام طور پر مسلمانوں کے دلوں پر مغلوں کی ہیبت چھا گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مغلوں کی ایک عورت کسی گھر میں داخل ہو کر اس گھر کو لوٹتی اور کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ اس کی طرف نگاہ بھر کر دیکھ سکے یا زبان سے کچھ کہہ سکے۔ اہل ہمدان نے جو مغلوں کی تیغ بے دریغ سے بچ رہے تھے' مجتمع ہو کر اور مغلوں کے عامل کو کمزور دیکھ کر علم بغاوت بلند کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد مغلوں نے اہل ہمدان کو نہایت عبرت ناک اور سفاکانہ طریقہ سے قتل کیا' پھر کسی کو مقابلے اور مقاتلے کی جرأت نہ ہوئی۔

جلال الدین بن خوارزم: جلال الدین بن خوارزم شاہ اپنے باپ کی وفات کے بعد بحیرہ کاسپین کے جزیرہ سے روانہ ہو کر شہر تبریز میں آیا۔ یہاں بعض بہادر دوستوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ مغلوں نے اس کو گرفتار کرنا چاہا لیکن مغلوں کی صفوں کو چیر کر معہ ہمراہیوں کے نکل گیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر غزنین پہنچا۔ یہاں اس کو اپنے ہمدردوں اور دوستوں کی ایک جمعیت مل گئی۔ اس نواح میں جو مغلیہ فوج تھی' اس نے حملہ کیا۔ جلال الدین نے اس کو شکست دے کر بھگا دیا اور یہ غالباً پہلی شکست تھی جو چنگیزی فوج کو جلال الدین کے مقابلے میں حاصل ہوئی۔ اس خبر کو سن کر چنگیز خاں قلع طائفان سے روانہ ہو کر بامیان پہنچا۔ یہاں اس کا ایک پوتا یعنی چغتائی خان کا بیٹا ایک تیر لگنے سے ہلاک ہوا۔ چنگیز خاں نے بامیان کے زن و مرد کے قتل عام کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عورت حاملہ تھی تو اس کو قتل کر کے اس کے پیٹ میں سے بچے کو نکال کر اس بچہ کی بھی گردن کاٹی گئی۔ سلطان جلال الدین نے مغلوں کی فوج کو شکست فاش دے کر بہت جلد اپنی حالت کو درست اور مضبوط کر لیا اور چنگیز خاں کے مقابلے کے لیے مستعد ہو گیا۔ اگر خوارزم شاہ کی جگہ جلال الدین ہوتا تو یقیناً مغلوں کو چیرہ دستی کا یہ موقعہ ہرگز نہ مل سکتا۔ مگر خوارزم شاہ کی پس ہمتی اور بے وقوفی نے اپنے عظیم الشان لشکر سے کوئی کام بھی نہ لینے آیا اور آباد شہروں کو مغلوں کی خون آشام تلوار سے قتل ہونے کے لیے بے گناہ چھوڑ دیا۔ سلطان جلال الدین جمعیت فراہم کر کے چنگیز خاں کے مقابلہ پر مستعد ہو گیا۔ مگر بدقسمتی سے اس جمعیت میں بعض ایسے سردار موجود تھے جو عین وقت پر دھوکہ دے کر مغلوں سے جا ملے اور سلطان جلال الدین کے پاس صرف سات

سو آدمی رہ گئے۔ انہیں لڑتا بھڑتا دریائے سندھ کے ساحل کی طرف سلطان جلال الدین متوجہ ہوا۔ چنگیز خاں بھی اپنا لشکر عظیم لیے ہوئے وہاں پہنچ گیا۔ جلال الدین نے دریائے سندھ کو اپنی پشت پر رکھ کر لشکر مغول کا مقابلہ کیا۔ مغلوں نے کمان کی شکل میں محاصرہ کر کے ہنگامہ کارزار گرم کیا مگر جلال الدین نے اس بہادری اور جواں مردی سے مقابلہ کیا کہ چنگیز خاں اور اس کی لاتعداد فوج کے دانت کھٹے کر دیئے۔ سلطان جلال الدین جب حملہ آور ہوتا تھا' مغلوں کی صفوں کو دور تک پیچھے ہٹا دیتا تھا مگر وہ پھر فراہم ہو کر بڑھتے اور پہلے سے زیادہ جوش سے ساتھ حملہ آور ہوتے تھے۔ اپنی جمعیت کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے سبب اس معرکہ آرائی میں سلطان جلال الدین کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مگر سلطان جلال الدین کی شجاعت و بہادری کا سکہ چنگیز خاں کے دل پر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ان سات سو بہادروں میں سے بھی جب صرف ایک سو کے قریب باقی رہ گئے تو سلطان جلال الدین نے اپنی زرہ اتار کر پھینک دی اور اپنا تاج ہاتھ میں لے کر گھوڑا دریائے سندھ میں ڈال دیا۔ اس کے بقیہ ہمراہیوں نے بھی اپنے سلطان کی تقلید کی۔ چنگیز خاں نے چاہا کہ مغلوں کا لشکر بھی اس کا تعاقب کرے اور اس بہادر شخص کو گرفتار کر کے لائے لیکن اس بحر زخار میں گھوڑا ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ چنگیز خاں اور مغل دریائے سندھ کے کنارے پر رک گئے اور دریائے سندھ کے اندر ان مٹھی بھر بہادروں پر تیروں کا مینہ برساتے رہے۔ یہاں تک کہ صرف ساتھ آدمی معہ سلطان جلال الدین کے کنارے پر پہنچ گئے۔ باقی سب دریا کے اندر مغلوں کے تیروں سے شہید ہو گئے۔ سلطان جلال الدین نے اس کنارے پر پہنچ کر اپنے کپڑے اتار کر جھاڑوں پر سکھانے کے لیے ڈال دیئے۔ نیزہ زمین پر گاڑ کر اس کی نوک پر اپنا تاج رکھ دیا اور اس کے نیچے دم لینے لگا اور گھوڑے کے زین کو اتار کر خشک ہونے کے لیے سامنے رکھ دیا۔

چنگیز خاں دوسرے کنارے پر کھڑا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور حیران تھا۔ اپنے تمام بیٹوں اور سرداروں کو جو اس کے لشکر میں موجود تھے' سامنے بلا کر کہنے لگا کہ میں نے آج تک ایسا بہادار اور باہمت شخص نہیں دیکھا۔ اس کے ہمراہی بھی اس کی مانند بے نظیر بہادر ہیں۔ اتنے بڑے عظیم الشان دریا کو اس طرح عبور کرنا بھی انہیں کا کام تھا۔ اگر یہ شخص زندہ رہا تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ دنیا سے مغلوں کا نام و نشان گم کر دے گا۔ جس طرح ممکن ہو اس کے قتل کرنے کی تدبیر سوچی جائے مگر بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ چنگیز خاں متاسف و مغموم دریائے سندھ کے کنارے سے واپس چلا گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۶۲۰ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

اس کے بعد سلطان جلال الدین نے سندھ میں کچھ فتوحات حاصل کیں اور اس کے بہی خواہ یہاں آ آ کر اس کے ساتھ شامل ہوتے رہے۔ چند روز کے بعد سلطان جلال الدین دریا کو عبور کر کے کرمان کی جانب پہنچا' وہاں سے شیراز گیا۔ اسی عرصہ میں فدائیوں کو متواتر ہزیمتیں دے کر ان کے قریباً

تمام قلعوں کو سوائے قلعہ الموت کے منہدم کر دیا۔ فدائی یا باطنی گروہ مغلوں کی اس حملہ آوری کے وقت بہت مطمئن اور مسرور تھا اور مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں سن سن کر یہ لوگ بہت خوش ہو رہے تھے۔ چونکہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے اسی طرح دشمن تھے جیسے کہ مغل۔ لہٰذا ان کو مغلوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی تباہ حالت دیکھ کر اپنے مقبوضات کو بہت وسیع کر لیا۔ قرامطہ کی بیخ کنی سلطان جلال الدین کے قابل تذکرہ اور اہم کارناموں میں شمار ہونا چاہیے۔ اب وہ زمانہ تھا کہ مغلوں کا سیلاب شمال کی جانب متوجہ تھا۔ سلطان جلال الدین نے موقعہ مناسب سمجھ کر بغداد کا رخ کیا کہ وہاں جا کر خلیفہ ناصر الدین اللہ عباسی کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد طلب کروں تاکہ مغلوں کا ممالک اسلامیہ سے اخراج و استیصال بآسانی کیا جا سکے۔ خلیفہ کو چونکہ جلال الدین کے باپ سے نفرت تھی۔ لہٰذا اس نے جلال الدین کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھ کر فوراً امراء کو مامور کیا اور جلال الدین کو آگے نہ بڑھنے دو اور ہماری مملکت سے باہر نکال دو۔ یہ رنگ دیکھ کر سلطان جلال الدین مقابلہ پر مستعد ہو گیا اور امرائے بغداد کو شکست دے کر بھگا دیا پھر خود وہاں سے بجائے بغداد کے تبریز کی طرف متوجہ ہوا۔ تبریز پر قابض ہو کر گرجستان کی طرف گیا۔ وہاں کے امراء نے بڑی عزت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس کی تشریف آوری کو بہت ہی غنیمت سمجھ کر سب نے اظہار کیا۔

اب سلطان جلال الدین کی حالت پھر درست ہو گئی۔ ادھر مغلوں کا عظیم الشان لشکر اس کے مقابلے پر آیا۔ اصفہان کے قریب معرکہ کارزار گرم ہوا۔ سلطان جلال الدین نے مغلوں کو شکست دے کر بھگا دیا اور فتح عظیم حاصل کر کے تمام ملک گرجستان اور اس کے نواحی علاقوں پر قابض و متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد مغلوں نے بہت تیاری اور عظیم الشان لشکر کے ساتھ سلطان جلال الدین پر حملہ کیا۔ اس حملہ کی تیاریوں کا حال سن کر سلطان جلال الدین نے بغداد اور دوسرے اسلامی درباروں کی طرف ایلچی روانہ کیے کہ اس وقت میری مدد کرو اور اس متفقہ دشمن کا سر کچل لینے دو۔ مگر چونکہ جلال الدین کی بہادری اور شجاعت کی شہرت دور دور تک ہو چکی تھی۔ اس لیے کسی نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا کہ جلال الدین مغلوں پر فتح یاب ہو کر ہمارے لیے موجب خطر ہے۔ لہٰذا کوئی امداد جلال الدین کو کسی طرف نہ پہنچی۔ مجبوراً وہ خود ہی مقابلہ کے لیے مستعد ہوا اور ممکن تھا کہ وہ مغلوں کو شکست دے کر ان کے حوصلے پست کر دے اور آئندہ مصائب سے عالم اسلام نجات پائے مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور نہ تھی۔ جلال الدین نے جو جاسوس مغلوں کے لشکر کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے مقرر کیے تھے انہوں نے یہ غلط خبر سلطان کو پہنچائی کہ مغلوں کا لشکر ابھی بہت دور ہے۔ حالانکہ لشکر مغل بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ مغلوں نے آدھی رات کے وقت یکا یک ایسی حالت میں حملہ کیا کہ جلال الدین کو دشمن کے حملہ کی کوئی توقع نہ تھی۔ اس طرح یکا یک اپنے آپ کو دشمن کے پنجہ میں گرفتار دیکھ کر اول اس نے ہاتھ پاؤں مارے اور جدال و قتال ہوا لیکن جب مایوس

ہو گیا تو اس ہنگامے سے نکل کر کسی سمت کو گھوڑا اڑا کرلے گا۔ اس کے بعد کسی کو اس کا حال معلوم نہ ہوا۔

سلطان جلال الدین کا انجام : دو روایتیں سلطان جلال الدین کے انجام کی نسبت مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو کسی پہاڑی شخص نے جبکہ وہ پہاڑ میں کسی جگہ آرام کرنے کے لیے ٹھہرا ہوا تھا' اس کے گھوڑے اور لباس کے لالچ میں دھوکے سے قتل کر دیا۔ دوسری روایات یہ ہے کہ وہ بہ تبدیل لباس اور مشائخ عظام کی خدمت میں حاضر ہو کر صوفیوں اور عابدوں کی زندگی بسر کرنے لگا اور دور دراز ملکوں میں سفر کرتا رہا اور اسی زہد و عبادت کی حالت میں عرصہ دراز تک زندہ رہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چنگیز خاں کی اسلام سے متعلق تحقیق : چنگیز خاں سلطان جلال الدین خوارزمی کے ہنگامہ سے فارغ ہو کر اپنے بیٹے چغتائی خان کو مکران میں چھوڑ کر خود ترکستان ہوتا ہوا ذی الحجہ سنہ ۶۲۱ھ میں ساتھ برس کے بعد مغولستان اپنے وطن میں واپس پہنچا۔ جاتے ہوتے راستہ میں جب بخارا پہنچا تو حکم دیا کہ مسلمانوں میں جو شخص سب سے زیادہ عالم اور اپنے مذہب سے واقف ہو کر اس کو میرے سامنے لاؤ تاکہ میں اس سے مذہب اسلام کی حقیقت و ماہیت معلوم کروں۔ اس سات سال کی خونریزی اور ممالک اسلامیہ کی گشت و گرداوی سے چنگیز خاں کو محسوس ہو گیا تھا کہ اگرچہ مسلمان اس وقت کمزور ہو گئے ہیں مگر اسلام فی نفسہ کوئی معمولی مذہب نہیں بلکہ وہ ایک عظیم الشان نظام اور اعلیٰ ترین اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل میں قاضی اشرف اور ایک جید عالم اس کے دربار میں پیش کیے گئے۔ چنگیز خاں کے دریافت کرنے پر ان دونوں مسلمانوں نے سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ بالتفصیل بیان کیا۔ چنگیز خاں نے کہا کہ میں اس عقیدہ کو تسلیم کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے رسالت کا عقیدہ بیان کیا۔ چنگیز خاں نے کہا کہ میں اس بات کو بھی قابل قبول مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے دنیا میں اپنے ایلچی اور پیغمبر بھیجا کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نماز اور روزہ کے لازمی ہونے کا حال بیان کیا۔ چنگیز خاں نے کہا کہ اوقات معینہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لانا اور گیارہ مہینے کے بعد ایک مہینے کے روزے رکھنا بھی معقول بات ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حج بیت اللہ کے فرض ہونے کا حال بیان کیا۔ چنگیز خاں نے کہا کہ اس کی ضرورت کو میں تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ قاضی اشرف نے تو چنگیز خاں کی نسبت خیال ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے لیکن دوسرے عالم نے کہا کہ چونکہ اس نے حج بیت اللہ کا انکار کیا ہے' اس لیے وہ مسلمان نہیں ہوا۔

اس کے بعد چنگیز خاں سمرقند پہنچا اور وہاں کے مسلمانوں پر بہت مہربانیاں مبذول کیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ سات برس کے بعد جو فاتح بہت سے اسلامی ملکوں کو فتح کر کے اور لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی خون کی ندیاں بہا کر اپنے وطن کو واپس ہو رہا ہے۔ وہ اپنے عقیدہ کو اسلام کا

ماتحت بنا چکا ہے اور مذہباً مفتوح ومغلوب ہو کر آیا ہے۔ چنگیز خاں کے بیٹے تولی خان کے بیٹے قوبلا خان اور ہلاکو خان اس وقت دس سال اور نو سال کی عمر رکھتے تھے۔ چنگیز خاں کے یہ دونوں پوتے دادا کے واپس تشریف لانے کی خبر سن کر استقبال کو آئے اور راستے میں انہوں نے ایک خرگوش اور ایک آہو کا شکار کیا۔ چونکہ ان لڑکوں کا یہ پہلا شکار تھا لہٰذا چنگیز خاں نے اس خوشی میں ایک جشن ترتیب دیا اور بہت بڑی ضیافت اہل لشکر کو دی۔ چنگیز خاں کے مغولستان میں واپس آنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہاں بعض امرائے مغول نے مخالفت وسرکشی کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ مغولستان میں پہنچتے ہی چنگیز خاں نے سرکش اور مخالف مغلوں کو قتل وغارت کے ذریعہ ٹھیک بنایا۔

جانشین کا انتخاب : اس طرح تمام ہنگاموں سے فارغ ہو کر چنگیز خاں نے اپنے بیٹوں پوتوں اور سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ میرا وقت غالباً اب آخر ہو چکا ہے۔ میں نے تم لوگوں کے لیے بہت بڑا ملک فتح کر دیا ہے۔ تم بتاؤ کہ اب میں کس کو اپنا جانشین نامزد کروں تاکہ تم سب بخوشی اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم آپ کے تابع فرمان ہیں۔ آپ جس کو اپنا جانشین بنائیں گے ہم اس کی اطاعت بجالائیں گے۔ چنگیز خاں نے کہا کہ اگر تم اس معاملہ کو میری رائے پر چھوڑتے ہو تو میں اپنا جانشین اوکتائی خان کو بنانا چاہتا ہوں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کو ضروری سمجھو۔ اس کے بعد حکم دیا کہ قبل خان اور قاچولی بہادر کا عہد نامہ نکالو جس پر تومنہ خان کی مہر بھی ثبت ہے۔ اس عہد نامہ کو نکال کر سب کو دکھایا اور سب سے اس پر دستخط کرائے اور حکم دیا کہ دشت قپچاق۔ دشت خزر' الان' روس' بلغار' پر جوجی خان کو حکومت رہے گی اور ماوراء النہر' خوارزم' کاشغر' بدخشاں' بلخ' غزنین اور دریائے سندھ تک کا علاقہ چغتائی خان کا ملک سمجھا جائے اور قراچار چغتائی خان اور امیر قراچار کے درمیان وہی تعلقات رہیں گے جو میرے اور قراچار کے درمیان تھے یعنی چغتائی خان بادشاہ اور امیر قراچار اس کا سپہ سالار رہے گا اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری ملحوظ رکھیں گے۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک عہد نامہ چغتائی خان اور قراچار کے درمیان لکھوا کر اس پر دستخط کیے۔ امیر قراچار قاچولی بہادر کا پڑپوتا تھا۔ تولی خان کی حکومت میں مغولستان کا ایک حصہ دیا اور حکم دیا کہ اوکتائی خان کی فوج کا اہتمام اور سپہ سالاری خان تولی خان سے متعلق رہے گی' پھر حکم دیا کہ تمام بھائی اپنے بڑے بھائی اوکتائی خان کو اپنا شہنشاہ سمجھیں اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے انحراف کا خیال کبھی دل میں نہ لائیں۔ اس طرح چاروں بیٹوں کے متعلق وصیت وانتظام کر کے اپنے بھائیوں اوتگین وگوجین ودا لجنکین وغیرہ کو ختا کا ملک دیا۔

چنگیز خاں کی وفات : اس کے بعد ماہ رمضان سنہ ۶۲۴ھ میں چنگیز خاں نے ۷۳ سال کی عمر

اور ۲۵ سال کی حکومت کے بعد وفات پائی۔ اس کی وصیت کے موافق ایک درخت کے نیچے اس کو دفن کیا گیا۔ اس کی قبر کے پاس تمام رقبہ میں پہلے ہی سال اس قدر کثرت سے درخت اگ آئے کہ وہ ایک ناقابل گزر جنگل بن گیا اور کسی کو یہ تمیز نہ رہی کہ اس کی قبر کس جگہ تھی۔ علاوہ مذکور چار بیٹوں کے اور بھی کئی بیٹے چنگیز خاں کے تھے اور ان میں سے ہر ایک انہیں میں سے کسی نہ کسی کے زیر تربیت رہا۔ چنگیز خاں نے ملک روس' ماسکو' بلگیر یا وغیرہ میں جو فتوحات کیں ان کا مفصل ذکر اس جگہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس کو تاریخ اسلام سے کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے۔

چنگیز خاں کے عہد حکومت پر تبصرہ : چنگیز خاں مغلوں کی قوم میں بڑا عقلمند اور دور اندیش شخص پیدا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے مغلوں کی غیر معروف قوم تمام دنیا میں مشہور ہو گئی۔ اس نے ملک گیری کے نہایت اچھے اور پختہ اصول ایجاد اور قائم کیے۔ وہ اس بات سے واقف تھا کہ مغلوں کی وحشی اور جاہل قوم کو کسی وقت بیکار نہیں چھوڑنا چاہیے' ورنہ پھر یہ آپس میں ایک دوسرے سے لڑ بھڑ کر تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس نے ایک طرف مغلوں کو اتفاق و اتحاد کی خوبیاں سمجھانے میں خاص توجہ اور کوشش سے کام لیا تو دوسری طرف ایسے آئین و قوانین قائم کیے کہ مغلوں کی فوج کسی وقت بیکار نہ رہے۔ چنانچہ اس نے ایک مجموعہ قوانین مرتب کیا۔ اس مجموعہ قوانین کا نام تورۂ چنگیزی تعزیرات چنگیزی ہے۔ مغلوں میں عرصہ دراز تک تورۂ چنگیزی کا مرتبہ مذہبی اور آسمانی کتاب کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ تورۂ چنگیزی میں شکار کے لیے بھی آئین و قوانین درج ہیں اور مغل بادشاہ کے لیے ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ جب فتوحات و جنگ و پکار سے فارغ ہو تو آئین و دستور کے موافق مع فوج شکار میں مصروف ہو۔

چنگیز خاں کی خونریزی کے ساتھ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ وہ متکبرانہ الفاظ کم استعمال کرتا تھا تو تعجب ہوتا ہے۔ چنگیز خاں جب کسی بادشاہ کے نام خط لکھتا تو اس کو اول اپنی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہتا اور آخر میں لکھتا کہ اگر تم نے اطاعت قبول نہ کی تو اللہ جانے انجام کیا ہو۔ یہ نہ لکھتا کہ میں بہت بڑی جرار فوج رکھتا ہوں اور تم کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ اسی طرح وہ ملکوں کی فتوحات کو بھی اپنی یا اپنی فوج کی طرف منسوب نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے فتح عنایت کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بادشاہ بنایا ہے۔ اپنی نسبت لمبے چوڑے القاب اور مدح و ستائش کے الفاظ نہ لکھنے دیتا۔ خود مثل دوسرے سپاہیوں کے تمام کام انجام دیتا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر لمبی لمبی مسافتیں طے کرتا اور اپنے ہمراہی سواروں سے بھی بڑی بڑی منزلیں طے کراتا۔ اس کا قول تھا کہ ہم کو ہمیشہ جفاکشی اور محنت کا عادی رہنا چاہیے۔ اسی میں ہماری سرداری اور فضیلت کا راز مضمر ہے۔

چنگیز خاں خود طویل القامت اور مضبوط جسم کا شخص تھا۔ وہ ہمیشہ لڑائی کے وقت صف اول میں

نظر آتا اور جس طرف حملہ آور ہوتا دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیتا تھا۔ اس کی غیر معمولی فتوحات کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ اس کے بیٹے بھی اس کی طرح سپاہی منش اور بہادر جنگجو تھے۔ نیز اس نے مغلوں کی آپس کی رقابتیں دور کر کے اکثر قبائل میں جو اس کے معاون و مددگار تھے' اتفاق اور محبتیں پیدا کر دی تھیں۔

اس نے پانچ شادیاں کی تھیں۔ اس کی پانچوں بیویاں مختلف قبائل اور مختلف قوموں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس طرح اس کے سسرالی قبائل بھی اس کو اپنا رشتہ دار سمجھ کر دل سے اس کی خیر خواہی میں مصروف تھے۔ تورہ چنگیزی کے قواعد و قوانین میں ایک یہ بھی اصول بیان ہوا ہے کہ بادشاہ جب کسی نئے شہر کو فتح کرے تو اول وہاں قتل عام کا حکم ضرور دے۔ جب فوج کو آزادانہ قتل عام کا موقع مل جائے اور اس شہر کی بہت سی آبادی قتل ہو جائے تب امن و امان کا حکم دے کر باقاعدہ حاکم وہاں مقرر کرنا چاہئے۔ اس میں غالباً مصلحت یہ ہوگی کہ وہاں کی رعایا فاتحین سے مرعوب ہو جائے اور پھر کبھی بغاوت و سرکشی کا ارادہ نہ کرے۔ اس قاعدے پر چنگیز خاں نے اپنی فتوحات میں ہمیشہ عمل کیا۔ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو اس زمانے کی متمدن دنیا میں سرکشی اور سازشی کوششوں کا اس قدر عام رواج ہو گیا تھا کہ کسی شہر کا کوئی حاکم اور کسی ملک کا کوئی بادشاہ باغیوں کے فتنوں سے محفوظ نظر نہ آتا تھا اور آئے دن بغاوتوں اور لڑائیوں کے ہنگاموں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سخت پریشان تھی۔ علویوں' ایرانیوں' شیعوں' فاطمیوں کے خروج کا سلسلہ کسی زمانے میں منقطع نہ ہو سکا تھا۔ عالم اسلام کے ان حالات اور دنیا کے ان واقعات سے چنگیز خاں کو جب واقفیت ہوئی تو اس نے لوگوں کو خوف زدہ اور مرعوب کرنے کے لیے اس اصول پر عمل کرنا ضروری سمجھا اور اس طرح طرز عمل میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی۔

مغلوں نے سوائے بغداد و عراق اور عرب و ہند کے تمام براعظم ایشیاء اور کسی قدر براعظم یورپ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مغلوں کے ہاتھ سے اسلامی سلطنتیں زیادہ تباہ و برباد ہوئیں اور مسلمان ہی ان کی تلواروں سے زیادہ شہید ہوئے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کے ہاتھ سے اسلام کا نام و نشان گم ہو جائے گا مگر چونکہ اسلام کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے اور شریعت اسلام ایسی چیز نہیں کہ کوئی مادی طاقت اس کو برباد یا مغلوب کر سکے۔ لہذا بداعمال مسلمان تو مغلوں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئے اور مغلوں کی تلوار مسلمانوں کے لیے تازیانہ بن گئی۔ جس نے ان کو غفلت سے بیدار کیا لیکن مغل خود چند ہی روز کے بعد اسلام کے غلام اور خادم نظر آئے۔ مغلوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت اور سطوت کو دیکھ کر عیسائیوں نے بھی یہ کوشش کی کہ ہم مغلوں کو عیسائیت کی طرف متوجہ کر دیں لیکن عیسائیت کے اندر یہ جذب اور کشش کہاں سے آتی جو ایک فاتح اور جنگجو قوم کو اپنا گرویدہ اور خادم بنا لیتی۔ مغل در حقیقت دین و مذہب کے اعتبار سے سادہ لوح تھے۔ ان کے آبائی مذہب میں جس کی تفصیلات آج ہم کو معلوم نہیں' کسی مذہب سے کوئی

عناد اور خواہ مخواہ کی دشمنی نہ تھی۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے مغولستان کے پہاڑوں میں اسی لیے نکالا تھا کہ وہ فاتحانہ براعظم ایشیاء میں نکلے اور دین اسلام کی روشنی سے منور و بہرہ یاب ہو۔ چنگیز خاں اور اس کی قوم کا وجود بھی اسلام کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔ جس طرح اسلام ایک مفتوح پر اپنا اثر ڈالتا ہے' اسی طرح وہ فاتح کو بھی متاثر کرتا ہے۔ عربوں نے تمام دنیا کو فتح کیا۔ اور ہر ملک میں فاتحانہ داخل ہو کر اسلام کے معلم بنے لیکن مغلوں نے غافل مسلمانوں کو مفتوح و مغلوب و مقتول بنا کر اس اثر کو اخذ کیا اور اس مذہب کے آگے گردنیں جھکا دیں جو ان کے مسلمان مفتوحین کا مذہب تھا۔ اس اجمال کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی۔

اوکتائی خان: چنگیز خاں کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا اوکتائی خان مغلوں کا شہنشاہ تسلیم کیا گیا اور اس کے بھائی اپنے علاقوں اور ملکوں پر جو چنگیز خان نے مقرر و نامزد کیے تھے' قابض و متصرف ہو گئے۔ دو برس کے بعد اوکتائی خان نے اپنے تمام بھائیوں کو طلب کیا اور ایک بہت بڑی ضیافت اور جشن کے سامان مرتب کیے۔ جب سب لوگ آ چکے تو اپنے بھائیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں قاآنی یعنی شہنشاہی کے عہدے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ آپ جس کو مناسب سمجھیں اپنا شہنشاہ بنا لیں مگر چغتائی خان اور دوسرے بھائیوں اور سرداروں نے با اصرار اس کو تخت پر بٹھایا اور مغلوں کی رسم کے موافق سب سے آفتاب کی پرستش کی۔ اس کے بعد جوجی خان کا بیٹا باتو خان اور پوتا کیوک خان اور تولی خان کا بیٹا منکو خان مامور ہو کیے گئے کہ روس و چرکس و بلغاریہ کی طرف فوج کشی کریں۔ چنانچہ ان شہزادوں نے سنہ ۶۳۳ھ میں سات برس کی کوشش کے بعد ان تمام ملکوں کو مفتوح و منقاد کر لیا۔ ارغون خان سپہ سالار کو خراسان کی حکومت و سرداری پر مامور کیا گیا اور حکم ہوا کہ خراسان کے ان شہروں کو جو مغلوں کی تاخت و تاراج سے ویران ہو گئے' از سر نو آباد کیا جائے۔

اوکتائی خان ابن چنگیز خاں بہت سنجیدہ مزاج اور نیک طینت شخص تھا۔ اس نے ملکوں کی آبادی اور رفاہ رعایا کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ اوکتائی خان کو مسلمانوں نے خاص طور پر محبت و انسیت تھی۔ وہ مسلمانوں کو قابل تکریم سمجھتا اور ان کو ہر قسم کی راحت پہنچانا چاہتا تھا۔ مغلوں کے دستور کے موافق غوطہ مار کر نہانا گناہ کبیرہ تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اوکتائی خان اور چغتائی خان دونوں ہمراہ جا رہے تھے' انہوں نے دیکھا کہ ایک مسلمان دریا میں نہا رہا ہے۔ چغتائی خان نے فوراً اس کے قتل کا حکم دیا۔ اوکتائی خان نے کہا کہ اس کو گرفتار کر لو اور مجمع عام میں اس کو قتل کیا جائے۔ اوکتائی خان نے چغتائی خان سے جدا ہو کر تنہائی میں اس مسلمان قیدی سے کہا کہ تو یہ کہہ دینا کہ میرے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی اور مجھ کو ڈاکوؤں کے اندیشہ سے اس کو چھپانے کی ضرورت تھی۔ لہذا میں دریا میں اس کے چھپانے

کے لیے داخل ہوا تھا۔ جب اس مسلمان کو مجمع عام میں سیاست کے لیے حاضر کیا گیا تو اس نے اپنی بے گناہی کے ثبوت میں وہی بات کہی جو اوکتائی خان نے اس کو سمجھا دی تھی۔ یہ سن کر دریا میں اس مقام پر اشرفیوں کی تھیلی تلاش کرنے کے لیے آدمی بھیجے گئے۔ اوکتائی خان نے پہلے ہی وہاں تھیلی ڈال دی تھی۔ وہ برآمد ہوئی اور مسلمان کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ چنانچہ اس کو وہ اشرفیوں کی تھیلی اور چند اور تھیلیاں بطور انعام دے کر اوکتائی خان نے رہا کر دیا۔ اسی طرح جہاں تک کہ اس کو موقع ملتا تھا' وہ مسلمانوں کو نفع پہنچاتا تھا مگر دوسرے مغول مسلمانوں کے دشمن اور ان کو نقصان پہنچانے کے شائق تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص اوکتائی خان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے رات خواب میں قاآن اعظم چنگیز خان کو دیکھا ہے۔ اس نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میرے بیٹے اوکتائی خان سے جا کر میرا یہ پیغام کہو کہ میری خوشی اور خواہش یہ ہے کہ دنیا سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا جائے اور ان کے قتل کرنے میں ہرگز تامل روا نہ رکھا جائے۔ اوکتائی خان نے کہا کہ تو مغلی زبان جانتا ہے' اس نے کہا کہ نہیں۔ میں صرف فارسی میں گفتگو کر سکتا ہوں اور فارسی ہی سمجھ سکتا ہوں۔ اوکتائی خاں نے کہا کہ چنگیز خاں سوائے مغلی زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا اور فارسی قطعاً نہیں بول سکتا تھا۔ تو نے اس کے کلام کو کس طرح سمجھا؟ یہ کہہ کر حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے' یہ جھوٹا آدمی ہے اور چنگیز خاں پر بہتان باندھتا ہے۔ چنانچہ اس کو فوراً قتل کر دیا گیا۔

اوکتائی خان کی نسبت عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اگرچہ علانیہ مسلمان نہ ہوا تھا لیکن پوشیدہ طور پر وہ اسلام کو سچا مذہب یقین کر کے مسلمان ہو چکا تھا۔ اس کا دارالسلطنت قراقورم تھا اور تمام دنیا کی لوٹ کا مال قراقورم میں جمع ہو کر زر وجواہر سے خزانہ معمور تھا۔ اوکتائی خان کی سخاوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خراسان اور شام تک لوگ اس کی سخاوت کا شہرہ سن کر قراقورم میں چلے آتے تھے اور مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔ باپ نے جس طرح ظلم وخونریزی کے ذریعہ دولت جمع کی تھی۔ بیٹے نے اسی طرح محبت وشفقت اور خوف الٰہی کی راہ سے اس کو لوگوں میں تقسیم کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کی زیادتی اور خشونت سے لوگ ابتداءً وحشت زدہ اور متنفر تھے تو اوکتائی خان کی سخاوت اور داد ودہش کے سبب اس سے محبت کرنے لگے۔ مغلوں کی سلطنت کا بانی اگر چنگیز خاں تھا تو اس کی بنیادوں کو پائیدار واستوار بنانے والا اوکتائی خان تھا۔

کیوک خان: جب اوکتائی خان کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا کیوک خان قراقورم میں موجود نہ تھا۔ مغلوں نے اپنے دستور کے موافق اوکتائی خان کی بیوی تورکینا خاتون کو اپنا بادشاہ بنا لیا تاکہ کیوک خان کے آنے تک نظام سلطنت میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہو۔ جب کیوک خان قراقورم میں آیا تو اس

نے مغلوں کے دستور اور تورۂ چنگیزی کے موافق تخت سلطنت کے متعلق کچھ نہ کہا اور معمولی حیثیت سے رہا۔ سلطانہ تورکینا خاتون نے خود تمام ملکوں میں دعوت نامے بھیجے اور دنیا کے سلاطین کو مدعو کیا۔ چنانچہ خراسان' ایران' قبچاق' روم' بغداد' شام وغیرہ ملکوں سے سلطان کے ایلچی قراقورم میں آئے۔ چنگیز خاں کی اولاد تو تمام موجود ہی ہوگی۔ بغداد کے خلیفہ نے اپنی طرف سے اس مجلس کی شرکت کے لیے قاضی القضاۃ فخر الدین کو بھیجا۔ خراسان سے امیر ارغون بھی آیا۔ روم سے سلطان رکن الدین سلجوقی اور الموت وقہستان سے شہاب الدین وشمس اور یورپ کے عیسائی بادشاہوں کی طرف سے بھی ایلچی آئے۔ مسلمان سرداروں کے لیے دو ہزار خیمے کھڑے کیے گئے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ کیسا عظیم الشان مجمع ہوگا۔ اس کے بعد مجلس منعقد ہوئی اور بادشاہ کے انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا۔ سب نے کیوک خان کو منتخب کیا۔ منکو خان پسر تولی خان نے کیوک خان کو ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور تاج شاہی سر پر رکھا۔ کیوک خان کی بیوی ایک عیسائی عورت تھی۔ اس لیے یورپ کے عیسائی ایلچیوں کی خوب خاطر مدارات کی گئی۔ باطنیوں کے ایلچیوں کو کیوک خان نے ذلت کے ساتھ نکال دیا۔

مسلمانوں کے ساتھ بھی وہ مدارات سے پیش آیا مگر عیسائیوں نے کیوک خان کے مزاج میں دخیل ہو کر مسلمانوں کی طرف سے متنفر کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کیوک خان سے ایک روز فرمان لکھوایا کہ مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کا نام ونشان دنیا سے مٹا دینے کے لیے تمام سردار آمادہ ومستعد ہو جائیں۔ اس حکم کو لکھوا کر جب وہ باہر نکلا تو اس کے شکاری کتوں نے یکا یک اس پر حملہ کیا اور اس کی خصیتین کو چبا ڈالا۔ کیوک خان کتوں کے اس حملہ سے مرا تو نہیں مگر سخت زخمی ہوا اور عیسائیوں کو اس کے بعد مسلمانوں کی مخالفت میں لب ہلانے کی جرأت نہ رہی۔ عام طور پر شہرت ہو گئی کہ مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ ہونے کی سزا میں کیوک خان کو شکاری کتوں سے زخمی ہونا پڑا۔

کیوک خان کی موت : چند روز کے بعد کیوک خان سمرقند جا کر فوت ہوگیا۔ جس زمانے میں اوکتائی خان زندہ تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی تولی خان جو چنگیز خاں کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا' بھائی کے پاس رہتا اور اس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ تولی خان کو اوکتائی خان کے ساتھ بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ اکتائی خان بیمار ہوا تو تولی خان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی میرے بھائی کو بچادے اور اگر اس کی موت کا زمانہ آ گیا ہے تو اس کی جگہ مجھ کو اٹھا لے۔ چنانچہ اسی روز سے اوکتائی خان تندرست اور تولی خان بیمار ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اوکتائی خان بالکل تندرست ہوگیا اور تولی خان مرگیا۔ تولی خان کے چار بیٹے تھے۔ منکو خان' قوبلا خان' ارتق بوقا اور ہلاکو خان۔ ان چاروں بھتیجوں کو اوکتائی خان بہت عزیز رکھتا تھا۔ اس کے بعد کیوک خان بھی اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ بہت رعایت ومروت مرعی رکھتا تھا۔ کیوک

خان کی وفات کے بعد خاندان چنگیزی میں باتو خان ابن جوجی خان بادشاہ قبچاق سب سے زیادہ طاقتور اور دانا سمجھا جاتا تھا۔ سب نے باتو خان کی طرف رجوع کیا کہ اب بتائیے کس کو تخت سلطنت پر بٹھایا جائے۔ باتو خان نے فیصلہ کیا کہ کیوک خان کے بعد اب منکو خان سے زیادہ اور کوئی مستحق سلطنت نہیں ہے۔ اکثر سرداروں نے اس کو پسند کیا لیکن بعض نے اس کی مخالفت کی مگر معمولی زدوخورد کے بعد منکوخان کی حکومت وسلطنت قائم ہوگئی۔

منکوخان : منکوخان نے اپنے بھائی قویلا خان کو ختا کی حکومت سپرد کی اور اپنے دوسرے بھائی ہلاکو خان کو ایک عظیم الشان فوج دے کر ایران کی طرف روانہ کیا۔ منکوخان کی رسم تخت نشینی سنہ۔ ۶۴۸ ھ میں ادا ہوئی تھی۔ منکوخان مسلمانوں کے ساتھ بہت رعایت کرتا اور ان کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔

منکوخان کی وفات : سات برس سلطنت کر کے سنہ۔ ۶۵۵ ھ میں فوت ہوا۔ اپنی سلطنت کے آخری سال میں منکوخان نے چین کے بادشاہ کو لکھا کہ تم اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرو۔ اس نے انکار کیا۔ منکوخان نے چین کے ملک پر چڑھائی کی۔

قویلہ خان : اسی سفر میں بمقام چنکد منکوخان کا انتقال ہوا۔ اس کا بھائی قویلہ خان جو اس سفر میں بھائی کے ساتھ تھا' امرائے لشکر کے اتفاق رائے سے بمقام چنکد تخت نشین کیا گیا لیکن اس خبر کے پہنچنے پر ارتق بوقا نے قراقورم میں تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ قویلہ خان جب قراقورم کی طرف متوجہ ہوا تو ادھر قراقورم سے ارتق بوقا بھی فوج لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ مقام کلوران میں دونوں بھائیوں کا مقابلہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد ارتق بوقا کو شکست فاش حاصل ہوئی مگر وہ میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر لے گیا اور قویلہ خان نے قراقورم میں داخل ہو کر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ارتق بوقا نے ختا کی طرف جا کر فوج جمع کی اور پھر بھائی کے مقابلہ پر آیا۔ اس مرتبہ بھی شکست کھائی اور کاشغر کی طرف بھاگا۔ وہاں سے پھر اپنی حالت درست کر کے آیا۔ غرض چار سال تک ارتق بوقا اور قویلہ خان کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر ارتق بوقا گرفتار ہو کر قید ہوا اور اسی قید میں مر گیا۔

قویلہ خان نے سنہ۔ ۶۵۵ ھ میں تخت نشین ہوتے ہی ہلاکو خان کے پاس حکم بھیج دیا تھا کہ دریائے جیحون سے ملک شام تک کے علاقے کی حفاظت ونگرانی تمہارے ذمہ ہے اور تم کو اس علاقے کی حکومت سپرد کی جاتی ہے۔ ارتق بوقا اور قویلہ خان کی جنگ و پیکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کی مرکزی حکومت اور دربار قراقورم کا رعب کم ہو گیا اور جہاں جہاں جو سردار مامور تھا' وہ اپنے آپ کو خودمختار اور آزاد بادشاہ سمجھنے لگا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خاندان چنگیزی کے کئی شہزادے اور سربرآوردہ لوگ علانیہ اسلام قبول کر چکے تھے اور اسلام نے مغلوں کے اندر پھیلنا شروع کر دیا تھا۔

قویلا خان نے ارتق بوقا کے فتنہ سے فارغ ہو کر ملک چین کی طرف فوج کشی کی اور چند سال کی لڑائیوں کے بعد تمام ملک چین کو فتح کر کے بجائے قراقورم کے ملک چین میں ایک نیا شہر خان بالیغ کے نام سے آباد کر کے اپنا دارالسلطنت بنایا اور سیام و برہما و جاپان وغیرہ ملکوں سے خراج وصول کیا۔

قویلا خان نے مختلف مذاہب اور مختلف قوموں کے چار وزیر مقرر کیے جن میں ایک مسلمان یعنی امیر احمد بناکتی بھی تھا۔ قویلا خان کی حکومت اور شہنشاہی کو تمام مغل سلاطین تسلیم کرتے اور اس کے احکام کو مانتے تھے۔ مغلوں کی سلطنت چین سے لے کر یورپ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی سلطنت بہت ہی ضعیف حالت میں تھی۔ لہٰذا عیسائی' مجوسی اور یہودی مغلوں کے دربار میں رسوخ حاصل کر کے اسلام اور مسلمانوں سے ان کو متنفر کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابا خان ابن ہلاکو خان نے خراسان سے قویلا خان کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ مجھ کو یہودوں اور مجوسیوں نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید میں لکھا ہے کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ آپ کا اس تعلیم کے متعلق کیا خیال ہے؟ یعنی اگر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ ہم کو جہاں پائیں قتل کریں تو اس حالت میں مسلمانوں کی قوم کا دنیا میں باقی رہنا اندیشہ سے خالی نہیں۔ قویلا خان نے اس عرض داشت کو پڑھ کر بعض مسلمان علماء کو بلایا اور پوچھا کہ کیا قرآن مجید میں ایسا حکم موجود ہے؟ انہوں نے کہا کہ ''ہاں یہ حکم موجود ہے''۔ قویلا خان نے کہا کہ پھر تم ہم کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا ہم قوت نہیں رکھتے۔ جب قوت و قدرت پائیں گے' تم کو قتل کریں گے۔ قویلہ خان نے کہا کہ اب چونکہ ہم قدرت رکھتے ہیں' لہٰذا ہم کو چاہیے کہ ہم تمہیں قتل کریں۔ یہ کہہ کر ان علماء کو قتل کرادیا اور حکم جاری کیا کہ مسلمانوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ سن کر مولانا بدرالدین بیہقی اور مولانا حمید الدین سمرقندی قویلہ خان کے دربار میں پہنچے اور کہا آپ نے مسلمانوں کے قتل عام کا حکم کیوں جاری کیا؟ قویلہ خان نے کہ ''اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کا کیا مطلب ہے؟ ان دونوں عالموں نے کہا کہ عرب کے بت پرست جو مسلمانوں کے قتل پر ہمہ تن آمادہ تھے' ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ اپنی حفاظت کے لیے ان کو قتل کرو لیکن یہ حکم تمہارے لیے تو نہیں ہے کیونکہ تم تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہو اور اپنے فرامین کی پیشانیوں پر اللہ تعالیٰ کا نام ہمیشہ لکھتے ہو۔ یہ سنتے ہی قویلا خان بے حد مسرور ہوا اور اسی وقت حکم صادر کیا کہ میرا پہلا حکم جو مسلمانوں کے قتل کی نسبت جاری ہوا ہے' منسوخ سمجھا جائے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغلوں کی حالت مذہب کے مقابلے میں کس قدر نازک اور خطرناک تھی۔ جوں جوں ان میں تہذیب اور دماغی نشوونما نے ترقی کی وہ مذہب اسلام سے واقف ہوتے اور اس کو قبول کرتے گئے۔ مغلوں کو اسلام سے روکنے کے لیے تمام دوسرے مذاہب کے پیروؤں نے خوب کوششیں کیں مگر چونکہ مغل خالی الذہن تھے اور ان کی نگاہ میں ہر ایک مذہب کا مرتبہ

مساوی تھا لہذا تحقیق کے معاملے میں وہ زیادہ دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ اسی لیے ان کے سمجھدار اور شریف طبقہ نے اسلام ہی کو قابل قبول مذہب پایا۔

قوبیلا خان کی موت : قوبیلا خان ۷۳ سال کی عمر اور ۳۵ سال کی سلطنت کے بعد فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا پوتا تیمور خان ملک چین میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں انتظام سلطنت درہم برہم ہو گیا۔ سنہ ۷۰۰ھ میں قاآن تیمور خان فوت ہوا۔ اس کے بعد بھی اس خاندان کے چند شخصوں نے برائے نام حکومت کی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تیمور قاآن کے وقت سے قوبیلا خان کے خاندان کی شہنشاہی رخصت ہو گئی تھی۔ اب ہم کو ہلاکو خان ابن تولی خان کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ جس کو ایران وخراسان کی حکومت حاصل تھی اور جس کے ہاتھوں خلافت بغداد برباد ہوئی۔

ہلاکو خان : جب قراقورم میں منکوخان تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کے پاس شکایت پہنچی کہ گروہ باطنیہ اسماعیلیہ کی شرارتیں حد سے متجاوز ہو چکی ہیں اور یہ لوگ بلا قید مذہب وقوم ہر ایک اس شخص کے دشمن ہیں جو تخت وتاج کا مالک یا سرداری وسپہ سالاری کی عزت سے مفتخر ہوا۔ امراء وسرداران لشکر کو ان فدائیوں یعنی باطنیوں کے خوف سے راحت کی نیند نہیں آ سکتی۔ ساتھ ہی یہ اطلاعات بھی پہنچیں کہ خلیفہ بغداد اگرچہ بظاہر کمزور سمجھا جاتا ہے مگر اس کی عظمت وشوکت اس قسم کی ہے کہ اگر وہ مغلوں کے مقابلے پر مستعد ہو گیا تو مغلوں کو اس سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہو گا۔ منکو قاآن نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایک لاکھ بیس ہزار مغلوں کی جرار فوج کے ساتھ روانہ کیا اور حکم دیا کہ دریائے جیحون سے مصر تک کا ملک تمہاری حفاظت اور نگرانی میں دیا جاتا ہے۔ اگر بغداد صلح وآشتی پر قائم رہے تو تم کو اس سے لڑنا نہیں چاہیے لیکن اگر خلیفہ کی نیت غیر ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اس کے استیصال میں دریغ نہ کرو۔ ساتھ ہی الموت کے قلعہ میں اسماعیلیوں کا بادشاہ اقامت گزیں ہے‘ اس کا نام ونشان مٹا دو اور ان اسماعیلیوں کی اچھی طرح بیخ کنی کر دو۔ ہلاکو خان کے ہمراہ میر آیچل ابن امیر قراچار سپہ سالار روانہ کیا گیا۔

ہلاکو خان سنہ ۶۵۱ھ میں وارد خراسان وایران ہوا۔ آذربائیجان‘ شروان اور گرجستان وغیرہ کے سلاطین ہلاکو خان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار عقیدت ونیازمندی کے بعد مورد مراحم خسروانہ ہوئے۔ ارغون آقا اوپرات خراسان سے منکوخان قاآن کی خدمت میں روانہ ہوا۔ ہلاکو خان نے خراسان پہنچ کر اور یہاں کے حالات سے واقف وآگاہ ہو کر اول ملاحدہ اسماعیلیہ کی طرف توجہ کی اور یکے بعد دیگرے ان کے قلعوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ یک ذیقعدہ سنہ ۶۵۶ھ بروز یکشنبہ قلعہ الموت فتح ہو گیا اور اسماعیلیوں کا بادشاہ رکن الدین خورشاہ ہلاکو خان کے سامنے گرفتار ہو کر حاضر ہوا۔ ہلاکو خان نے خورشاہ کو منکوخان کی خدمت میں قراقورم کی طرف روانہ کیا اور جن لوگوں کی

حراست میں اس کو روانہ کیا تھا' ان کو حکم دیا کہ راستے ہی میں اس کا کام تمام کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رکن الدین خورشاہ کے اہل و عیال اور متعلقین سب قتل کیے گئے۔ مگر خواجہ نصیر الدین طوسی جو خورشاہ کی مصاحبت میں داخل تھا' اپنی زبان آوری اور ہوشیاری کے سبب ہلاکو خان کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا۔ اسماعیلیوں کے تمام خزائن و دفائن مغلوں کے ہاتھ سے تاراج ہوئے اور ان کی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔

اس کے بعد نصیر الدین طوسی نے ہلاکو خان کو بغداد پر فوج کشی کرنے کی ترغیب دی اور خلیفہ بغداد کے وزیر علقمی نے نمک حرامی کی راہ سے نصیر الدین کے ذریعہ ہلاکو خان سے ساز باز کیا اور بغداد کی تباہی عمل میں آئی۔ بغداد کی بربادی کا مفصل حال اوپر دوسری جلد میں چونکہ بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے اس دل خراش داستان کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اموال' خزائن بے قیاس بغداد سے لے کر ہلاکو خان مراغہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں سے زر و جواہر کے انبار اور لونڈی غلام قطار در قطار منکو خان کی خدمت میں قراقورم کی طرف روانہ کیے۔ اتابک سعد بن ابوبکر حاکم فارس اور بدر الدین لولو حاکم موصل اور سلطان عزیز الدین سلجوقی حاکم روم نے حاضر ہو کر اظہار اطاعت کیا۔ بروز جمعہ ۲۰/ رمضان المبارک سنہ ۶۵۷ھ ہلاکو کان نے کئی نامور سرداروں کو فوج دے کر بطور ہراول ملک شام کی طرف روانہ کیا۔ نصیبین' حران' حلب وغیرہ شہروں کو فتح اور ان کے باشندوں کا قتل عام کرتا ہوا دمشق کی جانب پہنچا۔ دمشق کو بھی اسی طرح فتح کیا اور ملک شام پر قابض ہو کر اور وہاں اپنی طرف سے حاکم کسوقا نامی کو مقرر کر کے ہلاکو خان خراسان کی طرف واپس آیا۔ مصری لشکر نے ملک شام پر حملہ کر کے مغلوں کی فوج کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اس خبر کو سن کر ہلاکو خان بہت رنجیدہ ہوا اور ارادہ کیا کہ ملک شام پر فوج کشی کر کے مصریوں کو شام سے نکالے۔ مگر اسی اثناء میں منکو خان کے فوت ہونے کی خبر پہنچی اور انہیں ایام میں ایک اور واقعہ پیش آیا کہ برکہ خان ابن جوجی خان بادشاہ قبچاق اور ہلاکو خان کے درمیان مخالفت اور ناچاقی پیدا ہوئی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہلاکو خان کے پاس برکہ خان کا کوئی قریبی رشتہ دار تھا۔ اس کو ہلاکو خان نے قتل کر دیا۔ برکہ خان نے سن کر کہا کہ ہلاکو خان نے خلیفہ بغداد کو قتل کیا اور بلاوجہ لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا دیا۔ میں اس سے ان تمام بے گناہوں کا انتقام لوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے فوج روانہ کی۔ ادھر سے ہلاکوں خان نے بھی اس کے مقابلہ کو فوج بھیجی۔ سنہ ۶۶۰ھ میں جنگ ہوئی اور ہلاکو خان کو فوج نے شکست پائی۔ اس کے بعد لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر سنہ ۶۶۱ھ میں ہلاکو خان خود فوج لے کر برکہ خان کے مقابلہ پر آیا۔ جنگ عظیم کے بعد برکہ خان کی فوج کو شکست ہوئی اور ہلاکو خان نے فتح پائی مگر چند ہی روز کے بعد برکہ خان نے ہلاکو خان پر حملہ کر کے اس کو شکست فاش دی۔ اس شکست

سے ہلاکوخان بہت دل شکستہ ہوا۔اسی عرصہ میں امیرآ تچل نے مراغہ میں وفات پائی۔جب مغلوں نے ملک شام کو فتح کرلیا تھا تو وہاں قوم قراتا تار کے قبیلوں کو آباد کیا تھا۔

ہلاکوخان کی موت : اب برکہ خان سے شکست کھانے کے بعد ہلاکوخان نے ایک سردار کو شام کی طرف روانہ کیا کہ وہ قراتا تار کے قبائل کو ہمراہ لے کرآئے تا کہ ان لوگوں کی فوج برکہ خان کے مقابلہ پر روانہ کی جائے۔وہ سردار شام میں جاکر اور قراتا تار کے لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر ہلاکوخان سے باغی ہوگیا۔ یہ خبر مراغہ میں ہلاکوخان کو پہنچی تو وہ اس قدر غمگین و افسردہ ہوا کہ مرض سکتہ میں مبتلا ہو کر سنہ ۶۶۳ھ میں آخر ماہ ربیع الاول کو فوت ہوا۔آٹھ سال حکومت کر کے ۴۸ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کا دارالحکومت شہر مراغہ تھا۔اس نے مراغہ میں نصیر الدین طوسی اور دوسرے حکماء کی مدد سے ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔ ہلاکوخان نے اپنے بیٹے اباقاخان کو عراق وخراسان وغیرہ کی حکومت دی تھی۔آذربائیجان کی حکومت دوسرے بیٹے کو اور دیار بکر و دیار ربیعہ کا حاکم توران سلدوز کو بنایا اور خواہ شمس الدین محمد جوینی کو وزارت کے عہدے پر مامور کیا تھا۔شمس الدین جوینی کے بھائی عطاء الملک علاؤالدین کو حاکم بغداد بنایا تھا۔ہلاکوخان کے فوت ہونے پر اس کی تجہیز وتکفین مغلوں کی رسم کے موافق عجیب طرح سے عمل میں آئی یعنی بجائے قبر کے ایک تہہ خانہ تیار کیا گیا۔اس میں ہلاکوخان کی لاش کو رکھ کر چند نوجوان لڑکیوں کو خوب زیور ولباس سے آراستہ پیراستہ کر کے خدمت گاری کے لیے اس تہہ خانہ میں داخل کیا گیا تا کہ وہ ہلاکوخان کی مونس تنہائی بنیں۔اس کے بعد تہہ خانہ کا منہ نہایت مضبوطی کے ساتھ بند کردیا گیا۔ایک لاش کے ساتھ اس طرح بے گناہ زندہ لڑکیوں کا بند کرنا اور ایک ایسی وحشیانہ رسم ہے جس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ہلاکوخان کے زمانے میں ہندوستان کے اندر سلطان غیاث الدین بلبن کی حکومت تھی۔ہلاکوخان ہمیشہ سلطان بلبن کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا مگر اس کو کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ ہندوستان پر حملہ کرے۔بعض مغل سردار ہندوستان پر حملہ آور ہوئے مگر ہندوستان کے غلام بادشاہوں کا یہ کارنامہ بہت عظیم الشان ہے کہ انہوں نے ہر مرتبہ مغلوں کی شکست دے کر بھگا دیا اور بعد میں یہاں تک بھی نوبت پہنچی کہ مغل دارالسلطنت تک پہنچ گئے مگر ہندوستان میں ان کے قدم ہرگز نہ جم سکے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام عالم اسلام میں بدامنی اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ مغلوں کے خروج اور تاخت وتاراج کے زمانے میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا' جہاں ایک زبردست سلطنت قائم تھی اور جو مغلوں کی دست برد سے قریباً محفوظ و مامون رہی۔

ہلاکوخان کے وزیر اور مصاحبوں میں خواجہ نصیر الدین طوسی بہت مشہور شخص ہے۔نصیر الدین طوسی علم ہیئت کا زبردست عالم تھا۔اسماعیلیوں' باطنیوں کا تربیت کردہ تھا۔اس کی ایک مشہور کتاب

اخلاق ناصری ہے جو اس نے ناصر الدین بادشاہ الموت کے نام پر معنون کی تھی۔ مجسطی بھی اسکی تصنیف ہے جو علم ہیئت کی مشہور کتاب ہے۔

ابا قاخان: جب ہلاکو خان مراغہ میں فوت ہوا تو امیروں نے ایک عظیم الشان مجلس منعقد کر کے ہلاکو خان کے بیٹے ابا قاخان کو تخت سلطنت کے لیے منتخب کیا۔ ابا قاخان نے تخت پر بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ قوبلا خان جو مغلوں کا شہنشاہ ہے، جب تک اجازت نہ دے، میں کیسے تخت نشین ہو سکتا ہوں مگر سرداروں نے اس کے عذر کو قبول نہیں کیا اور اصرار سے اس کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ ابا قاخان ۲/رمضان المبارک سنہ ۶۶۳ھ کو تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہو کر فوج اور امیروں کو انعامات دیئے۔ اپنے بھائی بشموت نامی کو شیروان کی حکومت عطا کی۔ دوسرے بھائی تیشین نامی کو ماژندران وخراسان کا حاکم مقرر کیا۔ توبان بہادر ابن سونجاق کو روم کا حاکم نامزد کیا۔ توران ابن ایلکان جلائر درلکین کو بھی روم ہی کی طرف کا ملک عطا ہوا۔ ارغون آقا کو وزیر مال اور خواجہ شمس الدین جوینی کو وزیر اعظم بنایا اور اپنے بیٹے ارغون خان کی اتالیقی مہرتاق نویں برلاس کو سپرد کی۔

ابا قاخان نے تخت نشین ہونے کے بعد برکہ خان سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری کیا۔ آخر انہیں لڑائیوں کے درمیان برکہ خان نے وفات پائی اور ابا قاخان کے ملک پر ہر طرف سے سرداروں اور رشتہ داروں نے دندان آز تیز کیے۔ براق خان چغتائی نے ملک خراسان پر قبضہ کرنا چاہا، لڑائیاں ہوئیں۔ آخر ابا قاخان نے فتح پائی اور رفتہ رفتہ اس کا اقتدار قائم ہو گیا مگر مصری فوج کے مقابلہ پر جب بھی ملک شام میں فوج بھیجی، مغلوں کی فوج نے ہمیشہ شکست کھائی۔ عجیب اتفاق ہے کہ مصر اور ہندوستان دونوں ملک اپنی آب وہوا اور باشندوں کے اعتبار سے بہادری میں کوئی بڑا مرتبہ نہ رکھتے تھے اور دونوں ملکوں میں غلاموں کی حکومت تھی لیکن مغلوں نے جنگجو قوموں کے مقابلے میں تو فتوحات حاصل کیں مگر مصر وہندوستان میں ان کو ہمیشہ رذیل ہو کر شکست ہی کھانی پڑی۔

ابا قاخان کی موت: ابا قاخان نے سنہ ۶۸۰ھ میں وفات پائی، ۱۷ سال حکومت کی۔ ابا قاخان شیخ سعدی شیرازی اور مولانا جلال الدین رومی کا بہت معتقد تھا اور ان ہر دو بزرگوں کی خدمت میں خود حاضر ہو کر ان سے ملاقات کرتا تھا۔ ابا قاخان کے بعد اس کا بیٹا نکودار اغلن تخت نشین ہوا۔

نکودار اغلن موسوم بہ احمد خان: نکودار اغلن زمانہ شہزادگی میں دولت اسلام سے مالا مال ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی لقب احمد خان رکھا اور شیخ کمال الدین عبدالرحمن الرافعی کو وزارت کا عہدہ عطا کیا۔ سلطان احمد خان نے مسلمانوں کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ ان کو بڑے بڑے عہدے عطا کیے۔ مغلوں کی کفریہ رسموں کو مٹایا اور آئین اسلام کو ترویج دینے کی کوشش کی۔

سلطان احمد خان کی وجہ سے بعض دوسرے مغول بھی اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ مغل سرداروں بالخصوص سلطان احمد خان کے بھائی ارغون خان نے جب دیکھا کہ سلطان احمد خان کی وجہ سے مغلوں کی عزت وسیادت کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے تو انہوں نے بغاوت کی سازش شروع کی۔

تکودار اغلن کی شہادت : ارغون خان ابن اباقا خان نے رفتہ رفتہ فوج کے تمام سرداروں کو اپنی سازش میں شریک کر کے بغاوت کا اعلان کیا۔ تمام فوج ارغون خان سے جا ملی اور سلطان احمد خان تین سال کی حکومت کے بعد گرفتار ہو کر شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ واقعہ سنہ ۶۸۳ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

ارغون خان : ارغون خان نے تخت نشین ہو کر سعد اللہ نامی ایک یہودی کو اپنا وزیر اعظم بنایا اور اس وزیر کے مشورے سے ہر شہر میں مسلمان علماء کے قتل کا حکم جاری کیا۔ اس طرح ہزار ہا علمائے اسلام قتل ہوئے۔ ارغون خان ایک ہندو جوگی کا بہت معتقد تھا۔ اسی ہندو جوگی نے ارغون کو ایک دوا کھلائی کہ اس کی تاثیر سے عمر بڑھ جائے گی مگر اس دوا کا یہ اثر ہوا کہ قسم قسم کے امراض پیدا ہونے لگے۔ آخر سنہ ۶۹۰ھ میں ارغون خان نے وفات پائی۔

کیخاتو خان ابن اباقا خان : ارغون خان کے بعد اس کا بھائی کیخاتو خان تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت کا قابل تذکرہ اور مشہور واقعہ یہ ہے کہ اس نے سنہ ۶۹۳ھ میں نوٹ ایجاد کیا۔ جس کو مغل لوگ یوت کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ وہ ایک کاغذ ہوتا تھا۔ جس کے دونوں طرف کلمہ طیبہ لکھا ہوتا تھا۔ کلمہ کے نیچے بادشاہ کا نام اور نوٹ کی قیمت درج ہوتی تھی۔ اس طرح کاغذ کا سکہ جاری ہونے سے تمام ملک میں شور فغاں برپا ہو گیا اور تجارت پر برا اثر پڑا۔ لوگ حیرت کے ساتھ اس کاغذ کو دیکھتے اور کہتے تھے کہ ہم بجائے روپیہ یا اشرفی کے اس کو کس طرح قبول کریں۔ جب اس ایجاد میں کیخاتو خان کو ناکامی ہوئی تو اس نے مجبوراً اس کے رواج کو روک دیا۔

کیخاتو خان کی شہادت: سنہ ۶۹۴ھ میں امراء مغل نے اسلام کے جرم میں اس بادشاہ کو بھی شہید کر دیا۔

بایدو خان ابن طراقائی ابن ہلاکو خان : کیخاتو خان کے بعد اس کا چچازاد بھائی بایدو خان تخت نشین ہوا۔ سنہ ۶۹۶ھ میں ارغون آقا ویرات جو قریباً تیس سال شاہان مغلیہ کی طرف سے خراسان وغیرہ علاقوں پر حکومت کرتا رہا تھا' فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا امیر نوروز بیگ شہزادہ غازان خان ابن ارغون خان ابن اباقا خان کے پاس چلا گیا اور اسی کی مصاحبت میں داخل ہو کر غازان خان کو اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دی۔ غازان خان ان ایام میں خراسان کا حاکم تھا۔ بایدو خان اور غازان خان

میں اس لیے ملال ومخالفت پیدا ہوئی کہ غازان خان اپنے آپ کو زیادہ مستحق سلطنت سمجھتا تھا۔ غازان خان نے امیر نوروز بیگ کی رہبری وترغیب سے شیخ صدرالدین حمودی کو بلا کران کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کیا اور اسلامی نام محمود خان رکھا۔ غازان خان کے اسلام قبول کرتے ہی بہت سے مغل سرداروں نے دین اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد بایدو خان اور سلطان محمود خان (غازان خان) کے درمیان ناچاقی بڑھتی گئی اور نوبت محاربہ ومقاتلہ تک پہنچی۔

بایدو خان کا قتل : سلطان محمود خان نے فتح حاصل کر کے بایدخان کو قتل کرا دیا اور خود ذوالحجہ سنہ ۶۹۴ھ میں تخت نشین ہوا۔

سلطان محمود غازان خان ابن ارغون خان اباقا خان : سلطان محمود خان نے تخت نشین ہو کر امیر نوروز بیگ اویرت کو اپنا وزیر وسپہ سالار بنایا اور سکوں پر کلمہ طیبہ نقش کرایا۔ اسی طرح مہر اور فرامین کی پیشانیوں پر اللہ اعلیٰ لکھنے کا حکم دیا۔ نوروز بیگ کو چند روز کے بعد خراسان کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔ ایستیمور وارسلان دو مغل سرداروں نے آپس میں عہد کیا کہ ہم میں سے ایک شخص سلطان محمود خان کو اور دوسرا امیر نوروز بیگ کو ایک ہی تاریخ میں قتل کرے۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنے ارادے کو قوت سے فعل میں لانے کی کوشش کی۔ مگر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ وہ اپنے ارادے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے اور عین وقت پر دونوں سلطان محمود خان اور امیر نوروز بیگ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اس کے بعض امراء وزراء نے امیر نوروز بیگ کے متعلق بدگوئی اور چغل خوری سے کام لے کر بادشاہ کو بدگمان کر دیا اور ظاہر کیا کہ امیر نوروز بیگ خراسان میں بغاوت وخودمختاری کے اعلان کا عزم رکھتا ہے۔ ان پیہم سازشی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمود غازان خان امیر نوروز سے بدگمان ہو کر اس کے استیصال کے درپے ہوا اور یہ امیر بزرگ معہ خاندان ہلاک وبرباد ہوا۔ اسی طرح خواہ صدرالدین وزیر بھی امراء کو کوشش سے مقتول ہوا اور اس کی جگہ خواجہ رشید الدین مصنف جامع رشیدی کو قلمدان وزارت عطا ہوا۔ یہ واقعہ سنہ ۶۹۹ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

اس کے بعد سلطان محمود غازان خان نے سلطان مصر کو لکھا کہ میرے بزرگوں نے ملک شام کو فتح کیا تھا اور شام کا ملک ہمارا موروثی مقبوضہ ہے۔ مصری فوجوں نے اس ملک پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے' میرے بزرگ چونکہ کافر تھے اور دین اسلام سے واقف نہ تھے' لہذا تمہاری مخالفت جو میرے بزرگوں نے تم سے کی' قابل معافی ہے۔ میں الحمدللہ مسلمان ہوں اور تم کو مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنا بھائی سمجھتا ہوں لہذا اب تمہارا فرض ہے کہ شام کا علاقہ میرے لیے خالی کر دو اور میری شہنشاہی وسرداری تسلیم کرو۔ مصر سے اس پیغام کا جواب نامناسب وصول ہوا۔ اس خط وکتابت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصریوں نے

جو پہلے سے مغلوں پر چیرہ دست تھے' اپنی حدود سے نکل کر محمود غازان خان کے مقبوضہ علاقہ پر حملہ کیا اور ساتھ ہی اس مصری فوج نے مسجدوں کی بے حرمتی اور مسلمانوں کے قتل عام سے بھی کوئی دریغ نہ کیا۔ یہ سن کر سنہ ۶۹۹ھ میں سلطان محمود غازان خان نے نوے ہزار مغلوں کی فوج لے کر ملک شام پر حملہ کیا۔ سلطان مصر بھی فوج لے کر مقابلہ پر آیا۔ حمص کے قریب معرکہ کارزار گرم ہوا۔ سلطان محمود غازان خان نے مصریوں کو شکست دے کر بھگا دیا اور دمشق و شام پر قابض و متصرف ہو کر شام کے بڑے بڑے شہروں میں ایک ایک امیر بطور نائب السلطنت مقرر کیا اور خود واپس چلا آیا۔ سلطان مصر ناصر نے فوج لے کر دوبارہ ملک شام پر فوج کشی کی۔ شام کے مغل سرداروں نے خوب جم کر مقابلہ کیا مگر شکست یاب ہوئے اور امیر تیتاق میدان جنگ میں شجاعت و بہادری کی داد دیتا ہوا گرفتار ہوا۔ یہ سن کر سلطان غازان خان نے پھر ملک شام پر حملہ کا قصد کیا لیکن انہیں ایام میں خبر پہنچی کہ جوجی خان کی اولاد جو قبچاق کی طرف برسر حکومت ہے' دعویٰ کرتی ہے کہ ہلاکو خان اور اس کی اولاد کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ایران و خراسان وغیرہ پر خودمختارانہ حکومت کرے۔ یہ حق ہمارا ہے اور ہم غازان خان کو ملک سے بے دخل کر دیں گے۔ اس کے بعد آپس کی مخالفتوں نے غازان خان کو شام کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ نہ دیا۔

سلطان محمود غازان کی وفات: یہاں تک کہ نواح قزوین میں بتاریخ ۱۵/ شوال بروز یک شنبہ سنہ ۷۰۳ھ کو سلطان محمود غازان خان نے وفات پائی۔ اس سلطان کے عہد میں اسلام نے مغلوں کے اندر خوب رواج پایا اور مسلمانوں کو اس بادشاہ عالی جاہ سے بہت فائدہ پہنچایا۔ مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ میرے بعد میرا بھائی اولجائتو معروف بہ سلطان محمد خدابندہ تخت نشین ہوا۔

سلطان محمد خدابندہ اولجائتو اوغون خان ابن اباقا خان: سلطان محمود خان کی وفات پر امیر مرقداق نے جو الجائتو سے ناخوش تھا' ایک دوسرے شہزادے الافرنگ کو تخت نشین کرنا چاہا۔ یہ حال جب امیر اسماعیل ترخان کو معلوم ہوا تو اس نے الجائتو کو اطلاع کی۔ اس نے فوراً الافرنگ اور مرقداق کو گرفتار کر کے قتل کیا اور ماہ ذوالحجہ سنہ ۷۰۳ھ میں تخت نشین ہوا اور اپنا لقب سلطان محمد خدابندہ رکھا۔ بڑے بڑے امراء مثلاً امیر قتلق شاہ' امیر چوپان سلدوز' امیر فولاذ' امیر حسین بیگ' امیر سونج' امیر مولائی' امیر سلطان' امیر رمضان' امیر الغو نے تخت نشینی کے وقت نذریں دکھلائیں۔ سلطان محمد خدابندہ نے تخت نشین ہوتے ہی حکم دیا کہ شریعت اسلام کی پابندی کا تمام ملک میں خاص طور پر لحاظ رکھا جائے اور خلاف شرع تمام مراسم کو مٹا دیا جائے۔ سلطان محمد خدابندہ کی حکومت و سلطنت کو بہت جلد قبولیت عامہ حاصل ہو گئی اور روس' خوارزم' بلغاریہ' روم اور شام سے لے کر قراقورم' سندھ اور عراق تک تمام ممالک میں اس کی شہنشاہی تسلیم کی گئی۔ سلطان محمد خدابندہ کے عہد حکومت میں سلطنت مغلیہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی

اوراس کی سلطنت وحکومت سے مخالفت وانحراف کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

سلطان محمد خدا بندہ کی وفات: آخر تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد بعمر ۳۶ سال شب عیدالفطر سنہ۔۷۱۶ھ کو اس نیک دل اور اللہ والے سلطان نے وفات پائی۔اس نے خود ایک شہر سلطانیہ کے نام سے آباد کر کے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔مرنے کے بعد اسی شہر میں مدفون ہوا۔اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابوسعید بہادر خان تخت نشین ہوا۔

سلطان ابوسعید بہادر خان ابن سلطان محمد خدا بندہ: تخت نشینی کے وقت سلطان ابوسعید کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔امراء مغل میں نااتفاقی پیدا ہوئی مگر پھر نفاق وشقاق کے نتائج پر غور کر کے متفق ومتحد ہو گئے۔سلطان ابوسعید بہادر خان نے امیر چوپان کو مدارالمہام سلطنت بنا کر اس کی عزت ومرتبہ کو بہت ترقی دی۔امیر چوپان کے بیٹے امیر حسن جلائر کی شادی بغداد خاتون سے ہوئی۔سلطان ابوسعید اس عورت پر عاشق ہو گیا۔سلطان نے چاہا کہ امیر حسن بغداد خاتون کو طلاق دے دے کر مگر امیر چوپان نے اس کو گوارا نہ کیا۔آخر اس معاملے نے یہاں تک طول کھینچا کہ امیر چوپان نے بغاوت اختیار کر کے ملک خراسان پر قبضہ کر لینا چاہا۔ہرات پر چغتائی خاندان کے لوگوں کی حکومت تھی جو ہلاکو خان کے خاندان سے کدورت رکھتے اور بظاہر مطیع ومنقاد تھے۔ان چغتائی سرداروں میں ایک شخص ترمہ شرین خان تھا۔اس کو امیر چوپان نے اپنی مدد پر آمادہ کر لیا۔سلطان ابوسعید بہادر خان نے لڑائی کا سامان کیا۔مقابلہ ہوا اور متعدد لڑائیوں کے بعد امیر چوپان گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔اس کے بیٹے امیر حسن جلائر نے بغداد خاتون کو طلاق دے کر سلطان ابوسعید کو اس سے نکاح کر لینے کا موقعہ دیا۔سنہ۔۷۳۵ھ میں اوزبک خان بادشاہ دشت وقبچاق نے لشکر عظیم کے ساتھ ایران پر چڑھائی کی۔

سلطان ابوسعید کی وفات: ادھر سے سلطان ابوسعید بھی فوج لے کر متوجہ ہوا۔مقام شیروان میں پہنچ کر سلطان آب وہوا کی ناموافقت کے سبب بیمار ہو گیا۔اسی بیماری کے ارتداد واشتداد سے ۱۳/ ربیع الآخر سنہ۔۷۳۶ھ میں فوت ہوا۔چونکہ سلطان ابوسعید لاولد فوت ہوا لہٰذا اس کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ میں طائف الملوکی اور پریشانی رونما ہوئی۔

ارپا خان از اولاد ارتق بقا ابن تولی خان: سلطان ابوسعید کی وفات کے بعد بعض امراء کے اتفاق سے ارپا خان تخت نشین ہوا۔اس نے تخت نشین ہو کر کہا کہ مجھ کو آرائش اور ناز ونعم کی مطلق ضرورت نہیں۔میں کمر زریں کے بجائے تسمہ اور تاج مرصع کی بجائی کلاہ نمد کو کافی سمجھتا ہوں۔چونکہ ازبک خان کی فوجوں سے مقابلہ درپیش تھا لہٰذا ارپا خان نے مقابلہ کی تیاری میں ہمت صرف کی اور جابجا حملہ آوروں کی روک تھام کے واسطے فوجیں تعینات کیں۔اسی اثناء میں اوزبک خان کے پاس خبر

پہنچی کہ دشت قپچاق میں بغاوت وفتنہ پیدا ہونے والا ہے۔ وہ اسی وحشت ناک خبر کو سنتے ہی اس طرح روانہ ہوا۔ ادھر امیر علی نے اس کے خلاف خروج کیا۔ اس خروج میں امیر علی کو اس لیے اور بھی کامیابی ہوئی کہ ارپا خان نے اولاد ہلاکو خان کو جہاں کہیں پایا قتل کیا اور اس خاندان کے استیصال سے اکثر امراء کو بددل بنا دیا۔

ارپا خان کا قتل: آخر سنہ ۷۳۶ھ کے ماہ رمضان میں بمقام مراغہ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں ارپا خان گرفتار ومقتول ہوا۔ امیر علی نے فتح یاب ہو کر موسیٰ خان ابن بایدو خان ابن طرقائی ابن ہلاکو خان کو تخت پر بٹھایا۔

موسیٰ خان ابن بایدو خان: موسیٰ خان کے تخت نشین ہونے پر امیر علی اویران اور دوسرے امراء اویرات کے اقتدار نے خوب ترقی کی۔ امیر حسن جلائر جو ملک روم میں برسر حکومت تھا' اس نے موسیٰ خان پر چڑھائی کر کے میدان جنگ سے اس کو بھگا دیا اور امیر علی کو قتل کر دیا۔ موسیٰ خان شکست خوردہ بھاگ کر ضلع ہزارہ میں آیا اور یہاں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ موسیٰ خان کے بعد سلطان محمد خان ابن قتلق خان ابن تیمور ابن انبارجی ابن منکو تیمور ابن ہلاکو خان تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت بھی موسیٰ خان کی طرح بہت کمزور تھی۔ اس کے بعد برائے نام چند اور افراد اور ہلاکو خان کی نسل سے تخت نشین ہوئے اور سنہ ۷۴۴ھ تک ہلاکو خان کی اولاد کا نام ونشان گم گیا اور ہلاکو خان کے مفتوحہ ممالک میں بہت سی خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔

اولاد جوجی خان ابن چنگیز خاں: چنگیز خان کے بیٹوں میں جوجی خان سب سے بڑا بیٹا تھا۔ جوجی خان نے فتح خوارزم کے بعد دشت قپچاق کو فتح کر کے وہیں سکونت اختیار کی تھی۔ جوجی خان کے ساتھ چنگیز خاں کے باقی بیٹوں کو محبت وانسیت نہ تھی اور وہ باقی بھائیوں سے کچھ الگ ہی الگ رہتا تھا۔ اس مناسبت سے اس کا ملک بھی الگ اور ایک طرف ہی تھا۔ جوجی خان کی اولاد میں جو لوگ ہوئے، ان میں اکثر قوم اوزبک کے نام سے پکارے گئے۔ جوجی خان چنگیز کے سامنے ہی فوت ہو گیا تھا۔ لہٰذا چنگیز خاں نے جوجی خان کا ملک اس کے بیٹے باتو خان کو دے دیا تھا۔ جوجی خان کے سات بیٹے تھے۔ باتو خان سب سے بڑا بیٹا تھا۔

باتو خان ابن جوجی خان: باتو خان نے دشت قپچاق سے جب ممالک خزر' روس' چرکس اور فرنگ وغیرہ کی طرف فوج کشی کی تو اوکتائی خان ابن چنگیز خاں نے اپنے بیٹے کیوک خان اور تولی خان کے بیٹے منکو خان اور چغتائی خان کے ایک بیٹے کو مامور کیا کہ یہ لوگ باتو خان کے ساتھ رہ کر فتح ممالک میں اس کی امداد کریں۔ باتو خان نے روس کا تمام ملک فتح کر کے ماسکو پر حملہ کیا۔ اس کو فتح کرنے کے

بعد پولینڈ کو اپنے قبضہ وتصرف میں لایا۔ یہ حالات سن کر تمام یورپ کے سلاطین ایک دوسرے کی اعانت پر آمادہ ہو کر ایک میدان میں اپنی فوجوں کو جمع کر کے مقابلہ پر آئے۔ باتو خان کی فوج میں بہت سے مسلمان بھی شامل تھے۔ جب باتو خان کو یہ معلوم ہوا کہ فوج مغلیہ سے کئی گناہ زیادہ عیسائیوں کی فوجیں جمع ہوگئی ہیں تو اس نے حکم دیا کہ ہماری فوج کے تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر دعا مانگیں۔ اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی۔ اس لڑائی میں عیسائیوں کو شکست فاش حاصل ہوئی اور باتو خان نے تمام ملک ہنگری پر قبضہ کرلیا۔ باتو خان نے یورپ میں ایک شہر آباد کیا' جس کا نام سرائے تھا۔ باتو کان کا تمام زمانہ ملک فرنگ کی فتوحات وانتظامات میں بسر ہوگیا اور سنہ ۶۵۴ھ میں فوت ہوا۔

برکہ خان ابن جوجی خان: باتو خان کی وفات کے بعد اس کا بھائی برکہ خان تخت نشین ہوا۔ باتو خان تو مثل چنگیز خاں کے نام کا مسلمان تھا لیکن برکہ خان نے دین اسلام قبول کرلیا تھا۔ برکہ خان کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو مغلوں کی زیادتی سے ہر قسم کا امن حاصل ہوا۔ برکہ خان کے ایک رشتہ دار کو ہلاکو خان نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس لیے برکہ خان نے ناراض ہو کر بوقا خان کو تیس ہزار سوار دے کر ہلاکو خان کے ملک پر حملہ کرنے کو بھیجا۔ ہلاکو خان نے بھی مقابلہ پر ایک سردار کو روانہ کیا لیکن ہلاکو خان کو شکست ہوئی۔ سنہ ۶۵۴ھ میں ہلاکو خان خود فوج لے کر برکہ خان کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ ابا قاخان کو فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ اول ہلاکو خان کی فوج کو شکست ہوئی لیکن پھر برکہ خان کا لشکر منہزم ہوا۔

برکہ خان کے بعد جوجی خان کی اولاد میں ۳۲ شخص تخت نشین ہوئے۔ برکہ خان کے بعد اس کا بیٹا منکور تیمور خان تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد تو قائی خان تخت نشین ہوا۔ سنہ ۷۰۳ھ میں تو قائی خان اور تو قائی خان کے درمیان سخت جنگ واقع ہوئی۔ تو قائی خان نے فتح مند ہو کر اطمینان سے حکمرانی وفرمانروائی شروع کی اور غازان خان کو لکھا کہ ہلاکو خان اور اس کی اولاد نے غاصبانہ طور پر آذر بائیجان کو اپنی حدود حکومت میں شامل کرلیا ہے۔ حالانکہ آذر بائیجان کا ملک تقسیم چنگیزی کے موافق جوجی خان کی اولاد کا حق ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ آذر بائیجان کا ملک ہمارے سپرد کردیں۔ ورنہ پھر آپ کو معلوم ہے کہ ہم بزور شمشیر اس پر قبضہ کر لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ غازان خان نے اس کا جواب نفی میں دیا اور مقابلہ پر آمادگی ظاہر کی مگر پھر جنگ وجدل تک نوبت نہیں پہنچی اور شروع ہونے والی جنگ رفت وگذشت ہوگئی اور تو قائی خان نے مل کر آذر بائیجان کا خیال چھوڑ دیا۔

قائی خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا طغرل خان تخت نشین ہوا۔ طغرل خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اوزبک خان تخت نشین ہوا۔ اوزبک خان بہت نامور شخص ہوا ہے۔ اس کی حکومت جوجی خان کی اولاد کے ساتوں قبیلوں پر تھی۔ اسی کے نام پر قوم اوزبک موسوم ہوئی۔ اوزبک خان کی اولاد

بہت تھی اور وہ سب قوم اوزبک کے نام سے موسوم ہوئی۔ سنہ ۷۱۸ھ میں اوزبک نے سلطان ابوسعید بہادر خان بادشاہ ایران پر فوج کشی کی۔ ادھر سلطان ابوسعید بہادر خان بھی مقابلہ پر مستعد ہوا مگر اوزبک خان لوٹ مار کر کے فوراً واپس چلا گیا۔ سنہ ۷۳۵ھ میں اوزبک خان نے دوبارہ ایران پر فوج کشی کی۔ سلطان ابوسعید خان یہ خبر سن کر مقابلہ پر گیا۔ اسی سفر میں سلطان ابوسعید بہادر خان کا انتقال ہوا اور ارپا خان اس کی جگہ تخت نشین ہو کر مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ اس کے بعد اوزبک خان واپس ہوا اور عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔

اس کے بعد جانی بیگ خان اوزبک تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں جوجی خان کی اولاد یعنی ازبک قبیلہ کے متعدد اشخاص نے الگ الگ حکومتیں قائم کیں۔ جانی بیگ خاں کے بعد اس کا بیٹا بیردی بیگ خان تخت نشین ہوا۔ سنہ ۸۰۹ھ میں تبریز میں ایک بادشاہ شادی خان ازبک برسر حکومت تھا۔ اسی طرح ارس خان ازبک تیمور صاحبقران کے زمانے میں موجود تھا۔ ارس خان ازبک کا بیٹا تیمور ملک خان ازبک تھا۔ اس کا جانشین توقتمش خان ازبک تھا جس کی دشت قپچاق پر حکومت تھی اور جس نے امیر تیمور صاحب قران سے جنگ کر کے شکست کھائی تھی۔ فولاد خان ازبک سنہ ۸۱۵ھ میں ترکستان پر قابض وحاکم تھا۔ سلطان سعید مرزا شاہ رخ نے اس کے خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی۔ فولاد خان کے بعد محمد خان ازبک تخت نشین ہوا۔ براق خان ازبک جو ارس خان کی اولاد سے تھا' مرزا الغ بیگ تیموری سے مدد لے کر محمد خان ازبک پر حملہ آور ہوا اور سنہ ۸۲۸ھ میں فتح یاب ہو کر ترکستان پر قابض اور تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد الغ بیگ خان تیموری اور براق خان کے درمیان ناچاقی ہوئی اور نوبت محاربہ وقتال تک پہنچی۔ اتفاق سے الغ بیگ کی فرستادہ فوج نے شکست کھائی۔ اس شکست کا حال سن کر سلطان سعید مرزا شاہ رخ نے خود فوج کشی کی اور الغ بیگ کو مورد عتاب بنایا۔ مرزا شاہ رخ کی فوج کشی کا حال سن کر براق خان سمرقند سے واپس چلا گیا اور مقابلہ میں مصلحت نہ سمجھی لیکن سنہ ۸۳۲ھ میں سلطان محمود خان اور براق خان مقتول ہوا اور سلطنت ازبکیہ کا خاتمہ ہوا۔ چند روز تک پریشان ومنتشر رہے۔

اس کے بعد سنہ ۸۵۵ھ میں سلطان ابوالخیر خان اور بداق خان ازبک نے سمرقند پر قبضہ کر کے اپنی حکومت وسلطنت قائم کی۔ ابوالخیر خان کا بیٹا بداق خان اور ابرق خان کا بیٹا سلطان ابوالفتح محمد خان تھا، جو ظہیر الدین بابر کا ہمعصر تھا۔ اسی سلطان ابوالفتح محمد خان اوزبک کو شیبانی خان ازبک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ اسماعیل صفوی کے مقابلہ میں مقتول ہوا۔ بڑا صاحب داعیہ اور بہادر شخص تھا۔ اسی نے بابر کو ترکستان وفرغانہ سے بے دخل کر کے بھگا دیا تھا۔ اسی کے کاسہ سر کی ہڈی پر سونے کی پتر چڑھوا کر اسماعیل صفوی نے شراب خوری کا پیالہ بنوایا تھا۔ اس کو شیبانی خان اس لیے کہتے تھے کہ اس کے اجداد میں کسی شخص کا نام شیبانی خان تھا۔ سلطان ابوالفتح محمد خان ازبک سنہ ۹۱۷ھ میں مقتول ہوا۔

اس کے بعد اس کے بیٹے تیمور سلطان کو ازبکوں نے اپنا بادشاہ بنایا۔ سنہ ۹۳۵ھ میں ازبکوں نے طہماسپ صفوی پر ایک سخت حملہ کر کے اس کو شکست دی تھی مگر بعد شکست دینے کے وہ لوٹ مار میں مصروف ہو گئے اور طہماسپ نے موقعہ پا کر بے خبری میں حملہ کر کے ازبکوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا۔

جانی بیگ خان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ جانی بیگ خان کا بیٹا اسکندر خان تھا۔ اسکندر خان کا بیٹا عبداللہ خان تھا۔ عبداللہ خان ازبک نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ عبداللہ خان ازبک ہندوستان کے بادشاہ اکبر کا معاصر تھا۔ اکبر کے ساتھ اس کی اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ عبداللہ خان نے سنہ ۱۰۰۶ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالمومن خان تخت نشین ہوا مگر چند روز کے بعد اپنے چچا رستم سلطان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد سلطنت ازبکیہ کے ٹکڑے ہو گئے۔ عبداللہ خان کے خواہر زادہ ولی محمد خان نے عبدالمومن خان کے بعد ترکستان پر قبضہ کر کے امام قلی خان کو ماوراء النہر کی حکومت سپرد کی اور اپنے خواہر زادہ نذر محمد خان کو بدخشاں وغیرہ کا علاقہ سپرد کیا۔ ولی محمد خان کو چند روز کے بعد نذر محمد خان نے بے دخل کر دیا۔ اس نے ایران میں جا کر شاہ عباس کے یہاں پناہ لی۔ اسی طرح ازبکوں کی ایک سلطنت خوارزم میں بھی قائم تھی مگر وہ کچھ زیادہ قابل طاقتور اور قابل تذکرہ نہیں ہوئے۔ جوجی خان ابن چنگیز خاں کی اولاد کے حالات مورخین نے مسلسل نہیں لکھے۔ اس جگہ ازبکوں کے ضروری اشخاص کا تذکرہ آ چکا ہے اور آئندہ ان کے ہم عصر سلاطین کے حالات میں جب ان لوگوں کے نام آئیں گے تو سمجھنے میں بہت آسانی ہو گی۔ اسی لیے اس سلسلہ کو دور تک پہنچا دیا۔ جوجی خان کی اولاد میں علاقہ قبیلہ ازبک کے ایک اور قبیلہ قوم قزاق کے نام سے مشہور تھا۔ قبیلہ قزاق کے بعض اشخاص نے دشت قبچاق یا اس کے بعض حصوں پر حکومت کی۔ چنانچہ اسی قبیلہ کے ایک بادشاہ قائم سلطان قزاق کی شیبانی خان یعنی سلطان محمد خان ازبک سے لڑائیاں ہوئی تھیں۔ اب ہم کو چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی خان کی اولاد کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

اولاد چغتائی خان ابن چنگیز خان: چنگیز خاں نے ترکستان، خراسان، بلخ، غزنین، تا حدود دریائے سندھ کا تمام علاقہ اپنے بیٹے چغتائی خان کو دیا تھا اور امیر قراچار برلاس کو امیر الامراء بنا کر اس کے ساتھ کیا تھا۔ چنگیز خان کی وفات کے بعد چغتائی خان اپنے بیٹے اوکتائی خان کی اطاعت و فرمانبرداری کا ہمیشہ اقرار کرتا رہا۔ چغتائی خان بہت عقلمند اور بہادر شخص تھا۔ سنہ ۶۴۰ھ میں فوت ہوا۔ چغتائی خان کی وفات کے بعد امیر الامراء قراچار نے چغتائی خان کے پوتے قرابلاکو خان کو تخت نشین کیا۔ یہ خبر سن کر کیوک خان ابن اوکتائی خان نے کہا کہ چغتائی خان کا بیٹا میسومنکو خان جب موجود ہے تو

پوتے کو کیوں جانشین بنایا گیا۔ چونکہ قراقورم کا دربار تمام مغلوں پر حکمران تھا۔ لہذا ایکوک خان کے حکم کے موافق قرابلاکو خان کو تخت سے اتار کر میسو منکو خان کو تخت سلطنت پر بٹھایا گیا۔ مگر چندروز کے بعد میسو منکو خان فوت ہو گیا' تو میر قراچار کی تجویز کے موافق قرابلاکو خان دوبارہ تخت نشین ہوا۔ سنہ ۶۵۲ھ میں امیر قراچار بھی فوت ہو گیا۔ اس کے چندروز جب قرابلاکو خان فوت ہوا تو اس کی بیوی ورغنہ خاتون کو مغلوں نے تخت پر بٹھایا۔ اس کے بعد الغوخان کو قبیلہ چغتائیہ کی حکومت سپرد ہوئی مگر ایک سال حکومت کر کے وہ بھی فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ چغتائی قبیلہ چغتائیہ کا سردار قرار پایا۔

قبیلہ چغتائیہ حکومت و سلطنت میں تولی خان کی اولاد کے ساتھ شریک رہا۔ ابتداء ان دونوں قبیلوں میں رقابت بھی رہی۔ تولی خان ابن چنگیز خاں کی اولاد میں ہلاکو خان کی وجہ سے عظمت و شوکت نے بہت ترقی کر لی تھی اور چغتائی خان کی اولاد اس کے مدمقابل نہ رہی تھی۔ چغتائیوں نے ہرات اور اس کے متعلقہ علاقہ پر ہمیشہ اپنا قبضہ جاری رکھا مگر کبھی وہ ہلاکو خان اور اس کی اولاد کی سیادت کو تسلیم کرتے اور اپنے آپ کو ان کا نائب السلطنت کہتے اور کبھی خود مختاری کا اعلان کرتے تھے۔ ان میں مبارک شاہ کے بعد سلطان غیاث الدین محمد براق خن ابن میسون توان خان ابن مواتو خان مشہور شخص ہوا۔ جس نے اباخان کے ساتھ خراسان میں سخت معرکہ کارزار گرم کیا تھا۔ غیاث الدین محمد براق خان کا بیٹا دواخان اور دواخان کا بیٹا السنبو خان کا بیٹا کیک خان بھی خوب طاقتور اور صاحب داعیہ سلاطین تھے۔ دواخان کے دوسرے بیٹے تیمور خان و ترمہ شرین خان بھی خوب طاقتور اور صاحب داعیہ سلاطین تھے۔ دواخان کے دوسرے بیٹے تیمور خان و ترمہ شیرین مغلن بھی برسر حکومت و اپالت رہے۔ ترمہ شیرین خان نے قندہار پر حملہ کیا اور سنہ ۷۱۶ھ میں امیر حسن سلدوز اور ترمہ شیرین خان کی نواح غزنین میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں ترمہ شیرین خان کو شکست ہوئی۔ ترمہ شیرین خان نے ہندوستان پر بھی ایک حملہ کیا تھا۔ ترمہ شیرین خان کے بعد اس کا بھائی فولاد خان قبائل چغتائیہ کا سلطان ہوا۔ اس نے سنہ ۷۳۵ھ میں وفات پائی۔ فولاد خان کے بعد غازان ابن میسور اغلن بن دواخان تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد دانشمند اغلن اس کے بعد قلی خان ابن سورغدوابن دواخان ابن ابرق خان چغتائی بادشاہ ہوا۔ پھر تو غلوق تیمور خان تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد خضر خواجہ خان تو غلوق تیمور خان تخت نشین ہوا۔ اس کے قبضہ سے خراسان کے تمام علاقے نکل گئے تھے لیکن مغولستان کے اکثر حصے پر اس کا قبضہ تھا۔

اسی کے عہد حکومت میں امیر تیمور صاحب قران نے خراسان میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور خضر خواجہ خان اور تیمور صاحب قرآن کے درمیاب بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر خضر خواجہ امیر تیمور کے مقابلہ سے عاجز ہوا اور اپنی بیٹی تغل خانم کی شادی امیر تیمور کے ساتھ کر کے صلح کی اور رشتہ داری قائم کی۔ امیر تیمور کو اسی شادی کے سبب گورکان کہنے لگے یعنی خاندان چنگیزی کے ساتھ امیر تیمور کو رشتہ

دامادی حاصل ہوا۔ مغلوں کی زبان میں داماد کو گورکان کہتے تھے۔ خضر خواجہ خان کے بعد اس کا بیٹا محمد خان مغولستان کا بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی جہاں اغلن ابن خضر خواجہ خان تخت نشین ہوا۔ جہاں اغلن کے بعد شیر محمد خان ابن خضر خواجہ خان بادشاہ ہوا۔ شیر محمد خان بادشاہ مغولستان اور الغ بیگ تیموری بادشاہ خراسان و ماوراء النہر کے درمیان سخت جنگ واقع ہوئی۔ جس میں شیر محمد خان کو شکست ہوئی۔ شیر محمد خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یونس خان ابن اویس خان تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ یونس خان کے بعد اس کے بیٹے محمود خان واحمد اولجہ خان حاکم مغولستان ہوئے۔ ان دونوں بھائیوں سے ظہیر الدین محمد بابر سے شیبانی خان ازبک کے مقابلہ میں مدد طلب کی۔ انہوں نے بابر کی مدد کی اور میدان جنگ میں لڑے ہوئے دونوں بھائی اسیر ہو گئے۔ جب شیبانی خان کے سامنے پیش کی گئے تو اس نے ان دونوں کو رہا کر دیا لیکن یہ دونوں فرط غیرت سے آزاد ہوتے ہی خودکشی کر کے مر گئے اور چغتائی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

ان کے بعد بھی منصور خان ابن سلطان احمد اولجہ خان برائے نام مغولستان کا بادشاہ ہوا مگر حقیقتاً مغولستان پر شیبان خان کی حکومت تھی۔ یہاں تک چنگیز خانی مغلوں کی حکومت و سلطنت کے مختصر حالات بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد تیموری مغلوں کے کارنامے بیان ہوں گے۔ مغلوں کی حکومت و سلطنت کے دو حصے یا دو طبقے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ ایک مغولان چنگیزی' دوسرے مغولان تیموری۔ ہم اس وقت مغولان چنگیزی کا حال بیان کر چکے ہیں۔ مغولان تیموری کا حال بیان کرنے سے پہلے چند اور ضروری حالات کا بیان کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ سلسلہ تاریخ اسلام میں ہم بہت دور آگے نہ نکل جائیں۔ حالات مذکورہ کے ذہن نشین کرنے اور آئندہ حالات کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خاندان چنگیزی کا شجرہ نسب اس جگہ درج کر دیا جائے۔ اوپر جو شجرہ درج ہو چکا ہے' اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ چنگیز خاں اور امیر تیمور کتنی پشتوں کے بعد اوپر جا کر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ اب چنگیز خاں کی اولاد کس طرح متفرع ہوئی۔ اگلے صفحہ سے ہویدا ہوگا۔

شجرہ نسب

شجرہ نسب جوجی خان ابن چنگیز خاں (قوم ازبک)

شجرہ نسب چغتائی خان ابن چنگیز خاں

شجرہ نسب تولی خان ابن چنگیز خاں

مغولان چنگیزی پر ایک نظر: دنیائے اسلام کا نہایت عظیم الشان اور مشہور حادثہ بغداد کی تباہی

ہے' جو ہلاکو خان کے ہاتھ ہوئی لیکن ہلاکو خان کا دادا چنگیز خاں اس سے پہلے عالم اسلام بالخصوص ایران و خراسان میں مسلمانوں کے خون کی ندیں بہا چکا تھا۔ چنگیز خاں اور ہلاکو خان کے قتل و غارت نے مغولان چنگیزی کو عام طور پر مسلمانوں کی نگاہ میں مبغوض وملعون بنا رکھا ہے۔ مسلمانوں کا غصہ کچھ بے جا نہیں لیکن اگر پہلے زمانے کے مسلمانوں کو غور تامل کا موقعہ نہیں ملا تو آج ہم کو یہ موقعہ خوب حاصل ہے۔ اس وقت تک جس قدر حالات کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ان سے ظاہر ہے کہ حکومت اسلامیہ میں وراثت اور حقوق خاندانی کے دخل پا جانے کی لعنت نے مسلمانوں کی حکومت وسلطنت کے تخت پر ایسے نالائقوں اور بدتمیزوں کو متمکن کر دیا تھا جو کسی طرح بھی مسلمانوں کی سلطنت کو سنبھالنے اور حکومت اسلامیہ کے وقار کو قائم رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ان نالائقوں کی رہبری وسروری نے مسلمانوں کی قوم میں انواع واقسام کے اخلاق امراض اور بداعمالیاں پیدا کر دیں۔ان بداعمالیوں میں اضافہ تو ہوتا رہا لیکن ان کے علاج اور اصلاح کے لیے بااثر کوشش ممکن نہ تھی۔

چھٹی ہجری کے خاتمہ پر سلطنت اسلامی بالخصوص خلافت بغداد کی حالت یقیناً ناقابل اصلاح ہو چکی تھی اور دیلمی' سلجوقی وغیرہ سلاطین باوجود شوکت وعظمت وطاقت کے یہ جرأت نہ کر سکے تھے کہ خاندان خلافت کا قصہ پاک کر سکیں۔ مسلمانوں میں عام طور پر یہ بدعقیدگی راسخ اور جزو مذہب بن چکی تھی کہ خاندان عباسیہ کے سوا کوئی اور شخص مسلمانوں کا خلیفہ اور شہنشاہ نہیں بن سکتا۔ اس بدعقیدگی نے مسلمانوں کو بڑے بڑے نقصانات پہنچائے تھے اور دیر تک حکومت وسلطنت کے قائم رہنے سے خاندان عباسیہ میں لائق اور قابل حکمراں اشخاص پیدا ہونے بالکل بند ہو چکے تھے۔ اولوالعزمی اور سپاہیانہ خصائل جو مسلمانوں کا خصوصی نشان ہے' بالکل ناپید تھے۔اس خطرناک اور نازک ترین حالت کی اصلاح آخر اللہ تعالیٰ نے خود ہی کی کیونکہ مسلمانوں کی حالت انتہائی پستی کو پہنچ چکی تھی۔ چنگیز خاں اور مغولان چنگیزی ایک ایسے ملک اور ایسی حالت میں رہتے تھے کہ ان کی طرف کسی کی بھی آنکھ نہیں اٹھ سکتی تھی یعنی وہ کسی قطار وشمار میں نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ایسے جاہل اور وحشی لوگوں سے یہ توقع کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وہ متمدن دنیا اور عالم اسلام کے فاتح بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان وحشی مغلوں اور غیر متمدن لوگوں کو اپنی مشیت کے ماتحت ان کے وطن سے باہر نکالا اور ان کا فرمغلوں کو فاجر مسلمانوں کا سزا دہندہ بنایا۔ چنگیز خاں اور ہلاکوں خان کی خون ریزیاں درحقیقت ایک ڈاکٹر جراح کی خون ریزی سے بہت مشابہ تھیں۔ جس طرح ایک ڈاکٹر نشتر سے شگاف دے کر ماؤف مقام سے خون نکالتا اور مواد فاسد کو خارج کر کے صحت وتندرستی کے واپس لانے کی کوشش کرتا ہے' اسی طرح مغولان چنگیزی نے خلافت بغداد کے تختے کو الٹ کر اپنی سفاکی وخونریزی سے رسم پرست اور بدعقیدہ مسلمانوں کو جو سلطنت اسلامیہ میں بلادلیل وراثت کو لازمی قرار دینے اور خاص خاندان کو حکمرانی کا مستحق ٹھہراتے تھے' مرعوب

ومبہوت بنا کر اپنی ایک آزاد وخود مختار سلطنت قائم کر لی۔

اسلام اس طاقت اور اس نظام سلطنت کا نام ہے جو عرب کے بے سروسامان اور غیر متمدن بدوؤں کو قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کا فاتح اور تمام دنیا کا معلم بنا سکتا ہے۔ مسلمانوں نے تعلیم اسلامی پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا اور یہ نام کے بھی مسلمان نہ رہے تھے۔ مسلمانوں کی نالائقی اور غفلت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ مغلوں سے مغلوب ہو گئے۔ قرآن اول کے مسلمانوں کو مغولان چنگیزی تو کیا فتح کرتے ان سے بڑھ چڑھ کر اور زیادہ طاقتور تاتاری قبائل تھے جو بڑی آسانی سے مسلمانوں کے مغلوب ومحکوم بن سکتے تھے۔ سلجوقی بھی اس ملک کے باشندے اور مغلوں کے حاکم وفرماں روا سمجھے جاتے تھے لیکن انہوں نے بھی اسلام قبول کرنے کے بعد ہی حکومت وفرماں روائی کا حوصلہ پایا تھا۔ چنگیز خان اور اس کی فوج کوئی غیر معمولی شائستگی اپنے اندر نہ رکھنے کے باوجود مسلمانوں پر اس لیے فتح پا سکے کہ اس زمانے کے مسلمان اسلامی اخلاق کھو چکے تھے۔ مغلوں کو فتوحات اس لیے حاصل نہیں ہوئیں کہ وہ فتوحات کے زیادہ اہل تھے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے فاتح بنا دیا تھا کہ مسلمانوں کی غفلت کا علاج ہو جائے۔ مغلوں نے خلافت بغداد کو برباد کر کے مسلمانوں کی اس مذکورہ بدعقیدگی کو مٹایا اور اس بات کا موقعہ خود بخود پیدا ہو گیا کہ مسلمان اس مصیبت کے وقت میں مجبور ہو کر خالص اسلامی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں۔

مغلوں کو مذہب اسلام سے نہ کوئی خاص عداوت تھی نہ کوئی ہمدردی۔ مغل بادشاہوں نے اپنے محکوم مسلمانوں کے مذہب سے واقف ہونا چاہا تو جو بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اس پر بے باکانہ معترض ہوئے اور جو بات سمجھ میں آ گئی اس کی تعریف وستائش کی۔ مغلوں کا انکار ان پر کوئی مصیبت و خفت، ان کی رعایا کی طرف سے نہیں لا سکتا تھا۔ مسلمانوں کی بعض بدعقیدگیوں اور رسم پرستیوں کے خلاف اگر کوئی مسلمان بادشاہ اس طرح معترض ہوتا تو مسلمان رعایا کی طرف سے اس کے خلاف ایک طوفان برپا ہو سکتا تھا لیکن مغلوں کو یہ اندیشہ نہ تھا۔ اس طرح مسلمان مولویوں اور دربار رس مسلمانوں کو قدرتی طور پر یہ موقعہ ملا کہ وہ تمام پست خیالیوں تنگ نظریوں اور تقلید پرستیوں سے بالاتر ہو کر اسلام کا وہی نقطہ نظر پیش کریں جو قرآن کریم پیش کرتا ہے اور جس کی آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام ﷡ کو تعلیم دی تھی۔ اس خالص اسلام پر کوئی معقولی اعتراض وارد ہی نہیں ہو سکتا اور جب یہ خالص اسلام کسی غیر جانبدار اور خالی الذہن شخص یا قوم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس کو ضرور اسلام کی صداقت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح مغلوں کے چیرہ دست ہونے سے خود مسلمانوں کے اندر اسلام کا اصلی رنگ نکھر گیا اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ چنگیز خاں اور ہلاکو خان کے ذریعہ مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچا اسی قدر اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ بھی پہنچا۔ نقصان جس قدر پہنچا وہ مادی اور جسمانی تھا لیکن فائدہ روحانی اور

مذہبی پہنچا۔ اگر مغلوں کی حکومت قائم ہو کر اسلامی حکومت کا نام و نشان مٹ جاتا تو یقیناً اس سے بڑھ کر کوئی روحانی و مذہبی نقصان نہ تھا مگر چند ہی روز بعد یہ مغل مسلمان ہو کر خود اسلام کے خادم بن گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جن مغلوں نے خلافت بغداد کو ملیا میٹ کیا تھا' وہی سب سے زیادہ شعائر اسلام کے قائم کرنے والے اور اسلام کے لیے اپنی گردنیں کٹانے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔

اس حقیقت کی طرف بہت ہی کم مورخین کی توجہ مبذول رہی ہوگی کہ مغولستان' چین اور ترکستان کی طرف اسلام نے ہمیشہ زیادہ اشاعت کا موقعہ پایا ہے۔ شام' مصر' طرابلس' مراکش' چین' ایران' خراسان اور بلوچستان وغیرہ ممالک کے باشندوں نے اپنی جہالت و ناواقفیت کے سبب قدم قدم پر مسلمانوں کو روکا ٹوکا اور مقابلہ کیا۔ اول اول ہر جگہ خون کے دریا بہانے کی نوبت آئی۔ اس کے بعد لوگوں نے اسلام کے سمجھنے اور سوچنے کا موقعہ پایا لیکن چین و ترکستان میں جب اسلام پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے اسلام کے سمجھنے میں دوسرے ملکوں کی نسبت زیادہ دانائی اور بصیرت کا اظہار کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ماوراء النہر کے اکثر باشندے مسلمان ہو چکے تھے۔ مشرقی ترکستان اور تبت تک اسلام آ چکا تھا۔ اسی کے قریب زمانے میں عرب لوگ چین کے اندر بطور تاجر بطور لشکر داخل ہو چکے تھے۔ ان مسلمان عربوں کی صحبت سے چینیوں میں اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی تھی۔ چین و ترکستان میں اسلام نہایت تیز رفتاری کے ساتھ شائع ہو کر پہلی ہی صدی ہجری میں ان ملکوں کے تمام باشندوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا چکا ہوتا مگر علویوں کی سازشی تحریک اور بنو امیہ کی بربادی کے لیے کوششوں نے اسلام کی اشاعت کو نقصان پہنچایا اور عالموں کی ذات و نفسانی اغراض نے اشاعت اسلام کے کام کو روکا اور مسلمانوں کی آپس کی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں نے غیر مسلموں کو غیر مسلم ہی رکھنا چاہا' ورنہ باشندگان چین و ترکستان میں اسلام کے قبول کرنے کی عام صلاحیت بہت زیادہ تھی۔ سلجوقیوں کے اولوالعزم قبیلے نے بلا کسی لالچ یا خوف کے بخوشی اسلام کو قبول کیا اور اسلام کا بہت بڑا خادم ثابت ہوا۔ ترکان غزنی نے جو ڈاکہ زن اور غارت گر کی حیثیت سے اممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے تھے' بخوشی اسلام کو قبول کیا اور اس کے خادم ثابت ہوئے۔ آج بھی چین کے اندر آبادی کا بہت بڑا حصہ اسلام کا حلقہ بگوش اور خادم ہے۔ یہ تمام چینی مسلمان کسی جنگی مہم اور فوجی کارروائی کا نتیجہ نہیں ہیں اور سب کے سب چین کے قدیم باشندوں کی نسلیں ہیں۔ چنگیز خان اور اس کے ساتھی ممالک اسلامیہ میں فاتحانہ داخل ہوئے لیکن ان مغلوں نے اسلام کے سمجھنے اور اس کے تسلیم کرنے کی شروع ہی میں آمادگی ظاہر کی اور چند ہی روز کے بعد چنگیز خاں کی اولاد اسلام میں داخل ہو کر اسلام کی خادم بن گئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ مغرب کے انتہائی ملکوں میں مراکش و اندلس میں اسلام فاتحانہ تیغ و علم کے سایہ میں پہنچا تو مشرق کے انتہائی ممالک یعنی چین اور بحرالکاہل کے جزیروں میں وہ بلا تیغ و علم محض سوداگروں یا واعظوں اور مبلغوں کے ذریعہ پہنچا۔

مسلمانوں نے فاتح بن کر اپنے مفتوحوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا تو دوسری طرف انہوں نے مفتوح ہو کر اپنے فاتحین کو بھی اسلام کا خادم بنالیا۔ اگر چنگیز خاں اور ہلاکو خان کی ملک گیریاں اور خون ریزیاں ظہور میں نہ آتیں تو اسلام کی صداقت و عظمت کا یہ پہلو کہ وہ فاتحین کو بھی اپنا مفتوح بنا سکتا ہے' کسی قدر مشتبہ رہتا۔ پس مغلوں کی ترک و تاز کو اگر ایک طرف ایک عالم اسلام کے لیے مصیبت کبریٰ کہا جاسکتا ہے تو دوسری طرف اس کا نام رحمت عظمیٰ رکھا جاسکتا ہے۔

ہر بلا کیں قوم راحق دادہ است زیر آن گنج کرم بنہادہ است

بنی نوع انسان کی فطرت ہے کہ جب تک اس میں جہالت و بے علمی کا زور شور ہوتا ہے اس کے تمام کام شخصی حکومت کے ذریعے ہی درست رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مطلق العنان شخصی حکومتوں کے تصور کو انسان کی ابتدائی حالت اور زمانہ جاہلیت سے جدا نہیں کر سکتی۔ عہد جاہلیت میں جمہوریت کے معنی بجز فساد اور فتنہ کے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتے۔ مغل لوگ بھی چین و تبت و ترکستان کے پہاڑوں میں بدوانہ اور جاہلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے یہاں قبیلہ کے سردار اور بادشاہ کا تصور نہایت عظیم الشان تھا۔ سردار قبیلہ کے اختیارات اور اس کی عظمت و شوکت اس قدر بڑھی ہوئی ہوتی تھی کہ افراد قبائل اس کو معبود کا رتبہ دیتے تھے۔ ہندوستان میں بھی راجہ اور مہاراجہ کی یہی حالت تھی۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ بادشاہ پرستی ممالک مشرقیہ کی خصوصیات میں داخل ہے۔ مغلوں نے چونکہ بہت جلد مشرقیہ ممالک کے تاجوں اور تختوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لہٰذا ان کی حکومت میں بادشاہ پرستی کا ابتدائی تصور بدستور موجود رہا اور متمدن و شائستہ ہونے کے باوجود بھی بادشاہ پرستی کی شان میں باقی رہی۔ اسلام اور فطرت انسانی بادشاہ پرستی میں حد سے زیادہ ترقی کرنے کو مضر انسانیت قرار دیتی ہے۔ مگر مغلوں کی بادشاہ پرستی سے اسلام کو یہ عظیم الشان فائدہ پہنچا کہ مغلوں کے صرف چند بادشاہوں کا اسلام میں داخل ہونا تمام قوم کے اسلام میں داخل ہونے کا موجب ہو گیا۔ یکا یک ساری کی ساری قوم مسلمان ہو گی۔ یہاں تک کہ مؤرخین نے صرف دو تین مغل سلاطین کے ابتداء اسلام قبول کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد ہر ایک مغل بادشاہ اور اس کے امراء مسلمان نظر آتے ہیں اور اس بات کو کہ کب کس نے اسلام کو قبول کیا قابل تذکرہ نہیں سمجھا گیا کیونکہ سب کے سب ہی اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ صرف جوجی خان کی اولاد نے محض اس وجہ سے کہ وہ ممالک اسلامیہ سے دور دور رہے۔ کسی قدر دیر میں اسلام قبول کیا مگر آخر کار ازبکوں کی تمام قوم اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ یہ بھی کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ مغلوں نے اسلام کے قبول کرنے پر اپنے بادشاہ سے بغاوت کی اور محض اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس کے دشمن بنے۔ انہوں نے اگر مسلمان بادشاہ ہونے کی مخالفت یا بغاوت کی تو محض مادی اور دنیوی اغراض کی

وجہ سے نہ کہ تبدیلی مذہب کے سبب' مغلوں نے چونکہ حکمران اور فاتح ہونے کی حیثیت میں اسلام کو قبول کیا تھا۔ لہٰذا حکومت وسرداری نے ان کو اسلام سے کما حقہ واقف ہونے کا موقع نہیں دیا اور ان کی حالت۔ کئی کئی پشتوں کے گزرنے تک بھی وہی رہی جو ابتداً ایک نومسلم کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مغلوں کے اندر یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوئی کہ دوسری قوموں کو دعوت اسلام دے سکیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغلوں کے اکثر گروہ اور اکثر سردار کچھ عرصہ تک حالت کفر میں رہے لیکن انہوں نے کبھی ان خاندانوں اور سرداروں کے ساتھ رہنے اور مل کر کام کرنے سے انکار نہیں کیا۔ جو مسلمان ہو چکے تھے' چونکہ مغلوں میں صلاحیت تبلیغ اسلام پیدا نہیں ہوئی تھی' لہٰذا غیر مسلم قبائل نے نہیں بلکہ قدیم مسلمانوں اور ان کی مسلم رعایا ہی نے اسلام کی طرف توجہ کی۔

اس مذکورہ حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد ہندوستان کے بادشاہ اکبر کی بعض مذہبی بداعمالیوں پر بھی تعجب باقی نہیں رہتا۔ مغلوں کے مقابلے میں تاتاری لوگ اسلام کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور ان کی مذہبی واقفیت کسی زمانے میں بھی ایسی ناقص نہ تھی جیسی کہ مغلوں کی عرصہ دراز تک رہی۔ یہی وجہ تھی کہ تاتاریوں اور سلجوقیوں نے اسلام کی تبلیغ میں ایسی کوشش کی اور اسلام کے لیے ایسی غیرت دکھائی کہ مغلوں میں اس کی مثالیں بہت ہی کم دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ترکوں' تاتاریوں اور مغلوں میں کیا فرق ہے اور کس قسم کی رقابت ہے۔ اس کے متعلق اوپر ذکر ہو چکا ہے' پھر مغلوں کے اندر مسماۃ الانقوا کی اولاد بوزنجری کہلائی اور وہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں زیادہ مشہور اور پیش پیش رہی۔ اس بوزنجری قبیلہ میں تومنہ خان ایک شخص ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک قبل خان دوسرا قاچولی بہادر۔ قبل خان کی اولاد میں چنگیز خاں تھا۔ جس کی اولاد مغولان چنگیزی کہلائی اور اس کے حالات ابھی ہم اوپر مطالعہ کر چکے ہیں۔ دوسرے بیٹے قاچولی بہادر کا بیٹا ایرومجی برلاس تھا۔ اس ایرومجی برلاس کی اولاد قوم برشام کے نام سے موسوم ہوئی۔ ایرومجی برلاس کا پوتا امیر قراچار تھا۔ جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے' جو چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کا امیر الامراء اور سپہ سالار تھا۔ اس امیر قراچار کی اولاد میں امیر تیمور گورکان صاحب قران پیدا ہوا۔ لہٰذا امیر تیمور قوم برلاس میں سے تھا۔ امیر تیمور کا لقب چونکہ گورکان تھا۔ اس لیے امیر تیمور کی اولاد گورکانیہ کہلائی اور ایک الگ قوم سمجھی گئی۔ مغولان بوزنجری میں اول قبل خان کی اولاد صاحب طبل وعلم اور وارث تخت وتاج رہی۔ جب ان کا ستارہ اقبال غروب ہونے لگا تو قاچولی بہادر کی اولاد یعنی مغولان برلاس کی نوبت آئی اور امیر تیمور گورکان نے چنگیز خاں کی فتوحات کو پھر تازہ کر دیا۔ مگر فرق صرف اس قدر تھا کہ چنگیز خاں ایک غیر مسلم باپ کا غیر مسلم بیٹا تھا اور امیر تیمور ایک مسلمان باپ کا مسلمان بیٹا تھا۔ چنگیز خاں جن لوگوں سے لڑا اور جن کو اس نے قتل کیا وہ مذہب وعقیدے میں چنگیز خاں کے موافق نہ تھے لیکن امیر تیمور کو اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے زیادہ لڑنے کا موقع ملا۔

جس طرح چنگیز خان کی اولاد میں بھی اس کے مرنے کے بعد ایشیا کے بہت بڑے حصے کی حکومت و سلطنت رہی اسی طرح امیر تیمور کی اولاد میں بھی اس کے بعد ایشیاء کے اکثر ملکوں کی بادشاہت باقی رہی۔ لہذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تومنہ خان کی اولاد نے قریباً چھ سو سال تک مسلسل براعظم ایشیا میں حکمرانی کی مگر چونکہ امیر تیمور کا ذکر شروع سے ہم بہت دور آگے نکل جائیں گے لہذا ہم کو اس وقت مغولان چنگیزی سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

❁❁❁

(سترہواں باب)

ایران کی اسلامی تاریخ کا اجمالی تتمہ

تاریخ اسلام کے سلسلہ میں اب تک جس ترتیب کے ساتھ حالات بیان ہوئے ہیں۔ ان میں ایران کی تاریخ کا بہت بڑا اور ضروری حصہ بیان ہو چکا ہے لیکن جن لوگوں نے صرف ایران ہی کی اسلامی تاریخیں لکھی ہیں۔ انہوں نے واقعات کے قلمبند کرنے میں دوسری ترتیب ملحوظ رکھی ہے' جو ان کے لیے موزوں بھی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلہ میں ایران کی تاریخ سے ہمیشہ خصوصی تعلق رہا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب تک بیان کردہ واقعات میں تفریق ترتیب کے سبب سے جو کمی رہ گئی ہے اس کو نہایت اختصار کے ساتھ پورا کرنی کی کوشش کی جائے۔

دولت صفاریہ: ایران کی تاریخوں میں خلفاء کی براہ راست حکومت کے بعد سب سے پہلے خاندان صفاریہ کی خودمختارانہ سلطنت کا بیان لکھا گیا ہے۔ اس خاندان کے حکمرانوں کا حال جو کچھ اوپر کے ابواب میں بیان ہو چکا ہے' اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر اس جگہ کسی اضافے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں اس قدر اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ خاندان عباسیہ نے خلافت کے حاصل کرنے میں چونکہ ایرانیوں سے زیادہ امداد حاصل کی تھی۔ لہٰذا انہوں نے نے ایرانیوں کے اقتدار و اثر کو بڑھانے اور عربوں پر چیرہ دست بنانے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوب ایرانیوں کو خود غلبہ پانے اور اپنی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور ابومسلم خراسانی اور برامکہ وغیرہ کو شاہانہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی لیکن جب تک عباسی خاندان میں فاتحانہ اور سپاہیانہ جذبات باقی رہے' ایرانی اپنے مقصد میں کماحقہ کامیاب نہ ہو سکے۔ خلفائے عباسیہ کی عیش پرستی و کمزور نے جب ایرانیوں کے لیے ان کی اولوالعزمیوں کے پورا ہونے کا راستہ صاف کر دیا تو سب سے پہلے یعقوب بن لیث جس کے خاندان میں ٹھٹھیرے کا پیشہ ہوتا تھا اور اسی لیے وہ صفار کے نام سے پکارا جاتا تھا' اپنی خودمختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یعقوب بن لیث صفار دوست نوازی' سخاوت اور سادہ زندگی بسر کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا اور اس کے انہیں صفات و اخلاق میں اس کی کامیابی کا راز مضمر تھا۔ اس کے پاس جو کچھ ہوتا تھا' اپنے دوستوں کو کھلا پلا دیتا تھا۔ خود تکلیف اٹھا کر دوستوں کو راحت پہنچانے کا شوق رکھتا تھا۔ اس لیے اس کو اپنے جاں نثاروں کی جمعیت فراہم کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اس نے اپنے لڑکپن کے دوستوں کو اپنی بادشاہت کے وقت مطلق فراموش نہیں کیا اور سب کو اعلیٰ مدارج پر پہنچایا۔ بادشاہت کی

حالت میں بھی وہ ایک معمولی سپاہی کے لباس میں نظر آتا تھا۔ معمولی سپاہیوں کی طرح زمین پر سونے اور خندق کھودنے سے اس کو عار نہ تھا۔ اس کے خیمے اور ایک معمولی سپاہی کے خیمے میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا۔ اس کو عیاشی و بد چلنی سے سخت نفرت تھی اور استقلال و اولوالعزمی اس کے ہر ایک کام اور ہر ایک بات سے ٹپکتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ وہ نہایت پست اور ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے ملک ایران کے بہت بڑے حصے کا مطلق العنان فرماں روا بن گیا تھا اور بغداد کا دربار خلافت اس کے استیصال پر قادر نہ ہو سکا تھا۔

یعقوب بن لیث صفار کی وفات کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث صفار اپنے بھائی کا جانشین بنا اور اس نے اپنی حدود حکومت کو اور بھی وسیع کر دیا۔ عمرو بن لیث میں اگرچہ اپنے بھائی کی نسبت عقل و دانائی زیادہ بیان کی جاتی ہے مگر وہ ان سپاہیانہ اخلاق اور سادہ زندگی بسر کرنی میں اپنے بھائی سے کمتر تھا۔ خلیفہ معتمد کے بھائی موفق نے ایک مرتبہ اس کو شکست بھی دی مگر اس نے جلد اپنی حالت کو پھر درست کر لیا اور دربار خلافت کے لیے وبال جان بن گیا۔ آخر خلیفہ نے ماوراء النہر کے حاکم اسماعیل سامانی کو عمرو بن لیث کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ عمرو بن لیث ستر ہزار سوار لے کر اسماعیل سامانی کے استیصال پر آمادہ ہوا اور دریائے جیحون کو عبور کیا۔ اسماعیل سامانی صرف بیس ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ عین معرکہ جنگ کے وقت عمرو بن لیث کا گھوڑا اپنے سوار کی منشاء کے خلاف اس کو اسماعیل سامانی کے لشکر میں لے گیا اور وہاں وہ بڑی آسانی سے گرفتار کر لیا گیا۔

صید را چوں اجل آید سوئے صیاد رود

اسماعیل سامانی نے عمرو کو گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا اور اس طرح دولت صفاریہ کی عظمت و شوکت کا قریباً خاتمہ ہو گیا۔ یعقوب بن لیث اور عمرو بن لیث میں سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ یعقوب ایک صعوبت کش اور سوکھی روٹیاں چبا کر گزر کر لینے والا سپاہی تھا اور عمرو بن لیث ایک شان و شوکت اور سامان عیش کے ساتھ بسر کرنے والا بادشاہ تھا۔ اس جگہ ایک لطیفہ کا نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

جس روز عمرو بن لیث گرفتار ہوا' اس روز صبح کے وقت اس کے باورچی نے عرض کیا کہ باورچی خانہ کا سامان اٹھانے کے لیے تین سو اونٹ ناکافی ہیں۔ مجھ کو بار برداری کے کچھ اونٹ اور دیئے جائیں۔ اسی شام کو جب کہ عمرو بن لیث گرفتار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے باورچی سے' جو اس کے ساتھ قید خانہ میں موجود تھا' بھوک کی شکایت کی۔ باورچی نے گھوڑوں کا میلہ پکانے کی ایک ہانڈی میں' جو اتفاقاً وہاں موجود تھی' تھوڑا سا دلیا پانی ڈال کر پکنے کے لیے چولہے پر چڑھا دیا۔ اس کے سوا اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ عمرو بن لیث دلیے کے پکنے کا انتظار نہایت بے صبری کے ساتھ کر رہا تھا۔ باورچی نے

ہانڈی چولہے سے اتار کر رکھی اور کسی ضرورت سے دوسری طرف متوجہ ہوا کہ اتنے میں ایک کتا آیا۔ ہانڈی کا کنارہ منہ میں پکڑ کر اور اٹھا کر چل دیا۔ عمرو بن لیث نے جب کتے کو ہانڈی لے جاتے ہوئے دیکھا تو اپنے باورچی کو آواز دے کر کہا کہ صبح تو شکایت کر رہا تھا کہ باورچی خانہ کا سامان اٹھا کر لے چلنے کے لیے تین سو اونٹ ناکافی ہیں۔ اب دیکھ لے کہ ایک کتا میرا سارا باورچی خانہ اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہے۔

عمرو بن لیث کے بعد اس کی اولاد نے چند سال تک علاقہ سیستان کے محدود رقبہ میں اپنی اپنی برائے نام حکومت قائم رکھی۔ یعقوب بن لیث صفار کا نواسا جس کا نام خلف تھا' محمود غزنوی کے زمانہ تک سیستان میں برسر حکومت رہا۔ خلف کے بیٹے نے باپ کے خلاف مخالفت کا علم بلند کیا۔ خلف نے اپنے آپ کو بیٹے کے مقابلے میں کمزور دیکھ کر اس کو دھوکے سے قتل کیا۔ سیستان نے سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں خلف کے خلاف شکایات کی عرضیاں بھیجیں اور لکھا کہ آپ کو ہم خلف کے مظالم سے نجات دلایئے۔ سلطان محمود غزنوی نے چڑھائی کی۔ خلف نے مقابلہ میں اپنے آپ کو مغلوب اور اپنے قلعہ کو مفتوح دیکھ کر سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہو کر رکاب کا بوسہ دیا اور اپنی داڑھی سلطان کے پاؤں سے مل کر کہا' اے سلطان مجھ کو معاف کر دے۔ محمود غزنوی کو خلف کی زبان سے اپنی نسبت لفظ ''سلطان'' پسند آیا اور آئندہ اس لفظ ''سلطان'' کو اپنا لقب قرار دیا۔ خلف کو اور کوئی سزا نہیں دی' اسی قدر کافی سمجھا کہ اس کو اپنے ہمراہ غزنین لے گیا۔ جہاں چار سال رہ کر خلف نے وفات پائی۔ اس طرح دولت صفاریہ کا خاتمہ ہوا۔

دولت سامانیہ : اسد بن سامان اپنے آپ کو بہرام چوبین کی اولاد میں بتاتا تھا۔ اسد بن سامان اپنے چاروں بیٹوں کو لے کر مامون الرشید کی خدمت میں مقام مرو میں حاضر ہوا تھا جبکہ مامون الرشید مرو میں مقیم تھا۔ مامون الرشید عباسی کو اپنے بھائی امین کے خلاف تخت خلافت حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی' اس میں سے سب سے زیادہ ایرانیوں کی امداد و اعانت کو دخل تھا۔ مامون الرشید کا اسد بن سامان اور اس کی اولاد پر مہربان ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ سامانیوں کے اقتدار نے اسی زمانے سے تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی۔ چونکہ یہ خاندان ایران کے ایک مشہور سردار کی اولاد سے تھا' اس لیے ماوراء النہر خراسان میں ان لوگوں کی سیادت کے خلف آمادہ ہونی کا امکان اور بھی ضعیف ہو گیا تھا۔ اسماعیل سامانی جو اسد بن سامان کا پوتا تھا۔ عمرو بن لیث پر غالب آنے کے بعد بہت جلد بادشاہت کے مرتبہ کو پہنچ گیا۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ خاندان صفار خلافت بغداد کے خلاف اور معاندر ہا لیکن اسماعیل اور اس کے جانشین برائے نام دربار خلافت کی سیادت کو تسلیم کرتے رہے۔

اسماعیل سامانی نے ماوراء النہر خراسان میں سات آٹھ سال حکومت و سلطنت کی۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے اس کو ملک خراسان کی سند حکومت عطا کی تھی۔ اسماعیل کی وفات کے بعد ابونظیر احمد بن اسماعیل سامانی باپ کا جانشین ہوا۔ اسماعیل سامانی اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے نہایت شریف' سیر چشم اور متوکل علی اللہ شخص تھا۔ جہانگیری کے ساتھ ہی جہاں داری کے اصولوں سے بھی خوب واقف تھا۔ رعایا اس سے خوش تھی اور اس نے طرز عمل سے اس بات کا کافی ثبوت بہم پہنچا دیا تھا کہ وہ ایران کے نہایت شریف اور سردار خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

احمد بن اسماعیل نے تخت نشین ہو کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اپنی بد اخلاقی سے ناراض کر دیا۔ چھ سال تک اس نے حکومت کی مگر یہ تمام زمانہ دربار خلافت کے خلاف ریشہ دوانیوں اور اپنے رشتہ داروں کو ناراض رکھنے میں اس نے صرف کر دیا۔ آخر خود اپنے ہی غلاموں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا نصر بن احمد سامانی آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ بالکل اپنے دادا اسماعیل کا نمونہ تھا۔ اس نے چند ہی روز کے بعد اپنی سلطنت کے حدود کو اسماعیل سامانی کی حدود سلطنت سے زیادہ وسیع کر لیا اور تیس سال سے زیادہ عرصہ تک بڑے زور شور سے ناموری کے ساتھ حکومت کی۔ اسی کے دربار میں رودکی شاعر جو نابینا تھا' بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رہتا تھا۔ نصر بن احمد اپنے دارالسلطنت بخارا میں فوت ہو کر مدفون ہوا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا نوح بن نصر تخت نشین ہوا۔ اس نے تیرہ سال حکومت کر کے سنہ ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔

اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن نوح تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے ممالک مقبوضہ کے جنوبی حصے یعنی صوبہ خراسان کی گورنری پر اپنے ایک سردار الپتگین کو مامور کیا تھا۔ آخر سات سال حکومت کرنے کے بعد چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی منصور بن نوح تخت نشین ہوا۔ اس نے رکن الدولہ دیلمی کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اس لئے عراق و فارس کے صوبوں میں بھی اس کی سیادت تسلیم کی گئی۔ اسی کا وزیر ابوعلی بن محمد تھا' جس نے تاریخ طبری کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ منصور بن نوح نے پندرہ سال حکومت کی۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالقاسم نوح ثانی تخت نشین ہوا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت بخارا یعنی دولت سامانیہ پر ادبار تنزل کی گھٹائیں چھا گئیں۔ اس کے درباریوں نے اس کے خلاف ملک میں بغاوتیں برپا کرائیں اور مغولستان کے بادشاہ بغرا خان کو اس پر حملہ آور کرایا۔ بخارا کے متصل لڑائی ہوئی۔ بغرا خان نے نوح ثانی کو شکست دے کر بخارا پر قبضہ کر لیا۔ مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا

کہ بغرا خان اس فتح کے بعد ہی بخارا میں فوت ہو گیا اور اس کی فوج اپنے ملک کو واپس چلی گئی۔ نوح ثانی نے پھر بخارا پر قابض ہو کر اپنی سلطنت کو مضبوط کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ غزنین میں سبکتگین نے اپنی مستقل حکومت قائم کر لی تھی اور نوح ثانی کی تخت نشینی کے چند روز بعد الپتگین کا انتقال ہو چکا تھا۔ نوح ثانی نے سبکتگین کو اس خدمت کے صلہ میں اس نے بغرا خان کے خلاف نوح ثانی کی مدد کی تھی' ناصر الدین کا خطاب دیا تھا۔ دقیقی شاعر اس کا معاصر تھا' جس نے داستان گشتاسپ کے ایک ہزار اشعار لکھے تھے۔ بغرا خان کے حملہ سے فارغ ہونے کے بعد نوح ثانی نے اپنے ان باغی اور بے وفا امیروں کو سزائیں دینی چاہئیں' جنہوں نے ملک میں بغاوتوں کے لیے ریشہ دوانیوں کا سلسلہ بچھا رکھا تھا۔ ان باغی امراء نے فرار ہو کر فخر الدولہ دیلمی کے پاس پناہ لی اور اس سے مدد لے کر سلطنت بخارا پر حملہ آور ہوئے۔ نوح ثانی نے سبکتگین سے پھر امداد طلب کی۔ سبکتگین نے ہرات کے قریب باغیوں کا مقابلہ کیا اور جنگ عظیم کے بعد ان کو شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ اس لڑائی میں سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے بڑی بہادری دکھائی اور خوب بڑھ بڑھ کر تلوار چلائی۔ نوح ثانی نے خوش ہو کر محمود سیف الدولہ کو خطاب دیا۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ اسی لڑائی میں سبکتگین کو ناصر الدین کا خطاب ملا تھا اور اسی لڑائی کے بعد ملک خراسان کی سند حکومت سبکتگین کو نوح ثانی کے دربار سے عطا ہوئی تھی۔ نوح ثانی نے ۲۲ سال حکومت کی مگر اس کا زمانہ اکثر لڑائی جھگڑوں اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں بسر ہوا اور ملک کے صوبے یکے بعد دیگرے قبضے سے نکلتے گئے۔

نوح ثانی کے بعد اس کا بیٹا منصور ثانی باپ کا جانشین ہوا۔ ان امیروں نے جو اس کے باپ کے لیے موجب اذیت رہتے تھے' اس کو پریشان رکھا اور شکست دے کر بخارا سے بے دخل کیا' پھر انہوں نے اسی کو بادشاہ تسلیم کر کے امور سلطنت اپنے اختیار میں لے کر خراسان میں ایک نئے حاکم سے متعلق کیا۔ محمود غزنوی نے اس نئے حاکم کو خراسان سے بے دخل کر کے اپنا قبضہ کر لیا۔

اسی عرصہ میں امیروں نے منصور کو تخت سے اتار کر اندھا کیا اور اس کی جگہ اس کے بھائی عبدالملک ثانی بن نوح ثانی کو تخت پر بٹھایا اور اس کو ہمراہ لے کر محمود غزنوی پر حملہ آور ہوئے۔ محمود غزنوی نے عبدالملک ثانی اور اس کی فوج کو شکست دے کر بخارا کی طرف بھگا دیا۔ ادھر ایلج خان حاکم کاشغر نے خوارزم پر قبضہ کر کے بخارا پر حملہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایلج خان نے عبدالملک ثانی کو گرفتار کر کے بخارا پر قبضہ کیا اور عبدالملک ثانی کا تیسرا بھائی منتصر بھیس بدل کر بخارا سے فرار ہوا اور چند روز تک قزاقوں کی ایک جمعیت کے ساتھ آوارہ رہ کر ایک شخص کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ اسی طرح سامانی خاندان اور اس کی دولت و حکومت کا خاتمہ ہو گیا (ایلج خان' ایلک خان اور علی تگین یہ تینوں ایک ہی شخص کے نام ہیں)۔

دولت دیلمیہ: دیلمیوں کی حکومت وسلطنت کے حالات جس قدر خلفائے عباسیہ کے حالات یعنی باب نہم میں بیان ہو چکے ہیں' وہ بہت کافی ہیں اور ان پر اس وقت کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ دیلمیوں اور سامانیوں کی سلطنتوں کو ایک دوسرے کی معاصر اور رقیب سلطنت سمجھنا چاہئے۔ سامانیوں کا قبضہ ماوراء النہر اور خراسان وغیرہ شمال ومشرقی ممالک پر رہا اور دیلمیوں کے تصرف میں فارس' عراق اور آذربائیجان وغیرہ غربی ممالک رہے۔ اس طرح تمام ملک ایران چند روز تک انہیں دونوں خاندانوں کے درمیان منقسم تھا۔ دیلمیوں کی حکومت سامانیوں کی بربادی کے بعد بھی نہایت کمزور حالت میں کچھ دنوں باقی رہی جبکہ سامانیوں کی جگہ مشرقی ایران میں غزنویوں کی زبردست سلطنت قائم ہو چکی تھی۔

دولت غزنویہ: جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عبدالملک بن نوح نے الپتگین کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا تھا۔ عبدالملک کے بعد جب اس کا بھائی منصور بن نوح سامانی سنہ ۳۵۰ھ میں تخت نشین ہوا تو الپتگین جو منصور بن نوح کی تخت نشینی کے خلاف رائے ظاہر کر چکا تھا' خراسان کے دارالامارت سے مقام غزنی میں چلا آیا' جو اس زمانے میں ایک معمولی سی بستی تھی۔ یہاں الپتگین مضبوط ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی ایک خودمختار ریاست قائم کر کے حکومت کرنے لگا۔

سنہ ۳۶۷ھ میں الپتگین کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا اسحاق غزنی کا فرماں روا ہوا مگر چند ہی روز کے تجربہ سے نااہل ونالائق ثابت ہوا اور فوجی سرداروں نے اس کو معزول کر کے یا اپنی موت سے اس کے مرجانے پر سبکتگین کو جو الپتگین کا سپہ سالار اور داماد بھی تھا' اپنا بادشاہ بنالیا۔

سبکتگین کی نسبت مشہور ہے کہ وہ الپتگین کا غلام تھا۔ مگر یہ غلامی محض اتفاقی طور پر وقوع میں آئی تھی یعنی بعض ڈاکوؤں نے اس کو راستے میں تنہا پا کر گرفتار کر لیا اور بخارا میں لے جا کر بطور غلام فروخت کر دیا۔ سبکتگین کا سلسلہ نسب ایران کے بادشاہ یزدجرد تک پہنچتا ہے یعنی سبکتگین بن جوق قرا تحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا انعمان بن فیروز بن یزدجرد۔ لیکن اس شجرہ نسب کی صحت کا ثبوت بہم پہنچانا دشوار ہے۔ بعض مورخین نے سبکتگین کو ترک بتایا ہے' بعض کا بیان یہ ہے کہ وہ باپ کی طرف سے ترک اور ماں کی طرف سے ایرانی تھا۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ وہ حسب ونسب کے اعتبار سے ایک شریف آدمی تھا۔ ایشیائی دستور کے موافق کسی بادشاہ کے امیر وسردار اور بڑے بڑے اہل کار اپنے آپ کو بادشاہ کا غلام کہنے میں اپنی بے عزتی نہیں سمجھتے' اس لیے ممکن ہے کہ الپتگین کی فوج کا سپہ سالار ہونے کی وجہ سے سبکتگین نے اپنے کو الپتگین کا غلام کہا ہو (ملکم صاحب کا یہی خیال ہے) سبکتگین نے قریباً بیس سال غزنی کے تخت پر حکومت کی۔ شہر بست کو فتح کیا' جو غزنی سے کئی سو میل

کے فاصلے پر دریائے ہیر مند کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ ہرات کی جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ پنجاب وسندھ کے راجا جے پال نے اس ملک پر فوج کشی کی تو اس کو شکست فاش دے کر گرفتار و اسیر کیا اور اخراج کے وعدے پر رہا کر دیا۔ جے پال نے بدعہدی کی اور دوبارہ تین لاکھ کے لشکر جرار سے سبکتگین کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ مگر سبکتگین نے صرف چند ہزار سپاہیوں کی مدد سے اس کا مقابلہ کیا اور اس مرتبہ بھی اس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور پھر اس سے اقرار اطاعت لے کر چھوڑ دیا (جے پال کی لڑائیوں کا حال تاریخ ہندوستان میں مفصل لکھا جائے گا) نوح بن منصور نے اس کو ناصر الدین کا خطاب عطا کیا اور اس کے بیٹے محمود کو سیف الدولہ کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ سبکتگین نے غزنی کی سلطنت کو بہت وسیع کیا اور سنہ ۳۸۷ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ سبکتگین کے بعد اس کا بیٹا امیر اسماعیل بلخ میں تخت نشین ہوا مگر چھ مہینے کے بعد اپنے بھائی سبکتگین سے لڑ کر مغلوب و معزول ہوا۔

سنہ ۳۸۷ھ میں محمود بن سبکتگین غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ اور امین الملت کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ محمود غزنوی نے تخت نشین ہوتے ہی نہایت قابلیت کے ساتھ مہمات سلطنت کو انجام دینا شروع کیا۔ لوگوں نے عبدالملک سامانی بادشاہ بخارا کو محمود کے خلاف فوج کشی پر آمادہ کیا۔ محمود نے مجبوراً مقابلہ کیا اور عبدالملک شکست کھا کر بخارا کی طرف بھاگا۔ بخارا پر ایلج خان یا ایلک خان بادشاہ کاشغر نے حملہ کر کے قبضہ کیا۔ عبدالملک سامانی قید ہوا۔ محمود غزنوی نے ایلج خان بن بغرا خان پر حملہ کر کے اس کو بخارا سے بھگا دیا اور بخارا کو اپنی حدود مملکت میں داخل کیا۔ اس کے بعد مغلوں کے سردار طغا خان بن التو خان کو شکست دے کر اپنی سلطنت کے حدود کو بحر کاسپین (بحیرۂ اخضر) تک پہنچا دیا۔ ولایت خوارزم پر بھی قبضہ کیا۔ سیستان وخراسان کے علاقے سبکتگین کے زمانے سے سلطنت غزنی میں شامل تھے۔ مجد الدولہ دیلمی کو مغلوب و اسیر کر کے رے اور اصفہان کی ولایتوں پر بھی قبضہ کیا۔ ادھر ہندوستان پر بھی اس کو مجبوراً بہت سے حملے کرنے پڑے۔ جن کی اصل حقیقت اور تفصیلی کیفیت تاریخ ہند میں لکھی جائے گی۔ غرض کہ محمود غزنوی نے بہت جلد دریائے ستلج سے لے کر بحیرہ کاسپین تک اور ماوراء النہر سے لے کر بلوچستان وعراق تک ایک نہایت وسیع سلطنت قائم کر لی۔

محمود غزنوی براعظم ایشیا کے نہایت نامور اور زبردست شہنشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے زمانے میں فارسی زبان کو خاص طور پر رونق حاصل ہوئی۔ عربی زبانوں کی ترویج واشاعت میں جو مرتبہ حجاج بن یوسف ثقفی کو حاصل ہے وہی مرتبہ فارسی زبان کی ترویج واشاعت میں محمود غزنوی کو حاصل ہے۔ محمود غزنوی نہایت سچا پکا مسلمان بے تعصب اور علم دوست شخص تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ بعض

اغراض خاص یا موجودہ حکومت وسلطنت کی مصلحتوں نے اس کو ہمارے زمانے میں مذموم' متعصب' لالچی' ظالم' سفاک اور ہندوؤں کا دشمن جانی مشہور کر دیا ہے۔ ان جھوٹی اور گمراہ کن باتوں کی حقیقت تاریخ ہند میں بے پردہ کی جائے گی' انشاء اللہ تعالیٰ۔ اسی کے زمانے میں فردوسی نے شاہنامہ لکھا تھا۔ سنہ ۴۲۱ھ میں محمود غزنوی نے وفات پائی۔ سبکتگین اور محمود غزنوی کو دربار سامانیہ سے امیر الامرائی کا خطاب حاصل تھا مگر سنہ ۳۸۹ھ میں محمود غزنوی نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے عبدالملک سامانی کا نام خطبہ سے خارج کر دیا تھا۔ اسی سال خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ کا خطاب عطا کیا تھا۔ محمود غزنوی ۹/ محرم سنہ ۳۶۱ھ کو پیدا ہوا تھا۔ ساٹھ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ محمود غزنوی اپنے زمانے میں سب سے زیادہ طاقتور مسلمان بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی اس وسیع سلطنت کا اپنے دونوں بیٹوں کے لیے وہی انتظام کیا تھا' جو خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اپنے دونوں بیٹوں امین و مامون کے لیے کیا تھا۔ محمود غزنوی کے دونوں بیٹے بھی آپس میں اسی طرح لڑے جیسے کہ امین و مامون لڑے تھے مگر جس طرح مامون الرشید اپنے بھائی امین الرشید پر غلبہ پا کر شوکت سلطنت کو باقی رکھ سکا۔ محمود کا بیٹا مسعود اپنے بھائی محمد پر غالب ہو کر سلطنت کی عظمت وشوکت کو باقی نہ رکھ سکا۔ محمود غزنوی نے ماوراء النہر' خراسان' غزنی' پنجاب وغیرہ کی حکومت اپنے چھوٹے بیٹے محمد کو دی تھی اور خوارزم' عراق' فارس' اصفہان وغیرہ ممالک بڑے بیٹے مسعود کو دیے تھے۔ محمود کے فوت ہوتے ہی دونوں بھائیوں میں جھگڑا شروع ہوا۔ محمد' غزنی کے تخت پر بیٹھا اور مسعود نے رے میں جلوس کیا۔ اول اس بات پر نزاع شروع ہوا کہ مسعود بڑا بھائی ہونے کی وجہ سے خواہاں تھا کہ میرا نام خطبہ میں محمد سے پہلے لیا جائے۔ محمد کہتا تھا کہ میں باپ کے تخت پر بیٹھا ہوں' میرا نام تمام ممالک میں خطبہ کے اندر مسعود سے پہلے پڑھا جائے' یہ تو صرف بہانہ تھا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کو زیر کرنے پر آمادہ تھے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسعود نے حملہ کر کے غزنی کو فتح اور اپنے بھائی محمد کو قید کر لیا۔ قید کرنے کے بعد محمد کی دونوں آنکھوں کو بے بصارت کیا گیا۔

تخت غزنی پر جلوس کر کے مسعود نے بلوچستان و مکران پر حملہ کر کے اس علاقے کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ کسی سلطنت میں جب دو شہزادے تخت کے لیے لڑا کرتے ہیں تو ضرور سلطنت کے ہر حصے میں سرکش اور باغی طاقتیں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ محمد بن محمود کے اندھا ہونے کے بعد سلطان مسعود بن محمود کو اس وسیع اور عظیم الشان سلطنت کو سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ سلجوقی ترکوں نے بتدریج ترقی پا کر خوارزم کے علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ ادھر ہندوستان و پنجاب میں بھی یہاں کے بعض صوبہ داروں نے تمرد و سرکشی پر کمر باندھی اور یک لخت حکومت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ سلطان مسعود نے بڑی ہمت اور استقلال سے کام لیا۔ خوارزم و خراسان میں سلجوقیوں کو متواتر شکستیں دیں اور

انہیں حالات میں موقعہ نکال کر ہندوستان پر بھی حملہ آور ہوا اور سرتی وہانسی کے زبردست قلعوں کو فتح کر کے مسمار کیا۔ ہندوستان سے فوراً غزنی کی طرف واپس گیا تو دیکھا کہ سلجوقی پہلے سے بھی زیادہ تعداد کے ساتھ برسر مقابلہ ہیں۔ مسعود نے ان کو ہر مرتبہ شکست دی لیکن وہ بھی ہر مرتبہ سنبھل کر اور لوٹ لوٹ کر مقابلے پر آتے رہے۔ سلطان مسعود کی فوج میں ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد بھرتی ہو گئی تھی اور کئی ہندو اس کی فوج میں سپہ سالاری کے عہدے پر فائز تھی۔ جن کے ماتحت بہت سی ہندو پلٹنیں اور ہندو رسالے تھے۔ مسعود کو ہندوؤں کی فوجیں تیار کرنے اور ان کو فوجی تعلیم دے کر شائستہ بنانے کا خاص شوق تھا۔ چنانچہ اس نے کئی ہندو سرداروں کو محض اس لیے ہندوستان بھیجا کہ وہ ہندوستان سے اپنے بھائی بندوں کو فوج میں بھرتی کر کے لائیں۔ جب ہندوستان کے ہندو سپاہی غزنی پہنچے تو مسعود نے ایرانیوں اور افغانیوں سے زیادہ ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک شخص مسمی تلک کو امیر الامرائی اور مہاراجگی کا خطاب دے کر سپہ سالار اعظم بنایا۔ یہ مہاراجہ تلک ایک ہندو حجام کا لڑکا تھا۔ لہذا اس کے مرتبہ کو سب سے زیادہ رفیع دیکھ کر اکثر امرائے دربار سلطان مسعود سے بددل ہو گئے اور انہوں نے حروف شکایت زبان پر لانا شروع کر دیا۔ سلطان مسعود کی اس ہندونوازی پر اس لیے اور بھی سب کو تعجب ہے کہ مکران کی لڑائی میں ہندو پلٹنوں نے سخت بزدلی اور نامردی دکھائی تھی اور اس امتحان کے بعد ہرگز کسی کو توقع نہ تھی کہ سلطان مسعود اس طرح ہندوؤں کا گرویدہ ہو جائے گا۔ آخر خراسان کے ایک جنگل میں سلجوقیوں سے جب معرکہ آرائی ہوئی تو ان ہندو سپاہیوں نے سب سے پہلے فرار ہو کر عار گوارا کر کے سلطان مسعود اور اس کی افغانی فوج کو خطرہ اور ہلاکت میں مبتلا کر دیا۔ چند جانثاروں کی پامردی سے سلطان مسعود اپنی جان تو بچا لایا مگر شکست فاش کی ندامت اپنے ہمراہ لایا۔ اس شکست کے بعد سلطان مسعود پر کچھ ایسی بددلی اور کم ہمتی طاری ہوئی کہ اس نے اپنے وزیر اور اپنے بیٹے مودود کو غزنین میں چھوڑ کر اور تمام اموال وخزائن اونٹوں' ہاتھیوں' چھکڑوں اور آدمیوں پر لدوا کر اور ہمراہ لے کر ہندو سرداروں کے ساتھ اس ارادے سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا کہ لاہور کو دارالسلطنت بناؤں گا اور وہیں قیام کروں گا۔ چونکہ سلطان مسعود نے اپنا یہ ارادہ پہلے ہی غزنین میں ظاہر کر دیا تھا' لہذا وہاں کے سرداروں اور امیروں نے سلطان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ اس شکست کا تدارک انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد ہو جائے گا اور ہم سلجوقیوں کو مار کر خراسان سے بھگا دیں گے۔ اپنے باپ کے دارالحکومت کو آپ نہ چھوڑیں۔ مگر مسعود پر کوئی اثر نہ ہوا اور غزنین کے خزانے میں جھاڑو دے کر اور تمام جواہرات' نقدی' زیورات حتیٰ کہ ظروف اور قیمتی کپڑے تک بھی سب کے سب لے کر غزنین سے چل دیا اور اپنے بیٹے مودود کو' جو ان دنوں بلخ و بدخشاں کی طرف تھا' خط لکھ کر بھیج دیا کہ ''میں تم کو غزنین وخراسان وغیرہ کا حاکم مقرر کرتا ہوں اور میرے پاس سے تمہاری نام

احکام وفرامین اور مناسب ہدایات پہنچتی رہیں گی' ان پر عمل کرنا اور ترکوں سے ملک کو پاک کرنے کی کوشش میں مصروف رہنا''۔ یہاں تک کہ معہ سامان جب دریائے سندھ کو عبور کیا تو اس طرف آتے ہی ہندو پلٹنوں اور ہندو سرداروں نے' جو ہمراہ تھے آنکھیں بدلیں اور سب کے سب شاہی خزانے پر ٹوٹ پڑے۔ وہ تمام خزانہ جو سبکتگین اور محمود غزنوی نے چالیس پچاس سال کے عرصہ میں جمع کیا تھا' ذرا سی دیر میں دریائے سندھ کے کنارے ہندوؤں نے لوٹ لیا اور سلطان مسعود کو مسلمانوں کی اس مختصر جماعت کے ساتھ چھوڑ کر منتشر ہو گئے۔

اس دل شکن اور روح فرسا نظارہ کو دیکھ کر مسلمانوں کی اس مختصر جمعیت نے سلطان مسعود کو اس کے اختلال دماغی کے سبب معزول کر دیا اور اس کے بھائی محمد کو' جو نابینا اور اس سفر میں مسعود کے ہمراہ قید کی حالت میں تھا' آزاد کر کے اپنا بادشاہ بنایا۔ محمد کے بادشاہ ہونے کا حال سن کر ہندو فوج کے بہت سے آدمی پھر محمد کے گرد آ کر جمع ہو گئے کیونکہ ان کو اب اس بات کا خوف نہ تھا کہ مسعود ہم سے انتقام لے سکے گا۔ مسعود جب گرفتار ہو کر محمد کے سامنے پیش کیا گیا تو محمد نے بھائی سے اپنی آنکھوں کا بدلہ نہیں لیا بلکہ صرف یہ دریافت کیا کہ تم اپنے لیے اب کیا پسند کرتے ہو؟ مسعود نے کہا کہ مجھ کو قلعہ کری میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ محمد نے اس کو قلعہ کری میں معہ اہل وعیال بھجوا دیا اور اپنے نام کا سکہ اور خطبہ پنجاب اور سرحدی علاقہ میں جاری کیا۔ محمد کے بیٹے احمد نے باپ کی اجازت واطلاع کے بغیر قلعہ کری میں جا کر اپنے چچا مسعود سے اپنے باپ کی آنکھوں کا بدلہ اس طرح لیا کہ اس کو قتل کر دیا۔ یہ حال سن کر محمد کو ملال ہوا اور اپنے بھتیجے مودود کے پاس جو بلخ میں تھا' پیغام بھیجا کہ تیرے باپ مسعود کو میں نے اپنے حکم سے قتل نہیں کرایا بلکہ احمد نے میرے منشا کے خلاف یہ ناشائستہ حرکت کی ہے۔ مودود جو بلخ میں سلجوقیوں کے خلاف مہم تیار کر رہا تھا' اس خبر کو سنتے ہی فوج لے کر چلا۔ ادھر دریائے سندھ کے کنارے محمد کی فوج نے اس کو روکا۔ لڑائی ہوئی' جس میں مودود کو فتح ہوئی اور محمد اور اس کے تمام اہل وعیال کو مودود نے گرفتار کر کے اپنے باپ کے انتقام میں قتل کیا۔ اس کے بعد مودود غزنین جا کر سنہ ۴۳۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

مودود بھی اپنے باپ کی طرح سلجوقیوں سے بہت سی لڑائیاں لڑا' مگر آخر کار مجبور ہو کر اس نے ماوراء النہر' غزنی اور ہندوستان کی حکومت پر اکتفا کیا۔ باقی تمام ممالک یعنی خراسان وخوارزم وعراق وغیرہ ہمیشہ کے لیے سلطنت غزنی سے نکل گئے اور سلجوقی ان ملکوں کے بادشاہ بن گئے۔

سنہ ۴۴۱ھ میں مودود بن مسعود نے وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا علی تخت نشین ہوا۔

سنہ ۴۴۳ھ میں علی کے بعد عبدالرشید بن مودود تخت نشین ہوا مگر چند ہی روز کے بعد ایک سردار طغرل نامی نے عبدالرشید کو قتل کر کے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ مگر امرائے سلطنت نے بہت جلد متفق ہو کر

طغرل کو قتل کیا اور سنہ ۴۴۴ھ میں فرخ زاد بن مسعود کو غزنی کے تخت سلطنت پر بٹھایا۔

فرخ زاد نے تخت نشین ہو کر ہمت و قابلیت کا اظہار کیا اور لشکر فراہم کر کے خراسان کو سلجوقیوں کے قبضے سے نکالنے کی کوشش کی۔ ابتدائی لڑائیوں میں فرخ زاد کو سلجوقیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ مگر آخر جب الپ ارسلا سلجوقی سے مقابلہ ہوا تو غزنی کے لشکر ارسلان کو شکست ہوئی اور خراسان کے ملک پر فرخ زاد کو قبضہ حاصل نہ ہو سکا۔

سنہ ۴۵۰ھ میں فرخ زاد کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا۔ سلطان ابراہیم غزنوی بڑا نیک، عابد، بہادر اور عقلمند شخص تھا۔ اس نے تخت نشین ہو کر یہی مناسب سمجھا کہ سلجوقیوں کے ساتھ صلح کر لی جائے۔ چنانچہ سلجوقیوں نے نہایت خوشی کے ساتھ صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد وہ اپنے آپ کو خراسان کا جائز حکمران سمجھنے لگے اور آئندہ کے لیے غزنویوں اور سلجوقیوں کے درمیان جنگ و پیکار کا سلسلہ بند ہوا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر سلطان ابراہیم نے ہندوستان کی طرف توجہ کی۔ اب تک غزنی کے سلاطین چونکہ اپنے مقامی جھگڑوں اور سلجوقیوں کی لڑائیوں میں مصروف تھے، لہٰذا عرصہ سے ہندوستان کی طرف توجہ نہیں ہو سکی تھی۔ اس عرصہ میں ہندوستان کے اکثر سردار اور راجے خود مختار ہو کر باج و خراج کی ادائیگی سے گریز کرنے لگے تھے۔ سلطان ابراہیم نے ہندوستان کے سرکشوں پر متعدد حملے کئے اور اس طرف اپنی حکومت کو خوب مضبوط اور مستقل بنایا۔ سلطان ابراہیم نے ۴۲ یا ۴۳ سال حکومت کی اور سنہ ۴۹۳ھ میں وفات پائی۔

اس کے بعد مسعود بن ابراہیم تخت نشین ہوا اور ۱۶ سال حکمران رہ کر سنہ ۵۰۹ھ میں فوت ہوا۔ مسعود بن ابراہیم نے کچھ عرصہ کے لیے لاہور کو بھی اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔

مسعود کے بعد اس کا بیٹا ارسلان تخت نشین ہوا اور تین سال تک حکومت کی۔ سنہ ۵۱۲ھ میں سلطان سنجر سلجوقی نے غزنین کو فتح کر کے ارسلان کے بھائی بہرام بن مسعود بن ابراہیم کو غزنی کے تخت پر بٹھایا۔

بہرام نے ۳۵ سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ ہندوستان پر اس نے بھی باغیوں کی گوشمالی کے لیے متعدد حملے کئے اور لاہور میں اکثر مقیم رہا۔ اسی عہد حکومت میں کتاب کلیلہ دمنہ لکھی گئی۔ خمسہ نظامی بھی اسی عہد کی تصنیف ہے۔ سلطان بہرام کے آخری عہد میں غوریوں نے غزنی پر حملہ کر کے بہرام کو غزنین میں بے دخل کر دیا۔ وہ بھاگ کر ہندوستان کی طرف چلا آیا اور لاہور میں سنہ ۵۴۷ھ میں فوت ہوا۔ اب غزنویوں کے قبضہ میں صرف ہندوستان یعنی پنجاب کا ملک رہ گیا تھا۔ غزنین وغیرہ پر غوریوں کی حکومت ہو گئی تھی۔

بہرام کی وفات کے بعد لاہور میں اس کا بیٹا خسرو شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے غزنین کو

غوریوں کے قبضے سے نکالنے اور واپس لینے کی کوشش کی' مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر آٹھ سال پنجاب پر حکومت کرنے کے بعد لاہور میں فوت ہوا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک بن خسرو شاہ سنہ ۵۵۵ھ میں مقام لاہور تخت نشین ہوا۔ خسرو ملک کو غوریوں نے گرفتار کر کے پنجاب پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح دولت غزنویہ کا خاتمہ ہو کر اس کا صرف افسانہ باقی رہ گیا۔

دولت سلجوقیہ: سلجوقیوں کے مختصر حالات خلفائے عباسیہ کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ بقیہ مختصر حالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ترکوں کی قوم کا ایک شخص جس کا نام وقاق اور لقب تیمور تالیغ تھا' ترکستان یعنی دشت قپچاق کے بادشاہ پیغو کے متوسلین میں تھا۔ اس کے بیٹے کا نام سلجوق تھا' جو اپنے آپ کو افراسیاب کی چونتیس ویں پشت میں بتاتا تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کے بعد پیغو کے دربار میں رسوخ رکھتا تھا۔ ایک روز کسی بت پر سلجوق پیغو سے خفا ہو کر معہ اپنے بیٹوں کے سمرقند و بخارا کی طرف چلا آیا اور مقام جند کے قریب اس مختصر قافلہ نے قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بخارا کے تخت پر نوح ثانی سامانی متمکن تھا۔ جند کے مسلمان عامل کی ترغیب سے سلجوق نے دین اسلام قبول کیا۔ یہ علاقہ اس زمانے میں پیغو بادشاہ ترکستان کا باج گزار تھا۔ چند روز کے بعد پیغو کے عمال زر خراج وصول کرنے آئے تو سلجوق نے وہاں کے حاکم سے کہا کہ مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کفار آ کر مسلمان سے خراج وصول کریں۔ سلجوق کی اس ہمت کو دیکھ کر وہاں کے باشندے بھی آمادہ ہو گئے اور سلجوق کے ساتھ مل کی پیغو کے عمال پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں سلجوق کو فتح حاصل ہوئی اور اس کی بہادری کی دور دور تک شہرت پھیل گئی اور اس کے قبیلہ کے لوگ آ آ کر اس کے ساتھ شامل ہوئے۔ جب ایلک خان نے نوح ثانی پر حملہ کیا تو سلجوق نے نوح ثانی کی طرف سے ایلک خان کے مقابلے میں بڑی بہادری دکھائی۔ اسی لڑائی میں سلجوق کا بیٹا میکائیل مارا گیا۔ میکائیل کے دو بیٹے طغرل بیگ اور چغر بیگ اپنے دادا سلجوق کے زیر تربیت پرورش پانے لگے۔ سلجوق کے چار بیٹے اور تھے' جن کا نام اسرائیل' یونس' ینال اور موسیٰ تھے۔ ترک اور مغول قبائل میں کسی شخص کا غیر معمولی بہادری دکھانا اس کے سردار قوم بنا دینے کے لیے کافی تھا۔ سلجوق اور اس کے بیٹوں کو بہت جلد ناموری اور سرداری حاصل ہو گئی تھی اور ان کے گرد ترکوں کی جمعیت کثیر فراہم ہو چکی تھی۔ ایلک خان اور پیغو نے مل کر اس نئے قبیلہ کو جو قبیلہ سلجوق کے نام سے مشہور ہو چکا تھا' برباد کرنا چاہا۔ اس عرصہ میں سلجوق کا انتقال ہو گیا اور اس کے پوتے چغر بیگ نے ایک جمعیت لے کر ملک ارمینیا کی جانب عیسائیوں پر جہاد کرنے کے لیے جانا چاہا۔ راستے میں محمود غزنوی کا علاقہ یعنی صوبہ طوس پڑتا تھا۔ طوس کے عامل نے ایک مجاہد فی سبیل اللہ کو اپنی عملداری

سے گزرنے دیا۔ سلطان محمود غزنوی بہت ذی ہوش اور مآل اندیش بادشاہ تھا۔ اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلجوقی گروہ اس کے علاقے میں ہو کر گزر رہا ہے تو اس نے عامل طوس سے جواب طلب کیا اور اندیشہ مند ہوا کہ کہیں یہ لٹیرا گروہ میری مملکت کو اپنی غارت گری کا تختہ مشق نہ بنائے۔ چغر بیگ ارمینیا کی طرف سے سالماً غانماً واپس آیا اور سلجوقیوں کی تعداد اور طاقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اب انہوں نے نواح بلخ میں اپنے مویشیوں کو چرانا شروع کیا اور وہیں طرح اقامت ڈال دی۔ محمود غزنوی نے ان حالات سے مطلع ہو کر اپنے عامل کے ذریعہ سلجوقیوں کے سردار کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ عمر کے اعتبار سے اب سلجوق کا بیٹا اسرائیل سب سے بڑا اور ذی ہوش شخص تھا۔ چنانچہ اسی کو دربار محمودی میں روانہ کیا گیا۔ محمود غزنوی نے اسرائیل کو عزت کے ساتھ دربار میں جگہ دی اور بہت سی باتوں کے بعد دریافت کیا کہ اگر مجھ کو فوج کی ضرورت پڑے تو تم کتنے آدمیوں سے امداد کر سکتے ہو؟ اسرائیل نے اپنا تیر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ اس تیر کو آپ ہمارے جنگلی قبائل میں بھیج دیجئے۔ ایک لاکھ آدمی حاضر ہو جائیں گے۔ محمود نے کہا کہ اگر اس سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہو تو اور کتنے آدمی دے سکتے ہو؟ اسرائیل نے اپنی کمان سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ اس کمان کو اگر آپ ہمارے قبائل میں بھیج دیں گے تو دو لاکھ آدمی تیار ہو کر آ جائیں گے۔ اس جواب کو سن کر محمود نے ان لوگوں کی کثرت تعداد کا اندازہ کیا اور اسرائیل کو بطور یرغمال اور بطریق ضمانت امن روک کر ہندوستان کی طرف بھیج دیا۔ جہاں وہ سات سال تک کالنجر کے قلعہ میں محبوس رہا۔ سلجوقیوں کی سرداری طغرل بیگ اور چغر بیگ سے متعلق رہی۔ یہ دونوں بھائی آپس میں نہایت اتفاق و اتحاد کے ساتھ اور مل کر اپنے قبائل متعلقہ پر حکومت کرتے تھے۔ محمود غزنوی نے سلجوقیوں کو اول ماوراء النہر میں کچھ زمین بطور چراگاہ دے دی اور پھر اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ دریائے جیحون کو عبور کر کے خراسان میں آباد ہو جائیں۔ اس پر ارسلان جاذب عامل طوس و بلخ نے اعتراض کیا کہ یہ جنگجو قوم ہے' کسی وقت باعث اذیت ہوں گے۔ آپ ان کو دریائے جیحون سے اس طرف آنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں۔ مگر محمود کو اپنی طاقت کا حال معلوم تھا۔ نیز وہ جانتا تھا کہ ان کو فوج میں بھرتی کر کے ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ادھر اس نے بطور یرغمال اسرائیل کو نظر بند کر رکھا تھا۔ جب محمود غزنوی کا انتقال ہوا تو سلطان مسعود نے اسرائیل کو کالنجر قلعہ سے فوراً آزاد کر دینے کا حکم صادر کیا۔ اسرائیل قید سے آزاد ہو کر اپنے بھتیجوں کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پہنچتے ہی سلجوقیوں نے زور پکڑا۔ ادھر سلطان مسعود اپنی تخت نشینی کے بعد مہمات سلطنت پر پورے طور پر مستولی نہ ہونے پایا تھا کہ ادھر چغر بیگ نے مرو اور ہرات پر قبضہ کر لیا اور طغرل بیگ نیشاپور قابض ہو کر مضبوط ہو بیٹھا۔ مسعود غزنوی جب ان کے استیصال کی طرف متوجہ ہوا تو دونوں بھائیوں نے مقابلہ کیا اور سلطان مسعود کو اس قدر پریشان کیا کہ انجام کار اس کی حکومت تمام ملک

خراسان سے اٹھا دی۔

اس کے بعد طغرل بیگ نے اپنا دارالحکومت رے قرار دیا اور چغر بیگ مرو میں مقیم رہا۔ دونوں بھائیوں کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا۔ طغر بیگ نے خراسان پر قابو پا کر خوارزم کے ملک کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد رومیوں پر حملہ آور ہو کر وہاں سے کامیاب واپس ہوا۔ اس کے بعد بغداد پہنچا' دیلمیوں کی حکومت کا خاتمہ کیا اور خلیفہ بغداد کا مدارالمہام اور حامی خلافت مقرر ہوا۔ خلیفہ کے دربار سے خلعت و خطاب پایا۔ سنہ ۴۴۷ھ میں بغداد کے اندر طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ خاندان خلافت سے رشتہ داری کا شرف حاصل کرے ۸/ رمضان المبارک سنہ ۴۵۵ھ کو جمعہ کے دن ستر برس کی عمر میں طغرل بیگ نے وفات پائی۔ چغر بیگ اس سے چار سال پہلے ۱۸/ رجب سنہ ۴۵۱ھ کو فوت ہو چکا تھا۔

طغرل بیگ لاولد فوت ہوا۔ اس لیے اس کے بعد اس کا بھتیجا سلطان الپ ارسلان بن چغر بیگ اس کا جانشین اور مدارالمہام خلافت مقرر ہوا۔ سنہ ۴۶۵ھ میں بتاریخ ۱۰/ ربیع الاول سلطان الپ ارسلان نو برس اور ڈھائی مہینے حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ سلطان الپ ارسلان بڑا ہی دیندار عالی جاہ اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا زبردست شہنشاہ تھا۔ الپ ارسلان نے ایک مرتبہ صرف بارہ ہزار سواروں سے عیسائیوں کی تین لاکھ جرار فوج کو شکست فاش دے کر روم کے قیصر کو گرفتار کر لیا تھا جس کا ذکر گزشتہ ابواب میں گزر چکا ہے۔

الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی تخت نشین ہوا۔ الپ ارسلان کے بھائی قادرو نے بھتیجے کے خلاف علم مخالفت بلند کیا مگر آخر گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ اسی قادر بیگ کی اولاد میں سلاجقہ کرمان کی حکومت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ملک شاہ نے شام و مصر کو بھی اپنی حکومت میں شامل کیا۔ ادھر دریائے سیحون کے دوسری طرف اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ملک شاہ کی حدود حکومت الپ ارسلان سے بھی زیادہ وسیع تھیں۔ ایک مؤرخ کا بیان ہے کہ دیوار چین سے بحر قلزم تک ملک شاہ کا حکم جاری اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ سنہ ۴۸۴ھ ملک شاہ نے وفات پائی۔

اس کے بعد اس کا بیٹا برکیارق تخت نشین ہوا اور سلجوقیوں کا زوال شروع ہو گیا۔ برکیارق کے بعد اس کا بھائی محمد بن شاہ سنہ ۴۹۶ھ میں تخت نشین ہوا۔

اس کے بعد سنجر بن ملک شاہ سنہ ۵۰۹ھ میں تخت نشین ہوا اور سلطان السلاطین کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی سے سلطان بہرام غزنوی نے دب کر خراج گزاری گوارا کی تھی۔ جب سلطان علاؤ الدین غوری جہاں سوز نے بہرام کو بے دخل کر کے غزنین کو فتح کیا تو سلطان سنجر سلجوقی نے پہنچ کر علاؤ الدین غوری کو گرفتار کیا۔ ایک مرتبہ نواح بلخ میں ترکان غز نے موقعہ پا کر سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا اور

یہ چار سال تک ان کی قید میں رہا۔ اس عرصہ میں ترکان غز نے تمام ملک خراسان کو اپنی لوٹ مار سے تباہ و ویران کیا۔ آخر ان کی قید سے آزاد ہو کر پھر سلطان سنجر ملک خراسان پر قابض ہوا۔ اس کے بعد اس کے ایک خادم اور عامل خوارزم نے بغاوت و خود مختاری اختیار کی اور خوارزم میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس سلطنت کو دولت خوارزم شاہیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ خوارزم شاہیوں اور غوریوں کی سلطنت کے قائم ہونے کا زمانہ قریب ہی تھا۔ سلطان سنجر کی وفات کے بعد اس کا خواہرزادہ محمود خان نیشاپور میں تخت نشین ہوا۔ سلطان سنجر نے سنہ ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔ اسی سال محمود خان تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں خراسان کے ایک حصہ پر غوریوں نے اور دوسرے حصے پر خوارزم شاہیوں نے قبضہ کر کے خراسان سے سلجوقیوں کی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا۔

ملک شاہ سلجوقی کی اولاد جو عراق عرب میں حکمران اور خلافت بغداد سے متعلق رہی۔ اس کا تفصیلی تذکرہ خلفائے بغداد کے سلسلہ میں آ چکا ہے' یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قاور بیگ کی اولاد میں سے بادشاہ جو سلاجقہ کرمانیہ کہلاتے ہیں' شہر ہمدان میں یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہے' جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ قاور بیگ سنہ ۴۶۵ھ میں مسموم مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملک شاہ ابن الپ ارسلان کے حکم سے اس کا بیٹا سلطان شاہ کرمان میں حکمران مقرر ہوا۔ بارہ سال حکومت کر کے جب وہ فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بھائی توران تخت نشین ہوا۔ توران شاہ نے ۱۳ سال حکومت کی' اس کے بعد اس کا بیٹا ایران شاہ تخت نشین ہوا۔ جس نے بیالیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مغیث الدین تخت نشین ہوا۔ جس نے ۱۴ سال حکومت کی۔ اس کے بعد محی الدین طغرل شاہ تخت نشین ہوا اور ۱۲ سال حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بہرام شاہ اس کے بعد ارسلان شاہ' اس کے بعد توران شاہ' اس کے بعد محمد شاہ تخت نشین ہوئے۔ خوارزم شاہیوں کے عروج تک یہ لوگ کرمان میں حکمران رہے' اس کے بعد ان پر فنا وارد ہو گئی۔

سلیمان قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق کو سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ایشیائے کوچک کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے وہاں اپنی ایک جداگانہ حکومت قائم کی۔ اس کی اولاد میں چودہ بادشاہ ہوئے جو سلاجقہ روم کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا دارالسلطنت شہر قونیہ تھا۔ یہ لوگ ساتویں صدی ہجری کے آخر تک حکمران اور کثر رومیوں سے برسر جنگ رہے۔ ان کے بعد ہی سلطنت عثمانیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کا حال مناسب موقعہ پر بیان ہوگا' انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلجوقیوں اور غزنویوں کے حالات میں خوارزم شاہیوں اور غوریوں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں سلطنتوں کا بھی مختصر سا تذکرہ اب کر دیا جائے۔

دولت خوارزم شاہیہ: ملک شاہ سلجوقی کا ایک ترکی غلام جس کا نام نوشگین تھا۔ اس کا بیٹا قطب الدین بن نوشگین اسی طرح سلطان سنجر کی خدمت میں رسوخ رکھتا تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی نے اپنے نوکر قطب الدین مذکور کو خوارزم کا حاکم مقرر کیا۔ یہ قطب الدین جب کبھی سلطان سنجر کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اپنے اسی شاہانہ لباس میں خدمت گاری کے تمام کام حسب دستور سابق انجام دیتا۔ یہ عرصہ دراز تک علاقہ خوارزم کا حاکم رہا اور خوارزم کی مناسبت سے خوارزم شاہ مشہور ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی اسی نام سے مشہور ہوئی اور اس خاندان کے تمام فرماں روا خوارزم شاہی فرماں روا کہلائے۔ ابتداً یہ سلطان سنجر کا فرماں بردار رہا لیکن جب سلطان سنجر کے اقبال کو زوال ہوا اور وہ ترکان غز کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تو اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اور ماوراء النہر کے علاقے پر چڑھائی کی۔ رشید الدین وطواط مشہور شاعر اس کے دربار میں رہتا تھا۔ جس طرح کہ انوری سلطان سنجر سلجوقی کا درباری شاعر تھا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا آتسز خوارزم شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے رشید الدین واطواط کو اپنے دارالانشاط کا حکم اعلیٰ مقرر کیا تھا۔

سنہ ۵۴۰ھ کے قریب آتسز فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ارسلان شاہ سنہ ۵۵۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس میں اور اس کے بھائی تکش خان میں عرصہ دراز تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر تکش خان نے غالب ہو کر سنہ ۵۸۳ھ میں تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ اسماعیل بن حسن مصنف ذخیرہ خوارزم شاہی اور خاقانی شاعر اسی کے عہد میں ہوئے۔ اسی نے طغرل ثالث سلجوقی کو قتل کیا اور خراسان و عراق پر قابض ہو کر اپنی سلطنت کو بڑھایا۔

اس نے جب وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بیٹا سلطان محمد خوارزم شاہ سنہ ۵۹۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے قریباً اکیس سال حکومت کی۔ اس نے اپنی حد حکومت کو بہت وسیع کیا۔ اس کے اور خلیفہ بغداد کے درمیان کچھ بے لطفی ہو گئی تھی۔ شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد غور غزنی تک اس کی حکومت کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ فارس کے بادشاہ اتابک سعد آذربائیجان کے بادشاہ اتابک ازبک کو بھی اس نے شکست دی اور خلیفہ بغداد سے سرتابی کر کے بغداد کی طرف ایک جرار فوج لے کر چلا تا کہ خلیفہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سید اعلاء الملک ترمذی اپنے پیر کو تخت خلافت پر بٹھائے۔ خلیفہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ نصیحت کر کے خوارزم شاہ کو اس ارادے سے باز رکھیں اور آپس میں صلح و آشتی پیدا ہو جائے مگر اس سفارت کا کوئی اثر نہ ہوا اور سلطان محمد خوارزم شاہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ آخر قدرتی رکاوٹ پیدا ہوئی اور برف باری سے سخت نقصان اٹھا کر خوارزم شاہ کو عراق سے واپس ہونا پڑا۔ ابھی یہ عراق ہی میں تھا کہ چنگیز خان نے اس کے ملک پر حملہ کیا۔ اوپر

چنگیز خان کے حالات میں اس حملہ کی مفصل کیفیت گزر چکی ہے۔

سلطان محمد خوارزم شاہ اپنے زمانے میں بہت زبردست بادشاہ تھا۔ اس سے دور دور تک سلاطین ڈرتے تھے اور تمام دنیا میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی مگر اس برف باری کے واقعہ سے اس کے اقبال و دولت میں مسلسل سرد بازاری نے ایسا دخل پایا کہ وہ دم بدم بربادی کی طرف ترقی کرتا رہا۔ آخر اس حالت میں فوت ہوا کہ اس کو کفن بھی میسر نہ ہو سکا۔

سلطان محمد خوارزم شاہ کے سات بیٹے تھے۔ جن میں رکن الدین' غیاث الدین' جلال الدین الگ الگ صوبوں کے حاکم مقرر تھے۔ باپ کی وفات اور تباہی کے بعد یہ تینوں آپس میں متفق ہو کر چنگیز خان کا مقابلہ نہ کر سکے بلکہ ان میں آپس میں بھی ناچاقی رہی اور الگ الگ مقابلوں میں انہوں نے ناکامی کا منہ دیکھا۔

ان میں جلال الدین خوارزم شاہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس نے سندھ کے کنارے چنگیز خان کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ ہندوستان کی حدود میں داخل ہو کر اور چند روز سندھ میں رہ کر پھر واپس چلا گیا اور واپسی میں الموت کے ملاحدہ یعنی فدائیوں کا بہت کچھ زور توڑتا گیا۔ ایک طرف مغلوں سے لڑا' دوسری طرف فرنگیوں یعنی رومیوں سے بھی خوب لڑا۔ عراق میں اس نے فتوحات حاصل کیں مگر حالات کچھ ایسے ناموافق تھے کہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ قائم نہ کر سکا اور گم نامی کے عالم میں مارا گیا یا فقیری لباس میں روپوش ہو گیا۔ مؤرخین نے جلال الدین خوارزم شاہ کا ذکر اس لیے محبت و عزت کے ساتھ کیا ہے کہ وہ ایک بہادر شخص تھا اور متعدد مقامات پر اس نے اپنی بہادری کا ثبوت پیش کر کے اپنے آپ کو مستحق ستائش بنا لیا تھا اسی پر خاندان خوارزم شاہیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

دولت غوریہ: ہرات کے مشرقی کوہستان میں غور ایک وسیع خطہ کا نام ہے۔ محمود غزنوی نے اس علاقے کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنا لیا تھا۔ غور کے باشندوں نے دوسری صدی ہجری کے شروع میں اسلام قبول کر لیا تھا اور یہاں سے افغانی قومیں آباد تھیں۔ محمود غزنوی نے غور کی صوبہ داری پر انہیں افغانوں کے ایک شریف شخص کو مامور فرمایا تھا۔ جس کے خاندان میں غور کی حکومت بطور صوبہ داری چلی آتی تھی۔ اتفاقاً سلطان بہرام غزنوی اور غور کے حاکم قطب الدین میں کسی بات پر ناچاقی ہوئی اور نوبت جنگ و پیکار تک پہنچی۔ اس لڑائی میں قطب الدین غوری مارا گیا۔ قطب الدین غوری کے بھائی سیف الدین نے اپنے بھائی کے انتقام میں غزنی پر فوج کشی کر کے بہرام غزنوی کو غزنوی سے نکال دیا اور خود تخت غزنی پر متصرف ہوا۔ بہرام غزنوی نے اطراف ملک سے امداد حاصل

کر کے غزنی پر حملہ کیا ور سیف الدین کو گرفتار کر کے نہایت بے دردی اور سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کیا۔

اس حال کا جب تیسرے بھائی علاؤالدین غوری کو معلوم ہوا تو وہ اپنے دونوں مقتول بھائیوں کے خون بدلہ لینے کے لیے غزنی پر حملہ آور ہوا۔ علاؤالدین غوری اور اس کے ہم وطن نہایت جوش وخروش کے ساتھ غزنی کی طرف بڑھے تو بہرام غزنوی نے ان کو زرو جواہر کا لالچ دے کر واپس کرنا چاہا اور صلح وآشتی کی تمہید ڈالی لیکن علاؤالدین غوری اور اس کے ہمراہیوں کو جب یہ خیال آتا تھا کہ سیف الدین کو کس طرح بیل پر سوار کر کے غزنی کے گلی کوچوں میں تشہیر کیا گیا تھا اور نہایت ظالمانہ طور پر اس کی جان نکالی گئی تھی' تو وہ غیظ وغضب اور جوش انتقام میں دیوانے ہو جاتے تھے۔ اسی لیے بہرام کی تدبیر صلح کارگر نہ ہوئی۔ علاؤالدین نے غزنی کو فتح کر لیا اور بہرام غزنوی ہندوستان کی طرف بھاگ آیا۔ علاؤالدین غوری نے اپنے بھائی کے انتقام میں باشندگان غزنی کا قتل عام کیا۔ سلاطین غزنی کے بعض مقبروں کو مسمار کیا۔ مکانوں کو آگ لگادی اور ایک ہفتہ تک اس قتل وخونریزی کے سلسلے کو جاری رکھا' جس کی وجہ سے وہ علاؤالدین جہاں سوز کے نام سے مشہور ہوا۔ غزنی کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا اور وہاں ان کو قتل کر کے ان کے خون سی گارا بنوا کر شہر پناہ کی تعمیر میں استعمال کیا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۴۷ھ کا ہے۔ علاؤالدین جہاں سوز غوری نے غزنی کی فتح کے بعد غزنی میں اپنا ایک نائب السلطنت مقرر کیا اور خود غور کی جانب اپنے دارالحکومت فیروز کوہ کی جانب چلا گیا۔ اس طرح غزنی غور کی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ بہرام غزنوی چونکہ سلطان سنجر سلجوقی کی سیادت کو تسلیم کر چکا تھا۔ لہٰذا اس نے ہندوستان سے سلطان سنجر سلجوقی کے پاس فریاد نامے بھیجے۔ سلطان سنجر سلجوقی نے دوسری سال حملہ کر کے غور وغزنی کو فتح کر کے بہرام غزنوی کو پھر اپنی طرف سے غزنی پر قابض کر دیا اور علاؤالدین جہاں سوز غوری کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے گیا۔ علاؤالدین غوری نے غزنی کی تباہی میں جو کچھ کیا' جوش انتقام سے کیا' ورنہ وہ بہت سمجھ دار' دوراندیش اور قابل شخص تھا۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد سلطان سنجر نے علاؤالدین کی قابلیتوں سے واقف اور خوش ہو کر اس کو رہا کر دیا اور وہ اپنے وطن غور میں آ کر پھر حکومت کرنے لگ گیا۔ اس کے بعد ہی ترکان غز نے سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا اور سلجوقیوں کا رعب واقتدار کم ہوا۔ سلطان سنجر چار سال تک ترکان غزنی کی قید میں رہا۔ یہ قید اسی قسم کی تھی' جیسے کہ ہندوستان کا بادشاہ جہانگیر مہابت خان کی قید میں تھا یعنی ترکان غزون کے وقت سلطان سنجر کو تخت پر بٹھاتے اور اس کے سامنے مؤدبانہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے اور رات کے وقت اس کو ایک آہنی قفس میں بند کر دیتے۔ سلطان سنجر ہی کو اپنا بادشاہ اور سلطان مانتے اور جہاں چاہتے اپنے ساتھ اس کو لئے پھرتے تھے۔ سلطان سنجر کے قید ہونے کے بعد علاؤالدین غوری نے بہرام غزنوی کو

بے دخل کر کے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا اور چند روز کے بعد اپنی موت سے مر گیا۔

علاؤ الدین غوری کو دولت غوریہ کا پہلا خود مختار بادشاہ سمجھنا چاہئے۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین ثانی غور کے تخت پر بیٹھا اور ڈیڑھ سال کے قریب حکومت کر کے ترکان غز کی ایک لڑائی میں اپنے ہی ایک سردار کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اس کے بعد علاؤ الدین غوری کا بھتیجا غیاث الدین غوری کا ایک بھائی شہاب الدین غوری تھا' وہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ اسی طرح حکومت و سلطنت میں شریک تھا۔ جس طرح طغرل بیگ سلجوقی اور چغر بیگ سلجوقی دونوں بھائی مل کر حکومت کرتے تھے۔ غیاث الدین و شہاب الدین دونوں بڑے اتفاق و محبت سے رہتے تھے اور دونوں بادشاہ سمجھے جاتے تھے۔ شہاب الدین غوری اپنے بڑے بھائی غیاث الدین غوری کو اپنا آقا سمجھتا اور اس کے ہر ایک منشا کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ خراسان کے ملک کا اکثر حصہ اپنی حکومت میں شامل کرنے کے بعد غوریوں نے ہندوستان کی طرف توجہ کی کیونکہ وہ اپنے آپ کو سلطنت غزنوی کا جانشین سمجھتے اور جس قدر ملک سلطان غزنوی کے قبضے میں تھا' اس تمام ملک کو قبضہ میں لانا اپنا جائز حق تصور کرتے تھے۔ پنجاب میں بہرام غزنوی کی اولاد حکمراں تھی۔ چنانچہ اس سے پنجاب کا ملک چھین لینا انہوں نے اپنا ضروری سمجھا اور شہاب الدین غوری کے پاس غور کی طرف بھیج دیا اور خود دارالسلطنت لاہور پر قابض و متصرف ہوا۔

سنہ ۵۹۹ھ میں غیاث الدین غور کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ اس کا بھائی شہاب الدین غوری فیروز کوہ میں تخت نشین ہوا۔ غیاث الدین غوری کے عہد حیات میں شہاب الدین غوری ہندوستان کے راجہ پرتھوی راج کو شکست دے کر اور گرفتار کر کے قتل کر چکا تھا۔ اب جبکہ وہ فیروز کوہ میں غور کے تخت پر بیٹھا تو ہندوستان میں اس کی طرف سے اس کا غلام قطب الدین ایک فرماں روا تھا۔ اپنی بادشاہت کے زمانے میں سلطان شہاب الدین غوری ایک مرتبہ ہندوستان آیا ہوا تھا۔ یہاں سے واپس غوری کی طرف جا رہا تھا کہ سنہ ۶۰۲ھ میں فدائیوں یا گکھڑوں کے ہاتھ سے اپنے خیمے میں رات کے وقت دھوکے سے شہید کیا گیا۔ شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد دولت غوریہ کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔ ہندوستان میں قطب الدین ایبک مستقل بادشاہ اور خاندان غلاماں کی سلطنت کا بانی ہوا اور فیروز کوہ کے تخت پر اس کا بھیجا سلطان محمود غوری ابن غیاث الدین غوری متمکن ہوا۔

سنہ ۶۰۷ھ میں محمود غوری بھی مقتول ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بہاؤ الدین تخت نشین ہوا۔ جس کو خوارزم شاہ نے قید کر لیا۔ اس کے بعد اس خاندان کے متوسلین نے یکے بعد دیگرے برائے نام غور میں حکومت کی اور بہت جلد اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

اتابکان شیراز: سلطان سلجوقیہ اپنے شہزادوں کو تعلیم و تربیت اور اخلاق فاضلہ سکھانے کے لیے جن اتالیقوں کے سپرد کرتے تھے وہ اتابک کہلاتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان اتالیقوں یا اتابکوں کو وزارت اور ملکوں کی حکومت ملنے لگی اور خاندانِ سلجوقیہ کے کمزور ہونے پر ان اتابکوں نے مختلف ملکوں اور صوبوں میں اپنی خودمختار حکومتیں قائم کر لیں۔ چنانچہ ان اتابکوں کے بہت سے خاندان شام، عراق، فارس وغیرہ میں برسرحکومت رہے اور بعض نے عالم اسلام میں بڑی ناموری حاصل کی۔ شام کے اتابکوں کا حال تو بعد میں بیان ہوگا۔ اس جگہ اتابکان شیراز کا تذکرہ ضروری ہے۔ جس کی حکومت کو دولت سلغریہ بھی کہا جاتا ہے اور جو تاریخ ایران کا ایک ضروری جزو ہے۔

سلطان سنجر سلجوقی کے عہد حکومت میں مظفر الدین سنقر بن مودود سلغر فارس کا عامل و حاکم تھا۔ سلطان سنجر کی وفات کے بعد اس نے اپنا خطاب اتابک تجویز کیا اور ملک فارس پر خودمختارانہ حکومت کرنے لگا۔ سنہ ۵۵۶ھ میں فوت ہوا۔

اس کے بعد اس کا بھائی مظفر الدین اتابک تخت نشین ہو کر سنہ ۵۷۱ھ تک فرمانروا رہا۔ اس وفات کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہو کر بیس سال تک فرماں روائے فارس رہا۔ اس کے بعد اتابک سعد بن زنگی ۲۸ سال تک فرمانروارہ کر سنہ ۶۲۲ھ میں فوت ہوا۔ اسی اتابک سعد کے نام پر شیخ مصلح الدین شیرازی نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اتابک ابوبکر بن سعد زنگی تخت نشین ہوا۔ اسی کے عہد میں ہلاکو خان کے ہاتھ سے بغداد کی تباہی عمل میں آئی۔ اس نے مغلوں کی باج گزاری اختیار کر لی تھی۔

اس کے بعد اس کا پوتا اتابک محمد تخت نشین ہوا۔ غرض سنہ ۶۶۳ھ تک یہ خاندان شیراز و فارس میں برسرحکومت اور مغلوں کا خراج گزار رہا۔ اس کے بعد مغلوں کی طرف سے وائسرائے مقرر ہو کر شیراز کی حکومت پر مامور ہوتے رہے۔ چند روز کے بعد جب مغلوں کی حکومت میں ضعف و اختلاط کے آثار نمایاں ہوئے تو شیراز میں چند روز کے لیے پھر خودمختار سلطنت قائم ہوئی۔ اس کے بعد دور تیموری آ گیا۔

شاہان سیستان: سیستان کے ملک کو نیم روز بھی کہتے ہیں۔ سلطان سنجر سلجوقی نے اس ملک پر ایک شخص ابوالفضل تاج الدین کو عامل مقرر کیا۔ دولت سلجوقیہ کے اختلاط کو دیکھ کر اس نے علم استقلال بلند کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین محمد تخت نشین ہوا۔ اس کے ظلم و ستم سے ملک سیستان کی رعایا نالاں رہی۔ آخر لوگوں نے ہجوم کر کے اس کو قتل کر دیا اور اسی خاندان کے ایک شخص تاج الدین حرب ابن عزالملک کو تخت نشین کیا۔ یہ نیک سیرت اور اچھا بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں ملک خراسان

سلطنت غور میں شامل تھا۔ اس نے چھ سال حکومت کی۔ اس کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا یمین الدین بہرام شاہ تخت نشین ہوا۔ مگر چندروز کے بعد ملحدوں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نصرت الدین تخت نشین ہوا مگر اس کے دوسرے بیٹے رکن الدین نے اپنے بھائی کی مخالفت اور تخت سلطنت کا دعویٰ کیا۔ دونوں کے عہد حکومت میں سیلاب چنگیزی آیا اور مغلوں کے ہاتھ سے یہ مارا گیا۔ رکن الدین کے عہد حکومت میں سیلاب چنگیزی آیا اور مغلوں کے ہاتھ سے یہ مارا گیا۔ اس کے بعد تاج الدین حرب کا بیٹا شہاب الدین محمد تخت نشین ہوا اور دو سال محصور رہ کر مغلوں کے ہاتھ سے مقتول ہو کر اس خاندان کا خاتمہ کر گیا۔

ملوک خاندان کرت و ہرات: کہتے ہیں کہ عزالدین عمر نامی ایک شخص سلجوقی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور غیاث الدین غوری کا وزیر تھا۔ غیاث الدین غوری نے اس کو ہرات کا گورنر بنا کر بھیج دیا تھا۔ جہاں اس کے اہتمام سے بہت سی شاہی عمارات اور مساجد تعمیر ہوئیں۔ یہ عزالدین کرت کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے بعد سنہ ۶۴۳ھ میں رکن الدین کرت و ہرات کا حاکم مقرر رہا۔ دولت غوریہ کی بربادی کے بعد یہ لوگ ہرات کے مستقل بادشاہ سمجھے جاتے تھے۔ ملک رکن الدین کرت کی وفات کے بعد شمس الدین کرت ہرات کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اور اس کے باپ نے بھی مثل اتابکان شیراز مغلوں کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اسی لیے ان کی حکومت و سلطنت کو مغلوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اپنی طرف سے بطور نائب السلطنت ان کو ہرات کا حکمران رہنے دیا۔

شمس الدین کرت کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین تخت ہرات پر بیٹھا۔ مغلوں کے بادشاہ اباقاخان نے اس کو ''شمس الدین کہین'' کا خطاب دیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا فخرالدین باپ کا جانشین ہوا۔ فخرالدین کے بعد اس کا بھائی غیاث الدین اور غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین سنہ ۷۲۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ شمس الدین کے بعد اس کا بھائی ملک حافظ اور اس کے بعد دوسرا بھائی معزالدین حسین سنہ ۷۳۱ھ میں ہرات کا بادشاہ ہوا۔ معزالدین حسین نے سنہ ۷۷۱ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین بیرعلی تخت نشین ہوا۔ اسی کے زمانے میں تیمور ہرات میں پہنچا۔ اس نے تیمور کی اطاعت قبول کی اور تیمور نے اپنی لڑکی کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔

ایران کے دوسرے حصوں میں بھی اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں مثلاً اتابکان لرستان قائم ہو گئی تھیں' جو کچھ زیادہ مشہور نہیں ہیں۔

اتابکان آذربائیجان: سلطان محمود سلجوقی کے غلاموں میں ایک شخص ایلاکز نامی ترکی النسل

تھا۔ وہ اول بہت ہی ادنیٰ درجہ خدمات پر مامور تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ترقی کر کے اتابکی کے درجہ تک پہنچ گیا اور معاملات سلطنت میں خوب دخیل اور قابو یافتہ ہو گیا۔ بالآخر سلطان طغرل ثانی کی بیوہ سے اس کی شادی ہو گئی اور وہ آذربائیجان کا گورنر مقرر ہو گیا۔ آخر وہ سلطنت سلجوقیہ کا وزیر اعظم اور سپہ سالار بن گیا اور ملک ایران کی حکومت اس کے قبضہ اقتدار میں آ گئی۔ جب مقام ہمدان میں اس کا انتقال ہوا تو اس کا بڑا بیٹا محمد عطا بیگ باپ کی جگہ وزیر اعظم اور طغرل سوم کا (جس کی عمر سات برس کی تھی) مربی و سرپرست قرار دیا گیا۔ عطا بیگ نے تیرہ سال ایران کی حکومت کا لطف اٹھایا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا بھائی قزل ارسلان اس عہدہ جلیلہ پر مامور ہوا۔ قزل ارسلان نے طغرل سوم کو قتل کر کے خود تاج شاہی اپنے سر پر رکھنا چاہا مگر عین اس روز جبکہ یہ رسم ادا ہونے والی تھی' وہ خود بھی مر گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے عطا بیگ ابوبکر نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے آذربائیجان کے ملک پر قناعت کر کے اپنی حکومت کو مضبوط کیا اور اطمینان سے حکومت کرنے لگا۔ اس وقت تک اس حکومت کا رعب اطراف و جوانب پر بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً ابوبکر کے بھائی قتلغ نے بھائی کے خلاف علم مخالفت بلند کیا' معرکہ جنگ میں قتلغ کو شکست ہوئی۔ اس نے فرار ہو کر خوارزم شاہ کے پاس پناہ لی اور اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آذربائیجان پر حملہ کر کے فتح کر لے مگر قتلغ خوارزم شاہ کے ایک سردار کی تیغ خون آشام کا شکار ہوا اور چند روز کے بعد عطا بیگ ابوبکر کا انتقال ہوا تو اس کا دوسرا بھائی عطا بیگ مظفر بھائی کا جانشین ہوا۔ اس نے آذربائیجان کے علاوہ ملک عرق کے ایک حصہ پر قبضہ کیا اور پندرہ سال حکومت کرتا رہا۔ آخر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے آذربائیجان پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور اس طرح سلطنت خوارزم شاہیہ اور آذربائیجان کی دولت ایلاکزیہ کا ساتھ ہی ساتھ خاتمہ ہوا۔

دولت ملاحدہ الموت: علاقہ قہستان میں الموت و قزوین وغیرہ کے قلعے حسن بن صباح نے اپنے قبضہ میں لے کر ایک سلطنت کی بنیاد دولت سلجوقیہ کے عین عالم شباب میں قائم کی تھی۔ حسن بن صباح اور اس سلطنت کا ملاحدہ کا حال بالتفصیل پہلے کسی باب میں بیان ہو چکا ہی۔ اس جگہ بعض اور ضروری باتیں جو پہلے بیان میں رہ گئی تھیں' اضافہ کی جاتی ہیں تاکہ تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ بیان تکمیل کو پہنچ جائے۔ حسن بن صباح کی نسبت تو بہت سی باتیں مؤرخین نے بیان کی ہیں لیکن اس کے قوی الجسم اور مضبوط ہونے کا حال اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اس کے دو بیٹوں نے کسی کام میں اس کی نافرمانی کی تو حسن بن صباح نے ناراض ہو کر دونوں کے صرف ایک ایک طمانچہ مارا تو طمانچہ کی اس ضرب سے دونوں مر گئے۔

ایک مرتبہ حسن بن صباح کو سلجوقیوں کی حملہ آوری اور محاصرہ کے وقت اپنے بیوی بچوں کو ایک دوسرے قلعے میں احتیاطاً بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے قلعہ کے حاکم کو تاکید کر دی کہ میری بیوی خود ہی سوت کات کر اپنے خورد و نوش کے لیے سامان فراہم کرے گی' تم کو اس کی کوئی مہمان نوازی نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن صباح نہ صرف خود ہی سادہ زندگی بسر کرتا تھا بلکہ وہ اپنے اہل و عیال کو بھی راحت طلبی سے دور و مجہور رکھنا چاہتا تھا۔

حسن بن صباح کی وفات کے بعد کیا بزرگ امید الموت میں تخت نشین ہوا۔ سلطان محمد سلجوقی اور کیا بزرگ امید کے درمیان محمد سلجوقی کی وفات تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ محمد سلجوقی کی وفات کے بعد کیا بزرگ امید نے سلجوقیوں کے کئی قلعوں کو اپنی حکومت میں شامل کیا اور گیلان کو خوب لوٹا۔

کیا بزرگ امید کے بعد اس کا بیٹا محمد نامی تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں فدائیوں نے جا بجا بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ جب قتل کی وارداتیں کثرت سے وقوع پذیر ہوئیں تو ایران کے لوگوں نے سلطان سنجر سلجوقی کی خدمت میں فریاد کی اور علماء نے ان فدائیوں کے خلاف قتل کے فتوے دیئے' مگر سلطان سنجر نے ایلچی الموت میں بھیجے کہ وہ ان لوگوں کے اعمال و عقائد کی نسبت صحیح حالات معلوم کر کے آئیں۔ چنانچہ مجلس مناظرہ منعقد ہوئی اور ان ملاحدہ نے اپنی بے گناہی کے ثبوت پیش کرنے کی خوب کوششیں کیں۔ آخر یہ افہام و تفہیم بلا نتیجہ رہی اور سلطان سنجر نے ان ملاحدہ کے قتل عام کی نسبت حکم دینے میں تامل اور احتیاط کو ہی ضروری خیال کیا۔

تین سال کے بعد محمد بن کیا بزرگ امید فوت ہوا۔ اس کی جگہ حسن بن محمد تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی فرقہ میں دہریت اور بے دینی کو بہت ترقی دی۔ سنہ ۵۶۱ھ میں جب یہ فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا علاؤ الدین محمد تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں امام فخر الدین رازی نے آذربائیجان سے رے میں آ کر سلسلہ درس جاری کیا۔ وہ اپنے وعظ و درس میں فرقہ ملاحدہ کے خلاف اکثر فرمایا کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی طرف یعنی فدائیوں کی طرف مائل نہ ہوں۔ فدائیوں نے رے میں پہنچ کر امام فخر الدین رازی کو قتل کی دھمکیاں دیں اور ان کو متنبہ کیا کہ اگر تم ہمارے خلاف باتیں کرنے سے باز نہ آؤ گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس کے بعد امام موصوف رے سے روانہ ہو کر غور میں غیاث الدین غوری اور اس کے بھائی شہاب الدین غوری کے پاس چلے آئے اور سلطان شہاب الدین کے ساتھ ہندوستان کے سفروں میں بھی شامل رہے۔ چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری کی فوج میں آپ بطور امام مامور تھے یعنی نمازوں کی امامت آپ ہی فرماتے تھے۔ اسی سلسلہ میں سلطان شہاب الدین کی شہادت فدائیوں کے ہاتھ سے سنہ ۶۰۲ھ میں ہوئی' جس کے بعد امام فخر الدین رازی خوارزم شاہ کے پاس چلے گئے۔

علاؤالدین محمد کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین حسن الموت میں تخت نشین ہوا۔ اس نے باپ اور دادا کے عقائد سے توبہ کی اور اپنی اس توبہ کا حال تمام سلاطین اسلام کے پاس لکھ کر بھیجا۔ چنانچہ یہ عالم اسلام میں جلال الدین نومسلم کے نام سے مشہور ہوا۔ خلیفہ ناصر عباسی بھی جلال الدین سے بہت خوش ہوا۔ چنانچہ جب جلال الدین حسن کی ماں حج کرنے کے لیے خانہ کعبہ میں گئی تو خلیفہ کے حکم سے سلطان محمد خوارزم شاہ کا رایت جلال الدین حسن کی ماں کے رایت سے پیچھے رکھا گیا۔ اس طرح خلیفہ نے جلال الدین حسن کی ہمت افزائی کی مگر سلطان محمد خوارزم شاہ اس بات سے بے حد ناخوش ہوا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ خوارزم شاہ نے خلیفہ بغداد کے خلاف مہم تیار کی۔ جلال الدین حسن کی وفات کے بعد اس کا نوسالہ بیٹا علاؤالدین محمد تخت نشین ہوا۔ چونکہ یہ لڑکا تھا' اس کے وقت میں سلطنت کے اندر بہت سے فتنے پیدا ہوئے اور مذہبی معاملات میں بھی تمسخر انگیز باتوں کا اظہار ہونے لگا۔ نصیر الدین طوسی بھی اسی کے عہد میں تھا۔ سنہ ۶۵۳ھ میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا رکن الدین خورشاہ تخت نشین ہوا۔ ہلاکو خان نے حملہ کر کے رکن الدین خورشاہ کو گرفتار اور اس کے قلعوں کا مسمار کر دیا۔ اس طرح اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں سر آغا خان جو بمبئی وغیرہ کی طرف بوہروں کی قوم کے پیر سمجھے جاتے ہیں' اسی خاندان کی یادگار ہیں۔

❁❁❁

(اٹھارھواں باب)

مصر وشام کی اسلامی تاریخ کا اجمالی تتمہ

سلجوقیوں کی سلطنت کے ضعیف ہونے پر خود خاندان سلجوقیہ کے ٹکڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی الگ الگ حکومتیں قائم کیں۔ اسی طرح اتابکوں کی بہت سی حکومتیں الگ الگ قائم ہوئیں اور اس طرح ایران' خراسان' عراق' فارس' شام اور ایشیائے کوچک میں مسلمانوں کی چھوٹی بہت سی سلطنتیں پیدا ہو گئیں۔ جن کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ انہیں میں سے خاندان سلجوقیہ کی ایک سلطنت ایشیائے کوچک میں قائم ہوئی جس کا دارالسلطنت شہر قونیہ تھا اور جو سلاجقہ روم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ سلطنت ترکوں کی عثمانیہ سلطنت کے قائم ہونے تک باقی رہی۔ اسی طرح ملک شام میں اتابکوں کی ایک خود مختار سلطنت قائم ہوئی جس کا اتابکان شام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اتابکان شام: سنہ ۵۲۱ھ میں اتابک عمادالدین زنگی نے شام میں اپنی خود مختار حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس عمادالدین زنگی کا حال اوپر خلفاء کے سلسلہ میں آ چکا ہے۔ سنہ ۵۴۴ھ میں جب عمادالدین زنگی نے وفات پائی تو اس کے تین بیٹے نورالدین زنگی' سیف الدین زنگی' قطب الدین زنگی موجود تھے۔ ان تینوں نے ملک شام میں الگ الگ شہروں میں حکومتیں قائم کر کے نورالدین زنگی کو اپنا سردار اور سلطان تسلیم کیا۔ جس طرح ایشیائے کوچک کے سلاجقہ روم عیسائیوں سے ہمیشہ برسرپیکار ہے۔ اسی طرح اتابکان شام بھی عیسائیوں ہی کے حملوں کی روک تھام میں مصروف تھے۔ خاص کر سلطان نورالدین نے عیسائیوں کے خلاف بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے' حلب' موصل اور دمشق اس خاندان کے حاکم نشین شہر تھے۔ سلطان نورالدین زنگی بڑا بہادر' نیک طینت اور خشیت الٰہی رکھنے والا شخص تھا۔ سنہ ۴۹۰ھ سے بیت المقدس عیسائیوں کے قبضے میں تھا اور انہوں نے وہاں اپنی ایک سلطنت قائم کر لی تھی۔ تمام براعظم یورپ بیت المقدس کی اس عیسائی سلطنت کا ممد ومعاون تھا۔ سلطان نورالدین کی تمام تر ہمت وتوجہ اس کی کوشش میں صرف ہوئی کہ بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے نکالا جائے مگر سلطان نورالدین زنگی اپنی زندگی میں بیت المقدس کو آزاد نہ کرا سکا۔

اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ نورالدین کو بغداد کے عباسی خلیفہ کے سلطان کا خطاب اور ملک شام کی باقاعدہ سند حکومت عطا کر دی تھی۔ اسی سلطان کے عہد حکومت میں فرنگیوں نے مصر پر زور ڈالنا چاہا۔ جہاں خاندان عبیدی کا آخری فرماں روا عاضد برسر حکومت تھا۔ عاضد نے سلطان نورالدین سے امداد طلب کی اور نورالدین نے اپنے سپہ سالار شیرکوہ

اور اس کے بھتیجے صلاح الدین کو مصر بھیجا۔ چند روز کے بعد عبیدی حاکم مصر فوت ہوا اور مصر پر صلاح الدین کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے چند روز کے بعد سلطان نورالدین زنگی کا بھی انتقال ہوا اور ملک شام میں دمشق کے تخت پر نورالدین کا بیٹا ملک صالح تخت نشین ہوا۔ چند روز کے بعد سیف الدین بن قطب الدین نے موصل میں اپنی الگ حکومت قائم کی اور انجام کار شام کے ملک پر بھی سلطان صلاح الدین ایوبی ہی کا قبضہ ہوگیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلطان نورالدین کی اولاد اور خاندان کے ساتھ بہت رعایت ومروت کا برتاؤ رکھا اور ملک شام میں اس خاندان کے افراد کو خان کے حملہ تک برسر حکومت واقتدار رہے لیکن ان کی حکومت برائے نام اور بہت محدود رقبہ پر تھی۔ حقیقتاً سلطان نورالدین کے بعد حکومت وسلطنت سلطان صلاح الدین ایوب سے متعلق ہوگئی۔

دولت ایوبیہ مصر وشام: نجم الدین ایوب قوم کے اعتبار سے کرد اور عمادالدین زنگی کی فوج میں سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا۔ نجم الدین ایوب کے بیٹے صلاح الدین پر عمادالدین زنگی بہت مہربان تھا اور اس نے صلاح الدین کی تعلیم وتربیت کا انتظام اپنے اہتمام سے کیا تھا۔ عمادالدین زنگی کی وفات کے بعد سلطان نورالدین زنگی نے نجم الدین ایوب کو دمشق کا قلعہ دار اور کوتوال مقرر کر کے صلاح الدین اس کے بیٹے کو بھی اس خدمت مین باپ کا کمکی مقرر کیا تھا۔ نجم الدین ایوب کی وفات کے بعد نورالدین زنگی نے اس کے بھائی شیر کوہ کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا اور صلاح الدین کو دمشق کا قلعہ دار رکھا۔ جب مصری کی جانب عاضد عبیدی کی درخواست پر فوج بھیجی گئی تو شیر کوہ کے ساتھ نورالدین نے اس کے بھتیجے صلاح الدین کو بھی بھیجا۔ جس کا مفصل تذکرہ اوپر کسی باب میں آچکا ہے۔ سنہ ۵۶۷ھ صلاح الدین بن نجم الدین ایوب عاضد عبیدی کے بعد مصر کا بادشاہ بن گیا۔ سنہ ۵۶۹ھ میں جب سلطان نورالدین زنگی کا انتقال ہوا تو یہاں ارکان سلطنت میں تخت نشینی کے متعلق اختلاف ہوا۔ صلاح الدین نے مصر سے دمشق میں آ کر سلطان نورالدین کے بیٹے ملک صالح کو تخت نشین کیا اور اسی تاریخ سے شام کی سلطنت بھی سلطان صلاح الدین کے زیر اثر اور زیر اقتدار آ گئی۔ اسی سال یمن اور حجاز میں بھی اس کی حکومت قائم ہوئی۔

یہ زمانہ عالم اسلام کے لیے بہت نازک تھا۔ یورپ کے عیسائیوں نے متفقہ طاقت سے شام ومصر پر حملہ آوری کی۔ اس حملہ آوری کی زد پر صلاح الدین ہی پہاڑ بن کر ڈٹ گیا تھا۔ دوسری طرف ملاحدہ الموت یعنی فدائیوں نے جو چھپ کر حملہ کرتے اور مسلمان امراء کو قتل کرنا ثواب جانتے تھے' ایک تہلکہ عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ان فدائیوں سے لوگ بہت خائف وترساں تھے۔ ان ظالموں نے سلطان صلاح الدین کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی' مگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بچ گئے۔

آخر شام کے تمام سرداروں نے مل کر صلاح الدین کو ملک شام کا باقاعدہ بادشاہ تسلیم کیا اور سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے نکالنے کی کوشش شروع کی۔ سنہ۔۵۸۳ھ میں سلطان صلاح الدین نے ایک جنگ عظیم کے بعد بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ کو میدان جنگ میں گرفتار کرلیا اور پھر اس سے یہ اقرار لے کر کہ وہ سلطان کے مقابلے میں نہ آئے گا' چھوڑ دیا۔ اس کے بعد عکہ پر قبضہ کیا اور سنہ۔۵۸۸ھ میں بیت المقدس کو فتح کرلیا۔ سنہ۔۴۹۰ھ سے سنہ۔۵۸۸ھ تک یعنی ۹۸ سال کے قریب بیت المقدس عیسائیوں کے قبضے میں رہا۔ عیسائیوں نے جب بیت المقدس کو مسلمانوں سے فتح کیا تھا تو مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی تھیں لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب اس مقدس شہر کو عیسائیوں سے فتح کیا تو کسی عیسائی باشندی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ بیت المقدس کی فتح کا حال سن کر تمام براعظم یورپ میں ایک حشر برپا ہو گیا اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ چنانچہ فلپ شہنشاہ فرانس' رچرڈ شیر دل بادشاہ انگلستان' فریڈرک شہنشاہ جرمنی اور بہت سے چھوٹے چھوٹے بادشاہ' نواب اور امراء لشکر عظیم لے کر متفقہ طور پر تمام براعظم ایشیا کو فتح کر کے اسلام کا نام ونشان مٹانے کے ارادے سے حملہ آور ہوئے۔ عیسائی افواج جرار کا یہ سمندر اس طرح متلاطم ہوا اور اس شان وشوکت کے ساتھ ملک شام کی طرف بڑھا کہ بظاہر براعظم ایشیاء کی خیر نظر نہیں آتی تھی مگر حیرت ہوتی ہے کہ سلطان صلاح الدین نے چار سال تک کئی سولڑائیاں لڑکر عیسائیوں کے اس بے پایاں لشکر کو خاک وخون میں ملایا اور اپنے سامنے بھگادیا مگر بیت المقدس کی دیواروں تک نہیں پہنچنے دیا۔ آخر ناکام ونامراد عیسائی سلاطین نہایت ذلت کے ساتھ واپس ہوئے اور سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کو یہ رعایت عطا کی کہ وہ اگر بیت المقدس میں محض زیارت کے لیے آئیں تو عیسائیوں کو کسی قسم کی روک ٹوک نہ کی جائے گی۔

ان مذکورہ لڑائیوں میں صلاح الدین نے جس شرافت وانسانیت کا برتاؤ کیا اور جس شجاعت وجفاکشی کا اس سے اظہار ہوا' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک بھی تمام یورپ سلطان صلاح الدین کو عزت وعظمت کے ساتھ یاد کرتا اور اس کے نام کو شجاعت وشرافت کا مترادف سمجھتا ہے۔ حالانکہ سلطان صلاح الدین ہی نے تمام براعظم یورپ کو اس کے مقصد وحید میں ناکام ونامراد رکھ کر واپس بھگادیا تھا۔ سنہ۔۵۸۹ھ میں سلطان صلاح الدین نے وفات پائی اور اپنے تقوے اور زہد وورع کے سبب اولیاء اللہ میں اس کا شمار ہوا۔

صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عثمان الملقب بہ ملک العزیز تخت نشین ہوا۔ اس نے چھ سال نہایت نیک نامی کے ساتھ حکومت کی۔ سنہ۔۵۹۵ھ میں جب فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک منصور تخت نشین ہوا۔ مگر ایک سال کے بعد معزول ہوا تو اس کے بعد ملک عادل سلطان

صلاح الدین کا بھائی تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا نیک اور قابل ستائش سلطان تھا۔ اس نے سنہ ۶۱۵ھ میں وفات پائی۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک کامل تخت نشین ہوا۔ یہ بھی بہت نیک نام بادشاہ تھا۔ سنہ ۶۳۵ھ میں اس کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک عادل ابوبکر تخت نشین ہوا۔ دو برس کے بعد امرائے مصر نے اس کو محبوس کر کے اس کے بھائی ملک صالح بن ملک کو مصر کے تخت پر بٹھایا۔ اس نے دس سال حکومت کی۔ آخر عیسائیوں کی لڑائی میں شہید ہوا۔ اس کے بعد ملک معظم توران شاہ بن ملک صالح سنہ ۶۴۷ھ میں تخت نشین ہوا مگر چند ہی مہینے کی حکومت کے بعد مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملکہ شجرۃ الدر سنہ ۶۴۸ھ میں تخت نشین ہوئی اور چند مہینے کی حکومت کے بعد وہ بھی تخت سلطنت سے جدا ہو گئی۔ اس کے بعد ملک اشرف سنہ ۶۴۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ سنہ ۶۵۲ھ میں اس کو اسی خاندان کے غلاموں نے معزول کیا اور خاندان ایوبیہ کردیہ کا خاتمہ ہوا۔

سلطان صلاح الدین کا تقریباً تمام عہد حکومت ملک شام اور شہر دمشق یا میدان جنگ میں گزرا۔ لیکن اس کے جانشینوں نے مصر ہی کو اپنا دارالسلطنت بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کی حکومت ان کے ضعیف ہو جانے کے بعد دولت ایوبیہ سے خارج ہو گئی اور آخر میں وہ صرف ملک مصر ہی پر قابض رہے۔ اس سلطنت کے آخری فرماں رواؤں کی حکمت عملی یہ تھی کہ خارجہ اور ارمینیا کے غلاموں کو خرید خرید کر ان غلاموں کی ایک زبردست فوج رکھی جائے تاکہ کسی سردار کو بغاوت و سرکشی کی جرأت نہ ہو سکے اور ان شاہی غلاموں کی فوج سے ہر سرکش کی سرکوبی کی جا سکے۔ مگر رفتہ رفتہ ان غلاموں نے جن کو مملوک کہا جاتا تھا' اس قدر قوت حاصل کر لی کہ وہی سلطنت مصر کے مالک ہو گئے۔

دولت مملوکہ مصر طبقہ اول : جب خاندان ایوبیہ کا زوال آیا اور غلاموں کے ہاتھ میں سلطنت کے تمام امور آ گئے تو انہوں نے انتخاب کے ذریعہ اپنے ہی لوگوں میں سے ایک شخص ملک عزیز الدین ایبک کو اپنا بادشاہ بنایا۔ ملک معز نے ملکہ شجرۃ البدر سے جو ملک صالح کی کنیز تھی اور چند مہینے بادشاہت کر چکی تھی' نکاح کیا۔ سنہ ۶۵۵ھ میں مقتول ہوا۔

اس کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے بیٹے ملک منصور کو بادشاہت کے لیے منتخب کیا۔ یہ دو برس کے بعد سلطنت سے دست کش ہو گیا۔ اس کی جگہ ملک مظفر بادشاہت کے لیے منتخب ہوا اور گیارہ مہینے سلطنت و حکومت پر فائز رہا۔ اس کے عہد حکومت میں ہلاکو خان کی فوج نے حملہ کر کے مصری فوج سے شکست فاش کھائی۔ ملک مظفر کو قتل کر کے سنہ ۶۵۸ھ میں ملک الظاہر رکن الدین تخت نشین ہوا۔ اس نے سترہ سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ حکومت کی اور سنہ ۶۷۶ھ میں اس کی وفات کے بعد ملک سعید ناصر الدین تخت نشین ہوا۔ ایک سال کے بعد اس کو بھی معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد ملک

عادل بدرالدین تخت پر بٹھایا گیا۔ صرف چار مہینے سلطنت کرنے پایا تھا کہ معزول ہوا اور اس طرح سنہ ۶۷۸ھ میں دولت مملوکیہ مصر کے طبقہ اول کا خاتمہ ہوا۔ ان لوگوں کی مجموعی سلطنت صرف ۲۶ سال تک رہی لیکن ان کی بعض خصوصیات قابل تذکرہ ہیں۔ اول یہ کہ انہوں نے انتخاب کا طریقہ جاری کیا یعنی کثرت رائے سے اپنا بادشاہ منتخب کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان مغلوں کو جو تمام متمدن دنیا کو تہہ و بالا کر چکے تھے انہوں نے ہمیشہ شکست دے کر بھگا دیا اور حدود مصر میں ان کو قدم نہ رکھنے دیا۔ ہاں! مغلوں کے بہت آدمیوں کو لڑائی میں گرفتار کر کے لے گئے اور اپنا غلام بنا کر مصر میں رکھا۔ ان لوگوں کو غلامان ایوبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دولت مملوکیہ مصر طبقہ دوم یا دولت قلاؤنیہ : ملک عادل بدرالدین کے بعد ابوالمعانی ملک منصور قلاؤن اسی سلسلہ انتخاب کے ذریعہ مصر کا بادشاہ منتخب ہوا۔ مگر اس کے بعد چونکہ اسی کے خاندان کو عرصہ دراز تک لوگوں نے حکومت مصر کے لیے منتخب کیا۔ اس لیے یہ مملوکیوں کے طبقہ دوم کا پہلا بادشاہ سمجھا گیا۔ اس نے سنہ ۶۷۸ھ سے سنہ ۶۸۹ھ تک گیارہ سال حکومت کی۔ اس کے زمانے میں سلطنت مصر کا رقبہ کسی قدر وسیع ہوا۔ اس کے بعد ملک اشرف صلاح الدین خلیل تخت نشین ہوا۔ اس نے چندروز کے بعد خود سلطنت سے دست کشی اختیار کی۔ مگر لوگوں نے مجبور کر کے اس کو پھر تخت سلطنت پر بٹھایا اور ۴۴ سال کی حکومت کے بعد سنہ ۷۴۲ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد ملک عادل کتبغا منصوری تخت سلطنت کے لیے منتخب ہوا۔ مگر اس کو ایک مہینہ بھی حکومت کا موقعہ نہ ملا۔ اس کے بعد ملک منصور حسام الدین بادشاہ بنایا گیا۔ دو برس کے بعد وہ بھی مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملک ناصر محمد بن قلاؤن تخت نشین ہوا۔ اس نے چندروز کے بعد خود سلطنت سے دست کشی اختیار کی مگر لوگوں نے مجبور کر کے اس کو پھر تخت سلطنت پر بٹھایا اور ۴۴ سال کے بعد سنہ ۷۴۲ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد ملک عادل کتبغا منصوری تخت سلطنت کے لیے منتخب ہوا مگر اس کو ایک مہینہ بھی حکومت کا موقعہ نہ ملا۔ اس کے بعد ملک منصور حسام الدین بادشاہ بنایا گیا۔ دو برس کے بعد وہ بھی مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملک ظفر رکن الدین ایک سال کے لیے منتخب ہوا۔ اس کے بعد سنہ ۷۴۱ھ میں ملک منصور ابوبکر بادشاہ بنایا گیا مگر دو مہینے کے بعد اس کو جلاوطن کیا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف کو بادشاہ بنایا گیا مگر آٹھ مہینے کے بعد وہ بھی جلاوطن ہوا' پھر سنہ ۷۴۲ھ میں ملک ناصر احمد تخت نشین ہوا۔ سنہ ۷۴۵ھ میں اس کے مقتول ہونے پر ابوالفدا الملک صالح اسماعیل تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس نے صرف ایک سال حکومت کی۔ یہ وہی ابوالفدا ہے جس نے وہ مشہور تاریخ لکھی جو تاریخ ابوالفدا کے نام سے مشہور ہے اور نہایت معتبر و مستند سمجھی جاتی ہے۔ سنہ ۷۴۶ھ میں ملک کامل شعبانی تخت نشین ہو کر چند ماہ کے بعد معزول ہوا۔

سنہ ۷۴۷ھ میں ملک مظفر حاجی تخت نشین ہوا اور ایک ہی سال کے اندر قتل کیا گیا۔ سنہ ۷۴۸ھ میں ناصر حسن تخت نشین ہوا۔ قریباً چودہ سال حکومت کی۔ آخر یہ بھی مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملک صالح سنہ ۷۶۲ھ میں تخت نشین ہو کر سنہ ۷۶۵ھ میں معزول کیا گیا اور اس کی جگہ ملک منصور بن حاجی کو تخت سلطنت ملا۔ دو برس کے بعد وہ بھی معزول ہوا اور تخت سلطنت ملک اشرف شعبان کے حصے میں آیا۔ گیارہ سال کے بعد وہ بھی مقتول ہوا اور اس کی جگہ ملک منصور علی سنہ ۷۷۸ھ میں تخت نشین ہو کر پانچ سال کے بعد فوت ہوا اور اس کے بعد سنہ ۷۸۳ھ میں صالح حاجی تخت نشین ہوا اور آٹھ نو سال کے بعد خود تخت سلطنت سے دست بردار ہو کر دولت قلاؤنیہ کا خاتمہ کا کیا گیا۔ یہ سلطنت قریباً ۱۱۴ سال تک قائم رہی۔ اس طبقہ اور طبقہ اول میں حکومت سلطنت کے اعتبار سے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

دولت مملوکیہ مصر طبقہ سوم یا دولت چراکسہ : ملک صالح حاجی کے بعد ملک طاہر برقوق تخت نشین ہوا' جو غلامان ایوبیہ میں قبیلہ چرکس سے تعلق رکھتا تھا۔ چونکہ آئندہ اسی قبیلہ کے لوگ حکومت مصر پر فائز ہوئے۔ اس لیے ملک طاہر برقوق غلامان ایوبیہ کے طبقہ سوم کا پہلا بادشاہ سمجھا گیا۔ اس نے سنہ ۷۹۲ھ سے سنہ ۸۰۱ھ تک نو سال حکومت کی۔ اس کے بعد ملک ناصر تخت نشین ہوا۔ ملک ناصر نے چار سال حکومت کی۔ اس کے زمانے میں تیمور نے مصر کی طرف فوج کشی کی مگر دولت مملوکیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ اسی ملک ناصر نے خانہ کعبہ میں حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی چار مصلے قائم کیے۔ اول اول بعض علمائے اسلام نے اس کو بدعت قرار دیا مگر پھر اس کی زیادہ مخالفت نہیں کی کیونکہ اس کام سے کوئی فتنہ اور رخنہ دین میں پیدا نہیں ہوا۔ اس کے بعد ملک منصور اور ابو النصر شیخ یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ ملک مظفر احمد تخت نشین ہوا' اس کے بعد ملک الظاہر ابوالفتح کا نمبر آیا۔ اس کے بعد ملک صالح محمد سنہ ۸۲۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ چار مہینے سلطنت کرنے کے بعد خود حکومت سے دست کش ہوا۔ اس کی جگہ ملک اشرف ابو النصر کو بادشاہ بنایا گیا۔ یہ بہت دین دار اور اللہ والا شخص تھا۔ اس کو قرآن مجید سے بہت محبت تھی۔ اکثر قرآن سنتا رہتا تھا۔ سنہ ۸۴۱ھ تک برسر حکومت رہا۔ اس کی وفات کے بعد ابوالمحاسن عبدالعزیز تخت نشین ہوا مگر تین ہی مہینے کے بعد معزول ہوا۔ اس کے بعد ملک ابوسعید المعروف بہ ملک الظاہر تخت نشین ہوا۔ پندرہ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ بڑا غریب پرور اور نیک طینت بادشاہ تھا۔ اس کے بعد ملک منصور عثمان تخت نشین ہوا مگر چند مہینے کے بعد سنہ ۸۵۷ھ میں معزول ہوا۔

اس کے بعد ملک اشرف ابو النصر تخت نشین ہوا کر سنہ ۸۶۵ھ تک برسر حکومت رہا۔ اس کے بعد ملک موید احمد تخت نشین ہو کر چند روز میں معزول کیا گیا۔ اس کے بعد ملک ظاہر ابوسعید خوش قدم سنہ ۸۶۵ھ سے سنہ ۸۹۲ھ تک تخت نشین رہا اور اپنی موت سے مرا۔ اس کے بعد ملک ظاہر ابوسعید

ملیائی تخت نشین ہو کر چند مہینے کے بعد جلاوطن ہوا اور ملک ظاہر ابو سعید تمر یغا بھی تخت نشین ہو کر دو ہی مہینے کے اندر قید کیا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف ابو النصر بادشاہ بنایا گیا۔ جس نے سنہ ۹۰۲ھ تک حکومت کی۔ اس کے بعد ملک ابو السعادت تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور ڈھائی سال حکومت کر کے مقتول ہوا۔ اس کے بعد سنہ ۹۰۴ھ میں ملک اشرف قالضوہ تخت نشین ہوا' مگر گیارہ روز کے بعد گم ہو گیا اور کہیں پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ اس کے بعد ملک ظاہر ابو سعید قالضوہ سنہ ۹۰۶ھ تک حکمران رہا۔ اس کے بعد ملک جنبلاط تخت نشین ہو کر ایک ہی سال میں جلاوطن کیا گیا۔ اس کے بعد ملک عادل سنہ ۹۰۷ھ میں تخت نشین ہوا اور ساڑھے چار مہینے کے بعد مارا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف ابو النصر قالضوہ تخت نشین ہوا۔ اس نے سنہ ۹۲۲ھ تک پندرہ سال حکومت کی۔

سلطان سلیم اول عثانی نے مصر پر سنہ ۹۲۲ھ میں چڑھائی کی اور ملک اشرف طومان کو جو اسی سال تخت نشین ہوا تھا' شکست دے کر دولت چراکسہ کا خاتمہ کر دیا اور مصر حکومت عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔ اس کے ساتھ خلافت عباسیہ کے اس سلسلہ کا بھی جو برائے نام مصر میں قائم تھا' خاتمہ ہو گیا۔ غلامان ایوبیہ کے اس تیسرے طبقہ نے جو دولت چراکسہ کے نام سے مشہور ہے' ۱۳۰ سال حکومت کی۔ خاندان ایوبیہ کی بعد مصر میں مملوکیوں کے تینوں طبقوں کی حکومت دو سو ستر سال تک قائم رہی۔ ان مملوکیوں کے ابتدائی زمانے میں ہلاکو خان نے بغداد کو برباد کر کی خلافت عباسیہ کا سلسلہ بغداد سے مٹا دیا گیا مگر چند ہی روز کے بعد جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے' مصر کے اندر خلفائے عباسیہ کا سلسلہ ان مملوکیوں کے ساتھ شروع ہو گیا اور مملوکیوں کے خاتمے (سنہ ۹۲۲ھ) تک باقی رہا۔ مصر کے اندر عباسی خلفاء حیثیت پیروں اور وظیفہ خواروں سے زیادہ نہ تھی مگر چونکہ تمام عالم اسلام میں ان عباسی خلفاء کی مذہبی حیثیت مسلم تھی اور وہ پیشوائے مذہب سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے ان کا وجود مملوکیوں کے لیے بھی مفید تھا کیونکہ تمام مسلمان سلاطین مملوکیوں کو خادم خلفاء سمجھ کر ان کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح عباسی خلفاء کے لیے مملوکیوں کا وجود غنیمت تھا کہ وہ ان کی حکومت میں بے غمی اور راحت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔

خلفاء مصر کا تذکرہ مجمل طور پر اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے' اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان خلفاء کی ایک فہرست ذیل میں درج کر دی جائے جو مصر میں ہوئے ہیں تا کہ یہ بھی اندازہ ہو سکے کہ مصر کے کس بادشاہ کے زمانے میں کون سا عباسی خلیفہ مصر میں موجود تھا۔ یہ یاد رہے کہ جس طرح ایک بادشاہ کے بعد دوسرے بادشاہ کی تخت نشینی پر عباسی خلیفہ سے تخت نشینی کی سند حاصل کرنی پڑتی تھی' اسی طرح ایک خلیفہ کے فوت ہونے پر دوسرے خلیفہ کی تخت نشینی میں شاہان مصر کو بہت کچھ دخل و تصرف حاصل تھا۔ تاہم کبھی کبھی خلفاء کو مصر کے اندر ایسی شوکت و اہمیت بھی حاصل ہو جاتی تھی کہ شاہ مصر مخالفت کی

جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ خلفاء اور شاہان مصر میں کبھی کبھی ناچاقی و ناراضی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ خلیفہ کو عام مسلمانوں کی ہمدردی پر اعتماد ہوتا تھا تو شاہ مصر کو اپنی شاہی طاقت و سطوت پر گھمنڈ تھا۔ بہر حال سلطان سلیم عثمانی نے اس کشمکش کو مٹا کر سلطنت و خلافت دونوں چیزوں کو اپنے وجود میں مجتمع کر لیا اور پونے تین سال کے بعد خلیفہ اسلام کی حیثیت ایک پیر یا سجادہ نشین سے تبدیل ہو کر اپنی اصلی حالت یعنی جامہ شہنشاہی میں نمودار ہوئی۔

خلفائے عباسیہ مصر

نمبر	خلیفہ کا نام	سنہ جلوس	نمبر	خلیفہ کا نام	سنہ جلوس
۱۔	مستنصر باللہ بن ظاہر بامر اللہ بن ناصر الدین اللہ	سنہ۔۶۵۹ھ	۹۔	مستعین باللہ	سنہ۔۸۰۸ھ
۲۔	حاکم بامر اللہ بن مسترشد باللہ	سنہ۔۶۶۰ھ	۱۰۔	معتضد باللہ	سنہ۔۸۱۵ھ
۳۔	مستکفی باللہ بن حاکم بامر اللہ	سنہ۔۷۰۱ھ	۱۱۔	مستکفی باللہ	سنہ۔۸۴۵ھ
۴۔	واثق باللہ	سنہ۔۷۰۴ھ	۱۲۔	قاسم بامر اللہ بن متوکل	سنہ۔۸۵۸ھ
۵۔	حاکم بامر اللہ بن مستکفی باللہ	سنہ۔۷۴۲ھ	۱۳۔	مستعد باللہ بن متوکل	سنہ۔۸۵۸ھ
۶۔	معتضد باللہ	سنہ۔۷۵۳ھ	۱۴۔	متوکل علی بن یعقوب بن متوکل	سنہ۔۸۷۲ھ
۷۔	متوکل علی اللہ	سنہ۔۷۶۲ھ	۱۵۔	مستمسک باللہ	سنہ۔۹۰۳ھ
۸۔	مستعصم باللہ محمد ابراہیم	سنہ۔۷۷۸ھ			

سلطان سلیم عثمانی نے مصر کو فتح کیا تو مستمسک نے عصاء، چادر اور دوسرے تمام تبرکات جو اس کے پاس بطور نشان خلافت موجود تھے سلطان سلیم کو دے دیئے اور خود بھی سلطان سلیم کے ساتھ پر بیعت خلافت کر لی۔ سلطان سلیم عثمانی مصر سے مستمسک کو اپنے ہمراہ قسطنطنیہ لے گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔

(انیسواں باب)

سلطنت عثمانیہ

اوپر کے باب میں ہم پھر دسویں صدی ہجری کے شروع تک پہنچ گئے تھے۔ سلسلہ مضامین کو مکمل رکھنے کی غرض سے ہم کو لوٹ کر پھر ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانے اور ایشیائے کوچک کے میدانوں میں واپس آنا چاہئے۔ جبکہ سلطنت عثمانیہ کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی تین سو سال کی تاریخ بیان کرنے کے بعد یعنی دسویں صدی ہجری کے شروع پہنچ کر ہم کو غالباً پھر پیچھے واپس ہونا پڑے گا تاکہ تیمور اور ایران کے صفوی خاندان کی تاریخ سے بھی فارغ ہو کر پھر دسویں صدی ہجری میں داخل ہوں اور سلطنت عثمانیہ کے بقیہ تین سو سال کی تاریخ کسی آئندہ باب میں ختم کریں' وباللہ التوفیق۔

ترکوں کے ان غارت گر قبائل نے جو ترکان غزاور غزان کے نام سے مشہور ہیں' خراسان و ایران میں داخل ہو کر سلطنت سلجوقیہ کے اعتبار و وقار کو صدمہ پہنچایا تھا۔ ان ترکان غز کی ترک و تاز کا پتہ ملک چین کے صوبہ منچوریا سے لے کر مراکش تک تاریخوں میں ملتا ہے۔ انہوں نے سلطان سنجر سلجوقی کو گرفتار کر کے بہت کچھ اپنی دہشت لوگوں کے دلوں میں بٹھادی تھی۔ مگر جب چنگیز خان نے خروج کیا تو ان کا زور بہت کچھ گھٹ چکا تھا۔ رہا سہا رعب چنگیزی کشت و خون کے آگے مٹ گیا۔ پہلے بھی یہ لوگ مختلف قبائل پر منقسم تھے۔ جب گرم بازاری جاتی رہی تھی اور بھی زیادہ تشتت اور پراگندگی نے ان میں راہ پائی۔ کوئی قبیلہ مصر کی طرف جا کر وہاں کی فوج میں بھرتی ہو گیا' کوئی شام میں اور کوئی ارمینیا و آذربائیجان میں رہنے لگا۔ چونکہ ان کے اندر کوئی ایک زبردست شہنشاہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کے حالات تاریخوں میں بھی بالتفصیل نہیں لکھے گئے مگر ان کے اندر عرصہ دراز تک خراسان و ایران میں فاتحانہ حیثیت سے رہنے کے سبب تہذیب و شائستگی نے ضرور ترقی کی تھی اور اولوالعزمی و بلند ہمتی کی شان ان کے ہر قبیلے اور خاندان میں موجود تھی۔ حکومت و فتح مندی کے عالم میں بھی انہوں نے اپنے ریوڑوں کی محبت نہیں چھوڑی تھی۔ اس لیے اب خروج چنگیزی کے وقت کچھ تو چنگیز خان کی فوج میں داخل ہو گئے اور اکثر خراسان و ایران اور دوسرے ملکوں کی سرسبز و شاداب چراگاہوں اور جنگلوں میں رہنے لگے۔ انہیں ترکان غز کا ایک قبیلہ جو خراسان میں اقامت گزیں تھا۔

ساتویں صدی ہجری کے شروع ہوتے ہی جبکہ چنگیزی مغلوں کی حملہ آوری خراسان پر شروع ہوئی' خراسان سے روانہ ہو کر آرمینیا کے علاقے میں چلا آیا اور بیس پچیس سال تک آرمینیا میں مقیم رہا۔

اس قبیلہ کے سردار کا نام سلیمان خان اور اس کے ساتھی سلجوقیوں کی طرح نہایت سچے مسلمان تھے۔ سلیمان خان کی قابلیت اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس کا سلوک دیکھ کر نتیجہ یہ ہوا کہ آرمینیا میں ترکان غز کے اور بھی آوارہ پریشان پھرنے والے افراد آ آ کر اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس جمعیت میں معتدبہ اضافہ ہوتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ چنگیز خان کی ترک وتاز کے سبب ملکوں کا امن وامان معرض خطر میں تھا اور ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال واموال کی حفاظت کے لیے ہی قوت بازو پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا اور ہمہ اوقات آفتوں اور مصیبتوں کے مقابلہ پر مستعد رہنا ازبس ضروری تھا۔ لہٰذا سلیمان کے گروہ کو بھی جو آرمینیا کے پہاڑوں میں اقامت گزین تھا' اپنی طاقت وعصبیت کے محفوظ رکھنے کا خیال رہتا تھا۔ خلاصہ کلام یہ کہ آرمینیا کے زمانہ قیام میں جبکہ ہر طرف ہلاک اور بربادی برپا تھی۔ سلیمان خان نے اپنی طاقت کو خوب بڑھایا اور اپنے گروہ کو بلاضرورت نقصان پہنچنے سے بچایا۔ دولت خوارزم شاہیہ کی بربادی نے اور بھی سلیمان خان کو اس بات کا موقعہ دیا کہ وہ جنگجو افراد اور جنگ جوئی کے سامانوں کو اپنے گرد آزادانہ فراہم کرے۔

ابھی چنگیز خان کے مرنے میں تین سال باقی تھے کہ اس نے سنہ ۶۲۱ھ میں ایک زبردست فوج سلجوقیوں کی اس سلطنت پر' جس کا دارالسلطنت قونیہ تھا' حملہ آوری کے لیے روانہ کی۔ قونیہ میں علاؤالدین کیقباد سلجوقی فرماں روا تھا۔ اوپر کے صفحات میں ذکر آ چکا ہے کہ اس سلجوقی حکومت کے فرماں رواؤں یعنی سلاجقہ روم کو ہمیشہ رومیوں یعنی عیسائیوں سے برسرپیکار رہنا پڑتا تھا۔ اب متداد زمانہ سے یہ سلطنت بہت ہی کمزور ہو چکی تھی۔ سلیمان خان کو جب یہ خبر پہنچی کہ مغلوں نے علاؤالدین کیقباد پر حملہ کیا ہے تو اس کو بہت ملال ہوا کیونکہ قونیہ کا سلطان مسلمان اور مغل کافر تھے۔ قونیہ کی سلطنت ہمیشہ عیسائیوں کے مقابلے میں برسرجہاد رہتی تھی اور مغلوں نے عالم اسلام کو تہہ وبالا کر ڈالا تھا۔ سلیمان خان نے علاؤالدین کیقباد کی امداد پہنچانے اور اس لڑائی میں شریک ہو کر شہادت حاصل کرنے کا بہترین موقعہ سمجھ کر اپنے قبیلہ کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔ سلیمان خان کی اس جمعیت کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں ہو سکی مگر سلیمان خان نے اس جمعیت کا ایک حصہ جو اپنے بیٹے ارطغرل کو دے کر بطور ہراول آگے روانہ کیا تھا۔ اس کی تعداد ۴۴۴ تھی۔ دنیا کے بڑے بڑے اور اہم واقعات میں جس طرح حیرت انگیز طور پر حسن اتفاق کا معائنہ ہوتا رہا ہے' اسی طرح اس موقعہ پر بھی عجیب حسن اتفاق پیش آیا۔ ادھر آرمینیا کی جانب سے یہ مجاہدین کی فوج جا رہی تھی' اور مغلوں کی فوج علاؤالدین کیقباد سلجوقی کی فوج کے مقابل پہنچ گئی تھی۔ عین اس وقت جب کہ سلجوقی لشکر اور مغلوں کی فوج میں ہنگامہ کارزار گرم تھا اور مغل بہت جلد علاؤالدین کے لشکر مغلوب کرنا چاہتے تھے' سلیمان خان کا بیٹا ارطغرل اپنے ہمراہی دستہ کو لیے ہوئے نمودار ہوا۔ اس نے دیکھا کہ دو فوجیں ' پیکار ہیں اور ایک فوج بہت جلد مغلوب ہو کر میدان کو خالی کرنے والی تھی۔

ارطغرل کو معلوم نہ تھا کہ دونوں لڑنے والے کون ہیں۔ لیکن اس نے یہی مناسب سمجھا کہ کمزور فریق کی مدد کروں۔ چنانچہ ارطغرل اپنے ۴۴۴ ہمراہیوں کو لے کر کمزور فریق کی طرف سے زبردست فریق پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ اس شدت اور بے جگری کے ساتھ کیا گیا کہ مغلوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان میں اپنی بہت سی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ علاؤالدین کیقباد سلجوقی ذرا دیر پہلے اپنی شکست اور ہلاکت کو یقینی سمجھ رہا تھا۔ اس غیر مترقبہ امداد اور فتح کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا اور میدان جنگ میں ارطغرل سے جو فرشتہ رحمت بن کر نمودار ہوا تھا' بغل گیر ہو کر ملا۔ ارطغرل کو بھی بے حد مسرت حاصل ہوئی کہ وہ عین وقت پر پہنچا اور جس مقصد کے لیے یہ سفر اختیار کیا تھا' وہ بحسن خوبی حاصل ہو گیا۔ ابھی ارطغرل اور علاؤالدین کیقباد اس مسرت و شادمانی کا لطف اٹھا رہے تھے کہ سلیمان خان بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی میدان میں پہنچ گیا۔ علاؤالدین سلجوقی نے سلیمان خان اور اس کے بیٹے ارطغرل کو خلعت گراں بہا عطا کیے۔ ارطغرل کو شہر انگورہ کے قریب جاگیر عطا کی اور سلیمان خان کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا۔

علاؤالدین سلجوقی کے فہم و فراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے ارطغرل کو جاگیر عطا کرنی کے لیے بہترین علاقہ کا انتخاب کیا۔ قونیہ کی سلطنت پہلے بہت وسیع تھی۔ اب صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ایشیائے کوچک کے شمالی و مغربی علاقے پر رومیوں نے چیرہ دست ہو کر قبضہ کر لیا تھا اور وہ بتدریج اس سلجوقی سلطنت کے حدود کو محدود کرتے اور آگے بڑھتے آتے تھے۔ دوسری طرف جنوبی و مشرقی علاقے مغلوں کی دست برد نے جدا کر لیے تھے اور دم بدم آگے بڑھ رہے تھے۔ اس طرح سلطنت قونیہ دو پاٹوں کے درمیان پسی جا رہی تھی اور محدود ہوتے ہوتے ایک ریاست کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی' جس کے بہت جلد فنا ہونے کی توقع تھی۔ اس بہادر گروہ اور ان بہادر سرداروں کو دیکھ کر علاؤالدین نے سلیمان کے بیٹے کو ایسے موقعہ پر جاگیر دی جو رومی سلطنت کی سرحد پر واقع تھا اور باپ کو فوج کا سپہ سالار بنا کر مغرب کی جانب مغلوں کی روک تھام پر مامور کیا۔ چند روز کے بعد ارطغرل نے رومیوں کی ایک فوج کو شکست فاش دے کر اپنی جاگیر کو رومی علاقہ کی طرف وسیع کیا اور اس حسن خدمت کے صلے میں علاؤالدین سلجوقی نے بھی اپنی طرف سے اور علاقہ اسی نواح میں عطا فرما کر ارطغرل کی طاقت اور علاقے کو بڑھا دیا اور ارطغرل کے اس طرح طاقتور ہونے سے رومی سرحد کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ مگر چند روز کے بعد سلیمان خان جو دریائے فرات کو عبور کرتے ہوئے دریا میں غرق ہو کر راہی ملک بقا ہوا۔ ارطغرل اپنے علاقے پر برابر حکمراں اور دم بدم اپنی طاقت کو ترقی دینے میں مصروف رہا۔ چونکہ ارطغرل عیسائیوں کے ساتھ مسلسل جنگ میں مصروف رہا اور عیسائیوں کے علاقے چھین چھین کر اپنے ملک کو وسیع کر رہا تھا' لہذا اس کا اس نواح میں طاقتور ہونا شاہ قونیہ کے لیے بہت کچھ اطمینان کا باعث تھا اور وہ ارطغرل کی بڑھتی ہوئی طاقت کو بہ نظر اطمینان معائنہ کرتا تھا۔

سنہ ۶۳۴ ھ میں علاؤالدین کیقباد کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو قونیہ میں تخت نشین ہوا۔ غیاث الدین کیخسرو کو مغلوں نے اپنی بار بار کی حملہ آوری سے بہت تنگ کیا اور سنہ ۶۴۱ ھ میں غیاث الدین کیخسرو نے مغلوں کو خراج دینا منظور کر لیا۔ سلطنت قونیہ کے اس طرح باج گزار ہونے کا ارطغرل پر کوئی اثر نہ پڑا کیونکہ وہ ایک ایسے صوبہ کا گورنر اور فرمانروا تھا جو بظاہر مغلوں کی دست برد سے محفوظ و مامون تھا۔ مغلوں کو اس کے بعد ایشیائے کوچک کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی فرصت بھی نہ تھی۔ سنہ ۶۵۶ ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد کی خلافت عباسیہ کا چراغ گل کیا۔

سنہ ۶۵۷ ھ میں ارطغرل جاگیردار انگورہ کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا‘ جس کا نام عثمان خان رکھا گیا۔ یہی وہ عثمان خان ہے جس کے نام سے ترکوں کے بادشاہوں کو سلاطین عثمانیہ کہا گیا۔ سنہ ۶۸۷ ھ میں جبکہ عثمان کی عمر تیس سال کی تھی۔ ارطغرل نے وفات پائی اور شاہ قونیہ نے ارطغرل کا تمام علاقہ عثمان خان کے نام مسلم رکھ کر سند حکومت بھیج دی۔ عثمان خان کی قابلیتوں سے واقف ہو کر اسی سال غیاث الدین کیخسرو بادشاہ قونیہ نے عثمان خان کو اپنی فوج کا رئیس العسکر بنا کر اپنی بیٹی کی شادی عثمان خان سے کر دی۔ اب عثمان خان شہر قونیہ میں رہنے لگا۔ اور بہت جلد وہ وزیراعظم اور مدارالمہام سلطنت کے مرتبہ کو پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ جمعہ کے دن قونیہ کی جامع مسجد میں عثمان خان ہی غیاث الدین کیخسرو کے خطبہ بھی سنانے لگا۔

عثمان خان : سنہ ۶۹۹ ھ میں غیاث الدین کیخسرو مغلوں کے ایک ہنگامہ میں مقتول ہوا۔ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ صرف ایک لڑکی تھی جو عثمان خان کے عقد میں تھی۔ لہٰذا ارا کین سلطنت نے متفقہ طور پر عثمان خان کو قونیہ کے تخت سلطنت پر بٹھا کر اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اس طرح اسرائیل بن سلجوق کی اولاد نے جو سلطنت سنہ ۴۷۰ ھ میں قائم کی تھی‘ وہ سنہ ۶۹۹ ھ میں ختم ہو کر اس جگہ سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی جو ہمارے اس زمانے تک قائم رہی۔ اسرائیل بن سلجوق وہی شخص تھا جس کو سلطان محمود غزنوی کے حکم سے ہندوستان کے قلعہ کالنجر میں قید رہنا پڑا تھا۔

عثمان کی تخت نشینی کے وقت سلطنت قونیہ کی بہت کمزور حالت تھی اور رومیوں‘ نیز مغلوں کے حملوں سے اس ضعیف تر اور برائے نام سلطنت کا مٹ جانا یقینی تھا لیکن عثمان خان کے تخت نشین ہوتے ہی اس تن بے جان میں جان پڑنی شروع ہوئی‘ جس کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ عثمان خان کے ساتھ اور ارا کین سلطنت اور فوج کے سپاہی اور رعایا سب عثمان خان کے حسن سلوک سے خوش اور اس کو محبوب رکھتے تھے۔ عثمان خان میں ایک طرف دینداری اور دوسری طرف شجاعت بدرجہ کمال موجود تھی۔ عثمان

خان نے سب سے پہلے رومیوں سے شہر قراحصار کو فتح کر کے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس نئی سلطنت کا نیا دارالسلطنت تجویز ہونا بھی بہت ہی مبارک و میمون ثابت ہوا۔ عثمان خان کو اپنی تخت نشینی کے بعد ہی حاسدوں اور رقیبوں کی عداوت کا اور سازشوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا تھا' جس پر وہ انجام کار غالب آیا اور سب کو طاقت کے ذریعہ خاموش کر دیا۔ تاہم سلجوقیوں کے پرانے خاندان کے افراد عثمان خان کی حکومت کو رشک و رقابت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس پر کوئی تعجب بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اگر عثمان خان کسی موقعہ پر بھی اپنی کمزوری یا خوف کا اظہار کرتا تو اس کے رقیب یقیناً اس کے خلاف فوراً اٹھ کھڑے ہوتے لیکن عثمان خان نے ہر موقعہ پر اپنے آپ کو بے خوف اور نڈر ثابت کیا۔ چنانچہ جب عیسائیوں نے شروع ہی میں قونیہ پر حملہ آوری کے لیے فوجیں فراہم کیں تو عثمان خان نے امرائے سلطنت کو جمع کر کے مجلس مشورت منعقد کی۔ اس موقعہ پر عثمان خان کا چچا یعنی ارطغرل کا بھائی بھی جو بہت بوڑھا تھا' موجود تھا۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی کہ عیسائیوں کے مقابلے میں ہم کو فوج کشی نہیں کرنی چاہئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی کے ذریعہ اس جنگ کو ٹال دینا چاہئے۔ اگر جنگ برپا ہوئی تو اندیشہ ہے کہ مغلوں اور دوسرے ترک سرداروں کی فوجیں بھی عیسائیوں کے حملہ کو کامیاب بنانے کے لیے ہمارے ملک پر چڑھائیاں کر دیں گی اور ہم ان سب کا بیک وقت مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ عثمان خان نے اپنے چچا کی زبان سے یہ پست ہمتی پیدا کرنے والا مشورہ سن کر فوراً بلا تامل اپنی کمان میں تیر جوڑ کر اس بوڑھے چچا کا کام تمام کر دیا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر کسی کو بھی یہ جرات نہ ہوئی کہ جنگ اور حملہ آوری کے خلاف رائے ظاہر کرے۔ چنانچہ عثمان خان نے حملہ کیا اور عیسائیوں کو شکست فاش دے کر قراحصار پر قابض و متصرف ہو گیا اور اس کے بعد بجائے قونیہ کے قراحصار ہی کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس کے بعد عثمان خان نے پیہم عیسائی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے اور ایک کے بعد دوسرا شہر فتح کرتا اور عیسائیوں کو ایشیائے کوچک سے نکالتا گیا۔

عیسائیوں کے بادشاہ قیصر قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ عثمان خان کا سیلاب بڑھتا ہی چلا آتا ہے تو اس نے مغلوں سے خط و کتابت اور پیام سلام شروع کر کے اس بات کی کوشش شروع کی کہ مغل مشرق کی جانب سے عثمان خان پر حملہ آور ہوں تاکہ وہ عیسائیوں کی طرف سے منہ موڑ کر مغلوں کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ قیصر کو ایک حد تک اپنی کوشش میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ مغلوں نے قیصر کے ابھارنے سے عثمان خان کے ملک پر حملے شروع کر دیئے مگر چونکہ عثمان خان کو عیسائیوں کے مقابلے میں پیہم فتوحات حاصل ہوئی تھیں' اس لیے اس کی فوج کے دل خوب خوب بڑھ گئے تھے اور فتوحات ہی ایسی چیز ہیں جو جنگجو قوموں میں جوش اور ہمت پیدا کر دیا کرتی ہیں۔ چنانچہ عثمان خان نے اپنے بیٹے ارخان کو جو ہمتی اور صف شکنی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا' اپنی فوج کا ایک حصہ دے کر مغلوں کے حملے کو روکنے پر

مامور کیا اور خود بقیہ فوج لے کر رومیوں پر پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ حملے کرنے لگا۔ جنگجو اور سپاہی پیشہ قوموں کے لیے جنگ کے ایام عید کی خوشی لے کر آیا کرتے ہیں۔ رعایا نے بھی اپنے بہادر فرماں روا کا دل سے ساتھ دیا اور ارخان نے مغلوں کے ہر ایک حملہ کو بڑی خوبی کے ساتھ اور ہر مرتبہ ان کو شکست دے کر پیچھے ہٹایا۔ یہاں تک کہ مغل تھک کر بیٹھ رہے اور حملہ آوری کے اس ناستودہ مسئلہ کو ترک کر دیا۔ ارخان اس طرف کا انتظام کر کے باپ سے جاملا۔ دونوں باپ بیٹوں نے عیسائیوں کو مار مار کر پیچھے ہٹانا اور بھگانا شروع کر دیا۔ عثمان خان ایشیائے کوچک کو فتح کرتا ہوا شمال میں بحر اسود کے ساحل تک پہنچ گیا۔ ادھر ارخان نے عیسائیوں کو مغرب کی طرف بھگاتے ہوئے بروصہ کو فتح کر لیا۔ بروصہ قیصر روم کا ایک زبردست شہر ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کے قریب تھا۔ اس شہر کو جب ارخان نے فتح کیا تو عثمان خان ساحل بحر اسود تک پہنچ کر قراحصار میں سالماً غانماً واپس آ گیا تھا اور اتفاق سے بیمار تھا۔ بروصہ کی فتح کا حال سن کر عثمان خان نے فوراً بروصہ کا قصد کیا اور اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ اگر میں بروصہ پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں فوت ہو جاؤں تو تم میری لاش کو بروصہ لے جا کر دفن کرنا اور وہیں میرا مقبرہ بنانا اور آئندہ میرے بیٹے ارخان کو بروصہ ہی میں رہنا اور اسی شہر کو دارالسلطنت بنانا چاہیے۔ چنانچہ عثمان خان بروصہ پہنچ کر کئی روز کے بعد فوت ہوا اور اسی شہر میں اس کی وصیت کے موافق اس کا مقبرہ بنایا گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۷۲۶ھ کا ہے۔

عثمان خان نے مرتے وقت اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھ کو اپنے مرنے کا کوئی غم اس لیے نہیں کہ تجھ جیسا لائق بیٹا میرا جانشین ہوگا۔ تجھ کو چاہیے کہ دینداری، نیکی، رحم دلی اور عدل کو کبھی ترک نہ کرے۔ رعیت کی حفاظت کرنا اور احکام شرع کو رواج دینا تیرا سب سے ضروری اور مقدم کام ہونا چاہیے۔ آخر میں اس نے بیٹے کو تاکید کی کہ بروصہ ہی کو اپنا دارالسلطنت بنایا جائے۔ اس وصیت سے بھی عثمان خان کی مآل اندیشی کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ قونیہ میں ایسے افراد موجود ہیں جو کسی نہ کسی وقت میرے خاندان کی بیخ کنی پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ ادھر اس کو معلوم تھا کہ مغلوں کو مسلمانوں سے محض اسلام کی وجہ سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور وہ خود اسلام قبول کرتے جاتے ہیں۔ اگر دارالسلطنت قونیہ رہا تو خواہ مخواہ مغلوں اور دوسرے سرداروں کے ساتھ جھگڑے برپا رہیں گے۔ حالانکہ مسلمانوں کے لیے سب سے بہتر میدان عیسائی ممالک ہیں۔ لہذا بروصہ کے دارالسلطنت ہونے سے عیسائیوں کو لازماً ایشیائے کوچک کے خیال سے دست بردار ہونا پڑے گا اور وہ درہ دانیال سے اس طرف آنے کی کبھی جرات نہ کر سکیں گے۔ نیز بروصہ کے بادشاہوں کو بآسانی یورپ پر حملہ آور ہونے اور بلقان کے فتح کرنے کا موقع ملے گا۔ عثمان کا یہ خیال بہت صحیح تھا۔ اس کے جانشینوں نے اس عثمانی اصول کو مدنظر رکھا اور اسی اصول پر کاربند رہنے کا نتیجہ تھا کہ چند روز کے بعد عثمانیوں کا دارالسلطنت ادرنہ یعنی ایڈریانوپل

ہوا۔ جس کے بعد وہ قسطنطنیہ پر قابض ہو سکے۔

عثمان خان کی نسبت مشہور ہے کہ وہ غیر معمولی بہادری رکھتا تھا۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ جبکہ وہ سیدھا کھڑا ہوتا تھا تو گھٹنوں تک پہنچ جاتے تھے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا شہسوار اور خوبصورت شخص تھا۔ اس کی قوت فیصلہ بہت زبردست تھی۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ اور اہم امور کے متعلق فوراً ایک رائے قائم کر لیتا تھا اور وہی رائے درست اور صائب ہوتی تھی۔ وہ بلا کا ذہین اور ذکی تھا۔ رحم دلی اور فیاضی کی صفات میں بھی وہ خاص طور پر بلند مرتبہ رکھتا تھا۔

قونیہ کے سلجوقی بادشاہوں کے جھنڈوں پر ہلال کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اس ہلال کے نشان کو عثمان خان نے بھی بدستور اپنے فوجی جھنڈوں میں قائم رکھا اور یہی ہلال کا نشان عثمان سلاطین کا قومی نشان سمجھا گیا اور آج تک وہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ محبوب نشان ہے۔ عثمان خان ۶۹ سال اور چند مہینے کی عمر میں ۲۷ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ اس کے زہد اتقاء کا اندازہ شاید اس طرح ہو سکے کہ مرتے وقت عثمان خان کی ذاتی ملکیت میں زرہ، تلوار اور پٹکے کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ یہی وہ تلوار ہے جو ہر عثمانی سلطان کی تخت نشینی کے وقت اس کی کمر سے باندھی جاتی رہی ہے۔ اس جگہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عثمان خان نے جب قونیہ کو ترک کیا تو پرانے سلجوقی خاندان کے افراد کو قونیہ کا عامل اور حکمران مقرر کر کے ان مراسم و اعزازات کو ان کے لیے جائز قرار دے دیا تھا، جو سلجوقی خاندان کے لیے مختص تھے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ قونیہ میں عثمان خان نے ایک ماتحت ریاست قائم کر دی تھی، جو پرانے سلاجقہ روم کے خاندان میں سلطنت عثمانیہ تک ماتحت رہی۔ اس طرز عمل سے بھی عثمان خان کی شرافت اور پاک وطنی و مآل اندیشی کا ایک ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

✿✿✿

(بیسواں باب)

رومی سلطنت

عثمان خان کے بعد اس کا بیٹا ارخان تخت نشین ہوا' جو دوسرا عثمانی سلطان ہے۔ ارخان کا تذکرہ لکھنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومی سلطنت کا مجمل تذکرہ کر دیا جائے تا کہ ان حالات اور فتوحات کے سمجھنے میں آسانی ہو اور جو ارخان کے عہد حکومت میں وقوع پذیر ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پونے چھ سو سال ملک اطالیہ کے اندر سلویا نامی ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے دو توام لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام رومولس اور دوسرے کا نام ریموس رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں بچے مریخ دیوتا کے نطفے سے پیدا ہوتے تھے۔ سلویا نامی کنواری لڑکی' ویسٹا دیوی کے مندر کی پجارن تھی۔ جہاں مریخ دیوتا نے آ کر حاملہ کیا تھا۔ رومولس اور ریموس کو پیدا ہونے کے بعد کسی کشتی یا ٹوکری میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا گیا تھا۔ پانی کی موجوں نے ان کو جنگل یا پہاڑ کے دامن میں ساحل پر ڈال دیا۔ وہاں ایک مادہ گرگ نے آ کر ان کو دودھ پلایا اور ان کی حفاظت کرنے لگی۔ اس طرح بھیڑیے کا دودھ پی پی کر ان دونوں بچوں نے پرورش پائی۔ اتفاقاً بادشاہ کا ایک گڈریا اس طرف کو آ نکلا اور اس نے ان دونوں بچوں کو دیکھ کر اٹھا لیا اور اپنے بادشاہ کے سامنے لایا۔ بادشاہ بیگم نے ان کو محبت کے ساتھ لے کر پرورش کیا۔ بڑے ہو کر ان دونوں بھائیوں نے ایک شہر کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر روم یا روما کے نام سے موسوم ہوا اور ان کی اولاد میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی' جو دنیا کی عظیم و مہیب سلطنتوں میں شمار ہوتی ہے۔ شہر روما آج تک بھی ملک اٹلی کا دارالسلطنت ہے مگر رومولس اور ریموس کی قائم کی ہوئی رومی سلطنت کا اب نام و نشان باقی نہیں رہا۔

یہ سلطنت جب اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک کو مشرقی روم اور دوسری کو مغربی روم کہتے ہیں۔ مغربی روم کا دارالسلطنت تو شہر روما ہی رہا اور مشرقی روم کا دارالسلطنت قسطنطنیہ قرار پایا۔ مغربی روم پر شمالی یورپ اور روس کی وحشی قوموں نے بار بار حملے کر کے اس کو بے حد کمزور و ناتواں بنا دیا اور بالآخر مغربی روم کی سلطنت محدود ہو کر دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ جینوا اور وینس میں الگ الگ سلطنتیں قائم ہوئیں اور پھر وہ بھی مختلف صورتوں میں تبدیل ہو کر معدوم ہوئیں اور ان کی جگہ نئی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ مگر مشرقی روم پر شمالی حملہ آوروں کی آفتیں بہت ہی کم نازل ہوئیں اور اس کو یورپی وحشیوں کے ہاتھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ کا شہر روما پر بھی عمل دخل ہو گیا تھا۔ عرب اور ایران والے مغربی روم سے تو ناواقف تھے۔ جس کے نام پر سلطنت

روم موسوم تھی۔ وہ مشرقی یورپ یعنی قسطنطنیہ کے فرماں رواؤں نے عیسائی مذہب قبول کر کے اس کی اشاعت شروع کی تو یورپ کی وہ تمام قوتیں جو عیسائی مذہب قبول کرتی تھیں' قسطنطنیہ کے بادشاہ کو عزت و عظمت کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ قریباً تمام یورپ عیسائی ہو گیا اور اس کے مقبوضہ علاقے میں عیسوی مذہب پھیل گیا تو عرب اور ایران کے لوگ ہر ایک عیسائی کو رومی کے نام سے یاد کرنے لگے۔ قسطنطنیہ کے قیصر کی سلطنت چونکہ یونان کی شہنشاہی کھنڈروں پر تعمیر ہوئی تھی اور قیصر روم سکندر یونانی کے مقبوضہ ممالک کا مالک تھا' لہٰذا قسطنطنیہ کو یونانی سلطنت بھی کہا جاتا ہے اسی لیے مؤرخین نے رومی اور یونانی دونوں الفاظ مترادف اور ہم معنی سمجھ کر استعمال کیے ہیں۔ قیصر قسطنطنیہ کی سلطنت میں چونکہ ایشیائے کوچک اور شام کا ملک بھی شامل تھا۔ اس لیے اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایشیائے کوچک کو روم کا ملک کہا جاتا تھا۔ ملک شام سے تو عیسائی حکومت بہت جلد اٹھا دی گئی تھی مگر ایشیائے کوچک میں قیصر روم کی حکومت عہد اسلامیہ میں بھی عرصہ دراز تک قائم رہی۔ اسی لیے ایشیائے کوچک کو عام طور پر ملک روم کہا جانے لگا۔ جب سلجوقیوں کی ایک سلطنت ایشیائے کوچک کے ایک حصہ میں قائم ہوئی تو اس کو ملک روم کی سلجوقی سلطنت کہا گیا اور اس سلطنت کے سلاطین سلاجقہ روم کے نام سے پکارے گئے۔ ان سلاجقہ روم کے بعد عثمان خان اول نے اپنی سلطنت ایشیائے کوچک میں قائم کی اور قریباً تمام ایشیائے کوچک پر قابض ہو گیا تو وہ بھی سلطان روم کہلایا' پھر اس کے بعد آج تک عثمانی سلاطین سلطان روم ہی کہلائے جاتے تھے۔

قسطنطنیہ کے قیصر نے جب عیسوی مذہب قبول کیا تو اس عیسوی سلطنت اور ایران کی مجوسی سلطنت میں بار بار لڑائیاں ہوئیں۔ ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ملک عرب میں اسلامی سلطنت نے قائم ہو کر مجوسیوں اور عیسائیوں کو مبہوت کر دیا۔ مجوسی سلطنت تو پاش پاش ہو کر معدوم ہو گئی لیکن قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت عرصہ دراز تک قائم رہی۔ ہم جس زمانے کی تاریخ بیان کر رہے ہیں' اس زمانے میں بھی یہ عیسائی سلطنت موجود ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد سعادت مہد میں شام' فلسطین اور مصر سے قیصر روم کی عیسائی حکومت بالکل مٹا دی گئی تھی۔ اس کے بعد خلفائے بنوامیہ اور خلفائے بنو عباس کے زمانے میں قیصر روم کے ساتھ برابر لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جس کا مختصر طور پر خلفاء کے حالات میں کہیں کہیں ذکر آتا رہا ہے۔ ایشیائے کوچک کا ایک ملک قریباً سات سو سال سے برابر مسلمانوں اور عیسائیوں کا میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ کسی زمانے میں مسلمان عیسائیوں کو دھکیلتے ہوئے درہ دانیال اور بحیرہ مارموا تک لے جاتے تھے اور کبھی عیسائی مسلمانوں کو ریلتے ہوئے ایران و کردستان تک چلے آتے تھے۔ عیسائیوں کی اس سلطنت کو قدرتی طور پر مسلمانوں کے مقابلے میں دیر تک زندہ رہنے کا اس لیے موقع ملا گیا کہ آپس کی نااتفاقیوں اور خانہ جنگیوں سے مسلمانوں کو ایسا موقع میسر ہی نہ آیا کہ وہ

اس عیسائی رومی سلطنت کا قصہ پاک کرتے۔

اس رہے ہوئے کام کو ترکان عثمانی نے پورا کیا اور اسی لیے وہ عالم اسلام کے محبوب و مقتداء سمجھے گئے۔ ہم جس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے کہ یورپ کے صلیبی سیلاب شام و فلسطین کے میدانوں میں بار بار موجزن ہو چکے ہیں۔ عیسائیوں کے مجاہدین مسلمانوں کے مقابلے میں شکست پا پا کر اور مسلمانوں کی علمی و اخلاقی ترقیات سے متاثر ہو ہو کر یورپ میں واپس جا کر اور یورپ کے تمام ملکوں میں پھیل کر عیسائی ممالک کو بیدار اور ترقی کی طرف مائل و متوجہ کر چکے ہیں۔ اس زمانہ کی نسبت عیسائیوں کا یہ کہنا کہ رومی سلطنت بہت ہی غافل اور کمزور تھی' سراسر غلط ہے۔ عیسائیوں میں مسلمانوں کی مخالفت کے لیے اتفاق اور جوش بدرجہ اتم پیدا ہو چکا تھا۔ قسطنطنیہ کا دربار سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ قسطنطنیہ کی سلطنت نسبتاً سب سے زیادہ' طاقتور اور فنون جنگ سے واقف اور مقابلہ کی اہلیت رکھتی تھی۔ اس سے پہلے زمانے میں یورپ کی دوسری سلطنتیں قسطنطنیہ کی سلطنت سے رقابت بھی رکھتی تھیں لیکن صلیبی لڑائیوں کے بعد تمام یورپ کی ہمدردی قسطنطنیہ کے قیصر سے متعلق تھی۔ قیصر قسطنطنیہ کے تعلقات صرف یورپ کے سلاطین تک محدود نہ تھے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے ہر ایک دشمن کو اپنا دوست سمجھ کر اس سے محبت و مودت کے تعلقات رکھتا تھا۔ چنگیز خان اور اس کی اولاد کو فاتح اور نامسلمان دیکھ کر قیصر قسطنطنیہ کے فرماں روا کو اس میں بھی تامل نہ تھا کہ وہ اپنے مد مقابل اور حریف کو اپنی بیٹی دے کر اپنا موافق بنانے کی کوشش کرے اور اس کے خطرے سے محفوظ ہو جائے اور اپنا کام نکال لے۔ مسلمانوں کی جمعیت میں پھوٹ ڈال کر ان کو کمزور و برباد کر دینے کی حکمت عملی کچھ ہمارے موجودہ زمانے کے عیسائیوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس حکمت عملی پر قیصر قسطنطنیہ نے بارہا عمل کیا ہے اور وہ ہر زمانے میں نہایت چوکس اور مستعد نظر آیا ہے۔ اگر مسلمان آپس کی خانہ جنگی کو چھوڑ دیں اور متفق و متحد ہو کر دشمنان اسلام کے مقابلے پر مستعد ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کے مقابلے پر قائم نہیں رہ سکتی اور اس کو لازماً مغلوب و محکوم ہی ہونا پڑے گا۔ عثمان خان اور اس کی اولاد نے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے خانہ جنگی اور اپنے مسلمان رقیبوں کے مقابلے سے اپنا پہلو ہمیشہ بچایا اور اپنے آپ کو حتی المقدور عیسائیوں کے مقابلے کے لیے مستعد رکھا۔ چنانچہ وہ اس عظیم الشان کام کو انجام دے سکے جو ان کے متقدمین سے انجام پذیر نہ ہو سکا۔ اب ہم کو عثمان خان کے بیٹے ارخان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

ارخان : عثمان خان کا بڑا بیٹا علاؤ الدین تھا اور چھوٹا ارخان تھا۔ علاؤ الدین اگرچہ علم و فضل' عقل و بصیرت اور ہمت و استقلال میں بے نظیر تھا مگر ارخان کے فوجی اور جنگی کارنامے سب سے بڑی سفارش

اس امر کی ہوئے کہ عثمان خان نے ارخان کو اپنا جانشین تجویز کیا۔ عثمان خان کی وفات کے بعد قوی احتمال ہو سکتا تھا کہ دونوں بھائی تخت و تاج کے لیے آپس میں لڑیں گے۔ مگر بڑے بھائی علاؤ الدین نے جو ہر طرح سلطنت کی قابلیت رکھتا تھا' اپنے بڑے ہونے کے حق فائق کو باپ کی وصیت کے مقابلے میں بالکل ہیچ سمجھا اور نہایت خوشی کے ساتھ بھائی کو تخت و تاج کی مبارک باد دے کر اس کے ہاتھ پر اطاعت کی بیعت کی اور اپنے لیے صرف اس قدر کافی سمجھا کہ بروصہ کے متصل اس کو صرف ایک گاؤں گزارہ کے لیے بطور جاگیر دے دیا جائے۔ ارخان بھی اپنے بھائی کی قابلیت اور پاک باطنی سے واقف تھا۔ اس نے یہ منت عرض کیا اور اراکین سلطنت کو سفارشی بنایا کہ وزارت قبول فرما لیجئے۔ علاؤ الدین کے لیے اپنے چھوٹے بھائی کا وزیر بننا موجب عزت نہ تھا لیکن اس نے بھائی کے اصرار پر اس عہدے کو قبول کر لیا اور اس خوبی اور نیک نیتی کے ساتھ مہمات سلطنت کو انجام دیا کہ دنیا کے پاک باطن اور عالی دماغ وزیروں کی فہرست میں اس کا نام اگر سب سے پہلے لکھا جائے تو کچھ بے جا نہیں ہے۔

سلطان ارخان نے تخت نشین ہوتے ہی ایک سال اندر تمام ایشیائے کوچک کو فتح کر کے درہ دانیال کے ساحل تک اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا اور ایشیائے کوچک کو بتمامہ عیسائی حکومت سے پاک کر کے اپنے بھائی علاؤ الدین کے مشورے سے اپنی مملکت میں ایسے آئین و قوانین جاری کیے جس سے سلطنت کو استحکام حاصل ہوا۔ اس وقت تک یہ دستور تھا کہ بہادر و جنگجو سرداروں کو ملک کے چھوٹے چھوٹے قطعات بطور جاگیر دے دیے جاتے تھے۔ ان جاگیروں کا سرکاری محصول یا لگان یہی تھی کہ ضرورت کے وقت بادشاہ کے طلب کرنے پر مقررہ تعداد کی فوج لے کر بادشاہ کے ساتھ میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے نظر آتے اور جو سردار ایک وقت میں زمیندار یا جاگیردار ہوتے تھے دوسرے وقت میں وہی سپہ سالار نظر آتے تھے۔ ایشیائے کوچک میں پہلے ہی سے مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد تھی اور ان میں ترک خاندانوں کا زیادہ حصہ شامل تھا کیونکہ معتصم باللہ عباسی کے زمانے سے ایشیائے کوچک کے اندر سرحدی شہروں میں ترکوں کے آباد کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا گیا تھا۔ سلجوقیوں کے عہد حکومت میں بہت سے قبائل ترکستان سے آ آ کر ایشیائے کوچک میں آباد ہوئے تھے۔ سلاجقہ روم کی حکومت نے بھی بہت سے اپنے ہم وطنوں یعنی ترکوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ ترکان غز کی ترک تاز اور مغلوں کے حملوں نے بھی خراسان' ایران اور عراق کی طرف سے ترکوں کو اس طرف ریل دیا تھا۔ اس طرح ایشیائے کوچک کا تمام مشرقی حصہ جو اکثر مسلمانوں کے قبضہ میں رہا تھا' ترک قبائل سے پر تھا۔ صرف شمالی و مغربی ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کی کثرت تھی۔

ینگ چری فوج : اب جبکہ شمالی و مغربی حصہ بھی عیسائی حکومت سے پاک ہو گیا تو تمام ایشیائے

کوچک میں ترکان عثمانی کے ہوا خواہ اور ان کے ہمراہی مذکورہ جاگیرداریوں کے ذریعہ پھیل گئے اور عثمانی ترکوں نے ایسے وقت میں ایشیائے کوچک پر کامل تسلط پایا جبکہ اس ملک میں ان کے لیے بے حد موزونیت اور صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ لڑائیوں میں بہت سے عیسائی قید ہو کر آئے تھے اور بہت سے عیسائی رعایا بن کر ذمیوں کی حیثیت سے ایشیائے کوچک میں زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ وزیر اعظم علاؤالدین نے بھائی کو سمجھایا کہ بڑے بڑے جاگیردار جو بڑی بڑی فوج کے مالک ہوتے ہیں' سلطنت کے لیے موجب خطر بھی بن جایا کرتے ہیں اور ہماری مملکت کے جاگیردار عیسائی رعایا' عیسائی ہمسایہ سلطنت کی ریشہ دوانیوں کے شکار بن کر ہماری مخالفت پر آمادہ ہو جانے کی استعداد اور بھی زیادہ رکھتے ہیں۔ اس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی قیدیوں اور عیسائی رعایا میں سے نوجوان اور نو عمر لڑکوں کو لے کر سلطنت خود ان کی پرورش اور تربیت کی ذمہ دار بنے اور اس طرح ان کو اسلامی تعلیم دے کر اور مسلمان بنا کر ان کی ایک فوج بنائی جائے۔ یہ فوج خاص شاہی فوج سمجھی جائے۔ ان لوگوں سے بغاوت کی مطلق توقع نہ ہوگی اور ان نومسلم نوجوانوں کے عزیز و اقارب بھی یقیناً سلطنت کی مخالفت پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے بلکہ ان کو مسلمان ہونے کی بہترین ترغیب ہو سکے گی۔ چنانچہ جب اس پر عمل درآمد شروع ہوا اور کئی ہزار عیسائی لڑکے لے کر ان کی تعلیم شروع کی گئی تو ان لڑکوں کی عزت و عظمت اور شان و شوکت دیکھ کر وہ سلطان عثمانی کے بیٹے سمجھے جاتے تھے۔ عیسائیوں نے خود کوششیں کر کے اپنے نو عمر لڑکوں کو داخل کرنا شروع کر دیا۔ ابتداءً جب قریباً دو ہزار نوجوان تعلیم و تربیت پا کر فوجی تعلیم سے فارغ ہو کر سلطان کے باڈی گارڈ قرار دیئے گئے تو سلطان ان کو لے کر ایک بزرگ صوفی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے دعا چاہی۔ اس ولی کامل بزرگ نے ایک جوان کے شانہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس فوج کے لیے دعائیہ کلمات کہے جو کامیابی کے لیے ایک نیک فال سمجھی گئی۔ یہ سب کے سب نہایت سچے پکے مسلمان اور سب سے زیادہ اسلحہ جنگ سے آراستہ اور شاہی فرزند قرار دیئے گئے تھے۔ اسی فوج کا نام ینگ چری فوج مشہور ہے۔ ان لوگوں کو اپنے عزیزوں' رشتہ داروں سے کوئی تعلق نہیں رہتا تھا اور وہ سب کے سب اسلام کے سچے پکے خادم ہوتے تھے۔ اس طرح ہر سال ایک ہزار عیسائی بچے قیدیوں اور ذمیوں میں سے انتخاب کر کے داخل کئے جاتے اور تعلیم و تربیت کے بعد شاہی باڈی گارڈ میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس عجیب و غریب قسم کی فوج نے سرداروں اور جاگیرداروں کی بغاوت کے خطرے کو سلاطین ترکی کے لیے مٹا دیا تھا۔ دوسری طرف وزیر اعظم علاؤالدین نے ملک میں جابجا مدارس جاری کیے۔ عیسائیوں کو قریباً وہی حقوق عطا کئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ تجارت کے لیے سہولتیں بہم پہنچائیں' گرجوں کے لیے معافیاں اور جاگیریں عطا کیں۔ رعایا کے آرام اور سہولت کو ہر حال میں مقدم رکھا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی لوگ بخوشی خاطر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کیونکہ ان کو اطمینان کے ساتھ اسلام کا مطالعہ

کرنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ آج کل لوگ ینگ چری فوج کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ عیسائیوں پر ایک ظالمانہ ٹیکس تھا کہ ان کے بچوں کو ان سے زبردستی چھین کر مسلمان بنایا اور پھر عیسائیوں ہی کے مقابلہ پر استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ ینگ چری فوج جس شان و شوکت کے ساتھ رہتی اور جس طرح سلطان کی منظور نظر تھی' اس کو دیکھ دیکھ کر عیسائیوں کو خود خواہش پیدا ہوتی تھی کہ ہم اپنے بیٹوں کو سلطانی تربیت گاہ میں داخل کر دیں کیونکہ ان کو داخل ہونے کے بعد راحت و عزت کے سوا کسی خطرے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ینگ چری فوج میں داخل ہونے کے بعد ہمارے بچوں کو کسی قسم کا کوئی آزار نہیں پہنچایا جا سکتا اور ان کی طرف کوئی آنکھ بھی کر نہیں دیکھ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ سالانہ بھرتی کے موقعہ پر بلا جبر و کراہ یہ تعداد پوری ہو جاتی تھی اور بعض امیدواروں کو واپس کرنا پڑتا تھا۔

یہ ینگ چری فوج ایک جدید فوج تھی۔ اس کے علاوہ وہ قدیمی دستور بدستور موجود تھا۔ اس فوج میں بھی علاؤ الدین وزیر نے بہت اصلاحیں کیں۔ فوج کی وردیاں مقرر کیں' ان کو تعداد کے اعتبار سے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے پابند آئین بنایا۔ صدی' پانصدی' ہزار وغیرہ سردار مقرر کئے۔ پیادہ اور سواروں کی الگ الگ فوجیں بنائیں۔ ان کے علاوہ رضا کاروں کے لیے بھی قانون بنایا۔ اسی طرح مال کے محکمے میں اصلاحیں کیں۔ فوج داری اور فصل خصومات کی کچہریاں شہروں اور قصبوں میں قائم کیں۔ پولیس اور میونسپلٹی کے محکموں کی طرف بھی اس کی خصوصی توجہ مبذول تھی۔ ملک کے ایسے قبیلوں کو جو آوارہ گردی و قزاقی کے شوقین تھے' وزیر علاؤ الدین نے ایسے کام پر لگا دیا جو ان کے لیے بہت ہی دل پسند کام تھا یعنی اس نے ان میں بھی ایک نظام پیدا کر کے ان کی فوجیں اور پلٹنیں بنا دیں جن کا کام یہ تھا کہ جس ملک پر سلطنت عثمانی کی فوجیں حملہ آور ہوں' یہ پلٹنیں میدان جنگ کے اطراف اور دشمن کے ملک میں پھیل کر غارت گری کا سلسلہ جاری کر کے حریف کو مرعوب و خوف زدہ بنائیں۔

وزیر اعظم علاؤ الدین نے محکمہ تعمیرات کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول فرمائی۔ جابجا شہروں' قصبوں اور قریوں میں مسجدیں' سرائیں' مدرسے اور شفا خانے تیار کرائے۔ بڑے بڑے شہروں میں عالی شان شاہی محلات' دریاؤں پر پل اور سڑکوں پر حفاظتی چوکیاں بنوائیں' نئی سڑکیں نکلوائیں تاکہ تجارت اور فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانی ہو۔ غرض کہ ایشیائے کوچک کی آبادی و سرسبزی اور سلطنت عثمانیہ کے قیام و استحکام کے لیے ہر ایک ممکن تدبیر کو کام میں لایا' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک یہ ملک ترکوں کا جائے پناہ بنا ہوا ہے اور چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس ملک کی حالت یہ ہے کہ وہاں سے اسلام اور ترکوں کو نکال دینے کی جرأت کسی قوم اور کسی سلطنت میں نظر نہیں آتی۔

ارخان کی سلطنت کے تذکرے میں اس وزیر با تدبیر کے کارناموں کا خصوصی تذکرہ کرنا ایک ظلم تھا اور چونکہ وہ ارخان کا بڑا بھائی تھا' اس لیے پہلے اس کے کارناموں کی طرف اشارہ کرنا ضروری

تھا۔اب ارخان کی سلطنت کے واقعات سنو کہ اس کی تخت نشینی کے وقت اینڈ رونیکوس نامی قیصر قسطنطنیہ تھا۔وہ اپنے تمام ایشیائے مقبوضات چھنوا کر ایشیائے کوچک سے بالکل مایوس ہو گیا اور اس کو اس بات کا خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ترک سمندر کو عبور کر کے یورپ ساحل پر نہ اتر آئیں۔مگر ارخان نے یورپ کی سرزمین پر قدم رکھنے سے زیادہ اس کام کو زیادہ ضروری سمجھا کہ اپنے بھائی علاؤالدین کی اصلاحوں اور ایجادوں کو ایشیائے کوچک میں اچھی طرف جاری اور رائج کر کے فائدہ اٹھائے اور اپنے مقبوضہ ملک میں خوب مضبوط ہو جائے۔چنانچہ اس نے قریباً بیس سال تک اپنی تمام تر ہمت اصلاح ملک اور ملک داری کے کاموں میں صرف کی۔اگر باقی ترک سلاطین بھی ارخان اور اس کے بھائی علاؤالدین کے نومفتوحہ ملکوں کو اسی طرح درست بنانا ضروری سمجھتے تو جس طرح ایشیائے کوچک آج تک ترکوں کا مامن وامید گاہ بنا ہوا ہے۔مصر، بلقان، حجاز، طرابلس وغیرہ بھی ان کے مامن وامید گاہ ہوتے۔

قیصر قسطنطنیہ کے پوتے اور شہزادہ کنٹا کوزینس نے قیصر کے خلاف علم و بغاوت بلند کیا۔یہ سنہ۔۷۳۹ھ کا واقعہ ہے۔عیسائیوں کی اس خانہ جنگی میں قدرتی طور پر عثمانیوں کے لیے ایک کامیابی کی صورت پیدا ہوئی۔صوبہ ایدن کے ترکی گورنر شہزادہ عمر بے سے باغیوں نے امداد طلب کی۔اس نے ۳۸۰ جہازوں کا بیڑہ اور ۲۸ ہزار فوج لے کر سمندر کو عبور کیا اور یورپ میں داخل ہو کر شہر ڈیموٹیکا پر سے محاصرہ اٹھا دیا۔اس کے بعد دو ہزار چیدہ سوار لے کر سردیا میں یلغار کرتا ہوا داخل ہوا۔قیصر نے عمر بے یا عمر پاشا کو زر کثیر دے کر باغیوں کی امداد سے باز رکھا اور ترکی گورنر عمر پاشا یورپ واپس ہو کر اپنے صوبہ میں چلا آیا۔مگر اس کی اس یلغار کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیصر اینڈ رونیکس کا پوتا اس قدر بے قابو ہو گیا کہ اس نے قیصر کو تخت سلطنت سے اتار کر خود تخت قیصری حاصل کر لیا سنہ۔۷۴۲ھ میں اس کے فوت ہونے پر جان پلالوگس قسطنطنیہ کے تخت پر متمکن ہوا مگر سنہ۔۷۴۸ھ میں کنٹا کوینس نے جان پلاکوگس کو معزول کر کے تخت حاصل کر لیا اور سنہ۔۷۹۴ھ تک حکومت کرتا رہا۔اس کے بعد دو اور قیصروں نے سنہ۔۸۵۷ھ تک حکومت حاصل کی۔جس کے بعد قسطنطنیہ ترکوں قبضہ میں آ گیا۔قیصر کنٹا کوزینس (کینٹکوزینی) نے تخت قیصری پر قدم رکھتے ہی سلطان ارخان کو ایشیائے کوچک کا سلطان اعظم تسلیم کر لیا اور ترکوں کی ترک وتاز سے یورپ علاقے کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری سمجھا کہ سلطان سے خصوصی تعلقات پیدا کیے جائیں۔چنانچہ قیصر نے سلطان ارخان کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ میں اپنی نہایت خوبصورت وحسین بیٹی تھیوڈورا کی شادی آپ کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔قیصر کو معلوم تھا کہ سلطان کی عمر ساٹھ سال کی اور اس کی بیٹی نوجوان ہے۔نیز وہ مذہب کے اختلاف سے بھی بے خبر نہ تھا۔سلطان نے قیصر کی اس درخوست کو رد نہیں کیا اور بڑی دھوم دھام کی ساتھ ملکہ تھیوڈورا کی شادہ سلطان ارخان کے ساتھ ہوئی۔سلطان خود قسطنطنیہ گیا اور ملکہ کو بیاہ کر لایا۔اس شادی کے بعد قیصر کو اطمیان ہو گیا کہ اب ترک میرے

ملک پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے اور میں اپنے آپ کو طاقتور بنانے کا بخوبی موقع پا سکوں گا۔ مگر اس کے آٹھ سال بعد ایک عجیب صورت ترکوں کے لیے یورپ میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہوئی۔ یعنی سنہ ۷۵۶ھ میں وینس اور جینوا دونوں زبردست بحری طاقتیں تھیں اور ان دونوں نے تمام بحر روم پر اپنا قبضہ و اقتدار قائم رکھا تھا۔ جینوا والوں کا علاقہ قیصر قسطنطنیہ کے مقبوضات سے متصل تھا۔ اس لیے قیصر قسطنطنیہ کو جینوا والوں سے سخت نفرت و عداوت تھی اور وہ وینس والوں کی کامیابی کا خواہاں تھا۔ وینس والے بھی قیصر قسطنطنیہ کے ہوا خواہ و ہمدرد تھے۔ ادھر ارخان کو وینس والوں سے اس لیے نفرت تھی کہ وہ ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر اکثر باعث تکلیف ہوتے رہتے اور سلطان ارخان کی حکومت و سلطنت کو بہ نظر حقارت دیکھتے تھے۔ اس نفرت کا لازمی نتیجہ تھا کہ سلطان ارخان جینوا والوں کا ہمدرد ہوا۔ چنانچہ جینوا والے بھی سلطان ارخان کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ اتفاقاً آبنائے باسفورس کے قریب وینس اور جینوا والوں میں معرکہ کا بازار گرم ہوا۔ اس طرف کے ساحلی صوبہ کا عامل گورنر سلطان ارخان کا بیٹا سلیمان خان تھا۔

ایک روز سلیمان خان جینوا والوں کی ایک کشتی میں صرف چالیس آدمیوں کے ہمراہ سوار ہو کر رات کے وقت دردانیال کو عبور کر کے یورپی ساحل پر اترا اور ساحل کے اس قلعہ کو جو وینس والوں کے لیے موجب تقویت تھا، فتح کر لیا۔ اس کے بعد فوراً کئی ہزار ترک اس قلعہ میں اپنے شہزادے کے پاس پہنچ گئے، جس سے جینوا والوں کو بڑی مدد پہنچی۔ یہ حال معلوم ہوا کہ قیصر قسطنطنیہ کو سخت ملال ہوا۔ وہ یہ ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سلطان ارخان کو لکھے کہ سلیمان کو قلعہ چھوڑ دینے کا حکم دیں کہ اتنے میں خود قیصر کے دارالسلطنت میں اس کے دوسرے داماد نے علم بغاوت بلند کیا اور قیصر کو اپنا دارالسلطنت بچانا دشوار ہو گیا۔ اس نے فوراً سلطان ارخان سے امداد طلب کی۔ سلطان ارخان نے اپنے بیٹے خان کو لکھا کہ روپیہ لے لو اور یہ قلعہ چھوڑ کر واپس چلے جاؤ۔ سلیمان خان اس پر آمادہ تھا کہ اتنے میں سخت زلزلہ آیا اور شہر گیلی پولی کی فصیل گر گئی اور شہر والے زلزلہ سے خائف و ترساں ہوئے۔ اس زلزلہ کو تائید غیبی سمجھ کر عضدی بیگ اور غازی فاضل دو سرداروں نے جو سلیمان خان کے ہمراہ تھے گری ہوئی فصیل کو طے کر کے اور شہر میں داخل ہو کر گیلی پولی پر قبضہ کر لیا۔ گیلی پولی پر قبضہ کرنے کے بعد سلیمان خان نے فوراً فصیلوں کی مرمت کرائی اور ایک مضبوط ترکی فوج وہاں قائم کر دی۔ قیصر کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے ارخان کو شکایت لکھی۔ ارخان نے جواب میں لکھا کہ میرے بیٹے نے گیلی پولی کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا بلکہ زلزلہ کے اتفاقی حادثہ نے اس کے لیے شہر پر قبضہ کرنے کا موقع پیدا کر دیا ہے اور میں اس کو وہاں سے واپس بلانے کے لیے لکھوں گا اور اصل واقعات کو بھی تحقیق کروں گا۔ قیصر کو چونکہ بار بار سلطان ارخان سے مدد طلب کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی اور خانگی جھگڑے ان ایام میں اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیے

ہوتے تھے لہذا قیصر نے گیلی پولی کے تخلیہ پر پھر اصرار نہیں کیا اور سلیمان خان نے اس کو نہیں چھوڑا۔ گیلی پولی کا قبضہ سلیمان خان کے لیے بھی بے حد ضروری تھا کہ وہ وینس والوں کی دست برد سے ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کو محفوظ رکھنے میں وہ بہت معاون تھا۔ یہ واقعہ سنہ۔ ۷۵۷ھ کا ہے۔ اس کے دو سال بعد سنہ۔ ۷۵۹ھ میں ارخان کا بیٹا سلیمان خان باز کے شکار میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔ سلیمان خان بڑا ہونہار، بہادر اور عقلمند شہزادہ تھا۔ اس کے فوت ہونے کا ارخان کو سخت صدمہ ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ارخان کے بعد تخت نشین ہوتا۔ اس صدمہ جان کاہ نے ارخان کو بہت مضمحل کیا اور وہ سنہ۔ ۷۶۱ھ میں ۳۸ سال سلطنت کرنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

ارخان نے اپنے باپ کی وصیت اور حکمت عملی پر خوب احتیاط کے ساتھ عمل کیا۔ اس نے اپنے باپ کی قائم کی ہوئی سلطنت کو وسعت دے کر یورپ کے ساحل تک پہنچا دیا۔ ارخان کی تمام تر توجہ یورپ کی جانب مائل تھی۔ اس کا ایک ثبوت یہ واقعہ بھی ہے کہ جب اس کے بیٹے سلیمان خان کا بروصہ کے قریب باز کے شکار میں گھوڑے سے گر کر انتقال ہوا تو اس نے سلیمان خان کو بروصہ میں دفن نہیں کیا بلکہ اس کی لاش کو دردانیال کے اس طرف ساحل یورپ میں جو سلیمان خان کا فتح کیا ہوا عثمانیہ سلطنت کا مقبوضہ تھا، لے کر جا دفن کیا تا کہ ترکوں کو ساحل یورپ کے چھوڑنے اور وہاں سے پیچھے ہٹنے کا خیال پیدا نہ ہو۔

مراد خان اول: اپنے بڑے بیٹے سلیمان خان کی وفات کے بعد سلطان ارخان نے اپنے چھوٹے بیٹے مراد خان کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ چنانچہ ارخان کی وفات کے بعد مراد خان جس کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی، سنہ۔ ۷۶۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ مراد خان کی خواہش یہی تھی کہ یورپ میں اپنی سلطنت کو وسعت دے لیکن تخت نشینی کے بعد ہی قرمان کی ترکی سلجوقی ریاست کی بغاوت فرو کرنے میں اس کو ایشیائے کوچک کے مشرقی علاقے کی طرف مصروف رہنا پڑا۔ اس کے بعد سنہ۔ ۷۶۲ھ میں اپنی فوج لے کر ساحل یورپ پر اترا اور ایڈریانوپل (اورنہ) کو فتح کر کے اپنا سلطنت بنایا۔ اس وقت یعنی سنہ۔ ۷۶۳ھ سے فتح قسطنطنیہ تک جو سلطان محمد خان ثانی کے عہد میں ہوئی۔ ایڈریانوپل سلطنت عثمانیہ کا دارالسلطنت رہا۔ ایڈریانوپل کی فتح کا حال سن کر بلگیریا اور سرویا والوں کو فکر پیدا ہوئی۔ قسطنطنیہ کے قیصر نے پوپ روم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ جہاد کا وعظ کریں اور مسلمانوں کی روک تھام کے لیے فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ پوپ نے فوجیں روانہ کیں۔ ادھر ہنگری اور بوسنیا وغیرہ کے عیسائی سلاطین بھی سرویا اور بلگیریا کی طرف مستعد ہو گئے اور ان متحدہ عیسائی افواج نے سنہ۔ ۷۶۵ھ میں ایڈریانوپل کی طرف کوچ کیا۔ مراد خان نے اپنے سپہ سالار شاہین نامی کو بیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ ایڈریانوپل

سے دو منزل آگے عیسائی لشکر عظیم سے' جس کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی تھی' مقابلہ ہوا' اس معرکہ میں عیسائیوں کی اس متحدہ افواج نے مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست فاش کھائی اور فرار کی عار کو قرار پر ترجیح دے کر بھاگتے ہوئے بہت سے مسلمانوں کی تلواروں سے مقتول اور بہت سے اسیر و دست گیر ہوئے۔ لالہ شاہین نے آگے بڑھ کر بہت سا ملک فتح کیا اور تھریس و رومیلیا کے صوبوں میں فوجی جاگیرداری کے قدیمی دستور کے موافق اپنے ہم قوم ترکوں اور اپنی حکومت کے مستحکم بنانے میں مصروف رہا۔ جنگی قیدیوں اور عیسائی رعایا کے نوعمر لڑکوں کے ذریعہ ینگ چری فوج میں بھی اضافہ ہونے لگا۔

عیسائیوں نے جب یہ دیکھا کہ ترکی سلطان نے اپنی حکومت کو خوب مضبوط بنا کر ایڈریانوپل مستقل طور پر طرح اقامت ڈال دی ہے تو سنہ ۷۷۸ھ میں انہوں نے پھر سلطان مراد خان کے خلاف یورپ کی تمام طاقتوں کو متحد کیا۔ چنانچہ سردیا' بلگیریا' ہنگری' بوسنیا' پولینڈ' قسطنطنیہ' پوپ روم کی فوجیں سلطان مراد خان اور سلطنت عثمانیہ کو نیست و نابود کرنے کے لیے فراہم و مجتمع ہوئیں۔ مسلمانوں کی فوج اس مرتبہ بھی عیسائی لشکر کے مقابلہ میں پانچویں چھٹے حصے کے برابر تھی۔ اس لڑائی میں عیسائیوں کو حسب دستور شکست فاش ہوئی۔ سردیا کے بادشاہ نے بارہ من پختہ چاندی سالانہ اور عندالطلب ایک ہزار سواروں کا لشکر مدد کے لیے بھیجنے کا وعدہ کر کے اپنی جان بچائی اور بلگیریا کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سلطان کی خدمت میں پیش کر کے آئندہ مطیع و منقاد رہنے کا وعدہ کیا۔ قیصر قسطنطنیہ نے اپنی تین خوبصورت لڑکیاں اس توقع میں پیش کیں کہ ایک سے سلطان مراد خان خود نکاح کرے اور دو اس کے دونوں بڑے بیٹوں کی بیویوں میں شامل کی جائیں۔ اس لڑائی کے بعد قیصر قسطنطنیہ سلطان مراد خان کے یورپ سے بے دخل اور واپس کرنے سے مایوس ہو کر اس کوشش میں مصروف رہنے لگا کہ سلطان سے اس کی صلح رہے اور اس کو اپنے مقبوضہ ملک اور قسطنطنیہ کے تخت پر حکمران رہنے دیا جائے۔ ایک طرف قیصر قسطنطنیہ عثمانی سلطان کی خوشامد میں مصروف رہتا تھا' دوسری طرف وہ اندر ہی اندر سلطان کے خلاف کوششوں میں مصروف تھا۔ چنانچہ سنہ ۷۸۲ھ میں قیصر قسطنطنیہ پلیلوگس نے کشود کار کی توقع میں قسطنطنیہ سے شہر روم میں پوپ کے پاس جانے اور اس کی اطاعت قبول کرنے کی ذلت محض اس وجہ سے اٹھائی کہ پوپ عیسائیوں کو مذہبی جہاد اور سلطان مراد خان کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے تمام براعظم یورپ کو میدان جنگ میں لے آئے۔ مگر اس تدبیر میں جبکہ اس کو کامیابی نظر نہ آئی تو وہ بہت خوفزدہ ہوا اور سلطان کے غضب سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے اپنے تھیوڈورس کو سلطان کے خدمت میں بھیج کر درخواست کی کہ اس کو ینگ چری فوج میں بھرتی ہونے کی عزت دی جائے۔ چنانچہ اس تدبیر سے اس نے سلطان کو بہت خوش اور اپنی طرف سے مطمئن کر دیا۔

انہیں ایام میں سلطان مراد خان کو ایشیائے کوچک میں بعض بغاوتوں اور سرکشیوں کے

استیصال کی غرض سے جانے کی ضرورت پیش آئی اور اپنے یورپی مقبوضات کی حکومت ایڈریانوپل میں اپنے بیٹے ساوجی کے سپرد کر دی گئی۔ سلطان کی اس غیر موجودگی میں قیصر قسطنطنیہ کا ایک اور بیٹا جس کا نام اینڈ ونیکس تھا' ایڈریانوپل میں آیا اور مراد خان کے بیٹے دوست اور رفیق بن کر اس کے مزاج میں دخیل ہوا۔ اس عیسائی شہزادہ نے مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی ایک عجیب کوشش کی۔ اس نے کہا کہ میرا باپ بھی حکومت کی قابلیت نہیں رکھتا اور میرے اوپر بہت ظلم کرتا ہے اور اسی طرح آپ کا باپ بھی آپ کی نسبت دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیتا۔ یہ موقع محض اتفاق سے ہاتھ آ گیا ہے۔ میں نے بھی اپنے لشکر کے ایک معقول حصہ کو اپنا شریک بنالیا ہے۔ آپ بھی اپنے ہاتھ یہاں کافی فوج رکھتے ہیں۔ آؤ پہلے ہم دونوں مل کر قسطنطنیہ کو فتح کر کے موجودہ قیصر کو اسیر کر لیں۔ اس طرح جب تخت قسطنطنیہ مجھ کو مل جائے گا تو پھر ہم دونوں مل کر سلطان مراد خان کا مقابلہ کر سکیں گے اور آپ ایڈریانوپل میں بآسانی تخت نشین ہو کر ترکوں کے سلطان بن جائیں گے۔ یہ احمق شہزادہ عیسائی شہزادہ کے فریب میں آ گیا۔ اس نے بلا تامل اپنی فوج لے کر اور عیسائی شہزادے کے ساتھ ہو کر قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر دیا اور دونوں نے جا کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مراد خان نے جب اس بغاوت و سرکشی کا حال سنا تو وہ بہت جلد ایشیائے کوچک سے فارغ ہو کر ایڈریانوپل آیا۔ یہ دونوں شہزادے قسطنطنیہ کے قریب سے ہٹ کر مغرب کی جانب ایک ندی پار جا پڑے اور سلطان مراد خان کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ مراد خان نے ایڈریانوپل پہنچتے ہی قیصر پلیلوگس کو لکھا کہ فوراً میری خدمت میں حاضر ہو کر جواب دو کہ یہ نامعقول حرکت کیوں ظہور میں آئی اور تم نے اپنے بیٹے کو میرے بیٹے کے پاس بھیج کر کیوں یہ فتنہ برپا کرایا۔ قیصر اس سلطانی پیغام کے پہنچتے سے کانپ گیا اور اس نے خوف کی وجہ سے اپنی بے گناہی اور لاعلمی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ ان باغی شہزادوں کے گرفتار کرنے اور ان کو ان کی نالائقی کی سزا دینے میں ہر طرح آپ کا شریک ہوں اور میری خواہش ہے کہ باغیوں کو گرفتار کر کے قتل کیا جائے۔ اس جواب کو سن کر سلطان خود ان باغیوں کی طرف بڑھا اور ندی کے اس کنارے پر خیمہ زن ہو کر رات کے وقت تنہا اس طرف گیا اور باغیوں کے کیمپ میں پہنچ کر آواز دی کہ تم میں سے جو شخص باغیوں کا ساتھ چھوڑ کر اب بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گا، اس کی خطا معاف کر دی جائے گی۔ سلطان کی آواز کو پہچان کر تمام سپاہی اور سرمایہ دار جو شہزادے کے ساتھ تھے' سلطان کے گرد آ کر جمع ہو گئے اور صرف چند ترکوں اور چند عیسائیوں کے ساتھ یہ دونوں شہزادے وہاں سے فرار ہوئے۔ آخر دونوں مع اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو کر آئے اور سلطان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ سلطان مراد خان نے اپنے بیٹے کو اپنے سامنے بلا کر اندھا کرا دیا اور پھر اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ قیصر کے بیٹے کو پابہ زنجیر قیصر کے پاس بھجوا دیا اور لکھا

کہ اس کو اب تم خود اپنے ہاتھ سے سزا دو جس طرح کہ میں نے اپنے بیٹے کو خود سزا دی۔ قیصر کے لیے یہ بڑا نازک موقع تھا۔ اگر وہ بیٹے کو سزا دیتا ہے تو محبت پدری مانع ہوتی ہے اور اگر سزا نہیں دیتا تو سلطان کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ آخر اس نے بیٹے کی آنکھوں میں تیزاب ڈلوا کر اندھا کرا دیا اور زندہ رہنے دیا۔ سلطان نے یہ سن کر کہ قیصر نے میرے حکم کی تعمیل میں بیٹے کو اندھا کرا دیا' خوشی کا اظہار کیا اور اس بات سے کوئی تعرض نہیں کیا کہ اس کو زندہ کیوں چھوڑ دیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ قیصر نے بیٹے کو بالکل اندھا نہیں کرایا بلکہ اس کی بینائی باقی رہی تھی اور چند روز کی تکلیف کے بعد آنکھیں اچھی ہو گئی تھیں۔

سنہ ۷۸۹ھ میں قراقوئلو ترکمانوں نے ایشیائے کوچک کے مغربی حصے میں زور پکڑ کر سلطان مراد خان کے خلاف علم مخالفت بلند کیا۔ مقام قونیہ کے قریب میدان کارزار گرم ہوا۔ اس لڑائی میں سلطان مراد خان کے بیٹے بایزید خان نے نہایت شدت اور سرعت کے ساتھ حملہ کر کے حریف کی طاقت کو پامال کر دیا۔ بایزید خان کی اس جرات و بہادری کے عوض سلطان نے اس کو یلدرم (برق) کا خطاب دیا۔ اسی روز سے بایزید یلدرم کے نام سے مشہور ہوا۔ ترکمانوں کا سردار چونکہ سلطان مراد خان کا داماد بھی تھا' اس لیے بیٹی نے باپ سے سفارش کرا کے اپنے خاوند کی جان بچوا دی اور اس حریف ریاست سے پھر صلح و آشتی کے تعلقات قائم ہوئے۔ اس کے بعد سلطان نے چند روز بروصہ میں رہ کر ایشیائے کوچک کے حالات کو معائنہ کرنا اور وہاں کے انتظام سلطنت کو پہلے سے زیادہ مضبوط بنانا ضروری سمجھا۔ ادھر یورپ میں مسلمانوں کی مخالفت اور جہاد کا جوش تو پہلے ہی موجود تھا' صلیبی لڑائیوں اور پادریوں کے جہادی وعظوں نے تمام براعظم یورپ میں مسلمانوں کی ایک بڑی ہی مہیب اور قابل نفرت تصویر پیش کر کے نفرت کے سیلاب بہا رکھے تھے۔ اب جبکہ تھریس درومیلیا اور اسے بھی آگے تک کا ملک سلطان مراد خان کے قبضے میں آ کر مسلمانوں کی نو آبادی بننے لگا تو تمام یورپ میں ہلچل کا پیدا ہو جانا لازمی و ضروری تھا۔ ادھر شاہ سرویہ' قیصر قسطنطنیہ اور پوپ روم نے یورپ کے تمام ملکوں میں ترکوں کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دینے کے لیے ایلچی اور مناد پھیلا دیئے تھے۔ یہ بالکل اسی قسم کی کوشش تھی جو بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھیننے اور ملک شام میں صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے یورپ میں ہوئی تھی۔ ترکوں کے بلقان میں پہنچنے سے عیسائی لوگ ملک شام کو بھول گئے۔ اور ان کو اب اپنے ملکوں کا بچانا اور خطرہ سے محفوظ رہنے کی کوشش کرنا ضروری و لازمی ہو گیا۔ سلطان مراد خان ایشیائے کوچک میں بیٹھا ہوا ان حالات اور ان تیاریوں سے بے خبر تھا کیونکہ اس خبر رسانی کے ایسے ذرائع نہ تھے کہ وہ عین وقت پر اس بات سے واقف ہو جاتا کہ اس کی مخالفت میں کس کس قسم کی کوششیں کہاں کہاں اور کس کس طرح ہو رہی ہیں؟ سنہ ۷۹۱ھ میں سلطان مراد خان بروصہ میں مقیم تھا۔ اسی سال خواجہ حافظ شیرازی اور حضرت خواجہ نقش بند (بہاء الدین) نے وفات پائی تھی۔ ادھر سرویہ' بلگیر یا' البانیہ'

ہنگری، گلیشیا، پولینڈ، جرمنی، آسٹریلیا، اٹلی، بوسنیا وغیرہ کی تمام طاقتیں اور قومیں متحد و متفق ہو کر سلطنت عثمانیہ کے استیصال پر مستعد ہو چکی تھیں۔ سنہ ۷۹۱ھ میں سلطان مراد خان کے پاس بروصہ میں خبر پہنچی کہ وہ فوج جو بیس ہزار کی تعداد میں رومیلیا کے اندر موجود تھی، عیسائی لشکر کے مقابلے میں برباد ہو گئی یعنی سرویا اور بلگیریا کی فوجوں نے حملہ کر کے اور عہد اطاعت کو بالائے طاق رکھ کر بیس ہزار ترکوں میں سے پندرہ ہزار کو جام شہادت پلا دیا ہے اور تمام یورپی علاقہ اور دار السلطنت ایڈریانوپل خطرہ میں ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی سلطان مراد خان بروصہ سے چل کر سمندر کو عبور کر کے ایڈریانوپل پہنچا اور وہاں سے تیس ہزار کا ایک لشکر اپنے سپہ سالار علی پاشا کو دے کر آگے روانہ کیا کہ دشمنوں کے لشکر کی پیش قدمی کو روکے اور خود ایڈریانوپل میں ضروری انتظامات کی طرف متوجہ ہوا۔ سنہ ۷۹۲ھ میں علی پاشا نے بلگیریا کے بادشاہ سسوال کو مغلوب و مجبور کر کے دوبارہ اطاعت پر آمادہ کر لیا۔ عیسائی ممالک کے لشکروں کو سرویہ کے بادشاہ نے سرویہ اور بوسنیا کی سرحدوں پر مقام کسووا میں جمع کیا اور یورپ کے اس لشکر عظیم نے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنا کیمپ قائم کر کے سلطان مراد کو خود پیغام جنگ دیا۔ مراد خان بھی اب پورے طور پر ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ خود اپنی تمام فوج کا سپہ سالار بن کر ایڈریانوپل سے روانہ ہوا اور پہاڑی دشوار گزار دروں کو طے کرتا ہوا کسووا کے میدان میں نمودار ہوا۔ اس میدان میں ایک چھوٹی سی ندی شسترا نامی بہتی تھی۔ اس کے شمالی جانب عیسائی کیمپ تھا۔ دوسری جانب ۲۶/ اگست سنہ ۱۳۸۹ء مطابق سنہ ۷۹۲ھ کو سلطان مراد نے جا کر قیام کیا۔ عیسائیوں نے جب مسلمانوں کے لشکر کو اپنے آپ سے تعداد اور سامان میں چوتھائی کے قریب دیکھا تو ان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ عیسائی اس میدان میں پہلے سے مقیم اور تازہ دم تھے۔ مسلمان یلغار کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور دشوار گزار راستوں نے ان کو تھکا دیا تھا۔ عیسائیوں کے لیے یہ علاقہ نیا اور اجنبی نہ تھا کیونکہ اس علاقے کے باشندے ان کے دوست اور ہم قوم و مذہب اور ہر طرح معین و مددگار تھے لیکن مسلمانوں کے لیے یہ ملک غیر اور اجنبی تھا۔ جس روز شام کو سلطانی لشکر میدان میں پہنچا ہے۔ اس کی شب میں دونوں لشکریوں میں مجالس مشورت منعقد ہوتی رہیں۔ عیسائیوں میں سے بعض سرداروں کی رائے ہوئی کہ اسی وقت رات کو شب خون مار کر مسلمانوں کا کام تمام کر دیا جائے لیکن چونکہ عیسائیوں کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا، اس لیے ان کے دوسرے سرداروں نے اس رائے کی محض اس لیے مخالفت کی کہ رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے ایک بڑے حصے کو بچ کر نکل جانے اور بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔ حالانکہ ہم ان میں سے ایک متنفس کو بھی زندہ چھوڑنا نہیں چاہتے اور یہ مقصد دن کی روشنی میں خوب حاصل ہو سکے گا۔ ادھر عیسائیوں کی کثرت دیکھ کر مسلمان مرعوب تھے۔ سلطان نے مجلس مشورت منعقد کی تو بعض سرداروں نے مشورہ دیا کہ باربرداری کے اونٹوں کی قطار فوج کے سامنے نصب کی جائے تاکہ زندہ فصیل کا کام دے سکے۔ اس

سے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمن جب حملہ آور ہوگا تو اس کے گھوڑے اونٹوں کو دیکھ کر بدکیں گے اور اس طرح ان کی صفوں کا نظام قائم نہ رہ سکے گا۔ اس رائے کو سن کر سلطان کے بڑے بیٹے بایزید یلدرم نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ ضعف اور خوف کی علامت ہے۔ ہم ایسی کمزور اور پست ہمتی پیدا کرنے والی تدبیر پر عمل کرنا ہرگز مناسب نہیں سمجھتے۔ ہم کو دشمن سے کھلے میدان میں دو دو ہاتھ کرتے ہیں۔ غرض اسی قسم کی باتیں پیش ہوتی رہیں اور سلطان اپنی کوئی مستقل رائے قائم نہ کر سکا۔ ادھر سلطان نے دیکھا کہ ہوا بڑے زور سے چل رہی ہے۔ دشمن کی پشت کی جانب سے ہوا کے جھونکے آتے ہیں اور مسلمانوں کے چہرے پر آندھی اور غبار کے تھپیڑے لگتے ہیں۔ یہ علامت مسلمانوں کے لیے بے حد نقصان رساں تھا۔ اپنی قلت تعداد اور کمزوری کو دیکھ کر سلطان مراد خان نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا و التجاء کرنی شروع کی' صبح تک رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا رہا کہ الٰہی کفر و اسلام کا مقابلہ ہے۔ تو ہمارے گناہوں پر نظر نہ کر بلکہ اپنے رسول عربی ﷺ اور دین متین کی لاج رکھ لے۔ ان دعاؤں نے رحمت باری تعالیٰ کو اپنی طرف متوجہ کیا اور صبح ہوتے ہی بارش شروع ہوئی۔ گرد و غبار دب کر موسم نہایت کو خوشگوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بارش اور ہوا رکی' طرفین سے صفوف جنگ آراستہ ہوئیں۔ سلطان مراد خان نے اپنے یورپی علاقے کے جاگیرداروں کی فوج کے دستے میمنہ پر متعین کیے اور شہزادہ بایزید یلدرم کو ان کی سرداری سپرد کی۔ میسرہ میں ایشیائی علاقوں کی فوج متعین کر کے شہزادہ یعقوب کو اس کی سرداری پر مامور کیا۔ قلب میں سلطان مراد خان خود اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ قائم ہوا اور بے قاعدہ سواروں' پیدلوں اور قراولی جنگ کرنے والے دستوں کو آگے بطور ہراول مختلف ٹولیوں میں بڑھا دیا۔ ادھر لشکر کے قلب کی فوج سرویا کے بادشاہ لازس کے زیر کمان تھی اور اس کا بھتیجا دست راست کا افسر اور شاہ بوسنیا دست چپ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ دونوں جانب کی فوجیں نہایت مستعدی جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھیں اور ایک دوسرے کے قریب پہنچ کر مصروف جنگ ہوئیں۔ دوپہر تک نہایت پامردی اور جواں مردی کے ساتھ طرفین نے جم کر داد شجاعت دی اور فتح و شکست کی نسبت کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر سلطان کے بیٹے یعقوب کی فوج میں آثار پریشانی ظاہر ہوئی اور وہ قلب کی جانب پسپا ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر سلطان مراد خان اس طرف خود متوجہ ہوا اور پراگندہ ہونے والی صفوں کو پھر درست کر کے مقابلہ پر جما دیا۔ اس روز سلطان مراد خان ایک آہن گرز ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اور وہ اپنے اسی گرز سے ہر مقابلہ پر آنے والے کو مار گرا دیتا تھا۔ مقابلہ خوب تیزی سے جاری تھا اور میدان میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے کہ عیسائی لشکر پر شکست کے علامات ظاہر ہونے شروع ہوئے اور اسلامی بہادروں کے سامنے عیسائی فوج کے قدم اکھڑے۔ مسلمانوں نے نہایت پرجوش حملے شروع کر دیئے اور عیسائیوں کے سپہ سالار اعظم یعنی شاہ سرویا کو گرفتار کر لیا۔ اس میدان میں لاکھوں عیسائی مقتول اور قریباً تمام ان کے بڑے بڑے

سردار گرفتار ہو گئے۔ شاہ سرویا جب مقید مراد خان کے سامنے لایا گیا تو سلطان نے اس کو بحفاظت قید رکھنے کا حکم دیا۔ عین اس حالت میں جب عیسائی میدان کو خالی کر رہے تھے اور ان کو کامل شکست حاصل ہو چکی تھی، سرویا کے ایک سردار کی روباہ بازی نے مسلمانوں کی اس فتح عظیم کی مسرت کو منغص کر دیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سرویا کے اس سردار نے مفرورین کے بھاگتے ہوئے انبوہ میں سے لوٹ کر اپنے گھوڑے کا رخ مسلمانوں کی طرف پھیرا اور تعاقب کرنے والے مسلمانوں سے کہا کہ مجھ کو زندہ گرفتار کر لو اور اپنے بادشاہ کے پاس لے چلو میں خود عیسائیوں سے متنفر ہو کر اپنے آپ کو تمہارے ہاتھ میں گرفتار کراتا ہوں کیونکہ مجھ کو سلطان سے بعض اہم اور نہایت ضروری راز کی باتیں عرض کرنی اور دین اسلام قبول کرنا ہے۔ مسلمانوں نے اس کو زندہ گرفتار کر لیا اور بعد فتح جبکہ سلطان کے سامنے خاص خاص قیدی پیش ہو رہے تھے' اس سردار کو بھی پیش کیا اور ساتھ ہی اس کی خواہش اور گرفتاری کے واقعہ کو بھی عرض کر دیا۔ سلطان نے خوش ہو کر اس کو اپنے قریب بلایا۔ اس نے نہایت ادب کے ساتھ بڑھ کر سلطان کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا۔ جس سے سلطان اور اس کے درباریوں کو اور بھی زیادہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے قول کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد اس عیسائی سردار نے سلطان کے پاؤں پر سے اپنا سر اٹھایا اور اپنے کپڑوں میں سے ایک پیش قبض نکال کر نہایت پھرتی کے ساتھ سلطان کے سینہ پر وار کیا' جس سے شدید زخم آیا اور حاضرین دربار نے فوراً اس سروین روباہ کو تکا بوٹی کر ڈالا۔ سلطان کو یقین ہو گیا کہ اس زخم شدید سے جانبری ممکن نہیں۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شاہ سرویا کو قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور ذرا ہی دیر کے بعد سلطان مراد خان نے جام شہادت نوش کیا۔ اس طرح ۲۷/ اگست سنہ ۱۳۸۹ء میں کسووا کے میدان میں یورپ کی متحدہ طاقت کو پامال کرنے کے بعد جبکہ سلطان مراد خان نے وفات پائی تو سرداران لشکر نے سلطان کے بڑے بیٹے بایزید خان یلدرم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو اپنا سلطان بنایا۔ جنگ کسووا اس لیے بھی دنیا کی عظیم الشان لڑائی سمجھی جاتی ہے کہ اس لڑائی نے ثابت کر دیا کہ عثمانیوں کو تمام یورپ مل کر بھی اب یورپ سے نہیں نکال سکتا۔ ساتھ ہی اس لڑائی نے صلیبی لڑائیوں اور چڑھائیوں کا بھی خاتمہ کر دیا کیونکہ عیسائیوں کو اب اپنے ہی گھر کی فکر پڑ گئی اور شام کی فتح کرنے کا خیال ان کے دماغوں سے نکل گیا۔ اس لڑائی نے اس امر کو بھی ثابت کر دیا کہ عیسائیوں کی کثرت تعداد قلیل التعداد مسلمانوں کے جوش اور بہادری پر ہرگز غالب نہیں آ سکتی۔ عیسائیوں کو یہ شکست دنیا کی عظیم الشان شکستوں میں شمار ہوتی ہے۔ سلطان عثمانیہ کی اس فتح نے یورپ میں عثمانیوں کے قدم مستقل طور پر جما دیئے۔ ادھر اسپین و فرانس کے عیسائی جو غرناطہ کی اسلامی سلطنت کو معدوم کرنے پر آمادہ تھے' کچھ سہم سے گئے اور غرناطہ کے مسلمانوں کو بعض سہولتیں خود بخود میسر ہو گئیں۔

سلطان مراد خان نے ۳۵ سال سلطنت کی اور ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے بیٹے بایزید خان یلدرم نے باپ کی لاش کو بروصہ میں لا کر دفن کیا۔ سلطان مراد خان نہایت عقلمند' باہمت' عالی حوصلہ' صوفی مشرب' درویش سیرت' عابد' زاہد اور خشیت الٰہی کا پیکر شخص تھا۔

سلطان بایزید خان یلدرم : بایزید خان یلدرم تخت نشین ہو کر اور اپنے باپ کی لاش کو بروصہ میں دفن کر کے ایشیائے کوچک میں چند روز تک قیام کیا اور ترکمانوں کے فسادات اور سرکشیوں کا علاج کرتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ چنگیزی مغلوں کے ضعف و انحطاط کے بعد ایشیا میں ایک اور فاتح پیدا ہو چکا تھا' جس کا نام تیمور تھا اور جس کے حالات انشاء اللہ؟ آئندہ کسی موقع پر مفصل بیان ہونے والے ہیں۔ سنہ ۷۹۳ھ یعنی اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال بایزید یلدرم نے سنا کہ یورپ میں ترکوں کے خلاف پھر کوشش شروع ہو رہی ہے اور سرویا و بوسنیا کے علاقوں میں سامان بغاوت پیدا ہو چکا ہے۔ چنانچہ بایزید خان یلدرم برق و باد کی طرح یورپ میں آیا اور بوسنیا سے لے کر دریائے ڈینوب تک کا تمام علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر کے دریائے فرات سے دریائے ڈینوب تک اپنی مملکت کو پھیلا دیا۔ والیشیاء' سرویا اور بوسنیا وغیرہ سب سلطان بایزید خان کے باج گزار صوبے تھے۔ ادھر ایشیا یعنی ایران میں مغولان چنگیزی کا شیرازہ درہم برہم ہونے کے بعد جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں پیدا ہو کر آپس میں مصروف پیکار تھیں۔ انہوں نے تیمور کے لیے فتوحات کا میدان صاف کر رکھا تھا۔ بایزید خان یلدرم کی اس شوکت و عظمت اور قوت و طاقت کو دیکھ کر قسطنطنیہ کے قیصر نے بایزید خان کو خط لکھا کہ قسطنطنیہ اور صوبہ مقدونیہ نیز یونانی مجمع الجزائر کے چھوٹے چھوٹے چند جزیرے میرے پاس باقی رہ گئے ہیں۔ ان بچے کھچے ٹکڑوں کو آپ میرے پاس رہنے دیجئے اور مجھ کو اپنا ہوا خواہ اور مخلص تصور کرنا فرما کر میرے ساتھ پیمان صلح کو استوار رکھئے۔ بایزید خان یلدرم نے اپنی مہربانی سے قیصر کی اس درخواست کو منظور کر کے اس کو اس کے مقبوضات میں آزاد چھوڑ دیا اور وسط یورپ میں آگے بڑھنے اور اپنی فتوحات بڑھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ بایزید کو اس طرح مطمئن کر کے قیصر قسطنطنیہ نے اپنی سازشی تدابیر کا جال بایزید خان یلدرم کے مخالف پھیلانا شروع کیا۔ اس نے اپنے ایلچی خفیہ طور پر ایران' خراسان اور فارس' شام اور عراق وغیرہ میں بھیجنے شروع کئے اور ایشیا کے مسلمان سلاطین سے مراسم اتحاد بڑھائے۔ ہمارے اس موجودہ زمانے میں تو اس قسم کی کارروائیاں فوراً ہی طشت از بام ہو جاتی ہیں لیکن اس زمانے میں بایزید خان یلدرم کے بے خبر رہنے پر ہم کو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے۔ ادھر قیصر قسطنطنیہ اپنی ان ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا' ادھر ارمینیا' کردستان اور آذربائیجان کے مسلمان فرمانبردا خود بھی اس زمانے کی آب و ہوا کے اثر سے ایشیائے کوچک کے مغربی حصے کو دھمکی دے رہے تھے۔ آخر یہ تمام اسباب مل ملا کر باعث اس کا ہوئے

کہ ترکمانوں نے ایشیائے کوچک یعنی بایزید خان یلدرم کے ایشیائی علاقہ میں پیش قدمی شروع کر دی۔ بایزید خان یلدرم اگر چاہتا تو ایران وخراسان وغیرہ کی طرف متوجہ ہو کر کوچک میں فتوحات عظیم حاصل کر لیتا لیکن چونکہ عثمان خان اور اس کی اولاد میں دین داری بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں سے لڑنے اور مسلمانوں کے مقبوضہ ممالک کو اپنے قبضہ میں لانے کی کو اچھا نہیں جانتے تھے۔ شروع ہی سے سلطنت عثمانیہ کی حکمت عملی یہ رہی تھی کہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کر کے جہاں تک ممکن ہو عیسائی ممالک کو فتح کیا جائے اور اسلامی تہذیب اور اسلامی مذہب کی اشاعت سے یورپ کو' جواب تک مسلمانوں کے لیے باعث تکلیف بنا رہا تھا' شائستہ بنایا جائے۔ چنانچہ بایزید خان یلدرم بھی اپنے بزرگوں کی اس حکمت عملی پر کاربند تھا اور مسلمانوں سے لڑنے کا اس کو کوئی شوق نہ تھا۔ اب ایشیائے کوچک میں جبکہ ترکمانوں نے حملہ کر کے بروصہ وانگورہ کے درمیان بایزید کی مقامی ایشیائی فوج کو شکست دے کر فتنہ عظیم برپا کر دیا تو بایزید خان مجبوراً یورپ کے عیسائیوں کو چھوڑ کر سنہ ۷۹۵ھ میں ایشیائی کوچک کی طرف روانہ ہوا اور یہاں آتے ہی دشمنوں کو شکست دے کر گرفتار و اسیر اور قتل کیا۔ یہ فتنہ چونکہ ایشیائے کوچک کے جنوبی و مغربی علاقے کی طرف سے پیدا ہوا تھا۔ لہذا بایزید نے اس طرف کی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے بخوبی امن وامان قائم کیا اور اسی سال مصر کے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ بن محمد ابراہیم کے پاس تحفہ و ہدایا بھیج کر اس سے سلطان کا خطاب حاصل کیا۔ اس سے پہلے کے عثمانی فرمانرواؤں کو بھی اگرچہ مورخین نے سلطان ہی کے لقب سے یاد کیا ہے مگر درحقیقت وہ امیر کہلاتے تھے۔ مثلاً امیر عثمان خان' امیر ارخان' امیر مراد خان وغیرہ۔ بایزید خان نے سنہ ۷۹۵ھ میں خلفائے عباسیہ کی مذہبی عظمت کو مدنظر رکھ کر جو تمام عالم اسلام میں مسلم تھی' عباسی خلیفہ سے خطاب حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ عباسی خلیفہ مصر کے مملوک فرمانروا کی حفاظت و نگرانی میں اپنے دن بسر کر رہا ہے۔ غرض یہ کہ بایزید خان یلدرم کو سلطان عثمانیہ کا پہلا سلطان کہا جا سکتا ہے۔ یورپی مورخین کا خیال ہے کہ سلطان بایزید خان یلدرم باوجود بہادر اور سپاہی منش انسان ہونے کے عثمانیوں میں سب سے پہلا فرمانروا ہے' جو یورپ کی بداعمالیوں اور برے مشیروں کی صحبت سے متاثر ہو کر شراب نوشی کے جرم کا مرتکب ہوا۔ اگر یہ بیان درست ہو تو ہم کو متعجب نہیں ہونا چاہئے' کیونکہ بایزید یلدرم کے آخری کارنامہ جنگ انگورہ کی ناعاقبت اندیشی کو دیکھنے سے اس کی شراب نوشی کا کچھ کچھ ثبوت بہم پہنچ جاتا ہے۔ یورپی مورخین سلطان بایزید خان کو عیاشی اور بدچلنی کا مجرم بھی بتاتے ہیں۔ ہم کو اس پر بھی حیرت زدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ شراب خوار اور عیاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک فاتح سلطان کی حیثیت سے وہ بے نظیر شخص تھا اور اپنی شمشیر خارا شگاف کی بدولت اس نے اپنے دشمنوں کو اپنے سامنے ترساں و لرزاں اور سرنگوں رکھا تھا۔ بایزید خان یلدرم کی شراب خوری اور عیاشی کی

حکایت اگر صحیح ہے تو یہ بھی عیسائی سلاطین کی حکمت عملیوں اور خفیہ تدبیروں کا نتیجہ تھا' کیونکہ سلاطین عثمانیہ کے محلوں میں عیسائی سلاطین نے شروع ہی سے اپنی شہزادیاں داخل کرنے کا سلسلہ جاری کر دی تھا۔ بایزید خان یلدرم کے محل میں بھی شراب کی طرف متوجہ کرنے والی عیسائی شہزادیاں موجود تھیں۔ اس کے پیش رو سلاطین اپنی مذہبی عصبیت اور ایمانی قوت کے سبب حبائل الشیاطین اور عیسائی حیثیات کے فریب وکید سے آزاد رہے۔ مگر بایزید خان جو میدان جنگ میں طاقتور سے طاقتور دشمن کو خاطر میں نہ لاتا تھا' اپنے محلوں کے نرم ونازک حریفوں سے مغلوب ہو گیا۔

بایزید خان یلدرم سنہ۔۷۹۵ھ سے سنہ۔۷۹۹ھ تک اپنی پرانی دار السلطنت ایڈریانوپل اور یورپی میدان جنگ سے غیر حاضر یعنی ایشیائے کوچک میں مقیم رہا۔ سنہ۔۷۹۹ھ میں اس نے سنا کہ یورپ کی تمام طاقتیں ہنگری کے بادشاہ سجمنڈ کی تحریک وکوشش سے سلطنت عثمانیہ کے خلاف متحد ہو کر جنگ کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور فوجوں کی نقل وحرکت شروع ہو گئی ہے۔ اس مرتبہ علاوہ اور تمام عیسائی بادشاہوں اور قوموں کے فرانس وانگلستان بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس اتحاد میں شامل تھے یعنی اٹلی' فرانس' انگلستان' آسٹریلیا' ہنگری' پولینڈ' جرمنی والیشیا بوسنیا وغیرہ کا سب مکمل طور پر تیار ہو کر اس کئی سال کی مہلت میں باطمینان میدان میں نکل سکے۔ قسطنطنیہ کا قیصر محض اس لیے کہ وہ ہمہ اوقات سلطان بایزید خان یلدرم کی ٹھوکروں میں تھا' علانیہ شرکت نہ کر سکا۔ مگر خفیہ طور پر اور معنوی حیثیت سے وہی اس جنگی تیاری کا باعث اور محرک اول تھا' کیونکہ ترکوں کی سلطنت کا سب سے زیادہ بدخواہ اور دشمن وہی ہو سکتا تھا۔ حالانکہ سلطان بایزید خان یلدرم اس کی طرف سے بالکل مطمئن اور صاف تھا۔ عیسائیوں کی اس جنگی تیاری کا حال سن کر بایزید خان یلدرم برق اور آندھی کی طرح یورپ پہنچا۔ اس نے یہاں پہنچ کر دیکھا کہ روما کے پوپ بونیفس نہم نے یورپ کے ملکوں میں اپنا فتویٰ شائع کیا ہے کہ جو عیسائی ہنگری کے ملک میں پہنچ کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہوگا' وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے گا۔ اس سے پہلے فرانس وانگلستان میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی مگر پوپ اور دوسرے باا ثر عیسائیوں نے دونوں ملکوں کے سلاطین کو سمجھایا اور اس بات پر آمادہ کر لیا کہ بایزید خان یلدرم کا قصہ پاک کر لینے تک یہ لڑائی روکی جائے۔ چنانچہ کاؤنٹ دی نیورس ڈیوک آف برگنڈی کے ماتحت علاقہ برگنڈی کے بہادروں کی ایک زبردست فوج ہنگری کے بادشاہ سجمنڈ کی اعانت کے لیے ہنگری کی جانب روانہ کی گئی۔ فرانس کے بہادروں کی ایک زبردست فوج شہنشاہ فرانس کے تین چچیرے بھائیوں جیمس' فلپ اور ہنری کے ماتحت مرتب ہو کر ہنگری کی جانب روانہ ہوئی۔ اس فوج میں شہزادہ کاؤنٹ آف یو بھی شامل تھا۔ فرانس کے بہت سے نواب اور فخر ملک وقوم سپہ سالار اور فرانس کا امیر البحر بھی اپنی اپنی جمعیتیں لے کر ہنگری میں پہنچے۔ بومیریا کے بہادروں کی زبردست فوجیں الیکٹر پیلٹن اور کاؤنٹ آف منسپل

گریڈ کے ماتحت روانہ ہوئیں۔ آسٹریلیا کے سواروں کی ایک فوج کا افسر ہرمین اور دوسری زبردست فوج کا افسر کاؤنٹ دی لی تھا۔ اسی طرح اٹلی اور دور دراز کے جزیروں سے بھی آزمودہ کار اور بہادر عیسائیوں کی فوجیں ہنگری کی جانب روانہ ہوئیں۔ سینٹ جان یروشلم کے ماتحت بھی عیسائیوں کی ایک زبردست فوج آئی۔ اس طرح جب ہنگری میں عیسائیوں کی افواج قاہرہ کا جماؤ ہو گیا تو سجمنڈ شاہ ہنگری نے اپنی زبردست فوج کو بھی ہر طرف سے جمع کیا اور ولیشیا کے عیسائی بادشاہ کو جو سلطان بایزید خان یلدرم کی اطاعت قبول کر چکا تھا' لکھا کہ اب تمہارے لیے مناسب یہی ہے کہ بایزید یلدرم کی اطاعت ترک کر کے مع اپنی پوری طاقت کے ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ اس نے بڑی خوشی سے اس پیغام کا خیر مقدم کیا کہ اور جب عیسائی افواج کا یہ سیلاب اس کے ملک میں داخل ہو کر گزرنے لگا تو وہ بھی مع اپنی پوری طاقت کے اس عیسائی سیلاب عظیم میں شامل ہو گیا مگر سرویا کے بادشاہ نے احتیاط سے کام لیا جو پہلے بادشاہ کے مقام کسووا میں گرفتار و مقتول ہونے کے بعد تخت نشین ہو کر بایزید یلدرم کا باجگوار مطیع بنا تھا' اس نے عیسائی لشکر کی شرکت اختیار نہیں کی۔

عیسائیوں کی عظیم الشان فوج کی یہ خصوصیت قابل تذکرہ ہے کہ اس مرتبہ جس قدر عیسائی فوج مختلف ملکوں کی جمع ہوئیں تھیں' وہ سب کی سب ہی نہایت بہادر' تجربہ کار بارہا کے جنگ آزمودہ سپاہیوں اور سپہ سالاروں پر مشتمل تھیں۔ اس لشکر کے تمام سپاہی اور تمام سردار عیسائی دنیا کے بہترین اور منتخب جنگجو تھے۔ اس لشکر کے سپہ سالاروں کا قول تھا کہ اگر آسمان بھی ہمارے اوپر ٹوٹ پڑا تو ہم اپنے نیزوں کی نوک پر اس کو روک لیں گے۔ یہ عیسائی لشکر ولیشیا اور سرویا کے دو مختلف راستوں سے حدود سلطنت عثمانیہ کی طرف بڑھا۔ سجمنڈ شاہ ہنگری نے جو سپہ سالار اعظم تھا' عثمانی سلطنت کی حدود پر پہنچ کر حملہ آور کا حکم دیا اور بہت جلد ایک کے بعد دوسرا شہر فتح کرنا شروع کر دیا۔ ہر ایک قصبہ یا شہر جسے عیسائی فتح کرتے تھے' خاک سیاہ بنا دیا جاتا تھا۔ وہاں کے مسلمان باشندوں اور محافظ سپاہیوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا جاتا تھا اور امن کی درخواست یا اطاعت کے اقرار پر بھی کسی کی جان بخشی نہیں ہوتی تھی۔ اس قتل عام میں مردوں' عورتوں' بوڑھوں اور بچوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ عیسائی لشکر ایک عام تباہی اور ہلاکت و بربادی بن کر عثمانیہ سلطنت کے علاقے کو بے چراغ اور خاک سیاہ بناتا ہوا جب بڑھنے لگا تو بایزید یلدرم کے پاس ایشیائے کوچک میں خبر پہنچی اور وہ وہاں سے بڑی عجلت کے ساتھ ایڈریانوپل پہنچا۔ سجمنڈ کو اس بات کا یقین تھا کہ میں دروانیال کے اس پار پہنچ کر ایشیائے کوچک کو فتح کرتا ہوا شام کے ملک میں پہنچ سکوں گا۔ ادھر قیصر قسطنطنیہ بھی اپنے دل میں خوش ہو رہا تھا کہ جو عظیم الشان کام کسووا کے میدان جنگ میں پورا نہیں ہو سکا تھا وہ اب بحسن و خوبی انجام کو پہنچ جائے گا اور ہمیشہ کے لیے عثمانیوں کے خطرہ سے نجات میسر ہو جائے گی۔ بہت زیادہ ممکن تھا کہ سلطان بایزید خان یلدرم کے

ایڈریانوپل پہنچنے کے وقت دوسری طرف سے سجمنڈ بھی اس عظیم الشان لشکر کے ساتھ ایڈریانوپل پہنچ جاتا اور بایزید خان کو اپنے حواس بجا کرنے سے پہلے ہی سخت پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہوتا لیکن عیسائی لشکر قتل و غارت کرتا ہوا جب شہر نکوپولس کے سامنے پہنچا تو وہاں کے صوبہ دار بوغلن بیگ نے بڑی ہمت و جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور خوب مضبوطی کے ساتھ محصور ہو گیا۔ عیسائی لشکر نے نکوپولس کا محاصرہ کر لیا اور چند روز ستانے اور آرام کرنے کا موقع غنیمت سمجھا۔ اس طرح شہر نکوپولس کے محاصرہ نے سلطان بایزید خان کو موقع دیا کہ اس نے ایڈریانوپل میں پہنچ کر اس عجلت میں اپنی مناسب تیاری کی' پھر نکوپولس کی طرف کوچ کر دیا۔ عیسائیوں کو یہاں بھی توقع تھی کہ سلطان بایزید خان ایشیائے کوچک میں بیٹھا ہوا ہے اور ان کو یقین تھا کہ وہ ہماری کثرت و طاقت کا حال سن کر ساحل یورپ پر اترنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ آخر ۲۴/ دسمبر سنہ۔ ۱۳۹۶ء بمطابق سنہ ۷۹۹ھ کو کاؤنٹ دی نیورس ڈیوک آف برگنڈی اپنے خیمے میں کھانا کھا رہا تھا' اس کے پاس بعض جاسوسوں نے یہ خبر پہنچائی کہ ترکوں کا لشکر قریب پہنچ چکا ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی ڈیوک مذکور اور دوسرے فرانسیسی سردار فوراً کھڑے ہو گئے اور خوشی خوشی سجمنڈ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے کہ ترکوں کے مقابلے میں ہم لوگ عیسائی لشکر کا ہراول قرار دیئے جائیں تاکہ سب سے پہلے ہم کو بایزید کے لشکر پر تلوار چلانے کا فخر حاصل ہو۔ سجمنڈ جو ترکوں کے طریق جنگ سے واقف اور زیادہ تجربہ کار تھا' اس نے کہا کہ سب سے پہلے ترکوں کو بے قاعدہ اور نیم مسلح فوج کے دستے آگے بڑھیں گے۔ آپ لوگ جو عیسائی لشکر کے لیے مایہ ناز ہیں' اس لشکر کے مقابلہ پر تیار رہیں جو سلطان بایزید خان کے جانثار اور سب سے زیادہ بہادر سپاہیوں پر مشتمل ہے اور جو ابتدائی مقابلہ کے بعد زبردست حملہ کرے گا۔ ڈیوک آف برگنڈی یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ مگر فرانس کے سرداروں یعنی لارڈ وی کورسی اور امیر البحر اور مارشل بوسی وغیرہ نے اصرار کیا کہ ہم ہرگز اس بات کو گوارہ نہیں کر سکتے کہ فرانس والوں سے پہلے ہنگری والے جنگ میں پیش قدمی کریں۔ یہ پر غرور اور پر جوش الفاظ سن کر نوجوانوں نے خوشی کا ایک نعرہ بلند کیا اور اس جوش و غرور میں ان ترکی قیدیوں کو جو اب تک قتل نہیں کیے گئے تھے' فوراً قتل کر دیا لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہم پر بہت جلد کیسی مصیبت وارد ہونے والی ہے۔

سلطان بایزید یلدرم نے عیسائی لشکر کے قریب پہنچ کر ایسے موقع پر قیام کیا کہ عیسائی لشکر اور سلطانی لشکر کے درمیان زمین کا ایک بلند پشتہ حائل تھا' جس کی وجہ سے عیسائی لشکر سلطانی لشکر کو دیکھ کر نہیں سکتا تھا۔ سلطان نے اپنی چالیس ہزار منتخب اور مسلح افواج کو میدان میں جما کر باقی بے قاعدہ فوج کے دستوں کو مختلف ٹولیوں میں آگے بڑھا دیا۔ ادھر سے فرانسیسی سواروں نے بطور ہراول پیش قدمی کی اور سجمنڈ باقی فوج لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ فرانسیسی فوج نے ترکی کے بے قاعدہ دستوں کو کچل ڈالا اور نہایت سرعت کے ساتھ آگے بڑھ کر اس مرتفع ٹیلہ کی بلندی پر پہنچ گئے' جہاں سلطان بایزید خان اپنی

مسلح فوج کی خود سپہ سالاری کر رہا تھا۔ بے قاعدہ ترکی دستوں نے جو فرانسیسیوں کے حملہ سے اپنی ایک تعداد کو قتل کرا کر منتشر ہو گئے تھے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور فوراً مجتمع ہو کر اور اپنی صفوں کو درست کر کے ان حملہ آور فرانسیسیوں کے عقب میں پہنچ کر حملہ کیا۔ اس طرح عیسائی ہراول یعنی فرانسیسی فوج جو سجمنڈ کے بڑے لشکر سے بہت دور آگے نکل آئی تھی' اسلامی لشکر کے بیچ میں گھر گئی اور بہت زیادہ مقتول واسیر ہوئی۔ بہت ہی تھوڑے آدمی کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل بھاگے اور انہوں نے عیسائی لشکر کلاں فرانسیسی لشکر کی اس مکمل تباہی کا حال سنایا' جس سے عیسائیوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہونے لگی۔ اس کے بعد سلطان بایزید خان نے عیسائیوں کے فوجی سمندر پر' جو میدان جنگ میں حد نگاہ اپنی نیستان کی شکل میں پھیلا ہوا تھا' حملہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ جوش و خروش کے ساتھ ہوا' اس کا شاید ان تجربہ کار او رمنتخب جنگجو عیسائیوں کو پہلے سے اندازہ نہ تھا۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بایزید یلدرم کا لشکر ایک آہنی گرز تھا' جس نے میلوں تک پھیلی ہوئی ریت کی دیواروں کو اپنی پیہم ضربوں سے ریزہ ریزہ کر کے خاک میں ملا دیا۔ بویریا' آسٹریا اور ہنگری کی فوجوں نے جم کر اور ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر سب کھیرے اور ککڑی کی طرح مسلمانوں کی خون آشام تلواروں سے کٹ کر خاک و خون میں مل گئے۔ اسی طرح جس نے قیام و قرار کو اختیار کیا طعمہ تیغ ہوا جو فرار پر آمادہ ہوا' یا تو بچ کر یا فتح مندوں کے تعاقب سے اسیر ہو کر اپنے وجود پر افسوس کرنے لگا۔ غرض بہت ہی جلد لڑائی کا فیصلہ ہو گیا اور سلطان بایزید خان نے نکوپولس کے میدان میں عیسائیوں کے ایک ایسے زبردست اور ہر ایک اعتبار سے مکمل و مضبوط لشکر کو شکست فاش دی کہ اس سے پہلے کسی میدان میں عیسائیوں کی ایسی زبردست طاقت جمع نہیں ہو سکی تھی۔ سجمنڈ شاہ ہنگری اپنی جان بچا کر لے گیا لیکن فرانس' آسٹریا' اٹلی اور ہنگری وغیرہ کے بڑے بڑے شہزادے' نواب اور سپہ سالار قید ہوئے اور بعض میدان میں مارے گئے۔ ڈیوک آف برگنڈی بھی انہیں قیدیوں میں تھا اور وہ تمام عیسائی سردار جن کے نام اوپر آ چکے ہیں' سب کے سب قیدیوں میں شامل تھے۔ نکوپولس کے اس معرکہ عظیم میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب عیسائی مقتول ہوئے۔ فتح کے بعد سلطان نے میدان جنگ کے ہر حصہ کا خود جا کر معائنہ کیا' جو لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ چونکہ سلطان کو جا بجا اپنی فوج کے شہداء بھی نظر آئے' اس لیے سلطان نے نہایت افسوس کے ساتھ کہا کہ یہ فتح ہم کو بہت مہنگی پڑی ہے۔ مجھ کو اپنے ان بہادروں کے خون کا بدلہ ہنگری سے لینا ہے۔ یہ کہہ کر سلطان نے حکم دیا کہ قیدیوں کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ ان قیدیوں کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن لوگوں کو معمولی سپاہی سمجھا گیا وہ تو غلام بنا کر فوج میں تقسیم کر دیے گئے اور کچھ جلادوں کے ذریعہ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ایک حصہ جو سرداروں پر مشتمل تھا' الگ کیا گیا۔ ان لوگوں کی مشکیں کسوا کر اور رسیوں میں باندھ کر بڑے بڑے شہروں میں تشہیر کے لیے بھیج دیا گیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عیسائیوں پر مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی ہے۔ ایک حصہ جو صرف

شہزادوں اور بڑے بڑے نوابوں اور خودمختار فرمانرواؤں پر مشتمل تھا' علیحدہ منتخب کیا گیا۔ یورپ کے ان شہزادوں اور فرمانرواؤں کی تعداد پچیس تھی۔ انہیں میں ڈیوک آف برگنڈی بھی شامل تھا۔ یہاں آ کر اس نے ان پچیس شہزادوں اور فرماں رواؤں کو اپنے سامنے بلا کر کہا کہ تم لوگوں نے ناحق میرے ملک پر حملہ کرنے کی تکلیف گوارا کی۔ میں خود ہنگری' آسٹریا' فرانس' جرمنی اور اٹلی کو فتح کرنے کا مصمم عزم رکھتا ہوں اور میرا ارادہ ہے کہ میں اٹلی کے شہر روما میں پہنچ کر سینٹ پیٹر کی قربان گاہ میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاؤں۔ اس لیے تم لوگوں سے اب تمہارے ملکوں ہی میں ملاقات ہوگی اور میں بہت زیادہ خوش ہوں گا جبکہ تم لوگ پہلے سے زیادہ فوج اور زیادہ تیاری کر کے میرے ساتھ مقابلہ پر میدان میں آؤ گے۔ مجھ کو اگر تمہاری طرف سے ذرا بھی اندیشہ یا خوف ہوتا تو میں اس وقت تم کو یہ اقرار لے کر رہا کرتا کہ آئندہ کبھی میرے مقابلہ میں آنے کا ارادہ نہ کرو گے لیکن میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم اپنے اپنے ملکوں میں پہنچتے ہی فوج کی فراہمی اور لڑائی کی تیاری میں مصروف ہو جاؤ اور میرے مقابلے کے لیے پورے طور پر مستعد رہو۔ یہ کہہ کر سلطان بایزید خان نے ان تمام شہزادوں اور سرمایہ داروں کو رہا کر دیا۔

اس کے بعد وہ اپنی فوج لے کر یورپ پہنچا اور اپنے ارادی کی تکمیل میں مصروف ہوا' جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے اس نے یونان کا رخ کیا کیونکہ یونان کے عیسائی مجاہدین خودمختارانہ طور پر یا قیصر قسطنطنیہ کے ایماء پر نکوپولس کی لڑائی میں عیسائی لشکر میں شامل تھے۔ تھرموپلی کے درے میں سے فاتحانہ گزرتا ہوا اتھنز کی دیواروں کے نیچے پہنچا اور سنہ ۸۰۰ھ میں اتھنز کو فتح کر کے تیس ہزار یونانیوں کو ایشیائے حکومت کوچک میں آباد ہونے کے لیے روانہ کیا جبکہ سلطان خود فوج لے کر تھسلی کو فتح کرتا ہوا اتھنز کی طرف گیا تو اس نے سپہ سالاروں کو آسٹریا اور ہنگری کی طرف فوجیں دے کر روانہ کر دیا تھا' جنہوں نے ان ملکوں کے اکثر حصوں کو فتح کر لیا تھا۔ اب سلطان بایزید خان کو قیصر قسطنطنیہ کی ریشہ دوانیوں اور نیش زینوں کا بخوبی علم ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس سے اتھنز کی فتح کے بعد قسطنطنیہ کے فتح کر لینے اور اس عیسائی سلطنت کے مٹا دینے کا ارادہ کیا لیکن قیصر نے اس مرتبہ اپنی ہوشیاری سے کام لیا اور سلطان کا باج گزار بن کر وعدہ کیا کہ دس ہزار ڈاکٹ سالانہ بطور اخراج ادا کیا کروں گا۔ نیز قسطنطنیہ میں ایک مسجد مسلمانوں کے لیے بنوا دوں گا اور ایک قاضی مقرر کر دوں گا جو مسلمانوں کے تمام معاملات میں حاکم ہوگا۔ مسلمان تاجروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے گی۔ ان شرائط پر سلطان بایزید خان یلدرم رضامند ہو گیا اور اس نے قسطنطنیہ چھوڑ دیا۔ ورنہ جو کام سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا' وہ سنہ ۸۰۰ھ میں بایزید یلدرم کے ہاتھوں سے پورا ہو چکتا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تیمور خراسان و ایران میں اپنی حکومت کی بنیاد مضبوط کر کے اور ترکمانوں کی گوشمالی سے فارغ ہو کر اور اپنے مقبوضات کو سلطان بایزید کے مقبوضات کی سرحد تک پہنچا کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ قیصر قسطنطنیہ جو

یورپ میں اپنی ریشہ دوانیوں اور عیسائیوں کی زور آزمائیوں کے نتائج جنگ کسووا اور جنگ نکوپولس میں دیکھ چکا تھا اب اپنی اس مجبوری اور ذلت کو دیکھ کر ایک مرتبہ پھر آمادہ کوشش ہوا۔

سلطان بایزید خان یلدرم جب یونان اور الحنز کو فتح کر چکا اور قیصر کا حال بہت ہی پتلا ہونے لگا تو اس نے فوراً ایک قاصد تیمور کی خدمت میں روانہ کیا اور اس کو ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ میری سلطنت بہت پرانی ہے۔ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی قسطنطنیہ کے اندر ہماری سلطنت موجود تھی۔ اس کے بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں بھی خلفاء سے بارہا ہماری صلح ہوئی اور کسی نے قسطنطنیہ کے لینے کا قصد نہیں فرمایا لیکن اب عثمانی سلطنت نے اکثر ہمارے مقبوضات چھین لیے ہیں اور ہمارے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر اس کا دانت ہے۔ ایسی حالت میں سخت مجبور ہو کر ہم آپ سے امداد کے خواہاں ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کے سوا ہم اور کسی سے خواہان امداد ہو بھی نہیں سکتے۔ آپ کو اگر بایزید خان یلدرم کے مسلمان اور ہمارے عیسائی ہونے کا خیال ہو تو آپ کو واضح رہے کہ بایزید خان کو اس طرف یورپ میں مسلسل فتوحات حاصل ہو رہی ہیں اور اس کی طاقت بڑی تیزی سے ترقی پذیر ہے۔ وہ بہت جلد اس طرف سے مطمئن اور فارغ ہو کر آپ کے مقبوضہ ممالک پر حملہ آور ہوگا اور اس وقت آپ کو اس کے زیر کرنے میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ بایزید خان نے سلطان احمد جلائر اور قرا یوسف ترکمان کو جو آپ کے مفرور باغی ہیں اپنے یہاں عزت کے ساتھ مہمان رکھ چھوڑا ہے اور یہ دونوں باغی اس کو آپ کے خلاف جنگ کرنے اور مشورہ دینے میں برابر مصروف ہیں۔ یہ بات بھی آپ کے لیے کچھ کم بے عزتی کی نہیں کہ آپ کے باغی سلطان بایزید خان کے پاس اس طرح عزت و اکرام کے ساتھ رہیں اور ان کو واپس طلب نہ کر سکیں۔ پس مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایشیائے کوچک پر حملہ کریں کیونکہ اس ملک کو قدرتی طور پر آپ کے قبضے میں رہنا چاہئے اور بایزید خان یلدرم کے فتنے سے ہم کو بچائیں۔ ہم سے جو کچھ ممکن ہوگا آپ کی امداد کریں گے۔ قیصر کا یہ خط اگرچہ اپنی نفسانی اغراض پر مشتمل تھا اور تیمور بیوقوف نہ تھا کہ اس کی خود غرضانہ باتوں میں آ جاتا لیکن اس خط میں باغیوں کی پناہ دہی کا تذکرہ کچھ ایسے الفاظ میں کیا گیا تھا کہ جن کا تیمور کے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا۔ قیصر قسطنطنیہ کا یہ خط تیمور کے پاس اس وقت پہنچا جبکہ وہ دریائے گنگ کے کنارے پہنچ کر ہردوار میں مقیم اور ہندوستان کے مشرقی صوبوں کی طرف بڑھنے کا قصد کر رہا تھا۔ قیصر قسطنطنیہ کے اس خط کو پڑھ کر اس نے کوئی تسلی بخش جواب قاصد کو نہیں دیا بلکہ فوراً اس کو رخصت کر دیا۔ مگر اس خط کے مضمون نے اندر ہی اندر اس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اس کا دل ہندوستان سے اچاٹ ہو گیا اور وہ ہندوستان کے اس نو مفتوحہ ملک کو بلا کسی معقول انتظام کے ویسے ہی چھوڑ کر ہردوار سے جلد جلد منزلیں طے کرتا ہوا پنجاب اور پنجاب سے سمرقند کی جانب روانہ ہوا۔ ہندوستان کے ایک لاکھ قیدی جو اس کے ہمراہ تھے اور سفر میں گراں باری کا باعث

تھے اس نے راستے میں قتل کرا دیئے۔ سمرقند پہنچ کر اس نے خوب تیاری کی اور اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ عثمانی سلطان سے اوّل دو دو ہاتھ کر کے اس بات کا فیصلہ کر لیا جائے کہ ہم دونوں میں سے کس کو دنیا کا فاتح بننا چاہئے۔ اس عرصہ میں تیمور کے پاس برابر یلدرم کی فتوحات کے حالات پہنچتے رہے اور وہ اپنے اس رقیب سے لڑنے پر مستعد ہوتا گیا۔ ادھر بایزید یلدرم قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کو اپنا باج گزار بنا کر اور ہنگرو آسٹریا کی فتوحات کو تکمیل تک پہنچا کر اپنے اس ارادے کی تکمیل پر آمادہ ہوا کہ شہر روما کو فتح کر کے سینٹ پیٹر کے مشہور گرجا میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلائے لیکن اس کو یہ خبر پہنچ گئی کہ قیصر قسطنطنیہ نے اس کے خلاف تیمور کے پاس سفارت بھیجی ہے اور وہ سلطان بایزید خان کی خراج گزاری کو اپنے لیے موجب ذلت سمجھ کر ہاتھ پاؤں مارنے میں مصروف ہے۔ سلطان بایزید خان یلدرم کو تیمور سے تو یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ قیصر کا حامی بن کر مجھ سے لڑنے آئے گا اور نہ اس کو تیمور کا کچھ خوف تھا لیکن اس نے ضروری سمجھا کہ قیصر کا قصہ اول پاک کر دیا جائے۔ اس کے بعد اٹلی پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے قیصر سے جواب طلب کیا اور کوئی معقول جواب نہ پا کر قسطنطنیہ کے محاصرہ کی تیاری شروع کر دی۔

ادھر تیمور نے سمرقند سے روانہ ہو کر ایشیائے کوچک کی مغربی سرحد پر پہنچ کر آذربائیجان اور ارمینیا میں قتل عام کے ذریعہ خون کے دریا بہائے اور اس علاقے پر اپنی ہیبت کے سکے بٹھائے۔ آذربائیجان وارمینیا کو فتح کرنے کے بعد تیمور کو سلطان بایزید یلدرم سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا بخوبی موقع مل گیا تھا کیونکہ اب اس کے سامنے عثمانیہ سلطنت کی حدود تھیں اور درمیان میں کوئی علاقہ حائل نہ تھا۔ آذربائیجان کے فرماں رواؤں کا طرز عمل ان دونوں اسلامی شہنشاہوں کو ایک دوسرے سے جنگ آزما کرانے کا موجب ہو رہا تھا۔ یہ سرحدی حکام جب کبھی عثمانیہ سلطنت سے ناراض ہوتے تو تیمور سے امداد طلب کرتے اور جب تیمور سے ناراض ہوتے عثمانی سلطان سے مدد طلب کرتے۔ اسی سلسلہ میں قرا یوسف ترکمان فرماں روائے آذربائیجان تیمور سے خائف وترسان اور آوارہ ہو کر سلطان بایزید یلدرم کے پاس چلا گیا تھا اور اس بات کا خواہاں تھا کہ عثمانی سلطان تیمور کے مقابلے میں اس کی مدد کر کے اس کے ملک میں اس کو تخت نشین کرا دے۔ تیمور نے جب آذربائیجان کو فتح کر لیا تو بایزید یلدرم نے ایک مختصری فوج کے ساتھ اپنے بیٹے طغرل نامی کو اپنے سرحدی شہر سیواس میں بھیج دیا کہ اگر تیمور اس طرف کو بڑھے تو اس کو روکے۔ تیمور نے عثمانی سلطان سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں عجلت وشتاب زدگی سے کام نہیں لیا بلکہ بڑی احتیاط کے ساتھ تیاریوں میں مصروف رہا۔ اس نے اپنے تمام مقبوضات میں گشتی احکام روانہ کر کے تجربہ کار سپاہی اور انتخابی فوجیں طلب کیں۔ ادھر جاسوسوں کی ایک بڑی تعداد فقیروں، درویشوں، صوفیوں، واعظوں، تاجروں اور سیاحوں کی شکل میں سلطنت عثمانیہ میں داخل کر دی اور ایک بڑی تعداد تجربہ کار جاسوسوں کی خاص سلطان بایزید خان یلدرم کے لشکر میں بھیجی کہ وہ جا کر ان مغلوں کو

جو ایشیائے کوچک میں بودو باش رکھنے کے سبب بایزید کے لشکر میں شامل اور اس کے ایشیائے لشکر کا جزو اعظم تھے' بہکائیں اور سمجھائیں کہ مغلوں کا قومی فرمانروا اور سردار تیمور ہے۔ تیمور کے مقابلے میں بایزید یلدرم کی ترکی سلطان کا ساتھ دینا قومی غداری اور بڑی بے عزتی کی بات ہے۔ چنانچہ تیمور کی یہ خفیہ حملہ آوری بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ بایزید یلدرم کی فوج کا ایک بڑا حصہ سلطان سے بددل اور بغاوت پر آمادہ رہنے لگا۔ تیمور کے ان جاسوسوں نے سلطان کے لشکر میں یہ خیال بھی پھیلا دیا کہ سلطان فوج کی بڑی بڑی تنخواہیں اور مال غنیمت میں زیادہ حصہ دینے میں بخل سے کام لیتا ہے۔ جبکہ تیمور کے سپاہی بہت آسودہ حال اور فارغ البال رہتے ہیں۔

اس انتظام سے فارغ ہو کر تیمور نے مناسب سمجھا کہ شام و مصر کا ملک اول فتح کر لوں۔ اس کو معلوم تھا کہ مصر کا چرکسی بادشاہ فرج بن برقوق بایزید یلدرم کا دوست ہے۔ جب ملک شام پر حملہ کیا جائے گا تو وہ دمشق کے بچانے کو ضرور ملک شام میں آ جائے گا اور چونکہ وہ تنہا کمزور ہے' اس کا شکست دینا نہایت آسان کام ہے۔ کم از کم دمشق اور شام پر قبضہ ہو جانے سے بایزید خان یلدرم کو مصریوں اد رشامیوں کی جانب سے کوئی امداد نہ پہنچ سکے گی۔ چنانچہ اس نے ادھر تو بایزید یلدرم کو خط لکھا کہ ہمارا باغی قرا یوسف ترکمان تمہارے پاس ہے' اس کو ہمارے پاس بھیج دو' ورنہ ہم تمہارے ملک پر چڑھائی کریں گے اور ادھر اپنی فوج لے کر سنہ ۸۰۳ھ میں حلب کے راستے ملک شام پر حملہ آور ہوا۔ تیمور کا خیال صحیح ثابت ہوا اور تیمور بھی حلب ہی میں پہنچا تھا کہ شاہ مصر فوراً دمشق میں آ موجود ہوا۔ دمشق پر لڑائی ہوئی اور مصر کے چرکسی فرمانروا کو شکست کھا کر مصر کی طرف بھاگنا پڑا۔ مصری فوج تیموری لشکر سے بہت مرعوب ہو گئی اور تیمور نے شام کے شہروں میں قتل عام کرا کر اور جابجا کلہ مینار بنا کر لوگوں کو خوف زدہ بنا دیا۔ اس طرح اپنا مقصد پورا کر کے تیمور بغداد کی طرف متوجہ ہوا اور بغداد کو بھی بزور شمشیر فتح کر لیا۔ یہیں اس کے پاس سلطان بایزید خان یلدرم کے پاس سے خط کا جواب ملا' جس میں تیمور کی درخواست کو نہایت حقارت کے ساتھ رد کیا گیا تھا۔

تیمور پہلے سے جانتا تھا کہ بایزید یلدرم کیا جواب دے گا اور اسی لیے وہ ہر ایک ممکن تدبیر میں پہلے ہی سے مصروف تھا۔ اس جواب کو پا کر اس نے بغداد میں بھی زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اس تعداد سے سیدھا آذربائیجان کی طرف روانہ ہوا' جہاں اس نے اپنے دوسرے ملکوں سے وقتاً فوقتاً امدادیں طلب کی تھیں۔ یہاں پہنچ کر اس نے نہایت دوراندیشی اور ہوشیاری کے ساتھ رسد رسانی' خبر رسانی اور جاسوسی وغیرہ کے محکموں کو ترتیب دیا اور تمام ضروری مقامات پر پہلے سے سامان جنگ اور رسد رسانی کے لیے اہل کار اور زبردست عملہ مقرر و مامور کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بایزید خان یلدرم نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور قسطنطنیہ کی فتح سے بہت ہی جلد فارغ ہونے والا تھا۔ اس نے شام کی فتح اور فرج بن

برقوق شاہ مصر کی شکست کا حال سن کر قرا یوسف ترکمان کو ایک فوج دے کر روانہ کیا کہ بلاتامل شام میں پہنچ کر تیموری عاملوں کو قتل و اسیر کر کے ملک شام پر قبضہ کرے اور خود تیمور کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ قسطنطنیہ کی فتح کو اس نے دوسرے وقت کے لیے ملتوی کر دیا۔ بہت زیادہ ممکن تھا کہ ملک شام کے چھین لینے پر اکتفا کر کے بایزید یلدرم خاموش ہو جاتا اور تیمور سے جنگ کرنا یعنی خود اس پر حملہ آور ہونا ضروری نہ جانتا کیونکہ وہ مسلمان بادشاہوں سے لڑنے کا شوق نہ رکھتا تھا۔ اس کو تو ابھی یورپ کے رہے ہوئے ملکوں کے فتح کرنے کا خیال تھا اور وہ عیسائیوں ہی کو اپنی شمشیر خارا شگاف کے جوہر دکھانا چاہتا تھا' جن کو وہ جنگ نکوپولس میں سخت ہزیمت دے کر مرعوب بنا چکا تھا اور ہنگری و آسٹریا کی فتح کے بعد قسطنطنیہ در و مانع کر کے گرجا میں اپنا گھوڑا باندھنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ مگر تیمور کئی سال سے نہایت سرگرمی کے ساتھ بایزید سے لڑنے اور اس کو شکست دینے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ بایزید یلدرم عیسائی طاقت کو دنیا سے نابود کرنے پر تلا ہوا تھا اور تیمور بایزید کو نابود کرنے اور عیسائیوں کو بچانے پر آمادہ تھا۔

تیمور نے اپنے تمام سامان کو مکمل کر لینے کے بعد بایزید کے سرحدی شہر سیواس پر حملہ کر دیا۔ جہاں بایزید کا بیٹا بطور قلعہ دار موجود تھا۔ بایزید کے بیٹے ارطغرل نے بڑی بہادری اور پامردی کے ساتھ قلعہ بند ہو کر مدافعت کی۔ تیمور نے سب سے پہلے اسی قلعے پر اپنی قلعہ گیری کے سامانوں کو آزمایا۔ اس نے قلعہ کا محاصرہ کر کے باہر سے قلعہ کی بنیادیں کھدوانی شروع کیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر عمیق گڑھے کھود کر اور بنیاد کے نیچے سے مٹی نکال کر لکڑی کے مضبوط شہتیر بنیاد کے نیچے کھڑے کر دیئے پھر ان گڑھوں اور شہتیروں پر معلق کر دیا گیا' پھر ان تمام شہتیروں میں آگ لگا دی گئی۔ شہتیروں کے جلنے سے قلعہ کی تمام دیوار یک لخت زمین میں دھنس گئیں۔ اس طرح یکا یک اپنے آپ کو بے پناہ دیکھ کر محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے اور سب کے سب جن کی تعداد چار ہزار تھی' گرفتار ہو گئے۔ جس طرح سیواس کے قلعہ کو زمین میں غرق کرنے کا طریقہ تیمور نے عجیب و غریب اختیار کیا تھا' اسی طرح اس نے ان ترک قیدیوں کے ساتھ سفاکی و بے دردی کا سلوک بھی بہت ہی عجیب و غریب کیا یعنی اس نے بجائے اس کے کہ ان کو جان کی امان دیتا سب کی مشکیں کسوائیں اور ان کے سروں کو ان کے گھٹنوں کے درمیان لے جا کر رسیوں سے جکڑ کر گٹھڑی کی طرح بندھوا دیا، پھر گہری گہری خندقیں کھدوا کر ان میں سب کو ڈال دیا۔ ان خندقوں یا یوں کہیے کہ قبروں پر تختے رکھوا کر اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ زندہ در گور کرنے کے جب اس ظالمانہ فعل کا تصور کیا جاتا ہے تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

بایزید یلدرم نے جب اپنے بیٹے اور چار ہزار ہم قوم ترکوں کے اس طرح ہلاک ہونے کا حال سنا تو وہ اپنے ہوش میں نہ رہا۔ غالباً تیمور کا بھی یہی منشاء تھا کہ بایزید آپے سے باہر ہو کر عقل و خرد

سے بیگانہ ہو جائے اور فوراً مقابلہ پر آ جائے۔ بایزید یلدرم سے اس کے بعد جو بد احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی ظہور میں آئی اس کو غضب و غصہ کا نتیجہ سمجھ لیجئے یا اس الزام کا نتیجہ قرار دیجئے جو شراب خوری کے متعلق اس پر لگایا گیا ہے۔ بہر حال اس کے بعد جنگی حزم و احتیاط کے معاملہ میں تیمور ہر ایک اعتبار سے پورا اور بایزید ناقص ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تک بایزید یلدرم سے جنگی معاملات میں کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے آپ کو بڑا قابل اور لائق تعریف ثابت کر چکا تھا۔ بایزید تیمور کی طاقت سے واقف تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس ۶۹ سال عمر کے بوڑھے دشمن کی ساری عمر لڑائیوں میں صرف ہوئی ہے۔ اس کے پاس یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ تیمور کی رکاوٹ میں پانچ لاکھ سے اوپر انتخابی فوج موجود ہے۔ بایزید اس عجلت میں جس قدر فوج جمع کر سکتا تھا' اس نے جمع کی اور سیواس کی طرف' جہاں اس کا بیٹا زندہ در گور کیا گیا تھا اور اس کا دشمن اپنی فوج لیے ہوئے پڑا تھا' بڑھا' اس کی فوج میں اس کی عیسائی بیوی کا بھائی شاہ سرویا اور بقول دیگر فرانسیسی بیوی کا بھائی ایک فرانسیسی سردار بھی موجود تھا' جو بیس ہزار سواروں کا افسر تھا۔ بایزید کو سرعت رفتار کے ساتھ آتا ہوا سن کر تیمور نے ایک نہایت ہی موثر سپاہیانہ چال چلی' جو اس نے پہلے ہی سے سوچ رکھی تھی اور اس کے متعلق ہر قسم کا انتظام پہلے سے کر لیا تھا۔ بایزید نے سیواس کی طرف اپنی فوج کے بعض حصے پہلے روانہ کر دیئے تھے اور ہر قسم کا ضروری سامان بھی ساتھ لے لیا تھا۔ تیمور اس وقت تک کہ بایزید کا لشکر سیواس کے قریب پہنچا' وہیں مقیم رہا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ بایزید جو پیچھے آ رہا ہے' اپنا راستہ نہ بدل سکے گا تو وہ سیواس کو چھوڑ کر اور وہاں سے کترا کر جنوب کی طرف چل دیا اور مغرب کی جانب مڑ کر سیدھا شہر انگورہ کی طرف گیا اور جا کر شہر انگورہ کا محاصرہ کر لیا۔ بایزید یلدرم جب سیواس پہنچا تو اپنے بیٹے کے مقتل کو دیکھ کر غم و غصہ سے بیتاب ہو گیا لیکن اس نے تیمور اور اس کی فوج کو وہاں نہ پایا بلکہ اس کو معلوم ہوا کہ تیمور اپنی فوج لے کر سیواس سے دو سو پچاس میل مغرب کی جانب اندرون ملک شہر انگورہ میں جا پہنچا ہے۔ شہر انگورہ کی تباہی کا تصور بایزید یلدرم کے لیے سیواس کی تباہی سے بھی زیادہ رنج دہ تھا اور تیمور کے اس طرح ایشیائے کوچک کے عقب میں پہنچ جانے کو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب اس کے لیے مناسب یہی تھا کہ وہ چشم .... اندیشہ سوز کا مغلوب نہ ہوتا اور قرا یوسف ترکمان اور شامی و مصری سرداروں کو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ اطلاع دے کر تیمور کی طرف بڑھنے کی طرف دعوت دیتا اور خود تیمور کو اپنے ملک میں ہر طرف سے گھیر کر بند کر نے اور اس کے ذرائع رسد رسانی کو منقطع و مسدود کرنے کی تدبیریں عمل میں لاتا اور تیمور اگر مغرب کی جانب بڑھتا اور شہروں کو برباد کرتا تو یہ کام اس کو کرنے دیتا کیونکہ اس کے چاروں طرف وہ علاقے تھے جہاں عثمانی جاگیردار اور سلطنت عثمانیہ کے فدائی ترک بکثرت آباد تھے اور چاروں طرف سے بڑی زبردست فوجیں مجتمع ہو کر تیمور کے لشکر کو اپنی حملہ آوریوں کا مرکز بنا سکتی تھیں۔ اس طرح تیمور کو جال میں

پھنسا کر گرفتار کر لینا بایزید کے لیے کچھ بھی مشکل نہ تھا مگر تیمور بایزید کے مزاج سے یقیناً خوب واقف تھا اور وہ جانتا تھا کہ میرا حریف اس قدر مآل اندیشی کو ہرگز کام میں نہ لا سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بایزید جو بڑی آسانی سے چار لاکھ فوج سیواس کے میدان میں جمع کرنے کا اہتمام کر چکا تھا اور تیمور سے کسی طرح مغلوب ہونے والا نہ تھا' جوشِ غضب میں بلا تامل دو منزلہ وسہ منزلہ یلغار کرتا ہوا سیواس سے انگورہ کی طرف چلا۔ اس تیز رفتاری اور مسلسل سفر میں صرف ایک لاکھ بیس ہزار فوج اس کے ہمراہ رہ سکی۔ یہی شتاب زدگی بایزید یلدرم کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی غلطی تھی۔ بایزید یلدرم جب اپنی اس تھکی ماندی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کو لے کر انگورہ کے متصل پہنچا تو تیمور اپنی پانچ لاکھ سے زیادہ فوج کو جو خوب تازہ دم اور ہر طرح مقابلہ کے لیے تیار تھی' لیے ہوئے بہترین مقام پر خیمہ زن تھا۔ تیمور نے اپنی فوج کے لیے شہر انگورہ کے شمال و مغرب میں بہتر سے بہتر موقع انتخاب کر لیا تھا اور جہاں جہاں خندق یا دمدمے کی ضرورت تھی' تیار کرا چکا تھا۔

بایزید یلدرم نے تیموری لشکرگاہ کے شمال کی جانب اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ میں تیمور کی اس عظیم الشان فوج کو خاطر میں مطلق نہیں لاتا' قریب کے ایک مرتفع پہاڑی علاقے میں لے کر اول شکار میں مصروف ہوا اور جنگ کا سپاہیوں سے محاصرہ کرا کر چنگیزی طریقہ سے دائرہ کو چھوٹا کرنا اور جنگلی جانوروں کو ایک مرکز کی طرف لانا شروع کیا' جہاں سلطان اور اس کے سردار جانوروں کے شکار کرنے میں مصروف تھے۔ اس شکار میں تھکی ماندی فوج کو پانی نہ ملنے کی سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی اور جو وقت سپاہیوں کو آرام کرنے اور ستانے کے لیے ملنا چاہیے تھا' وہ اس محنت اور تشنگی کے عالم میں بسر ہوا۔ جس میں پانچ ہزار سپاہی پیاس کے مارے مر گئے اور فوج کے دل سے سلطان کی محبت کم ہو گئی۔ اب جو شکار سے اپنے کیمپ کی طرف واپس ہوا تو معلوم ہوا کہ کیمپ پر دشمن نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے جس پانی کے چشمہ پر عثمانی لشکر کا گزر ممکن تھا' اس چشمہ کو اوپر سے بند لگا کر اور دوسری طرف سے اس کا رخ پھیر کر تیمور کی دور اندیشی اور تجربہ کاری نے پہلے ہی خشک کرا دیا تھا۔ بایزید یلدرم اگرچہ خود بھی لڑائی میں دیر اور تامل کرنے والا نہ تھا مگر غالباً وہ اپنے کیمپ میں پہنچ کر اور کم از کم فوج کو پانی پینے کی مہلت دینے کے بعد ہی صفوف جنگ تیار کرتا مگر اب وہ تیمور کی ہوشیاری اور چالاکی کے سبب مجبور ہو گیا کہ اپنی فوج کو اسی خراب خستہ حالت میں لیے ہوئے بلا تامل دشمن پر حملہ آور ہوا۔

جنگ انگورہ: ۱۹/ ذی الحجہ سنہ ۸۰۴ھ مطابق ۲۰/ جولائی سنہ ۱۴۰۲ء کو بایزید اور تیمور کی زور آزمائی شروع ہوئی اور مغرب کے وقت جبکہ رات شروع ہو گئی تھی' لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ بایزید یلدرم کے ساتھ جو فوج تھی اس کی تعداد تو سب نے ایک لاکھ بیس ہزار بتائی ہے لیکن تیمور کی فوج عام طور پر پانچ لاکھ سے

زیادہ اور بعض مورخین نے آٹھ لاکھ بیان کی ہے۔ بہرحال اگر تیمور کی فوج کو کم سے کم بھی مانا جائے تب بھی ہو بایزید یلدرم کی فوج سے چوگنی ضرور تھی اور اگر اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ تیمور کی فوج ستائی ہوئی تازہ دم اور بایزید کی فوج تھکی ماندی' بھوکی پیاسی تھی تو دونوں کی طاقتوں کے تناسب میں اور بھی زیادہ فرق ہو جاتا ہے' پھر اس سے بھی بڑھ کر بایزید کی فوج مغلیہ دستوں نے عین معرکہ جنگ میں جو غداری دکھائی اور عیسائی سرداروں سے جو کمزوری ظہور میں آئی اس کا تصور بایزید اور تیمور کے مقابلہ کو شیر اور بکری کا مقابلہ ثابت کرتا ہے مگر یہ سب کچھ بایزید کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ سمجھنا چاہئے اور اس بات سے ہرگز انکار نہیں ہونا چاہئے کہ جنگ انگورہ میں بایزید کی بیوقوفی اور جاہلانہ جوش کی نمائش ہوئی اور تیمور کی جنگ مآل اندیشی اور دور بینی کا بخوبی اظہار ہوا۔ یہ ایک بالکل جدا بات ہے کہ ہم بایزید کو شکست سے متاسف ہونے اور تیمور کو اس لڑائی میں خطا کار سمجھتے ہیں کیونکہ اس لڑائی کے نتائج عالم اسلام کے لیے بے حد نقصان رساں برآمد ہوئے۔ اور یورپ جو اسلامی براعظم بننے والا تھا' عیسائی براعظم بن گیا' اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اس لڑائی کے تفصیلی حالات اور مفصل کیفیت لکھنے کو اس لیے جی نہیں چاہتا کہ خاندان عثمانیہ کو جو ایک دیندار اور پابند مذہب خاندان تھا' اس لڑائی نے سوگوار بنا دیا لیکن فرائض تاریخ نگاری بھی ضروری پورے ہونے چاہئیں لہٰذا مختصر کیفیت سنئے۔

امیر تیمور نے صفوف لشکر کو اس طرح آراستہ کیا کہ میمنہ پر شہزادہ مرزا شاہ رخ کو افسر مقرر کیا۔ میمنہ کی اس فوج میں جن سرداروں کی فوجیں شامل تھیں' ان کے نام یہ ہیں۔ امیر زادہ خلیل سلطان' امیر سلیمان شاہ' امیر رستم برلاس' سونجک بہادر' موسیٰ' توی بوغا' امیر یادگار وغیرہ۔ میمنہ کی فوج کے لیے امیر زادہ مرزا سلطان حسین کو ایک زبردست فوج کے ساتھ کمکی مقرر کیا۔

میسرہ میں نور الدین جلائر' امیر برندق بالاس' علی قوجین' امیر مبشر' سلطان سنجر برلاس' عمر ابن تابان وغیرہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ متعین تھے۔ میسرہ کی ان تمام فوجوں کا افسر اعلیٰ شہزادہ میران شاہ کو مقرر کیا گیا تھا' میسرہ کی کمکی فوج امیر زادہ ابوبکر امیر جہاں برلاس' پیر علی سلدوز کے سپرد کی گئی۔

قلب کی فوج کے داہنے حصے میں تاش تمور اغلن ازبک' امیر زادہ احمد' جلال باورچی یوسف' بابا حاجی سوجی' اسکندر ہندو بوغا' خواجہ علی ایروی' دولتمور' محمد قوجین' ادریس قورچی وغیرہ شامل تھے' ان سرداروں کی پشت پر بیک ولی' ایلچکدائی ہری ملک' ارغون ملک صوفی خلیل' ایسن تمور' شیخ تمور' سنجر و حسین و عمر بیگ پسران نیک روز' جن عربانی' بیری بیگ قوجین' امیر زبرک برلاس وغیرہ امراء بطور کمکی مقرر ہوئے۔

قلب کے بائیں حصے کی سرداری امیر توکل قراقرا' علی محمود شاہ ولی' امیر سونجک تنکری' بیرتق خواجہ' محمد خلیل' امیر لقمان' سلطان برلاس' میرک ایلچی' پیر محمد' شنکرم' شیخ اصلان الیاس' کپک خانی' دولت

خواجہ برلاس' یوسف برلاس' علی قپچاق وغیرہ کو سپرد ہوئی۔ ان سرداروں کی کمکی فوج میں امیر زادہ محمد سلطان' امیر زادہ پیر محمد' اسکندر' شاہ ملک' الیاس خواجہ امیر شمس الدین وغیرہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ شامل تھے۔

مذکورہ بالا تقسیم و ترتیب کے علاوہ نہایت زبردست چالیس دستے تیمور نے اپنی رکاب میں جدا محفوظ رکھے تا کہ لڑائی کے وقت جس حصہ فوج کو ضرورت ہو' فوراً امداد پہنچائی جا سکے۔ اس پانچ چھ لاکھ بلکہ آٹھ لاکھ فوج کے علاوہ فیلان کوہ پیکر کی بھی ایک بڑی تعداد جن کی صحیح گنتی معلوم نہیں' تیمور کے پاس اس جنگ میں موجود تھی۔ ان جنگی ہاتھیوں کی صف لشکر کے آگے استادہ کی گئی تھی۔ بایزید کے پاس کوئی جنگی ہاتھی نہ تھا۔

سلطان بایزید نے میسرہ کی فوج سلیمان چلپی کو سپرد کی۔ میمنہ کی فوج کا افسر اپنے عیسائی سالے یعنی برادرزن کو بنایا۔ خود قلب کو سنبھالا اور اپنے پیچھے موسیٰ' عیسیٰ و مصطفیٰ اپنے تینوں بیٹوں کو رکھا۔

طرفین سے طبل جنگ بجا اور شیران غرندہ ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ غریو لشکر نے اردگرد کے ٹیلوں اور پہاڑوں کو لرزا دیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے فرش زمین نے غبار ہوا گیر ہو کر ابر تیرہ کی صورت اختیار کر کے تمازت آفتاب کو کم کیا۔ مگر خود شمشیر اور سنان و زرہ نے ایک دوسرے سے ٹکرا کر چنگاریاں برسائیں۔ خون کے فواروں سے چھڑکاؤ شروع ہوا۔ بہادروں کی اگلی صفیں چشم زدن میں مردہ لاشیں بن کر بوریئے کی طرح زمین پر بچھی ہوئی نظر آنے لگیں۔ پچھلی صفوں کے سپاہی اپنے بھائیوں کی لاشوں کو کچلتے ہوئے آگے بڑھنے اور فوراً دوسروں کے لیے فرش راہ بننے لگے۔ تیروں کی سرسراہٹ' کمانوں کی چرچراہٹ' تلواروں کی چکاچک' نیزوں کے زرہوں میں پھنس جانے کا شور' شمشیروں کے آپس میں لڑ کر ٹوٹ جانے کی جھنکار' "باش کی ایک می رسم' ہشیار باش' کجا می روی' یکے از من بستان بگیر و بزن"۔ مردانہ پیش بیا کی آوازوں کا غل' تلواروں اور برچھیوں کی بجلیوں کا چمکنا' خون کا زمین پر برسنا' لاشوں اور سروں کا ادھر ادھر گرنا' زخمیوں کے منہ سے کبھی کبھی باوجود ضبط آہ کا نکل جانا' ہاتھیوں کا چنگھاڑنا' گھوڑوں کا ہنہنانا' یہ سب مل ملا کر ایک ایسا لطف انگیز اور مسرت خیز سماں تھا کہ خوش نصیبوں ہی کو مدت العمر میں کبھی ایک دو مرتبہ ایسے دلچسپ تماشوں کے دیکھنے یا ان میں شریک ہونے کا موقع مل سکتا ہے۔ ایسے تماشوں اور ایسے نظاروں کی خواہش میں بہادروں کے دل بے چین اور نوجواں کی آنکھیں نگراں رہا کرتی ہیں۔ ایسے دلچسپ اور خوں فشاں مناظر کی قدر و قیمت کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں سر ان کی رونق بڑھانے کے لیے جسم سے جدا ہو جاتے ہیں۔ جوش مسرت اور ہجوم شادمانی کا اس سے بڑھ کر اور کیا موقع ہو سکتا ہے کہ جسم انسانی کا تعلق لہو ہے کے ساتھ حد سے زیادہ بڑھ

جاتا ہے۔ تلواریں خشک چمڑے کے نیام میں قیام کرنا پسند نہیں کرتیں بلکہ انسان کے زندہ گوشت میں چلنا ان کو مرغوب ہوتا ہے، سنان کی خواہش میں سینے آگے بڑھتے ہیں اور برچھی کے پھل کی مشایعت میں خون کے فوارے محبت کی وجہ سے نکلتے ہیں۔ نامردوں نے سمجھ رکھا ہے کہ قیس عامری سب سے بڑا عاشق تھا جو لیلیٰ کی محبت میں مجنون بن گیا لیکن عشق ومحبت کی حقیقت ان جواں مردوں سے پوچھو جو شمشیر دودم پر دم دیتے اور میدان جنگ میں جس طرح تلوار خون کے دریا میں نہاتی ہے اسی طرح آپ بھی غرق خون ہونے کا شوق رکھتے ہیں۔ بہادروں سے ان باتوں کی تصدیق کرو نامردوں کو یہ پرلطف و پرسکون باتیں نہ سناؤ کیونکہ وہ اپنا اور تمہارا وقت کج بحثی میں ضائع کردیں گے۔

انگورہ کے میدان میں اسی روز شام تک یہ دلچسپ تماشا ہوتا رہا اور آسمان وآفتاب دونوں کی حسرت رہی کہ غبار کے بادل نے حائل ہو کر ان کی بہادروں کی قابلیت جنگی اور جواں مردوں کی نہنگانہ فرہنگی کا اچھی طرح معائنہ نہ کرنے دیا۔ تیموری فوج میں سے شہزادہ ابوبکر نے سلیمان چلپی پر ایک نہایت سخت حملہ کر کے ترکموں کی صفوں کو درہم برہم کردیا۔ ابوبکر کے بعد ہی سلطان حسین نے دوسرا حملہ سلیمان پر کیا۔ ان دونوں حملوں نے کچھ کم صدمہ نہیں پہنچایا تھا کہ تیسرا حملہ محمد سلطان نے کیا۔ سلطان بایزید یلدرم کے میسرہ کی ایسی نازک حالت دیکھ کر بایزید کا ایک سردار محمد خان چلپی سلیمان کی مدد کے لیے بڑھا۔ تیموری لشکر کے ان سخت وشدید حملوں کو ترکی فوج نے بڑی بہادری ومردانگی کے ساتھ روکا او رمغلوں کی اس کثیر التعداد حملہ آور فوج کو تھوڑی دیر کی شمشیر زنی کے بعد اپنی مقررہ جگہ پر جو ایک سطح مرتفع تھی، واپس آجانا پڑا۔ سلطان بایزید کے میسرہ پر جب یہ مصیبت آرہی تھی تو وہ اپنی فوج کے حصہ قلب کے سات مغلوں کے اس عظیم وشدید حملہ کو روک رہا تھا جو مغلوں کے قلب نے جنگی ہاتھیوں کے ساتھ بایزید پر کیا تھا۔ بایزید اس معرکہ میں اپنے انتہائی تہور کے سبب یہ بھول گیا کہ میں اپنی تمام فوج کا سپہ سالار اعظم ہوں اور مجھ کو صفوف قتال سے جدا ہو کر میدان جنگ کے ہر حصہ پر نظر رکھنی چاہیے بلکہ اس نے ایک بہادر سپاہی کی طرح بذات خود دشمن پر رستمانہ صفوف شکن حملے شروع کردیے۔ اس کی بہادر فوج نے بھی اپنے سردار کی تقلید میں صف شکنی وحریف افگنی کا خوب حق ادا کیا۔ چنانچہ بایزید نے مغلون کے قلب کی فوج کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور تیموری سرداروں کو بھگا دیا۔ اب بایزید کا فرض تھا کہ وہ اپنے یمین ویسار کی فوجوں کا بندوبست کرتا اور اپنی جمعیت کو بطریق احسن ترتیب دے کر آگے بڑھتا لیکن اس نے اپنے مقابل کی فوجوں کو بھگا کر بے تحاشا اسی سطح مرتفع پر حملہ کیا جہاں ابوبکر وسلطان حسین وغیرہ واپس ہو کر متمکن تھے۔ تیموری شہزادے اور تیموری سردار بایزید کے اس حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ بایزید نے چشم وزدن میں دشمن کے چھ زبردست سرداروں کو بے دخل کر کے اس ٹیلہ پر قبضہ کرلیا۔ تیمور شروع سے آخر تک بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہوا لیکن میدان جنگ کے ہر گوشہ پر اس کی نظر تھی۔

اس نے اس بچھی ہوئی شطرنج میں اپنے جس مہرہ کو کمزور دیکھا اسے زور پہنچایا اور جہاں سے جس مہرہ کو پیچھے ہٹانا مناسب سمجھا' فوراً پیچھے ہٹایا۔ غرض اس نے انتہائی دوراندیشی اور کمال حزم و احتیاط کے ساتھ میدان جنگ کا رنگ شام تک اپنے حسب منشا بنا لینے کی کوشش کی۔ بایزید کو اس طرح فاتحانہ آگے بڑھا ہوا دیکھ کر اس نے اپنے تازہ دم دستوں کی مدد سے بایزید کے میمنہ اور میسرہ پر یک لخت حملہ کرا کر بایزید کو اس کی فوج کے بڑے حصے سے جدا کر دیا۔ عین اسی وقت بہت سے مغلیہ دستے جو بایزید کی فوج میں شامل تھے تیموری لشکر میں شامل ہو گئے' جس سے بایزید کے لشکر کو سخت نقصان پہنچا۔ اب تیمور نے اپنی فوج کی کثرت تعداد سے فائدہ اٹھانے کی نہایت باموقع کوشش کی یعنی قرنا کے ذریعہ تمام فوج کو دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ بایزید کا میمنہ اور میسرہ پہلے ہی مغلوں کی بے وفائی سے سخت مجروح اور کمزور ہو چکا تھا۔ اس حملہ آور سے بایزید کے میمنہ اور میسرہ کو درہم برہم کر دیا۔ بایزید کا بیٹا مصطفیٰ مارا گیا۔ اس کا برادر زن یعنی عیسائی سردار تباہ فرار ہوا اور بایزید اپنے رکابی دستہ کے ساتھ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گیا۔ بایزید اور اس کے جانثاروں نے اس حالت میں شمشیر زنی کے جو جو ہر دکھائی' وہ انہیں کا حصہ تھا۔ بایزید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ جس طرف حملہ آور ہوتا تھا' مغلوں کے ٹڈی دل کو دور دور تک پیچھے دھکیل دیتا تھا۔ کئی مرتبہ ایسی نوبت پہنچی کہ بایزید حملہ آور ہو کر اور مغلوں کی صفوں کو چیر کر اس مقام تک پہنچ گیا جہاں تیمور کھڑا ہوا اپنی فوج کو حملہ کی ترغیب دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی شروع ہو جانے پر جبکہ بایزید کے قریباً تمام جانثار مارے جا چکے تھے' یہ عثمانی شیر بھی کمندیں ڈال کر یا گھوڑے ٹھوکر کھانے سے گر جانے پر گرفتار کر لیا گیا اور میدان انگورہ میں اسلامی دنیا کی وہ تمام امیدیں جو بایزید کی ذات سے وابستہ تھیں دفن ہو گئیں۔

اگر فطرت مسخ نہ ہو گئی ہو تو انسان کا خاصہ ہے کہ وہ بہادری کی قدر کرتا اور بہادر انسان کو محبوب رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں شیر کو جو انسان کو ہلاک کرنے والا جانور ہے' عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور لوگ اس بات کے خواہاں رہتے ہیں کہ شیر سے تشبیہ دی جائے۔ حالانکہ بیل اور گھوڑا انسان کے بہت کام آتے ہیں مگر کوئی شخص اپنے کو بیل یا گھوڑا کہلانا پسند نہیں کرتا۔ رستم کے نام کو جو شہرت اور حضرت خالد بن ولید کو جو عظمت دنیا میں حاصل ہے' اس کا سبب بھی وہی بہادری ہے جو فطرت انسانی کے لیے محبوب و مرغوب چیز ہے۔ رستم' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ' سلطان صلاح الدین ایوبی' نپولین' عثمان پاشا وغیرہ شیر دل انسانوں کو دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں یکساں عزت و عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں یورپ کی جنگ عظیم کے زمانے میں جرمن کا ایک چھوٹا سا جنگی جہاز ایمڈن نامی بحر ہند اور بحر الکاہل کی طرف نکل آیا تھا۔ اس جہاز نے عرصہ تک غیر معمولی بہادری اور جرات کے نمونے دکھائے اور انگریزوں کو بہت سخت نقصان پہنچایا لیکن جب اس کا کپتان گرفتار ہو کر

انگلستان پہنچا تو باشندگان انگلستان اس کی زیارت کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہم جب شاہنامہ میں رستم کی بہادریوں کے حالات پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچتے ہیں' جہاں رستم ایک پرستارزادہ شغاد نامی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ہے تو ہمارا دل حزن و ملال سے لبریز ہو جاتا ہے۔ حسرت واندوہ کا سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان مظاہر اس وقت معائنہ ہو سکتا ہے جبکہ کسی بہت بڑے بہادر کا انجام ناکامی کی شکل میں نمودار ہو' غالباً سلطان بایزید یلدرم کا انگورہ کے میدان میں گرفتار ہو جانا بھی دنیا کا ایسا ہی عظیم الشان واقعہ ہے جس کے تصور سے بے اختیار قلب پر حسرت واندوہ کا ہجوم چھا جاتا ہے۔

میدان انگورہ میں اگر تیمور کی شکست ہوتی تو یقیناً تیمور اور اس کے خاندان کو نقصان عظیم پہنچتا۔ لیکن عالم اسلام کو تیمور کی شکست سے کسی نقصان کا اندیشہ نہ تھا کیونکہ مشرقی ممالک جو تیمور کے قبضے میں تھے' وہ تیمور کے بعد بھی مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہتے' ان کی نسبت یہ اندیشہ ہرگز نہ تھا کہ اسلامی ممالک کسی غیر مذہب کی حکومت میں شامل ہو جائیں گے لیکن بایزید کی شکست سے عالم اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ کیونکہ یورپ کی طرف اسلامی پیش قدمی رک گئی اور نیم مردہ یورپ پھر اطمینان و سکون کے سانس لینے لگا۔ بایزید یلدرم اور تیمور کی اس جنگ میں اگر بایزید یلدرم کو فتح حاصل ہوتی تو چونکہ بایزید کی فوج چوتھائی سے کم تھی' اس لیے یہ لڑائی سنہ ۴۶۳ھ کی اس لڑائی کی مانند سمجھی جاتی جو ایشیائے کوچک کے میدان ملاذ کرد میں ہوئی' جس میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے مسلمانوں کی صرف بارہ ہزار فوج سے عیسائیوں کی دو تین لاکھ فوج کو شکست دی تھی یا پانی پت کی تیسری لڑائی سے مشابہ ہوتی جو سنہ ۱۱۷۴ھ میں ہوئی جس میں مسلمانوں کی صرف اسی نوے ہزار فوج نے ہندوؤں کی پانچ چھ لاکھ فوج کو شکست فاش دی یا جنگ کسووا اور جنگ نکوپولس کی فہرست میں داخل ہوتی کیونکہ ان تمام لڑائیوں میں تھوڑی تھوڑی فوجوں نے بڑی بڑی فوجوں کو شکست فاش دی تھی۔ غالباً جنگ نکوپولس پر ہی قیاس کر کے بایزید یلدرم نے اپنی قلت اور تیمور کی کثرت پر کوئی لحاظ نہیں کیا۔ مگر اس نے یہ نہ سوچا کہ تیمور اور اس کی فوج بھی تو مسلمانوں ہی ہے۔ جن لڑائیوں میں غیر معمولی کثرت نے حیرت انگیز قلت سے شکست کھائی ان میں ہمیشہ بڑی فوج کفار کی اور چھوٹی فوج مسلمانوں کی ہوا کرتی تھی۔ لیکن جنگ انگورہ میں چونکہ دونوں طرف مسلمان تھے' اس میں کثرت کو قلت پر غالب آنا چاہئے تھا' چنانچہ غالب ہوئی۔

تیمور بھی اگرچہ چنگیزی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور چنگیز خان ہی کی مانند بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ملک گیر و فتح مند تھا لیکن چونکہ مسلمان تھا لہٰذا اس کا وجود اور اس کی ملک گیری باوجود اس کے کہ وہ مسلمانوں ہی سے زیادہ لڑا' چنداں قابل شکایت نہ تھی کیونکہ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک عظیم

الشان شہنشاہی میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی کہ ان کی ایک عظیم الشان شہنشاہی مغرب میں اور ایک مشرق میں قائم ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کا ایک شہنشاہ مغرب میں فتوحات حاصل کرتا ہوا ساحل فرانس اور دو دو بار انگلستان پہنچنا چاہتا تھا۔ اسی طرح دوسرا تیمور مشرق کی طرف متوجہ ہو کر ساحل چین اور بحیرہ جاپان تک فتوحات حاصل کرتا ہوا چلا جاتا تو تمام دنیا کے فتح ہو جانے اور اسلام کے زیر سایہ آ جانے میں کوئی کلام نہ تھا کیونکہ جس طرح مشرق میں کوئی تیمور کا مدمقابل نہ تھا' اسی طرح مغرب میں کوئی طاقت بایزید یلدرم کی ٹکر سنبھالنے والی نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ انگورہ کے میدان نے ان دونوں مسلم شہنشاہوں کو اپنی طرف کھینچا اور یہ دونوں آپس میں ٹکرائے۔ سمندر میں دو جہازوں کا ٹکرانا خشکی میں دو تیز رفتار ریل گاڑیوں کی حالت گرم رفتاری میں مقابل سمتوں سے آ کر متصادم ہونا' دو مست ہاتھیوں کا آپس میں ٹکرانا' دو خونخوار ببر شیروں کا ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا بلاشک بڑے ہی ہیبت ناک اور زہرہ شگاف مناظر ہوتے ہیں لیکن انگورہ کے میدان میں تیمور و بایزید دو مسلمان بادشاہوں' دنیا کے دو عظیم الشان فتح مندوں' دنیا کے دو سب سے بلند مرتبہ بہادروں کا ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونا سب سے بڑھ کر ہیبت ناک اور سب سے زیادہ زہرہ شگاف نظارہ تھا۔ دو پہاڑ اپنی اپنی جگہ سے حرکت کر کے ایک دوسرے کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لیے میدان انگورہ کی طرف بڑھے تھے یا دو سمندر ایک دوسرے کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لیے میدان انگورہ کی طرف بڑھے تھے یا دو سمندر ایک دوسری کو نیچا دکھانے کے لیے جوش میں آ گئے تھے۔ بہر حال جنگ انگورہ دنیا کا ایک نہایت عظیم الشان اور بے نظیر واقعہ ہے۔

اس لڑائی میں بایزید یلدرم کا بیٹا موسیٰ بھی باپ کے ساتھ قید ہو گیا تھا۔ شہزادہ محمد اور شہزادہ عیسیٰ میدان جنگ سے بھاگ کر اپنی جان بچا سکے تھے۔ تیمور نے سلطان بایزید کو ایک قفس آہنی میں قید کیا اور اس لڑائی کے بعد اسی حالت میں قید میں اس کو اپنے ساتھ ساتھ سفر میں لیے پھرا۔ سلطان بایزید یلدرم کو جو ایک عالی جاہ شہنشاہ تھا' اسی طرح ذلت کے ساتھ قید کرنا اور اس کی تشہیر و رسوائی سے لطف حاصل کرنا تیمور کے شریفانہ اخلاق پر ایک سیاہ اور مکروہ دھبہ ہے۔ بہادروں اور شریفوں کو جب اپنے دشمن پر پورا پورا قابو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اس مجبور و مغلوب دشمن پر ہمیشہ احسان کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے جب قیصر قسطنطنیہ کو ملاذ کرد کے میدان جنگ میں گرفتار کیا تو اس کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا اور اس کے مقبوضہ ملک کا پھر اس کو فرماں روا بنا دیا۔ سکندر یونانی کے سامنے جب پنجا کا راجہ گرفتار ہو کر آیا تو اس نے نہ صرف یہ کہ پنجاب کا ملک ہی اس کو دیا بلکہ اس میں اور بھی ملک اپنی طرف سے اضافہ کر کے اس کو پنجاب کا فرماں روا بنا دیا۔ خود بایزید یلدرم نے نکوپولس کے میدان جنگ میں ۲۵ ہزار شہزادوں کو گرفتار کیا اور پھر سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جاؤ اب

دوبارہ اچھی طرح میرے مقابلے کے لیے تیار کرو۔ افسوس کہ ایسے بے نظیر بہادر اور ایسے مجاہد اسلام پر قابو پا کر تیمور نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا' اس سے تیمور کی بہادری و ملک گیر کا مرتبہ نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ تیمور نے بایزید یلدرم کو اس طرح کٹہرے میں رکھا جس طرح شیروں کو کٹہرے میں بند رکھا جاتا ہے۔ اس سے ایک شاعرانہ تسکین بخش تخیل ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس نے اس عثمانی شیر کو شیر ہی سمجھ کر قفس آہنی میں بند کیا تھا۔ لیکن اس کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا کہ تیمور کی آدمیت انسان و حیوان میں کوئی فرق نہ دیکھ سکی۔

بایزید یلدرم کو جنگ انگورہ کے نتیجے میں جو ذلت سہنی پڑی وہ معمولی نہ تھی اور اسی لیے وہ سخت و شدید قید میں آٹھ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ تیمور نے بایزید یلدرم کے فوت ہو جانے پر صرف اس قدر انسانیت کا کام کیا کہ بایزید کی لاش اس کے بیٹے موسیٰ کو' جو قید میں موجود تھا' سپرد کی اور اس کو آزاد کر کے اجازت دی کہ اپنے باپ کی لاش کو بروصہ میں لے جا کر دفن کرے۔ تیمور کی تمام ترک وتاز اور فتح مندیاں مسلمان سلاطین کو زیر کرنے اور مسلمانوں کے شہروں میں قتل عام کرانے میں محدود رہیں اور اس کو یہ توفیق میسر نہ آسکی کہ غیر مسلموں پر جہاد کرتا تاکہ غیر مسلم علاقوں میں اسلام پھیلاتا۔ بایزید یلدرم کے فوت ہونے کے بعد تیمور بھی زیادہ دنوں نہیں جیا۔ وہ سمرقند پہنچ کر چین کے ملک پر چڑھائی کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا اور اس کی یہی چڑھائی ایسی تھی جو اس نے غیر مسلم علاقے پر کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا نہ ہونے دیا اور راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔

جنگ انگورہ کا ذکر خود تیمور نے بھی اپنی توزک میں کیا ہے مگر نہایت ہی مجمل و مختصر' جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بایزید یلدرم کی وفات کے بعد تیمور کو اپنی اس حرکت پر سخت افسوس ہوا کہ اس نے عثمانی سلطنت کو کیوں تباہ و برباد کیا۔ اگر توزک تیموری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ بایزید یلدرم کی گرفتاری کو اس زمانہ کے تمام مسلمانوں نے نہایت نفرت اور رنج کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اسی لیے تیمور جنگ انگورہ کے متعلق تفصیل اور فخر و مباہات کے جملوں سے قطعاً احتراز کرتا ہے اور ممکن ہے کہ اسی جرم عظیم کی تلافی کے لیے اس نے ملک چین کی فتح کا ارادہ کیا ہو جو پورا نہیں ہوسکا' واللہ اعلم بالصواب۔

بایزید یلدرم کا بیان کسی قدر طویل ہو گیا ہے کہ لیکن مجھ کو قارئین کرام سے توقع ہے کہ وہ اس بیان کے طویل ہو جانے میں مجھ کو زیادہ مجرم نہ ٹھہرائیں گے۔ بایزید یلدرم اور جنگ انگورہ کے حالات لکھتے ہوئے مجھ کو بار بار اس بات کا احساس ہوا ہے کہ اس موقع پر تاریخ اسلام کے اس اختصار و ایجاز کا تناسب بگڑا جا رہا ہے جو اس تاریخ کی نگارش میں مدنظر رہا ہے لیکن ان حالات کی اہمیت یقیناً اس طوالت کو جائز قرار دے رہی ہے۔

سلطان بایزید خان یلدرم کے بیٹوں کی خانہ جنگی : جنگ انگورہ کے بعد سلطنت عثمانیہ کے تباہ و برباد ہو جانے میں بظاہر کوئی کسر باقی معلوم نہیں ہوتی تھی کیونکہ تیمور نے ایشیائی کوچک کے بہت سے علاقے ان سلجوقی خاندانوں کے رئیسوں کو دے دیئے تھے جو سلطنت عثمانیہ سے پہلے ایشیائے کوچک میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں رکھتے تھے۔ بعض علاقوں میں اس نے اپنی طرف سے نئی ریاستیں قائم کر دی تھیں۔ بایزید یلدرم جب ایشیائے کوچک کی طرف تیمور کے مقابلے کے آیا تھا تو اپنے سب سے بڑے بیٹے سلیمان کو ایڈریانوپل میں اپنا قائم مقام بنا آیا تھا۔ جنگ انگورہ کے نتیجہ سے مطلع ہو کر عیسائیوں نے اپنے علاقوں کو پھر واپس لینے کی جرات کی اور ایڈریانوپل اور اس کے نواحی علاقوں کے سوا باقی حصہ یورپی مقبوضات کا سلطنت عثمانیہ سے نکل گیا۔ قیصر قسطنطنیہ نے بھی جو اس جنگ کے نتیجے کا بے صبری سے انتظار کر رہا تھا' اپنے مقبوضات کو وسیع کیا اور یورپ کے عیسائیوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔ مگر عثمانیوں کے ساتھ گزشتہ زمانے میں جو لڑائیاں ہو چکی تھیں' ان کا رعب پھر بھی عیسائیوں کے دلوں پر اس قدر غالب تھا کہ وہ عثمانیوں کو ایڈریانوپل سے خارج کرنے پر فوراً آمادہ نہ ہو سکے۔ سلطنت عثمانیہ کا رقبہ بہت ہی محدود و مختصر رہ گیا تھا' جس میں ایک چھوٹا سا ٹکڑا یورپ کا اور ایک چھوٹا سا حصہ ایشیائے کوچک کا شامل تھا' پھر سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ بایزید یلدرم کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

بایزید یلدرم کے سات یا آٹھ بیٹے تھے' جن میں سے پانچ چھ جنگ انگورہ کے باقی بعد رہے' جن کے نام یہ ہیں۔ سلیمان خان جو ایڈریانوپل میں باپ کا قائم مقام تھا۔ موسیٰ جو باپ کے ہمراہ قید تھا۔ عیسیٰ جو جنگ انگورہ سے بچ کر بروصہ کی طرف بھاگ آیا اور یہاں کا حاکم بن بیٹھا تھا۔ محمد جو بایزید کا سب سے چھوٹا اور سب سے زیادہ لائق بیٹا' یہ ایشیائے کوچک ہی کے ایک دوسرے شہر میں حکومت کرنے لگا۔ قاسم جو کوئی حوصلہ نہ رکھتا تھا اور محمد عیسیٰ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس طرح بایزید کی گرفتاری کے بعد ایشیائے کے بچے ہوئے عثمانی علاقے میں محمد اور عیسیٰ دونوں الگ فرمانروائی کرنے لگے اور یورپی علاقے پر سلیمان قابض رہا۔ بہت ہی جلد عیسیٰ اور محمد میں لڑائی ہوئی تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو سکے کہ ایشیائے کوچک کے عثمانی مقبوضہ پر ان دونوں میں سے کون فرمانروائی کرے گا۔ سخت خونخوار جنگ کے بعد محمد نے عیسیٰ کو شکست دے کر بروصہ پر قبضہ کر لیا اور عیسیٰ ایشیائے کوچک سے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس ایڈریانوپل میں پہنچا کہ اس کو محمد کے اوپر ایشیائے کوچک میں چڑھا کر لائے۔ چنانچہ سلیمان اپنی فوج لے کر ایشیائے کوچک میں آیا اور بروصہ و انگورہ کو فتح کر لیا۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ بایزید یلدرم تیمور کی قید میں سختی و ذلت برداشت کر رہا تھا اور اس کے بیٹے آپس میں مصروف جنگ تھے کہ سلطنت کے بچے ہوئے چھوٹے سے ٹکڑے پر کون فرماں روائی کرے۔ وہ جس وقت آپس میں

چھری کٹاری ہو رہے تھے' تو ان کو یقیناً اپنے باپ کا مطلق خیال نہ آیا تھا اور وہ اس کی تکلیفوں اور ذلتوں کا کوئی تصور نہ کرتے تھے ورنہ اس طرح آپس میں ایک دوسرے کے خون کی خواہش نہ کرتے۔ انہیں ایام میں جبکہ سلیمان ایشیائے کوچک میں آ کر محمد سے لڑ رہا تھا جنگ انگورہ کے آٹھ ماہ بعد بایزید یلدرم نے قید میں وفات پائی اور تیمور نے اس کے بیٹے موسیٰ کو قید سے رہا کر کے باپ کی لاش کے لے جانے کی اجازت دی۔ موسیٰ باپ کی لاش لیے ہوئے آ رہا تھا کہ راستہ میں قرمانیہ کی سلجوقی رئیس نے موسیٰ کو گرفتار کر لیا۔ محمد نے جو سلیمان سے شکست کھا کر ملک میں آوارہ اور سلیمان کے مقابلے کے لیے طاقت بہم پہنچانے کی فکر میں تھا' اس خبر کو سن کر فرماں روائے قرمانیہ کو لکھا کہ آپ براہ کرم میرے بھائی موسیٰ کو رہا کر دیجئے تاکہ میں اور وہ دونوں مل کر سلیمان کا کچھ تدارک کر سکیں۔ حاکم قرمانیہ نے سلیمان اور اس کے بھائیوں میں معرکہ آرائی کو اس لیے غنیمت سمجھا کہ عثمانی سلطنت کی رہی سہی طاقت اس خانہ جنگی سے زائل ہو سکے گی۔ چنانچہ اس نے محمد خان کی سفارش کو فوراً قبول کر کے اس کے بھائی موسیٰ کو رہا کر دیا' جو باپ کی تدفین سے فارغ ہوتے ہی فوراً اپنے بھائی محمد خان سے آ ملا۔ موسیٰ چونکہ باپ کے ساتھ قید میں رہا تھا' اس لیے اس کی قبولیت عثمانی امراء اور سپاہیوں میں قدرتاً زیادہ تھی۔ اس کے شریک ہوتے ہی محمد خان کی طاقت بڑھ گئی اور بڑے زور شور سے ایشیائے کوچک کے میدانوں میں لڑائی کا سلسلہ جاری ہوا۔ ایک طرف محمد و موسیٰ اور دوسری طرف سلیمان و عیسیٰ تھے۔ آخر عیسیٰ تو انہیں لڑائیوں میں کام آیا مگر سلیمان نے اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر چیرہ دست نہ ہونے دیا۔ کئی مرتبہ محمد و موسیٰ کو شکست بھی ہوئی۔ آخر موسیٰ نے اپنے بھائی سے کہا کہ آپ مجھ کو تھوڑی سی فوج دے کر یورپی علاقے میں بھیج دیجئے تاکہ میں وہاں جا کر قبضہ کروں اور سلیمان کو مجبوراً ایشیائے کوچک چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ محمد کو بھائی کی یہ رائے بہت پسند آئی۔ چنانچہ موسیٰ فوج لے کر ایڈریانوپل پہنچ گیا۔ یہ خبر سنتے ہیں سلیمان بھی اس طرف متوجہ ہوا اور موسیٰ و سلیمان میں ایک خونخوارہ جنگ ہوئی۔ سلیمان چونکہ بڑا بیٹا تھا اور اپنے آپ کو تمام سلطنت عثمانیہ کا واحد فرماں روا سمجھتا تھا' لہذا اس کو فوجی سرداروں کے ساتھ غیر معمولی رعایتیں کرنے اور ان کو خوش رکھنے کا زیادہ خیال نہ آتا تھا لیکن موسیٰ و محمد چونکہ سلیمان سے حکومت چھیننا چاہتے تھے اور چھوٹا ہونے کی وجہ سے اپنے حق کو خود بھی پست تر جانتے تھے لہذا ان کا برتاؤ اپنی فوج کے ساتھ بہت ہی اچھا تھا اور یہ اپنے فوجی سرداروں کو خوش رکھنے اور ان کی عزتیں بڑھانے میں کسی موقع کو فروگذاشت نہ ہونے دیتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوجی سرداروں نے سلیمان پر موسیٰ کو ترجیح دی اور انہیں کی وجہ سے سلیمان کو موسیٰ کے مقابلے میں شکست فاش حاصل ہوئی۔ سلمان شکست یاب اور مفرور ہو کر قسطنطنیہ کے قیصر کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستے میں سنہ ۱۸۱۳ء میں گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ اب صرف دو بھائی باقی رہ گئے یعنی محمد اور موسیٰ۔ سلطنت عثمانیہ کا یورپی حصہ موسیٰ کے قبضے میں آ گیا

اور ایشیائی حصے پر محمد قابض رہا۔

موسیٰ کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ قیصر مینوئل پلیولوگس فرماں روائے قسطنطنیہ سلیمان کی طرف داری کرتا تھا اور اسی لیے سلیمان اس کے پاس بھاگ کر جانا چاہتا تھا لہذا اس نے ارادہ کرلیا کہ قیصر قسطنطنیہ کو بھی سزا دے مگر اس سے پہلے اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اسٹیفن حاکم سرویا کو سزا دے کیونکہ حاکم سرویا اسٹیفن نے علانیہ سلیمان کی حمایت کی تھی۔ لہذا اس نے اول سرویا پر چڑھائی کی اور سرویا کی فوج کو میدان جنگ میں ایسی شکست فاش دی کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی اور پھر سرحدی اضلاع میں عثمانیوں کا رعب اور عیسائیوں کے دلوں میں خوف طاری ہو گیا۔ موسیٰ کا یہ حملہ جو اس نے سرویا پر کیا' سلطنت عثمانیہ کے لیے بہت ہی مفید ثابت ہوا کیونکہ اس سے یورپ کے عیسائیوں کا وہ خیال کہ اب عثمانی بہت کمزور ہو گئے ہیں' بدل گیا۔ اس کے بعد موسیٰ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کر کے محاصرہ کرلیا اور قیصر قسطنطنیہ کو سزا دینا ضروری سمجھا۔ قیصر نیوٹل بھی بہت ہوشیار اور چوکس آدمی تھا۔ اس نے اس فرصت میں محمد خان کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھا لئے تھے' جو ایشیائے کوچک میں تنہا قابض و فرماں روا ہو کر کافی طور پر مضبوط ہو چکا تھا اور ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو' جو تیمور نے قائم کر دی تھیں' اپنی حکومت میں شامل کر رہا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا کہ موسیٰ و محمد دونوں بھائی اس تقسیم پر رضامند ہیں کہ موسیٰ یورپی علاقے پر قابض رہے اور محمد ایشیائے علاقے میں حکومت کرے۔ اگرچہ اس کے متعلق کوئی معاہدہ اور باقاعدہ فیصلہ نہ ہوا تھا مگر قیصر کی ریشہ دوانیوں اور چالاکیوں نے بہت ہی جلد ایک پیچیدگی پیدا کر دی۔

جب موسیٰ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو قیصر نے محمد خان سے امداد اعانت طلب کی اور محمد خان نے بلا تامل اس محاصرہ کے اٹھانے کے لیے یورپ کے ساحل پر فوج لے کر جانا ضروری سمجھا۔ اس طرح قسطنطنیہ کے محاذ جنگ پر یورپی ترک اور ایشیائی ترک آپس میں مصروف جنگ ہوئے اور دونوں بھائیوں میں مخالفت کی بنیاد رکھی گئی۔ ابھی موسیٰ کا محاصرہ بدستور قائم تھا کہ محمد خان کو اپنے ایشیائی علاقے میں ایک ماتحت رئیس کے باغی ہونے کی خبر پہنچی اور فوراً ایشیائے کوچک میں بغاوت فرو کرنے چلا گیا۔ یہ بغاوت موسیٰ کے اشارے سے ہوئی تھی تاکہ محمد خان ایک عیسائی بادشاہ کی مدد نہ کر سکے۔ محمد خان بہت جلد بغاوت کے فرو کرنے میں کامیاب ہوا۔ ادھر اس کی غیر موجودگی میں موسیٰ نے محاصرہ میں سختی کی اور قیصر قسطنطنیہ کا حال بہت ہی پتلا ہونے لگا۔ محمد خان فارغ ہو کر دوبارہ قسطنطنیہ پہنچ گیا اور اس نے اسٹیفن شاہ سرویا کو لکھا کہ تم موسیٰ کے خلاف خروج کرو' ہم تمہاری مدد کریں گے۔ محمد خان کا سہارا پا کر شاہ سرویا جو پہلے ہی سے موسیٰ کے ذریعہ آزار اور رسیدہ تھا' اٹھ کھڑا ہوا۔ موسیٰ کو جب شاہ سرویا کے خروج کا حال معلوم ہوا تو وہ قسطنطنیہ سے محاصرہ اٹھا کر سرویا کی طرف متوجہ ہوا۔ ادھر سے اس کے متعاقب محمد خان اپنی فوج لے کر پہنچا۔ سرودیہ کی جنوبی سرحد پر مقام جرلی کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور نتیجہ یہ

ہوا کہ موسیٰ لڑائی میں مارا گیا اور محمد خان ابن بایزید یلدرم مظفر و منصور ہو کر ایڈریانوپل میں تخت نشین ہوا اور تمام عثمانیہ مقبوضات میں وہی تنہا فرماں روا تسلیم کیا گیا۔ چونکہ اب بایزید کی اولاد میں وہی تنہا قابل حکومت شخص رہ گیا تھا لہٰذا خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔ محمد خان نے ایڈریانوپل میں تخت نشین ہو کر اپنی رعایا' فوج اور سرداروں سے وفاداری کا حلف لیا اور سلیمان کے بیٹے کو جس سے بغاوت کا قوی اندیشہ تھا' نیز اپنے بھائی قاسم کو جو بروصہ میں مقیم تھا' محض اس لیے کہ آئندہ فتنہ برپا ہو سکے' اندھا کرا دیا اور نابینا کرانے کے بعد ان کو نہایت آرام و عزت و آسائش سے رکھا۔ یہ واقعات سنہ ۸۱۶ھ میں وقوع پذیر ہوئے۔ اس طرح جنگ انگورہ کے بعد گیارہ سال تک خاندان عثمانیہ میں خانہ جنگی کا سلسلہ جاری رہا۔ اس گیارہ سال کی خانہ جنگی میں سلطنت عثمانیہ کا قائم رہنا اور پھر ایک شاندار مضبوط شہنشاہی کی شکل میں نمودار ہو جانا دنیا کے عجائبات میں سے شمار ہوتا ہے۔ تاریخ عالم میں بہت ہی کم ایسی مثالیں نظر آ سکتی ہیں کہ اتنے بڑے دھکے کو سہہ کر اور ایسے خطرناک حالات میں گزر کر اتنی جلد کسی خاندان یا کسی قوم نے اپنی حالت کو سنبھال لیا ہو۔

سلطان محمد خان اول: سلطان محمد خان ابن بایزید یلدرم نے سنہ ۸۱۶ھ میں بمقام ایڈریانوپل تخت نشین ہو کر نہایت ہوشیاری اور دانائی کے ساتھ امور سلطنت کو انجام دینا شروع کیا۔ قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر اور عیسائی بادشاہ سے پہلے ہی اس کی صلح ہو گئی تھی۔ اب اس کے تخت نشین ہونے پر ان دونوں نے اس کو مبارک بادوی اور قیمتی تحفہ وہدایا بھیجے۔ محمد خان نے اس کے جواب میں اپنی طرف سے اپنی آشتی پسند ہونے کا اس طرح ثبوت کہ اس نے شاہ سرویا کے لیے بہت سی رعایتیں منظور کیں اور شاہ قسطنطنیہ کو بھی تھسلی کے وہ قلعے جو ترکوں کے قبضے میں چلی آتے تھے اور بحیرہ اسود کے ساحل پر بعض مقامات جن کے نکل جانے سے قیصر قسطنطنیہ سخت بے چین تھا' اس کو دے دیے۔ وینس کی جمہوری ریاست جو ایک زبردست بحری طاقت تھی' ترکوں سے برسر پرخاش رہتی تھی۔ سلطان محمد خان کی سلامت روی اور صلح پسندی کا شہرہ سن کر انہوں نے بھی صلح کی درخواست پیش کی اور سلطان محمد خان نے بلا تامل ان سے صلح کر لی۔ ولیشیا' البانیہ' بوسنیا وغیرہ ترکی صوبے جنگ انگورہ کی خبر سنتے ہی خود مختار ہو گئے تھے اور ہر ملک میں عیسائیوں نے اپنی سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ ان سب کو اندیشہ تھا کہ عثمانی سلطان تخت نشینی کے بعد مطمئن ہو کر اپنے باپ کے صوبوں کو پھر اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہے گا اور ہمارے اوپر حملہ آور ہو گا۔ سلطان محمد خان کی اس کامیابی کا حال سن کر ان سب نے ڈرتے ڈرتے اپنے اپنے سفیر دربار سلطانی میں مبارکباد کے لیے روانہ کیے۔ سلطان محمد خان نے ان سفیروں سے نہایت تپاک کے ساتھ ملاقات کی اور رخصت کرتے وقت ان سفیروں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اپنے آقاؤں سے جا کر میری

طرف سے یہ ضروری کہہ دینا ''میں سب کو امن دیتا ہوں اور سب سے امن قبول کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ امن وامان کو پسند کرتا اور فساد کو برا جانتا ہے''۔ سلطان محمد خان کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں امن وامان قائم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ جو ابھی ایک مہلک اور خطرناک بیماری سے اٹھی تھی' اس کے لیے حرکت اور جسمانی ریاضت بے حد مضر تھی' اس کو چند روز آرام کرنے اور پرہیزی غذا کھانے کی سخت ضرورت تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ سلطان محمد خان نہایت ہی موزوں سلطان تخت عثمانی پر متمکن ہوا اور اس کا طرز عمل ہر ایک اعتبار سے سلطنت کی تقویت اور آئندہ ترقیات کا موجب ثابت ہوا۔

یورپ میں اس طرح سلطان محمد خان نے امن وامان قائم کر لیا مگر ایشیائے کوچک میں بغاوتوں کا سلسلہ موجود تھا۔ چنانچہ سلطان کو مع فوج خود ایشیائے کوچک میں جانا پڑا۔ وہاں اس نے اول سمرنا کی بغاوت فرو کی' اس کے بعد قرمانیہ کے باغیوں کو طاقت کے ذریعہ خاموش ومحکوم بنایا گیا پھر سلطان نے یہ عاقلانہ تدبیر کی کہ ایشیائے کوچک کی مشرقی حدود کے متصل جو ریاستیں یا سلطنتیں تیمور کی وفات کے بعد قائم ہوئیں۔ ان سب سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور تمام ایشیائے کوچک کو اپنے قبضے میں لے کر اطمینان حاصل کیا کہ پھر کوئی حملہ تیموری حملہ کی مانند نہ ہو سکے۔

سنہ ۸۲۰ھ میں جبکہ سلطان محمد خان ایشیائے کوچک ایڈریانوپل میں آچکا تھا' تو دردانیال کے قریب بحیرہ ایجین میں وینس کے جنگی بیڑہ سے سلطان کے جنگی بیڑہ کی سخت لڑائی ہوئی جس میں ترکی بیڑہ کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑا' اس لڑائی کا باعث یہ تھا کہ بحیرہ ایجین کے جزیروں کے رہنے والے برائے نام وینس کی جمہوری حکومت کے ماتحت تھے۔ یہ لوگ سلطان کے ساحلی علاقے مثلاً گیلی پولی وغیرہ پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کے لیے اپنے جنگی بیڑہ کو حکم دیا لیکن اس کا مقابلہ وینس کے بیڑہ سے ہو گیا' جو بہت طاقتور تھا۔ لہٰذا سلطان کی بحری فوج کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اس بحری لڑائی کے بعد بہت جلد پھر وینس کے ساتھ عہد نامہ صلح کی تجدید ہو گی۔ وینس ایک بہت چھوٹی سی ریاست تھی جو جمہوری اصول پر قائم تھی لیکن بحر روم میں اس کی بحری طاقت سب پر فائق تھی۔ اس کے بعد سلطان کے لیے کوئی خطرہ اور کوئی جنگ بظاہر موجود نہ تھی اور سلطان اپنی مملکت کو وسیع کرنے کے مقابلے میں اندرونی طور پر اس کو مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے جابجا شہروں اور قصبوں میں مدرسے قائم کیے۔ علماء کی قدردانی کی' راستوں کے امن وامان اور تجارت کی گرم بازاری کا بندوبست کیا۔ غرض کہ سلطان نے وہ طرز عمل اختیار کیا جس کی وجہ سے دوستوں اور دشمنوں دونوں میں اس کی قبولیت بڑھ گئی اور سب کو اس کی تعریف کرنی پڑی۔ اس کی رعایا نے اس کو چلپی یعنی بہادر وشجیع مزاج کا خطاب دیا اور تمام ملکوں میں وہ سلطان صلح جو' مشہور ہوا مگر باوجود اس کے اس کی عمل داری میں ایک

فتنہ برپا ہوا' جو اس کی فوج کے قاضی بدرالدین نے برپا کیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک نومسلم یہودی مرتد ہو کر اس بات کا محرک ہوا کہ سلطان کو معزول کر کے جمہوری ریاست قائم کرنی چاہیے۔ قاضی بدرالدین اس کا ہم خیال ہو گیا اور ان دونوں نے ایک ترک مصطفیٰ نامی کو جو کوئی تعلیم یافتہ شخص نہ تھا' اپنا مذہبی پیشوا بنایا اور والیشیا دونوں علاقوں میں اپنے خیالات کی اشاعت شروع کر کے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کیا۔ اس بغاوت نے ترقی کر کے خطرناک صورت اختیار کر لی اور سلطان محمد خان کو بڑی فکر پیدا ہوئی۔ اس بغاوت نے اندر ہی اندر اس کی رعایا کو ماؤف کرنا شروع کر دیا۔ یہ بغاوت اس لیے اور بھی جلد اور زیادہ کامیاب ہو سکی کہ سلطان محمد خان نے عیسائی سلاطین سے دوستی کے عہد نامے کر کے اچھے تعلقات قائم کئے تھے۔ اس کا دوستانہ برتاؤ جو عیسائیوں کے ساتھ تھا عام طور پر اس کی مسلمان رعایا کو ناپسند اور گراں گزرتا تھا۔ عوام اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس زمانے میں صلح و آشتی ہی کی حکمت عملی سلطنت عثمانیہ کے لیے زیادہ مفید ہے۔ چنانچہ جب ان کو مذکورہ باغیوں نے بھڑکایا تو وہ فوراً ان کی باتوں میں آ گئے۔ آخر سلطان محمد خان نے اس بغاوت کے فرو کرنے میں پوری ہمت اور مستعدی سے کام لے کر چند ہی روز میں اس کا خاتمہ کر دیا اور تینوں باغی مارے گئے۔ اس خطرہ سے نجات پر کر سلطان محمد خان کو ایک اور خطرناک باغی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جنگ انگورہ میں سلطان بایزید خان یلدرم کا ایک بیٹا مصطفیٰ نامی مارا گیا تھا مگر جنگ کے بعد اس کی لاش کا کوئی پتہ نہ ملا۔ تیمور نے بھی جنگ کے بعد مصطفیٰ کی لاش کو تلاش کرایا مگر کہیں دستیاب نہ ہوئی۔ اس لیے مصطفیٰ کا مارا جانا مشتبہ رہا تھا۔ اب سلطان محمد خان کے آخر عہد حکومت یعنی سنہ ۸۲۴ھ میں ایک شخص نے ایشیائے کوچک میں اس بات کا دعویٰ کیا کہ میں مصطفیٰ ابن بایزید یلدرم ہوں۔ وہ شکل وصورت میں مصطفیٰ سے مشابہ تھا' اس لیے بہت سے ترکوں نے اس کے اس دعوے کو تسلیم کر لیا اور سمرنا کے عامل جنید اور صوبہ دار الیشیا نے اس کے اس دعوے کی اس لیے اور بھی تصدیق کی کہ وہ محمد خان سے خوش نہ تھے۔ چنانچہ مصطفیٰ مذکور ان صوبہ داروں کی امداد سے گیلی پولی میں پہنچ کر تھسلی کے قریبی علاقے پر قابض ہو گیا۔ سلطان محمد خان اس خبر کو سنتے ہی فوراً فوج لے کر مقابلے پر پہنچا اور سالونیکا کے قریب ایک سخت لڑائی کے بعد مصطفیٰ مذکور شکست فاش کھا کر بھاگا اور قیصر قسطنطنیہ کے پاس پہنچ کر پناہ گزیں ہوا۔ سلطان محمد خان نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کو لکھا کہ مصطفیٰ ہمارا باغی ہے' اس کو ہمارے پاس بھیج دو لیکن قیصر نے اس کے واپس دینے سے انکار کر کے اس بات کا وعدہ کیا کہ میں اس کو نہایت احتیاط کے ساتھ قید اور نظر بند رکھوں گا۔ بشرطیکہ آپ اس کے نان ونفقہ اور اخراجات کے معاوضہ میں ایک رقم میرے پاس بھجواتے رہیں۔ چونکہ ان دنوں مسلسل بغاوتوں سے سلطان محمد خان زیادہ فکر مند ہو گیا تھا اور اسی لیے وہ اور بھی زیادہ اس حکمت عملی پر عمل کرنا ضروری سمجھتا تھا کہ قیصر یا دوسرے عیسائیوں سے

لڑائیاں نہ چھیڑی جائیں۔ چنانچہ اس نے قیصر کی بات کو منظور کر لیا اور مصطفیٰ باغی کے قید و بند رکھنے کے معاوضہ میں ایک مناسب رقم بھجوانی بھی منظور کر لی۔ اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد بھی سلطان محمد خان کو مصطفیٰ باغی کا زیادہ خیال رہا اور اس نے قسطنطنیہ کے قیصر سے اپنے تعلقات کو زیادہ خوشگوار و استوار بنانا ضروری سمجھ کر خود قسطنطنیہ جانے کا قصد کیا جبکہ وہ ایشیائے کوچک سے دردانیال کو عبور کر کے گیلی پولی ہوتا ہوا ایڈریانوپل کو آ رہا تھا۔ قیصر قسطنطنیہ نے سلطان محمد خان کی آمد کا حال سن کر بڑی آؤ بھگت کیا اور اس کا نہایت شاندار استقبال کر کے قسطنطنیہ میں لایا۔ یہاں سلطان و قیصر میں دوبارہ عہد نامہ دستی کی تجدید ہوئی۔ اس کے بعد سلطان کو پھر گیلی پولی کی طرف جانا پڑا' جہاں سنہ ۸۲۵ھ میں سلطان محمد خان کا سکتہ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا۔

سلطان محمد خان کے عہد پر تبصرہ: سلطان محمد خان جنگ انگورہ کے وقت ۲۷ سال کی عمر رکھتا تھا۔ جنگ انگورہ کے بعد وہ ایشیائے کوچک کے قصبہ اماسیہ میں خود مختار حاکم بنا اور بھائیوں سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ گیارہ سال تک وہ بھائیوں کے ساتھ زور آزمائی میں مصروف رہ کر سب پر غالب اور مطلق العنان فرمانروا عثمانی سلطنت کا بن گیا۔ آٹھ سال تک اس نے بحیثیت سلطان حکومت و فرمانروائی کی۔ اس کا عہد حکومت فتنوں اور فسادیوں سے لبریز تھا۔ اس نے ایسی معتدل اور مفید حکمت عملی اختیار کی' جس سے سلطنت عثمانیہ' جو قریب المرگ ہو چکی تھی' پھر تندرست اور مضبوط ہو گئی۔ اسی لیے بعض مورخین نے اس کو نوح کا لقب بھی دیا ہے یعنی اس نے سلطنت عثمانیہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچا کر نجات کے ساحل پر لگا دیا۔

سلطان محمد خان اول سب سے پہلا عثمانی سلطان ہے جس نے اپنے شاہی خزانہ سے ایک معقول رقم خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے باشندوں کے لیے مخصوص کی جو سالانہ برابر مکہ مکرمہ میں پہنچ کر مستحقین میں تقسیم اور خانہ کعبہ کی حفاظت و نگرانی کے کاموں میں صرف ہوتی تھی۔ اسی لیے معتضد باللہ عباسی خلیفہ مصر نے اس سلطان کو خادم الحرمین شریفین کا خطاب دیا' جس کو اس سلطان نے اپنے لیے موجب عزت و افتخار تصور کیا۔ اسی خطاب نے آئندہ ایک زمانے میں ترقی کر کے عثمانیوں کو خلیفۃ المسلمین بنا کر چھوڑا۔

وفات کے وقت سلطان محمد خان کی عمر ۴۷ سال کی تھی۔ اس کا بڑا بیٹا مراد خان ثانی جس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ ایشیائے کوچک میں ایک فوج کی سپہ سالاری پر مامور تھا۔ وزرائے سلطنت نے چالیس روز تک سلطان محمد خان کی وفات کو چھپایا اور مراد خان ثانی کے پاس فوراً خبر پہنچی کہ تم بلاتامل دارالسلطنت میں پہنچ کر مراسم تخت نشینی ادا کرو۔ چالیس روز کے بعد سلطان کی لاش کو گیلی پولی سے

بروصہ میں لا کر دفن کیا گیا۔

سلطان محمد خان ثانی: سلطان مراد خان ثانی سنہ ۸۰۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بمقام دارالسلطنت ایڈریانوپل (ادرنہ) باقاعدہ تخت سلطنت پر جلوس کیا اور ارکین سلطنت نے اطاعت و فرماں برداری کی بیعت کی۔ اس نوجوان سلطان کو تخت نشین ہوتے ہیں مشکلات و خطرات سے سابقہ پڑا یعنی قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ نے سلطان محمد خان کے فوت ہونے کی خبر سنتے ہی اپنے قیدی مصطفیٰ کو اپنے سامنے بلا کر اس سے اس بات کا اقرار نامہ لکھایا کہ اگر میں سلطنت عثمانیہ کا مالک ہو گیا تو بہت سے مضبوط قلعے اور صوبے (جن کی اقرار نامہ میں تفصیل درج تھی) قیصر قسطنطنیہ کے سپرد کردوں گا اور ہمیشہ قیصر کا ہوا خواہ رہوں گا۔ اس کے بعد قیصر قسطنطنیہ نے اپنے جہازوں میں اس کے ساتھ ایک فوج سوار کرا کر سب کو سلطنت عثمانیہ کے یورپی علاقے میں اتار دیا تا کہ وہ سلطان مراد خان کے خلاف ملک پر قبضہ کرے۔ چونکہ یہ مصطفیٰ اپنے آپ کو سلطان محمد خان کا بھائی اور بایزید یلدرم کا بیٹا بتاتا تھا اور اس کے دعوے کی تصدیق یا تکذیب میں ترک متردد تھے۔ لہذا بہت سے عثمانی سپاہی اس سے آملے اور اس کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اس نے شہروں پر شہر فتح کرنے شروع کر دیئے۔ مراد خان نے جو فوج اس کے مقابلے کو بھیجی اس کا اکثر حصہ مصطفیٰ سے آملا اور شکست کھا کر بھاگ آیا۔ اس کے بعد سلطان مراد نے اپنے سپہ سالار بایزید پاشا کو ایک معقول جمعیت کے ساتھ اس باغی کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا لیکن معرکہ جنگ میں بایزید پاشا مارا گیا اور مراد کی فوج کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ اس فتح و فیروزی کے بعد مصطفیٰ کی ہمت بڑھ گئی اور اس نے یہی مناسب سمجھا کہ میں پہلے تمام ایشیائے کوچک پر قابض ہو جاؤں کیونکہ یورپی علاقے میں اس کو توقع تھی کہ قیصر قسطنطنیہ اور مغربی حدود کے عیسائی سلاطین سے مجھ کو مراد خان کے خلاف ضروری امداد ملے گی اور ایشیاء پر قابض ہونے کے بعد یورپی علاقے سے مراد خان کا بے دخل کرنا بہت آسان ہوگا۔ چنانچہ اس نے آبنائے کو عبور کر کے ایشیائے کوچک میں تاخت و تاراج شروع کر دی۔ مراد خان ثانی نے ان خطرناک حالات کو دیکھ کر تامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر بذات خود مصطفیٰ کا تعاقب کرنا ضروری سمجھا اور فوراً ایشیائے کوچک میں پہنچ کر اس کو شکست دینے میں کامیاب ہوا۔ مراد خان کے میدان جنگ میں آتے ہی ترکی سپاہی جن کو اس عرصہ میں مصطفیٰ کے دعوے میں جھوٹ اور افترا کا یقین ہو گیا تھا' اس کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر مراد خان کے پاس آنے لگے۔ مصطفیٰ اپنی حالت نازک دیکھ کر ایشیائے کوچک سے بھاگا اور گیلی پولی میں آکر تحصیلی وغیرہ پر قابض ہو گیا۔ مراد خان بھی اس کے پیچھے گیلی پولی پہنچا۔ یہاں معرکہ میں اس کو شکست فاش دے کر اس کی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ مصطفیٰ یہاں سے ایڈریانوپل کی طرف بھاگا تا کہ دارالسلطنت پر قابض

ہو جائے مگر ایڈریانوپل میں وہ گرفتار کر لیا گیا اور شہر کے ایک برج میں پھانسی پر لٹکا کر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

اس کے بعد سلطان مراد خان نے جینوا کی ریاست سے جو قیصر قسطنطنیہ سے رقابت رکھتی تھی' دوستی کا عہد نامہ کیا اور قسطنطنیہ پر اس لیے چڑھائی کی تیاریاں کیں کہ قیصر قسطنطنیہ نے ہی مصطفیٰ باغی سے یہ فتنہ برپا کرایا تھا۔ قیصر پولیولوگس والی قسطنطنیہ نے جب یہ سنا کہ سلطان مراد خان ثانی قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے تو اس کو بہت فکر پیدا ہوئی اور اس نے اس فوری مصیبت کو ملتوی کرنے کے لیے قسم قسم کی تدابیر سوچیں۔ مینڈھے لڑانے اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوتیں برپا کرا دینے میں اس کو بہت کمال حاصل تھا اور اسی تدبیر سے وہ عثمانیہ سلطنت کو مشکلات میں مبتلا رکھ کر اپنی حکومت کو اب تک بچائے ہوئے تھا مگر اس مرتبہ وہ بجز اس کے اور کچھ نہ کہہ سکا کہ اس نے اپنے سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کیے تا کہ قصور کی معافی طلب کر کے آئندہ صلح نامہ درج کر کرے۔ لیکن سلطان مراد خان نے ان سفیروں کو نہایت حقارت کے ساتھ واپس کر دیا اور اپنے دربار میں باریاب نہ ہونے دیا۔

اس کے بعد شروع جون سنہ ۱۴۲۲ء مطابق سنہ ۸۲۵ھ میں بیس ہزار فوج لے کر سلطان مراد خان ثانی قسطنطنیہ کے سامنے آ موجود ہوا۔ بڑی سختی اور شدت سے شہر کا محاصرہ کیا گیا۔ خلیج قسطنطنیہ پر لکڑی کا ایک پل تیار کر کے محاصرہ کو مکمل کیا۔ شہر قسطنطنیہ کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا مگر سلطان مراد خان نے ایسے عزم و ہمت سے کام لیا اور محاصرہ میں سرنگوں، منجنیقوں، دمدموں، متحرک میناروں کو اس طرح کام میں لایا کہ دم بدم فتح کی امید یقین سے تبدیل ہونے لگی۔ اس دوران محاصرہ میں قیصر بھی بے فکر نہ تھا۔ اس نے ایک طرف تو مدافعت میں ہر قسم کی کوشش شروع کی اور دوسری طرف ایشیائے کوچک میں فساد برپا کرانے اور مراد خان ثانی کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا۔ قسطنطنیہ کے فتح ہونے میں ہفتوں نہیں بلکہ دنوں اور گھنٹوں کی دیر رہ گئی تھی کہ مراد خان ثانی کو محاصرہ اٹھا کر اور اب تک کی تمام کوشش کو بلا نتیجہ چھوڑ کر اسی طرح ایشیائے کوچک کی طرف جانا پڑا جس طرح کہ اس کا دادا بایزید خان یلدرم عین وقت پر قسطنطنیہ سے محاصرہ اٹھا کر ایشیائے کوچک کی طرف تیمور کے مقابلہ کو روانہ ہو گیا تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلطان محمد خان جب فوت ہوا تو اس نے چار بیٹے چھوڑے تھے' جن میں دو تو بہت ہی کم عمر اور چھوٹے بچے تھے اور دو نوجوان کہے جا سکتے ہیں جن میں ایک سب سے بڑا مراد خان ثانی تھا' جس کی عمر ۱۸ سال اور دوسرا مصطفیٰ نامی تھا جس کی عمر باپ کی وفات کے وقت پندرہ سال تھی۔ مراد خان ثانی نے تخت نشین ہو کر اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کو تو بروصہ میں پرورش پانے کے لیے بھیج دیا تھا' جہاں ان کی لیے تعلیم و تربیت اور راحت و آرام کا ہر ایک سامان موجود کر دیا تھا

اور تیسرے بھائی مصطفیٰ کو جو مراد ثانی سے تین سال عمر میں چھوٹا تھا ایشیائے کوچک میں بطور عامل یا بطور سپہ سالار عزت کے ساتھ مامور کیا تھا۔ مراد ثانی جب اپنے فرضی چچا مصطفیٰ کے فتنے کو فرو کر چکا اور مصطفیٰ ایڈریانوپل میں پھانسی پا چکا تو قیصر پلولوگس نے اس دوسرے مصطفیٰ پر ڈورے ڈالنے شروع کیے اور اپنے جاسوسوں اور لائق سفیروں کے ذریعہ مراد ثانی کے بھائی مصطفیٰ کو مسلسل یہ توقع دلاتا رہا کہ میں تم کو زیادہ مستحق سلطنت سمجھتا ہوں اور اگر تم سلطنت کے مدعی بن کر کھڑے ہو جاؤ تو تمہاری ہر ایک قسم کی امداد کو موجود ہوں۔ ادھر اس نے ایشیائے کوچک کے سلجوقی سرداروں کو جواب تک قونیہ اور دوسرے شہروں میں سلطنت عثمانیہ کے جاگیرداروں کی حیثیت سے موجود اور خاندان سلطنت سے رشتہ داریاں بھی رکھتے تھے۔ مراد ثانی کے خلاف اور مصطفیٰ خان برادر مراد خان کی اعانت پر آمادہ کرنے کی خفیہ تدبیریں جاری کر دی تھیں۔ آخر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا۔

مصطفیٰ خان نے سلجوقی امیروں کی امداد سے خروج کر کے علم بغاوت بلند کیا اور ٹھیک اس وقت جبکہ ادھر مراد خان قسطنطنیہ کو فتح کرنے والا تھا' مصطفیٰ خان نے ایشیائے کوچک کے بہت سے شہروں اور ضروری مقاموں پر قبضہ کر کے بروصہ کے حاکم پر بروصہ میں محاصرہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر کہ ایشیائے کوچک کی فوج باغی ہو کر مصطفیٰ کے ساتھ شامل ہو گئی اور ایشیائے کوچک قبضہ سے نکلا جاتا ہے' مراد ثانی سراسیمہ ہو گیا اور فوراً محاصرہ اٹھا کر اور مصطفیٰ کا تدارک ضروری سمجھ کر ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوا۔ مراد خان ثانی کے ایشیائے کوچک میں پہنچتے ہی فوج کے اکثر سپاہی مصطفیٰ خان کا ساتھ چھوڑ کر مراد خان کے پاس چلے آئے۔ مراد خان کی فوج نے مصطفیٰ خان کو شکست دے کر قتل کر دیا اور اس طرح بہت جلد ایشیائے کوچک کا فتنہ قابو میں آ گیا۔ اس کے بعد قریباً ایک سال تک مراد خان نے ایشیائے کوچک میں مقیم رہ کر وہاں کے تمام سرکش امراء کو قرار واقعی سزائیں دے کر اپنی حکومت و سلطنت کو مضبوط بنایا۔ سنہ ۸۲۸ھ میں سلطان مراد خان ثانی ایشیائے کوچک سے یورپ کی طرف آیا تو قیصر قسطنطنیہ سے تیس ہزار ڈاکٹ سالانہ بطور خراج اور کئی اہم مقامات لے کر صلح کر لی اور دوبارہ قسطنطنیہ کا محاصرہ نہیں کیا۔ اس کے بعد سلطان مراد خان اپنی سلطنت کے اندرونی انتظام اور فلاح و بہبود رعایا کے کاموں میں مصروف رہا اور کسی عیسائی یا غیر عیسائی ریاست کو مطلق نہیں چھیڑا۔ ہاں اپنے عہد ناموں کی پابندی ان سے ضرور کراتا رہا۔

سنہ ۸۳۱ھ میں سرویا کا بادشاہ اسٹیفن جو سلطنت عثمانیہ کا باج گزار اور وفادار تھا' فوت ہوا۔ اس کی جگہ جارج برنیک وچ تخت نشین ہوا۔ سرویا کا یہ نیا بادشاہ جارج چونکہ اپنے پیش رو کی طرح مآل اندیش و سنجیدہ مزاج نہ تھا' اس لیے قیصر قسطنطنیہ کو اس طرف ریشہ دوانیوں کا موقع مل گیا اور وہ اندر ہی جارج اور ہنگری والوں کو سلطان مراد خان کے خلاف برانگیختہ کرنے میں مصروف رہا۔ ہنگری والے بھی

اب چونکہ نکوپولس کی شکست کے تلخ تجربہ کو بھول چکے تھے۔ لہذا وہ بھی عثمانی سلطنت کے خلاف تیاریاں کرنے لگے اور کئی سال تک ان تیاریوں کو سلسلے کو جاری رکھا۔ سلطان مراد خان ثانی نے سنہ ۸۳۴ھ میں جزیرہ زانٹی اور یونان کا جنوبی حصہ اور سالونیکا کا علاقہ فتح کر کے وینس والوں کو شکست فاش دی اور وینس کی ریاست نے نہایت ذلیل شرطوں پر دب کر سلطان سے صلح کر لی۔ وینس چونکہ بادشاہ قسطنطنیہ کا طرفدار تھا' اس لیے شاہ قسطنطنیہ کو اور بھی زیادہ ملال ہوا اور وہ اپنے سازشی کاموں میں پہلے سے دگنی توجہ کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ ادھر سلطان مراد نے تبدریج اپنے مقبوضات کو یورپ میں ترقی دینی شروع کی۔ البانیہ اور بوسنیا والوں نے بھی سرویا اور ہنگری کی طرح سلطان کے خلاف عیسائیوں کی سازش میں شرکت اختیار کی۔ سرویا اور رومانیہ کے شمال میں صوبہ ٹرانسلونیا کے عیسائیوں نے سنہ ۸۴۲ھ میں علم مخالفت بلند کیا تو سلطان نے اس طرف حملہ آور ہو کر ستر ہزار عیسائیوں کو میدان جنگ میں قید کیا اور اپنی قوت وسطوت کی دھاک بٹھا کر وہاں سے واپس ہوا۔ وہ ترکوں کو سخت مخالف اور دشمن تھا۔ اس کے تخت نشین ہونے سے عیسائیوں کی سازش کو بہت تقویت پہنچی۔ انہیں ایام میں مغربی یورپ کی بعض لڑائیوں میں شریک رہنے اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد جان ہنی ڈیز یا جان ہنی داس ایک شخص جو شاہ سجمنڈ کا ناجائز بیٹا تھا' ہنگری کی طرف واپس آیا۔ اس کا باپ سجمنڈ تھا اور اس کی ماں الزبتھ ماری نامی ایک حسین اور فاحشہ عورت تھی۔ ہنی داس نے ہنگری میں آ کر فوراً سپہ سالاری کا منصب حاصل کر لیا اور ترکوں کے خلاف فوجیں لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے صوبہ ٹرانسلونیا سے ترکوں کو خارج کر دیا۔ ترکی جرنیل مزید بیگ ہو اس نواح میں عامل ومنتظم تھا' مع اپنے بیٹے کے مارا گیا اور تیس ہزار ترکی فوج میدان میں کھیت رہی۔ جو ترک زندہ قید ہوئے تھے ان کے ساتھ ہنی داس نے یہ سلوک کیا کہ جب اس فتح کی خوشی میں ہنگری کے اندر ضیافتیں ہوتی تھیں' تو ضیافت کے موقع پر ان ترک قیدیوں کی ایک تعداد لے جا کر ان لوگوں کے سامنے قتل کی جاتی تھی جو اس خوشی کی تقریب میں شریک ہوتے تھے۔ اس طرح گویا خوشی کے جلسوں میں ان ترک قیدیوں کا قتل کرنا ایک دلچسپ سامان تفریح سمجھا گیا تھا۔ سلطان مراد خان کے پاس ادھر اس مذکورہ شکست کی خبر پہنچی۔ ادھر ایشیائے کوچک سے خبر آئی کہ قونیہ میں بغاوت کا جھنڈا بلند ہو گیا ہے جو سلطان کے لیے بے حد موجب خطر ہے۔ سلطان مراد خان نے ہنی داس اور ہنگریوں سے بدلہ لینے کے لیے اسی (۸۰) ہزار فوج دے کر اپنے ایک سپہ سالار کو روانہ کیا اور خود ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقعہ سنہ ۸۴۷ھ کا ہے۔

ترکوں کی اس فوج کو شکست دینے اور ترکوں کو براعظم یورپ سے نکالنے کے لیے یورپ میں اب کی مرتبہ ایسا جوش پیدا ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ ہنگری کا بادشاہ لیڈ سلاس اور ہنگری کا سپہ سالار ہنی داس اور اس قدر مشہور ہو گئے تھے اور ان کی بہادری کے افسانے اس طرح یورپ

میں ہر جگہ پہنچ گئے تھے کہ ہر ایک ملک کے عیسائی نے ان کی فوج میں شامل ہونے اور مجاہد کہلانے کا شوق ظاہر کیا۔ روما کے پوپ جان اور اس کے سفیروں کارڈنیل جولین نے مجاہدین کے تیار کرنے اور اپنے وعظوں سے عیسائیوں کو اس لڑائی میں شریک کرنے کی بے حد ترغیب دی۔ ہنگری' سرویا' والیشیا' پولینڈ' جرمنی' اٹلی' فرانس' آسٹریلیا' بوسنیا' البانیہ وغیرہ کی فوجیں ہنی داس کے جھنڈے کے نیچے آ کر جمع ہو گئیں۔ عثمانیوں کی فوج سے جب مقابلہ ہوا تو عیسائیوں کی اس بے شمار فوج نے ترکی کی فوج کو شکست دی۔ چار ہزار ترک گرفتار اور بہت سے شہید ہوئے ہنی داس نے تعاقب کر کے شہر صوفیہ پر قبضہ کر لیا اور تمام رومیلیا کو تاخت و تاراج کر کے اور بے شمار مال غنیمت اور قیدی لے کر اپنے ملک کو واپس ہوا۔ حالانکہ اس کے لیے بہت آسان تھا کہ وہ آگے بڑھ کر ایڈریانوپل پر قبضہ کر لیتا مگر ایڈریانوپل پر حملہ آور ہونے کی اس کو جرأت نہ ہوئی۔ سلطان مراد خان ثانی نے اس شکست اور اپنے علاقوں کی تباہی کا حال ایشیائے کوچک میں سنا۔ وہ بہت جلد سنہ ۸۴۷ھ میں ایشیائے کوچک کی بغاوت فرو کرنے کے بعد ایڈریانوپل میں آیا اور عیسائیوں سے انتقام لینے کی تدبیر سوچنے لگا۔ انہیں ایام میں سلطان کا بڑا بیٹا علاؤالدین فوت ہوا' جس سے سلطان کو سخت صدمہ پہنچا اور اس کا دل سلطنت و حکومت سے برداشتہ ہو گیا۔ گزشتہ جنگ میں سلطان کا بہنوئی محمد چلپی ہنی ڈیز (ہنی داس) کی لڑائی میں گرفتار ہو گیا تھا لہذا اس کی بہن اور دوسرے عزیزوں نے سلطان کو مجبور کیا کہ جس طرح ہو محمد چلپی کو آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ سلطان رخط و کتابت کا سلسلہ ہنگری والوں کے ساتھ جاری کرنا پڑا۔ آخر اسی سلسلہ خط و کتابت نے یہ صورت اختیار کی کہ سلطان صلح پر آمادہ ہو گیا۔ سرویا کی آزادی کو سلطان نے تسلیم کر لیا۔ وہاں کے بادشاہ جارج کو بادشاہ مان کر اپنے حقوق شہنشاہی اس پر سے اٹھا لئے۔ والیشیا کا صوبہ ہنگری کو دے دیا اور ساٹھ ہزار ڈاکٹ زر فدیہ بھیج کر محمد چلپی کو قید سے آزاد کرایا۔ یہ عہد نامہ ہنگری اور ترکی دونوں زبانوں میں لکھا گیا۔ سلطان مراد خان ثانی اور رلیڈ سلاس بادشاہ ہنگری کے اس پر دستخط ہوئے اور دونوں بادشاہوں نے قسمیں کھائیں کہ اس عہد نامہ کی پابندی کو احکام مذہبی کی طرح ضروری سمجھیں گے۔ دریائے ڈینوب اس عہد نامہ کے بموجب سلطان کی عمل داری کی حد مقرر کیا گیا۔ اس طرح ۱۲/ جولائی سنہ ۱۴۴۴ء مطابق سنہ ۸۴۸ھ کو دس برس کے لیے سلطان مراد خان ثانی اور عیسائیوں کے درمیان صلح قرار پا گئی۔ اس صلح نامہ کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہی سلطان مراد خان نے یہ سمجھ کر کہ اب دس سال کے لیے امن و امان قائم رہے گا۔ نیز اپنے بیٹے کی وفات کے سبب افسردہ خاطر ہو کر سلطنت کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے دوسرے بیٹے محمد خان کو ایڈریانوپل میں تخت نشین کیا۔ محمد خان چونکہ بہت ہی نوعمر تھا۔ اس لیے تجربہ کار اور بہادر وزیروں اور سپہ سالاروں کو اس کا مشیر بنایا اور خود ایشیائے کوچک میں جا کر درویشوں اور زاہدوں کی مجلس میں شریک ہوا اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

سلطان مراد خان ثانی خان کی تخت سلطنت سے دست برداری اور ایک نوعمر شہزادے محمد خان کی تخت نشینی کا حال سن کر عیسائیوں کے دہان حرص میں پانی بھر آیا اور انہوں نے اس موقع کو بہت ہی مناسب اور غنیمت سمجھ کر عہد شکنی پر آمادگی ظاہر کی اور ارادہ کیا کہ ترکوں کی نسلوں کو اس وقت یورپ سے نیست و نابود کر دیا جائے ہنگری کا بادشاہ لیڈ سلاس جس نے ابھی چند روز ہوئے قسم کھائی تھی اور عہد نامہ پر دستخط کر کے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس کی پابندی مذہبی احکام کی طرح کروں گا' عہد شکنی پر متامل تھا لیکن پوپ اور اس کے نائب کارڈنل جولین نے اس کو یقین دلا کر کہ مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کو نباہنا گناہ ہے اور عہد شکنی موجب ثواب ہوگی' اس کو آمادہ کر لیا۔ ادھر ہنی داس سپہ سالار ہنگری بھی اس قدر جلد عہد نامہ کے توڑنے کو موجب رسوائی سمجھتا تھا لیکن اس کو دربار ہنگری کی طرف سے لالچ دیا گیا کہ بلگیریا کو فتح کر کے تم کو وہاں کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ بھی رضامند ہو گیا۔ ابھی صلح نامہ کو لکھے ہوئے ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ اس کے توڑنے پر عیسائی متفق ہو گئے۔ سرویا سے ترک سپاہی عہد نامہ کی شرائط کے موافق جا رہے تھے اور سرویا کا تمام علاقہ ترکی سپاہ سے خالی ہو رہا تھا۔ اس تخلیہ کا چند روز انتظار کیا گیا اور عہد نامہ کی تحریر سے پورے پچاس دن کے بعد یکم ستمبر سنہ ۱۴۴۴ء مطابق سنہ ۸۴۸ھ کو ہنگری کی فوج نے بڑھ کر بے خبر ترکی سرحدی چوکیوں کی فوج پر حملہ کیا اور بلگیریا کے راستے بحر اسود کے کنارے پہنچ کر وہاں سے جنوب کی جانب متوجہ ہو کر شہر دارنا کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر دارنا کو ہنی داس نے فتح کر لیا۔ اس سے پہلے راستے میں جس قدر ترکی فوجیں سد راہ مقتول و مغلوب ہوتی رہیں اور تمام علاقے میں عیسائیوں نے بڑی بے رحمی اور سفاکی مسلمانوں کے قتل عام میں دکھائی۔ عیسائیوں کی اس فوج کشی او رعہد شکنی کا حال فوراً ایشیائے کوچک میں سلطان مراد ثانی سے جو ترک سلطنت کے بعد گوشہ نشین ہو چکا تھا' جا کر بیان کیا گیا اور اس سے استدعا کی گئی کہ آپ گوشہ عزلت سے قدم باہر نکالیں اور سلطنت عثمانیہ کی بچائیں۔ چنانچہ مراد خان ثانی بلا تامل ایڈریا نوپل پہنچا اور وہاں سے ورنا کی طرف روانہ ہوا۔ عیسائی فتح مند لشکر دارنا کے قریب میدان میں خیمہ زن تھا اور اپنی فتح مقصدوری کا اس کو کامل یقین تھا کہ ہنی داس کے مخبروں سے آ کر اس کو خبر سنائی کہ سلطان مراد خان گوشہ عزلت سے نکل کر اور چالیس ہزار بہادر سپاہیوں کے لے کر خود مقابلہ پر آ پہنچا اور یہاں سے چار میل کے فاصلہ پر آ کر خیمہ زن ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی ہنی داس اور شاہ ہنگری نے مجلس مشورت منعقد کی اور اس کے بعد صفوف جنگ کی آراستگی میں مصروف ہو گئے۔ عیسائیوں کی فوج کے میسرہ میں ولیشیاہ کی فوج تھی۔ ہنگری کے انتخابی سپاہی میمنہ پر مامور کیے گئے۔ کارڈنل جولین کے زیر اہتمام عیسائی مجاہدین کا ایک لشکر عظیم تھا۔ بادشاہ ہنگری اپنے ملک کے سرداروں اور بہادر سواروں کے ساتھ قلب لشکر میں تھا۔ پولینڈ کی فوج سب سے پیچھے ایک مشہور بشپ کے زیر کمان تھی۔ ہنی داس اس تمام لشکر عظیم کا سپہ سالار اعظم تھا۔ سلطان مراد خان ثانی نے

بھی اپنے میمنہ و میسرہ کو درست کیا اور اس صلح نامہ کی نقل کر کے نیزہ کی نوک پر رکھ کر اپنا علم بنایا جو شاہ ہنگری نے لکھ کر سلطان مراد خان کو دیا تھا۔ ۱۰/ نومبر کو دارنا کے میدان میں یہ لڑائی شروع ہوئی جبکہ دو مہینے اور دس روز عیسائیوں کو عہد نامہ توڑے اور سلطنت عثمانیہ کے شہروں کو برباد کرتے ہوئے گزر چکے تھے۔ ہنی داس نے داہنی طرف سے عثمانی فوج کے ایشیائی دستوں پر اس زور شور کا حملہ کیا کہ ترکی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دوسری طرف والیشیا والوں نے بھی اسی طرح پر جوش حملہ کیا اور عثمانی فوج کا دوسرا بازو بھی قائم نہ رہ سکا۔ سلطان مراد خان ثانی جو اپنی رکابی فوج کے ساتھ پشت لشکر پر کھڑا یہ رنگ دیکھ رہا تھا' سخت مضطرب ہوا۔ اسی اثناء میں ہنگری کا بادشاہ لیڈ سلاس نے قلب عثمانی پر نہایت سخت حملہ کیا اور صفوں کو چیرتا ہوا اس مقام تک پہنچ گیا جہاں سلطان مراد خان ابھی تک اپنی جگہ پر قائم اور اپنی فوج کے دستوں کی ہزیمت اور عیسائیوں کے زبردست حملوں کو پریشانی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ سلطان کو اپنی شکست فاش کا کامل یقین ہو چکا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ گھوڑا بھگا کر میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر بھاگے یا دشمنوں کے لشکر پر حملہ آور ہو کر جام شہادت نوش کرے کہ سامنے سے لیڈ سلاس شاہ ہنگری سلطان کو بڑے کبر و نخوت کے ساتھ للکارتا ہوا نمودار ہوا۔ سلطان نے فوراً کمان میں ایک تیر جوڑ کر مارا جس سے شاہ ہنگری کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا اور ینگ چری فوج کی ایک بوڑھے سپہ سالار خواجہ خیر نے آگے بڑھ کر لیڈ سلاس کا سر کاٹ لیا اور ایک نیزہ کی انی پر رکھ کر اس عہد نامہ کے ساتھ ہی بلند کر دیا۔ شاہ ہنگری کے اس کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر عیسائی لشکر میں ابتری اور ہلچل پیدا ہو گئی اور وہ ترک جو پسپا ہوتے چلے جا رہے تھے' اب ہمت کر کے آگے بڑھنے لگے۔ ہنی داس نے اس سر کو دیکھ کر اس کے چھیننے کی کوشش میں کئی زبردست حملے سلطانی لشکر کے اس حصے پر کئے جہاں شاہ ہنگری کا وہ سر نیزہ پر رکھا ہوا تھا مگر اس کو ہر مرتبہ شکست ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے عیسائیوں سے میدان خالی کرا لیا اس لڑائی میں کارڈنل جولین بھی جو پوپ کا نائب اور عیسائی مجاہدین کا سپہ سالار اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا' مارا گیا۔ بشپ اور دوسری تمام سردار بھی اس لڑائی میں مقتول ہوئے۔ صرف ایک ہنی داس اپنی جان بچا کر میدان سے بھاگا۔ ہنگری کی تمام فوج ترکوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئی۔

اس فتح مبین کے بعد عثمانی فوج نے سرویا کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا۔ اسی طرح بوسنیا بھی مفتوح اور وہاں کا شاہی خاندان نیست و نابود ہو کر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوا۔ عیسائیوں کی اس عہد شکنی کا بعض عیسائی خاندانوں پر یہ اثر پڑا کہ سرویا اور بوسنیا میں بہت سے عیسائی خود بخود مسلمان ہو گئے۔ سلطان مراد خان نے اپنی طرف سے مذہب کے معاملے میں کسی کو مجبور نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنی تمام تر عیسائی رعایا کو مثل دوسرے سلاطین عثمانی کے وہی آزادانہ حقوق دے رکھے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔

چند مہینے کی کوشش کے بعد سلطان مراد ثانی نے عیسائی باغیوں کو قرار واقعی سزائیں دے کر حدود سلطنت کو پہلے سے زیادہ وسیع اور مضبوط کر کے دوبارہ خلوت نشینی اور زہد و عبادات اختیار کر کے اپنے بیٹے محمد خان کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ محمد خان کے دوبارہ تخت نشین ہونے کے بعد ینگ چری فوج نے اپنی تنخواہوں اور وظیفوں کا مطالبہ کیا اور جب ان کے اس نامناسب مطالبہ کو پورا کرنے میں پس و پیش ہوا تو انہوں نے بغاوت کی دھمکیاں دینی شروع کیں اور لوٹ مار پر اتر آئے۔ اس طرح فوج کے خودسر ہونے سے سلطنت عثمانیہ میں دوبارہ سخت خطرناک اور نہایت پیچیدہ حالات پیدا ہو گئے۔ اراکین سلطنت نے یہ رنگ دیکھ کر دوبارہ سلطان مراد خان کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ بغیر آپ کی توجہ کے حالات درست نہ ہوں گے۔ چنانچہ سلطان مراد خان کو مجبوراً پھر اپنے خلوت خانے سے نکلنا اور ایشیائے کوچک سے ایڈریانوپل آنا پڑا۔ یہ سنہ ۸۴۹ھ کا واقعہ ہے۔ جب سلطان مراد ثانی ایڈریانوپل پہنچا تو فوج اور رعایا نے اس کا نہایت شاندار اور پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس مرتبہ تخت نشین ہو چکا تھا' ایشیائے کوچک میں اس لیے بھیج دیا کہ وہ وہاں رہ کر سلطنت کے متعلق زیادہ تجربہ حاصل کرے۔ تخت پر جلوس فرمانے کے بعد سلطان مراد خان نے بغاوت و سرکشی کے اماموں کو خوب سزائیں دیں اور ملک کے نظم و نسق میں مصروف ہو کر اب تیسری مرتبہ تخت کا چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ مراد ثانی نے اس مرتبہ عنان سلطنت ہاتھ میں لے کر عیسائیوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع نہ دیا لیکن بلاوجہ اس نے کسی کو ستایا بھی نہیں۔ شاہ قسطنطنیہ اگرچہ اپنی شرارتوں اور فساد انگیزیوں کے سبب عثمانیوں کا سب سے بڑا دشمن اور سب سے زیادہ منبع فساد تھا اور ساتھ ہی اس کا قلع قمع کر دینا بھی مراد کے لیے کچھ زیادہ دشوار نہ تھا۔ لیکن اس نے اس کے حال پر رہنے دیا اور کوئی تعرض نہیں کیا۔ سنہ ۸۵۲ھ میں ہنی واس مذکور نے عیسائی فوجیں فراہم کر کے ترکوں کے استیصال کی تیاریاں کیں اور اسی طرح عیسائی فوجیں فراہم ہوئیں جیسے کہ اس سے پہلے کئی مرتبہ ترکوں کے خلاف جمع ہو چکی تھیں۔ اس مرتبہ مقام کسووا میں معرکہ عظیم برپا ہوا اور سلطان مراد ثانی نے اپنے اس پرانے حریف کو تین دن کی لڑائی کے بعد شکست فاش دے کر بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا اور سلطنت عثمانیہ کی وسعت میں اور اضافہ ہوا۔

اس کے بعد سلطان مراد خان ثانی کا بہت سا وقت البانیہ کا فساد مٹانے میں صرف ہوا لیکن وہ اپنی وفات یعنی سنہ ۸۵۵ھ تک اس فساد کا بکلی استیصال نہ کر سکا۔ البانیہ کے اس فساد کا حال اس طرح ہے کہ صوبہ البانیہ کو اگرچہ ترکوں نے بہت عرصہ پہلے فتح کر لیا تھا مگر صوبہ پر وہیں کا قدیم فرمانروا خاندان حکومت کرتا تھا جو ترکوں کا خراج گزار اور ہر طرح ماتحت تھا۔ جان کسٹرائٹ والی البانیہ نے سلطان مراد خان ثانی کے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے آپ کو مورد الطاف سلطانی بنانے کے لیے اپنے چار خورد سال بیٹے سلطان کی خدمت میں اس لیے بھیج دیئے تھے کہ وہ بطور یرغمال سلطان کے پاس رہیں

اور سلطان ان کو اپنی ینگ چری فوج میں داخل کرنے کے لیے تربیت دے۔ ایڈریانوپل کی تربیت گاہ میں اتفاقاً تین چھوٹے لڑکے بیمار ہو کر مر گئے۔ یہ خبر سن کر جان کسٹرائیٹ والی البانیہ نے اپنے بیٹوں کے اس طرح فوت ہونے کو شبہ کی نظر سے دیکھا اور سلطان کو لکھا کہ میرے بیٹوں کو ممکن ہے کہ کسی میرے دشمن نے زہر دیا ہو۔ سلطان مراد خان ثانی کو بھی ملال ہوا اور چوتھے لڑکے کو جو سب سے بڑا تھا اور جس کا نام جارج کسٹرائیٹ تھا' بہ نظر احتیاط خاص اپنے سلطانی محل میں پرورش دینے لگا۔ سلطان کو اس کا بہت خیال رہتا تھا۔ چنانچہ اس کو بطور ایک اسلامی بچہ کے شہزادوں کی طرح تربیت دی گئی۔ جب یہ لڑکا جارج کسٹرائیٹ اٹھارہ سال کا ہو گیا تو سلطان نے اس کو ایک فوجی دستہ کی سرداری سپرد کی۔ اس نے نہایت ہوشیاری اور خوبی کے ساتھ اپنی مفوضہ خدمات کو انجام دیا۔ اب وہ ایک پرجوش مسلمان سردار تھا۔

سلطان نے جارج کسٹرائیٹ کا نام سکندر بیگ رکھا اور وہ سکندر بیگ اور لارڈ سکندر بے کے نام سے مشہور ہوا۔ سنہ ۸۳۶ھ میں اس کے باپ کسٹرائیٹ کا البانیہ میں انتقال ہوا۔ اس وقت سکندر بیگ سلطانی خدمات اور بعض اضلاع کی حکومت پر مامور تھا۔ سلطان نے اس کو باپ کی جگہ فرماں روائے البانیہ مقرر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ البانیہ کے حاکم کی حیثیت سے بہت زیادہ اچھی حالت میں تھا۔ سلطان کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتا اور وہ بڑے بڑے صوبوں کی فرماں روائی پر سلطان کی طرف سے مامور رہتا تھا۔ سلطان مراد خان ثانی کو کبھی بھول کر بھی اس بات کا خیال نہ آتا تھا کہ سکندر بیگ کسی وقت بغاوت و سرکشی پر بھی آمادہ ہو سکتا ہے۔ لیکن سنہ ۸۴۷ھ میں ترکی فوج کو جب ہنی واس کے مقابلے میں شکست حاصل ہوئی تو سکندر بیگ نے اپنے آبائی ملک البانیہ پر بزور قبضہ کر لینے کا مصمم ارادہ کیا اور یکایک سلطانی میر منشی کے خیمے میں گھس گیا اور اس کے گلے پر تلوار رکھ کر اس سے زبردستی البانیہ کے صوبہ دار کے نام اس مضمون کا فرمان لکھایا کہ تم سکندر بیگ کو جو سلطان کی طرف سے بطور وائسرائے تمہارے پاس پہنچتا ہے' البانیہ کے دارالسلطنت اور تمام علاقے کا چارج دے دو۔ یہ فرمان لکھا کر اور مہر سلطانی سے بھی مزین کرا کر اس میر منشی کو قتل کر دیا اور وہاں سے نکل کر سیدھا البانیہ کے دارالسلطنت کے طرف چل دیا۔ وہاں کے صوبہ دار نے بلا تامل اس کو البانیہ کی حکومت سپرد کر دی اور رعایا نے اطاعت قبول کر لی۔ البانیہ پر اس طرح قابض ہونے کے بعد اس نے باشندگان البانیہ میں اعلان کیا کہ میں دین اسلام سے مرتد ہو کر دین عیسوی قبول کرتا ہوں اور آئندہ تمام تر کوشش اس امر میں صرف کروں گا کہ اپنے ملک کو ترکوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ جس قدر ترک وہاں موجود تھے' عیسائیوں نے سب کو قتل کر ڈالا اور سکندر بیگ البانیہ کا خود مختار فرمانروا بن گیا۔ سکندر بیگ نے چونکہ خاص سلطانی محل میں رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ جنگی تربیت حاصل کی تھی اور سلطانی قرب نے اس کو ذی حوصلہ اور باہمت

بنادیا تھا' شہزادوں کی طرح رہنے کے سبب وہ ترکوں کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ خود نہایت ذہین وذکی اور جری بھی تھا۔ نیز البانیہ کے پہاڑی ملک ہونے کے سبب وہاں کے راستے بھی چونکہ سخت دشوار گزار تھے اور حملہ آور فوج کا اس ملک میں داخل ہونا آسان کام نہ تھا۔ ان سب وجوہات نے جمع ہو کر سکندر بیگ کو البانیہ میں فرماں روا بنادیا۔

ادھر سلطان مراد خان ثانی کو دوسری مصروفیات سے ایسی فرصت نہیں ملی کہ وہ اپنی مکمل توجہ کے سات اس کی استیصال پر آمادہ ہوتا۔ کئی مرتبہ البانیہ پر چڑھائیاں ہوئیں لیکن سکندر بیگ کی غیر معمولی بہادری اور غیر معمولی قابلیت جنگی کے سبب سلطانی فوجوں کو ناکام واپس آنا پڑا۔ سکندر بیگ نے البانیہ میں سلطانی فوج کے مقابلے میں ایسی ایسی حیرت انگیز بہادریاں دکھائیں اور اپنے آپ کو ایسا قابل جرنیل ثابت کیا کہ خود ترکوں کی بہادر قوم نے اس کی بہادری وقابلیت جنگی کا اعتراف کیا۔ سلطان مرادا خان ثانی کے عہد حکومت میں وہ مغلوب واسیر نہ ہو سکا اور البانیہ کے پہاڑوں نے اس کی خوب امداد اعانت کی۔ لیکن جب سنہ ۸۷۲ھ میں وہ وینس کے علاقے میں جا کر مر گیا تو ترکی سپاہیوں نے اس کی قبر کھود کر اس کی ہڈیوں کے ٹکڑوں کو محض اس لیے تلاش کیا کہ ان کو بطور تعویذ گلے میں ڈالا جائے تاکہ ویسی ہی بہادری اور جنگی قابلیت اس کی ہڈیوں کے اثر سے ہم میں پیدا ہو سکے۔ سلطان مراد نے چونکہ اس کو بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ اس لیے وہ سکندر بیگ کا قتل یا بربادی نہیں چاہتا تھا اور سلطان کو توقع تھی کہ وہ کسی وقت راہ راست پر آ کر اطاعت وفرماں برداری اختیار کرے گا۔ سلطان کی وفات کے بعد جب سلطان محمد خان ثانی تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ بھی سکندر بیگ کو بھائیوں کی طرح عزیز رکھتا تھا' اس لیے اس نے سکندر بیگ سے صلح کر کے اس کو البانیہ کا حاکم تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن سمندر بیگ نے جب پھر بھی بغاوت اختیار کی تو سلطان محمد خان ثانی نے حملہ آور ہو کر البانیہ کو فتح کر لیا اور سکندر ریاست وینس کے علاقے میں چلا گیا جہاں اس کا سنہ ۸۷۲ھ میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد البانیہ سلطنت عثمانیہ کا صوبہ تھا۔

سکندر بیگ کا چونکہ ذکر آ گیا تھا اس لیے اس کو یہیں ختم کر دیا گیا۔ سلطان مراد خان ثانی نے سنہ ۸۵۵ھ میں وفات پائی اور لاش بروصہ میں لے کر دفن کی گئی۔ اس سلطان نے تیس سال حکومت کی۔ اس سلطان کے عہد حکومت میں بھی بڑے بڑے عظیم الشان واقعات رونما ہوئے اور بحیثیت مجموعی سلطنت عثمانی کی بنیادیں پہلے سے زیادہ استوار ہو گئیں۔ یہ سلطان بہت نیک' اللہ تعالیٰ کو پوجنے والا اور رحم دل تھا۔

سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ: سلطان مراد خان کی وفات کے وقت اس کا بیٹا محمد

خان ایشیائے کوچک میں تھا' جس کی عمر اس وقت اکیس سال چند ماہ کی تھی۔ اس سے پیشتر محمد خان ثانی دو مرتبہ جبکہ اس کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی' باپ کی زندگی میں تخت نشین ہو چکا تھا' جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ مراد خان ثانی کے وفات کے بعد اراکین سلطنت نے ایشیائے کوچک میں محمد خان ثانی کے پاس خبر بھیجی اور وہ بلا توقف وہاں سے روانہ ہو کر دردانیال کو عبور کر کے ایڈریانوپل پہنچا اور وہاں مراسم تخت نشینی ادا کیے گئے۔ شاہ سرویا کی بیٹی سے مراد ثانی کا ایک اور بیٹا تھا، جو ابھی صرف آٹھ مہینے کا بچہ تھا۔ جب محمد خان ثانی کی تخت نشینی کے مراسم ادا ہو رہے تھے اور اراکین سلطنت اطاعت و فرماں برداری کی بیعت کر رہے تھے تو ینگ چری فوج کے سردار نے یہ حرکت کی کہ سلطان محمد خان ثانی کی اطلاع کے بغیر اس بچے کو حمام میں لے جا کر قتل کر دیا۔ غالباً یہ کام اس نومسلم سردار نے محمد خان ثانی کی حمایت میں کیا اور اپنے نزدیک اچھی خدمت بجالایا، کیونکہ یہ لڑکا جوان ہو کر اپنی ماں یعنی بروین شہزادی کے سبب سرویا والوں اور دوسرے عیسائیوں سے مدد پا کر سلطان محمد خان ثانی کے لئے باعث تکلیف ہو سکتا تھا۔ لیکن سلطان محمد خان ثانی نے ینگ چری سردار کے اس ظالمانہ و سفاکانہ فعل کو سخت ناپسند کیا اور اپنے اس سوتیلے بھائی کے قصاص میں اس کو قتل کیا۔ چونکہ چھ سال پہلے محمد خان ثانی اپنے باپ کے زمانے میں دو مرتبہ تھوڑے وقفہ کے لئے تخت نشین ہو کر کسی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا اظہار نہ کر سکا تھا۔ اس لیے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ایک کمزور اور سست رائے سلطان ثابت ہوگا۔ حالانکہ یہ قیاس کرنا ایک غلطی تھی۔ اس زمانے میں وہ پندرہ سولہ سال کا لڑکا اور اب اکیس بائیس سال کا نوجوان تھا۔ یہ چھ سال اس نے کھیل کود میں نہیں گزارے تھے بلکہ وہ حکومت و سلطنت کی قابلیت بڑھانے میں برابر ترقی کرتا رہا تھا۔ عالموں اور روحانی لوگوں کی صحبتوں نے اس کے اخلاق اور قوت ارادہ کو بہت کچھ پختہ کر دیا تھا۔

یورپی مورخ عام طور پر اس کو اپنے صغیر سن سوتیلے بھائی کا قاتل بتاتے ہیں۔ مگر وہ اپنی اس غلط بیانی میں اس لیے معذور ہیں کہ محمد خان ثانی قسطنطنیہ کا فاتح ہے اور اس کو ملزم قرار دینا شاید عیسائی مورخ ثواب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ینگ چری فوج کے سردار نے اس بچے کو قتل کیا تھا۔ اس کا بھی سب کو اقرار ہے کہ سلطان محمد خان نے اس سردار کو قصاص میں قتل کرایا مگر وہ کہتے ہیں کہ اس سردار نے محمد خان ثانی کے حکم سے اس کو قتل کیا تھا لیکن سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سلطان محمد خان کو سر دست اس چھوٹے بچے سے کسی قسم کا بھی کوئی اندیشہ نہ تھا۔ وہ اپنی تخت نشینی کے مراسم سے فارغ ہونے کے بعد بھی اس لڑکے کی جان لینے کی تدابیر عمل میں لا سکتا تھا۔ اس شیر خوار بچے کو تخت نشین کرنے کا کسی رکن سلطنت کو مطلق خیال تک بھی نہیں آیا تھا بلکہ سب ایڈریانوپل میں محمد خان کا انتظار کر رہے تھے۔ ینگ چری فوج کا سردار ایشیائے کوچک میں سلطان محمد خان کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ پہلے ایڈریانوپل میں موجود تھا۔ اگر یہ کام سلطان محمد خان کو کرانا تھا تو وہ اپنے ان سرداروں میں سے کسی کو اس

کام پر مامور کرتا جو اس کے ساتھ ایشیائے کوچک سے آئے تھے اور جن پر اس کو ہر طرح کا بھروسہ تھا۔ ایڈریانوپل میں آتے ہی ایک ایسے سردار کو جو اس کے لئے مانوس شخص نہ تھا، یہ ظالمانہ حکم دینا معمولی احتیاط کے بھی خلاف تھا، پھر یہ وہ کہ وہ سردار جب اپنے اس ناشدنی کام کی پاداش میں قتل کیا گیا تو اس نے اپنی جان بچانے کے لئے اس راز کو فاش نہ کیا۔ سروین شہزادی یعنی محمد خان کی سوتیلی ماں خود ان لوگوں میں شامل تھی جو تخت نشینی کی مبارک باد دینے آئے۔ سلطان محمد خان ثانی کی آئندہ زندگی میں اس قسم کی کوئی مثال نظر نہیں آتی اور اس باحوصلہ، نیک دل اور باعظمت سلطان سے ہرگز اس قسم کی احمقانہ حرکت کی توقع نہیں ہوسکتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ینگ چری فوج چونکہ سلطنت عثمانیہ کی بڑی لاڈلی فوج سمجھی جاتی تھی، اس لئے اس فوج اور اس فوج کے سرداروں میں عام طور پر خودرائی وخودسری کے علامات پیدا ہونے لگے تھے۔ سلطان مرادخان ثانی کے زمانے میں بھی ان لوگوں سے اس قسم کے حرکات سرزد ہو چکے تھے۔ اس نوجوان سلطان کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اس سردار نے اسی قسم کا احسان اس پر کرنا مناسب سمجھا۔ یہی دھوکا قسطنطنیہ کے قیصر قسطنطین کو ہوا، جس کی وجہ سے اس کو قسطنطنیہ اور اپنی جان دینی پڑی۔ تفصیل اس اجمال کی آگے آئے گی، ان شاءاللہ۔

سنہ ۸۵۲ھ میں سلطان مرادخان ثانی سے تین سال پیشتر قیصر جان پلیلوگس کے فوت ہونے پر قیصر قسطنطین دوازدہم قسطنطنیہ میں تخت نشین ہوا۔ قسطنطین دوازدہم بھی اپنے پیش روکی مانند خوب چالاک وچوکس آدمی تھا۔ اس نے سلطان مرادخان ثانی کی وفات اور سلطان محمد خان ثانی کی تخت نشینی پر ایشیائے کوچک کے سرکش اور باغیانہ خیالات رکھنے والے امیروں کو سہارا دے کر فوراً ایک بغاوت برپا کرادی۔ جس کے سبب سلطان محمد خان کو ایشیائے کوچک میں جاکر باغیوں کو ٹھیک اور وہاں کے انتظام کو درست کرنا پڑا۔ ابھی سلطان محمد خان ایشائے کوچک کے انتظام سے فارغ نہ ہوا تھا کہ قیصر قسطنطین نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ سلطان مرادخان ثانی کے زمانے سے خاندان عثمانیہ کا ایک شہزادہ ارخان نامی ہمارے پاس نظر بند ہے، اس کے اخراجات ضروریہ کے لیے جو رقم سلطانی خزانہ سے آتی ہے، اس میں اضافہ کرو، ورنہ ہم اس شہزادہ کو آزاد کردیں گے اور وہ آزاد ہوکر تم سے ملک چھین لے گا۔ قیصر چونکہ سلطان محمد خان ثانی کو ایک کمزور طبیعت کا سلطان تصور کئے ہوئے تھا۔ اس لیے اس نے اس دھمکی کے ذریعہ سلطان سے روپیہ اینٹھنا اور اس کو دبانا چاہا۔ اگر واقعی سلطان محمد خان ایسا ہی کمزور اور پست ہمت ہوتا، جیسا کہ قیصر نے سمجھا تھا، تو وہ ضرور اس دھمکی سے ڈر جاتا اور قیصر قسطنطین کے نہ صرف اسی بلکہ آئندہ مطالبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن سلطان محمد خان ثانی سکندر یونانی اور نپولین فرانسیسی سے زیادہ قوی قلب وارادہ کا مالک تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس طرح کام نہ چلے گا اور جب تک اس عیسائی سلطنت کا قصہ پاک نہ کردیا جائے گا، سلطنت عثمانیہ کا قیام واستحکام ہمیشہ معرض خطر ہی میں رہے

گا۔ اس وقت سلطان نے قیصر کے ایلچیوں کو ٹال دیا اور کوئی صاف جواب نہ دیا۔

ایشیائے کوچک سے واپس آ کر سلطان محمد خان نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ہنی داس یعنی ڈیز بادشاہ ہنگری سے تین سال کے لیے صلح کا عہد نامہ کر لیا۔ اس عہد نامہ کے مکمل ہو جانے سے سلطان کو اپنی سلطنت کے شمالی حدود کی جانب سے اطمینان حاصل ہو گیا۔ اسی دوران میں ینگ چری فوج اور اس کے سرداروں کی طرف سے بدعنوانیاں ملاحظہ کر کے سلطان نے ان کو قرار واقعی سزائیں دے کر ان کی اصلاح کی۔ قیصر قسطنطین نے دوبارہ اپنے ایلچی ایڈریا نوپل میں سلطان کے پاس بھیجے اور پھر شہزادہ خان کے نفقہ کے اضافہ، ورنہ اس کے آزاد کر دینے کی دھمکی دی اور نہایت سفیہانہ انداز سے اصرار کیا کہ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ سلطان محمد خان ثانی نے ارخان کا نفقہ بالکل بند کر دیا اور قیصر کے سفیروں کو نہایت ذلت کے ساتھ اپنے دربار سے نکلوا کر قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اب قیصر کی آنکھیں کھلیں اور اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے جس کو روباہ سمجھا تھا وہ در حقیقت شیر ہے۔ چونکہ قیصر قسطنطین اپنی شجاعت اور ہوشیاری میں ممتاز اور بہت باہمت شخص تھا، اس نے یہ دیکھ کر کہ مجھ کو سلطان محمد خان سے ضرور دو دو ہاتھ کرنے پڑیں گے، بلا توقف جنگی تیاریاں شروع کر دی۔ قسطنطین کی روشن خیالی اور مآل اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے عیسائیوں کے دو بڑے بڑے گروہوں میں اتفاق پیدا کرنا ضروری سمجھا۔ اس زمانے تک عیسائیوں کا فرقہ پراٹسٹنٹ پیدا نہ ہوا تھا، جس کو رومن کیتھولک عیسائیوں سے بہت سخت اور اہم اختلاف ہے بلکہ اس زمانے میں تمام عالم عیسائیت عقیدہ کے اعتبار سے دو حصوں میں منقسم سمجھا جاتا تھا۔ ایک گروہ شہر روما کے پوپ کو اپنا پیشوا مانتا اور رومن چرچ کا ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ دوسرا گروہ گریک چرچ یعنی یونانی گرجے کا پیرو اور قسطنطنیہ کے بشپ اعظم کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتا تھا، جس کی سرپرستی کا فخر قیصر قسطنطنیہ کو حاصل تھا۔ ان دونوں گروہوں میں عقیدہ کا کچھ بہت بڑا فرق نہ تھا۔ عشائے ربانی میں رومن طریقے کے پیرو شراب کے ساتھ فطیری روٹی استعمال کرتے تھے اور قسطنطنیہ کے پیرو خمیری روٹی سمجھتے تھے۔ اس خمیری اور فطیری کے اختلاف سے دونوں گروہوں کے پادریوں کی وہی حالت تھی جو اس جہالت و تاریکی کے زمانہ میں ہم اپنے پیشہ ور مولویوں کی دیکھ رہے ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں مثلاً آمین اور رفع یدین پر بلا تامل کفر کے فتوے قلعہ شکن توپوں کی طرح داغتے اور اپنی بہادری پر مسرور ہوتے ہیں۔ قیصر قسطنطین نے روما کے پوپ کو لکھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے مذہبی اختلاف کو مٹا دیں اور سب متحد و متفق ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ میں بخوشی آپ کے عقائد کو تسلیم کرتا ہوں اور آئندہ قسطنطنیہ کا گرجا بھی آپ کے ہی ماتحت ہو گا۔ لہٰذا جس طرح بیت المقدس اور شام کی فتح کے لیے تمام براعظم یورپ میں جہاد کا اعلان کیا گیا تھا اور عیسائی مجاہدین جوق در جوق جمع ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کو پہنچ گئے تھے، اسی اہتمام کے ساتھ اب قسطنطنیہ

کے بچانے اور عثمانیہ سلطنت کو نیچا دکھانے کے لیے آپ کی طرف سے اعلان اور ترغیب ہونی چاہیے۔ قیصر قسطنطین کی یہ تجویز بہت کارگر اور مفید ثابت ہوئی۔ پوپ نے جس کا نام نکلسن پنجم تھا، پوری سرگرمی کے ساتھ عیسائیوں کو جہاد پر آمادہ ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ ہسپانیہ (اندلس) کے شمالی صوبوں اراگون وقسطلہ سے عیسائی مجاہدین کی زبردست اور کارآزمودہ فوجیں قسطنطنیہ پہنچیں۔ اسی طرح پوپ نے خود ایک زبردست فوج اپنے ایک نائب کارڈینل کی ماتحتی میں جہازوں پر روانہ کی۔ وینس اور جنیوا کی بحری طاقتیں اور بری فوجیں بھی قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ادھر قسطنطین نے شہر قسطنطنیہ کی فصیل کو مضبوط اور بندرگاہ کو حفاظتی سامانوں سے محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ خاص شہر قسطنطنیہ کی آبادی میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی موجود تھے۔ باشندوں سے چندے وصول کیے گئے اور عام طور پر عیسائیوں کو ترغیب دی گئی کہ اب وہ آرام طلبی چھوڑ کر شہر کی حفاظت اور دشمن کے حملہ کی مدافعت میں اپنی تمام طاقتیں صرف کر دیں۔ یورپ کے عیسائی مورخ حتیٰ کہ اڈمنڈ اولیور اور ای ایس کریسی بھی جو اپنے بے تعصبی اور راست گفتاری کے لیے شہرت رکھتے ہیں، فتح قسطنطنیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنے یورپی اور عیسائی تعصب سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح سلطان محمد خان ثانی کی ذات پر کوئی نہ کوئی الزام لگائیں۔ چنانچہ یہ لوگ قسطنطین کی فوج اور اس کی جنگی تیاریوں کو بیان کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کو سلطان محمد خان ثانی کی غیر معمولی شجاعت اور حیرت انگیز استقلال کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال سلطان محمد خان ثانی کے آفتاب سے زیادہ روشن کارنامے ان منصف مزاج عیسائی مورخوں نے خون کے گھونٹ پی پی کر لکھے ہیں۔

سلطان محمد خان ثانی نے ایک ہوشیار آہنگر اربان نامی نومسلم کو جو ہنگری کا قدیم باشندہ اور اسلام قبول کرنے سے پیشتر قسطنطین کا نوکر رہ چکا تھا، حکم دیا کہ وہ بڑی بڑی زبردست مار کی توپیں بنانا شروع کرے۔ چنانچہ متعدد توپیں تیار ہوئیں۔ جن میں بعض بہت ہی بڑی اور وزنی گولہ پھینکنے والی تھیں۔ چند سال پیشتر یعنی سلطان مراد خان ثانی کے عہد حکومت سے سلطنت عثمانیہ نے لڑائیوں میں توپوں کا استعمال کر دیا تھا مگر ابھی یہ کوئی بہت کارآمد آلہ جنگ نہ تھا۔ قلعوں کی دیواریں مسمار کرنے میں توپ کا مرتبہ منجنیق سے کچھ زیادہ بلند نہ تھا۔ چنانچہ یہ توپیں جو سلطان محمد خان نے اربان سے تیار کرائیں اور جن کی نقل وحرکت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں بڑی دقت اور دشواری پیش آتی تھی، وہ ایسی تھیں کہ ایام محاصرہ میں صبح سے شام تک ان سے صرف سات آٹھ مرتبہ فائر ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اسی لیے محاصرہ قسطنطنیہ میں یہ کچھ بہت مفید ثابت نہیں ہوئیں۔ اسی طرح قسطنطین نے بھی اپنے توپ خانہ کو بہت مکمل ومضبوط بنا لیا تھا۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ یورپ کے عیسائی سلاطین اور عثمانیہ سلاطین نے لڑائیوں میں توپ کے استعمال کو بہت ترقی دی اور یہ بہترین آلہ جنگ

متصور ہونے لگا۔

سلطان محمد خان ثانی نے اپنے سلطنت کے ہر ایک حصہ میں نظم و انتظام اور امن و امان قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے اپنی کوشش و توجہ منعطف کی اور جب اس طرف سے اطمینان کلی حاصل ہو گیا تو قسطنطنیہ کے محاصرے کے لیے پچاس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل کی ایک پر جوش اور بہادر فوج منتخب کی۔ سلطان محمد خان ثانی کی فوج کا ستر ہزار ہونا کریسی نے بیان کیا ہے جو یقیناً مبالغہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ دوران محاصرہ میں جو ۶ اپریل سے ۲۹ مئی سنہ ۱۴۵۳ء تک یعنی سات ہفتے قائم رہا۔ اس ستر ہزار فوج کے لیے سامان رسد کا مہیا ہونا ان حالات میں کوئی آسان کام نہ تھا۔

سنہ ۸۵۶ھ مطابق سنہ ۱۴۵۲ء سے طرفین کی جنگی تیاریاں علانیہ شروع ہو گئی تھی۔ قیصر قسطنطین نے قسطنطنیہ کے اندر سامان رسد اور غلہ وغیرہ حد سے زیادہ جمع کر لیا تھا۔ یورپ کے ملکوں سے نہ صرف جنگجو لوگوں کے جہاز آ رہے تھے بلکہ اور دوسرے ملکوں سے معمار و انجینئر اور تجربہ کار جنگی سردار شہر قسطنطنیہ کی مضبوطی کے سامانوں کو مکمل کرنے کے لیے موجود ہو گئے تھے۔ سمندر کی جانب بندر گاہ کے دہانہ پر ایک مضبوط آہنی زنجیر اس طرح دونوں طرف باندھی گئی تھی کہ کسی جہاز کا بندرگاہ میں داخل ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ ہاں جب شہر والے خود چاہتے تھے کہ جہاز کو اندر آنے دیں تو اس زنجیر کو سمندر کی گہرائی میں ڈھیلا کر کے ڈال دیتے تھے اور جہاز اندر داخل ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد زنجیر کو کھینچ دیا جاتا تھا اور پھر کسی غیر جہاز کا داخل ہو جانا غیر ممکن ہوتا تھا۔ شہر کی فصیل چودہ میل کے قطاع دائرہ میں نہایت مضبوط اور نا قابل تسخیر تھی۔ سمندر کی جانب یعنی جس طرف بندر گاہ تھی۔ فصیل کسی قدر نیچی اور کمزور تھی کیونکہ اس طرف سے کسی حملہ یا محاصرہ کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ فصیل کے چاروں طرف گہری خندق و نا قابل گزر تھی، کھدی ہوئی تھی۔ فصیل کے باہر بھی جا بجا مضبوط برجوں کے ذریعہ خندق و فصیل کی حفاظت کے لیے توپیں اور مضبوط فوجی دستے تیر اندازوں کے مامور تھے۔ پرانی تعمیر کے برجوں اور دیوار کے ان حصوں کو جو بھاری توپوں کے چڑھانے اور ان سے فائر کرنے کی حالت میں شکستہ ہو جانے کی استعداد رکھتے تھے، از سر نو مضبوط و مستحکم بنایا گیا۔ اس طرح قسطنطنیہ کی حفاظت کا جس قدر سامان اور اہتمام ہو سکتا تھا، وہ بدرجہ اتم پورا کر لیا گیا تھا۔

[سلـ]طان بایزید یلدرم نے آبنائے باسفورس کے تنگ ترین مقام کے ایشیائی ساحل پر ایک قلعہ بنایا تھا۔ سلطان محمد خان ثانی نے جب قسطنطنیہ کی فتح کا ارادہ کیا تو اس قلعہ کے مقابل یورپی ساحل پر ایک قلعہ بنانا شروع کیا اور یہی گویا اس کی سب سے پہلی علی الاعلان جنگی تیاری تھی۔ یہ قلعہ بہت جلد بن کر تیار ہو گیا اور اس پر توپیں چڑھا دی گئیں۔ جیسا کہ مقابل کے ایشیائی قلعہ پر بھی توپیں موجود تھیں۔ اس [طر]ح آبنائے باسفورس کا دروازہ سلطان محمد خان ثانی نے بند کر دیا اور بحر اسود کو بحر مار مورا سے جدا کر

کے قیصر کے جہازوں کو بحر اسود میں آنے سے روک دیا لیکن اس سے قسطنطین کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ اس کو دردانیال کے ذریعہ یورپی ممالک یعنی اٹلی و اسپین وغیرہ سے امداد پہنچ رہی تھی۔ سلطان محمد خان کے پاس کل تین سو کشتیاں بتائی جاتی ہیں، جو قریباً سب چھوٹی چھوٹی تھیں اور ان میں سے ایک بھی ایسی بڑی نہ تھی جو قسطنطین کے چودہ بڑے بڑے جنگی جہازوں میں کسی چھوٹے سے چھوٹے جہاز کے برابر ہو۔

فتح قسطنطنیہ

۱۶ اپریل سنہ ۱۴۵۳ء مطابق ۸ ربیع الاول سنہ ۸۵۷ھ کو سلطان محمد خان ثانی اپنی فوجیں لیے ہوئے خشکی کی جانب سے قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے نمودار ہوا۔ ادھر عثمانی جہازوں کے بحر مارمورا میں سمٹ کر بندرگاہ قسطنطنیہ یعنی گولڈن ہارن کے سامنے بحری محاصرہ شروع کیا۔ سلطانی بیڑہ کا امیر البحر بلوطا اغلن نامی ایک سردار تھا۔ سلطان نے فصیل شہر کا محاصرہ کر کے جابجا مناسب دستوں کو مامور کیا اور بیلداروں کو حکم دیا کہ ساباط اور سرنگوں کے بنانے میں مصروف ہوں اور تیزی رفتاری کے ساتھ ساباط اور دمدموں کو فصیل شہر کے نزدیک لے جائیں۔ مناسب موقعوں پر دمدمے تیار کر کے تیر اندازوں کو مامور کیا گیا کہ جو شخص فصیل شہر سے سر ابھارے، اس کو تیر کا نشانہ بنائیں۔ اس محاصرے کے جاری کرنے میں سلطان محمد خان نے اپنی حیرت انگیز قابلیت کا اظہار کیا۔ محاصرین نے جلد جلد محاصرہ کے حلقہ کو تنگ اور فصیل شہر کے متصل پہنچنے کی کوشش کی۔ منجنیقوں اور توپوں کو مناسب موقعوں پر نصب کر کے فصیل شہر پر جابجا گولوں اور پتھروں کی بارش کی گئی۔

ادھر محصورین بھی مدافعت کے لیے پورے طور پر تیار اور مستعد تھے۔ جنیوا کے سپہ سالار جان اغطیاس اور یونانی سپہ سالار ڈیوک نوطارس نے بڑی قابلیت اور ہمت کے ساتھ مدافعت کے کاموں کو انجام دیا۔ پوپ نکلسن پنجم کے نائب کارڈنل نے اپنی شجاعت و تجربہ کاری کے نمایاں ثبوت پیش کرنے شروع کیے۔ ان تمام سپہ سالاروں اور فوجوں کی مجموعی طور پر نگرانی قیصر قسطنطین نے اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ صبح سے شام تک اور رات کے وقت بھی پشت زین سے بہت کم جدا ہوتا تھا۔ ہر ایک مورچہ اور ہر ایک مقام پر خود پہنچتا۔ سپاہیوں کے دل بڑھاتا اور سپہ سالاروں کے کاموں کا معائنہ کر کے ان کو داد دیتا تھا۔ محاصرہ کے شروع ہوتے ہی باشندگان شہر اور عیسائی فوجوں میں انتہا درجہ کا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ لڑائی کی ترغیب دینے اور شہید ہونے کے فضائل بیان کرنے کے لیے بڑے پادری اور بشپ وعظ و نصیحت کرتے اور لوگوں کو لڑ کر جان دینے پر آمادہ بناتے تھے۔ سلطان محمد خان ثانی نے اپنا خیمہ شہر کے دروازہ سینٹ

رومانوس کے سامنے نصب کرایا تھا اور اسی دروازے پر محاصرین نے زیادہ زور صرف کرنا شروع کیا تھا۔ اول اول محصورین نے فصیل شہر اور خندق سے باہر نکل کر محاصرین پر حملے شروع کیے۔ لیکن جب اس طرح وہ عثمانیہ لشکر کے ہاتھ سے زیادہ مقتول ہونے لگے تو قسطنطین نے حکم دیا کہ کوئی شخص فصیل شہر سے باہر جانے کا قصد نہ کرے۔ قلعہ فصیل اور برجوں سے توپوں اور منجنیقوں کے ذریعہ محصورین نے محاصرین کو ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کیا۔ آخر چند روز کے بعد فصیل شہر میں کہیں کہیں رخنے نمودار ہوئے لیکن محصورین کی قابلیت و مستعدی نے فوراً ان کو بند کر کے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط بنا لیا۔ سلطان محمد خان ثانی نے اپنی فوج کو خندق کے کنارے تک لے جا کر کئی جگہ خندق کو پاٹ کر راستے بنائے اور اس طرح عثمانی فوج فصیل تک پہنچی لیکن فصیل کے اوپر کوئی بس نہ چل سکا۔ اوپر سے عیسائیوں نے روغن نفط جلا جلا کر ان پر پھینکنا شروع کیا۔ مجبوراً ان کو واپس آنا پڑا۔ اب سلطان نے ایک اور تدبیر سوچی اور لکڑی کے اونچے اونچے مینار بنوائے جو فصیل شہر کے برابر بلند تھے اور ان کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے، جن کی وجہ سے بآسانی ان کو حرکت میں لا سکتے تھے۔ ان میناروں کے ساتھ ایک ایک لمبی سیڑھی کو اوپر اٹھا کر دوسرا سرا قلعہ کی دیوار پر رکھ دیا۔ اس طرح خندق کے اوپر ایک پل بندھ جاتا تھا۔ عثمانی سپاہی اس مینار پر چڑھ کر سیڑھی کے اوپر ہوتے ہوئے فصیل شہر پر پہنچنے کی کوشش میں لگے رہے مگر محصورین نے نہایت مستعدی اور چابک دستی کے ساتھ ان میناروں پر رال کے جلتے ہوئے گولے پھینک کر ان میں آگ لگا دی اور اس طرح ان میناروں اور سیڑھیوں کے جلنے سے قلعہ کشائی کی یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

۱۵ اپریل کو یعنی محاصرہ شروع ہونے سے نویں روز خبر پہنچی کہ جینوا کے چار جہاز غلہ اور گولہ بارود کا سامان لیے ہوئے ترکی جہازوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے ہوئے صاف بچ کر نکل گئے اور گولڈن ہارن یعنی قسطنطنیہ کی بندرگاہ میں داخل ہو کر شہر والوں کو یہ گراں قدر امداد پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ سلطان بذات خود گھوڑے پر سوار سمندر کے کنارے پہنچا اور دیکھا کہ پانچ جہاز اسی طرح بحیرہ مارمورا میں دشمنوں کے اور آ رہے ہیں۔ سلطان نے فوراً اپنے امیر البحر اور بحری فوج کو حکم دیا کہ ان کو روکو اور بندرگاہ میں داخل نہ ہونے دو۔ سلطان اور عثمانی بری فوج کنارے پر اس بحری جنگ کے دیکھنے میں مصروف تھی۔ ادھر عیسائی لوگ بھی فصیل شہر کے اوپر چڑھے ہوئے اس تماشے کے معائنہ میں مشغول تھے۔ عثمانی جہازوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان جہازوں پر حملہ کر کے ان کی لمبی قطار کو توڑ دیا اور وہ ایک جگہ آگے پیچھے اور پہلو بہ پہلو اکٹھے ہو گئے۔ عثمانی جہازوں نے چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا اور ان کے قریب پہنچ کر ہر چند کوشش کی کہ ان پر چڑھ کر ان کے ملاحوں کو قتل کریں اور قابض ہو جائیں مگر [illegible] جہاز اس قدر بڑے اور بلند تھے کہ عثمانی سپاہی اپنے چھوٹے اور پست جہازوں سے ان پر کسی

طرح نہ چڑھ سکے۔ اول جبکہ عثمانی جہازوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا تو دیکھنے والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ پانچوں جہاز ضرور گرفتار ہو جائیں گے لیکن اسی کشمکش میں تھوڑی دیر بعد دیکھا گیا کہ وہ تیزی سے عثمانی کشتیوں کے بیچ میں سے نکل کر بندرگاہ کی طرف چلے۔ محصورین نے فوراً زنجیر نیچی کر دی اور وہ گولڈن ہارن میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد زنجیر کو پھر کھینچ لیا گیا اور عثمانی جہازوں کے حملہ کا کوئی خوف ان کو نہ رہا۔ سلطان محمد خان نے اپنی بحری فوج کی اس ناکامی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کو سخت ملال ہوا۔ اس نے اپنے امیر البحر کو بلا کر اپنے ہاتھ سے خوب مارا اور آئندہ کے لیے اس کو زیادہ مستعد رہنے کا حکم دیا۔ مگر امیر البحر بیچارے کی کوئی خطا نہ تھی اور وہ اپنے چھوٹے جہازوں سے دیو ہیکل جہازوں پر کس طرح قبضہ کر سکتا تھا۔ مگر سلطان کی تنبیہ اور امیر البحر کی بیش از بیش مستعدی کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اس کے بعد کسی اور جہاز کو یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ درہ دانیال کو عبور کر کے بحر مارمورا میں داخل ہو سکے۔ ان پانچ جہازوں میں جو فوج سوار ہو کر آئی تھی یہ گویا قسطنطنیہ کے لیے آخری بیرونی امداد تھی۔ سلطان نے محاصرہ کے کام میں انتہا درجہ کی مستعدی دکھائی۔ بار بار نقصان اٹھانا پڑا۔ بار بار حملے ناکام اور بلا نتیجہ ثابت ہوئے۔ محصورین کی ہمتیں اپنی کامیابیوں کو دیکھ دیکھ کر اور بھی زیادہ بڑھ گئیں۔ شہر کے اندر سامان مدافعت اور رسد کی مطلق کمی نہ تھی۔ وہ برسوں محصور رہ کر ثابت قدم رہنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ان کو یہ بھی توقع تھی کہ ہنگری کا بادشاہ ہنی داس اپنے عہد نامہ صلح کو توڑ کر ضرور شمال کی جانب سے حملہ آور ہو گا اور قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھ جائے گا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے سلطان محمد خان ثانی کی جگہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو ضرور محاصرہ اٹھا کر چل دیتا اور اس کام کو کسی دوسرے وقت پر ٹال دیتا۔ مگر سلطان محمد خاں اپنے ارادہ کا پختہ اور ہمت کا دھنی تھا۔ اس کے عزم و استقلال میں مطلق کمی نہ آئی اور وہ ہر ایک ناکامی کو دیکھ کر اور بھی زیادہ اپنے ارادہ میں مضبوط ہوتا گیا۔

سلطان محمد خان جب قسطنطنیہ کے ارادے سے فوج لے کر چلا تھا تو اس نے ایک جماعت علماء و فضلا اور عابدوں، زاہدوں کی بھی اپنے ہمراہ لی تھی۔ ان نیک لوگوں کی صحبت سے مستفیض ہونے کا اس کو ابتدا ہی سے بہت شوق تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی کے آخری چھ سال انہیں لوگوں کے پاس رہا تھا اور انہیں کے فیض صحبت سے اس کے ارادے میں استقلال اور حوصلے میں بلندی پیدا ہوئی تھی۔ دوران محاصرہ میں بھی وہ انہیں روحانی اور نیک لوگوں سے مشورہ لینا کافی سمجھتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب محاصرہ کو طول ہوا تو اس جوان العمر و جواں بخت سلطان کو وہ تدبیر سوجھی جو اس وقت تک کسی کو نہ سوجھی تھی۔ شہر کی ایک سمت جو سمندر یعنی گولڈن ہارن (شاخ زرین) سے محفوظ تھی۔ اس پر محاصرے کی کوئی زد نہیں پڑ سکتی تھی۔ محاصرین کی تمام ہمت خشکی کی جانب صرف ہو رہی تھی۔ خاص سینٹ رومانس والے دروازے کی جانب آلات قلعہ کشائی زیادہ کام میں لائے جا رہے تھے۔ لہذا شہر والے بھی اور اطراف سے بے فکر ہو

کر اسی جانب اپنی پوری قوت مدافعت صرف کر رہے تھے۔ سلطان نے سوچا کہ شاخ زرین کی جانب یعنی سمندر کی طرف سے اگر شہر پر حملہ ہو سکے تو ان کی توجہ دو طرف تقسیم ہو سکے گی اور اس طرح فصیل شہر کو توڑ کر اس میں داخل ہونا ممکن ہو سکے گا۔ مگر سمندر کی جانب حملہ اس وقت ہو سکتا تھا کہ گولڈن ہارن (شاخ زریں) کے دہانہ پر آہنی زنجیر نہ ہوتی اور جہاز اس میں داخل ہو سکتے۔ گولڈن ہارن سے مشرق کی جانب قریباً دس میل چوڑی خشکی گردن تھی، جس کے دوسری طرف آبنائے باسفورس کا سمندر تھا اور اس میں سلطانی جہاز آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ سلطان نے ماہ جمادی الاول کی چودھویں تاریخ جبکہ ساری رات کی چاندنی تھی، باسفورس سے لے کر بندرگاہ گولڈن ہارن تک برابر لکڑی کے تختے بچھوا دیئے۔ باسفورس کے کنارے خشکی پر اسی (۸۰) جہازوں کو چڑھا لیا۔ ان اسی جہازوں کی ٹرین جب خشکی پر چڑھ آئی تو ان میں باقاعدہ ملاحوں اور سپاہیوں کو سوار کر دیا، پھر ہزار ہا آدمیوں نے دونوں طرف سے ان جہازوں کو دھکیلنا شروع کیا۔ اس طرف سے ہوا بھی موافق تھی۔ چنانچہ جہازوں کے بادبان کھول دیئے گئے اور وہ لکڑی کے تختوں پر آدمیوں کے زیادہ زور لگائے بغیر خود بخود بھی چلنے لگے۔ اس چاندنی رات میں ہزار ہا آدمیوں کا شور و غل، خوشی کے نعرے اور فوجی گیت اور باجے شہر والے سنتے تھے اور کچھ نہ سمجھ سکتے تھے کہ آج عثمانیہ لشکر میں یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر صبح ہونے سے پہلے یہ دس میل کی مسافت خشکی میں طے کرا کر ان جہازوں کو بندرگاہ گولڈن ہارن میں لا کر ڈال دیا گیا۔ قسطنطین کے جہاز جو گولڈن ہارن میں موجود تھے، وہ سب گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب اور اس آہنی زنجیر کے متصل صف بستہ تھے تاکہ کسی کو اندر داخل نہ ہونے دیں۔ شہر کے متصل اور بندرگاہ کی نوع پر ان کو رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ صبح ہونے پر شہر والوں نے دیکھا کہ عثمانیہ جہازوں نے فصیل کے شہر نیچے ایک پل بنا دیا ہے اور توپوں کو مناسب موقعوں پر رکھ کر اس طرف کی کمزور فصیل پر گولہ باری کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عیسائیوں کے حواس جاتے رہے، ادھر عیسائی جہازوں نے گولڈن ہارن کے دہانہ کی طرف سے اندر کی جانب آنا اور عثمانی جہازوں پر حملہ کرنا چاہا تو بندرگاہ کے دونوں کنارے کے توپ خانے نے جو اسی غرض سے نصب کر دیا گیا تھا، ان پر گولہ باری کی اور جو جہاز آگے بڑھا، اسی کو گولہ کا نشانہ بنا کر ڈبو دیا۔ شاید اسی موقع پر سلطان محمد خان ثانی کے توپ خانے نے سب سے زیادہ مفید خدمت انجام دی۔ اس طرح یکا یک سمندر کی جانب سے حملہ ہونے پر عیسائیوں کو اپنی طاقت تقسیم کرنی پڑی اور وہ مجبور ہو گئے کہ شہر کی اس جانب مدافعت اور حفاظت کے لیے زبردست فوج متعین کریں۔

اسی روز یعنی ۲۴ مئی کو قسطنطین نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جس قدر خراج مجھ پر مقرر کریں، میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھ کو باج گزار بنا کر قسطنطنیہ میرے ہی پاس رہنے دیجئے۔ سلطان نے جبکہ اس کو شہر کے مفتوح ہونے کا یقین ہو چکا تھا، جواباً" کہلا بھجوایا کہ اگر تم اطاعت کرتے

ہوتو تم کو یونان کا جنوبی حصہ دیا جا سکتا ہے لیکن قسطنطنیہ کو اپنے ممالک مقبوضہ میں شامل کیے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ سلطان محمد خان جانتا تھا کہ قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت جو سلطنت عثمانیہ کے بیچ میں واقع ہے، جب تک قائم رہے گی خطرات اور مصائب کا سد باب نہ ہوگا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قسطنطنیہ سلطنت عثمانیہ کا بہترین دارالسلطنت ہوسکتا ہے۔ وہ قسطنطین اور اس کے پیش رو قیاصرہ کی مسلسل شرارتوں سے بھی بخوبی واقف تھا۔ وہ اس قدر طویل محاصرہ اور محنت کے بعد اب کامیابی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ایسی حالت میں قسطنطین کی درخواست پر اس کا جنوبی یونان کے دے دینے پر آمادہ ہو جانا بڑی ہی عظیم الشان شاہانہ فیاضی تھی لیکن قیصر قسطنطین کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ مشرقی روم کی اس عظیم الشان اور پرانی سلطنت کا آخری فرماں روا ہو۔ چنانچہ اس نے سلطان کی اس مہربانی سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہا اور پہلے سے چہار چند زیادہ جان فشانی و جاں فروشی کے ساتھ قسطنطین مخالفت میں مصروف ہو گیا۔

۱۹ جمادی الاول سنہ ۸۵۷ھ مطابق ۲۸ مئی سنہ ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد خان ثانی نے اپنی تمام فوج میں اعلان کرا دیا کہ کل الصبح شہر پر ہر طرف سے آخری حملہ ہوگا۔ فوج کو شہر میں تاخت و تاراج کی اجازت دی جائے گی مگر اس شرط پر کہ وہ سرکاری عمارات کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور غیر مضافی رعایا جو اطاعت کے ساتھ امن طلب کرے اور ضعیفوں و بچوں وغیرہ کو ہاتھ نہ لگائیں۔ یہ خبر سنتے ہی کہ صبح کو فیصلہ کن حملہ ہوگا، مسلمانوں کے لشکر میں رات بھر خوشی کے نعرے بلند ہوتے رہے۔ ادھر شہر کے اندر قصر شاہی میں قسطنطین نے سپہ سالاران فوج، عمائد سلطنت اور امرائے شہر کو مدعو کر کے ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ صبح فیصلہ کن حملہ ہونے والا ہے۔ اس نے شہر والوں کو آخر تک لڑنے اور مارنے کی ترغیب دی اور خود بھی اسی طرح قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے مورچوں کی طرف پہرہ دینے چلے گئے۔ قیصر اس جلسہ سے فارغ ہو کر سینٹ ایا صوفیہ کے گرجا میں آ کر اپنی آخری عبادت میں مصروف ہوا۔ اس کے بعد اپنے محل میں آیا جہاں یاس و ہراس چھایا ہوا نظر آتا تھا۔ وہاں چند لمحہ آرام کر کے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، سینٹ رومانس کی طرف آیا، جہاں محاصرین کے حملہ کا بہت زور تھا۔

ادھر سلطان محمد خان ثانی بھی نماز فجر سے فارغ ہو کر اور مجمع علماء اور نیک لوگوں سے دعا کی فرمائش کر کے اپنی رکاب میں دس ہزار چیدہ چیدہ سوار لے کر حملہ آوری کے کام میں مصروف ہوا۔ سلطان کے پیرو مرشد نے جو اس کے ساتھ مجمع علماء میں موجود تھے، اس روز اپنے لیے ایک الگ چھولداری نصب کرائی اور باہر ایک دربان بٹھا دیا کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے اور خود دعا میں مصروف ہو گئے۔ حملہ ہر طرف سے شروع ہوا، توپوں اور منجنیقوں نے جا بجا شہر کی فصیل میں سوراخ کر دیئے اور محاصرین نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان رخنوں کے ذریعہ شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی مگر وہ ہر مرتبہ نہایت سختی کے ساتھ واپس لوٹا دیئے گئے۔ کئی مرتبہ عثمانی لشکر کے بہادر شہر کے برجوں اور فصیل

کے شکستہ حصوں پر چڑھ جانے میں کامیاب ہوئے مگر اندر سے شہری سپاہی اور ان کی عورتیں اور بچے تک بھی لڑنے اور مدافعت کرنے میں مصروف تھے۔ ہر طرف یہی حالت تھی اور سمندر و خشکی ہر طرف سے جوش و خروش کے ساتھ حملہ جاری تھا۔ ایک عجیب ہنگامہ رستخیز برپا تھا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے مگر محاصرہ و محصور دونوں میں سے کوئی بھی ہمت نہ ہارتا تھا۔ دوپہر کے قریب ہنگامہ کارزار میں سخت شدت پیدا ہوگئی اور سلطان نے اپنے ایک وزیر یا مصاحب کو اپنے پیرومرشد کی خدمت میں روانہ کیا کہ یہ وقت خاص طور پر دعا اور روحانی امداد کا ہے۔ محصورین کی ہمت اور سخت مدافعت کو دیکھ کر حملہ آوروں کے دل چھوٹے جاتے تھے اور سلطان کو اندیشہ تھا کہ اگر آج شہر فتح نہ ہوا تو پھر اس کا فتح ہونا سخت دشوار ہو گا کیونکہ حملہ آور اپنی پوری ہمت اور طاقت صرف کر چکے تھے۔ بادشاہ کا فرستادہ جب اس اللہ والے کی چھولداری کے قریب پہنچا تو دربان مانع ہوا، تو اس نے سختی کے ساتھ دربان کو ڈانٹا اور کہا کہ میں ضرور حاضر خدمت ہو کر سلطانی پیغام پہنچاؤں گا کیونکہ یہ بڑا نازک وقت اور خطرہ کا مقام ہے۔ یہ کہہ کر سلطانی فرستادہ چھولداری میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ بزرگ سربسجود اور دعا میں مصروف ہیں۔ اس کے داخل ہونے پر انہوں نے سر اٹھایا اور کہا کہ شہر قسطنطنیہ فتح ہو چکا۔ اس کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا۔ مگر وہاں سے واپس ہو کر دیکھا تو واقعی فصیل شہر میں سلطانی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ جس وقت سلطان نے استمداد دعا کے لیے اپنے وزیر کو روانہ کیا، وہ نہایت نازک وقت تھا۔ ٹھیک اسی وقت فصیل شہر کا وہ حصہ جو سلطان کے سامنے تھا، یکا یک خود بخود گر پڑا اور اس کے گرنے سے خندق پر ہو کر شہر میں داخل ہونے کے لیے میدان صاف ہو گیا۔ ادھر فصیل کا یہ حصہ گرا، ادھر عین اسی وقت بندرگاہ کی طرف سے بحری فوج نے ایک برج پر قبضہ کر کے سلطانی علم بلند کیا۔ اس علم کو بلند اور سامنے کی دیوار کو منہدم دیکھ کر ادھر سے بلا تامل سلطان کی رکابی فوج نے حملہ کر دیا۔ عیسائیوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر وہ دست بدست لڑائی میں مسلمانوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ ساتھ ہی ہر طرف سے حملہ آوروں نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ دروازوں کو توڑ توڑ کر اندر گھس گئے اور شہر کے چاروں طرف فصیل کے اندرونی جانب عیسائیوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ سلطان اپنے گھوڑے پر سوار اسی منہدمہ فصیل کے راستے شہر میں داخل ہو کر سیدھا سینٹ آیا صوفیہ کے گرجے کی طرف روانہ ہوا اس گرجے میں پہنچتے ہی اس نے اذان دی اور پہلی مرتبہ اس جگہ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ یہاں اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے نماز ظہر ادا کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ اس کے بعد قسطنطین کی تلاش میں لوگوں کو بھیجا۔ سینٹ رومانس کے قریب جس طرف فصیل منہدم ہوئی تھی وہاں عیسائیوں نے حملہ آوروں کا خوب جم کر مقابلہ کیا تھا اور سب سے زیادہ کشت و خون وہیں ہوا تھا۔ اسی جگہ لاشوں کے درمیان قسطنطین کی لاش ملی، جس کے جسم پر صرف دو زخم آئے تھے۔ قسطنطین کا سر کاٹ کر لوگ سلطان کی خدمت میں لے

آئے۔ اس طرح فتح قسطنطنیہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ سلطان اس کے بعد قیصر شاہی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں اس نے دیکھا تو ہو کا عالم تھا۔ اس خاموشی و ویرانی کو دیکھ کر بے اختیار سلطان کی زبان سے نکلا کہ۔

پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت

بوم نوبت می زند بر گنبدا فراسیاب

یہ فتح ۲۰\ جمادی الاول سنہ۔ ۸۵۷ھ مطابق ۲۹\ مئی سنہ۔۱۴۵۳ء کو وقوع پذیر ہوئی۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ فصیل قسطنطنیہ کا گرنا اسی نیک بندے کی دعا کا نتیجہ تھا اور اسی لیے مشہور ہے کہ قسطنطنیہ دعا کے ذریعہ فتح ہوئی تھی۔ اسی تاریخ سے سلطان محمد خان ثانی فاتح کے لقب سے مشہور ہوا۔ چالیس ہزار عیسائی مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے اور ساٹھ ہزار جنگجو عیسائیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کیا۔ بہت تھوڑے ایسے تھے جو فتح قسطنطنیہ کے بعد کسی نہ کسی طرح خشکی یا سمندر کے راستے بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ اکثر اٹلی میں اور کمتر دوسرے مقامات میں جا کر آباد پناہ گزین ہوئے۔ قیصر قسطنطین کا ایک پوتا چند روز کے بعد مسلمان ہو گیا تھا اور قسطنطنیہ میں آ کر رہنے لگا تھا۔ بالآخر بہت جلد اس خاندان کا نام و نشان گم ہو گیا۔

قسطنطنیہ کے باشندوں کو سلطان فاتح نے امن عطا کی۔ جو لوگ اپنے مکانوں اور جائیدادوں پر قابض رہے اور بخوشی اطاعت قبول کی ان کو اور ان کے اموال کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ عیسائیوں کے معبدوں اور گرجوں کو (بجز ایا صوفیہ) علیٰ حالہ قائم اور عیسائیوں کے تصرف میں رکھا۔ قسطنطنیہ کے بشپ اعظم کو سلطان نے اپنی خدمت میں بلا کر خوشخبری سنائی کہ آپ بدستور یونانی چرچ کے پیشوا رہیں گے۔ آپ کے مذہبی اختیارات میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کیا جائے گی۔ سلطان محمد خان فاتح نے خود یونانی چرچ کی سرپرستی قبول کی اور بشپ اعظم اور پادریوں کو وہ اختیارات حاصل ہو گئے جو عیسائی سلطنت میں بھی ان کو حاصل نہ تھے۔ عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی عطا کی گئی۔ گرجوں کے مصارف اور چرچ کے اخراجات پورا کرنے کے لیے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ جنگی اسیروں کو جو فتح مند فوج نے گرفتار کیے تھے، سلطان فاتح نے خود اپنے سپاہیوں سے خرید کر آزاد کیا اور ان کو شہر قسطنطنیہ کے ایک خاص محلہ میں آباد کیا۔ اس فتح کے بعد سلطان فاتح نے دیکھا کہ قسطنطنیہ کے اکثر گھر ویران اور غیر آباد ہو گئے ہیں۔ شہر کی رونق کو واپس لانے اور اس کی آبادی کو بڑھانے کے لیے سلطان فاتح نے ایشیائے کوچک سے پانچ ہزار مسلمان خاندانوں کو قسطنطنیہ میں لا کر آباد کرنے کا انتظام کیا۔ ماہ رمضان سنہ۔ ۸۵۷ھ تک یہ پانچ ہزار مسلم خاندان قسطنطنیہ میں آ کر آباد ہو گئے اور قسطنطنیہ پہلے سے زیادہ بارونق شہر بن گیا۔

شہر قسطنطنیہ کی تاریخ: قسطنطنیہ کی یہ فتح دنیا کا نہایت ہی اہم اور عظیم الشان واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی فتح قسطنطنیہ پر یورپی مورخین کی اصطلاح میں مڈل ایجیز یعنی زمانہ وسطیٰ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد روشنی کا زمانہ یعنی دو جدید شروع ہوتا ہے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کے مختصر تاریخی حالات بیان کر دیئے جائیں۔ جس موقعہ پر قسطنطنیہ آباد ہے، اسی موقع پر سنہ عیسوی سے ۶۶۷ سال پہلے بائی زینتم نامی ایک شہر کسی خانہ بدوش قبیلے نے آباد کیا تھا۔ اس شہر پر بہت سے حادثے گزرے اور وہ اپنے اردگرد کے علاقے کا مرکزی شہر اور ایک مختصری ریاست کا دار الصدر بن گیا۔ سکندر یونانی کے باپ فلیقوس نے اس شہر پر حملہ کر کے اس کو اپنے قبضہ کرلانا چاہا۔ اس نے رات کی تاریکی میں اپنی فوجوں کو شہر بائی زینتم تک پہنچانا اور شہر پر اچانک قبضہ کرنا چاہا۔ اسی رات کی تاریکی میں جبکہ فیلقوس کی فوج شہر کی فصیل تک پہنچ گئی تھی، شمال کی جانب سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور اس روشنی میں شہر والوں نے حملہ آور فوج کو دیکھ لیا اور فوراً مقابلہ کی تیاری اور مدافعت پر آمادہ ہو گئے۔ فیلقوس شہر والوں کو مستعد دیکھ کر واپس ہو گیا اور شہر اس طرح بچ گیا۔ شہر والوں نے آئی بلا کے ٹل جانے کو ڈائنا دیبی کا کمال و تصرف تصور کیا اور اس خوشی میں دیبی مذکور کا مندر تعمیر کر کے ہلال کو اپنے شہر کا نشان مقرر کیا۔

اس کے چند روز بعد سکندر نے اس شہر کو فتح کر کے اپنے باپ کی ناکامی کا بدلہ لے لیا۔ سکندر کے بعد بائی زینتم کو مختلف قوموں نے اپنی تاخت و تاراج کا تختہ مشق بنایا۔ اس کے بعد قیصر قسطنطین اول نے اس علاقے کو فتح کیا تو وہ شہر بائی زینتم کے خوش فضا محل وقوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے اس شہر اور اس کے متصلہ رقبہ کو شامل کر کے شہر آباد کیا تا کہ اس کو اپنا دار الحکومت بنائے۔ اس جدید شہر کا نام اس نے روما جدید رکھا مگر وہ قسطنطین اپنے بانی کے نام پر قسطنطنیہ مشہور ہوا۔

قسطنطین اول نے قسطنطنیہ کو سنہ ۳۲۷ء میں آباد کیا۔ اس سے پہلے تک قسطنطین اور اس کے باپ دادا بت پرست اور لا مذہب تھے لیکن قسطنطین نے خود دین عیسوی قبول کر کے قسطنطنیہ کو اس کی آبادی کے تین سال بعد حضرت مریم علیہا السلام کی نذر کیا اور خوب خوشی منائی۔ لہٰذا اسی سنہ ۳۳۰ء سے قسطنطنیہ مخصوص عیسائی شہر سمجھا جانے لگا۔ اس کے بعد سلطنت روما جب دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو قسطنطنیہ مشرقی سلطنت کا مستقل دار السلطنت قرار پایا۔ اس سلطنت یعنی مشرقی روم کو کامل عروج قیصر جسٹین کے عہد حکومت میں حاصل ہوا۔ جس نے سنہ ۵۲۷ء سے سنہ ۵۶۵ء تک حکومت کی۔ اس قیصر نے قسطنطنیہ کی تعمیر و رونق میں بہت اضافہ کیا۔ اس شہر پر مختلف قوموں نے مختلف اوقات میں چڑھائیاں کیں مگر وہ نقصان و بربادی سے محفوظ رہا۔ مسلمانوں نے اول ہی اول عہد بنوامیہ میں اس پر چڑھائی کی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی معرکہ میں شہید ہو کر فصیل شہر کے نیچے مدفون ہوئے۔ اس مرتبہ یہ شہر فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ عیسائیوں نے کئی مرتبہ چاہا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کو

اکھیڑ کر پھینک دیں مگر وہ ہمیشہ مسلمانوں کی ناراضگی کے خوف سے اس ارادہ کو پورا نہ کر سکے۔ سلطان محمد خان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کے متصل ایک مسجد بنوادی تھی جو جامع ایوب کے نام سے مشہور ہے۔

خلفاء عباسیہ کے دور حکومت میں کئی مرتبہ قسطنطنیہ کے فتح کرنے کی تیاریاں ہوئیں۔ مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی ایسا مانع ہوا کہ یہ کام ناتمام ہی رہ گیا۔ اس کے بعد سنہ ۶۰۰ ھ میں جبکہ صلیبی لڑائیوں کی سرگرمیاں بڑے زور شور سے جاری تھیں، وینس کی ایک فوج نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے لاطینی سلطنت قائم کی جو روما کے پوپ کو مذہبی پیشوا مانتی تھی۔ ساٹھ سال تک یہ حکومت قائم رہی۔ اس کے بعد سنہ ۶۶۰ ھ میں یونانیوں یعنی مشرقی رومیوں نے پھر قسطنطنیہ کو فتح کر کے اپنی مشرقی حکومت دوبارہ قائم کر لی جو اسی پرانے خیری عقیدے پر قائم اور پوپ روما کی اطاعت سے آزاد تھی۔

دو سو برس کے بعد سلطان محمد خان فاتح نے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور بجائے ایڈریانوپل کے قسطنطنیہ عثمانیہ سلطنت کا دارالسلطنت بنا۔ قسطنطنیہ سوا گیارہ سو سال تک عیسائی حکومت کا دارالسلطنت رہ کر اسلامی حکومت کا دارالسلطنت بنا اور پونے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ تک اسلامی حکومت و خلافت کا دارالسلطنت اور دارالخلافہ رہنے کے بعد ہمارے اس زمانے میں جبکہ خلافت عثمانیہ کا سلسلہ ختم ہونے پر انگورہ ترکوں کی اسلامی جمہوری حکومت کا دارالحکومت قرار پایا۔ قسطنطنیہ کی دارالحکومت ہونے کی خصوصیت جاتی رہی۔ تاہم وہ دنیا کا ایک نہایت عظیم الشان شہر اور مسلمانوں کا مایہ ناز مقام ہے۔

سلطان فاتح کے بقیہ کارنامے: قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان فاتح نے چند روز تک اپنی توجہ قسطنطنیہ کی آبادی اور رونق بڑھانے میں صرف کی۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بات بھی سوچتا رہا کہ یونان کا جنوبی حصہ جو ایک جزیرہ نما کی صورت میں میں بحر روم میں چلا گیا ہے، تمام و کمال سلطنت عثمانیہ میں شامل ہونا چاہیے۔ تاکہ آئندہ کے لیے بہت سے خرخشے جو اٹلی وغیرہ کی بحری ترک و تاز سے پیدا ہو سکتے ہیں، مٹ جائیں۔ لہٰذا فتح قسطنطنیہ سے اگلے سال سلطان فاتح نے جنوبی یونان کی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں شامل کیا۔ اسی جنوبی یونان میں ایک چھوٹی سی ریاست قیصر قسطنطین کی اولاد نے قسطنطنیہ سے فرار ہو کر قائم کی تھی۔ اس فتح کے بعد قیصر قسطنطین کے بعض ارکان خاندان نے جو یہاں موجود تھے، اسلام قبول کر لیا تھا۔ اوپر یہ بات بیان ہونے سے رہ گئی تھی کہ جب مسلمانوں کی فوج نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تھا اور تمام ملاح فتح کی خوشی میں اپنی کشتیوں کو چھوڑ چھوڑ کر شہر میں داخل ہوئے تو شہر کے عیسائیوں نے جو باہر نکل سکے بندرگاہ میں پہنچ کر ان عثمانی کشتیوں کو جو بندرگاہ میں کھڑی تھیں، اپنے فرار کا ذریعہ بنایا اور انہیں عثمانی کشتیوں میں سوار ہو کر دردانیال کے راستے جنوبی

یونان اور اٹلی کی جانب بھاگ گئے۔ جنوبی یونان کی فتح سے فارغ ہو کر سلطان نے ریاست وینس کی طرف توجہ کی۔ مگر اس ریاست نے دب کر سلطان سے صلح کا عہد نامہ کر لیا۔ سنہ ۶۰۱ھ میں قسطنطنیہ کے شاہی خاندان کا ایک شخص مسمی کوم نینی جو صلیبی مجاہدین کے مذکورہ ہنگامہ میں قسطنطنیہ سے نکال دیا گیا تھا، اس نے بحر اسود کے جنوبی ساحل پر مقام ابزون میں مقیم ہو کر اپنی جداگانہ چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم کر لی تھی۔ اس ساحلی ریاست کی طرف کسی نے زیادہ التفات نہیں کیا اور اڑھائی سو سال تک وہ اس طرح قائم رہی کہ جب کسی مسلمان فرماں روا نے اس کی طرف توجہ کی، اس نے فوراً انقیاد و فرماں برداری کی گردن جھکا دی اور جب مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف ہونے کا اتفاق ہوا وہ باج و خراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ ایشیائے کوچک پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ لیکن طرابزون کو انہوں نے اس کے حال پر قائم رہنے دیا تھا جو ان کے مقبوضہ علاقے کی شمالی و مشرقی سرحد تھی۔ اب فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان فاتح نے ضروری سمجھا کہ ایشیائے کوچک سے اس عیسائی حکومت کو بھی مٹائے کیونکہ فتح قسطنطنیہ کا واقعہ ایسا نہیں تھا کہ اس کا اثر طرابزون کے عیسائی فرماں روا کے دل پر نہ ہوا ہو، جو قیصر قسطنطین کا رشتہ دار اور اس سے کامل ہمدردی رکھتا تھا۔ طرابزون کا یہ عیسائی فرماں روا اس لیے اور بھی مخدوش ہو گیا تھا کہ وہ ایران کے ترکمان بادشاہ حسن طویل کا خسر تھا۔ حسن طویل نے تمام ملک ایران اور ارمینیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ ایک طاقتور بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لہذا ایران کی ترکمان سلطنت ایشیاء کوچک کی عثمانیہ سلطنت کے لیے کسی وقت موجب خطر بن سکتی تھی اور طرابزون کی عیسائی ریاست کو کافی موقعہ میسر تھا کہ وہ عثمانی سلطنت کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی تدابیر سوچے۔ سلطان فاتح عیسائی قیصر کی ریشہ دوانیوں سے واقف تھا، اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس ناسور کو پہلے ہی شگاف دے دیا جائے۔ اور جو کچھ ہونا ہو وہ ابھی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے یونان و وینس سے فارغ ہو کر سنہ ۸۶۰ھ طرابزون پر حملہ کیا اور اس ریاست کو فتح کر کے اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔ طرابزون کی ریاست اگرچہ خود مختار تھی لیکن وہ سلطنت ایران کا ایک حصہ سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے ایران کے بادشاہ حسن طویل کو طرابزون کا سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو جانا سخت ناگوار گزرا۔ مگر چونکہ سلطان فاتح نے طرابزون کی عیسائی ریاست کو اپنی حکومت میں شامل کر کے حسن طویل شاہ ایران کی حدود میں کوئی مداخلت نہیں کی، اس لیے اس وقت سلطنت ایران سے کوئی جھگڑا نہ ہوا مگر بعد میں دلوں کی کدورت کا اظہار تیر و شمشیر کے ذریعہ ہوا۔

بہر حال یونان اور ایشیائے کوچک کی طرف سے فارغ ہو کر سلطان فاتح سنہ ۸۶۰ھ میں قسطنطنیہ واپس آیا اور یہاں آتے ہی سرویا اور اس کے بعد بوسینیا کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ علاقے پہلے بھی حکومت عثمانیہ میں شامل ہو گئے تھے لیکن آج کل ان کے باج گزار فرماں رواؤں سے علامات سرکشی ظاہر ہونے لگے تھے۔ لہذا سلطان فاتح نے ان روز کے جھگڑوں کا فیصلہ کر دینا مناسب خیال کیا۔

چنانچہ سرویا اور بوسینیا کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ کے صوبے قرار دے کر وہاں اپنی طرف سے عامل مقرر کر دیئے۔ چونکہ ہنی داس بادشاہ ہنگری کے ساتھ معاہدہ صلح کی میعاد ختم ہو چکی تھی اور وہ سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف اور یورپ کی دوسری عیسائی طاقتوں سے امداد طلب کر چکا تھا۔ اس لیے سلطان فاتح نے ضروری سمجھا کہ ہنگری پر خود ہی حملہ آور ہو۔ چنانچہ سنہ۔ ۸۶۱ھ مطابق جولائی سنہ۔ ۱۴۵۶ء میں عثمانی فوجیں ہنگری کی جانب بڑھیں۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد تمام عیسائی سلاطین اور عالم عیسائیت سلطنت عثمانیہ کی نسبت غیظ وغضب کے جذبات سے لبریز تھا۔ ساتھ ہی سب کو خیال تھا کہ اگر سلطان فاتح نے بلگریڈ دار السلطنت ہنگری کو بھی قسطنطنیہ کی طرح فتح کر لیا تو پھر مغربی یورپ کی خیر نہیں ہے۔ لہذا ہر ایک ملک سے عیسائی فوجیں بلگریڈ کے بچانے کے لیے آ آ کر جمع ہو گئیں۔ سلطان فاتح راستے کے شہروں اور قصبوں کو فتح کرتا ہوا بلگریڈ تک اپنی فوج کو لے گیا اور جاتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر ہنی داس یا ہنی ڈیز بھی بہت تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ مدافعت شروع کی۔ آخر بہت کشت وخون اور جنگ وجدل کے بعد عثمانی لشکر شہر کے ایک حصہ میں داخل ہو گیا۔ یہ حصہ شہر کا زیریں حصہ کہلاتا تھا۔ عیسائی سپہ سالاروں نے یہ حالت دیکھ کر ہمت نہیں ہاری بلکہ شہر کے بلائی حصہ میں اپنی طاقت کو مجتمع کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ شہر میں داخل ہونے والے اسلامی دستہ نے شہر کے اندر خوب جم کر مقابلہ کیا اور چھ گھنٹہ کی مسلسل شمشیر زنی کے بعد اپنے آپ کو رات کے وقت شہر کے اندر خطرہ میں دیکھ کر شام ہونے پر پسپا ہوئے اور شہر سے نکل کر اپنے کیمپ میں آ گئے۔ عیسائیوں نے فوراً اس حصہ شہر پر قابض ہو کر خوب مضبوطی کر لی۔ یہ واقعہ ۲۱ جولائی کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ مسلمانوں نے فصیل شہر کو عبور کر کے شہر کے محلوں کو لوٹا لیکن محصورین کی خوش انتظامی اور تجربہ کاری نے شہر کو مکمل طور پر فتح نہ ہونے دیا اور ہر مرتبہ مقبوضہ شہر کو چھوڑ ہی دینا پڑا۔ آخر ۱۶ اگست کو سلطان فاتح نے بذات خود شہر پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا۔ اس روز شہر کے فتح ہونے میں کوئی کسر باقی نہ تھی کہ ایک موقعہ پر جہاں سلطان خود مصروف شمشیر زنی تھا اور بہت سے عیسائی سرداروں کے سر اپنی شمشیر خارا شگاف سے اڑا چکا تھا اور ہنگری کے بادشاہ ہنی ڈیز کو بھی زخمی کر کے اپنے سامنے سے بھگا چکا تھا، ایک عیسائی کے ہاتھ سے زخمی ہوا۔ عیسائی کی تلوار نے سلطان فاتح کی ران کو زخمی کیا۔ زخم چونکہ شدید تھا اور سلطان گھوڑے کی سواری یا پیدل چلنے سے معذور ہو گیا، اس کو پالکی میں ڈال کر اس جگہ سے واپس لے آئے۔ سلطان کے اس طرح زخمی ہو کر اور پالکی میں پڑ کر خیمے کی طرف واپس ہونے سے فوج میں بددلی پھیل گئی اور اس کا زخمی ہونا فوج سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ لہذا عثمانیہ لشکر جو قدم قدم پر عیسائیوں سے لڑتا اور ان کو پیچھے ہٹاتا ہوا شہر کے اندر بڑھ رہا تھا، اب خود پسپا ہونے لگا۔ یہ رنگ دیکھ کر عیسائیوں کی ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے پورے جوش وخروش کے ساتھ حملے شروع کر دیئے۔ ان کا بادشاہ ہنی داس بھی اگرچہ

سلطان کے ہاتھ سے زخمی ہو کر پہلے فرار ہو چکا تھا لیکن اس کے زخمی ہونے کا علم تمام عیسائی لشکر کو نہیں ہوا تھا۔ نیز یہ کہ ہنی داس کے سوا اور بھی کئی زبردست سپہ سالار جو غیر ملکی فوجوں کے افسر تھے، لڑائی کی ذمہ داری اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔ ادھر سلطان فاتح خود ہی تمام لشکر کا سپہ سالار اعظم تھا۔ اس کا زخمی ہونا لشکر پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس مرتبہ عیسائیوں کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ مسلمان شہر سے نکل کر بھی اپنے کیمپ میں قائم نہ رہ سکے اور زخمی سلطان کو لے کر قسطنطنیہ کی جانب چل دیئے۔ اس طرح مسلمانوں کی فتح مبدل بہ شکست ہوگئی اور شہر بلگریڈ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ لشکر عثمانیہ کی اس پسپائی یا شکست کا یورپ پر بہت اثر پڑا اور تمام عیسائی ممالک میں خوشی کے جشن منائے گئے۔ لیکن اس واقعہ کے اکیس روز بعد ہنی داس اپنے زخموں سے جاں بر نہ ہو سکا۔ ادھر ہنی داس شاہ ہنگری فوت ہوا، ادھر سلطان فاتح نے اپنے زخم کے اچھا ہونے پر غسل صحت کیا۔

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ اسکندر بیگ البانیہ پر قابض تھا اور سلطان فاتح نے تخت نشین ہو کر ان تعلقات و مراسم کی وجہ سے جو ایوان سلطانی میں پرورش پانے کے سبب سکندر بیگ کے ساتھ تھے، سکندر بیگ کی حکومت البانیہ پر باقاعدہ تسلیم کر لیا تھا اور کسی قسم کا آزار پہنچانے یا اس کو البانیہ سے بے دخل کرنے کا خیال سلطان فاتح کو نہ تھا مگر حادثہ بلگریڈ کے بعد جہاں دوسرے عیسائی سلاطین کی ہمتیں بڑھ گئیں، سکندر بیگ نے بھی سرکشی و بغاوت کے نشانات ظاہر کرنے شروع کیے۔ سلطان فاتح نے اول اول اغماض و چشم پوشی سے کام لیا لیکن جب اس کی حرکات نے خطرناک صورت اختیار کی تو سلطان فاتح نے البانیہ پر فوج کشی کی۔ سکندر بیگ بہت بہادر اور تجربہ کار شخص تھا۔ البانیہ چونکہ پہاڑی ملک اور سکندر بیگ کا وطن تھا، وہاں کی رعایا اور اس پر جان و دل سے نثار تھی۔ لہٰذا ایک سلسلہ جنگ شروع ہو گیا اور البانیہ کا ملک جلد فتح نہ ہو سکا۔

آخر سنہ ۸۶۶ھ میں سکندر بیگ نے خود صلح کی درخواست پیش کی اور آئندہ باوفا رہنے کا اقرار کیا۔ سلطان نے اس کی درخواست منظور کر لی اور البانیہ سے اپنی فوجیں ہٹا لیں لیکن سکندر بیگ نے پھر مخالفت کا اظہار کیا اور سلطان کو دوبارہ خود فوج لے کر البانیہ جانا پڑا۔ اس مرتبہ سکندر بیگ سلطانی حملہ کی ٹکر نہ سنبھال سکا اور اس کو البانیہ سے حدود ریاست وینس کی طرف پناہ گزین ہونا پڑا، جہاں اس کو بڑی آؤ بھگت کے ساتھ لیا گیا۔ وہیں سکندر بیگ کا انتقال ہوا اور البانیہ مستقل طور پر سلطانی قبضہ میں آ گیا۔ بلگریڈ کے حملہ کی ناکامی اور سکندر بیگ کے عرصہ دراز تک برسر مقابلہ رہنے کے سبب عیسائیوں کے دلوں سے سلطان فاتح کی وہ ہیبت جو فتح قسطنطنیہ کے بعد پیدا ہو گئی تھی، کم ہونے لگی اور ان کی ہمتیں پھر سلطانی مقابلہ کے لیے بڑھ گئیں۔ وینس کی ریاست جس نے چند روز پہلے دب کر صلح کی تھی، پھر طاقت کے اظہار پر آمادہ ہونے لگی۔ سلطان نے اس کی سرکوبی بھی ضروری سمجھی اور سمندر کے کنارے دور تک

وینس کے علاقے کو فتح کر کے بہت سے شہروں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ یہاں تک کہ ریاست وینس نے شہر سقوطری خود سلطان کی نذر کر کے نہایت ذلیل شرطوں پر سلطان سے صلح کی اور بحیرہ ایڈریاٹک میں سلطانی سیادت قائم ہوگئی۔

سنہ۔۸۷۸ھ میں سلطان فاتح نے اپنے سپہ سالار احمد قیدوق کو اپنا وزیر اعظم بنایا اور بحیرہ یونان کے جزیروں پر قبضہ کرنے میں مصروف رہا۔ اس فرصت میں ایران کا بادشاہ حسن اوزون یا حسن طویل ترکمان بھی اپنی طاقت کو بڑھا رہا تھا اور سنہ۔۸۷۳ھ میں سلطان ابو سعید مرزا تیموری کو گرفتار کر کے قتل کر چکا تھا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ ایشیائے کوچک میں سلطان فاتح کے خلاف مشکلات پیدا کرے اور فتح طرابزون کا بدلہ سلطنت عثمانیہ سے لے۔ چنانچہ اس کی پشت گری سے ایشیائے کوچک میں کئی مرتبہ بغاوتیں برپا ہوئیں اور ہر مرتبہ سلطان فاتح کے سپہ سالاروں نے ان کو فرو کر دیا۔ سلطان فاتح ایران کی مسلمان سلطنت سے لڑنا نہیں چاہتا تھا، اس کی تمامتر توجہ اس طرف منعطف تھی کہ سلطان بایزید یلدرم کی اس خواہش کو پورا کرے جو اس نے اٹلی کے شہر روما کو فتح کرنے کی نسبت ظاہر کی تھی۔ اسی لیے اس نے نہایت پائیدار اور مستحکم طریقہ سے اپنی حدود سلطنت کو اٹلی کی طرف بڑھایا اور دوسری سمتوں سے بھی غافل نہیں رہا۔ اس نے حادثہ بلگریڈ کے بعد دریائے ڈینوب کے شمالی صوبوں پر بلگریڈ تک اپنا قبضہ و تسلط مضبوطی سے جما لیا اور بلگریڈ کی فتح کو کسی دوسرے وقت پر ملتوی کر کے جزائر یونان اور وینس وغیرہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ ایشیائے کوچک اور ایران کی طرف سلطان فاتح کی توجہ منعطف ہونے والی نہ تھی، مگر قدرتی طور پر ایک سامان پیدا ہوا اور سنہ۔۸۷۹ھ میں سلطان نے اپنے وزیر اعظم احمد قیدوق کو فتح کریمیا کے لیے بحر اسود کی جانب روانہ کیا۔ جزیرہ نما کریمیا عرصہ دراز سے چنگیزی نسل کے خوانین کی حکومت میں تھا۔ کچھ دنوں سے جنیوا والوں نے کریمیا کے جنوبی ساحل پر بندرگاہ یافہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اپنے جنگی جہازوں کی مدد سے یافہ پر اپنا مستقل قبضہ جما کر خان کریمیا کے لیے باعث تکلیف ہو گئے۔ خان کریمیا نے مجبور ہو کر سلطان فاتح کو امداد کے لیے لکھا کہ جنیوا والوں کو یافہ سے بے دخل کر دیجئے اور مجھ کو اپنی سرپرستی میں لے لیجئے۔ سلطان نے خان کریمیا کی اس درخواست پر ہمدردانہ توجہ مبذول کی اور احمد قیدوق کو زبردست جنگی بیڑہ کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ احمد قیدون اپنے ساتھ چالیس ہزار فوج لے گیا اور چار دن کے محاصرہ کے بعد یافہ کو فتح کر کے چالیس ہزار جنیوا والوں کو جو وہاں موجود تھے، گرفتار کر لیا۔ یافہ سے بے شمار مال غنیمت اور جنیوا والوں کے جنگی جہاز احمد قیدوق کے ہاتھ آئے۔ خان کریمیا نے سلطان عثمانی کی اطاعت قبول کی اور اسی تاریخ سے تین سو سال تک خوانین کریمیا سلطان قسطنطنیہ کے باوفا اور فرماں بردار رہے۔ یافہ کی بندرگاہ دوسرا قسطنطنیہ سمجھی جاتی تھی۔ اس کا قبضہ میں آ جانا سلطنت عثمانیہ کے مشرقی صوبوں اور بحر اسود میں اپنی سیادت قائم رکھنے کے لیے نہایت

مفید اور ضروری تھا۔ اس موقعہ پر شاید یہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اسی سال یعنی سنہ ۸۷۹ھ میں روس کے اندر زار کا وہ خاندان برسر حکومت ہوا، جس نے ہمارے زمانہ کی مشہور جنگ عظیم تک روس میں زور شور کے ساتھ حکومت کی اور آخری زار دوران جنگ میں معزول ہو کر مقتول ہوا اور اس کے بعد روس میں سوویت حکومت یعنی جمہوری سلطنت قائم ہوئی۔ کریمیا اور یافہ کا حکومت عثمانیہ میں شامل ہو جانا ایران کے بادشاہ حسن طویل کو بہت ہی ناگوار گزرا اور اب اس نے علانیہ سلطنت عثمانیہ کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں۔

سنہ ۸۸۰ھ میں سلطان فاتح نے اپنے بیٹے بایزید کو ایشیائے کوچک کی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر بھیج دیا کہ اس طرف کے معاملات کا نگراں رہے اور خود یورپی علاقے کی طرف مصروف رہا۔ البانیہ اور ہرزیگونیا پر سلطان کا قبضہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اب سلطان نے جنیوا اور وینس کے قبضے سے بحر روم کے جزیروں کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد سنہ ۸۸۲ھ میں سلطان فاتح کا سپہ سالار عمر پاشا اپنی فتح مند فوج لیے ہوئے وینس کے دارالسلطنت تک پہنچ گیا اور وہاں کی پارلیمنٹ نے ترکی فوجوں کو اپنے شہر کی دیواروں کے نیچے دیکھ کر نہایت الحاح و عاجزی کے ساتھ صلح کی درخواست پیش کی اور وعدہ کیا کہ سلطان کو جب ضرورت ہو گی تو ہم سو جہازوں کے بیڑے سے سلطانی فوج کی مدد کریں گے۔ چنانچہ عمر پاشا اپنے حسب منشا شرائط پر صلح کر کے سالماً "غانماً" وینس سے واپس آیا۔

سنہ ۷۱۱ھ سے جزیرہ روڈس میں صلیبی مجاہدین کے ایک گروہ نے قبضہ کر کے ایک خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ قریباً ڈیڑھ سو سال سے یہ لوگ اس جزیرہ پر قابض و متصرف اور اردگرد کے جزیروں اور شام و ایشیائے کوچک کے بندرگاہوں پر بحری ڈاکے ڈالتے رہا کرتے تھے۔ وینس و جنیوا والوں نے بھی ان کو کبھی نہیں چھیڑا تھا بلکہ ان کو صلیبی مجاہدین کی یادگار سمجھ کر ان سے اتحاد رکھتے، ان کی ڈاکہ زنیوں کو جو عموماً مسلمانوں کے لئے باعث تکلیف ہوتی تھیں، بہ نظر استحسان دیکھتے تھے۔ اب جبکہ ساحل شام سے لے کر بحیرہ ایڈریا تک سلطان کی حکومت و سیادت قائم ہو چکی تھی اور قریباً تمام جزیرے سلطان کے قبضے میں آ چکے تھے تو روڈس کی عیسائی حکومت کا وجود سخت تکلیف دہ ثابت ہوا۔ چنانچہ سنہ ۸۸۵ھ میں سلطان نے اس جزیرہ کے فتح کرنے کے لئے ایک بحری جنگی مہم روانہ کی مگر یہ مہم ناکام واپس آئی۔ اس کے بعد سلطان فاتح نے دوسری مہم روانہ کی جس کا سپہ سالار ایک تجربہ کار شخص تھا۔ جزیرہ کے تمام مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے دارالسلطنت کا محاصرہ کیا گیا۔ شہر فتح ہو چکا تھا مگر عین اس وقت جبکہ سلطانی فوج شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار میں مصروف ہونا چاہتی تھی، سپہ سالار نے حکم جاری کیا کہ کوئی شخص رتی برابر چیز پر تصرف کرنے کا حق دار نہیں ہے۔ اس سے فوج میں بددلی پیدا ہوئی اور لوگوں نے خدمات کو انجام دینے میں پہلو تہی اختیار کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور اس کے سپہ

سالار کی ناچاقی نے وہ صورت اختیار کی کہ جزیرہ کو چھوڑ کر واپس آنا پڑا اور روڈس سلطانی مقبوضات میں شامل ہوتے ہوتے بچ گیا۔

جب روڈس کی جانب مہم روانہ کی گئی تھی تو اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے وزیراعظم احمد قیدوق فاتح کریمیا کو ایک فوج دے کر جہازوں کے ذریعہ اٹلی کے جنوب کی جانب روانہ کیا کہ وہ ملک اٹلی میں داخل ہو کر وہاں فتوحات شروع کرے۔ چنانچہ احمد قیدوق نے ساحل اٹلی پر اتر کر متعدد مقامات کو فتح کر کے اٹلی کے شہر آرٹینٹو کا محاصرہ کر لیا جو اٹلی کا باب الفتح کہلاتا تھا یعنی اس شہر کے فتح ہونے کے بعد ملک اٹلی اور شہر روما کا فتح کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ آخر سنہ ۸۸۵ھ مطابق ۱۱/ اگست سنہ ۱۴۸۰ء احمد قیدوق نے اس شہر کو بزور شمشیر فتح کر لیا اور بیس ہزار کے قریب محصورین کو گرفتار و قتل کیا۔ اس مستحکم مقام کے قبضے میں آ جانے کے بعد شہر روما کا فتح کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ تمام ملک اٹلی میں گھبراہٹ اور سراسیمگی طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ روما کا پوپ اپنا بوریا بستر باندھ کر ملک اٹلی سے بھاگ جانے پر آمادہ ہو گیا۔ شہر آرٹینٹو یا ٹرانٹو کی فتح اور روڈس کی مہم کے ناکام ہونے کا حال سلطان فاتح کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً فوجوں کے فراہم کرنے اور سامان جنگ کی تیاری کا اہتمام کیا۔ بظاہر سلطان بایزید یلدرم کی اس خواہش کے پورا ہونے میں کوئی امر اب مانع نہ رہا تھا کہ عثمانی سلطان فاتحانہ شہر روما میں داخل ہو کر اپنے گھوڑے کو روما کے بڑے گرجا میں دانہ کھلائے۔ اس مرتبہ سلطان فاتح نے بڑی سرگرمی کے ساتھ فوجی تیاری کی اور آبنائے باسفورس پر سمندر کے کنارے فوجی علم نصب کرا دیئے، جو اس بات کی علامت تھی کہ سلطان اپنی جرار فوج کے ساتھ بہت جلد روانہ ہونے والا ہے۔

اس وقت سلطان کے سامنے تین مہمیں موجود تھیں۔ ایک ایران کے بادشاہ حسن طویل کو سزا دینا کیونکہ اس نے شہزادہ بایزید کے مقابلہ میں چھیڑ چھاڑ اور لڑائی شروع کر دی تھی۔ دوسرے جزیرہ روڈس کو فتح کرنا۔ تیسرے ملک اٹلی کو تمام و کمال فتح کر کے شہر روم میں فاتحانہ داخل ہونا۔ سلطان نے کسی دوسرے شخص کو یہ نہیں بتایا کہ وہ اول کس طرف متوجہ ہو گا۔ سلطان فاتح کی یہ عادت تھی کہ وہ جب کسی مہم پر خود روانہ ہوتا تو فوج کے کسی افسر حتیٰ کہ اس کے وزیراعظم تک کو بھی یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس کا ارادہ کس طرف کا ہے۔ ایک مرتبہ کسی سپہ سالار نے سلطان سے پوچھا تھا کہ آپ کا ارادہ کس طرف کا ہے؟ اور آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو سلطان نے اس کا جواب دیا تھا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میری داڑھی کے ایک بال کو میرے ارادے کی اطلاع ہو گئی ہے تو میں اپنی داڑھی کے اس بال کو نوچ کر فوراً آگ میں ڈال دوں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان کو جنگی معاملات میں کس قدر احتیاط ملحوظ تھی۔

بہر حال قسطنطنیہ میں ہر طرف سے فوجیں آ آ کر جمع ہو رہی تھیں اور سلطان فاتح سامان جنگ اور ضروریات لشکر کی فراہمی میں مصروف تھا۔ یہ تیاری بہت ہی عظیم الشان اور غیر معمولی تھی، جس سے ظاہر

ہوتا تھا کہ بہت جلد براعظم یورپ اور براعظم ایشیاء میں عظیم الشان فتوحات سلطنت عثمانیہ کو حاصل ہونے والی ہیں۔ ان تیاریوں میں سنہ ۸۸۶ھ شروع ہوگیا اور لشکر کے کوچ کرنے کا وقت قریب آ گیا۔ سلطان فاتح نے قسطنطنیہ سے کوچ کیا۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اول شاہ ایران کو سزا دے کر بہت جلد وہاں سے واپس ہوکر روڈس کو فتح کرے گا اور روڈس سے فارغ ہو کر ملک اٹلی میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ داخل ہوگا، جہاں شہر ٹرانٹو پر اس کا بہادر سپہ سالار احمد قیدوق قابض و متصرف اور اپنے سلطان کی تشریف آوری کا منتظر تھا اور پوپ سکٹس چہارم روما میں منتظر تھا کہ سلطان کے حدود اٹلی میں داخل ہونے کی خبر سنتے ہی وہ روما سے فرار ہو جائے۔ مگر قضا و قدر کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔

سلطان محمد خان ثانی کی وفات: اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ یورپی ممالک سے عیسائیوں کا نام و نشان گم ہو۔ لہذا قسطنطنیہ سے روانہ ہوتے ہی سلطان پر درد نقرس کا حملہ ہوا اور اسی مرض میں بروز پنج شنبہ بتاریخ ۴/ ربیع الاول سنہ ۸۸۶ھ مطابق ۳/ مئی سنہ ۱۴۸۱ء سلطان فاتح نے وفات پائی اور یہ عظیم الشان فوج کشی ملتوی رہ گئی۔ سلطان کی لاش کو قسطنطنیہ میں لا کر دفن کیا گیا۔ یوم یوم الخمیس مادہ سال تاریخ وفات ہے۔ ۵۲ یا ۵۳ سال کی عمر پائی اور قریباً ۳۱ سال حکمرانی کی۔ سلطان فاتح کی وفات سلطنت عثمانیہ کے لئے بے حد مضر ثابت ہوئی۔ سلطان فاتح جس سال ایڈریانوپل میں اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا، اسی سال ہندوستان میں بہلول لودھی تخت نشین ہوا تھا۔ بہلول لودھی اور سلطان فاتح دونوں ہم عصر تھے۔ بہلول لودی نے سلطان فاتح کی وفات کے بعد بھی چند سال تک ہندوستان میں حکومت کی۔ کشمیر کا مشہور علم دوست اور روشن خیال بادشاہ زین العابدین بھی سلطان فاتح کا ہم عصر تھا مگر وہ کئی سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔ اسی سال یعنی ۵/ صفر سنہ ۸۸۶ھ کو ملک دکن میں ملک التجار خواجہ جہاں محمود گاوان وزیر سلطان محمد شاہ بہمنی مقتول ہوا۔ سلطان فاتح کی وفات سے پورے گیارہ سال بعد یعنی یکم ربیع الاول سنہ ۸۹۷ھ کو اندلس میں اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا اور غرناطہ پر عیسائیوں نے قبضہ پایا، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ جب سلطان فاتح کا انتقال ہوا تو اندلس میں اسلامی حکومت دم توڑ رہی تھی۔ کاش سلطان فاتح اور چند سال زندہ رہتا اور اٹلی کا ملک فتح ہوکر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو جاتا تو پھر یقیناً عیسائیوں کو یہ موقعہ نہیں مل سکتا تھا کہ وہ غرناطہ کی اسلامی سلطنت کا نام و نشان مٹا سکتے بلکہ غرناطہ کی اسلامی سلطنت جو دم بدم کمزور ہوتی چلی جاتی تھی، عثمانیہ سلطنت سے امداد پا کر یکا یک تمام جزیرہ نمائے اسپین پر چھا جاتی اور پھر براعظم یورپ اسلامی جھنڈے کے سایہ میں ہوتا۔ غرض کہ سلطان فاتح کی وفات عالم اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سلطان محمد خان ثانی کے عہد حکومت پر تبصرہ: سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ کا عہد حکومت مسلسل جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے پر ہے۔ اس نے اپنے عہد سلطنت میں بارہ ریاستیں اور دو سو سے زیادہ شہر و قلعے فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں شامل کئے۔ سلطان فاتح کے عہد سلطنت میں آٹھ لاکھ مسلمان سپاہی شہید ہوئے مگر اس کی باقاعدہ فوج کی تعداد سوا لاکھ سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔ اس نے ینگ چری یعنی فوج جاں نثار کی ترتیب و تنظیم کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی، جو سلطان کی باڈی گارڈ کی فوج کہلاتی تھی اور اس کی تعداد عموماً بارہ ہزار کے قریب ہوتی تھی۔ اس نے ایسے قوانین جاری کئے جس سے ہر قسم کی بدنظمی فوجی اور انتظامی محکموں سے دور ہوگئی۔ سلطان فاتح نے جو قوانین جاری کئے، ان سے سلطنت عثمانیہ کو بہت نفع پہنچا۔ ایک ایسے سلطان سے جس کا تمام عہد حکومت لڑائیوں اور چڑھائیوں میں گزرا ہو، ہرگز یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک اعلیٰ درجہ کا مقنن بھی ہوگا۔ مگر اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان محمد خان فاتح ایک اعلیٰ درجہ کا مقنن تھا۔ اس نے اپنے دربار میں وزراء، سپہ سالار، پیش کار وغیرہ ارا کین سلطنت کے ساتھ علماء دین کی ایک جماعت کو لازمی قرار دے کر ان کا مرتبہ ارا کین سلطنت میں سب سے بالا قرار دیا۔

تمام ممالک محروسہ میں شہروں، قصبوں اور گاؤں کے اندر مدرسے جاری کئے۔ ان مدارس کے تمام مصارف سلطنت کے خزانے سے پورے کئے جاتے تھے۔ ان مدرسوں کا نصاب تعلیم بھی خود سلطان فاتح ہی نے مقرر و تجویز کیا۔ ہر مدرسہ میں باقاعدہ امتحان ہوتے تھے اور کامیاب طلباء کو سندیں دی جاتی تھیں۔ ان سندوں کے ذریعہ سے ہر شخص کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا تھا اور اس کی قابلیت کے موافق ہی اس کو نوکری یا جاگیر داری دی جاتی تھی۔ نصاب تعلیم میں تمام ضروری اور دین و دنیا کے لئے مفید و نفع رساں علوم شامل تھے۔ سلطان محمد خان خود ایک زبردست اور جید عالم تھا۔ قرآن و حدیث اور تاریخ و سیر نیز ریاضی و طبعیات میں اس کو دست گاہ کامل حاصل تھی۔ اسی لئے اس نے بہترین نصاب تعلیم مدارس میں جاری کیا۔ عربی، فارسی، ترکی، لاطینی، یونانی، بلکیرین وغیرہ بہت سی زبانوں میں سلطان فاتح بلا تکلف نہایت فصاحت کے ساتھ گفتگو کر سکتا تھا۔

اس نے اپنی قلمرو کے اندر جو قانون جاری کیا تھا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کے موافق عمل درآمد ہو، اس کے بعد سنت ثابتہ اور احادیث صحیحہ کی پیروی کی جائے۔ اس کے بعد فقہائے اربعہ سے امداد لی جائے۔ ان تینوں مرحلوں کے بعد چوتھا مرتبہ احکام سلطانی کا تھا۔ سلطان اگر کوئی حکم جاری کرتا اور وہ حکم قرآن و حدیث کے خلاف ہوتا تو علماء کو اجازت تھی کہ وہ بلا تامل اس حکم کا خلاف شرع ہونا ثابت کر دیں تاکہ سلطان فوراً اپنے حکم کو واپس لے لے۔

اس نے اپنے ممالک مقبوضہ کو صوبوں، کمشنروں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا ضلع کے کلکٹر کو

بیلر بیک اور کمشنر کو سنجق اور صوبہ دار کو پاشا کا لقب دیا گیا تھا۔ اسی سلطان نے قسطنطنیہ یعنی دربار سلطنت کو باب عالی کے نام سے موسوم کیا، جو اس ہمارے زمانے تک باب عالی کے نام سے مشہور رہا۔ سخت حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا جنگجو اور فاتح سلطان علمی مشاغل کے لئے کس طرح وقت نکال لیتا تھا۔ سلطان فاتح کو اپنے وقار اور رعب کے قائم رکھنے کا یہاں تک خیال تھا کہ اپنے وزیراعظم سے بھی کبھی خوش طبعی یا بے تکلفی کی گفتگو نہ کرتا تھا۔ ضرورت کے بغیر کبھی دربار یا مجلس جما کر نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس کو اپنی فرصت کے اوقات کا بالکل تنہائی میں گزارنا بہت محبوب تھا۔ اس کی کوئی بات لغو اور حکمت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ ایک طرف وہ علماء کا بے حد قدر دان اور ان کی عزت و وقار کے بڑھانے کا خواہاں تھا لیکن دوسری طرف وہ عالم نما جاہلوں اور کٹھ ملاؤں سے سخت متنفر تھا۔ نماز روزے کا سخت پابند اور باجماعت نمازیں ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید سے اس کو بے محبت تھی۔ عیسائیوں اور دوسرے غیر مذاہب والوں کے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت کریمانہ اور روادارانہ تھا۔ پابندی شرع میں بے جا سختی اس کو پسند نہ تھی۔ ''الدین یسر'' اس کا خصوصی عقیدہ تھا۔

وہ اس راز سے واقف تھا کہ کٹھ ملاؤں نے دین کے معاملہ میں بے جا سختی اور تشدد کو کام میں لا کر اور ذرا ذرا سی بے حقیقت باتوں پر نامناسب زور دے کر دین اسلام کو لوگوں کے لئے موجب وحشت بنا دیا ہے۔ اس لئے وہ دین اسلام کی ہر ایک رخصت سے فائدہ اٹھا لینے کو جائز جانتا تھا۔ چنانچہ اس کے دربار میں وینس سے ایک مشہور مصور و نقاش آیا اور اپنے کمال کا اظہار کرنے کے لئے سلطان کے دربار کی کئی تصویریں تیار کیں۔ سلطان نے اس کو اجازت دے دی اور پھر اس کی تصویروں کو دیکھ کر ان کے نقائص اس کو بتائے۔ اس قسم کی معمولی آزاد خیالیوں کو دیکھ کر اس زمانے کی فتوے باز پیداوار یعنی پیشہ ور مولویوں نے سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور سلطان کو لامذہب اور دہریہ ٹھہرایا۔ ان تنگ خیال، پست حوصلہ، تہی ظرف، دشمن اسلام فتوے بازوں کی نسل بہت پرانی ہے۔ یہ لوگ کچھ اس زمانے یا سلطان فاتح ہی کے زمانے میں نہ تھے بلکہ اس سے بہت پہلے بھی دنیا میں موجود تھے۔ جن کا ذکر اسی تاریخ کی گزشتہ جلد میں غالباً آ چکا ہے۔ سلطان فاتح کی نظر اپنی سلطنت کے ہر ایک صیغے اور ہر محکمے پر رہتی تھی۔ مجرموں کو سزا دینے میں وہ بہت چست اور کارگزار اہل کاروں کی قدر دانی میں بہت مستعد تھا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سلطان فاتح کو اپنا وقار قائم رکھنے اور تنہائی میں رہنے کا بہت شوق تھا لیکن لڑائی کے ہنگامے میں وہ اپنے معمولی لشکری کی مانند نظر آتا تھا۔ اس کے سپاہی اس پر جان قربان کرتے اور اس کو اپنا شفیق باپ جانتے تھے۔

سلطان فاتح کا قد درمیانہ، رنگ گندمی اور چہرہ عموماً اداس نظر آتا تھا۔ مگر غصہ و غضب کے وقت نہایت وحشت ناک ہوتا تھا۔ دیانت و امانت اور عدل و انصاف کے خلاف کوئی حرکت کسی اہلکار

سے سرزد ہوتی تو اس کو عبرت ناک سزا دیتا۔ سلطان فاتح کی حدود سلطنت میں چوری اور ڈاکہ زنی کا نام ونشان تک باقی نہ تھا۔ اس قدر عظیم الشان سلطنت اور وسیع مملکت میں سرکشی و بغاوت کے تمام فاسد مادوں اور بدامنی و بدچلنی کے تمام امکانات کا فنا ہو جانا سلطان فاتح کو ایک اعلیٰ درجہ کا مدبر و ملک دار فرماں روا ثابت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کا فاتح اور جنگجو سپہ سالار بھی تھا، پھر تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فاتح کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا اور وہ مختلف و متعدد زبانوں میں بلند پایہ اشعار کہہ لیتا تھا۔

❁❁❁

(اکیسواں باب)

سلطان فاتح کے بعد خانہ جنگی اور شہزادہ جمشید کی حیرت ناک داستان

سلطان فاتح کی وفات کے وقت اس کے دو بیٹے بایزید و جمشید تھے۔ بایزید ایشیائے کوچک کے صوبہ کا گورنر اور مقام اماسیہ میں مقیم تھا۔ جمشید کریمیا کی گورنری پر مامور تھا۔ سلطان فاتح کی وفات کے وقت بایزید کی عمر ۳۵ سال کی اور جمشید کی ۲۲ سال کی تھی۔ بایزید کسی قدر سست اور دھیمی طبیعت رکھتا تھا۔ بخلاف اس کے جمشید نہایت چست اور مستعد و جفاکش شہزادہ تھا۔ سلطان فاتح کی وفات کے وقت ان دونوں شہزادوں میں سے ایک بھی قسطنطنیہ میں موجود نہ تھا۔ سلطان فاتح نے اپنے وزیر اعظم احمد قیدوق فاتح کریمیا کو اٹلی کی جانب فوج کشی کرنے سے پیشتر سپہ سالاری پر مامور کر کے اس جگہ محمد پاشا کو وزیر اعظم بنا لیا تھا۔ محمد پاشا وزیر اعظم کی خواہش تھی کہ سلطان فاتح کے بعد شہزادہ جمشید کو تخت پر بٹھایا جائے۔ چنانچہ اس نے سلطان فاتح کی وفات کا حال پوشیدہ رکھنا چاہا اور جمشید کے پاس خبر بھیجی کہ فوراً قسطنطنیہ کی طرف آؤ، مگر یہ خبر پوشیدہ نہ رہ سکی۔ جانثار فوج نے فوراً بغاوت کر کے وزیر اعظم محمد پاشا کو قتل کر دیا اور اس کی جگہ اسحاق پاشا کو وزیر اعظم بنایا اور بایزید کے پاس خبر بھیجی کہ سلطان فاتح کا انتقال ہو چکا ہے، فوراً قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اس ینگ چری یعنی جانثاری فوج نے خودسری کی راہ سے قسطنطنیہ میں بڑی بدنظمی پیدا کر دی۔ سوداگروں اور مالداروں لوگوں سے زبردستی روپیہ حاصل کیا اور تمام محکموں پر قابض و متصرف ہو گئے۔ ادھر سپہ سالار احمد قیدوق جو اٹلی کے شہر اوٹرانٹو پر قابض و متصرف ہو کر آئندہ موسم بہار میں روما پر فوج کشی کی تیاریاں کر چکا تھا اور اوٹرانٹو کو ہر طرح قلعہ بند اور مضبوط بنا چکا تھا تاکہ آئندہ چڑھائیوں اور لڑائیوں کے وقت یہ شہر ایک مستقل اور مضبوط مرکزی مقام کا کام دے سکے۔ سلطان کی خبر وفات کو سن کر بہت مغموم ہوا۔ اس نے فوراً اوٹرانٹو میں ہر قسم کی ضروریات فراہم کر کے اپنے ایک ماتحت سردار کو اوٹرانٹو کا حاکم اور وہاں کی فوج کا سپہ سالار بنایا، مناسب ہدایات کیں اور خود قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا تاکہ وہاں کے نئے سلطان کی خدمت میں اٹلی کی فتح کے متعلق تمام باتیں عرض کر کے اور اجازت لے کر واپس آئے یا خود سلطان ہی کو اٹلی کی طرف لائے۔

سلطان فاتح کی وفات کا حال بایزید کو اماسیہ میں پہلے معلوم ہو گیا اور وہاں سے صرف چار ہزار فوج لے کر دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار کرتا ہوا قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ یہاں آتے ہی تخت سلطنت پر جلوس کیا مگر جانثاری فوج نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور اس کے سرداروں نے سلطان سے عرض کیا کہ ہماری

تنخواہوں اور جاگیروں میں بیش قرار اضافہ کیا جائے اور خوب انعام و اکرام دلوایئے، ورنہ ہم ابھی آپ کو قتل کر دیں گے۔ بایزید فوج کے اس خودسرانہ رویہ سے مرعوب ہو گیا اور اس نے جانثاری فوج کے مطالبات کو منظور کر کے آئندہ کے لئے اس رسم کی بنیاد رکھ دی کہ جب کوئی نیا سلطان تخت نشین ہو تو فوج کو انعام و اکرام دے کر خزانہ شاہی کا ایک بڑا حصہ اس طرح ضائع کر دے۔ بایزید کی اس پہلی کمزوری نے بتا دیا تھا کہ وہ کوئی زبردست اور قوی بازو سلطان اور اپنے باپ کا نمونہ نہ ہو سکے گا۔ لیکن ایک طرف اس کا اپنے بھائی جمشید سے عمر میں بڑا ہونا، دوسرے وزیر اسحاق پاشا اور جانثاری فوج کا طرف دار ہونا باعث اس کا ہوا کہ ارا کین سلطنت کو باوجود اس احساس کے کہ وہ قوی دل سلطان نہیں ہے، اس کی مخالفت کی جرات نہ ہو سکی۔ چند ہی روز کے بعد سپہ سالار احمد قیدوق بھی اٹلی سے قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ چونکہ اس کا رقیب وزیر اعظم محمد پاشا بایزید کا مخالف اور جمشید کا طرف دار تھا۔ لہذا قیدوق نے بھی بلا پس و پیش آتے ہی سلطان بایزید ثانی کی بیعت کر لی۔

جمشید کو باپ کے مرنے کی خبر کسی قدر دیر سے پہنچی۔ اس وقت بایزید ثانی قسطنطنیہ میں آ کر تخت نشین ہو چکا تھا۔ جمشید نے ایشیائے کوچک میں شہروں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور شہر بروصہ پر قابض ہو کر اپنے بھائی بایزید کو لکھا کہ سلطان فاتح نے آپ کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا تھا، اس لئے آپ کا تنہا کوئی حق نہیں ہے کہ تمام سلطنت کے مالک اور فرماں روا بن جائیں۔ مناسب یہ ہے کہ ایشیائی مقبوضات میرے تحت حکومت میں رہیں اور یورپی ملکوں پر آپ حکمرانی کریں۔ بایزید نے اس درخواست کو رد کر دیا اور جواباً کہا کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ قسطنطنیہ میں سلطان فاتح کی بہن اور ان دونوں بھائیوں کی پھوپھی موجود تھی۔ اس نے اپنے بھتیجے سلطان بایزید ثانی کے پاس جا کر اس کو سمجھایا کہ دونوں بھائیوں کا لڑنا اچھا نہیں ہے اور مناسب یہی ہے کہ جمشید کو ایشیائے کوچک کا تمام علاقہ دے دیا جائے۔ مگر بایزید نے پھوپھی کی نصیحت پر کوئی التفات نہ کیا اور یہی جواب دیا کہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ جمشید معہ اہل و عیال بیت المقدس میں جا کر سکونت اختیار کرے اور میں اس کے پاس صوبہ کریمیا کی آمدنی کا ایک حصہ اس کے گزارہ کے لئے بھجواتا رہوں گا۔ بہر حال مصالحت کی کوئی شکل پیدا نہ ہو سکی۔ جمشید اس بات سے واقف تھا کہ اگر میں سلطنت حاصل نہ کر سکا تو بایزید مجھ کو ہرگز زندہ چھوڑے گا۔ لہذا وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے بھی مجبور ہو گیا کہ بایزید کا مقابلہ کرے اور تخت سلطنت کے حصول کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ غرض سلطان بایزید نے اپنے سپہ سالار احمد قیدوق کی قابلیت و تجربہ کاری سے فائدہ اٹھایا اور اپنے بھائی جمشید کے مقابلے پر مستعد ہو گیا۔ چنانچہ سنہ۔ ۸۸۶ھ مطابق ۲/ جون سنہ۔ ۱۴۸۱ء دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ جمشید کی فوج کے اکثر سردار معہ اپنی اپنی جمعیتوں کے عین معرکہ جنگ میں بایزید کی طرف چلے آئے اور اس طرح جمشید کو بایزید کی فوج سے شکست کھانی پڑی۔

ادھر یہ دونوں بھائی ایشیائے کوچک میں مصروف جنگ تھے، ادھر روما کو پوپ جو روما سے بھاگنے کی تیاریاں کر چکا تھا، سلطان فاتح کی خبر وفات سن کر روما میں ٹھہر رہا اور پوپ کے عیسائی ملکوں سے صلیبی مجاہدین کو دعوت دی کہ آ کر اٹلی کو بچاؤ اور اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اٹرانٹو سے ترکوں کو نکال دو۔ چنانچہ ہسپانیہ، فرانس اور آسٹریا تک کے عیسائی دوڑ پڑے۔ اور عیسائی فوجوں نے اٹرانٹو پر چڑھائی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایشیائے کوچک میں جب بایزید و جمشید کی فوجیں ایک دوسرے کے مدمقابل پہنچ چکی تھیں تو اسی زمانہ میں انٹرانٹو پر حملہ آوری کی تیاریاں عیسائیوں نے کر لی تھیں۔ قسطنطنیہ سے کوئی مدد اٹرانٹو کی فوج کو نہ مل سکی۔ ترکوں نے خوب جم کر عیسائی فوجوں کا مقابلہ کیا لیکن جب ان کو قسطنطنیہ کی طرف سے مایوسی ہو گئی تو انہوں نے عیسائیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم مدافعت کی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ہم کو مغلوب کرنا تمہارے لئے آسان کام نہیں ہے، مگر ہم اب دیر تک لڑنا اور خون بہانا مناسب نہیں سمجھتے۔ اگر تم صلح کے ساتھ اس شہر کو لینا چاہتے ہو تو ہم تمہارے سپرد کرنے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ ہم کو یہاں سے عزت و اطمینان کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف چلے جانے کی اجازت دو۔ عیسائیوں نے فوراً اس پیغام کو منظور کر کے شرائط صلح کی دستاویز لکھ کر ترکی سردار کے پاس بھیج دی۔ جس کی رو سے عثمانیہ لشکر کے ہر فرد کی جان و مال کو امن دی گئی تھی۔ اس طرح صلح نامہ کی تکمیل کے اور ترکوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا اور عیسائیوں کا قبضہ شہر پر کرا کر خود وہاں سے روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن عیسائی سرداروں نے بدعہدی کر کے ہر طرف سے گھیر کر نہایت ہی ظالمانہ اور غیر شریفانہ طور پر قریباً تمام ترکوں کو قتل کر ڈالا اور اٹرانٹو کی گلیاں ترکوں کے خون سے لالہ زار بن گئیں۔ بایزید ثانی کے تخت نشینی کے بعد ہی سلطنت عثمانیہ کو یہ نہایت سخت و شدید نقصان پہنچا کہ جو میخ ملک اٹلی میں گڑ گئی تھی، وہ اکھڑ گئی اور ملک اٹلی کی فتح کا دروازہ جو ترکوں نے کھول دیا تھا، وہ پھر بند ہو گیا اور روما کے گرجے پر جو حسرت و مایوسی کے بادل چھا گئے تھے، وہ یک لخت دور ہو گئے اور اندلس کے ضعیف مسلمانوں کو جو زبردست امداد پہنچنے والی تھی، اس کا امکان جاتا رہا۔ احمد قیدوق کو پھر اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ وہ بایزید سے رخصت ہو کر اس طرف آتا اور اٹلی والوں سے اپنے مقتول سپاہیوں کا انتقام لیتا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جمشید شکست کھا کر ایشیائے کوچک میں نہیں ٹھہرا اور اپنے ہمراہیوں کی غداری کا معائنہ کرنے کے بعد اس نے ایشیائے کوچک کے کسی ترکی سردار اور صوبہ دار پر بھی اعتماد کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ اس کی مآل اندیش نظر نے اپنی حفاظت اور آئندہ مقابلہ پر مستعد ہونے کے لئے سلطنت مصر کو سب سے بہتر خیال کیا۔ مصر میں مملوکیوں کی حکومت تھی اور خاندان چراکسہ کا بادشاہ ابوسعید قائد بیگ حکمران تھا۔ چونکہ مصر میں عباسی خلیفہ بھی رہتا تھا، اس لئے عالم اسلام میں مصر کی سلطنت خاص طور پر تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ بایزید سے شکست کھا کر چند جانثار ہمراہیوں اور اپنی والدہ اور بیوی کے

ساتھ جمشید مصر کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی حدود سلطنت عثمانیہ سے باہر نہیں نکلا تھا کہ ایک ترک سردار نے اس کے قافلے پر چھاپہ مارا اور تمام ساز و سامان جو جمشید کے ساتھ تھا، لوٹ لیا۔ جمشید اپنا سامان لٹوا کر جلد حدود عثمانیہ سے نکل گیا اور وہ ترک سردار اس کا لوٹا ہوا سامان لے کر اس امید پر قسطنطنیہ پہنچا کہ بایزید خوش ہوگا۔ اس نے جب بایزید کی خدمت میں لوٹا ہوا سامان پیش کیا تو بایزید نے اس ترک سردار کو جس نے ایک شکست خوردہ اور تباہ حال قافلہ کو لوٹا تھا، قتل کرادیا۔ جمشید کے قریب پہنچنے کا حال جب مصر کے چرکسی سلطان نے سنا تو اس نے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور بادشاہوں کی طرح اپنا مہمان رکھ کر اس کی تسلی و دل جوئی کی۔ جمشید چار مہینے ابوسعید قائد بیگ کا مہمان رہا۔ اس کے بعد وہ مصر سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اور مکہ و مدینہ کی حاضری سے سعادت اندوز ہو کر جمشید مصر میں آیا۔ اس عرصہ میں بایزید اور سلطان مصر کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا اور سلطان مصر اپنے مہمان شہزادہ کے خلاف کوئی حرکت کرنے پر مطلق رضامند نہ ہوا بلکہ اس نے جمشید کو ہر قسم کی امداد دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھا۔ آخر جمشید نے مصر پہنچ کر جنگی تیاری شروع کی اور سلطان مصر نے اس کو فوج اور روپیہ سے مدد دی۔ جمشید اپنی حالت درست کر کے اپنی ماں اور بیوی کو مصر ہی میں چھوڑ کر بایزید کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ فلسطین اور شام کے ملک میں ہوتا ہوا ایشیائے کوچک کے جنوبی و مغربی حصہ سے داخل ہوا بایزید خبر سنتے ہی اپنے تجربہ کار سپہ سالار احمد قیدوق کو ہمراہ لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اس مرتبہ خوب زور شور کی لڑائی ہوئی مگر جمشید کو پھر شکست اٹھانی پڑی۔ یہ لڑائی سنہ ۸۸۷ھ مطابق جون سنہ ۱۴۸۲ء میں ہوئی۔ اس لڑائی میں جمشید کو ایشیائے کوچک ہی کے بعض سرداروں کی وجہ سے شکست ہوئی۔ ان لوگوں نے جمشید کے ساتھ مل کر بایزید سے لڑنے کا وعدہ کر کے جمشید کو مصر سے بلایا تھا اور اس کے ساتھ مل کر میدان جنگ میں آئے تھے لیکن لڑائی کے وقت بایزید سے جا ملے اور اس طرح اس کی باقی فوج کو بھی بددل کر کے بایزید کی فتح کا موجب ہو گئے۔ اس مرتبہ شکست کھا کر جمشید کو مصر کی طرف جاتے ہوئے شرم دامن گیر ہوئی اور اس نے کہا کہ اب سلطان مصر اور اپنی بیوی اور والدہ کو منہ دکھانے کا موقع نہیں رہا۔ اگر وہ مصر چلا جاتا تو یقیناً چند ہی روز کے بعد ایسا وقت آجاتا کہ سلطنت عثمانیہ کے تمام سپہ سالاران افواج متفقہ طور پر اس کو مصر سے قسطنطنیہ لے جانے کی کوشش کرتے اور تخت سلطنت پر بٹھاتے۔ مگر قضاء و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جمشید نے بجائے مصر کے اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصہ میں پہنچ کر اور وہاں کے سرداروں نیز سرحد کے عیسائی سلاطین سے امداد حاصل کر کے جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری کروں۔ اس شکست کے بعد بھی اس کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی اور تیس چالیس سے زیادہ رفیق اس کے ساتھ نہ تھے۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کسی جگہ دم لینے اور اپنی حالت کے درست کرنے کا موقع ملے۔ یہ موقع اس کو مصر ہی میں خوب

مل سکتا تھا۔ جہاں سلطان مصر اس کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار تھا مگر اس نے روڈس کے حکمران عیسائیوں کی پارلیمنٹ کو لکھا کہ کیا تم اس بات کی اجازت دے سکتے ہو کہ اس تمہارے جزیرے میں چند روز قیام کر کے پھر یونان اور البانیہ کی طرف چلا جاؤں اور اپنے ملک کو حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ اس پیغام کو سنتے ہی روڈس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

ان مقدس عیسائیوں نے جمشید کے اس ارادہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر عیسائی سلاطین کے چہروں پر رزالت وکمینگی کا سیاہ پوڈر ملنے کے لئے ایک شیطانی منصوبہ سوچا۔ جمشید ممکن تھا کہ اپنے روڈس جانے کے ارادے پر نظر ثانی کرتا اور ملک شام میں مقیم رہ کر چند روز انجام اور عواقب امور کو سوچتا اور اس عرصہ میں سلطان مصر باصرار اس کو مصر بلاتا اور اس کی ماں اور بیوی کی محبت اس کو مصر کی طرف کھینچتی لیکن روڈس کی پارلیمنٹ کے صدر مسمی ڈابسن نے فوراً جمشید کو لکھا کہ ہم آپ کو سلطنت عثمانیہ کا سلطان تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے موجب عزت و افتخار ہو گی اور میں اپنی پارلیمنٹ کی جانب سے آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ ہماری عزت افزائی کے لئے ضرور روڈس میں قدم رنجہ فرمائیں۔ ہماری تمام فوج، تمام جہاز، تمام خزانہ اور تمام طاقتیں آپ کی خدمت گزاری اور اعانت کے لئے وقف ہیں اور یہاں آپ کے لئے ہر قسم کا ضروری سامان اور طاقت موجود و مہیا کر دی جائے گی۔ اس جواب کو سن کر جمشید تامل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بلا توقف تیس آدمیوں کو ہمراہ لے کر روڈس کی طرف چل دیا۔ جزیرہ کے ساحل پر اتر کر اس نے دیکھا کہ استقبال کے لئے آدمی موجود ہیں۔ وہاں سے وہ تزک و احتشام کے ساتھ دارالسلطنت میں پہنچایا گیا۔ ڈی۔ آبسن یا ڈابسن نے جو پارلیمنٹ کا پریذیڈنٹ تھا، فوج کے ساتھ شاندار استقبال کیا اور شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرایا لیکن بہت جلد شہزادہ جمشید کو معلوم ہو گیا کہ وہ مہمان نہیں بلکہ ایک قیدی ہے۔ ڈابسن نے سب سے پہلے جمشید سے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھایا کہ اگر میں سلطنت عثمانیہ کا سلطان ہو گیا تو فرقہ نائٹس یعنی روڈس کے حاکموں کو ہر قسم کی مراعات عطا کروں گا۔ اس کے بعد اس نے سلطان بایزید کو لکھا کہ جمشید تو ہمارے قبضہ میں موجود ہے۔ اگر آپ ہم سے صلح رکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنے تمام بندرگاہوں میں آنے جانے اور تجارت کرنے کی آزادی دیجئے۔ ہر قسم کے محصول ہم کو معاف کئے جائیں اور آپ کا کوئی اہل کار ہم سے کسی جگہ کا محصول طلب نہ کرے۔ نیز پینتالیس ہزار عثمانی سکے سالانہ ہم کو دیئے جائیں تا کہ ہم جمشید کو اپنی حفاظت اور قید میں رکھیں اور اگر آپ نے ہماری ان شرائط کو منظور نہ کیا تو ہم اس شہزادے کو چھوڑ دیں گے تا کہ وہ آپ سے تخت سلطنت کو چھین لینے کی کوشش کر سکے۔ بایزید نے بلا تامل ڈی۔ آبسن کے تمام مطالبات کو منظور کر لیا اور ۴۵ ہزار ڈاکٹ یعنی تین لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ سالانہ رقم روڈس والوں کے پاس بھجواتا رہا۔ ادھر ڈی۔ آبسن پریسیڈنٹ روڈس نے مصر میں جمشید کی دکھیا غریب الوطن ماں کے پاس پیغام بھیجا کہ

اگر ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ ہمارے پاس بھیجتی رہو گی تو ہم تمہارے بیٹے جمشید کو بایزید کے سپرد نہ کریں گے اور اس کو بہ حفاظت آرام سے اپنے پاس رکھیں گے، ورنہ سلطان بایزید اس سے بھی زیادہ روپیہ ہم کو دینا چاہتا ہے۔ ہم مجبوراً اس کے سپرد کر دیں گے اور ظاہر ہے کہ جمشید کو قتل کر کے اطمینان حاصل کرے گا۔ اس پیغام کو سنتے ہی جمشید کی ماں نے جس طرح ممکن ہو سکا ڈیڑھ لاکھ روپیہ ڈی۔ آبسن کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ میں ہمیشہ یہ رقم بھیجتی رہوں گی۔ غرض کہ روڈس والوں نے جمشید کو جلب منفعت کا بہترین ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعہ سے فائدہ اٹھانے میں جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے سے مطلق پرہیز نہ کیا۔ اس طرح جلب منفعت کی تدابیر کام میں لا کر روڈس والوں نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو بایزید یا سلطان مصر جمشید کے حاصل کرنے کے لئے ہمارے ملک پر حملہ کر دیں اور یہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے جاتی رہے۔ لہٰذا انہوں نے جمشید کو روڈس میں رکھنا مناسب سمجھا اور اس کو سلطنت فرانس کی حدود میں شہر نائس کی طرف روانہ کر دیا اور ایک جمعیت اس نگرانی اور دیکھ بھال پر مامور کر دی۔ نائس سے پھر دوسرے مختلف شہروں میں اس کو تبدیل کرتے رہے اور اس عرصہ میں شہزادہ کے ہمراہیوں کو یکے بعد دیگرے جدا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جمشید تنہا رہ گیا۔

فرانس کے ایک شہر میں جب جمشید ٹھہرایا گیا تو اتفاقاً حاکم شہر کی لڑکی فلپائن ہلنیا اس پر عاشق ہو گئی۔ چند روز کے بعد اس شہر سے بھی اس کو جدا کر کے اس کو ایک خاص مکان میں جو اسی کے لئے فرانس کے بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا، لے جا کر رکھا۔ اب گویا شہزادہ پر بادشاہ فرانس نے اپنا قبضہ کر لیا کیونکہ وہ ایک نہایت قیمتی مال تھا اور ہر شخص اس پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ یہ مکان کئی منزل کا تھا۔ نیچے اور اوپر کی منزل میں تو محافظ اور چوکیدار رہتے تھے، بیچ کی منزل میں شہزادے کو رکھا جاتا تھا۔ اس عرصہ میں شاہ فرانس پوپ روما اور دوسرے عیسائی سلاطین نے ڈی۔ آبسن سے خط و کتابت کر کے شہزادہ کو اپنے اپنے قبضہ میں لینے کی درخواست کی۔ شہزادہ گویا ایسا مال تھا جو نیلام کے میدان میں رکھا ہوا اور ہر شخص اس پر بولی بول رہا ہو۔ ڈی۔ آبسن چونکہ شہزادہ کے ذریعہ خوب نفع اٹھا رہا تھا اور وہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے کی قیمت پہچانتا تھا، لہٰذا اس نے نہ تو کسی کو صاف جواب دیا، نہ اس کے دینے پر رضامند ہوا۔ بلکہ خط و کتابت کے طول دینے اور شرائط کے طے کرنے میں وقت کو ٹالتا رہا۔ سنہ ۸۹۵ھ تک شہزادہ جمشید ملک فرانس میں رہا اور روڈس والے برابر سلطان بایزید ثانی سے روپیہ وصول کرتے رہے۔ جب ڈی۔ آبسن کو یقین ہو گیا کہ عیسائی سلاطین بالخصوص فرانس کا بادشاہ جمشید پر قبضہ کر لے گا کیونکہ وہ اسی کے ملک میں فروکش تھا، تو اس نے جمشید کو بلا لینے کی تجویز کی اور ادھر جمشید کی ماں کو لکھا کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ سفر کے لئے بھیج دو تو میں تمہارے بیٹے کو فرانس سے بلا کر تمہارے پاس مصر میں پہنچا دوں گا۔ اس بے چاری نے فوراً یہ روپیہ بھجوا دیا اور ڈی۔ آبسن نے اپنے آدمیوں کو لکھا کہ جمشید کو فرانس کے ملک سے

اب اٹلی میں لے آؤ۔ یہ حال جب فرانس کے بادشاہ چارلس ہشتم کو معلوم ہوا تو اس نے مخالفت کی اور کہا کہ میں جمشید کو ہرگز اپنی محل داری سے باہر جانے نہ دوں گا۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد چارلس ہشتم نے اس شرط پر جمشید کو اٹلی جانے کی اجازت دی کہ پوپ دس ہزار روپیہ بطور ضمانت جمع کرے کہ اگر دربار فرانس کی اجازت کے بغیر جمشید کی اٹلی سے باہر جانے دیا تو یہ دس ہزار روپے ضبط ہو جائیں گے۔ ادھر پوپ نے ایک ضمانت روڈس کے حاکموں کو دی جس کا منشاء یہ تھا کہ اگر وہ فوائد جو روڈس کی حکومت کو جمشید کے ذریعہ پہنچ رہے ہیں، جمشید کے اٹلی آنے سے رک گئے تو پوپ ان نقصانات کی تلافی کرے گا۔

غرض سنہ ۸۹۵ھ میں شہزادہ جمشید شہر روما میں داخل ہوا اور یہاں اس کا شاندار استقبال کیا گیا اور پوپ کے شاہی محل میں اس کو ٹھہرایا گیا۔ فرانسیسی سفیر شہزادہ کے ہمراہ تھا۔ جب فرانسیسی سفیر اور جمشید پوپ سے ملنے گئے تو وہاڈ پوپ کے نائبوں نے جو دربار میں تھے، شہزادہ کو پوپ کے سامنے اسی طرح جھکنے کے لئے بار بار کہا جس طرح فرانسیسی سفیر اور دوسرے عیسائی سردار پوپ کے سامنے جھکتے تھے لیکن سلطان فاتح کے بیٹے نے یہ ذلت کسی طرح گوارا نہ کی اور وہ نہایت ا بے پرواہی اور فاتحانہ انداز سے پوپ کے پاس جا بیٹھا اور نہایت بے پرواہی اور شاہانہ جرات کے ساتھ پوپ سے گفتگو کی اور اسی گفتگو میں کہا کہ میں آپ سے کچھ باتیں تخلیہ میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ پوپ نے اس بات کو منظور کیا اور جب تخلیہ ہو گیا تو جمشید نے عیسائی سرداروں کی بدعہدی اور غیر شریفانہ برتاؤ کی شکایت کی اور اپنے مصائب کی داستان سنائی اور اپنی ماں اور بیوی کی جدائی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس داستان غم کو سن کر پوپ کے دل پر بھی بڑا اثر ہوا اور وہ بھی چشم پرآب ہو گیا۔ مگر کچھ سوچ کر اس نے کہا کہ تمہارا مصر جانا تمہارے لئے مفید نہ ہوگا اور تم اپنے باپ کا تخت حاصل نہ کر سکو گے۔ تم کو شاہ ہنگری نے بھی بلایا ہے۔ اگر تم ہنگری کی طرف چلے جاؤ گے تو تمہارا مقصد بآسانی پورا ہو سکے گا اور سب سے بہتر تو تمہارے لئے یہ بات ہے کہ تم دین اسلام کو چھوڑ کر دین عیسوی قبول کر لو پھر تمام پوپ تمہارے ساتھ ہوگا اور نہایت آسانی سے تم قسطنطنیہ کے تخت پر جلوس کر کے سلطنت عثمانیہ کے شہنشاہ بن جاؤ گے۔ پوپ اسی قدر کہنے پایا تھا کہ جمشید نے فوراً اس کو روک کر کہا کہ ایک سلطنت عثمانیہ کیا اگر ساری دنیا کی حکومت و شہنشاہی بھی مجھ کو ملنے والی ہو تو میں اس پر ٹھوکر مار دوں گا لیکن دین اسلام کے ترک کرنے کے خیال تک بھی دل میں نہ لاؤں گا۔ پوپ نے یہ سنتے ہی اپنے کلام کا پیرایہ بدل دیا اور معمولی دل جوئی کی باتیں کر کے جمشید کو رخصت کر دیا اور وہ جس طرح فرانس میں زیر حراست رہتا تھا، اسی طرح روما میں بطور قیدی رہنے لگا۔ جمشید کے روما میں آ جانے کا حال سن کر سلطان مصر نے اپنا ایلچی روما میں بھیجا۔ اس کو یقین تھا کہ روما سے جمشید اب مصر پہنچایا جائے گا۔ اس لئے یہ ایلچی استقبال کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ادھر سلطان بایزید ثانی نے جمشید کے اٹلی آنے کی خبر سن کر اپنا سفیر تحائف و نذرانے کے ساتھ پوپ

کے خدمت میں روانہ کیا کہ پوپ سے معاملہ طے کرے۔ کیونکہ پوپ کی نسبت خیال تھا کہ وہ اپنے اختیار سے جمشید کو جہاں چاہے بھیج سکتا ہے اور روڈس والوں کے منشاء کو پورا کرنا پوپ کے لئے ضروری نہیں ہے۔ شاہ مصر کے سفیر نے روما میں داخل ہو کر اول جمشید کو تلاش کیا اور جب اس کی خدمت میں پہنچا تو اسی طرح آداب بجالایا جیسے کہ سلطان قسطنطنیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجالاتا۔ اس سفیر نے جمشید کو یہ حال بھی سنایا کہ آپ کی والدہ سے کس قدر روپیہ سفر خرچ کے لئے ڈی۔ آبسن نے منگوایا ہے۔ یہ سن کر جمشید پوپ کی خدمت میں مع سفیر پہنچا اور اس دھوکہ بازی کا استغاثہ کیا۔ پوپ نے بہت ہی تھوڑے سے روپے ڈی۔ آبسن کے وکیل سے جمشید کو دلوا کر اس قصے کو ختم کر دیا۔ مصر کا سفیر ناکام مصر کو واپس چلا گیا۔ بایزید کے سفیر نے پوپ سے مل کر قریباً اسی قدر رقم پر جو ڈی۔ آبسن کو بایزید دیا کرتا تھا، معاملہ طے کر لیا اور اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے قسطنطنیہ کو واپس چلا گیا اور پوپ نے جمشید کی نگرانی کا معقول انتظام کر دیا اور وہ بدستور قیدیوں کی طرح رہنے لگا۔ اس کے تین سال بعد پوپ جس کا نام شینوس تھا، فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اسکندر: می پوپ مقرر ہوا۔ یہ جدید پوپ پہلے پوپ سے شرارت میں بدرجہا فائق تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی سلطان بایزید کے دربار میں ایلچی روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ چالیس ہزار ڈاکٹ سالانہ جو پہلے مقرر ہے، وہ آپ بدستور بھیجتے رہیں اور تین لاکھ ڈاکٹ یک مشت اب بھیج دیں تو میں ہمیشہ کے لئے آپ کو جمشید کے خطرے سے نجات دے سکتا ہو یعنی اس کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ پوپ اسکندر کے اس سفیر کا نام جارج تھا۔ جارج نے دربار قسطنطنیہ میں بڑے سلیقے کے ساتھ گفتگو کی اور اپنی قابلیت کا اس خوبی کے ساتھ اظہار کیا کہ سلطان بایزید نے پوپ کو اس سفیر کی سفارش لکھی کہ یہ ایسا لائق ہے کہ اس کو اپنا نائب بنائیں۔

یہ سفیر ابھی قسطنطنیہ میں مقیم تھا کہ سنہ ۹۰۱ھ میں فرانس کے بادشاہ چارلس ہشتم نے اٹلی پر حملہ کیا۔ اس حملہ آوری کا سبب بھی بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ شہزادہ جمشید کو اب جدید پوپ اسکندر کے قبضے میں نہ رہنے دیا جائے اور اس گوہر گراں مایہ کو اپنے قبضے میں لے لیا جائے۔ چارلس ہشتم کے حملہ آور ہونے پر اسکندر نے روما سے بھاگ کر سینٹ انجلو کے قلعہ میں پناہ لی اور بھاگتے ہوئے شہزادہ جمشید کو بھی، جسے وہ خزانہ سے زیادہ قیمتی سمجھتا تھا، اپنے ساتھ لیتا گیا۔ گیارہ روز کے بعد پوپ اور شاہ فرانس کے درمیان شرائط صلح نامہ کے طے کرنے کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی۔ سب سے پہلی شرط جو چارلس نے پیش کی، وہ یہ تھی کہ جمشید میرے قبضے میں رہے گا۔ آخر ایک مکان میں پوپ، چارلس اور جمشید صرف تین شخص جمع ہوئے اور پوپ نے جمشید کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ کیوں شہزادے تم یہاں رہنا چاہتے ہو یا بادشاہ فرانس کے پاس؟ جمشید نے کہا کہ میں شہزادہ نہیں رہا بلکہ ایک قیدی ہوں۔ مجھ کو جہاں پر چاہو رکھو، میں کچھ نہیں کہتا۔ بہر حال چارلس ہشتم شاہ فرانس جمشید کو اپنے ساتھ نیپلز میں لے آیا اور وہاں اس کو

رکھ کر ایک سردار مناسب جمعیت کے ساتھ اس کا نگران مقرر کیا گیا۔ اب پوپ اسکندر کی تمام امیدیں بایزید سے روپیہ وصول کرنے کی خاک میں مل گئیں۔ حالانکہ سلطان بایزید تین لاکھ ڈاکٹ ادا کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا اور پوپ کے سفیر سے معاملہ طے کر لیا تھا۔ پوپ کو چونکہ روپیہ کا لالچ تھا، اس لئے اس نے سلطان کو لکھا کہ اگرچہ جمشید یہاں سے نیپلز چلا گیا ہے مگر میں ضرور اس کا کام تمام کرا دوں گا اور آپ سے روپیہ پانے کا مستحق ہوں گا جیسا کہ طے ہو چکا ہے۔ اس کے بعد پوپ اسکندر نے ایک یونانی حجام کو اس کام کے لئے انتخاب کیا۔ یہ یونانی حجام اول مسلمان ہو چکا تھا اور اس کا نام مصطفیٰ رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور اٹلی میں آ کر اپنے پیشہ حجامی کی بدولت پوپ تک پہنچ گیا۔ پوپ نے اس مصطفیٰ حجام کو نیپلز کی جانب روانہ کیا اور زہر کی ایک پڑیا دی کہ کسی طرح یہ پڑیا جمشید کو کھلا دی جائے۔ اس زہر کا اثر یہ تھا کہ آدمی فوراً نہیں مرتا تھا بلکہ چند روز کے بعد بیمار ہو کر مرتا تھا اور کوئی دوا کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ مصطفیٰ نیپلز میں پہنچا اور رفتہ رفتہ رسوخ پیدا کر کے شہزادہ جمشید تک پہنچنے لگا۔ ایک حجام کو ایسے معزز قیدی تک پہنچنے سے پاسبانوں نے بھی روکنا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آخر مصطفیٰ نے موقع پا کر وہ زہر کی پڑیا شہزادہ کو کسی طرح دھوکے سے کھلا دی اور شہزادہ لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس قدر کمزور و ناتواں ہو گیا کہ اسی حالت میں مصر سے اس کی ماں کا خط اس کے پاس پہنچا تو وہ اس خط کو کھول کر پڑھ بھی نہ سکا اور اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ ''الٰہی اگر یہ کفار میرے ذریعہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں تو تو مجھ کو آج ہی اٹھا لے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لے۔'' مصطفیٰ اگرچہ نامعلوم طریقے سے زہر کھلا چکا تھا مگر اس نے اس پر اکتفا نہ کر کے اور یہ بھی مزید کارروائی کی کہ زہر میں بجھے ہوئے استرے سے جمشید کی حجامت بنائی اور اس طرح بھی اس کی جلد کے نیچے زہر کا اثر پہنچا دیا تھا۔ جس روز جمشید نے یہ مذکورہ دعا مانگی، اسی روز اس کے روح سے اس جسم خاکی کو چھوڑ کر عالم باقی کی طرف پرواز کی۔ یہ واقعہ سنہ ۹۰۱ھ کا ہے۔ جمشید نے ۳۶ سال کی عمر میں تیرہ برس قید فرنگ کے مصائب جھیل کی وفات پائی۔ اس کی لاش بایزید کی درخواست کے موافق عیسائیوں نے بایزید کے پاس بھیج دی اور بایزید نے اس کے کو بروصہ میں دفن کرایا۔ سلطان بایزید نے پوپ اسکندر کو بھی وعدہ کے موافق روپیہ ادا کر دیا اور اس حجام مصطفیٰ نامی کو بلا کر اپنے یہاں رکھا اور پھر ترقی دے کر اس کو وزارت کے عہدہ جلیلہ تک پہنچا دیا۔ تعجب ہے کہ بایزید نے ابتدائی ایام میں تو اس ترکی سردار کو قتل کرا دیا تھا جس نے جمشید کو راستے میں لوٹ لیا تھا مگر اب بارہ تیرہ سال کے بعد اس نے اس حجام کی ایسی قدر و عزت بڑھائی جس نے جمشید کو قتل کر کے اس ترکی سردار سے زیادہ سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ سلاطین عثمانیہ کے سلسلے میں شہزادہ جمشید کی دلخراش داستان کو اس لئے مناسب تفصیل کے ساتھ اس جگہ درج کر دیا گیا ہے کہ اس داستان سے اس زمانے کے عیسائی بادشاہوں کی اخلاقی

حالت پر ایک تیز روشنی پڑتی ہے اور صاف طور پر ان عیسائی فرماں رواؤں کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح شہزادہ جمشید پر انہوں نے قبضہ کیا اور کس طرح اس سے فوائد حاصل کئے اور کس طرح اس کے قابو میں رکھنے پر حریص تھے اور اپنے ان مادی اور نفسانی اغراض کے پورا کرنے میں کسی کو شرافت انسانیت اور اپنے شاہانہ مرتبہ کے وقار کی پرواہ نہ تھی۔ ان کے دل میں رحم کا مادہ بھی نہ تھا اور ان پر سلطنت عثمانیہ کا اس قدر رعب طاری تھا اور وہ ایسے خائف و ترساں تھے کہ شہزادہ جمشید کے ذریعہ سلطان عثمانی کو اپنے اوپر فوج کشی کرنے سے روکنے کی ذلت آمیز کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ شہزادہ جمشید کی داستان کی یہاں ختم کر کے اب ہم کو سلطان بایزید ثانی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو اپنے باپ سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ کے بعد تخت نشین ہوا۔

سلطان بایزید ثانی: سلطان بایزید ثانی کے تخت نشینی کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس سلطان نے سنہ ۸۸۶ھ میں تخت نشین ہو کر سنہ ۹۱۸ھ تک یعنی ۳۲ سال حکومت کی۔ اس کو تخت نشین ہوتے ہی اپنے بھائی جمشید کا مقابلہ کرنا پڑا۔ دو مرتبہ جمشید سے لڑائی ہوئی کو دونوں مرتبہ یزید کامیاب ہوا لیکن یہ کامیابی سلطنت عثمانیہ کے لئے کچھ مفید ثابت نہیں ہوئی۔ جمشید کا عیسائیوں کی قید اور قبضہ میں چلا جانا باعث اس کا ہوا کہ بایزید ثانی کو ملک اٹلی اور روڈس پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ ادھر مصر کی مملوکی سلطنت سے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ شہزادہ جمشید چونکہ اول مصر ہی کی سلطنت میں پناہ گزین ہوا تھا اور جمشید کے متعلقین آخر تک مصر میں موجود تھے۔ لہذا مملوکیوں نے ایشیائے کوچک کے جنوبی و مشرقی حصہ پر حملہ آوری کا سلسلہ جاری کر دیا اور سنہ ۸۹۰ھ میں بایزید کی فوج کو شکست فاش دے کر بعض سرحدی مقامات پر قبضہ کر لیا۔ آخر بایزید نے مملوکیوں سے متواتر شکستیں کھانے کے بعد صلح کی اور اس صلح میں بایزید کا دب جانا اس طرح ثابت ہوا کہ اس نے وہ قلعے اور وہ شہر جن پر مملوکی قبضہ کر چکے تھے، انہیں کے قبضے میں رہنے دیئے۔ مگر یہ اقرار مملوکیوں سے ضرور لے لیا کہ اس نو مفتوحہ علاقے کی تمام آمدنی حرمین شریفین کی خدمت گزاری میں صرف کی جائے گی۔ سلطان بایزید کے پاس احمد قیدوق ایک نہایت قیمتی اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اگر بایزید چاہتا تو اس سے خوب کام لے سکتا تھا۔ مگر اس نے اس جوہر قابل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ احمد قیدوق فوج میں بہت ہر دل عزیز تھا اور بایزید ثانی کو اس کی غلط کاریوں پر نصیحت کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنی صاف بیانی اور فاش گفتاری میں کسی شاہی سطوت اور سلطانی رعب کی مطلق پرواہ نہ کرتا تھا۔ حقیقتاً ایسا نصیحت گر جو محبت کی وجہ سے غلطیوں پر تنبیہ کرے بہت ہی غنیمت ہوتا ہے لیکن بایزید زیادہ برداشت نہ کر سکا۔ سنہ ۸۹۵ھ میں بایزید ثانی نے جانثاری فوج کے بڑھتے ہوئے زور کو توڑنا چاہا اور اس فوج کے خلاف سخت احکام صادر کرنے پر آمادہ ہوا۔ فوج میں چونکہ

پہلے ہی سے شورش برپا تھی۔ احمد قیدوق نے بایزید کو بر سر دربار سمجھایا کہ آپ اس زمانہ میں جبکہ ہر طرف ہم کو فوج سے کام لینے کی ضرورت ہے، فوج کو بددل اور افسردہ خاطر نہ کریں۔ اس کام کو کسی دوسرے وقت پر ملتوی رکھیں ورنہ پھر اندیشہ ہے کہ مشکلات پر قابو پانا دشوار ہوگا اور اپنی سلطنت کا بچانا آپ کے لئے آسان نہ رہے گا۔ بظاہر بایزید نے احمد قیدوق کی بات کو مان لیا مگر اس کو احمد قیدوق کا اس طرح دخل در معقولات ہونا سخت گراں گزرا۔ اس نے چند روز کے بعد احمد قیدوق کے قتل کا ارادہ کیا۔ چنانچہ احمد قیدوق کو اسی لئے گرفتار کر لیا گیا فوج نے اپنے ہر دل عزیز سردار کے قتل کی خبر سن کر ایوان سلطانی کا محاصرہ کر لیا اور سلطان کو دھمکی دی کہ اگر ہمارے سردار احمد قیدوق کو قتل کر دیا گیا تو ہم اس کے معاوضے میں سلطان بایزید کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ بایزید نے مجبور ہو کر احمد قیدوق کو جو ابھی تک قتل نہیں کیا گیا تھا، جانثاری فوج کے سپرد کر دیا اور بظاہر اس کی عزت و تکریم بھی کی مگر چند ہی روز کے بعد تمام جانثاری فوج کو کسی مہم کے بہانے سے دور دراز کے سرحدی مقام پر بھیج کر اور دارالسلطنت کو فوج سے خالی پا کر احمد قیدوق کو قتل کر دیا۔ اس سردار کا قتل ہونا سلطنت عثمانیہ کے لئے نہایت مضر ثابت ہوا۔

سنہ ۸۹۶ھ میں سلطنت عثمانیہ اور سلطنت روس کے درمیان تعلقات قائم ہوئے یعنی زار ماسکو نے اپنا سفیر مناسب تحفہ وہدایا کے ساتھ سلطان کی خدمت میں قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا۔ اس سفیر کے ساتھ دربار قسطنطنیہ میں معمولی برتاؤ ہوا اور وہ چند روز رہ کر ماسکو کی جانب رخصت ہوا۔ سلطان بایزید کے عہد حکومت میں سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت میں بہت ترقی ہوئی۔ سلطان کی توجہ بحری طاقت کے بڑھانے کی طرف اس لئے زیادہ منعطف ہوئی کہ اس کو شہزادہ جمشید کی طرف سے اندیشہ تھا کہ روڈس، اٹلی اور فرانس کی حکومتیں مل کر بحری حملہ کی تیاری پر آمادہ ہوں گی۔ ایک طرف اس نے ان سلطنتوں اور دوسری عیسائی حکومتوں سے صلح قائم کر رکھی اور دوسری طرف ان کے حملہ سے محفوظ رہنے کی تدابیر سے بھی غافل نہ رہا اور اپنی بحری طاقت کو بڑھانے میں مصروف رہا۔

جس زمانے میں جمشید عیسائیوں کے قبضے میں پہنچ چکا تھا، اندلس کے مسلمانوں یعنی شاہ غرناطہ نے سلطان بایزید سے امداد طلب کی کہ بحری فوج اور جنگی بیڑے سے ہمارے مدد کی جائے۔ بایزید اندلسی مسلمانوں کی درخواست پر ان کو بہت بڑی مدد دے سکتا تھا۔ لیکن وہ محض اس وجہ سے کہ کہیں پوپ اور دوسرے عیسائی سلاطین جمشید کو آزاد کر کے میرے مقابلے پر کھڑا نہ کر دیں، متامل رہا اور جیسی کہ چاہیے تھی ویسی مدد اندلس والوں کی نہ کر سکا۔ بایزید کی یہ کوتاہی ضرور قابل شکایت اور موجب افسوس ہے۔ تاہم ہم کو یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ اس نے ایک معمولی سا بیڑہ جس میں چند جنگی جہاز شامل تھے، اپنے امیر البحر کمال نامی کی قیادت میں اسپین کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس بیڑہ نے ساحل اسپین پر [illegible] عیسائیوں کا تھوڑا سا نقصان کیا مگر کوئی ایسا کارنمایاں انجام نہ دے سکا، جس سے [illegible]

کے مسلمانوں کو کوئی قابل تذکرہ امداد پہنچتی۔ جب جمشید کا کام تمام ہو گیا اور بایزید کو اس کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو اس نے ان جزیروں اور ان ساحلی مقاموں پر جو یونان اور اٹلی کے درمیان ریاست وینس کے تصرف میں تھے، قبضہ کرنے کی کوشش کی اور وینس کے ساتھ بحری لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ سنہ ۹۰۵ھ میں وینس کی بحری طاقت کو ترکی بیڑے نے شکست فاش دی اور تمام جزیرے اس کے قبضہ سے چھین لئے۔ سنہ ۹۰۶ھ میں وینس، پوپ روما، اسپین اور فرانس کے متحدہ بیڑہ سے عثمانیہ بیڑا کا مقابلہ ہا۔ ان مذکورہ عیسائی طاقتوں نے عثمانیہ بحری طاقت کی ترقی دیکھ کر آپس میں اتفاق کر کے یہ فیصلہ کیا کہ بحر روم سے ترکی اثر کو بالکل فنا کر دینا چاہئے۔ ترکی بیڑہ کا افسر یعنی امیر البحر کمال تھا، جو سلطان بایزید کا غلام تھا۔ اس بحری لڑائی میں کمال نے وہ کمال دکھایا کہ متحدہ عیسائی بیڑے کو شکست فاش دی۔ بہت سے جہازوں کو غرق، بعض کو گرفتار کیا اور باقی فرار ہونے پر مجبور ہوئے۔ اس بحری معرکہ کے بعد کمال کی بہت شہرت ہوگئی اور بحر روم میں ترکی بیڑے کی دھاک بیٹھ گئی۔ مگر افسوس ہے کہ ترکی بیڑے کی فتح نمایاں سے چند سال پہلے یعنی سنہ ۸۹۷ھ میں اندلس سے اسلامی حکومت کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ بایزید ثانی کی ہنگری اور پولینڈ والوں سے بھی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ مگر وہ کچھ زیادہ مشہور اور قابل تذکرہ نہیں ہیں۔ نتیجہ ان لڑائیوں کا یہ ہوا کہ پولینڈ والوں نے سلطان سے صلح کر لی او پولینڈ کے بعض شہروں پر جو سرحد پر واقع تھے، ترکوں نے قبضہ کر لیا۔ چونکہ سلطان بایزید ثانی صلح کی جانب زیادہ مائل تھا، لہذا سلطنت عثمانیہ کی وسعت اور شوکت میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ سلطان محمد خان فاتح کے زمانے میں عیسائیوں کے دل پر اس قدر دھاک بیٹھ گئی تھی کہ انہوں نے سلطنت عثمانیہ کے اس صلح پسند طرز عمل کو بہت غنیمت سمجھا اور خود حملہ آوری کی جرات نہ کر سکے۔ سلطان بایزید ثانی کی ہم زیادہ مذمت بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے عہد حکومت میں، بحری طاقت سلطنت عثمانیہ کی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور بعض جزیرے ہے اور ساحلی مقامات ترکوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔ جنہوں نے اس کی تلافی کر دی جو بری معرکہ آرائیوں کے کم اور بلا نتیجہ ہونے کے سبب ظاہر ہوئی۔ سلطان بایزید ثانی نے کوئی ایسا عظیم الشان کام بھی نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ خاص طور پر مدح و ستائش کا حق دار سمجھا جائے۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ صلح جو اور نیک طینت شخص تھا لیکن عام طور پر کند ذہن اور سست مزاج لوگوں کی نسبت ایسا ہی مشہور ہو جایا کرتا ہے۔

جس سال سلطان بایزید ثانی تخت نشین ہوا، اسی سال مولانا عبدالرحمن جامی نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب کی تصنیف کر کے سلطان بایزید کے نام پر معنون کیا۔ مولانا جامی اسی بادشاہ کے زمانے میں ۱۸ محرم سنہ ۸۹۸ھ کو فوت ہو کر ہرات میں مدفون ہوئے۔ اسی سال کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے مسلمانان اندلس امریکہ کو دریافت کر چکے تھے۔ مگر یہ شہرت کولمبس ہی کے حصے۔

کی تھی۔ بایزید ثانی کے زمان میں سنہ ۹۰۲ھ میں پرتگال کے بادشاہ عمانوئیل نے اپنے دارالسلطنت سے بس واسکوڈی گاما کو تین جہاز دے کر ہندوستان کو تلاش کرنے کے لیے روانہ کیا۔ وہ ۲۰/رمضان سنہ ۹۰۳ھ کو مالا بار کے بندر گاہ قندرینہ علاقہ کالی کٹ میں پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ اسی سلطان کے عہد حکومت یعنی سنہ ۹۰۶ھ میں اسماعیل صفوی بانی خاندان صفویہ چودہ سال کی عمر میں ایران کے تخت پر بیٹھا۔ ''مذہب حق'' اس کی تاریخ جلوس ہے۔ سلطان بایزید خان ثانی کا ہم عصر ہندوستان میں سکندر لودھی تھا مگر سلطان سکندر لودھی بایزید ثانی سے تین سال پیشتر یعنی سنہ ۹۱۵ھ میں فوت ہوگیا تھا۔ ۲۹/شعبان سنہ ۹۱۶ھ کو شیبانی خان بادشاہ ترکستان اسماعیل صفوی بادشاہ ایران کا مقابلہ میں مارا گیا اور اس سے ایک ماہ بعد سلطان محمود بیکر بادشاہ گجرات احمد آباد میں فوت ہوا۔ سلطان بایزید خان ثانی کا ۳۳ سالہ عہد حکومت چونکہ اہم اور دلچسپ واقعات سے خالی تھا، لہذا دوسرے ملکوں کے وقعات جو اس کے زمانہ میں ہوئے قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے لکھ دیئے گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں سلطان بایزید ثانی کے عہد کا ایک اور واقعہ بھی قابل تذکرہ ہے، جس سے اس زمانے کے عیسائیوں کی سنگ دلی اور نامردی پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ہنگری کے ساتھ بھی سلطان بایزید کی فوجوں کی معرکہ آرائی ہوتی تھی۔ لڑائیوں کے سلسلے میں ایک مرتبہ سلطان بایزید ثانی کا ایک سپہ سالار مسمی غازی مصطفیٰ اور اس کا حقیقی بھائی ہنگری فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ ہنگری کے سردار نے ان بہادر سرداروں کے ساتھ یہ شریفانہ سلوک کیا کہ غازی مصطفیٰ کے بھائی کو لوہے کی سیخ سے چھید کر درآں حالیکہ وہ زندہ تھا، نرم آنچ پر رکھ کر کباب کی طرح بھنوایا۔ سب سے بڑھ کر قابل تعریف بات یہ تھی کہ غازی مصطفیٰ کو سیخ کے پھیرتے رہنے اور اپنے بھائی کو خود اپنے ہاتھ سے کباب بنانے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس کے بعد غازی مصطفیٰ کے تمام دانت توڑ کر اور انواع اقسام کی اذیتیں پہنچا کر اور فدیہ لے کر چھوڑا۔ چند برس بعد ہی ہنگری سردار جس نے یہ ظلم وستم روا رکھا تھا، غازی مصطفیٰ کے قبضے میں آگیا تو غازی مصطفیٰ نے اس کو قتل کر دیا مگر اور کسی قسم کا عذاب نہیں پہنچایا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ عیسائیوں کی قساوت قلبی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی اور ترکوں میں کس قدر شرافت اور پابندی مذہب موجود تھی۔

سلطان بایزید ثانی کے آخر عہد حکومت میں کچھ اندرونی بدنظمی اور پیچیدگی پیدا ہوئی۔ یہ پیچیدگی ولی عہدی کے مسئلہ کی وجہ سے تھی، جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سلطان بایزید ثانی کے آٹھ بیٹے تھے۔ جن میں پانچ تو چھوٹی عمر میں فوت ہوگئے، تین بیٹے جوان ہوئے جن کے نام احمد، قرقود اور سلیم تھے۔ ان میں قرقود سب سے بڑا اور سلیم سب سے چھوٹا تھا۔ سلطان بایزید منجھلے بیٹے احمد کی طرف زیادہ مائل تھا اور اسی کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ احمد اور قرقود اور ان کے بیٹے ایشیائے کوچک میں عامل وفرماں روا تھے۔ علاقہ طرابزون کی حکومت سلیم سے تعلق رکھتی تھی۔ سلیم اپنے دونوں بھائیوں سے زیادہ بہادر

جفاکش اور سلیم الفطرت تھا۔ اس کی بہادری و جفاکشی کے سبب تمام فوج اور فوجی سردار سلیم کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ اسماعیل صفوی شاہ ایران نے ایران پر قابض و متسلط ہو کر شیعوں کے گروہ ایشیائے کوچک یعنی عثمانیہ سلطنت میں پھیلا دیئے تھے کہ وہ لوگوں کو شیعیت کی تعلیم دے کر شاہ ایران کے ہمدرد معاون بنائیں۔ اس تدبیر کا اثر خاطر خواہ اثر پذیر ہوا اور ایشیائے کوچک میں واقعہ پسند لوگ شاہ ایران کی شہ پا کر قزاقی و غارت گری پر مستعد ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس بدامنی و غارت گری کے فرو کرنے کے لئے قرقود، احمد نے، جو ایشیائے کوچک کے غالب حصوں پر حکمران تھے، فوجیں استعمال کیں اور غارتگر گروہوں سے بار بار لڑائیاں ہوئیں۔ رفتہ رفتہ ان قزاقوں اور باغیوں کی ٹولیاں شاہ قلی نام کے ایک شخص کی قیادت میں مجتمع و منتظم ہو کر ایک زبردست فوج کی شکل میں تبدیل ہو گئیں۔ شاہ قلی ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کا مرید و ہوا خواہ تھا۔ اس نے سلطنت عثمانیہ کو مشکلات میں مبتلا کرنے کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہ کی بالآخر جب قسطنطنیہ میں ایشیائے کوچک کی بدامنی کے حالات مشہور ہوئے تو سلطان بایزید اس امر پر مجبور ہوا کہ اپنے وزیر اعظم کو فوج دے کر مقابلے کے لئے بھیجے۔ چنانچہ وزیر اعظم نے پہنچ کر مقام سریمشک پر شاہ قلی (جس کو ترک شیطان قلی کہتے تھے) کا مقابلہ کیا۔ سخت خون ریز جنگ ہوئی اور لڑائی میں سلطانی وزیر اعظم اور شاہ قلی دونوں مارے گئے۔ یہ واقعہ سنہ۔ ۹۱۷ھ وقوع پذیر ہوا۔ اس بغاوت اور بدنظمی کا اثر اس علاقے میں زیادہ تھا، جو قرقود اور احمد کے زیر حکومت تھا۔

سلیم جس صوبے کا حاکم تھا، اس صوبہ یعنی طرابزون کے علاقے میں باغیوں کو بدامنی پھیلانے کا کوئی موقع نہیں ملا جو دلیل اس بات کی تھی کہ سلیم بہت مستعد اور مآل اندیش تھا۔ سلیم نے اپنے علاقہ میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے زائد فوج بھرتی کر لی تھی اور جب باغیوں کی طرف سے اس کو اطمینان حاصل ہوا تو اس نے اس فوج کو لے کر سرکیشیا کے علاقے پر حملہ کیا اور فتوحات حاصل کیں۔ یہ خبر سن کر بایزید ثانی نے قسطنطنیہ سے حکم امتناعی جاری کیا کہ تم غیر علاقے پر حملہ آور ہو کر اپنے دائرہ حکومت کو وسعت نہ دو۔ سلیم نے لکھا کہ اگر مجھ کو اس طرف فتوحات حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے تو یہاں سے تبدیل کر کے کسی یورپی صوبے کی حکومت پر نامزد فرما دیجئے تاکہ اس طرف عیسائیوں پر جہاد کرنے کا موقع ملے۔ میں خاموش بیٹھنا اور میدان جنگ سے جدا رہنا پسند نہیں کرتا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ سلطان بایزید ثانی احمد کو اپنی جانشینی اور قائم مقامی پر نامزد کرنے اور ولی عہد بنانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ سلطان کے اس ارادے سے مطلع ہو کر جانثاری فوج اور دوسرے فوجی افسروں نے مخالفت کا اظہار کیا۔ ان میں سے بعض تو قرقود کو اس لئے ترجیح دیتے تھے کہ وہ بڑا بیٹا ہے اور بعض سلیم کو اس لئے ولی عہدی کا مستحق جانتے تھے کہ وہ بہادر اور مآل اندیش ہے۔ اس کشمکش کی احمد اور قرقود کو اطلاع ہوئی تو وہ بجائے خود اس فکر میں مبتلا ہوئے کہ کس طرح تخت حکومت حاصل کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تینوں بھائیوں

الگ الگ اپنی طاقتوں کے بڑھانے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ سلطان بایزید ثانی نے اراکین سلطنت اور خود سلیم کی خواہش کے موافق سلیم کو ایک یورپی صوبے موسومہ سمندر پر نامزد کر دیا۔ سلطان بایزید کے بیٹے چونکہ آپس میں مصروف مسابقت ہو چکے تھے، لہٰذا سلیم نے بھی اپنے بھائیوں کے خلاف سلطنت کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی ضروری سمجھی اور وہ اراکین سلطنت اور فوج کے سرداروں کے ایما پر یورپ میں داخل ہو کر ایڈریانوپل پر قابض ہو گیا۔ سلیم کے ایڈریانوپل آنے کی خبر سن کر بایزید مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ جب سلطان بایزید مقابلے پر پہنچ گیا تو سلیم کی ہمراہی فوج کے بہت سے آدمی اس کا ساتھ چھوڑ کر سلطان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ بایزید کی فوج نے سلیم کو شکست دی اور وہ بہ مشکل جان بچا کر اور ساحل سمندر پر پہنچ کر بذریعہ جہاز اپنے خسر خان کریمیا کے پاس چلا گیا اور وہاں تاتاریوں کی فوجیں فراہم کرنی شروع کیں۔

ادھر ایشیائے کوچک میں احمد نے فوجیں فراہم کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور بایزید کو تخت سلطنت سے اتار دینے کی تیاری کر لی تھی۔ سلطان بایزید اپنے چھوٹے بیٹے سلیم کو ایڈریانوپل سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ احمد حملہ آور ہونے والا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر بایزید بہت گھبرایا اور اراکین سلطنت میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں کہ سلطان واقعی اس قابل نہیں رہا کہ تخت حکومت پر قائم رہے۔ اراکین سلطنت کے مشورے سے یا خود ہی بایزید نے سلیم کے پاس پیغام بھیجا کہ تم اپنی فوج لے کر قسطنطنیہ چلے آؤ اور احمد کے حملے کو روکنے میں سلطانی فوج کے شریک ہو جاؤ۔ سلیم اس حکم کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا اور تین چار ہزار آدمی ہمراہ لے کر نہایت سخت مقامات اور دروں کے طے کرتا ہوا بحیرہ اسود کے کنارے چل کر ایڈریانوپل اور وہاں سے قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا۔ سلیم کے اس طرح پہنچنے کی خبر سن کر بایزید نے اس کے پاس حکم بھیجا کہ اب تمہاری ضرورت نہیں ہے، تم کو چاہئے کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو، وہیں سے واپس ہو کر صوبہ سمندر کی طرف چلے جاؤ۔ جس پر تم نامزد کئے گئے ہو۔ ادھر سے اراکین سلطنت اور فوجی افسروں کے پیغام پہنچے کہ اب آپ ہرگز واپس نہ ہوں بلکہ سیدھے قسطنطنیہ چلے آئیں۔ اس سے بہتر موقع پھر کبھی آپ کے ہاتھ نہ آئے گا۔ چنانچہ سلیم قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ سلیم کے قسطنطنیہ پہنچتے ہی تمام رعایا اراکین سلطنت اور سپہ سالاران افواج نے اس کا استقبال کیا اور قصر سلطانی کے دروازے پر پہنچ کر سب نے بایزید ثانی کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ دربار عام میں ہماری درخواست سن لیں۔ چنانچہ بایزید ثانی نے تخت پر بیٹھ کر دربار عام منعقد کیا۔ اراکین سلطنت، علماء وفقہا، رعایا کے وکلا، فوج کے سردار سب نے مل کر عرض کیا کہ ہمارا سلطان اب بوڑھا، ضعیف اور ناتواں ہو گیا ہے۔ ہم سب کی خواہش یہ ہے کہ سلطان اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت سلطنت کو چھوڑ دے۔ بایزید نے اس درخواست کو سنتے ہی بلا تامل فرمایا کہ میں نے تم سب کی درخواست کو منظور کر لیا اور میں سلیم کے

حق میں تخت سے دست بردار ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر تخت سے اتر آیا۔ سلیم نے فوراً آگے بڑھ کر بادشاہ کے شانہ کو بوسہ دیا۔ بایزید نے اس کو مناسب نصیحتیں کیں اور پالکی میں سوار ہو کر چلا۔ سلیم پالکی کا پایہ پکڑے ساتھ ساتھ چلا۔ بایزید اپنی خواہش کے مطابق شہر ڈیموٹیکا میں رہنے اور قیام کرنے کے ارادے سے قسطنطنیہ کو چھوڑ کر روانہ ہوا کہ بقیہ ایام زندگی اسی شہر میں عبادت و خاموشی کی حالت میں گزار دے۔ سلیم شہر کے دروازے تک بطریق مشایعت پیدل آیا اور باپ سے رخصت ہو کر واپس ہوا اور تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ بایزید ابھی شہر ڈیموٹیکا تک نہ پہنچا تھا کہ راستے ہی میں فوت ہو گیا۔ سلطان بایزید نے اپنی وفات کے وقت تین بیٹے اور نو پوتے چھوڑے۔ ان پوتوں میں سلیم کا اکلوتا بیٹا سلیمان بھی شامل تھا۔ بایزید نے ۲۵/اپریل سنہ ۱۵۱۲ء مطابق سنہ ۹۱۰ھ میں تخت سلطنت کو چھوڑا اور ۲۹/اپریل سنہ ۱۵۱۲ء کو فوت ہوا۔ سلطان سلیم ابن بایزید ثانی نے قسطنطنیہ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

سلطان سلیم عثمانی: سلطان سلیم جب قسطنطنیہ میں فوج اور رعایا کی خوشی اور رضامندی سے تخت نشین ہوا تو اس کے دونوں بھائیوں کو جو ایشیائے کوچک میں برسر اقتدار تھے، مخالفت کی جرات نہ ہوئی اور انہوں نے بظاہر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور سلیم کی اطاعت کا اقرار کیا مگر درپردہ مخالفت اور مقابلہ کی تیاری میں مصروف رہے۔ سلیم بھی ایسا بے وقوف نہ تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کے عزائم اور خیالات سے بے خبر رہتا۔ مگر اس نے خود ان کے خلاف کوئی جنگی کارروائی ابتداً نہیں کی، یہاں تک کہ احمد نے اماسیہ میں فوجیں فراہم کیں اور رعایا پر بڑے بڑے محصول لگا کر خزانہ فراہم کیا۔ ادھر اس کے بیٹے علاؤالدین نے بروصہ میں باپ کے ایما پر اسی قسم کی تیاریاں کر کے خود مختاری کا اعلان کیا۔ سلطان سلیم نے یہ خبریں سن کر ضروری سمجھا کہ خود ایشیائے کوچک میں جا کر اس بغاوت و سرکشی کا علاج کرے۔ چنانچہ وہ خود فوج لے کر ایشیائے کوچک میں آبنائے باسفورس کو عبور کر کے داخل ہوا اور بعض جنگی جہاز سمندر کے کنارے کنارے روانہ کیے۔ بروصہ کے قریب علاؤالدین کو مغلوب و گرفتار کر کے بروصہ پر قبضہ کیا اور علاؤالدین اور اس کے بھائی کو قتل کیا۔ یہاں اور بھی شہزادے یعنی سلطان سلیم کے بھتیجے موجود تھے، وہ بھی گرفتار ہو کر مقتول ہوئے۔ یہ خبر سنتے ہی احمد فوج لے کر مقابلہ پر آیا۔ اس لڑائی میں احمد سلیم سے شکست کھا کر فرار ہوا۔ احمد نے اس شکست کے بعد اپنے دو بیٹوں کو ایران کے بادشاہ اسماعیل صفوی کے پاس بھیج دیا کہ وہاں حفاظت سے رہ سکیں گے اور خود ایشیائے کوچک میں ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا پھرا۔ احمد اور اس کے بیٹے کا یہ انجام دیکھ کر بڑا بھائی قرقود بھی جو ایشیائے کوچک کے شمالی و مشرقی حصے پر حکمران تھا، چوکس ہو گیا۔ سلطان سلیم نے تامل و تساہل کو ضروری نہ سمجھ کر دس ہزار سواروں کے ساتھ اچانک قرقود کے علاقہ پر حملہ کیا۔ قرقود معمولی مقابلے کے بعد گرفتار ہو گیا۔ سلطان سلیم نے اس تخت

سلطنت کے دعوے دار کو زندہ رکھنا مناسب نہ سمجھ کر قتل کرا دیا لیکن اس کو اپنے بھائی کے اس طرح مقتول ہونے کا سخت صدمہ ہوا۔ کئی روز تک سوگوار رہا اور کھانا پینا ترک رکھا۔

عثمانی خاندان کے شہزادوں کا اس طرح قتل ہونا عام طور پر لوگوں کے جذبات وہمدردی کو بھڑ کا سکتا تھا۔ اسی لئے اس عرصہ میں احمد نے ایک جمعیت کثیر فراہم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی اور سلیم کے مقابلہ پر صف آرا ہو کر کئی مرتبہ اس کی فوج کو شکست بھی دی لیکن اپنے بھائیوں کی طرح جلد ہمت ہارنے اور استقلال کا دامن چھوڑنے والا نہ تھا۔ اس نے ایک طرف فوج کی بھرتی جاری کر دی اور دوسری طرف اپنے فوجی نظام کو مضبوط کرنے اور فتح حاصل کرنے کی تدابیر کو کام میں لانے کے لئے مصروف عمل رہا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ احمد کو بھی مغلوب ہو کر گرفتار ہونا پڑا۔ یہ آخری لڑائی جس میں احمد ہزیمت پا کر گرفتار ہوا۔ سلیم کی تخت نشینی سے پورے ایک سال بعد یعنی سنہ ۱۵۱۳ء مطابق سنہ ۹۱۹ھ کو ہوئی۔ احمد بھی گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔

سلطان سلیم کے عادات واطوار اور طرز عمل سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی کہ وہ اپنے باپ سے زیادہ بہادر اور اپنے دادا کی طرح اولوالعزم اور بہادر شخص ہے۔ عیسائی سلاطین بجائے خود خائف وترساں تھے کہ دیکھئے یہ نیا سلطان ہمارے سر پر کیسی مصیبت لائے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ سلطان سلیم عیسائیوں کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اپنے ہم قوم مسلمانوں کی طرف زیادہ مصروف ومتوجہ رہنا چاہتا ہے تو انہوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ صلح کے عہد ناموں پر عمل درآمد جاری رکھا اور سلطان کی مغربی حدود سلطنت پر کسی قسم کی کشمکش پیدا نہ ہوئی۔ سلطان سلیم کو اپنے بھائیوں سے فارغ ہوتے ہی ایران کی سلطنت اور ایشیائے کوچک کے لوگوں سے الجھنا پڑا اور حقیقت یہ ہے کہ سلطان سلیم اگر ایران کی سلطنت کے خلاف مستعدی کا اظہار نہ کرتا تو سلطنت عثمانیہ کے درہم برہم ہو جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ اسماعیل صفوی اپنے آپ کو حضرت امام جعفر صادقؒ کی اولاد میں بتاتا تھا۔ اس لئے ایرانی رعایا اور بھی زیادہ اس کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ شام اور ایشیائے کوچک میں بھی شیعہ سنی کے ہنگامے کم نہیں ہو چکے تھے۔ ان ملکوں میں شیعہ مذہب کو قبول کرنے کا کچھ نہ کچھ مادہ موجود تھا۔ نیز بہت سے شیعہ ان ملکوں میں سکونت پذیر تھے۔ اسماعیل صفوی کی نانی ایک عیسائی عورت اور طرابزون کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی اور حسن طویل کی بیوی تھی۔ لہذا اسماعیل صفوی کی خواہش تھی کہ طرابزون میرے قبضے میں آئے۔ حالانکہ وہ عرصہ سے سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ تھا۔ اسماعیل صفوی جیسے اولوالعزم اور زبردست بادشاہ کا سلطنت عثمانیہ کو نفرت وعداوت کی نظر سے دیکھنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ اس نے ایران کا تخت حاصل کرنے کے بعد بایزید ثانی کے عہد حکومت میں ایشیائے کوچک کے اندر بدامنی پھیلانے اور شیعہ مذہب کی تلقین کر کے لوگوں کو خفیہ طور پر اپنی طرف مائل کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ ان کارروائیوں کا پورا

پورا انسداد باب بایزید ثانی کی حکومت نے نہیں کیا اور اس کے دونوں بیٹوں نے جو ایشیائے کوچک میں بطور عامل حکمران تھے، اس خفیہ اشاعتی کام کا مطلق احساس نہیں کیا مگر سلیم جو طرابزون کا حاکم تھا، اسماعیل صفوی کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ اسماعیل صفوی سلطان بایزید ثانی ہی کے عہد حکومت میں بعض سرحدی علاقوں پر قبضہ کر چکا تھا اور عثمانیہ سلطنت کے عمال جب ان علاقوں کو واپس نہ لے سکے تو بایزید ثانی نے کچھ زیادہ التفات اس طرف نہیں کیا۔ جب سلطان سلیم اپنے بھائیوں اور بھتیجوں سے ایشیائے کوچک میں برسر پیکار تھا تو شاہ اسماعیل صفوی اس خانہ جنگی کو بڑے اطمینان سے دیکھ رہا تھا اور اس نے شہزادہ احمد برادر سلطان سلیم کو سلیم کے خلاف اپنے ان داعیوں کے ذریعہ جو ایشیائے کوچک میں کام کر رہے تھے، خوب امداد پہنچائی تھی۔ اسی لئے احمد اس قابل ہو گیا تھا کہ اس نے سلطان سلیم کی فوج کو شکست بھی دے دی تھی۔ اب سلطان سلیم نے دیکھا کہ اسماعیل صفوی کے پاس شہزادہ احمد کا بیٹا مراد یعنی سلیم کا بھتیجا موجود ہے اور اسماعیل اس کوشش میں مصروف ہے کہ مراد کو اپنی زبردست فوج دے کر ایشیائے کوچک پر حملہ کرائے اور خود اس کا شریک ہو کر اس کو قسطنطنیہ کے تخت پر بٹھائے، تو وہ اس خطرے سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسری طرف اس نے دیکھا ایشیائے کوچک کے قصبوں، شہروں اور گاؤں میں بڑے زور شور سے شیعہ سنی مذہب کے جھگڑے برپا ہیں جو اسماعیل صفوی کے پیدا کئے ہوئے تھے۔

سلطان سلیم نے بھائیوں کے قتل سے فارغ ہو کر اور قسطنطنیہ واپس آ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایشیائے کوچک میں ایک زبردست محکمہ خفیہ قائم کیا اور حکم دیا کہ ان لوگوں کی نہایت صحیح اور مکمل فہرست تیار کی جائے جو اسماعیل صفوی کے منادوں کی تعلیم سے اپنے پرانے عقیدے کو ترک کر کے شیعہ مذہب اختیار کر چکے ہیں اور ساتھ ہی اسماعیل صفوی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے اور اس پر نثار ہونے کے لئے تیار ہیں۔ یہ فہرست بہت جلد تیار ہو کر سلطان کی خدمت میں پیش ہوئی تو معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں ستر ہزار آدمی ایسے موجود ہیں جو اسماعیل صفوی کے حملہ آور ہوتے ہی بلا توقف مسلح ہو کر بغاوت پر آمادہ اور سلطان عثمانی کے خلاف شمشیر زنی میں مطلق کوتاہی نہ کریں گے۔ جب اس عظیم الشان سازش اور اس کے خطرناک نتائج پر سلیم نے نظر ڈالی تو اس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور مطلق اظہار بیتابی نہ کیا بلکہ نہایت احتیاط اور انتظام کے ساتھ تمام ان مرکزی مقاموں پر جہاں جہاں ان غدار اور باغی لوگوں کی کثرت تھی، باغیوں کی تعداد کے مساوی فوج بھیج دی اور ہر جگہ کی فوج کے افسروں کو وہاں کے غداروں کی فہرست دے کر حکم دیا کہ فلاں تاریخ کو ہر ایک باغی کے لئے ایک ایک سپاہی کو نامزد کر دو اور سمجھا دو کہ تاریخ و وقت مقررہ پر اس شخص کو قتل کر دینا تمہارا فرض ہے۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی سخت تاکید کی کہ قبل از وقت یہ راز افشا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس حکم کی بڑی احتیاط کے ساتھ تعمیل ہوئی اور ایک ہی تاریخ اور ایک ہی وقت مقررہ پر ایشیائے کوچک کے طول و عرض

میں چالیس پچاس ہزار کے قریب باغی اس طرح قتل ہوئے کہ کسی عثمانی سپاہی کو کوئی چشم زخم نہیں پہنچا۔ ان لوگوں کا بیک وقت اس طرح ہلاک ہونا شیعوں کے لئے بڑا ہیبت ناک واقعہ تھا۔ جو لوگ باقی رہ گئے ہوں گے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور وہ مرعوب و خائف ہو کر اپنے فاسد خیالات سے خود بخود ہی تائب ہو گئے۔ اسماعیل صفوی کی سازش کو اس طرح ناکام بنانا سلطان سلیم کی بڑی عظیم الشان فتح تھی لیکن اسماعیل صفوی اس خبر کو سن کر بہت ہی پیچ و تاب میں آیا مگر صاف لفظوں میں کوئی شکایت نہ کر سکا۔ آخر وہ ضبط نہ کر سکا اور اس نے فوجوں کی فراہمی اور سامان جنگ کی درستی کا حکم عام جاری کر کے اعلان کیا کہ ہم ایشیائے کوچک پر اس لئے حملہ آور ہونے والے ہیں کہ شہزادہ مراد بن احمد عثمانی کو اس کا آبائی تخت دلائیں اور سلیم عثمانی کو گرفتار کر کے معزول کر دیں یہ خبر سن کر سلیم عثمانی نے دربار عام میں اپنے اراکین سلطنت اور فوجی سرداروں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم ملک ایران پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ اس زمانے میں اسماعیل صفوی کی طاقت و ہیبت کے افسانے اس قدر مشہور ہو چکے تھے کہ خود ترک کی فوج بھی اس سے شکست پائی ہوئی تھی۔ نیز ترکستان کے بادشاہ شیبانی خان کو اسماعیل صفوی قتل کر چکا تھا۔ لہذا حاضرین دربار اسماعیل صفوی پر چڑھائی کرنے کو بہت ہی خطرناک اقدام تصور کرتے تھے۔

چنانچہ سب کے سب خاموش اور دم بخود رہے۔ سلطان نے تین مرتبہ یہی لفظ کہے اور ہر مرتبہ خاموشی کے سوا کوئی لفظ کسی سے نہ سنا۔ آخر اس خاموشی کو عبداللہ نامی ایک دربان نے جو سامنے اپنی خدمت پر مامور و موجود تھا، اس طرح قطع کیا کہ وہ آگے بڑھا اور سلطان کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر مودبانہ عرض کیا کہ میں اور میرے ساتھی سلطانی جھنڈے کے نیچے ایران کے بادشاہ سے لڑیں گے اور خوب داد شجاعت دے کر ایرانیوں کو شکست فاش دیں گے یا میدان میں مارے جائیں گے۔ سلطان عبداللہ کے اس کلام کو سن کر بہت خوش ہوا اور اسی وقت اس کو دربانی کے عہدے سے ترقی دے کر ایک ضلع کا کلکٹر بنا دیا۔ اس کے بعد دوسرے سرداروں کو بھی جرات ہوئی اور انہوں نے اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ شاہ اسماعیل صفوی اور سلطان سلیم عثمانی کی لڑائیوں کا حال لکھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل صفوی اور اس کے بادشاہت تک پہنچنے کا حال بیان کر دیا جائے۔

اسماعیل صفوی کا حال: اسماعیل صفوی کا سلسلہ نصب اس طرح ہے۔ اسماعیل بن حیدر بن جنید بن ابراہیم بن خواجہ علی بن صدر الدین بن شیخ صفی الدین بن جبرائیل۔ اس خاندان میں سب سے پہلے جس شخص نے شہرت و ناموری حاصل کی وہ شیخ صفی الدین تھے جو اردبیل میں سکونت پذیر اور پیری مریدی کرتے تھے۔ انہیں کے نام سے اس خاندان کا نام صفوی خاندان مشہور ہوا۔ جب شیخ صفی الدین کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے صدر الدین نے باپ کا خرقہ سنبھالا اور اپنے باپ کے مریدین اور حلقہ اثر

میں پیر طریقت تسلیم کیے گئے۔ شیخ صدر الدین سلطان بایزید یلدرم اور تیمور کے ہم عصر تھے۔ تیمور نے سنہ ۸۰۴ھ میں سلطان بایزید یلدرم کو شکست دے کر گرفتار کیا تو اس کے ساتھ اور بھی بہت سے ترک سپاہی اس لڑائی میں قید ہوئے۔ تیمور اس فتح کے بعد اردبیل پہنچا تو وہاں عقیدتاً یا مصلحتاً صدر الدین کی خانقاہ میں بھی گیا اور شیخ سے کہا کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی کام میرے کرنے کا ہو تو فرمایئے، میں اس کو ضرور پورا کروں گا۔ شیخ صدر الدین نے کہا کہ جنگ انگورہ میں جس قدر ترک سپاہی تم نے قید کیے ہیں ان سب کو رہا کر دو۔ تیمور نے فوراً ان کے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ یہ ترک قیدی آزاد ہوتے ہی شیخ کے مرید ہو گئے اور اردبیل ہی میں طرح اقامت ڈال کر شیخ صدر الدین کی خدمت گزاری میں مصروف رہنے لگے۔ شیخ صدر الدین نے چونکہ سفارش کر کے ان کو آزاد کرایا تھا، اس لئے انہوں نے احسان کا بدلہ یہی مناسب سمجھا کہ شیخ کے مریدوں میں شامل ہو کر اپنی بقیہ زندگی شیخ کی خدمت میں گزاریں۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان ترک قیدیوں کی اولاد بڑھتی گئی اور ساتھ ہی ان کی عقیدت و فرماں برداری شیخ اور شیخ کی اولاد کے ساتھ ترقی کرتی گئی۔ تیمور کی وفات کے بعد تیموری سلطنت اس کی اولاد میں تقسیم ہو کر پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ بحیرہ قزوین اور بحیرہ اسود کے درمیانی علاقے یعنی آذربائیجان میں ترکمانوں کے قبیلہ قراقونیلو نے تیمور کے بعد ہی اپنی حکومت دوبارہ قائم کر لی تھی۔ اس طرح کردستان یعنی عراق کا شمالی حصہ ترکمانوں کے دوسرے قبیلہ آق قونیلو کے حصہ میں آ گیا۔ ترکمان آق قونیلو کردستان میں تیموری کے زمانہ سے بطور باج گزار فرماں روا تھے۔ قراقونیلو کا سردار قرایوسف ترکمان تیمور سے برسر خاش اور اس کی زندگی میں مصر وغیرہ کی طرف فرار رہا۔ تیمور کی وفات کا حال سنتے ہی واپس آ کر آسانی سے آذربائیجان پر قابض و متصرف ہو گیا۔ اردبیل آذربائیجان کا حاکم نشین شہر تھا اور کردستان کا دارالسلطنت دیار بکر تھا۔ شیخ صدر الدین کا پڑپوتا شیخ جنید تھا۔ شیخ جنید کے زمانے میں مریدوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ جہاں شاہ ابن قرایوسف ترکمان بادشاہ آذربائیجان نے متوہم ہو کر شیخ جنید کو حکم دیا کہ آپ اردبیل سے تشریف لے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں شیخ جنید اپنے مریدوں کے ساتھ جو قریباً سب انہیں مذکورہ ترک قیدیوں کی اولاد تھے، اردبیل سے رخصت ہو کر دیار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ دیار بکر یعنی کردستان کا بادشاہ اس زمانے میں حسن طویل آق قونیلو تھا۔ اس نے جب شیخ جنید کی اس طرح تشریف آوری کا حال سنا تو بہت خوش ہوا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ شیخ کا استقبال کیا اور عزت و احترام کے ساتھ شیخ اور اس کے مریدوں کو ٹھہرایا۔

چند روز کے بعد حسن طویل نے اپنی بہن کی شادی شیخ جنید سے کر دی۔ ترکمانوں کے ان دونوں قبیلوں یعنی آق قونیلو اور قراقونیلو میں قدیمی رقابت چلی آتی تھی۔ اب چونکہ شیخ جنید ایک درویش گوشہ نشین کی حیثیت سے تبدیل ہو کر شاہی خاندان کے قریبی رشتہ دار بن چکے تھے اور ریاست و حکومت

ان کے گھر میں داخل ہو چکی تھی، لہذا انہوں نے اپنے مریدوں کو جو ترک سپاہیوں کی اولاد تھے، درویشوں سے سپاہیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا اور ایک فوج ترتیب دے کر حسن طویل کے مشورے سے اردبیل پر حملہ کیا۔ چونکہ اردبیل کے بادشاہ نے شیخ کو اردبیل سے خارج کیا تھا، اس لئے یہ حملہ آوری اور فوج کشی انتقاماً سمجھی گئی اور شیخ کے مریدوں یا دوسرے لوگوں کو زیادہ عجیب نہ معلوم ہوئی۔ شیخ کا جب جہان شاہ سے مقابلہ ہوا تو شیخ کو جو ایک ناتجربہ کار سپہ سالار تھا، فرار ہونا پڑا۔ وہاں سے فرار ہو کر شیخ حاکم شیروان پر جا چڑھے جو جہان شاہ کا حلیف اور دوست تھا مگر جب شاہ شیروان کی فوج سے مقابلہ ہوا تو شیخ کو پھر شکست ہوئی اور اسی افراتفری میں کہ شیخ اپنی جان بچا کر لے جانے کی فکر میں تھا، ایک تیر آ کر لگا اور شیخ نے سفر آخرت اختیار کیا۔

شیخ جنید کے مارے جانے پر اس کا بیٹا حیدر جو سلطان حسن طویل کا بھانجا تھا، باپ کی جگہ گدی نشین اور زہد و ارشاد کے سلسلے کا پیر تسلیم کیا گیا۔ حیدر ماں کی جانب سے شہزادہ اور باپ کی جانب سے درویش تھا۔ اس میں امارت اور طریقت دونوں چیزیں جمع ہو گئیں۔ اس کے گرد شیخ جنید سے بھی زیادہ مریدوں کا ہجوم ہو گیا۔ شیخ جنید کی وفات کے بعد امیر حسن طویل نے جہان شاہ سے عارضی صلح کر لی اور مرزا ابوسعید تیموری کو قتل کر کے خراسان کا ملک اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد ہی امیر حسن طویل نے جہان شاہ سے آذربائیجان کا ملک بھی چھین لیا اور تمام ملک ایران کا ایک زبردست بادشاہ بن گیا۔

اس کے بعد حسن طویل شہنشاہ ایران نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھانجے شیخ حیدر سے کر دی۔ اس طرح شیخ حیدر شاہ ایران کا ہمشیرزادہ تھا۔ اب داماد بھی بن گیا۔ حسن طویل نے طرابزون کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ طرابزون کی حکومت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس عیسائی حکومت کو سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ نے سنہ ۸۶۶ھ میں فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ حسن طویل کی اس عیسائی بیوی کے پیٹ سے یہ لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا نام پارسا اور بقول بعض شاہ بیگم رکھا گیا تھا۔ اسی کی شادی شیخ حیدر سے کی گئی تھی۔ جس کے پیٹ سے شیخ حیدر کے تین بیٹے علی، ابراہیم اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ حسن طویل کی زندگی میں شیخ حیدر بالکل خاموش رہا لیکن جب حسن طویل فوت ہوا اور اس کا بیٹا امیر یعقوب ایران کے تخت پر بیٹھا تو شیخ حیدر نے اپنے مریدوں کی ایک فوج تیار کی اور دوسرے لوگوں کو بھی اپنی فوج میں بھرتی کرنے کے لئے ترغیب دی تاکہ شاہ شیروان سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے۔ حسن طویل کی زندگی میں خاموش رہنے کا سبب یہ تھا کہ شیخ جنید کے مارے جانے پر حسن طویل نے جس طرح جہان شاہ سے صلح کر لی تھی، اسی طرح شاہ شیروان سے بھی اس نے صلح کی تھی اور شاہ شیروان نے ابوسعید مرزا تیموری کے قتل کرنے میں حسن طویل کی بہت مدد کی تھی۔ اس لئے حسن طویل کی زندگی

تک شیروان کے بادشاہ سے اس کی صلح قائم رہی اور اسی لئے شیخ حیدر شاہ شیروان کے خلاف کسی کارروائی پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اب شیخ حیدر نے شیروان پر حملہ کیا۔ شیروان میں کئی سو سال سے ایک ایرانی خاندان کی حکومت چلی آتی تھی، جو اپنے آپ کو بہرام چوبین کی اولاد میں بتاتے تھے۔ شیروان کے بادشاہ کا نام فرخ یسار تھا۔ فرخ یسار نے جب سنا کہ شیخ حیدر اپنے خون کا بدلہ لینے آیا ہے تو وہ بھی مقابلہ پر مستعد ہو گیا اور سنہ۔۸۹۳ھ میں جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو شیخ حیدر بھی باپ کی ہزیمت پا کر مارا گیا۔ اس کی لاش کو لوگوں نے اردبیل میں لے جا کر دفن کر دیا۔

شیخ حیدر کے بعد اس کے مریدوں نے اس کے بڑے لڑکے علی کو جو جوان ہو چکا تھا، اپنا پیر بنایا اور باپ کی گدی پر بٹھایا۔ علی کے گرد بھی مریدوں کا بہت ہجوم رہنے لگا۔ امیر یعقوب نے جو حسن طویل کے بعد ایران کا فرماں روا تھا، یہ دیکھ کر کہ علی بھی اپنے باپ اور دادا کی طرف شیروان سے حسن طویل سے حسن طویل کے زمانے کی صلح کو قائم رکھنا مناسب سمجھا اور علی اور اس کے بھائیوں کو اصطخر کے علاقے میں ایک قلعہ کے اندر نظر بند کر دیا۔ یہ تینوں بھائی چار سال سے زیادہ عرصہ تک اس قلعہ میں قید رہے۔ جب امیر یعقوب بیگ فرماں روائے ایران فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا الوند بیگ تخت نشین ہوا تو علی مع اپنے بھائیوں کے قید خانہ سے فرار اور اردبیل پہنچ کر مریدین کی فراہمی میں مصروف ہوا۔ الوند بیگ نے یہ خبر سن کر اور علی کو آمادہ بغاوت دیکھ کر اس کی تادیب اور گرفتاری کے لئے فوج بھیجی۔ علی نے اس فوج کا مقابلہ کیا اور باپ دادا کی طرح شکست کھا کر مارا گیا۔

اس کے دونوں چھوٹے بھائیوں ابراہیم اور اسماعیل لباس بدل کر اردبیل سے گیلان کی طرف بھاگے۔ ابراہیم گیلان پہنچ کر فوت ہو گیا۔ صرف اسماعیل جو سب سے چھوٹا اور ابھی بچہ ہی تھا، باقی رہ گیا۔ الوند بیگ نے اسماعیل کو کم عمر اور کم حوصلہ سمجھ کر اس کے حال سے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ آزاد رہنے دیا۔ اسماعیل کے گرد اس کے خاندان کے باوفا مرید پھر آ آ کر جمع ہو گئے۔ سنہ۔۹۰۶ھ میں جبکہ اسماعیل کی عمر چودہ سال کی تھی، اس کے مریدوں کا جو ہمہ اوقات مسلح رہتے تھے، اس پر ہجوم ہو گیا کہ ایک نہایت زبردست اور شائستہ فوج مرتب ہو سکی۔ اسماعیل اپنے مریدوں کی اس زبردست فوج کو لے کر یکا یک شیروان پر حملہ آور ہوا اور اتفاقاً فرخ یسار فرماں روائے شیروان میں لڑائی مارا گیا۔ اسماعیل اور اس کے ساتھیوں کے حوصلے اب دو چند ہو گئے۔ اسماعیل کی فتح کا حال الوند بیگ نے سنا تو وہ چونک پڑا اور اس نے اسماعیل کے خطرے کو فوراً دور کرنا ضروری سمجھ کر اپنی حاضر رکاب تھوڑی سی فوج لے کر بلا توقف کوچ کر دیا۔ الوند بیگ سے یہ بہت بڑی غلطی ہوئی کہ اس نے اسماعیل کی طاقت کا صحیح اندازہ کرنے اور اپنی طاقت کو مجتمع کرنے کے لئے مطلق توقف نہیں کیا۔ اس عجلت اور شتاب زدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اسماعیل سے مقابلہ ہوا الوند بیگ بھی مارا گیا۔ اس کے بعد قبیلہ آق قونیلو کے ایک اور سردار مراد بیگ نے

ہمدان کے قریب اسماعیل کا مقابلہ کیا مگر وہ بھی مغلوب ہوا۔ ان پیہم فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام عراق و ایران اور آذر بائیجان وغیرہ اسماعیل کے قبضے میں آ گئے۔ چار برس پہلے سنہ ۹۰۳ھ میں جو شخص گیلان کے اندر ایک خستہ حال فقیر کی زندگی بسر کرتا تھا، اب صاحب گنج و اورنگ اور مالک ملک و لشکر ہو گیا۔ ترکی سپاہیوں کی اولاد نے بھی خوب ہی حق وفاداری ادا کیا اور اپنے محسن صدرالدین اردبیلی کی اولاد کو بادشاہ ہی بنا کر چھوڑا۔ کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ جن لوگوں کی مسلسل پامردی و جواں مردی نے اسماعیل بن حیدر صفوی کو ایران کا بادشاہ بنایا انہیں کی ہم قوم سلطنت عثمانیہ کا اسماعیل صفوی بلاوجہ دشمن بن گیا۔ اسماعیل صفوی کو چونکہ ابتداء ہی سے پیہم فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ اس لئے آئندہ فتوحات اور لڑائیوں میں یہ شہرت بہت مفید ثابت ہوئی اور عام طور پر اس سے مرعوب نظر آنے لگے۔ اگر اسماعیل صفوی سلطان سلیم ثانی کے ملک میں اپنی خفیہ سازشوں کا جال نہ پھیلاتا اور سلطان عثمانی ثانی صلح و صفائی رکھنا ضروری سمجھتا تو یقیناً سلیم یورپ کی طرف متوجہ ہوتا اور اس طویل زمانے کی مہلت جو بایزید ثانی کے عہد حکومت میں عیسائی بادشاہوں کو حاصل رہی ختم کر کے تمام یورپ کو فتح کرتا ہوا اندلس تک جا پہنچتا لیکن اسماعیل صفوی نے سلیم کو یورپ والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ اس نے عیسائی سلاطین کے ساتھ صلح کے عہد ناموں کی تجدید کر کے اس طرف سے اطمینان حاصل کیا اور یورپ والوں کو اور بھی آٹھ دس سال کی مہلت مل گئی۔ جس میں وہ اپنے آپ کو خوب طاقتور بنا کر اپنی حفاظت کی تدابیر سوچ سکے۔

جنگ خالدران: اسماعیل صفوی کی جنگی تیاریاں کا حال سن کر یوم پنج شنبہ ماہ ربیع الاول سنہ ۹۲۰ھ مطابق ۲۰/اپریل سنہ ۱۵۱۴ء کو سلطان سلیم نے مقام ینی شہر سے جہاں فوجیں جمع ہوتی تھیں، مع فوج کوچ کیا۔ ینی شہر دردانیال کے یورپی ساحل پر ایک مقام کا نام ہے۔ ایشیائے کوچک میں داخل ہو کر ایک ہفتہ کے بعد ۲۷/اپریل کو سلطان سلیم کی خفیہ پولیس نے شاہ اسماعیل صفوی کے ایک جاسوس کو گرفتار کیا۔ یہ جاسوس جب سلطان سلیم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے اس کو کوئی سزا نہ دی بلکہ ایک خط شاہ اسماعیل کے نام لکھ کر اس جاسوس کو دیا کہ یہ خط اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دو۔ اسی کے ساتھ اپنا ایلچی بھی ایران کی طرف روانہ کیا۔ سلطان سلیم نے اس خط میں حمد و نعت کے بعد لکھا تھا کہ:

میں سلطنت عثمانیہ کا سلطان بہادروں کا سردار، بت پرستوں اور سچے مذہب کے دشمنوں کو تباہ و برباد کرنے والا سلیم خان بن سلطان بایزید خان بن سلطان محمد خان بن سلطان مراد خان، تجھ لشکر ایران کے سردار امیر اسماعیل سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام تغیر اور سفاہت سے بری ہے مگر اس میں بے انتہا راز ہیں جس کو انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی۔

اس باری تعالیٰ نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنایا کیونکہ انسان ہی میں روحانی و جسمانی قوتیں مجتمع ہیں اور انسان ہی ایسا حیوان ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھ سکتا ہے اور اسکی اعلیٰ خوبیوں کی وجہ سے پرستش کرتا ہے۔ انسان کو سوائے دین اسلام کے اور کسی مذہب میں سچا اور صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا اور آنحضرت ﷺ کی پیروی واطاعت کے بغیر کامیابی کا راستہ ہاتھ نہیں آسکتا۔ اے امیر اسماعیل! یادرکھ تو ہرگز فوز وفلاح کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ تو نے طریقہ نجات کو چھوڑ کر اور احکام شرع کی خلاف ورزی کر کے اسلام کے پاس اصولوں کو ناپاک کر دیا ہے۔ تو نے عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا۔ ناجائز اور خلاف شرع تدبیروں سے تو نے مشرق میں تخت حکومت حاصل کیا، تو صرف مکر اور حیلوں سے اس مرتبہ کو پہنچا ہے، تو نہایت ذلیل حالت سے اس جاہ وحشمت تک پہنچا ہے، تو نے مسلمانوں پر بے رحمی اور ظلم کے دروازے کھول دیئے تو نہ صرف جھوٹا بے رحم اور مرتد ہے بلکہ بے انصاف بدعتی اور کلام الٰہی کی بے عزتی کرنے والا ہے۔ تو نے کلام الٰہی میں ناجائز تاویل کو دخل دے کر اسلام میں نفاق اور تفرقہ ڈالا ہے، تو نے ریاکاری کے پردہ میں ہر طرف فتنہ وفساد اور معصیت کے بیج بو دیئے اور بے دینی کے علم بلند کر دیا ہے۔ تو نے نفس امارہ سے مغلوب ہو کر بہت بڑی زیادتیاں اور معیوب باتیں کی ہیں اور سچے خلفاء یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم پر تبرا کہنے کی تو نے سب کو اجازت دے رکھی ہے۔ ہمارے علماء دین نے تیرے قتل کا فتویٰ دے دیا ہے کیونکہ تو کفریہ کلمات اور کفریہ حرکات کا مرتکب ہے۔ علماء دین نے یہ بھی فتویٰ دیا ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حفاظت مذہب کے لئے مستعد ہو اور تجھ میں اور تیرے معتقدین میں جو ناپاکی ہے، وہ نیست ونابود کر دی جائے۔ علمائے دین کے اس ارشاد پر جو عین قرآن کے مطابق ہے۔ نیز اس خیال سے کہ دین اسلام کو تقویت ہو اور ان ملکوں اور ان لوگوں کو جو تیرے ہاتھوں سے نالاں ہیں، کس طرح رہائی ملے۔ ہم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ لباس شاہانہ کو اتار کر زرہ بکتر پہن لیں اور اپنے جھنڈے کو جو آج تک ہمیشہ فتح یاب رہا ہے، میدان جنگ میں نصب کر دیں اور انتقام لینے والی تلوار کو غیظ وغضب کے میان سے نکالیں اور ان سپاہیوں کے لے کر جن کی تلواریں زخم کاری لگاتی اور جن کے نیزے اعداء کے جگر کو توڑ کر پار نکل جاتے ہیں، تجھ پر حملہ آور ہوں۔ ہم نے آبنائے کو عبور کر لیا ہے اور امید کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے تیرے ظلم وفساد کو بہت جلد فرو کر دیں گے اور فخر اور رعونت کی بو جو تیرے دماغ میں سمائی ہے اور جس کے سبب سے تو آوارگیوں میں مبتلا اور کبائر کا مرتکب ہوا ہے، نکال باہر کریں گے۔ تیری خوف زدہ رعایا کو تیرے ظلم سے بچائیں گے اور تیرے برپا کئے ہوئے فتنہ وفساد کے بگولوں میں تجھ کو برباد کر دیں گے۔ مگر باوجود اس کے چونکہ ہم لوگ احکام شرع کے پابند ہیں۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے تیرے سامنے قرآن مجید رکھیں اور سچا دین قبول کرنے کی تجھ کو نصیحت کریں۔ اس لئے ہم یہ خط تجھ کو تحریر کر رہے

ہیں، برائی سے بچنے کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اعمال کا خود محاسبہ کر کے صدق دل سے تائب ہو اور آئندہ کے لئے اپنی بداعمالیاں ترک کر دے۔ نیز جو ملک تو نے ہماری سلطنت سے نکال کر اپنی سلطنت میں ملا لیا ہے، اس سے دست بردار ہو کر ہمارے صوبہ داروں کو اس پر قبضہ دلا دے۔ اگر تجھ کو اپنی حفاظت اور اپنا آرام منظور ہے تو ان احکام کو تعمیل کرنے میں ہرگز تاخیر نہ کر لیکن اگر تو شامت اعمال کی وجہ سے اپنے باپ دادا کی طرف ان بدافعال اور غلط طریقہ کو نہ چھوڑے گا اور اپنی بہادری اور قوت کے گھمنڈ میں شیوہ ظلم و ناانصافی کو ترک نہ کرے گا تو دیکھ لینا تھوڑے دنوں میں تمام میدان ہمارے خیموں سے پٹ جائیں گے اور ہم اپنی شجاعت کے عجیب وغیب تماشے تجھے دکھائیں گے۔ اس وقت دنیا دیکھ لے گی کہ اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑا منصف ہے کیا فیصلہ صادر فرماتا ہے، والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

جیسا کہ سلطان سلیم کے اس خط میں اشارہ موجود ہے کہ شاہ اسماعیل نے یہ بھی سخت نامعقول حرکت کی تھی کہ اپنی رعایا کے تمام سنی لوگوں کے مقبرے اور مسجدیں مسمار کرا کر سنیوں کو حد سے زیادہ ذلیل اور تنگ کر رکھا تھا۔ خود اسماعیل کے باپ دادا شیعہ نہ تھے بلکہ وہ عثمانیوں کی طرح سنت جماعت طریقے پر عامل اور صوفی لوگ تھے۔ شیخ جنید کے زمانہ سے جبکہ جنگی کارروائیوں کا سلسلہ اس خاندان نے شروع کیا تو لوگوں کو محبت اہل بیت کی ترغیب دینی شروع کی کیونکہ اس طرح ان کو کامیابی کی زیادہ توقع تھی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ بہت جلد اسی شیعہ مسلک پر سیاسی اغراض کی وجہ سے قائم ہو گئے، جو ان سے پہلے شیعوں نے اپنا دستور العمل بنایا تھا۔ اسماعیل صفوی نے اس معاملے میں سب سے زیادہ غلو اختیار کیا اور بادشاہ ہو کر اپنی تمام قلمرو میں شیعہ مذہب کی اشاعت شروع کر دی۔ چونکہ ایرانیوں میں پہلے سے اس مذہب کے قبول کرنے کا مادہ موجود تھا، اس لئے اس کو بڑی کامیابی ہوئی۔ جن راسخ العقیدہ مسلمانوں نے شیعیت سے انکار کیا، ان پر مصائب کے پہاڑ توڑ دیے گئے اور ساتھ ہی یہ اشاعتی کام قلمرو عثمانی میں بھی شروع کر دیا۔ سلطان بایزید نے تو کوئی انتظام نہ کیا لیکن سلطان سلیم نے اس طرف فوری توجہ مبذول کر کے اس فتنہ کا استیصال کر دیا، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ سلطان سلیم عثمانی مذکورہ خط کے ساتھ اپنا ایک ایلچی بھی بھیجا اور اس کو سمجھا دیا کہ اگر شاہ اسماعیل راہ راست پر آ جائے اور ہماری باتوں کو مان لے تو اس سے کہا جائے کہ وہ شہزادہ مراد کو جو اس کے پاس پناہ گزیں ہے، ہمارے پاس بھیج دے۔ اسماعیل صفوی نے اس خط کو پڑھ کر سلطان سلیم کے ایلچی کو فوراً شہزادہ مراد کے سپرد کر دیا اور اس نے اسماعیل صفوی کے اشارے کے موافق اس ایلچی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ یہ حرکت اسماعیل صفوی کی بہت ظالمانہ اور مراسم شاہانہ کے خلاف تھی۔ پھر اسماعیل نے سلطان سلیم کے خط کا جواب لکھ کر اس کے پاس روانہ کیا۔ اس خط میں اسماعیل صفوی نے لکھا کہ:

''میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ اس قدر ناخوش اور برافروختہ کیوں ہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افیم کے نشے میں یہ خط لکھا گیا ہے۔ آپ کو اگر لڑنا ہی منظور ہے تو میں بھی ہر طرح سے تیار ہوں۔ جو کچھ اللہ کی مرضی ہے، اس کا بہت جلد ظہور ہو جائے گا اور جب میدان میں مقابلہ ہوگا تب آپ کو قدر و عافیت معلوم ہوگی۔''

اس خط کے ساتھ اسماعیل صفوی نے افیون کا ایک ڈبہ بطور تحفہ سلطان سلیم کے پاس بھیجا جس سے مقصود یہ تھا کہ تم افیون کھانے کے عادی ہو اور اسی کے نشے میں ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ لہذا افیون کے تحفے کو بہت پسند کرو گے۔ سلطان سلیم اس خط اور افیون کو دیکھ کر بہت غیظ و غضب میں آیا اور اپنے ایلچی کے قصاص میں اس نے اسماعیل صفوی کے ایلچی کو قتل کرا دیا اپنے لشکر کا خوب بندوبست کر کے تبریز کی جانب (جو اسماعیل صفوی کا دارالسلطنت تھا) روانہ ہوا۔ شہر سیواس میں پہنچ کر سلیم نے اپنی فوج کی موجودات لی تو اسی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل تھے۔ اس نے سیواس سے قیصریہ تک چالیس ہزار پیدلوں کو تقسیم کر کے ہر منزل پر ایک مناسب تعداد متعین کر دی اور حکم دیا کہ جب سلطانی لشکر قیصریہ سے ایک منزل آگے بڑھے تو ہر منزل کی متعینہ فوج ایک ایک منزل آگے بڑھ جائے اور سب سے پچھلا دستہ جو سیواس میں متعین ہے، سیواس کو چھوڑ کر اگلی منزل میں پہنچ جائے۔

یہ انتظام اس نے اس لئے کیا کہ سامان رسد کے پہنچنے میں آسانی رہے لیکن جوں ہی سلطان سلیم اپنی حدود سلطنت سے نکل کر ایرانی قلمرو میں داخل ہوا، اس نے دیکھا کہ اسماعیل صفوی کے حکم سے ایرانیوں نے تمام علاقے کو ویران کرانا شروع کر دیا تھا تاکہ عثمانی لشکر کو گھاس کا ایک تنکا اور غلہ کا ایک دانہ نہ مل سکے۔ سبز درختوں اور ہر قسم کی نباتات کو جلا کر خاک سیاہ بنا دینے کے کام پر اس نے بہت بڑی فوج متعین کر دی تھی۔ اس فوج کا یہی کام تھا کہ عثمانی لشکر کے آگے آگے ملک کو برباد اور خاک سیاہ بناتی جائے۔ پہلے سے ان علاقوں میں اشتہار دے دیا گیا تھا کہ تمام باشندے اپنے اپنے سامان کو جو اٹھا سکتے ہیں، اٹھا کر اور باقی کو آگ لگا کر اندرون ملک کی طرف چلے جائیں ورنہ شاہی فوج ان کو زبردستی جلاوطن کر دے گی اور ان کی تمام املاک و سامان کو جلا ڈالے گی۔ اسماعیل صفوی کے اس انتظام و اہتمام کا اثر یہ ہوا کہ مملکت ایران کی حدود میں داخل ہوتے ہی سلطان سلیم عثمانی کو مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اگرچہ سلطان سلیم عثمانی نے پہلے ہی سے یہ بھی انتظام کر لیا تھا کہ طرابزون کے بندرگاہ پر قسطنطنیہ اور یورپی صوبوں سے سامان رسد کے جہاز آتے رہیں اور وہاں سے خچروں اور اونٹوں پر لاد لاد کر لشکر سلطانی میں سامان رسد کے پہنچنے کا انتظام رہے۔ اس کام کے لئے اس نے پانچ ہزار سپاہی اور بہت سے اونٹ اور خچر مقرر کر دیئے تھے مگر پھر بھی جس علاقہ میں اس کو سفر کرنا پڑ رہا تھا، اس علاقے سے کسی چیز کا بھی دستیاب نہ ہونا بے حد موجب تکلیف تھا۔ شاہ اسماعیل صفوی خود بھی فوج لے کر اپنے صوبوں کی اس مکمل

بربادی میں مصروف تھا اور پیچھے ہٹتا چلا جاتا تھا۔ سلیم عثمانی کو توقع تھی کہ اسماعیل صفوی اپنے ملک کی سرحد پر سدراہ ہوگا لیکن اس نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ سلیم عثمانی خود ہی اتنے بڑے لشکر کو دور تک نہ لا سکے گا اور تنگ آکر پیچھے ہٹ جائے گا۔ اسماعیل صفوی کا یہ منصوبہ بلانتیجہ نہ رہا۔ سلطان کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور سرداران لشکر نے سلطان کو رائے دی کہ اسماعیل صفوی چونکہ مقابلہ پر نہیں آتا اور پیچھے بھاگتا جاتا ہے، لہذا اب ہم کو بھی واپس ہو جانا چاہئے۔ مگر سلطان سلیم نے اس بات کو ناپسند کیا اور آگے ہی بڑھتا گیا۔ اس حالت میں سلطان نے فوج کے لئے ضروریات مہیا کرنے اور رسد رسانی کے انتظام کی طرف توجہ مبذول رکھنے میں بڑی قابلیت کا اظہار کیا۔ سلطان دیار بکر ہوتا ہوا آذر بائیجان کے علاقے میں داخل ہوا۔ ایک منزل پر سلطان کے سپہ سالار ہمدان پاشا کو جو سلطان کے بچپنے کا دوست اور ہم سبق بھی تھا، دوسرے سرداروں نے ترغیب دی کہ آپ سلطان کو واپس ہونے پر آمادہ کر دیں۔ ہمدان پاشا نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ اس حملہ آوری میں اپنی فوج کو ناراض نہ کریں اور موجودہ حالات اس کے متقاضی ہیں کہ اب واپس چلیں۔ سلطان سلیم نے یہ سنتے ہی ہمدان پاشا کی گردن اڑا دی اور کسی کو چون و چرا کی جرات نہ ہوئی۔ آخر ایک منزل پر جانثاری فوج نے جو سب سے زیادہ جری اور باحوصلہ سمجھی جاتی تھی، متفقہ آواز بلند کی کہ ہم اب ہرگز آگے قدم نہ بڑھائیں گے اور یہیں سے واپس ہونا چاہتے ہیں۔ سلطان سلیم نے جب دیکھا کہ ساری کی ساری فوج سرکشی پر آمادہ ہے تو وہ اگلے دن صبح کو گھوڑے پر سوار ہو کر جانثاری فوج کے درمیان آ کھڑا ہوا اور تمام فوج کو اپنے گرد جمع کر کے ایک تقریر کی کہ:

> ''میں اس لئے یہاں نہیں آیا ہوں کہ ناکام واپس جاؤں۔ جو لوگ بہادر ہیں اور اپنی شرافت کی وجہ سے بزدلی و نامردی کے عیب کو اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اور تیر و شمشیر کے زخموں سے نہیں ڈرتے وہ یقیناً میرا ساتھ دیں گے لیکن جو لوگ نامرد ہیں اور اپنی جان کو اپنی عزت سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں اور اپنے گھروں کو واپس ہونا چاہتے ہیں اور صعوبات کے برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ میری طرف سے ان کو اجازت ہے کہ وہ اسی وقت بہادروں اور جواں مردوں کی صفوں سے جدا ہو جائیں اور اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اگر تم میں سے ایک شخص نے بھی میرا ساتھ نہ دیا اور تم سب کے سب ہی نامردوں میں شامل ہو گئے تو تنہا آگے بڑھوں گا اور بغیر معرکہ قتال و جدال گرم کئے ہوئے ہرگز واپس نہ ہوں گا۔''

یہ کہہ کر سلطان سلیم نے حکم دیا کہ نامرد لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں اور جو بہادر و غیرت مند ہیں

وہ اسی وقت کوچ پر آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ فوراً تمام فوج وہاں سے سلطان کے ساتھ چل پڑی اور ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جو وہاں سے واپس ہونے کی جرات کرتا۔ سلطان کی اس ہمت مردانہ کی برکت تھی کہ اگلی منزل پر فوج جا کر مقیم ہوئی تو گرجستان یعنی کاکیشیا کے ایک عیسائی سردار کی طرف سے بافراط سامان رسد سلطانی فوج کے لئے پہنچا جو سلطان کی خوشنودی مزاج کے لئے بطور مہمان نوازی بھجوایا گیا تھا۔

اب اسماعیل صفوی کا دارالسلطنت تبریز بہت زیادہ دور نہ رہا تھا۔ سلطان سلیم کوچ و مقام کرتا ہوا وادی خالد ران میں پہنچا اور اس وادی کے مغربی جانب کے ایک ٹیلہ پر چڑھا تو سامنے میدان میں اس کو ایرانی فوج نظر آئی جس کو دیکھ کر وہ بہت ہی خوش ہوا، اب تک دوران سفر میں سلیم نظم و نثر کے کئی خطوط اسماعیل صفوی کے نام بھیج چکا تھا، جن میں سے ہر ایک خط میں اس نے کوشش کی تھی کہ اسماعیل صفوی کو غیرت دلا کر مقابلہ پر آنے کی ترغیب دے۔ سلطان سلیم شاہ صفوی کے مقابلہ پر نہ آنے سے بہت ہی افسردہ خاطر اور رنجیدہ تھا اور اسی لئے وہ جلد جلد منزلیں طے کرتا ہوا بڑھتا چلا جاتا تھا کہ اسماعیل صفوی کو اس کے دارالسلطنت میں پہنچ کر للکارے۔ اسماعیل صفوی اگر اپنے دارالسلطنت کو بھی چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتا تو ممکن تھا کہ اس کا منصوبہ کارگر ثابت ہو جاتا اور سلطان سلیم تبریز سے آگے نہ بڑھتا لیکن وہ سلطان سلیم کی پیش قدمی کو اس سے زیادہ برداشت نہ کر سکا۔ وادی خالد ران تبریز سے بیس کوس کے فاصلے پر تھی اور اسماعیل صفوی نے مقابلہ کے اسی مقام کو سب سے زیادہ موزوں مقام سمجھا تھا۔ اسماعیل صفوی کی فوج سلطان سلیم کی فوج کے برابر ہی تھی مگر اس فرق کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ سلطان سلیم کی فوج پیہم بڑی بڑی کڑی منزلیں طے کرتی ہوئی پہنچی تھی اور بہت ہی تھکی ہاری ہوئی تھی لیکن اسماعیل صفوی کی فوج خوب تازہ دم اور ہر طرح ہر قسم کے سامان سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ اسماعیل صفوی نے مقابلہ کرنے میں جو دیر اور توقف کیا وہ اس کی نہایت ہی زبردست سپاہیانہ چال تھی اور اس کی تجربہ کاری نے عثمانی لشکر کو صعوبات سفر سے کمزور و ستوہ کر کے ایسے مقام پر لا ڈالا تھا، جہاں وہ تمام و کمال برباد ہونے کے لئے گویا صفوی لشکر یا موت کے منہ میں پہنچ چکا تھا۔ اس موقع پر پہنچ کر سلطان سلیم کا فرض تھا کہ وہ اپنے لشکر کو کم از کم ایک دن یا چند ہی گھنٹے آرام دینے کی کوشش کرتا اور ستانے کا موقع دیتا لیکن وہ چونکہ تمام سفر میں اس بات کی دعائیں مانگتا ہوا آیا تھا کہ کسی طرح اسماعیل صفوی مقابلہ پر آ جائے۔ لہذا خالد ران کے میدان میں اسماعیل صفوی اور اس کے لشکر کو سامنے دیکھ کر وہ تامل نہ کر سکتا تھا۔ ادھر اسماعیل صفوی کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ پہلے سے معلوم تھا کہ عثمانی لشکر سامنے سے نمودار ہونے والا ہے۔ لہذا وہ پہلے ہی سے حملہ آوری پر مستعد اور اپنے میمنہ و میسرہ کو درست کر چکا تھا اور اس بات پر مستعد تھا کہ عثمانی لشکر کو جو تھکا ہوا آ رہا ہے، آرام کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اسماعیل صفوی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان کے ساتھ ایک ہلکا توپ خانہ بھی ہے۔ اس کو

سلطانی فوج کی تعداد اور ہر حصہ فوج کی حالت سے بخوبی آگاہی حاصل تھی۔ شاہ صفوی نے اپنے اسی ہزار سواروں کے دو حصے کئے۔ ایک حصہ تو اپنی ماتحتی میں رکھا اور دوسرا حصہ اپنے سپہ سالار ابوعلی کے سپرد کیا اور یہ قرار دیا کہ عثمانی فوج جس وقت لڑائی شروع کرے تو ایرانی فوج کے سامنے کی صف مصروف جنگ ہو اور یہ دونوں حصے جو چالیس چالیس ہزار سواروں پر مشتمل تھے، دہنے بائیں جانب کترا کر اور گھوم کر عثمانی فوج کے عقب میں پہنچ جائیں اور پیچھے سے حملہ کر کے ترکوں کا قافیہ تنگ کر دیں۔ ادھر سلطان سلیم نے ایرانی فوج کو سامنے مستعد دیکھتے ہی ایشیائے کوچک کی تمام فوج اپنے سپہ سالار سنان پاشا کے سپرد کیا اور یورپی علاقے کی فوج حسین پاشا کو دی۔ سنان پاشا کو میمنہ پر اور حسین پاشا کو میسرہ پر رکھا۔ خود اپنے جانثار دستہ کو لے کر قلب میں قائم ہوا اور آگے جاگیرداروں اور رضا کاروں کے غول کو بطور براول بڑھایا۔ توپ خانہ ایک مناسب موقع پر نصب کر دیا گیا۔ اسماعیل صفوی کو چونکہ توپ خانہ کا حال معلوم تھا اور وہ جانتا تھا کہ لڑائی شروع ہونے کے بعد توپوں کا رخ جلد نہیں بدلا جا سکے گا، لہٰذا اس نے ترکوں کی توپوں کو بے کار کرنے کے لئے ہی اپنے اسی ہزار سواروں سے وہ کام لینا چاہا تھا جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اسماعیل صفوی کی یہ تدبیر جنگ بڑی عاقلانہ اور قابل تعریف تھی۔ چنانچہ طرفین سے فوجیں بڑھیں اور معرکہ کارزار کے گرم ہوتے ہی اسماعیل صفوی نے اپنے چالیس ہزار سوار لے کر عثمانیہ لشکر کے میمنہ کی سمت کو کتراتے اور گھومتے ہوئے حملہ کیا۔ دوسری طرف ابوعلی نے اپنے چالیس ہزار سواروں سے ترکی لشکر کے میسرہ کا ارادہ کیا۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی عثمانیہ لشکر سے تکبیر کی آوازیں بلند تھیں اور ایران لشکر سے ''شاہ شاہ'' کی آوازیں آ رہی تھیں یعنی ایرانیوں کا نعرہ جنگ اپنے بادشاہ اسماعیل صفوی کا نام لینا تھا اور عثمانی لشکر کا نعرہ جنگ اللہ اکبر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دونوں لشکروں کی ان آوازوں نے صاف طور پر بتا دیا تھا کہ ان میں کون موحد ہے اور کون مشرک۔ بہر حال اسماعیل صفوی توپوں کی زد سے صاف بچ کر اپنے ارادے میں کامیاب ہوا یعنی اس نے حسین پاشا کی فوج کے عقب سے پہنچ کر سخت حملہ کیا اور یورپی دستوں کے اکثر سردار سپاہی اس معرکہ عظیم میں مارے گئے۔ دوسری طرف ابوعلی نے سنان پاشا کی فوج پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن ابوعلی اپنے منصوبے میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا بلکہ اس کی فوج کا ایک حصہ توپخانہ کی زد میں آ گیا اور ابوعلی مارا گیا۔ سنان پاشا نے باسانی ابوعلی کی فوج کو مغلوب کر لیا لیکن حسین پاشا کی حالت بہت نازک ہو گئی کیونکہ اس طرف ایرانی بہت چیرہ دستی دکھا رہے تھے۔ سلطان سلیم بڑی احتیاط کے ساتھ میدان کا نگراں تھا۔ اس نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ وہ سلطان بایزید یلدرم کی طرح اپنے سپہ سالاری کے منصب کو فراموش کر کے ایک شمشیر زن سپاہی کی حالت میں تبدیل ہو جائے۔ جب سلطان سلیم کو یہ یقین ہو گیا کہ سنان پاشا کو کسی امداد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے حریف کو مغلوب کر چکا ہے تو اپنے رکابی دستہ کو لے کر فوراً حسین پاشا کی مدد کو پہنچا اور

ایک ایسا زبردست اور رستمانہ حملہ کیا کہ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اسماعیل صفوی نے فرار کی عار گوارا کیا۔

اسماعیل کو عثمانی سپاہی گرفتار ہی کر چکے تھے کہ اسماعیل کے ایک ہمراہی مرزا سلطان علی نے کہا کہ میں شاہ اسماعیل ہوں۔ عثمانی سپاہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسماعیل صفوی کو بھاگ کر جان بچانے کا موقعہ مل گیا۔ تمام میدان ایرانیوں سے خالی ہو گیا اور سلطان سلیم کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ سلطان نے آگے بڑھ کر اسماعیل صفوی کے لشکر گاہ پر قبضہ کیا تو معلوم ہوا کہ اسماعیل اس سراسیمگی کے ساتھ فرار ہوا ہے کہ اپنا سفری خزانہ اور اپنی پیاری بیوی بھی اپنے خیمہ ہی میں چھوڑ گیا ہے۔ سلطان سلیم نے عورتوں اور بچوں کو قید و حراست میں رکھ کر جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا اور میدان جنگ کا معائنہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اس لڑائی میں چودہ عثمانی اور چودہ ہی ایرانی صاحب علم سپہ سالار مارے گئے۔ سلیم کو اپنے سرداروں کے مارے جانے کا سخت ملال ہوا اور اس نے بڑی عزت کے ساتھ ان کی تجہیز و تکفین سے فراغت پا کر تبریز کا ارادہ کیا۔ یہ لڑائی مقام خالدران میں ۲۳/اگست سنہ ۱۵۱۴ء مطابق ۲۰/ماہ رجب سنہ ۹۲۰ھ کو ہوئی۔ اس لڑائی سے تیرہ دن کے بعد سلطان سلیم تبریز دارالسلطنت ایران میں داخل ہوا۔ اسماعیل صفوی خالدران سے بھاگ کر تبریز میں پہنچا تھا لیکن جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان سلیم تبریز کی طرف آ رہا ہے تو وہ تبریز سے خراسان کی طرف بھاگ گیا اور اپنی سلطنت کے مشرقی حصہ پر اپنا قبضہ قائم رکھا۔ سلطان نے تبریز میں آٹھ روز قیام کیا۔ اس کے بعد قرہ باغ کی طرف بڑھا۔ جب سلطان تبریز میں مقیم تھا تو اس کے پاس مرزا بدیع الزماں جو تیموری نسل کا شہزادہ تھا، ملنے آیا۔ سلطان نے اس کی بہت عزت و تکریم کی۔ سلطان سلیم کا ارادہ تھا کہ قرہ باغ سے آگے بڑھ کر آذربائیجان کے میدانوں میں موسم سرما بسر کر کے اور موسم بہار کے شروع ہونے پر مشرقی ممالک کی فتوحات کے لئے بڑھے لیکن اس کی فوج نے اب پھر سرکشی پر آمادگی ظاہر کی اور سلطان کو مجبور کیا کہ وطن کی طرف واپس ہو۔ یہ واپسی سلطان کی ایسی ہی تھی جیسی کہ سکندر کی واپسی دریائے ستلج کے کنارے سے مجبوراً ہوئی تھی۔ سکندر کو بھی اس کی فوج ہی نے واپس ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ سلطان سلیم قرہ باغ سے واپس تو ہوا مگر وہ سیدھا قسطنطنیہ نہیں چلا گیا بلکہ اس نے واپس ہو کر ایشیائے کوچک کے شہر اماسیہ میں قیام کیا اور یہیں موسم سرما بسر کر کے موسم بہار کے شروع ہونے پر فوج کشی کر کے آمینیا و جارجیا اور کوہ قاف کا علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ آذربائیجان کا صوبہ پہلے ہی اس کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ اب اس کے بعد سلطان کا ارادہ تھا کہ کردستان اور عراق یعنی دوآبہ دجلہ و فرات کو بھی فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کرے جس پر اب تک اسماعیل صفوی کا اقتدار باقی تھا لیکن سلطان کے پاس قسطنطنیہ سے خبر پہنچی کہ وہاں کی فوج سرکشی پر آمادہ ہے اور قسطنطنیہ کے وائسرائے کے ساتھ گستاخی سے پیش آئی ہے۔ اس لئے اس کو

مجبوراً اپنے دارالسلطنت قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ لیکن اس طرف جنگی کارروائیاں اور فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے اس نے تجربہ کار سردار مامور کئے جنہوں نے چند ہی روز کے بعد کردستان، عراق اور ساحل خلیج فارس تک کے تمام صوبے فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر دیئے اور اسماعیل صفوی کی قریباً آدھی سلطنت عثمانیہ سلطنت میں شامل ہو گئی۔ اسماعیل صفوی نے بار بار پاؤں مارے لیکن عثمانیہ سرداروں سے ہمیشہ شکست کھائی۔

سلطان سلیم فتح خالدران کے بعد جب تبریز میں داخل ہوا تو اس نے تبریز سے جو سب سے بڑا فائدہ حاصل کیا وہ یہ تھا کہ وہاں کے ایک ہزار معماروں اور کاریگروں کو بیش قرار روز یئے اور جاگیریں دے کر قسطنطنیہ میں آباد ہونے کے لئے بھیج دیا۔ اس زمانے میں تبریز کے معمار ساری دنیا میں مشہور اور اپنے فن میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ سلطان نے ان لوگوں کو قسطنطنیہ بھیج کر قسطنطنیہ کی ایک بڑی واہم ضرورت کو پورا کر دیا۔ شاہ اسماعیل صفوی نے اس شکست کے بعد کئی مرتبہ سلطان سلیم کے پاس صلح کی درخواستیں بھیجیں اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح سلطان سلیم اس کی طرف سے مطمئن ہو لیکن سلطان کو اسماعیل صفوی سے ایسی نفرت تھی کہ اس نے مطلق التفات نہ کیا اور رحالت جنگ کو اس کے ساتھ قائم رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

اگر اس کے بعد سلطان سلیم کو شام و مصر کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ نہ ملتا تو وہ ضرور ایک مرتبہ پھر ایران پر فوج کشی کر کے اسماعیل صفوی سے بقیہ ملک بھی چھین لیتا اور ترکستان تک فتح و فیروزی کے ساتھ چلا جاتا مگر اس کے اور سلیم کو خود ایران کی طرف آنے کا موقعہ نہیں ملا اور اس کے سرداروں نے مفتوحہ ملک کو اپنے قبضے سے نہیں نکلنے دیا۔ اس حملہ اور اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرق کی جانب سلطنت عثمانیہ کی حدود بہت وسیع ہو گئیں اور نہایت زرخیز اور سیر حاصل صوبوں کا اضافہ ہوا اور آئندہ کے لئے مشرق کی جانب سے کسی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہا۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی بیان کر دینے کے قابل ہے کہ اسماعیل صفوی کی چہیتی بیوی جب سلطان سلیم کے قبضے میں آ گئی تو شاہ اسماعیل نے سلطان سلیم کے پاس اپنے ایلچی بھیجے کہ میری بیوی کو میرے پاس بھیج دو۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شاہ سلیم ایشیائے کوچک کے شہر اماسیہ میں قرہ باغ سے آ کر مقیم اور موسم سرما کا زمانہ بسر کر رہا تھا۔ سلطان سلیم سے یہی توقع تھی کہ وہ شاہ صفوی کی بیوی کو اس کے پاس بھیج دے گا لیکن سلطان چونکہ شاہ صفوی کو مرتد اور بے دین خیال کرتا تھا اور اس کے اعمال ناشائستہ کی وجہ سے بہت ناراض تھا، لہذا سلطان نے اس کے ساتھ کسی قسم کی مروت کا برتاؤ کرنا نہیں چاہا۔ اب تک شاہ صفوی عزت و احترام کے ساتھ نظر بند تھی۔ سلطان نے اس کے بھیجنے سے صاف انکار کر دیا اور جنگ خالدران سے پانچ چھ مہینے کے بعد شاہ اسماعیل کی بیگم کا نکاح اپنے ایک سپاہی جعفر چلپی کے ساتھ کر دیا۔ اسماعیل صفوی کو یہ سن کر کہ اس کی بیوی ایک ترک سپاہی کی بیوی بن کر

اس گھر میں مسرت وشادمانی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے، سخت صدمہ ہوا اور جب تک زندہ رہا اسی حسرت اور حزن وملال میں مبتلا رہا۔

فتح مصر وشام: اوپر کسی باب میں ذکر آ چکا ہے کہ خاندان ایوبیہ کے ساتویں بادشاہ ملک الصالح نے مصر میں مملوکی فوج قائم کی تھی۔ جس کو غلاموں کی فوج کہنا چاہیئے۔ بہت جلد ان غلاموں نے مصر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اسی زمانہ کے قریب ہندوستان میں بھی غلاموں کا خاندان فرماں روا تھا لیکن یہاں ہندوستان میں غلاموں کے خاندان کے صرف دو بادشاہ غلام تھے، باقی انہیں غلاموں کی اولاد نسلاً بعد نسل تخت نشین ہوتی رہی۔ مصر میں اس کے خلاف یہ دستور قائم ہوا تھا کہ ایک فرماں روا کے فوت ہونے پر غلاموں ہی میں سے کسی کو منتخب کر کے تخت حکومت پر بٹھایا جائے۔ مصر کے یہ غلام بادشاہ مملوکی کہلاتے تھے۔ سلطان سلیم کے زمانہ تک ان کی سلطنت مصر میں قائم تھی اور انہیں سلاطین مصر کی حفاظت میں عباسی خلفا مصر کے اندر رہتے تھے۔ مصر کی مملوکی سلطنت بھی بڑی معزز اور شاندار سلطنت تھی۔ ان مملوکیوں نے عالم اسلام کی دو سب سے بڑی اور اہم خدمات انجام دی تھیں۔ ایک تو انہوں نے فلسطین وشام کو اسلام کے خلاف حملوں سے بچایا اور ہمیشہ کے لئے صلیبی چڑھائیوں کا استیصال کر دیا۔ دوسرے انہوں نے مغلوں کے سیلاب عظیم کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور چنگیز وہلاکو وغیرہ کی فوجوں کو شکست دے دے کر بھگا دیا۔ عجیب بات ہے کہ ان فتح مند مغلوں نے مصر کے غلاموں یعنی مملوکیوں سے جس طرح شکست کھائی، اسی طرح ہندوستان کے غلام خاندان سے انہوں نے ہمیشہ نیچا دیکھا۔ گویا ان کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کے معزز ترین اور اعلیٰ خاندانوں کو برباد کر دیں لیکن جب مسلمانوں کے غلاموں سے معرکہ آراء ہوں تو شکست کھا کر بھاگیں۔

بہر حال مصر کی مملوکی سلطنت مصر، شام اور حجاز پر حکمراں اور قدیم سے سلاطین عثمانیہ کے ساتھ کوئی پرخاش نہیں رکھتی تھی۔ سلطان فاتح کی وفات کے بعد جب سلطان بایزید ثانی تخت نشین ہوا اور شہزادہ جمشید شکست کھا کر مصر پہنچا تو دربار قاہرہ کے تعلقات دربار قسطنطنیہ کے ساتھ پہلی مرتبہ کشیدہ ہوئے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جنگ و پیکار تک نوبت پہنچی۔ اس موقعہ پر سلطنت عثمانیہ کو مملوکیوں سے نیچے دیکھنا اور نقصان اٹھانا پڑا تھا، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اب سلطان کے تخت نشین ہونے کے بعد مثل دوسری سلطنتوں کے مملوکی بھی اس نئے سلطان کی حرکات کو بغور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جب اسماعیل صفوی کو شکست اور سلیم کی فتوحات کا حال سنا تو ان کو یہ فکر ہوئی کہ سلیم اب ہم سے چھیڑ چھاڑ کئے بغیر نہ رہے گا۔ اس لئے کہ دیار بکر وغیرہ صوبے جو سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو چکے تھے، انہوں نے مملوکیوں کے مقبوضہ ملک یعنی شام کو سلطنت عثمانیہ سے اور بھی قریب کر دیا تھا۔ ان کو یہ

بھی محسوس ہو چکا تھا کہ سلطان سلیم ضرور ان شہروں اور قلعوں کو واپس لینے کی کوشش کرے گا جو مملوکیوں نے سلطان بایزید ثانی سے چھین لئے تھے۔ ادھر شاہ اسماعیل صفوی نے سلطان سلیم سے شکست فاش کھانے کے بعد اپنے ایلچی مصر کے سلطان قالضو غازی کے پاس بھیجے اور عہد نامہ صلح قائم کرنا چاہا۔ مملوکی امیر کو اسماعیل صفوی کے سفیر کی مدارات کرنے اور معاہدہ صلح کے قائم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ اسماعیل کے سفیر نے قالضو غازی کو اور بھی زیادہ ان خطرات کی طرف توجہ دلائی جو سلطان سلیم سے سلطنت مصر کے لئے پیدا ہو سکتے تھے۔ ان مذکورہ وجوہات سے یا اور کسی سبب سے یہ ضرور ہوا کہ امیر کبیر قالضو غازی سلطان مصر خود شہر حلب میں آ کر مقیم ہوا اور اس نے سرحد شام پر مناسب فوجیں فراہم و متعین کر دیں، جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سلطان سلیم ملک شام پر حملہ نہ کر دے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ موقع پا کر مملوکی سلطنت خود ایشیائے کوچک کے مشرقی حصے میں حملہ آور ہو۔ بہر حال سلطان سلیم کا غالباً یہ خیال نہ تھا کہ وہ مملوکی سلطنت پر حملہ کرے کیونکہ مملوکی بہت پابند شرع اور سلطان سلیم کے ہم عقیدہ و ہم مذہب تھے۔ مگر اسماعیل صفوی کی خفیہ تدابیر نے اس جگہ بخوبی کامیابی حاصل کی اور مملوکی بے چارے شاہ ایران کی چالاکی کے فریب میں آ کر ناحق مارے گئے۔

سلطان سلیم ایران کی طرف سے واپس آ کر قسطنطنیہ میں مقیم اور اندرونی انتظامات میں مصروف تھا۔ اب اس کے لئے سوائے مغربی حدود اور عیسائی سلطنتوں کے اور کوئی چیز جاذب توجہ نہ تھی۔ اس کے باپ دادا کئی پشتوں سے یورپ کے عیسائیوں سے دست و گریباں چلے آتے تھے۔ سلیم کے لئے سوائے یورپی ممالک کے اور کوئی علاقہ اب ایسا نہ تھا کہ وہ اس کا لالچ کرتا، سنہ ۹۲۲ھ میں اس کے پاس یکا یک اس کے گورنر سنان پاشا کی ایک تحریر پہنچی۔ (سنان پاشا ایشیائے کوچک کے مغربی حصہ کا حاکم و سپہ سالار تھا) کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں وادی فرات کی جانب فوج لے جانے سے اس لئے قاصر ہوں کہ سرحد شام پر مملوکی فوجیں موجود ہیں اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ میرے یہاں سے غیر حاضر ہوتے ہی وہ شاید ایشیائے کوچک کے مشرقی حصہ پر حملہ آور ہو جائیں۔ اس تحریر کو پڑھ کر سلطان سلیم نے قسطنطنیہ میں اپنے تمام سرداروں، عالموں اور وزیروں کو جمع کر کے ایک مجلس مشورت منعقد کی اور ان سے پوچھا کہ ہم کو مملوکیوں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آخر اس کے میر منشی محمد پاشا نے ایک پر جوش اور زبردست تقریر میں بیان کیا کہ سلطان عثمانی کو ضرور اپنی طاقت کا اظہار کرنا چاہئے اور حقیقت یہ ہے کہ مملوکی سلطان عثمانی کے سامنے ہرگز اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ وہ حرمین شریفین کے خادم ہوں اور ملک حجاز کو اپنے قبضہ میں رکھیں۔ سلطان عثمانی کو یہ شرف ضرور حاصل کر لینا چاہئے اور اس کا حاصل کرنا عین خدمت اسلامی ہے اور اس کے لئے مملوکیوں سے لڑنا بالکل جائز اور مناسب ہے۔ چنانچہ سلطان نے اس رائے کو بہت ہی پسند کیا اور اپنے میر منشی کو اسی وقت وزیر اعظم بنا دیا۔

سلطان سلیم نے مصر کی سلطنت مملوکیہ سے جنگ کا مصمم ارادہ کر کے اول ایک سفارت امیر قالضو غازی کے پاس روانہ کی اور پیغام بھیجا کہ تم ہماری اطاعت و فرماں برداری قبول کر کے اظہار اطاعت کے لئے خراج گزاری قبول کرو ورنہ ہم فوج کشی کر کے تم سے ملک چھین لیں گے۔ سلطان کے سفیر جب حلب میں قالضو غازی کے پاس پہنچے تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور سفیروں کو قید کر لیا۔ بس اتنا بہانہ فوج کشی کے لئے کافی تھا۔ سلطان فوراً قسطنطنیہ سے فوج لے کر روانہ ہوا۔ جب عثمانیہ لشکر قریب پہنچا تو مملوکی سلطان گھبرایا اور اس نے مصلحت مصالحت میں ہی دیکھی۔ چنانچہ عثمانی سفیروں کو آزاد کر کے ان کے ہاتھ صلح کا پیغام بھیجا مگر اب یہ کوشش بے سود تھی۔ سلطان سلیم برابر بڑھتا چلا گیا۔ حلب کے قریب میدان مرج وابق میں جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر ہے، دونوں فوجیں جنگ خالدران سے پورے دو سال بعد ۲۴/اگست سنہ ۱۵۱۶ء مطابق سنہ ۹۲۲ھ کو ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں۔ مملوکی اپنی شجاعت اور بہادری میں ہرگز عثمانیوں سے کم نہ تھے۔ ان کی بہادری کی عام طور پر ہر ملک کے مورخین نے تعریف کی ہے۔ لیکن اس زمانے میں ان کے اندر آپس کے اختلافات پیدا ہو چکے تھے اور اندرونی رقابتوں نے ان کی مشہور و مسلم بہادری کے اظہار کا موقعہ ضائع کر دیا تھا۔ چنانچہ سلطان سلیم کی کثیر التعداد فوج کے مقابلہ میں مملوکی لشکر پر آثار ہزیمت نمایاں ہوئے اور مملوکی سلطان جو بہت بوڑھا شخص تھا، نہایت جرات و ہمت کے ساتھ لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔ مملوکی سلطان کے مارے جانے کی خبر جب مملوکی کے لشکر میں مشہور ہوئی تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور سلطان سلیم آگے بڑھ کر حلب پر قابض ہو گیا۔

اس شکست سے مملوکیوں کی ہمت مطلق پست نہیں ہوئی کیونکہ وہ عثمانیوں کو اپنے برابر بہادر نہیں جانتے تھے۔ قالضو غازی کے مارے جانے پر تمام سرداران لشکر قاہرہ کی طرف اس لئے چلے گئے کہ وہاں جدید سلطان کا انتخاب کریں۔ مملوکیوں میں چوبیس سردار اعلیٰ درجہ کے ہوا کرتے تھے، جو اس بات کا حق رکھتے تھے کہ ایک سلطان کے فوت ہونے پر اتفاق رائے سے کسی شخص کو اپنا سلطان منتخب کریں اور چوبیس سردار کا ایسے انتخاب کے موقعہ پر دارالسلطنت قاہرہ میں موجود ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا مملوکیوں کے ایسے بڑے بڑے تمام سرداروں کو فوراً قاہرہ کی طرف جانا ضروری ہو گیا کہ جلد از جلد نیا سلطان منتخب ہو سکے۔ بڑے بڑے سرداروں کی غیر موجودگی میں شام کا ملک سلطان سلیم کے لئے خود بخود خالی تھا۔ لہٰذا اس کو اس فرصت میں شام کے شہروں پر قبضہ کرنے کا موقعہ مل گیا اور دمشق و بیت المقدس وغیرہ سب سلطان کے قبضے میں آ گئے۔ جنگ حلب کے بعد کوئی بڑی مزاحمت مملوکیوں کی طرف سے ملک شام میں نہ ہو سکی۔

ادھر قاہرہ میں مملوکیوں نے طومان بے کو اپنا سلطان منتخب کیا۔ اس نے سلطان منتخب ہوتے

ہی ایک زبردست فوج مصر و شام کے سرحدی مقام قلعہ غزا کی طرف بھیج دی کہ سلیم کو مصر کی طرف پیش قدمی کرنے سے روکے اور خود قاہرہ کے قریب تمام افواج کو فراہم کرنے میں مصروف ہوا۔ اس فرصت میں سلطان سلیم کی خوش قسمتی کا دمشق و شام میں یہ اظہار ہوا کہ مصری سلطنت کا ایک بہت بڑا خزانہ جو شہر دمشق میں جمع تھا، سلطان کے ہاتھ آ گیا۔ بڑے بڑے شہروں سے جو مال غنیمت سلطان کے ہاتھ آیا تھا، اس کے علاوہ صرف دمشق کے اس خزانہ میں ستر لاکھ روپیہ سے زیادہ موجود تھا۔ یہ خزانہ سلطان کی آئندہ فتوحات کے لئے بہت مفید ثابت ہوا اور سلطان نے اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کے صحیح استعمال کرنے میں کسی بخل و کنجوسی کو مطلق دخل نہیں دیا۔ اہل شام کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کی سلطان نے بہت ہی باموقع کوشش کی اور عالموں، خطیبوں، درویشوں اور قاضیوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ مساجد، مدارس، پل اور رفاہ رعایا کے لئے بڑی بڑی رقمیں عطا کیں اور مصر پر حملہ آور ہونے کے لئے بار برداری کے اونٹ اور ہر قسم کا ضروری سامان فراہم کر لیا۔ مصریوں کی فوج شہر غازہ پر آ گئی، جو مصر کے سرحد سمجھا جاتا تھا۔ ادھر سلطان سلیم اپنی فوج کو لئے ہوئے شام کے آباد اور سرسبز مقامات سے گزرتا ہوا جب ریگستان میں داخل ہونے لگا تو بڑی احتیاط اور دور اندیشی کے ساتھ اونٹوں پر پانی لاد کر ساتھ لیا اور سپاہیوں کو انعامات تقسیم کر کے ان کا دل بڑھایا۔ سنان پاشاہ کو توپ خانہ دے کر ایک زبردست حصہ فوج کا سپاہ سالار بنایا اور بطور ہراول آگے روانہ کیا اور خود بقیہ تمام فوج لے کر بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ روانہ ہوا۔ یہ ریگستان کا سفر دس روز کا تھا، جو بحسن و خوبی طے ہوا۔ سنان پاشا نے مقام غزہ میں پہنچ کر سرسری فوج کا جو سپہ سالار غزالی کے ماتحت صف آرا تھی، مقابلہ کیا۔ مملوکی لشکر بڑی بے جگری اور بہادری کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر سنان پاشا نے اپنی توپوں کو میدان میں جما کر ایسی سخت گولہ باری کی اور اس طرح توپوں میں گراپ بھر بھر کر چلایا کہ مصر لشکر عثمانی لشکر تک پہنچنے سے پہلے ہی میدان میں بھون ڈالا گیا۔ مملوکی توپوں کے استعمال سے ناواقف اور اپنے پاس کوئی توپ خانہ نہ رکھتے تھے۔ اس طرح جب کہ بارود کی طاقت جواں مردوں کے قلب کی طاقت یعنی بہادری پر غالب آ گئی اور میدان عثمانیہ لشکر کے ہاتھ آیا تو ان کے دل بہت بڑھ گئے اور مملوکیوں کی جو ہیبت عثمانیہ لشکر پر چھائی ہوئی تھی، یک لخت دور ہو گئی۔

مصر میں مملوکیوں اور عثمانیوں کی معرکہ آرائی: غزہ کے معرکہ میں غزالی بے شکست کھا کر قاہرہ کی طرف واپس آیا اور طومان بے نے ترکی توپ خانہ کی ہلاکت آفرینی کے حالات سنے تو اس کی ہمت اور شجاعت میں بجائے اس کے کہ کمی ہوتی اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس نے قاہرہ کے متصل شام کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے موضع رضوانیہ کے قریب فوج کو جمع کیا اور سلیم کی فوج کا انتظار

کرنے لگا۔ سلطان طومان بے ایک اعلیٰ درجہ کا بہادر اور شریف شخص تھا مگر بعض اوقات نہایت شریف اور نیک آدمیوں کے خلاف بھی سازشیں بارآور ہو جایا کرتی ہیں اور بھلے آدمیوں کے خلاف حاسدوں اور شریروں کی ایک جماعت ضرور ہی مصروف کار رہا کرتی ہے۔ چنانچہ طومان بے جو بڑا ہی لائق فائق، بہادر، پاک نیت اور ہر طرح قابل تعریف شخص تھا، جب مصر کا سلطان منتخب ہوا تو مملوکی سرداروں ہی میں سے بعض سرداروں کو یہ انتخاب ناپسند ہوا مگر وہ کچھ نہ کہہ سکے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہے۔ اگر طومان بے کو اطمینان کا زمانہ میسر ہوتا تو وہ اپنے اخلاق فاضلہ سے رفتہ رفتہ ان لوگوں کو سوزش قلبی کو فرو کر دیتا لیکن اس کو برسر حکومت ہوتے ہی لڑائیوں کا بندوبست کرنا پڑا۔

ان حسد پیشہ سرداروں میں دو شخص خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ ایک غزالی بے اور دوسرا خیری بے۔ ان دونوں نے طومان بے کو مصر کے بچانے اور عثمانیہ لشکر کو شکست دینے کی کوشش میں مصروف دیکھ کر یہ کوشش در پردہ شروع کر دی کہ طومان بے کو اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل نہ ہو۔ چنانچہ ان غداروں نے سلطان سلیم سے خفیہ سلام پیام اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر کے طومان بے کی تمام تیاریوں اور تدبیروں سے سلطان عثانی کو مطلع کر دیا۔

طومان بے نے سلیم کے توپ خانہ کو بے کار کر دینے کے لئے یہ بہترین تدبیر سوچی تھی کہ جس وقت سلیم کا لشکر کوچ کرتا ہوا قریب پہنچے تو اسی حالت میں اس کے فروکش ہونے سے پہلے اس کے بازوؤں کی طرف سے مصری سواروں کے دستے حملہ آور ہوں اور متوپ خانہ قابض ہو کر دست بدست تلوار و خنجر کی لڑائی شروع کر دیں۔ ان دونوں غداروں نے سلیم کو طومان بے کے اس ارادے کی بھی عین وقت پر اطلاع کر دی اور طومان بے کی یہ تدبیر بھی پوری نہ ہونے پائی۔ سلطان سلیم عثانی کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ خود مملوکیوں کے سرداروں میں اس کے ہوا خواہ پیدا ہو گئے۔

۲۲/ جنوری سنہ ۱۵۱۷ء مطابق سنہ ۹۲۲ھ میں مقام رضوانیہ کے متصل جہاں مصری فوج خیمہ زن تھی، دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ چونکہ سلیم پہلے ہی سے واقف ہو چکا تھا۔ لہذا طومان بے کو اپنی سوچی ہوئی تدبیر کے موافق لڑائی کے لئے اچھا موقعہ نہ مل سکا اور اس کو عین توپ خانہ کے مقابل ہو کر لڑنا پڑا۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی خیری بے اور غزالی بے دونوں غدار مملوکی سلطان سلیم کے پاس فوراً چلے آئے۔ توپوں کے گولوں کی بارش اور بندوقوں کی گولیوں کی بوچھاڑ میں مملوکیوں نے اس بے جگری کے ساتھ حملے کئے اور اس طرح حق شجاعت و مردانگی ادا کیا کہ اس کے بعد شاید کسی کو اس طرح بہادری کے ساتھ جان قربان کرنے کا موقعہ نہیں ملا ہوگا۔ طومان بے نے اپنے مملوک شہ سواروں کی ایک جماعت لے کر، جو خود و زرہ اور جوشن وغیرہ میں سر سے پاؤں تک غرق فولاد تھی، ایک حملہ یونانیوں کے قلب لشکر پر کیا۔ سلطان طومان بے کے ہمراہ دو اور بہادر مملوکی سردار لان بے اور قرط بے بھی تھے۔ ان دونوں

سرداروں نے قسم کھائی کہ ہم سلطان سلیم کو یا تو زندہ گرفتار کر لیں گے ورنہ اس کو قتل کر دیں گے۔

مملوکیوں کی اس مختصر جماعت کا یہ حملہ ایک زلزلہ تھا، جس نے تمام عثمانی لشکر میں تزلزل برپا کر دیا۔ مملوکیوں کا سلطان طومان بے اور اس کے مٹھی بھر ہمراہی گویا شیر تھے جو بکریوں کے گلے میں داخل ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو قلب لشکر تک پہنچنے سے عثمانیہ لشکر کی کوئی طاقت نہ روک سکی۔ کائی سی پھاڑتے ہوئے اور کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے یہ لوگ ٹھیک اس مقام تک پہنچ گئے جہاں سلیم کھڑا ہوا اپنی فوج کے مختلف دستوں کو احکام بھیج رہا تھا مگر حسن اتفاق سے طومان بے نے سنان پاشا کو جو سلطان سلیم کے قریب کھڑا تھا، سلیم سمجھا اور اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے آتے ہی سنان پاشا کو سلیم کہہ کر للکارا اور ایک ایسا بچا تلا نیزہ کا وار کیا کہ نیزہ سنان پاشا کو چھید کر پار نکل گیا اور بغیر اس کے کہ وہ خود کوئی حرکت کر سکے یا کوئی اس کو بچانے کی کوشش کرے، مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اسی طرح الان بے اور قراط بے نے بھی دو اور عثمانی سپہ سالاروں کو قتل کیا مگر سلطان سلیم کو کوئی شناخت نہ کر سکا۔ اس طرح یہ تینوں مملوکی سردار تین عثمانی سپہ سالاروں کو سلطان سلیم کے سامنے عین قلب لشکر میں قتل کر کے صاف نکل گئے اور کسی کو جرات نہ ہوئی کہ ان کو روک سکے۔ اپنے پندار میں وہ سلطان سلیم کو قتل کر کے قصہ پاک کر چکے تھے مگر خوش قسمتی سے سلطان سلیم بچ گیا اور میدان کارزار بدستور گرم رہا۔ اس حملہ میں صرف الان بے کے پاؤں میں بندوق کی ایک گولی لگی، جس سے وہ زخمی ہوا مگر کوئی اب کو گرفتار نہ کر سکا، صاف بچ کر نکل گیا۔

سلطان سلیم مملوکیوں کی اس بہادری کو دیکھ کر حیران و ششدر تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ اگر آج میرے پاس توپ خانہ اور بندوقوں سے مسلح دستے نہ ہوتے تو مملوکیوں کے مقابلے میں لشکر کی کثرت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ سلطان سلیم نے بڑی ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ برق انداز دستوں اور توپوں کو مصروف کار رکھا۔ مملوکیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کا ایک ایک سردار اپنا اپنا ماتحت دستہ لے کر حملہ آور ہوتا تھا اور گولوں اور گولیوں کی بارش میں عثمانیوں کی صف اول تک پہنچنے سے پہلے پہلے یہ سب ختم ہو جاتے تھے مگر ان میں سے کوئی شخص پیچھے ہٹنے اور بھاگنے کا نام نہ لیتا تھا۔ یہ لڑائی اس اعتبار سے دنیا کی بے نظیر لڑائی تھی کہ اس میں مملوکیوں نے محض اپنی بہادری کا ثبوت پیش کرنے کے لئے دیدہ دانستہ اپنے آپ کو توپوں اور بندوقوں کے منہ میں جھونک دیا۔ مگر اس عار کو گوارا نہ کیا کہ بارود کی طاقت بہادروں کی بہادری کو بزدلی سے تبدیل کر سکتی ہے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ پچیس ہزار مملوک رضوانیہ کے میدان میں کھیت رہے اور صرف چند شخص باقی رہے جو باصرار تمام سلطان طومان بے کو اس میدان سے لوٹا کر مقام عضوبیہ کی طرف لے گئے۔ اس لڑائی میں جس قدر مملوک مارے گئے، وہ سب کے سب توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں سے مرے لیکن عثمانیہ لشکر کے جس قدر آدمی کام آئے وہ سب تلواروں

اور برچھوں سے مارے گئے کیونکہ مملوکیوں کے پاس قسم کھانے کو ایک بھی بندوق نہ تھی اور وہ بندوق کو ہاتھ لگانا بھی نامردی کی بات سمجھتے تھے۔ چونکہ سلطان طومان بے میدان رضوانیہ سے مقام عضوبیہ میں چلا گیا تھا اور قاہرہ خالی تھا، لہذا جنگ رضوانیہ سے ساتویں روز سلطان سلیم نے قاہرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس عرصہ میں مملوکی سپاہی جو ادھر ادھر ملک میں منتشر تھے آ آ کر عضوبیہ میں طومان بے کے پاس جمع ہوئے اور ایک مختصر سی فوج پھر طومان بے کے ماتحت فراہم ہو گئی۔

یہ سن کر سلطان سلیم نے قاہرہ پر قبضہ کر لیا ہے، طومان بے نے اس مختصر سی فوج کو لے کر قاہرہ پر حملہ کیا۔ سلیم احتیاطاً شہر سے باہر اپنے فوجی کیمپ میں مقیم تھا۔ طومان بے نے دوسری طرف سے یکا یک شہر میں داخل ہو کر ترکوں کو جو فاتحانہ شہر پر قابض اور متصرف ہو گئے تھے، قتل کرنا شروع کیا۔ اس دار و گیر میں ایک بھی عثمانی سپاہی جو اس وقت شہر کے اندر تھا، زندہ نہ بچا۔ سب کے سب قتل کر دیئے گئے اور طومان بے نے شہر پر دوبارہ قابض ہو کر کوچوں گلیوں اور شہر کے مکانوں کے ذریعہ مورچہ بندی کی۔ شہر قاہرہ کی کوئی فصیل نہ تھی جو اس حالت میں مدد پہنچاتی۔ سلطان سلیم نے اپنی فوج لے کر شہر میں داخل ہونا چاہا تو ہر ایک گلی کوچہ مورچہ بند اور سد راہ نظر آیا۔ سلیم کو اب بڑی مشکلات کا سامنا تھا اور ایک ایسا شہر بھی جو اپنی کوئی فصیل نہیں رکھتا، فتح نہیں ہو سکتا، یہ سلطان سلیم کے لئے بڑی ہی ذلت کی بات تھی اور اس کی شہرت کو یقیناً سخت صدمہ پہنچتا۔ اگر وہ قاہرہ کو چھوڑ کر واپس چلا جاتا۔ یہ ایسا گرم دودھ تھا جس کو نگل سکتا تھا، نہ اگل سکتا تھا۔ تین دن تک برابر قاہرہ کی گلیوں یعنی بیرونی محلوں میں جنگ و پیکار کا بازار گرم رہا مگر سلیم قاہرہ کے کسی محلہ میں اپنے قدم نہ جما سکا۔ سلطان سلیم نے جب دیکھا کہ طومان بے کو قاہرہ سے بے دخل کرنا دشوار ہے اور مشکلات بڑھتی چلی جاتی ہیں تو اس نے مملوکی سردار خیری بے کو جو جنگ رضوانیہ ہی میں اس کے پاس چلا گیا تھا، بلوایا اور کہا کہ اب تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ؟ خیری بے نے کہا کہ آپ اب یہ اعلان کرا دیجئے کہ جو مملوکی ہتھیار رکھ دے گا اور ہمارے پاس چلا آئے گا اس کے جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور اس کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی لڑائی رک گئی اور سلیم نے بھی اپنی فوج شہر کے اطراف سے واپس اپنے کیمپ میں بلا لی۔ بعض مملوکی خود اس معافی کے وعدے پر اعتماد کر کے سلیم کے لشکر میں آ کر حاضر ہو گئے اور بعض کو شہر والوں نے باصرار لشکر سلطانی میں حاضر ہو جانے پر مجبور کیا۔ اس طرح آٹھ سو مملوکی سلطان سلیم کے لشکر میں حاضر ہو کر سلطان کے قیدی بن گئے۔ ان کو توقع تھی کہ اپنے وعدے کے موافق سلطان ہمارے ساتھ نیک سلوک کرے گا لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہی آٹھ سو مملوکی سردار قاہرہ کی سب سے بڑی طاقت تھے تو خیری بے کے مشورہ کے موافق سلطان سلیم نے ان سب کو قتل کرا دیا اور اس کے بعد شہر قاہرہ میں قتل عام کا حکم دیا۔

طومان بے یہ دیکھ کر کہ اب مقاومت اور مدافعت کی طاقت موجود نہیں رہی قاہرہ سے نکل کر

ریگستان کی طرف عربی قبائل میں چلا گیا اور سلطانی فوج نے شہر میں قتل عام شروع کیا۔ اس قتل میں پچاس ہزار آدمی مارے گئے۔ قرط بے جو طومان بے کا دست راست اور بڑا ہی بہادر شخص تھا، قاہرہ کے اندر ایک مکان پر میں روپوش رہا۔ قتل عام سے فارغ اور شہر والوں کو کافی طور پر کمزور و خائف بنا کر سلطان نے طومان بے اور قرط بے کے تلاش کرنے کا حکم دیا۔ آخر معلوم ہوا کہ طومان بے تو قاہرہ سے نکل گیا ہے لیکن قرط بے ابھی تک قاہرہ میں موجود اور روپوش ہے۔ سلیم نے قرط بے کے پاس پیغام بھیجا کہ اب مملوکیوں کی طاقت ٹوٹ چکی ہے۔ ہم تمہاری بہادری دیکھ چکے ہیں تم بلا تامل ہمارے پاس چلے آؤ تم کو جان کی امان دی جاتی ہے۔ قرط بے نے جس دیکھا کہ اب اگر سلیم کے اس وعدہ معافی کو قبول نہیں کرتا ہوں تب بھی گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوں گا، فوراً سلطان سلیم کے پاس چلا آیا۔

سلیم نے اس کو دیکھ کر کہا کہ جنگ رضوانیہ کے دن میں نے تجھ کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ تو بڑی بہادری اور بے باکی کا اظہار کرتا تھا مگر اس وقت تو تو بہت خاموش نظر آتا ہے۔ قرط بے نے کہا میں اب بھی ویسا ہی بہادر ہوں لیکن تم عثمانی بڑے بزدل اور نامرد ہو۔ تمہاری ساری بہادری اور فتح مندی بندوق کی بدولت ہے۔ ہمارے سلطان قانصو غازی کے زمانے میں ایک فرنگی بندوق لے کر آیا اور اس نے سلطان قانصو غازی کی خدمت میں عرض کیا کہ تمام مملوکی فوج کو بندوقیں فراہم کر دی جائیں تو یہ مفید ہوگا۔ ہمارے سلطان اور تمام اراکین دربار نے کہا کہ لڑائی میں بندوق سے کام لینا بڑی نامردی کی بات ہے۔ ہم اس کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس وقت اس فرنگی نے سر دربار یہ کہا تھا کہ تم دیکھ لو گے ایک روز انہیں بندوقوں کی بدولت سلطنت مصر تمہارے قبضے سے نکل جائے گی۔ ہم نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تم نے بڑی نامردی کے ساتھ محض ان بندوقوں کی بدولت ہم پر فتح پالی لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ بندوق فتح و شکست کا اصل سبب ہرگز نہیں ہو سکتی۔ فتح و شکست کے لئے تلوار و تیر ہی سب سے زیادہ موثر چیزیں ہیں۔ ہم کو یہ شکست اس لئے ہوئی ہے کہ ہماری حکومت و سلطنت اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ رکھنی منظور نہ تھی۔ اسی طرح تمہاری حکومت و سلطنت بھی ایک روز ضرور ختم ہو جائے گی۔ دنیا میں جس طرح انسانوں کی عمریں محدود ہوتیں ہیں، اسی طرح سلطنتوں اور حکومتوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے، جس کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ تم ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ ہم سے زیادہ بہادر ہونے کی وجہ سے تم نے فتح پائی۔ سلطان سلیم نے کہا کہ اگر تو ایسا ہی بہادر ہے تو اس وقت میرے سامنے ایک قیدی کی حیثیت سے کیوں موجود ہے؟ قرط بے نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو تیرا قیدی نہیں سمجھتا۔ میں تو تیرے وعدے پر ہی اعتماد کر کے اپنی خوشی سے تیرے پاس چلا آیا ہوں اور اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھ رہا ہوں۔ سلطان سلیم اور قرط بے کی گفتگو یہیں تک ہونے پائی تھی کہ قرط بے کی نظر خیری بے پر پڑی جو سلیم کے ہوا خواہوں اور امیروں میں شامل ہو چکا تھا۔ اس نے فوراً خیری بے کی طرف متوجہ ہو کر اس کو سخت لعنت و

ملامت کی جس سے اس کی اس مجلس میں بڑی بے عزتی ہوئی اور پھر سلطان سلیم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ اس دغا باز کا سر اڑا دے اور اس کو اس کی مکاری کی سخت سزا دے ورنہ یہ تجھ کو بھی اپنے ساتھ دوزخ میں لے جائے گا۔ یہ سن کر سلطان سلیم نے طیش اور غصہ کے لہجہ میں جواب دیا کہ میرا ارادہ تھا کہ تجھ کو آزاد کر کے کوئی بڑا جنگی عہدہ تجھ کو عطا کروں مگر تو نے اب تک بڑی ہی بدتہذیبی کی گفتگو کی ہے اور آداب دربار سلطانی کو مطلق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ تو نہیں جانتا کہ جو شخص دربار سلطانی میں بدتہذیبی کا مرتکب ہوتا ہے، وہ ذلت و نقصان اٹھاتا ہے۔ قرط نے نہایت آزادانہ اور بے باکانہ لہجہ میں جواب دیا کہ اللہ وہ دن نہ لائے کہ میں تیرے نوکروں اور ہوا خواہوں میں شامل ہوں۔ یہ سنتے ہی سلطان کا طیش و غضب بھڑک اٹھا اور اس نے جلادوں کو آواز دی۔ قرط بے نے کہا تو تنہا میرے سر کو کٹوا کر کیا کرے گا جب کہ مجھ جیسے اور بھی ہزاروں بہادر ابھی تیرے سر کی تلاش اور فکر میں موجود ہیں۔ اور طومان بے بھی زندہ اور تجھ سے بدلہ لینے کی کوشش میں مصروف ہے۔ جلاد آئے اور انہوں نے تلوار نکال کر قرط بے کی طرف اس کا سر اڑانے کے لئے حملہ کیا تو قرط بے نے خیری بے کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ لے اب میرے سر کو لے جا کر اپنی جورو کی گود میں رکھ دے۔ یہ الفاظ اس کی زبان سے نکل رہے تھے کہ تلوار نے اس بہادر کے سر کو جسم سے جدا کر دیا۔

طومان بے نے قاہرہ کے دوبارہ مفتوح ہونے پر قاہرہ سے نکل کر عربی قبائل کو بھرتی کرنا شروع کیا اور ایک معقول جمعیت فراہم کر کے سلیم کی فوج پر حملے شروع شروع کئے۔ سلیم نے فوج کے دستے اس کے مقابلہ پر روانہ کرنے شروع کئے اور طومان بے نے ہمیشہ ان کو شکست دے دے کر بھگا دیا۔ طومان بے کی فوج دو حصوں میں منقسم تھی یعنی کچھ تو بقیۃ السیف مملوکی اس کے پاس آ گئے تھے اور کچھ عرب قبائل شامل ہو گئے تھے۔ مملوکیوں اور عربوں کو عثمانیوں یعنی اپنے نئے فاتحوں سے یکساں نفرت تھی اور اسی لئے وہ مل کر عثمانی فوج کے دستوں کو بار بار شکست دے چکے تھے لیکن خود عربوں اور مملوکیوں کے درمیان بھی رقابت موجود تھی اور یہ طومان بے کے لئے سب سے بڑی مصیبت تھی۔

سلطان سلیم نے طومان بے کی بار بار کی حملہ آوریوں سے مجبور ہو کر اس کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم اطاعت و فرماں برداری کا اقرار کرو تو میں تم کو ملک مصر کا بادشاہ تسلیم کر کے یہاں سے چلا جاؤں گا اور اس ملک کی حکومت تمہارے لئے چھوڑ دوں گا لیکن چونکہ سلطان سلیم مملوکیوں کے نہایت محبوب سردار قرط بے کو قتل کرا چکا تھا اور اس نے قاہرہ میں قتل عام کرایا تھا۔ لہٰذا سلطان سلیم کا سفیر مصطفیٰ پاشا جب یہ پیغام لے کر طومان بے کے پاس پہنچا تو مملوکیوں نے سلیم کے اس سفیر اور اس کے ہمراہیوں کو جوش غضب، میں فوراً ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ سلطان کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کے عوض تین ہزار قیدیوں کو قتل کرا دیا اور طومان بے کے مقابلے کو ایک نہایت زبردست فوج معہ توپ خانہ روانہ کی۔ طرفین

میں اہرام مصر کے قریب جنگ عظیم برپا ہوئی۔ عین معرکہ جنگ میں مملوکی اور عرب لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑے۔ ادھر مملوکی عربوں کو اور عرب مملوکیوں کو قتل کر رہے تھے، ادھر عثمانی توپ خانہ دونوں کی صفائی کر رہا تھا۔ لہٰذا طومان بے کی فوج کے برباد ہونے میں وقت کچھ زیادہ صرف نہیں ہوا۔ اس طرح اس فوج کے بربادی کے بعد طومان بے وہاں سے ایک عرب سردار کے پاس جس پر اس نے بڑے بڑے احسانات کئے تھے چلا گیا۔ اس محسن کش نے اس بہادر اور شریف مملوکی سلطان کو گرفتار کر کے سلطان سلیم کے پاس بھیج دیا۔

جس وقت سلطان سلیم کے پاس یہ خبر پہنچی کہ طومان بے گرفتار ہو گیا ہے تو اس نے جوش مسرت میں کہا کہ اب مصر کا ملک فتح ہو گیا۔ جس وقت طومان بے قریب پہنچا تو سلطان سلیم نے اس کا بادشاہوں کی طرح استقبال کیا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا اور نہایت عزت و توقیر کے ساتھ بطور ایک معزز مہمان ٹھہرایا۔ سلطان سلیم کا یہ برتاؤ طومان بے کے ساتھ دیکھ کر خیری بے اور غزالی بے کو سخت فکر ہوئی۔ یہ دونوں غدار طومان بے کے جانی دشمن تھے۔ ادھر سلطان سلیم کا یہ ارادہ تھا کہ طومان بے کو بدستور ملک مصر کا بادشاہ بنا کر اس پر احسان کرے اور اس ملک کی حکومت اس کو سپرد کر کے خود قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو جائے۔ غزالی بے اور خیری بے نے اس موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ انہوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ سلطان تک ایسی خبریں پہنچائیں اور پہنچوائیں کہ ایک بڑی زبردست سازش طومان بے کو چھڑانے اور مصر کا سلطان بنانے کے لئے ہو رہی ہے اور طومان بے بہت جلد آزاد ہو کر سلطان کے لئے سخت خطرے کا موجب بننے والا ہے۔ چونکہ سلطان سلیم اب تک طومان بے کی وجہ سے سخت مشکلات کا مقابلہ کر چکا تھا، اس لئے اس نے فوراً طومان بے کے قتل کئے جانے کا حکم دے دیا اور اس طرح ۱۷ اپریل سنہ ۱۵۱۷ء مطابق سنہ ۹۲۲ھ مملوکیوں کا یہ آخری سلطان مقتول ہوا۔

طومان بے کے قتل ہونے پر سلطان سلیم کو مصر کی حکومت کے متعلق کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ مصر کو فتح کر لینے کے بعد اس پر قبضہ رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ کئی سو برس سے مملوکی مصر پر فرماں روا تھے۔ مملوکی مصر کے اصلی باشندے نہ تھے۔ وہ ہمیشہ سرکیشیا و کوہ قاف کے علاقوں سے غلام خرید خرید کر منگواتے اور اپنی تعداد کو پورا رکھتے تھے۔ مصر میں ان کی نسلیں بھی بڑھ گئی تھیں اور اب وہ ایک حکمران قوم کی حیثیت سے مصر میں کافی اقتدار رکھتے تھے۔ دوسری طرف عربوں کی تعداد بھی مصر میں اس قدر موجود تھی کہ مصر کا ملک ایک عربی ملک سمجھا جاتا تھا۔ دینی و مذہبی اعتبار سے عربوں کی عزت و سرداری عام طور پر مسلم تھی اور مصر کے عرب باشندے شام و حجاز کے عربوں سے تعلقات رکھنے کے سبب ایک زبردست سیاسی اہمیت رکھتے تھے۔ مصر کے قدیم باشندے یعنی قبطی قوم اور یہودی نسلیں بھی زراعت پیشہ اور دفتروں میں حساب کے کاموں پر مامور ہونے کی وجہ سے بہت کچھ اثر رکھتے تھے۔ ادھر

مصر کے مغربی وجنوبی سمتوں کے سرحدی صوبوں اور علاقوں کی قومیں بھی مصر پر چڑھائی کرنے اور قابض ہونے کی استعداد رکھتی تھیں۔ اندریں صورت اگر سلطان سلیم کسی گورنر کو مصر کی حکومت پر مامور کرتا تو وہ موقعہ رکھتا تھا کہ شام وحجاز اور مغربی ممالک کی قوموں کو اپنے ساتھ شریک کر کے خودمختاری کا اعلان کر دے۔ اگر ایسا حاکم مقرر کرتا جو عالی حوصلہ اور اولوالعزم نہ ہوتا اور بغاوت کا خیال بھی دل میں نہ لاسکتا تو اس سے ملک کے اندر امن وامان قائم نہ رہ سکتا تھا۔ سلطان سلیم اگر مصر کو فتح کرنے کے بعد فوراً ہی واپس چلا جاتا تو یقیناً ملک مصر فوراً اپنی خودمختاری کا پھر اعلان کر دیتا اور دوبارہ سلطان کو پھر اسی قدر زحمت گوارا کرنی پڑتی۔ سلطان نے مصر کو فتح کرنے کے بعد مصر میں بہت دنوں قیام رکھا اور یہاں کے حالات کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ طرابلس وغیرہ کی طرف بڑھ کر تمام شمالی افریقہ کو مراکش تک فتح کر لے۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت خوب ہوتا کیونکہ پھر اندلس کا فتح کر لینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور سلطان سلیم کو مجبوراً قسطنطنیہ کی طرف واپس لوٹنا پڑا۔

مملوکیوں سے مصر کی حکومت چھین لینے کے بعد سلطان سلیم کے لئے بہت آسان تھا کہ وہ مملوکیوں کی قوم کو مصر سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس نے بڑی دانائی اور نہایت عقل مندی کے ساتھ مملوکیوں کی طاقت وتعداد کو قائم رکھا اور اپنی طرف سے مملوکیوں کے سردار غدار خیری بے کو مصر کی گورنری پر مامور کیا اور اجازت دی کہ جس طرح مملوکیوں کی کونسل یا پارلیمنٹ چوبیس سرداروں پر مشتمل ہوا کرتی تھی، وہ اب بھی اسی طرح قائم ہو۔ مملوکیوں میں دستور تھا کہ چوبیس مملوکی سردار جو اعلیٰ عہدوں پر معمور ہوا کرتے تھے، اپنے سلطان کے فوت یا قتل یا معزول ہونے پر اپنی کثرت رائے سے کسی ایک سردار کو سلطان منتخب کر لیا کرتے تھے۔ ان سرداروں کی تعداد بدستور قائم رکھی گئی اور ان کے عہدے بھی بدستور بحال رہے مگر مصر کے عہدے سلطان عثمانی کی منظوری سے مقرر ہونا تجویز ہوا۔ ساتھ ہی یہ اصلاح بہت معقول کی گئی کہ قاضی القضاۃ اور مفتی وغیرہ کے تمام مذہبی عہدے عرب سرداروں کے ساتھ مخصوص کیے گئے۔ روپیہ کی تحصیل ووصولی کا کام اور مالی عہدے قبطیوں اور یہودیوں کو دیئے گئے۔ اس طرح دو عملی بلکہ سہ عملی نظام قائم کر کے پانچ ہزار سوار اور پانچ سو پیدل سلطان سلیم نے اپنی فوج میں سے قاہرہ میں تعینات کئے اور خیر الدین نامی سردار کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے حکم دیا کہ شہر قاہرہ اور مرکزی قلعوں پر تمہارا قبضہ رہنا چاہئے۔ اور کسی حالت میں بھی تم کو شہر یا قلعہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح تمام خطرات کا سدباب ہو گیا۔

سلطان نے مصر کی فتح کے بعد جبکہ جمعہ کا دن آیا تو قاہرہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ سلطان کے لئے پہلے سے نہایت قیمتی قالین مسجد میں بچھا دیا گیا تھا۔ جب سلطان سلیم مسجد میں پہنچا تو اس نے اس امتیازی مصلے کو فوراً اٹھوا دیا اور عام نمازیوں کی طرف نماز ادا کی اور نماز میں سلطان پر اس

قدر رقت طاری ہوئی کہ اس کے آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ فتح مصر کے بعد سلطان نے مصر سے اعلیٰ درجہ کے معماروں اور صناعوں کی ایک تعداد بذریعہ جہاز قسطنطنیہ روانہ کر دی تھی، جیسا کہ اس نے تبریز سے بھی بہت سے کاریگروں کو قسطنطنیہ بھیج دیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان سلیم کی نظر کس قدر وسیع اور عمیق تھی اور اپنے دارالسلطنت کی رونق اور عظمت کے بڑھانے کا اس کو کس قدر خیال تھا۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ مصر میں اس قدر زیادہ مدت رہنے کے باوجود اس نے اہرام مصری کی طرف مطلق التفات نہ کیا، نہ ان کی سیر کے لئے گیا۔ ہاں اس نے مصر کی مساجد اور مدرسوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول رکھی۔ علماء کی عزت بڑھائی، ان کے روزینوں میں اضافہ کیا۔ سلطان نے مصر ہی میں اس بات کو سوچ لیا تھا کہ ملک عرب پر بھی قبضہ وتسلط ہونا ضروری ہے۔ ملک عرب کے مقدس شہروں مثلاً مکہ و مدینہ وغیرہ میں عرب سرداروں کی سیادت قائم تھی۔ ان شہروں میں کسی جنگی نمائش اور فوجی کارروائیوں کی مطلق ضرورت نہ تھی بلکہ سب سے زیادہ ضرورت ان شہروں کے باشندوں کے رضامند کرنے اور ان کے قلوب پر قبضہ کرنے کی تھی۔ چنانچہ سلطان سلیم نے اس مقصد کے حاصل کرنے میں مطلق دھوکا نہیں کھایا اور اس نے احسانات کی بارشوں سے عرب سرداروں کے قلوب کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس سے پیشتر عرب یعنی حجاز کے شہنشاہ مملوکی سمجھے جاتے تھے۔ اب ان کی حکومت مٹ جانے کے بعد سلطان سلیم ملک حجاز کا بادشاہ سمجھا گیا۔ لیکن اگر عرب سردار چاہتے تو سلطان سلیم کو اپنا بادشاہ تسلیم نہ کرتے اور مقابلہ سے پیش آتے مگر سلطان سلیم کو عربوں پر مہربان دیکھ کر عرب سرداروں نے خود بخود اس کے پاس مبارک باد کے پیغام بھیجے اور اس کو خادم الحرمین الشریفین کا خطاب دیا، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مصر میں عباسی خلیفہ مملوکیوں کے پاس اسی طرح شان و شوکت اور اخوت کے ساتھ رہتے تھے جیسے روما میں پوپ یا دہلی میں اکبر ثانی اور بہادر شاہ ظفر آخری سلاطین مغلیہ رہا کرتے تھے۔ ان عباسی خلفاء کی حکومت تو کچھ نہ تھی، نہ کسی ملک پر ان کا قبضہ تھا، نہ کوئی فوج ان کے ماتحت تھی مگر نہ صرف مصر کے مملوکی سلاطین بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے فرماں روا بھی ان سے خطابات اور سند حکومت حاصل کرنے کو موجب فخر جانتے تھے اور وہ مذہبی پیشوا سمجھے جاتے تھے۔

سلطان سلیم نے خلفائے عباسیہ کی اس اہمیت اور عہدہ خلافت کے اثر کو بخوبی محسوس کر لیا تھا۔ اس نے مصر کے موجودہ آخری خلیفہ کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ خود ہی عہدہ خلافت سے دست بردار ہو کر ان چند تبرکات کو جن کو وہ بطور نشان خلافت وراثتاً اپنے قبضہ میں رکھتا تھا، سلطان سلیم کے سپرد کرے اور سلطان سلیم کو مسلمانوں کا خلیفہ مان لے۔ ان تبرکات میں ایک علم، ایک تلوار اور ایک چادر تھی۔ یہ چیزیں عباسی خلیفہ نے سلطان سلیم کو دے کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح مسلمانوں میں ایک نام کے خلیفہ کی جگہ حقیقی معنوں میں خلیفہ موجود ہو گیا۔ خلیفہ کے معنی درحقیقت مسلمانوں کے سبب

سے بڑے شہنشاہ اور بادشاہ کے ہیں۔ سلطان سلیم کے سوا اس وقت کی اسلامی دنیا میں کوئی شخص خلافت کا مستحق بھی نہ تھا۔ سنہ ۹۲۳ھ کے آخر ایام میں سلطان سلیم مصر سے ایک ہزار اونٹ چاندی سونے سے لدے ہوئے لے کر روانہ ہوا اور آخری عباسی خلیفہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ روانگی کے وقت جب کہ ابھی سلطان کے لشکر نے قاہرہ سے کوچ کر کے چند ہی میل کا فاصلہ طے کیا تھا، سلیم عثمانی نے اپنے وزیر اعظم یونس سے، جو اس کے برابر گھوڑے پر سوار باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا کہا کہ اب بہت جلد ہم سرحد شام میں پہنچ جائیں گے۔ وزیر نے کہا کہ ہم اس سفر میں نصف فوج ضائع کر کے واپس ہو رہے ہیں اور مصر کا ملک پھر انہیں لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جن سے اس قدر محنت کے بعد فتح کیا تھا۔ وزیر نے یہ بھی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ مصر پر حملہ آور ہو کر ہم نے کیا نفع حاصل کیا۔ یہ سنتے ہی سلطان نے اپنے ہمراہی سواروں کو حکم دیا کہ اس کا سر اڑا دو۔ چنانچہ فوراً یونس پاشا کا سر اڑا دیا گیا۔ سلطان سلیم اپنے وزیروں اور مصاحبوں کے لئے بڑا سخت گیر تھا مگر بخلاف اس کے وہ علماء کی ہرگستاخی اور سختی کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یونس شروع ہی سے مصر کی فتح کے خلاف تھا اور اس نے مصر پر حملہ آوری کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ اب بھی اس نے اپنی اسی رائے کا اظہار کیا۔ حالانکہ سلطان سلیم نے مصر کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ کی عظمت کو بہت ترقی دے دی تھی۔ اس حملہ آوری اور مصر سے واپس آنے تک سلطان سلیم کے قریباً دو سال صرف ہوئے لیکن شام، عرب اور مصر تین ملکوں کا اضافہ سلطنت عثمانیہ میں ہو گیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ نفع حاصل ہوا کہ سلطان سلیم عثمانی حملہ آوری کے وقت محض سلطان سلیم تھا اور اب واپسی کے وقت وہ خلیفۃ المسلمین سلطان سلیم تھا اور خلیفۃ المسلمین ہونے کی وجہ سے تمام عالم اسلامی میں وہ مقتدا اور پیشوا سمجھے جانے کا استحقاق حاصل کر چکا تھا۔

مصر سے واپس آ کر سلطان سلیم نے دمشق میں کئی مہینے قیام کیا۔ بعض روایتوں کے موافق وہ دمشق سے حج بیت اللہ کے لئے گیا مگر عام طور پر یہی مشہور ہے کہ سلطان سلیم یا اور کوئی عثمانی سلطان حج بیت اللہ کے لئے کبھی نہیں گیا۔ دمشق میں رہ کر سلطان سلیم نے عرب سرداروں سے اطاعت کے اقرار لئے اور ان کے ساتھ تعلقات بڑھائے۔ دمشق سے روانہ ہو کر حلب میں آیا اور یہاں بھی بہت دنوں مقیم رہا۔ اس سفر یعنی واپسی میں اس نے حجاز و شام کے متعلق اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام کی تدبیروں سے کام لیا اور ملک شام کو بہت سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کمشنری یا ضلع میں الگ الگ عامل مقرر کئے، جس سے کسی خطرناک بغاوت کا امکان جاتا رہا۔ یہاں سے فارغ ہو کر سنہ ۹۲۴ھ میں سلطان سلیم قسطنطنیہ واپس پہنچا۔

سلطان سلیم نے قسطنطنیہ واپس آ کر ریاست وینس سے جزیرہ (قبرص، سائپرس) کا خراج وصول کیا۔ وینس والے اس جزیرے کا خراج مصر کے مملوکی کو ادا کیا کرتے تھے۔ اب جبکہ مصر سلطان

عثمانی کے قبضے میں آ گیا تو سلطان نے ان سے وہ خراج وصول کرنا شروع کیا اور وینس والوں نے اقرار کیا کہ ہم ہمیشہ سلطان سلطان عثمانی کی خدمت میں خراج ادا کرتے رہیں گے۔

اندلس کی عیسائی سلطنت نے سلطان کی خدمت میں ایک سفارت بھیج کر استدعا کی کہ جو عیسائی شام و فلسطین کے مقدس شہروں کی زیارت کو جائیں ان کی حفاظت کی جائے۔ سلطان سلیم نے اس درخواست کو فوراً منظور کر لیا اور وعدہ کیا کہ عیسائی زائرین کو میرے حدود سلطنت میں کوئی آزار نہ پہنچایا جائے گا۔ شاہ ہنگری سے جو صلح قائم تھی اس کی میعاد قریب الختم ہونے کے سبب شاہ ہنگری نے میعاد صلح کی توسیع چاہی اور سلطان نے اس درخواست کو بلا تامل منظور کر لیا۔ سلطان سلیم کی فتوحات جو اسے ایشیا و افریقہ میں حاصل ہوئی تھیں ایسی نہ تھیں کہ ان کا اثر یورپ والوں پر نہ ہوتا۔ سلطان سلیم نے ایک طرف اپنی حدود سلطنت کو بہت وسیع کیا، دوسری طرف خلیفۃ المسلمین ہو جانے کی وجہ سے اس کی عظمت و شوکت میں بہت ترقی ہو گئی تھی۔ یورپ کے تمام سلاطین لرز رہے تھے کہ یہ ابر بارندہ کہیں ہم پر نہ برس پڑے اور اور یہ برق جہندہ کہیں یورپ میں ہمارے خرمن ہستی کو نہ جلا دے۔ سلطان سلیم کے مصر سے واپس آنے کے بعد ہی عیسائی سلاطین نے پیغامات صلح بھیجنے شروع کئے اور سفارش کے ذریعہ اپنی نیازمندی کا یقین دلانے لگے۔ سلطان سلیم اگرچہ بے حد سخت گیر و غضب ناک شخص تھا مگر انتہا درجہ مآل اندیش اور دور بین بھی تھا۔ وہ ایسے بے وقوف نہ تھا کہ ان خوشامندی لوگوں کی باتوں میں آ کر عواقب امور سے غافل رہتا۔ وہ عیسائیوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں سے خوب واقف تھا۔ اس نے مصر، شام، حجاز، عراق اور مغربی ایران کو اپنی حدود حکومت میں داخل کر کے ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر لی تھی جو ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کے لئے یورپی عیسائی ممالک ہی باقی تھے اور وہ ان ملکوں کی فتح کے خیال سے ہرگز غافل نہیں رہ سکتا تھا، جن کی فتح کے لئے اس کے بزرگوں نے مسلسل کوششیں جاری رکھیں تھیں۔

سلطان سلیم کے بزرگوں کی اکثر زور آزمائیاں عیسائی سلاطین کے ساتھ رہی تھیں۔ تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان سلیم اعلیٰ درجہ کا مذہبی شخص تھا اور اس میں دینی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لیکن حیرت ہوتی ہے کہ سلطان سلیم نے اب تک مسلمانوں ہی سے لڑائیاں کیں اور مسلمانوں ہی کے قبضے سے ملک نکالے مگر حقیقت یہ تھی کہ سلیم نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں کے اندر خالص دینی جذبہ بہت کمزور ہو گیا ہے اور رذائل نے مسلمانوں کے اخلاق میں دخل پا کر مصالح دینی کو برباد کر دیا ہے۔ تیمور و بایزید کی جنگ اس خطرے کا سب سے بڑا اعلان تھا۔ سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے اور عیسائی سلطنت کو مٹا کر ایک حد تک اطمینان کی شکل اکر دی تھی لیکن پھر بھی ایشیائے کوچک کی بغاوتیں سلاطین عثمانی کو پریشان رکھتی تھیں۔ اسماعیل صفوی

کی ریشہ دوانیوں اور شرانگیزیوں نے سلیم عثمانی کو تخت نشین ہوتے ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ لہٰذا اس نے سب سے پہلے تو ایران کی شیعہ سلطنت کو سزا دے کر اور اس کے ضروری صوبوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے مشرقی خطرے کا بندوبست کیا۔ اب ایرانیوں کی طرف سے کسی حملہ آوری کا کوئی خوف و اندیشہ باقی نہ تھا اور شیعوں کے ایشیائے کوچک میں قتل کرا دینے سے کسی خطرناک سازش کا بھی اندیشہ نہ رہا۔ مصر کی اسلامی سلطنت نے چونکہ شہزادہ مصطفیٰ کے معاملے میں سلطنت عثمانیہ کے خلاف طاقت کا استعمال کیا تھا۔ اس لئے مصر کا خطرہ بھی ایرانی خطرے سے کم نہ تھا۔ سلطان سلیم نے مناسب نہ سمجھا کہ مصریوں کو نیچا دکھائے بغیر عیسائی ممالک پر حملہ آور ہو کیونکہ عیسائی سلاطین مصری سلاطین کو عثمانیہ سلطنت کے خلاف ابھارنے کی کوششیں کر سکتے تھے۔ مصر کو فتح کرنے کے بعد سلطان سلیم کے لئے اصل کام یعنی یورپ کا فتح کرنا باقی تھا۔ سلطان سلیم کی مآل اندیشی و دور بینی بے حد قابل تعریف ہے کہ اس نے مصر سے واپس آ کر عیسائی ممالک پر حملہ آور ہونے میں جلدی نہیں کی بلکہ سلطنت کے اندرونی انتظام و استحکام میں مصروف ہو کر ساتھ ہی ساتھ جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور اس حالت میں جس عیسائی بادشاہ نے صلح کی خواہش ظاہر کی، فوراً اس سے صلح کر لی مگر جنگی تیاریاں اس سرگرمی اور عجلت کے ساتھ جاری تھیں کہ اس سے پیشتر ایسی تیاریاں کبھی نہ دیکھی گئیں تھیں۔ مصر سے واپس آ کر سلطان سلیم نے جنگی جہازوں کے بننے کا حکم دیا۔ کئی کارخانے جہاز سازی کے قائم کئے گئے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو جنگی جہاز جن میں سے ہر ایک کا وزن سات سات سو ٹن تھا، تیار ہو گئے۔ ان کے علاوہ سو چھوٹے جہاز بھی تیار ہوئے۔ ان جہازوں کو تیار ہونے کے بعد باہر سمندر میں نکلنے اور گشت لگانے کی سخت ممانعت تھی بلکہ تیار ہو کر کارخانے ہی میں بند رکھے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان نے ایک جنگی جہاز کو ساحل قسطنطنیہ کے قریب سمندر میں گشت لگاتے اور چلتے پھرتے ہوئے دیکھا تو سخت ناراض ہوا اور قریب تھا کہ وہ امیر البحر کو قتل کرنے کا حکم دیتا مگر دوسرے سرداروں نے اور وزیروں نے بہ مشکل سلطان کے غصہ کو یہ کہہ کر فرو کیا کہ یہ جہاز ابھی تیار ہو کر تکمیل کو پہنچا ہے اور قاعدہ کے موافق اس کو سمندر میں چلا کر دیکھنا اور اس کی رفتار کا اندازہ کرنا ضروری تھا، اس لئے اس کو سمندر میں نکالا گیا ہے۔

جہازوں کے علاوہ سلطان سلیم نے توپوں اور بندوقوں کے بہت سے کارخانے قائم کئے۔ بارود سازی کے کارخانے بھی بڑی تیزی اور مستعدی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ فوجی بھرتی بھی برابر جاری تھی۔ ایشیائے کوچک میں ایک جدید مسلح فوج اس طرح مستعد رکھی گئی تھی کہ حکم سنتے ہی ایک منٹ کا توقف کئے بغیر کوچ یا جنگ میں مصروف ہو جائے۔ سلطان سلیم کے وزراء اس بحری و بری طاقت کے روزافزوں ترقی کو دیکھ دیکھ کر منتظر تھے کہ کوئی بڑی مہم پیش آنے والی ہے مگر ان کو مطلق اطلاع نہ تھی کہ یہ تیاریاں کس لئے ہو رہی ہیں۔ سلطان سلیم اپنے وزیروں اور مشیروں سے مشورے بھی لیتا تھا لیکن وہ

اپنے خاص الخاص اور اہم ارادوں کی کسی کو اطلاع نہ دیتا تھا۔ وہ شتاب زدگی اور جلد بازی کے ساتھ کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا لیکن جب کوئی ارادہ مصمم کر لیتا تو پھر فسخ عزم کرنا اور قدم پیچھے ہٹانا ممکن نہ تھا۔ وہ اپنے ارادے کا پختہ اور ہمت وشجاعت کا دھنی تھا جو کوئی اس کو فسخ عزم پر مجبور کرنا چاہتا تھا وہ اپنی جان گنوا دیتا تھا۔ اس ذی حوصلہ، باہمت سلطان نے اپنے مسلمان بھائیوں کو نیچا دکھانے اور ان کے خطرے کو مٹانے کے بعد اب یہ جنگی تیاریاں یقیناً عیسائیوں کے خلاف شروع کی تھیں اور اس کے نزدیک یہ تیاریاں ابھی بہت ناقص و ناتمام تھیں کیونکہ وہ یورپ پر ایک ایسا حملہ کرنا چاہتا تھا، جس میں شکست و ناکامی کو مطلق دخل نہ مل سکے۔

سلطان سلیم اپنی جنگی تیاریوں میں بڑی مستعدی کے ساتھ مصروف تھا کہ ۶/شوال سنہ ۹۲۶ھ مطابق ۲۲/ستمبر سنہ ۱۵۱۶ء شب جمعہ کو اس نے وفات پائی اور عیسائی ملکوں کی فتح کا کام اپنے بیٹے سلطان سلیمان اعظم کے لئے چھوڑ گیا۔ سلطان سلیم نے یکم شوال سنہ ۹۲۶ھ کو قسطنطنیہ سے ایڈریانوپل کی طرف کوچ کیا۔ ابھی وہ ایڈریانوپل تک نہیں پہنچا تھا بلکہ راستے میں اس مقام پر خیمہ زن تھا، جہاں وہ ایک مرتبہ اپنے باپ سے لڑا تھا کہ مرض کے اشتداد سے آگے نہ بڑھ سکا اور وہیں فوت ہوگیا۔ سلطان سلیم کی ران میں ایک پھوڑا نکلا تھا۔ طبیبوں نے گھوڑے کی سواری سے منع کیا لیکن سلطان سلیم نے گھوڑے کی سواری ترک نہ کی اور پھوڑا دم بدم خطرناک شکل اختیار کرتا گیا حتیٰ کہ سلطان کی موت کا باعث ہوا۔

سلطان سلیم کے عہد حکومت پر تبصرہ: سلطان سلیم نے صرف آٹھ سال آٹھ مہینے اور آٹھ دن حکومت کی۔ اس قلیل مدت میں اس نے جس قدر فتوحات حاصل کیں، کسی بڑے سے بڑے سلطان کو بھی حاصل نہیں ہو سکیں۔ سلطان کی خصوصیات میں سب سے بڑی قابل تذکرہ بات یہ ہے کہ وہ انتہائی طیش وغضب کے عالم میں بھی علمائے دین کی تکریم کو مدنظر رکھتا تھا۔ وزیروں اور سپہ سالاروں کو معمولی لغزشوں پر قتل کر دینا اس کے لئے معمولی بات تھی اور اسی لئے ارکین سلطنت اس سے خائف وترساں رہتے تھے۔ لیکن دینی پیشوا اور علماء اس کے طیش وغضب سے بے خوف اور آزاد تھے۔ سلیم کا خیال تھا کہ ملک کے اندر سخت گیری اور سیادت کے ذریعہ ہی امن وامان قائم رہ سکتا ہے اور ایک حد تک اس کا یہ خیال درست بھی تھا لیکن چونکہ وہ اعلیٰ درجہ کا مذہبی شخص تھا، اس لئے علمائے دین کی تحقیر وتذلیل وہ کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ سلطان سلیم نے محکمہ مال کے ڈیڑھ سو اہل کاروں کو کسی بات پر ناراض ہو کر گرفتار کرایا اور حکم دیا کہ سب کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ قسطنطنیہ کے قاضی جمالی نے یہ حکم سنا تو فوراً سلطان سے کہا کہ آپ نے یہ حکم غلطی سے دیا ہے۔ آپ اس حکم کو واپس لے لیں اور ان

لوگوں کا سر قلم نہ کرائیں کیونکہ وہ مستحق قتل نہیں ہیں۔ سلطان نے کہا کہ انتظام ملکی میں آپ کو دخل نہیں دینا چاہئے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ آپ اس دنیا کے ملک کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہیں اور میں آپ کی عالم آخرت میں بھلائی چاہتا ہوں۔ چاہے آپ کا یہ ملک کیسے ہی مصالح ملکی پر مبنی ہو لیکن عالم آخرت میں آپ کے نقصان وزیان اور خسران و ہلاکت کا موجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رحم کرنے والے پر انعام و بخشش کرتا اور ظالم کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ سلطان کو قاضی جمالی کے منشا کے موافق سب کو معاف و آزاد کرنا پڑا اور نہ صرف ان کو آزاد ہی کیا بلکہ ان کے عہدوں پر ان کو بدستور مامور کر دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ سلطان سلیم نے حکم دیا کہ ہمارے ملک سے ایران کے ملک میں ریشم قطعی نہ جانے پائے۔ ساتھ ہی ان سوداگروں کو جو قسطنطنیہ میں موجود اور ایران کے ملک میں ریشم لے جانے والے تھے گرفتار کرا لیا۔ ان سوداگروں کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ ان کی تمام جائیداد ضبط کر لینے اور ان کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان سلیم ایڈریانوپل کی طرف روانہ ہو رہا تھا اور قاضی جمالی بھی سلطان کے ساتھ تھا۔ اس نے سلطان سے ان سوداگروں کی سفارش کی۔ سلطان نے جواب دیا کہ دنیا کے دو تہائی باشندوں کی بہتری اور بھلائی کے لئے ایک تہائی کو قتل کر دینا جائز ہے۔ قاضی صاحب نے کہا اس وقت جبکہ یہ ایک تہائی موجب فساد ہوں۔ سلطان نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے کہ اپنے بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ان لوگوں تک حکم سلطانی ابھی نہیں پہنچا تھا، اس لئے یہ مجرم نہیں قرار پا سکتے۔ اگر اس قسم کی گفتگو کوئی وزیراعظم کرتا تو فوراً قتل ہو چکا ہوتا مگر سلطان نے نہایت غصہ کی حالت میں صرف یہ کہا کہ تم معاملات سلطنت میں دخل نہ دو۔ قاضی صاحل یہ جواب سن کر بہت برہم ہوئے اور بلا آداب بجا لائے اور بلا رخصت طلب کئے ہوئے ناراضگی کے ساتھ چل دیئے اور سلطان سلیم سخت حیرت کے عالم میں خاموش اپنے گھوڑے پر کھڑا رہ گیا۔ سلطان نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حکم دیا کہ اچھا سوداگروں کو رہا کر دیا جائے اور ان کا تمام مال و اسباب واپس دے دیا جائے۔ اس کے بعد قاضی صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے اپنی تمام مملکت یعنی ایشیا و یورپ کے علاقوں کا آپ کو قاضی القضاۃ بنا دیا مگر قاضی صاحب نے اس عہدہ جلیلہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم سلطان نے ان کے حال پر بہت مہربانیاں کیں۔

سلطان سلیم کا عہد حکومت دنیا میں مذاہب کے لئے بھی خصوصی زمانہ تھا۔ اسی زمانہ میں خلافت اسلامیہ خاندان عباسیہ سے نکل کر خاندان عثمانیہ میں آ گئی اور مجبور نام کے خلفاء کی جگہ صاحب ملک و لشکر خلفاء اسلام میں ہونے لگے۔ اسی زمانے میں لوتھر نے عیسائی مذہب میں اصلاح اور عقائد کی ترمیم تنسیخ

کا کام شروع کیا جو درحقیقت عثمانیوں کے یورپ میں داخل ہونے کا نتیجہ تھا۔ اسی زمانے میں ہندوستان کے اندر کبیر داس نے اپنا ایک پنتھ جاری کر دیا تھا۔ کبیر گورکھ پور کے قریب بمقام مگھر سنہ ۹۲۴ھ میں فوت ہوا تھا جو سلطان سکندر لودھی کا ہم عصر تھا۔ اسی سلطان کے عہد حکومت یعنی سنہ ۹۲۲ھ میں جیب گھڑی ایجاد ہوئی۔

سلطان سلیم عثمانی نے چاہا تھا کہ عیسائی ممالک پر حملہ آور ہونے سے اپنی حدود سلطنت کے رہنے والے تمام عیسائیوں کو اول مسلمان بنا کر اپنے ملک کو غیر ملکی عنصر سے قطعاً پاک وصاف کر دے۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں کے گرجوں کو مسجدیں بنا لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ خبر جب عیسائیوں کو پہنچی تو وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ سلطان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے وقت ہم کو ہر قسم کی مذہبی آزادی عطا کی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ تمہارے گرجوں کی حفاظت کی جائے گیا اور تمہارے مذہبی معاملات میں قطعاً مداخلت نہ ہوگی۔ عیسائیوں کے اس بیان کی علمائے دربار نے تائید کی اور قاضی جمالی بھی عیسائیوں کے سفارشی ہوئے۔ چنانچہ سلطان کو مجبوراً اس ارادے سے باز رہنا پڑا۔ عیسائی مورخ سلطان سلیم سے بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں اور سلطان کی مذہبی دلچسپی کو ایک عیب بتاتے ہیں۔ مگر یہ ان کی نابینائی اور تعصب ہے۔ سلطان سلیم کے باعظمت اور نیک ہونے کی ایک یہ بھی سب سے بڑی دلیل ہے کہ جس قدر ممالک پر سلطان سلیم نے قبضہ کیا تھا وہ تمام ملک سب سے آخر تک ترکوں کے قبضے یا کم از کم ان کی سیادت میں رہے۔ اس سلطان نے حکومت کا زیادہ موقع نہ پایا اور بہت جلد ۵۲ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اگر کچھ دنوں اور زندہ رہتا تو یقیناً تمام یورپ کو فتح کیے بغیر نہ رہتا۔ سلطان سلیم خاندان عثمانیہ میں سب سے پہلا خلیفہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ قلم کی گردش پوری ہو چکی اور ہم تاریخ کے طویل سلسلے کو اس جلد پر ختم کر رہے ہیں